وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں (۵۲/۲۴)

Vol-3

نزهة القاری

شرح

صحیح البخاری



تصنیف

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ



فرید بک سٹال
۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

نزهة القاری

شرح

صحیح البخاری

الجزء الثالث

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں

(۲۴/۵۲)

نزهة القاری

شرح

ضبط عبارت

صحیح البخاری

جلد سوئم

تصنیف

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

الطبع الاوّل: ربیع الثانی 1421ھ / جولائی 2000ء
الطبع الثانی: رمضان المبارک 1428ھ / ستمبر 2007ء
مطبع: رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

Farid Book Stall
Phone No:092-42-37312173-37123435
Fax No.092-42-37224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۳۷۱۲۳۴۳۵-۳۷۳۱۲۱۷۳-۴۲-۹۲۰
فیکس نمبر ۳۷۲۲۴۸۹۹-۴۲-۹۲۰
ای میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

انڈکس نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (سوم)

نمبر شمار	نام کتاب	صفحہ نمبر	حدیث نمبر	کل احادیث	تعلیق نمبر	کل تعلیقات
٤٦	ابواب [كتاب] المظالم والقصاص	٥٧٢	١٣٨٧ تا ١٤١٢	٢٦	٤٧٧ تا ٤٧٩	٣
٤٧	كتاب الشركة	٦٠٢	١٤١٣ تا ١٤٢١	٩	٤٨٠	١
٤٨	[كتاب الرهن]	٦١٧	١٤٢٢ تا ١٤٢٥	٤	٤٨١	١
٤٩	[كتاب العتق]	٦٢٣	١٤٢٦ تا ١٤٣٩	١٤	٤٨٢	١
٥٠	كتاب المكاتب	٦٤٠	١٤٤٠	١	٤٨٣ تا ٤٨٧	٥
٥١	[كتاب] الهبة وفضلها والتحريض عليها	٦٤٤	١٤٤١ تا ١٤٦٨	٢٨	٤٨٨ تا ٤٩٩	١٢
٥٢	كتاب الشهادات	٦٧١	١٤٦٩ تا ١٤٩٠	٢٢	٥٠٠ تا ٥٢٩	٣٠
٥٣	كتاب الصلح	٧٢١	١٤٩١ تا ١٥٠٠	١٠	-----	-----
٥٤	كتاب الشروط	٧٣٥	١٥٠١ تا ١٥٠٥	٥	٥٣٠ تا ٥٤٦	١٧
٥٥	كتاب الوصايا	٧٥٩	١٥٠٦ تا ١٥٢١	١٦	٥٤٧ تا ٥٦٣	١٧
			کل تعداد احادیث	٦٢٦	کل تعداد تعلیقات	٢٧٩

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد سوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵- کِتَابُ الْمَنَاسِك

[حج کے ارکان کا بیان]

۸۹۶- ح: اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا

[اللہ کا اس کے بندوں پر فریضۂ حج ایسے وقت میں آیا کہ میرے والد بوڑھے ہیں]

۸۹۶- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ الْفَضْلُ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتِ امْرَاَةٌ مِّنْ خَثْعَمَ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا وَتَنْظُرُ اِلَيْهِ وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَّا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فضل' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوار تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی' فضل اسے دیکھنے لگے' اور وہ فضل کو دیکھنے لگی' اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیتے تھے' اس (عورت) نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کا اس کے بندوں پر فریضۂ حج ایسے وقت میں آیا کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں' سواری پر بیٹھ نہیں سکتے' کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں' آپ نے فرمایا: کرسکتی ہو' اور یہ حجۃ الوداع میں ہوا تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: وجوب الحج وفضله ص ۲۰۵' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجة الوداع ص ۶۳۱' کتاب الاستیذان۔ باب: یا ایها اللذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم ص ۹۲۰' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ فی کتاب الحج' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

لفظ ''مناسک'' کی تحقیق ...... اور حج کب فرض ہوا؟

کتاب المناسک اصیلی کی روایت ہے' دوسری روایتوں میں کتاب الحج ہے' اسی کو علامہ عینی نے لیا ہے ''مناسك''، ''مَنْسِك'' کی جمع ہے' یہ مصدر میمی بھی ہے' اور ظرف مکان وزمان بھی' معنی میں ''مُتَعَبَّد'' کے' اس سے مراد حج میں تمام ادا کیے جانے والے امور ہیں' ''مَنْسِك'' ذبح کے معنی میں بھی آتا ہے' اسی سے ''نَسِيكَه'' ذبیحہ کے معنی میں ہے۔ نیز ''نُسُك'' کے معنی طاعت وعبادت اور اس کام کے ہیں جو اللہ عزوجل کے تقرب کے لیے کیا جائے' نیز ہر وہ کام جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہو' اس کے مقابل ورع ہے' جس کے معنی ہیں: ہر اس چیز سے بچنا جس سے شریعت نے منع کیا ہو' ''ناسك'' بہ معنی عابد بھی آتا ہے' نیز ''نَسِيكَه'' کے اصلی معنی پگھلا کر صاف کی ہوئی چاندی کے ہیں' حج کے لغوی معنی قصد' ارادہ کرنے کے ہیں' اور شرعی معنی ہیں: بیت اللہ شریف کی تعظیم

کے لیے مخصوص افعال کے ساتھ اس کی تعظیم کا قصد کرنا' اس کا سبب کعبہ شریف ہے' اور وقت نو (۹) ذوالحجہ سے لے کر بارہ ذوالحجہ تک ہے' اس کا تلفظ حَج حا کے فتح اور حِج حا کے کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے' عرف عام فتح کے ساتھ ہے' بر بناء قول صحیح حج ۹ھ میں فرض ہوا' ویسے اقوال یہ ہیں: ہجرت سے پہلے ہی فرض ہو چکا تھا' ۵ھ' ۶ھ' ۷ھ' ۸ھ' ۱۰ھ' امام قرطبی نے پہلے قول کو صحیح کہا ہے۔

مناسب تو یہ تھا کہ حج سے پہلے' روزے کو ذکر فرماتے' جیسا کہ حدیث "بنی الاسلام علی خمس" میں ہے' مگر غالباً امام بخاری نے یہ لحاظ کر کے کہ حج اگر چہ عبادت بدنی بھی ہے' مگر زکوۃ کے ساتھ عبادت مالیہ ہونے اور نفس پر شاق ہونے میں شریک ہے' اس لیے حج کو روزے پر مقدم کیا' روزہ بھی نفس پر شاق ہے' مگر اتنا نہیں' جتنا زکوۃ اور حج ہے۔

تکمیل

یوم نحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ سے واپسی پر حضور اقدس ﷺ نے فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا' راستے میں ایک جگہ رک گئے' تا کہ اگر کسی کو کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لے' فضل خوبصورت تھے' اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک خاتون پوچھنے کے لیے حاضر ہوئیں' یہ بھی خوبصورت تھیں' فضل انہیں دیکھنے لگے اور وہ فضل کو دیکھنے لگیں' ان کا حسن انہیں بھا گیا' حضور اقدس ﷺ نے رخ انور موڑ کر ملاحظہ فرمایا کہ فضل اس خاتون کو دیکھ رہے ہیں' تو حضور نے اپنا دست مبارک پیچھے بڑھا کر فضل کی ٹھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ موڑ دیا' کہ انہیں دیکھیں نہیں' حضرت ابن عباس اس وقت موجود نہ تھے' انہیں تو رات ہی میں حضور نے منٰی بھیج دیا تھا' حضرت فضل بن عباس سے سن کر وہ یہ حدیث بیان کر رہے ہیں' اس لیے یہ حدیث حضرت فضل کی ہوئی۔

مطابقت باب

اس حدیث پر باب کا عنوان ہے: حج کا واجب ہونا اور اس کی فضیلت' اس حدیث میں حج کی کوئی فضیلت مذکور نہیں' البتہ حج کا وجوب ثابت ہے' اور ہر واجب پر ثواب کا وعدہ ہے' تو ضمناً فضیلت بھی ثابت ہو گئی' سو پہلے جز سے صراحۃً اور دوسرے جز سے ضمناً مطابقت ہوئی۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے: حج میں عورت اپنا منہ کھولے رہے گی' عورت کے چہرے کو بالقصد دیکھنا ممنوع ہے' جو آزاد مسلمان زاد و راحلہ پر قادر ہے مگر بہ وجہ مرض یا ضعف اسے سفر پر قدرت نہیں' مثلاً فالج زدہ' اپاہج' نابینا اور اتنا بوڑھا کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا ہے' اس پر حج فرض ہے' خود نہیں جا سکتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے کسی کو بھیجے اور مرتے وقت اس کی وصیت کر جائے۔ یہ صاحبین کا مذہب ہے' اسے بھی بہت سے ائمہ نے اختیار فرمایا' مثلاً: امام اسیجابی' امام ابن ہمام وغیرہ' امام قاضی خان نے اسے صحیح کہا۔ (ردالمحتار۔ ج ۲ ص ۱۴۳)

اگر چہ مفتٰی بہ قول امام ہے کہ اتنی صحت اور قوت کہ سفر کر سکے' وجوب کی شرائط میں سے ہے' اور ایسے بیمار اور کمزور پر حج فرض نہیں جو سفر نہ کر سکے اور آیۂ کریمہ "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" سے یہی ظاہر ہے اور اس حدیث میں اس خاتون کو اپنے بوڑھے کمزور والد کی طرف سے حج کی اجازت بہ طور وجوب نہیں' بہ طور تطوع ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی معذور ہو تو دوسرا اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔ یہی ہمارا اور حضرت امام شافعی کا مذہب ہے' حضرت امام مالک اور امام لیث وغیرہ نے فرمایا کہ صحیح نہیں' امام مالک کا مذہب مشہور یہی ہے' دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ بیٹا باپ کی طرف سے کر سکتا ہے' دوسرے کو جائز نہیں۔ تیسرا یہ کہ اگر مر گیا اور وصیت کر گیا تو صحیح ہے۔ ہمارے نزدیک مطلقاً جائز' اپنے زندہ ہو یا

مر گیا ہو وصیت کر گیا یا نہ کر گیا ہو حتیٰ کہ تندرست تھا اور حج نہیں کر سکا اور وصیت کے بغیر مر گیا تو بھی درست ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حج بدل میں یہ ضروری نہیں' جو حج بدل کرے وہ پہلے حج کر چکا ہو کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے ان خثعمیہ خاتون سے یہ نہیں دریافت فرمایا کہ تو اپنا حج کر چکی ہے یا نہیں' اگر حج بدل کرنے والے کے لیے یہ ضروری ہوتا کہ وہ حج کر چکا ہو تو حضور اقدس ﷺ پہلے ان سے دریافت فرماتے پھر اجازت دیتے یا نہ دیتے۔

اقول: اس میں کلام ہے کیونکہ یہ واقعہ مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے راستے میں پیش آیا تھا' یہ دلیل ہے کہ یہ خاتون اس وقت حج کرنے حاضر ہوئی تھیں' ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اسی وجہ سے دریافت نہ فرمایا ہو' یہ تو اس حدیث سے استدلال پر کلام تھا۔ حکم یہی ہے کہ حج بدل کرنے والے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ خود حج کر چکا ہو' اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جس نے خود اپنا حج نہ کیا ہو' کیا وہ دوسرے کی طرف سے حج کر سکتا ہے؟ تو فرمایا: اللہ کا قرض زیادہ لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے[1] البتہ جس پر حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے اب تک نہ کیا ہو' اسے حج بدل کے لیے بھیجنا مکروہ ہے' آمر کے لیے مکروہ تنزیہی اور مامور کے لیے تحریمی[2] اور حدیث "لا صرورة فی الاسلام" کا محمل ایک یہ بھی ہے' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس نے خود اپنا حج نہ کیا ہو' اسے حج بدل کرنا درست نہیں' خواہ اس پر حج فرض ہو یا نہ ہو' کیونکہ جب یہ حدود حرم میں داخل ہو گا تو مکی کے حکم میں ہو جائے گا' اگر اسے اتنی قوت ہے کہ عرفات جا سکتا ہے تو اس پر خود اپنی طرف سے حج فرض ہو گا' اس کا جواب یہ ہے کہ اسے جو قدرت حاصل ہوئی' وہ دوسرے کے مال کی وجہ سے حاصل ہوئی' اس لیے اس پر لازم ہے کہ اسی کی طرف سے حج کرے' حج فی الفور واجب ہے' اور تاخیر گناہ ہے' یہی صحیح ہے' یہاں تک کہ باوجود قدرت کے کئی سال تاخیر کرے گا تو فاسق مردود الشہادۃ ہو جائے گا۔ (درمختار۔ ص ۱۴۰)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما

یہ حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے' یہ حضرت عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے' ان کی والدہ ام الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں' یہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے یا عمواس کے طاعون میں واصل بحق ہوئے' سنہ وصال ۱۳ھ ہے۔

۸۹۷- ح: يُهِلُّ حَتّٰى تَسْتَوِيَ بِهٖ قَائِمَةً [جب اونٹنی آپ (ﷺ) کو لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ نے تلبیہ پڑھا]

۸۹۷- اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَبُ رَاحِلَتَهٗ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ يُهِلُّ حَتّٰى تَسْتَوِيَ بِهٖ قَائِمَةً.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالحلیفہ میں ایک سواری پر سوار ہوتے دیکھا' جب اونٹنی حضور کو لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ نے تلبیہ پڑھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک باب: قول اللہ تعالٰی یاتوک رجالا وعلٰی کل ضامر ص ۲۰۵)

۸۹۸- ح: اِهْلَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ [رسول اللہ ﷺ تلبیہ کہتے جب سواری آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی]

۸۹۸- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۱۲۷ [2] رد المحتار۔ ص ۲۴۱

اِهْلَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ.

اللہ ﷺ ذوالحلیفہ سے تلبیہ کہتے' جب سواری حضور کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک باب: قول اللّٰہ تعالٰی یاتوک رجالا وعلی کل ضامر ص ۲۰۵)

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مُحرِم اگر سواری پر سفر کر رہا ہے' تو جب سواری سیدھی کھڑی ہو جائے تو تلبیہ شروع کرے' یہی امام مالک اور اکثر فقہاء کا مذہب ہے' اور اگر پیدل ہے تو جب چلنا شروع کرے تو تلبیہ کہے' امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب سواری چلنا شروع کرے تب تلبیہ کہے' اسی طرح پیدل چلنے والا بھی جب چلنا شروع کرے' مگر ہمارے نزدیک یہ ہے کہ نمازِ احرام سے فارغ ہوتے ہی تلبیہ کہے' پوری بحث آگے آ رہی ہے۔

۸۹۹- ح: فَاَعْمَرَهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ

[انہوں نے تنعیم سے عمرہ کرایا]

۸۹۹ - عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهَا اَخَاهَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ فَاَعْمَرَهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ وَحَمَلَهَا عَلٰى قَتَبٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو بھیجا تو انہوں نے اُم المؤمنین کو تنعیم سے عمرہ کرایا اور انہیں ایک چھوٹے کجاوہ پر سوار کرایا۔

(بخاری۔ باب: الحج علی الرحل ص ۲۰۵)

امام عمرو بن دینار اور کچھ اور حضرات نے فرمایا کہ اہل مکہ اور جو لوگ مکہ میں ہوں' اگرچہ عارضی طور پر' ان کے عمرے کی میقات تنعیم ہی ہے' کہیں اور سے احرام باندھیں گے تو عمرہ صحیح نہ ہوگا' مگر جمہور فقہاء حتیٰ کہ چاروں ائمہ مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ جو لوگ مکہ میں ہوں' ان کی میقات حِل ہے' وہ حرم کے باہر کہیں سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں' خواہ تنعیم ہو خواہ جعرانہ یا اور کوئی جگہ' خاص تنعیم کی تخصیص نہیں' حضرت اُم المؤمنین کو حضور اقدس ﷺ نے خاص تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا' چونکہ وہی سب سے قریب جگہ تھی' اس لیے آسانی کے لیے وہیں سے عمرہ کر لیا' اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سواری پر حج کرنا جائز ہے' بلکہ بہت سے علماء نے فرمایا کہ یہی افضل ہے۔

ت۲۸۵ - وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ شُدُّوا الرِّحَالَ فِي الْحَجِّ فَاِنَّهٗ اَحَدُ الْجِهَادَيْنِ. (بخاری۔ باب: الحج علی الرحل ۲۰۵)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حج میں کجاوہ کسو' اس لیے کہ وہ دو جہادوں میں سے ایک ہے۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق اور امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۹۰۰- ح: حَجَّ اَنَسٌ عَلٰى رَحْلٍ

[حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کجاوہ پر حج کیا]

۹۰۰- عَنْ ثُمَامَةَ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ حَجَّ اَنَسٌ عَلٰى رَحْلٍ وَّلَمْ يَكُنْ شَحِيْحًا وَّحَدَّثَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ وَّكَانَتْ زَامِلَتَهٗ.

ثمامہ بن عبداللہ بن انس نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کجاوے پر حج کیا اور وہ بخیل نہیں تھے اور یہ حدیث بیان فرمائی کہ نبی ﷺ نے کجاوے پر حج فرمایا' اور اسی میں سامان اور زادِ راہ بھی تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الحج علی رحل ص ۲۰۵)

[''رحل'' اور ''زاملہ'' کا معنی]

''رَحل'' یہ اونٹ کے لیے ویسے ہی ہے جیسے گھوڑے کے لیے زین'' ''زاملہ'' وہ اونٹ جس پر سامان لادا جائے' بتانا یہ چاہتے ہیں کہ حج واجب ہونے کے لیے عالیشان آرام دِہ سواری شرط نہیں' بلکہ معمولی سواری کافی ہے' نیز حج عبادت ہے' اس کی ادائیگی میں اظہارِ شان و شوکت اور تجمل و زینت نہیں چاہیے' اونٹ کی سواری میں آرام دِہ اور شاندار ہودج ہوتا ہے' اسے نہ تو حضور اقدس ﷺ نے استعمال فرمایا نہ عام صحابہ نے' حدیث کے ذکر سے یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہودج پر سفر کر سکتے تھے' مگر انہوں نے معمولی کجاوے پر سفر فرمایا' یہ حضور اقدس ﷺ کی متابعت کی وجہ سے کیا' بخل کی وجہ سے نہیں۔

۹۰۱- ح: لَكُنَّ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ [تمہارے لیے بہترین جہاد حج مبرور ہے]

۹۰۱- عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلَا نُجَاهِدُ قَالَ لَا لَكُنَّ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ.

حضرت عائشہ بنت طلحہ سے مروی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم جہاد کو بہترین عمل جانتی ہیں' کیا ہم جہاد نہ کریں؟ فرمایا: نہیں' تمہارے لیے بہترین جہادِ حج مبرور ہے۔

(بخاری۔باب: فضل الحج المبرور ص۲۰۶' کتاب الجہاد۔باب: فضل الجهاد والسير ص۳۹۰'مسلم۔کتاب الامارۃ'نسائی۔کتاب الحج۔کتاب الجہاد)

خطاب حضرت اُم المؤمنین سے ہے' اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ خاص ہے' مگر ایسا نہیں' یہ تمام عورتوں کے لیے ہے' افضل الجہاد سے ظاہر ہے کہ عورتوں کو بھی جہاد کی اجازت ہے' اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود یہی اُم المؤمنین غزوۂ اُحد میں شریک ہوئی تھیں' حضرت اُم عطیہ برابر شریک ہوتی تھیں' مطلب یہی ہے کہ تمہارے لیے جہاد سے بہتر یہی ہے کہ حج کرو' یہ مطلب نہیں کہ عورتوں کو جہاد کرنا جائز ہی نہیں' یہ کیسے کہا جا سکتا ہے' جب کہ ہجوم عام کے وقت عورتوں پر بھی فرض ہے کہ وہ گھروں سے نکل کے دشمن کا مقابلہ کریں۔

۹۰۲- ح: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ [جس نے اللہ کے لیے حج کیا' فحش اور گناہ نہیں کیا وہ یوں لوٹے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا]

۹۰۲- سَمِعْتُ اَبَا حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ.

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو حازم سے سنا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا' انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا' آپ نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے حج کیا' اور فحش اور گناہ نہیں کیا' وہ یوں لوٹے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: فضل الحج المبرور ص۲۰۶' ابواب العمرۃ۔باب: قول اللّٰه عزوجل فلا رفث' باب: قول اللّٰه ولا فسوق ولا جدال ص۲۴۵' مسلم' ترمذی' نسائی۔کتاب الحج' ابن ماجہ۔کتاب المناسک' دارمی۔کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ج۲ ص۲۴۵)

''رَفَثَ نَصَرَ يَنْصُرُ'' اور ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'' دونوں سے آتا ہے' پہلا افصح ہے' اس کا مطلب ہے: جماع اور دواعی کا ارتکاب' ''فِسْقٌ وَفُسُوْقٌ'' کا معنی ہے: اللہ عزوجل اور رسول کی نافرمانی کرنا' ہر گناہ' حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ دورانِ حج حاجی

کسی سے جھگڑا لڑائی نہ کرے اور نہ کسی کو گالی دے اور نہ کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور نہ اپنی بیوی ہی سے جنسیات کی بات کرے۔

۹۰۳- ح: لِأَهْلِ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ (الخ)

[احرام کے لیے نجد والوں کے واسطے قرن ہے]

۹۰۳ - حَدَّثَنِیْ زَیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ اَنَّهٗ اَتٰی عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِیْ مَنْزِلِهٖ وَلَهٗ فُسْطَاطٌ وَّسُرَادِقٌ فَسَاَلْتُهٗ مِنْ اَیْنَ یَجُوْزُ اَنْ اَعْتَمِرَ قَالَ فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا وَّلِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ذَا الْحُلَیْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ.

زید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، ان کے لیے خیمہ لگا تھا اور قناتیں تنی تھیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا: میں کہاں سے عمرے کا احرام باندھوں، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے نجد والوں کے واسطے قرن اور مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لیے جحفہ مقرر فرمایا ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: فرض مواقیت الحج والاحرام ص۲۰۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آفاقی کو یہ جائز نہیں کہ میقات سے احرام باندھے بغیر آگے بڑھے، اگر میقات پر احرام نہیں باندھا اور آگے بڑھ گیا تو اس پر واجب ہے کہ پھر میقات پر لوٹے اور وہاں سے احرام باندھے اور تلبیہ کہے، ورنہ اس پر دم واجب ہوگا۔

۹۰۴- ح: یَحُجُّوْنَ وَلَا یَتَزَوَّدُوْنَ

[حج کرتے اور زادِ راہ ساتھ نہ رکھتے]

۹۰۴ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ کَانَ اَهْلُ الْیَمَنِ یَحُجُّوْنَ وَلَا یَتَزَوَّدُوْنَ وَیَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ فَاِذَا قَدِمُوْا مَکَّةَ سَاَلُوا النَّاسَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی﴾ (البقرہ:۱۹۷) رَوَاهُ ابْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِکْرِمَةَ مُرْسَلًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اہل یمن حج کرتے اور زادِ راہ ساتھ نہیں رکھتے اور کہتے: ہم متوکل لوگ ہیں، اور جب مکہ آتے تو لوگوں سے مانگتے پھرتے، اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور توشہ ساتھ رکھو اور اچھا توشہ پرہیزگاری ہے۔ اس حدیث کو ابن عیینہ نے از عمرو از عکرمہ مرسلاً روایت کیا ہے

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللہ تعالیٰ وتزودوا ص۲۰۶، ابوداود۔ کتاب الحج، نسائی۔ کتاب السیر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توکل یہ نہیں کہ آدمی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے اور باوجود قدرت اور اسباب مہیا ہونے کے کچھ نہ کرے، اور ضرورت پر لوگوں سے سوال کرے، بلکہ یہ تقویٰ کے بھی منافی ہے، توکل یہ ہے کہ اپنی قوت اور طاقت بھر اسباب سے کام لے، مگر اپنی کوشش اور اسباب پر بھروسہ نہ کرے، بھروسہ صرف اللہ عزوجل پر کرے۔

یعنی پہلی والی روایت ورقاء عن عمرو بن دینار عن عکرمہ ہے، انہوں نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بتایا ہے، مگر اسی حدیث کو سفیان بن عیینہ نے انہیں عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے اور اسے عکرمہ کا قول کہا ہے، امام سعید بن منصور اور طبری اور ابن ابی حاتم نے بھی ابن عیینہ سے اسی طرح روایت کیا ہے، مگر نسائی میں انہیں ابن عیینہ سے ابن عباس کا قول مروی ہے، ابن ابی حاتم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ عکرمہ ہی کا قول ہے۔

۹۰۵- ح: وَقَّتَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ذَا الْحُلَیْفَةِ

[اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ کو (میقات) مقرر کیا]

۹۰۵ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل

وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّاْمِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ اَنْشَاَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ.

مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لیے جحفہ اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر فرمائی ہے، یہ میقاتیں ان لوگوں کے لیے بھی ہیں اور دوسرے لوگ جو اس پر گزریں، ان کے لیے بھی جو بھی حج اور عمرے کا ارادہ کرے اور جو ان سے مکہ کی طرف قریب ہو تو جہاں سے چلے وہیں سے احرام باندھے حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے۔

(بخاری۔ باب: مهل اهل مكة للحج والعمرة ص۲۰۶، باب: مهل اهل الشام ص۲۰۶، باب: مهل من كان دون ذالك ص۲۰۷، باب: مهل اهل اليمن ص۲۰۷، مسلم نسائی۔ کتاب الحج)

۹۰۶- ح: مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُو الْحُلَيْفَةِ

[اہل مدینہ کے لیے احرام (باندھنے) کی جگہ ذوالحلیفہ ہے]

۹۰۶- عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُو الْحُلَيْفَةِ وَمُهَلُّ اَهْلِ الشَّاْمِ مَهْيَعَةُ وَهِيَ الْجُحْفَةُ وَاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا زَعَمُوْا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَلَمْ اَسْمَعْهُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ.

سالم نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے: اہل مدینہ کے احرام باندھنے کی جگہ ذوالحلیفہ ہے، اور اہل شام کی مہیعہ یعنی جحفہ اور اہل نجد کی قرن۔ ابن عمر نے کہا: لوگوں نے گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے نہیں سنا کہ اہل یمن کی یلملم ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: مهل اهل نجد ص۲۰۷، کتاب العلم۔ باب: ذكر العلم ص۲۵، ج۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذكر النبی ص۱۰۹)

۹۰۷- ح: حَدَّ لِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا

[اہل نجد کے لیے قرن (میقات) مقرر فرمایا]

۹۰۷- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا فُتِحَ هٰذَانِ الْمِصْرَانِ اَتَوْا عُمَرَ فَقَالُوْا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّ لِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا وَهُوَ جَوْرٌ عَنْ طَرِيْقِنَا وَاِنَّا اِنْ اَرَدْنَا قَرْنًا شَقَّ عَلَيْنَا قَالَ فَانْظُرُوْا حَذْوَهَا مِنْ طَرِيْقِكُمْ فَحَدَّ لَهُمْ ذَاتَ عِرْقٍ.

حضرت (عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب یہ دونوں شہر فتح ہو گئے تو یہاں کے باشندے حضرت عمر کے پاس آئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کے لیے قرن میقات مقرر فرمائی اور وہ ہمارے راستے سے ہٹا ہوا ہے، اگر ہم قرن جائیں تو ہم پر شاق ہے، ارشاد فرمایا: تمہارے راستے میں جو جگہ اس کے برابر ہو بتاؤ! چنانچہ حضرت عمر نے ان کے لیے ذات عرق کو مقرر فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ذات عرق لاهل العراق ص۲۰۷)

ان تینوں احادیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے: مکہ معظمہ حاضری کے لیے آنے والوں کے واسطے ہر چہار طرف سے میقات ہے۔ اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ ہے، یہ مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر مکہ معظمہ کے راستے پر جانب جنوب ہے، اسے ابیار علی بھی کہتے ہیں یہاں دو مسجدیں ہیں، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں، ایک بڑی جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر پڑھی

تھی، جہاں سے آج بھی حجاج حج اور عمرے کا احرام باندھتے ہیں، دوسری چھوٹی معرس میں جہاں واپسی میں حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی تھی اور قیام فرمایا تھا۔

اہل شام کی میقات جحفہ ہے، جس کا نام مہیعہ بھی ہے، اور یہی مصریوں اور بلادِ مغرب سے آنے والوں کی بھی میقات ہے، یمن والوں کی میقات یلملم ہے، یہ ایک پہاڑ ہے جو مکہ معظمہ سے تیس میل جانب جنوب ہے، اہل نجد کے لیے قرن المنازل ہے، یہ طائف اور عرفات کے درمیان ہے، اور اہل عراق کے لیے ذات عرق ہے، یہ ایک چھوٹا پہاڑ ہے، جو مکہ معظمہ سے دو دن اور کچھ فاصلے پر ہے۔

دوسرے بلاد والے جس میقات سے گزریں وہی ان کی میقات ہے، اور اگر کسی کا راستہ دو میقاتوں کے درمیان ہو تو قریب ترین میقات کی محاذات اس کی میقات ہے، جیسے ہندوستانی حاجی جدہ ہو کر مکہ معظمہ جاتے ہیں، جو جحفہ اور یلملم کے درمیان ہے، یلملم جدہ کے قریب ہے اور جحفہ دور ہے، اس لیے ہندوستانیوں کے لیے میقات یلملم کی محاذات ہے، محاذات کا مطلب یہ نہیں کہ جب جہاز سمندر میں یلملم کی سیدھ میں پہنچ جائے تو میقات آ گئی، کیونکہ مکہ معظمہ یلملم سے جانب شمال ہے اور سمندر جانب جنوب، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب جہاز جدہ جاتے ہوئے مکہ معظمہ کی سمت میں یلملم کی محاذات میں پہنچ جائے تو یہ میقات ہے، مثلاً علامہ بدرالدین محمود عینی نے لکھا ہے کہ یلملم مکہ معظمہ سے تیس میل کے فاصلے پر ہے، جو تقریباً پچاس کلومیٹر ہے، تو جب جہاز اس جگہ پہنچ جائے جہاں سے مکہ معظمہ کا فاصلہ پچاس کلومیٹر رہ جائے تو یہ ہندیوں کی میقات ہے، اور جو لوگ میقات اور حرم کے درمیان رہتے ہیں، ان کی میقات حل کی کوئی بھی جگہ ہے، ان پر واجب ہے کہ حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھ لیں، اور جو لوگ حدودِ حرم میں ہیں، ان کی میقات حج کے لیے حرم ہے، اور عمرے کے لیے حل کی کوئی بھی جگہ ہے، اور افضل تنعیم ہے، حدیث میں تو یہ ہے کہ "حتی اهل مكة من مكة" حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھیں، اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرے کے لیے بھی احرام مکہ والے مکہ ہی سے باندھیں گے، مگر یہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ والی حدیث سے ثابت ہے کہ مکہ والے مکہ کے بجائے تنعیم سے عمرے کا احرام باندھیں یا کسی اور جگہ سے جو حدودِ حرم سے باہر ہو، اس پر اتفاق ہے کہ میقات سے پہلے احرام باندھ لینا صحیح ہے، اور ہمارے نزدیک یہی افضل بھی ہے، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے، امام مالک، امام احمد وغیرہ میقات سے احرام باندھنا افضل کہتے ہیں، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا کہ گھر سے احرام باندھ کر آئیں، ہمارے نزدیک یہ ممانعت اس پر محمول ہے کہ احرام کی قیود کی پابندی ذرا دشوار ہے، سفر میں وہ بھی اُس زمانے میں اس کا نبھانا بہت مشکل ہے۔

عراق والوں کے لیے ذات عرق خود حضور اقدس ﷺ نے میقات مقرر فرمائی ہے، علامہ عینی[1] نے متعدد احادیث سے اسے ثابت فرمایا ہے اور یہاں جو مذکور ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ حدیث نہیں پہنچی تھی، اس لیے اجتہاد فرمایا اور ان کا یہ اجتہاد حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا کمال نہیں، بخاری، جلد ثانی میں قرآن مجید کے ساتھ آپ کے بیس موافقات مذکور ہو چکے ہیں۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

یہاں "مصران" سے مراد کوفہ اور بصرہ ہیں، کوفہ اور بصرہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں موجود نہ تھے، کوفہ ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا، اور بصرہ ۱۴ھ میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے

[1] عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۱۴۲

پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ جب یہ دونوں شہر فتح ہوئے؟ اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ ان شہروں کے فتح ہونے سے مراد ان زمینوں کا فتح ہونا ہے، جن پر یہ آباد ہیں، اور حضور اقدس ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ سب علاقے میری اُمت فتح کرے گی، جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

زویت لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا وسیبلغ ملك امتی ما زویت لی۔

زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی تو میں نے اس کے تمام مشرق اور تمام مغرب کو دیکھا، اور بہت جلد میری اُمت کا ملک وہاں تک پہنچے گا جتنی میرے لیے سمیٹی گئی ہے۔

(مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الفتن۔ ص ۳۹۰، ابوداود۔ کتاب الفتن۔ ص ۲۲۸، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الفتن۔ ص ۴۰، ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ ص ۲۹۲، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۲۳، مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۷۸۔ ۲۸۴)

جیسے اس وقت تک شام بھی فتح نہیں ہوا تھا، مگر اس کی بھی میقات مقرر فرما دی تھی۔

''ھنّ لھنّ'' کی توجیہ

علامہ قرطبی نے فرمایا: ''ھُنَّ'' جمع مؤنث غائب کی ضمیر ہے، جو ذوی العقول کے لیے آتی ہے، مگر کبھی غیر ذوی العقول کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور یہ دس اور اس سے کم کے لیے استعمال ہوتی ہے، دس سے زیادہ کے لیے ھا آتی ہے، جیسے ارشاد ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ. (التوبہ:۳۶)

بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ ہے، اللہ کی کتاب میں جس میں اس نے آسمان اور زمین بنائے ان میں سے چار حرام ہیں، یہی سیدھا دین ہے ان میں (لڑ کر) اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔

''منھا'' کی ''ھا'' کا مرجع ''الشھور'' ہے، جو بارہ ہیں، اور ''فِیْھِنَّ'' کا مرجع ''اَرْبَعَةٌ'' ہے، جو دس سے کم ہے، یہ بھی غیر ذوی العقول ہے، اسی کے مطابق ''ھُنَّ'' اور ''لَھُنَّ'' کا مرجع پہلے ذکر شدہ بلاد ذوالحلیفہ، جحفہ وغیرہ ہیں، اگرچہ غیر ذوی العقول ہیں، ''لَھُنَّ'' سے مراد ان بستیوں کے باشندے ہیں، اسی کے مطابق ایک روایت ''لھم'' بھی ہے۔

۹۰۸- ح: اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ بِذِی الْحُلَيْفَةِ

[آپ (ﷺ) نے ذوالحلیفہ کے سنگستان میں اونٹنی بٹھائی]

۹۰۸- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ بِذِی الْحُلَيْفَةِ فَصَلّٰى بِهَا وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کے سنگستان میں اونٹنی بٹھائی اور وہاں نماز پڑھی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ص ۲۰۷، مسلم، ابوداود، نسائی۔ کتاب الحج)

مدینہ طیبہ سے واپسی پر یہاں رات کو قیام فرمایا، اسے معرّس کہتے ہیں، یہاں بھی مسجد بنی ہوئی ہے اور یہ نماز نفل تھی۔

۹۰۹- ح: كَانَ يَخْرُجُ مِنْ

[آپ (ﷺ) شجرہ کے راستے

طَرِيقِ الشَّجَرَةِ

[باہر تشریف لے جاتے]

٩٠٩ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ طَرِيْقِ الشَّجَرَةِ وَيَدْخُلُ مِنْ طَرِيْقِ الْمُعَرَّسِ وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ الشَّجَرَةِ وَإِذَا رَجَعَ صَلَّى بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِي وَبَاتَ حَتَّى يُصْبِحَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ سے) شجرہ کے راستہ سے باہر تشریف لے جاتے اور معرس کے راستے سے مدینہ آتے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ جاتے تو مسجد شجرہ میں نماز پڑھتے تھے' اور جب لوٹتے تو ذوالحلیفہ میں نالے کے بیچ میں نماز پڑھتے تھے' وہیں رات بھر رہتے یہاں تک کہ صبح کرتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الخروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی طریق الشجرۃ ص ۲۰۷)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے تو ذوالحلیفہ میں جہاں درخت ہے' وہاں قیام فرماتے اور نماز پڑھتے' پھر آگے بڑھتے اور واپسی پر اس سے نیچے نالے کے پیٹ میں اترتے اور وہاں رات گزارتے اور صبح کو مدینہ طیبہ واپس تشریف لاتے' دونوں جگہ مسجدیں بنی ہوئی ہیں' پہلی جگہ سے آج بھی عموماً حجاج احرام باندھتے ہیں' دوسری جگہ کو معرس کہتے ہیں' یہ تعریس کا اسم ظرف ہے' تعریس کے معنی رات کے پچھلے حصے میں اترنے' پڑاؤ کرنے کے ہیں اور یہ اس جگہ کا نام ہے۔

٩١٠- ح: صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ

[اس وادیٔ مبارک میں نماز پڑھو]

٩١٠ - حَدَّثَنِيْ عِكْرِمَةُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ إِنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَادِي الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَّبِّيْ فَقَالَ صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةً فِيْ حَجَّةٍ

عکرمہ نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا' وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وادیٔ عقیق میں یہ فرماتے ہوئے سنا: آج رات میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو: عمرہ حج میں ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقیق واد مبارک ص ۲۰۷' کتاب المزارعۃ۔ باب۔ ص ۳۱۴' ج ۲' کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۹۱' ابوداؤد۔ کتاب الحج' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

یہ آنے والے جبریل امین تھے' جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ نماز سے مراد احرام کی نماز ہے۔ ''عُمْرَةً فِيْ حَجَّةٍ'' کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ حج کے ساتھ ہے' ''فی'' معنی میں ''مع'' کے ہے' یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا' وادی عقیق اس میدان کا نام ہے' جس میں ذوالحلیفہ بھی ہے' اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں رات بسر فرمائی تھی' اور یہیں سے احرام باندھا تھا' تو اگر وادی عقیق ذوالحلیفہ کے علاوہ کوئی اور میدان ہو تو تعارض پیدا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ''عقیق'' اس بڑے میدان کو کہتے ہیں جو سیلاب کے پانی سے خود بخود بن جائے' ذوالحلیفہ جہاں ہے وہ اس عہد میں اسی قسم کا میدان تھا' جسے اہل مدینہ وادی عقیق کہتے تھے۔

٩١١- ح: أَنَّهُ أُرِيَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دکھایا گیا جب

وَهُوَ فِي مُعَرَّسٍ

[(بطن وادی) معرس میں تھے]

۹۱۱- حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اُرِيَ وَهُوَ فِيْ مُعَرَّسٍ بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِيْ قِيْلَ لَهُ اِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ وَّقَدْ اَنَاخَ بِنَا سَالِمٌ يَتَوَخّٰى بِالْمُنَاخِ الَّذِيْ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ يُنِيْخُ يَتَحَرّٰى مُعَرَّسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اَسْفَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بِبَطْنِ الْوَادِيْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ وَسَطٌ مِّنْ ذٰلِكَ.

مجھے حضرت سالم بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور جب ذوالحلیفہ کے قریب بطن وادی میں معرس میں تھے تو دکھایا گیا، کہا گیا: آپ برکت والے سنگستان میں ہیں، ہمارے ساتھ سالم نے تلاش کر کے اس جگہ اونٹ بٹھایا جہاں ان کے والد عبداللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑاؤ کو ڈھونڈ کر اونٹ بٹھاتے تھے، اور یہ جگہ وادی میں جو مسجد ہے، اس سے نیچے ہے، اترنے والوں اور راستے کے درمیان بیچوں بیچ۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقیق واد مبارک ص ۲۰۸، کتاب المزارعۃ۔ باب: ص ۳۱۴، ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۹۱، مسلم، نسائی۔ کتاب الحج)

[''اُرِيَ'' اور ''بينهم وبين الطريق'' کا معنی]

''اُرِيَ'' یعنی خواب میں دکھایا گیا۔ ''بينهم وبين الطريق'' علامہ عینی نے فرمایا کہ ''بینھم'' کی ضمیر کا مرجع ''معرسین'' ہے یعنی قیام کے لیے اترنے والے، مطلب یہ ہے کہ جہاں عام طور پر لوگ اب قیام کرتے ہیں، اس جگہ اور راستے کے بیچ میں وہ جگہ ہے جہاں سالم اور ان کے والد قیام کرتے تھے ان کے بیان کے مطابق یہی وہ جگہ ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس ہوتے ہوئے رات بسر فرمائی تھی، چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا ذوق تھا کہ خاص وہ جگہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا ہے محفوظ رکھیں، اس لیے انہوں نے اس پر خصوصی توجہ دی اور یاد رکھا، صرف اسی جگہ نہیں پورے سفر میں ایسی تمام مخصوص جگہوں کو انہوں نے خاص توجہ دے کر یاد رکھا اور مدۃ العمر ان جگہوں کو تلاش کر کے وہیں قیام فرماتے، جیسا کہ مفصل نزہۃ القاری، ج ۲ ص ۱۶۹، رقم: ۳۳۴ میں مذکور ہو چکا ہے۔

۹۱۲- ح: اُرِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ

[جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہو تو مجھے دکھایئے]

۹۱۲- اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ يَعْلٰى اَخْبَرَهُ اَنَّ يَعْلٰى قَالَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرِنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ قَالَ فَبَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَمَعَهُ نَفَرٌ مِّنْ اَصْحَابِهِ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ رَجُلٍ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَّهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِطِيْبٍ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَاَشَارَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِلٰى

صفوان بن یعلی نے خبر دی کہ یعلی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی ہو تو مجھے دکھایئے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں تشریف فرما تھے اور حضور کے ساتھ صحابہ تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں کیا رائے عالی ہے جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور وہ خوشبو میں لت پت ہو، اس سوال پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، اتنے میں حضور پر وحی آنے لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی کو اشارہ

يَعْلٰى فَجَاءَ يَعْلٰى وَعَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبٌ قَدْ اُظِلَّ بِهٖ فَاَدْخَلَ رَأْسَهٗ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ وَهُوَ يَغِطُّ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ اَيْنَ الَّذِيْ سَاَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ فَاُتِيَ بِرَجُلٍ فَقَالَ اغْسِلِ الطِّيْبَ الَّذِيْ بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَّانْزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ وَاصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجَّتِكَ قُلْتُ لِعَطَاءٍ اَرَادَ الْاِنْقَاءَ حِيْنَ اَمَرَهٗ اَنْ يَّغْسِلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ نَعَمْ.

کیا' تو یعلیٰ آئے اور رسول اللہ ﷺ پر کپڑا تانا ہوا تھا' جس سے سایہ کیا گیا تھا' یعلیٰ نے اپنا سر کپڑے کے اندر کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے انور سرخ ہو گیا ہے' اور خراٹے جیسی آواز نکل رہی ہے' تھوڑی دیر کے بعد یہ کیفیت فرو ہوئی تو آپ نے فرمایا: جس نے عمرے کے بارے میں سوال کیا تھا' کہاں ہے؟ اب اس شخص کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا: تیرے بدن یا کپڑے پر جو خوشبو ہے' اس کو تین مرتبہ دھو دے اور جبہ اتار ڈال' اور اپنے عمرے میں وہ کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے' (ابن جریج کہتے ہیں: میں نے عطاء سے پوچھا: جس وقت آپ نے اس کا حکم فرمایا کہ تین بار دھونے سے خوب اچھی طرح صاف کرنا ہی مراد ہے نا؟ فرمایا: ہاں!

(بخاری-کتاب المناسک-باب: غسل الخلوق ص ۲۰۸' ابواب العمرۃ-باب: یفعل فی العمرۃ ما یفعل فی الحج ص ۲۴۱' ج ۲-کتاب فضائل القرآن-باب: نزل القرآن بلسان قریش ص ۷۴۵' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی-کتاب الحج)

جعرانہ

یہ طائف اور مکہ معظمہ کے درمیان مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ ہے' جہاں ۸ ھ میں غزوۂ حنین کے اموال غنیمت تقسیم فرمائے تھے اور یہیں سے عمرے کا احرام باندھا تھا' یہ حل میں ہے' یہاں سے تین سو انبیاء کرام نے عمرہ کیا ہے' بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں میں یہ رواج ہے کہ اس متبرک مقام سے بھی عمرہ کرتے ہیں اور اسے بڑا عمرہ کہتے ہیں۔

واصنع في عمرتك

اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ حج میں جیسے طواف اور طواف کے بعد نماز اور سعی ہے' اور جو دعائیں اس موقع پر پڑھی جاتی ہیں' ویسے ہی عمرے میں بھی ہے' مگر اس میں کوئی جدید افادہ نہیں' یہ تو سارا عرب جانتا تھا' اس موقع کے مناسب مطلب یہ ہے کہ جیسے حج کے احرام میں خوشبو لگانا اور سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے' جیسا کہ قبل از اسلام سارا عرب کرتا تھا' ویسے ہی عمرے کے احرام میں بھی یہ چیزیں ممنوع ہیں' کیونکہ اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں عمرے میں خوشبو لگانے اور سلے ہوئے کپڑے پہننے کو ممنوع نہیں جانتے تھے' اس پر دلیل مسلم[1] کی وہ روایت ہے جو بہ طریق سفیان عن عمرو بن دینار مروی ہے' جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: حج میں کیا کرتے تھے؟ تو اس نے عرض کیا: ان کپڑوں کو اتار دیتا تھا اور خوشبو دھو دیتا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: جو حج میں کرتے تھے' عمرے میں بھی کرو۔

ت ۲۸۶ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَشَمُّ الْمُحْرِمُ الرَّيْحَانَ وَيَنْظُرُ فِي الْمِرْاٰةِ وَيَتَدَاوٰى بِمَا يَاْكُلُ الزَّيْتِ وَالسَّمْنِ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: محرم خوشبودار پھول سونگھ سکتا ہے اور آئینہ دیکھ سکتا ہے اور جو روغن مثلاً زیتون کا تیل اور گھی کھاتے ہیں' اس سے علاج کر سکتا ہے۔

[1] مسلم-کتاب الحج-ج ۱ ص ۳۷۳

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸)

محرم خوشبودار پھول سونگھ سکتا ہے' اتنے حصے کو امام بیہقی اور امام دار قطنی نے موصولاً روایت کیا ہے' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ ہے' اس کے برخلاف حضرت ابن عمر' حضرت جابر رضی اللہ عنہم کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے' احناف کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ ہے' محرم آئینہ دیکھ سکتا ہے' اسے امام ثوری رضی اللہ عنہ نے اپنی جامع میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا اور علاج والے حصے کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

جس روغن یا تیل میں خوشبو نہ ہو' اسے احرام کی حالت میں بہ طور دوا استعمال کر سکتے ہیں' داخلی طور پر بھی اور خارجی طور پر بھی۔

ت ۲۸۷ - وَقَالَ عَطَآءٌ يَتَخَتَّمُ وَيَلْبَسُ الْهِمْيَانَ. اور امام عطاء نے فرمایا: محرم انگوٹھی پہنے اور ہمیان باندھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸)

اس تعلیق کے پہلے جز کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے اور دوسرے جز کو امام دار قطنی نے' اس پر اتفاق ہے کہ احرام کی حالت میں انگوٹھی پہننا اور ہمیانی کمر پر باندھنا جائز ہے۔

ت ۲۸۸ - وَطَافَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ مُحْرِمٌ وَّقَدْ حَزَمَ عَلٰى بَطْنِهٖ بِثَوْبٍ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے احرام کی حالت میں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھے ہوئے طواف کیا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸)

اس تعلیق کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً روایت فرمایا' نافع سے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے کپڑا باندھا نہیں تھا' بلکہ اسے تہبند کے نیچے گھرس لیا تھا۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے عطاء اور طاؤس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ وہ اپنی کمر عمامے سے باندھے ہوئے ہیں' اسی میں ہے کہ ابن علیہ نے مسلم بن جندب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احرام کی حالت میں اپنے اوپر کپڑا مت باندھ۔ اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے پا پیادہ حج کیا' اور حضور نے ارشاد فرمایا: اپنی کمروں پر تہبند باندھ لو' اور اس طرح چلو کہ دوڑنے سے رفتار کم ہو۔ ان سب روایات کی روشنی میں احکام یہ منقح ہوئے' اس میں کوئی حرج نہیں کہ چادر کے کنارے تہبند میں گھرس لیے جائیں' مگر چادر کے کناروں کو گرہ دینا یا تہبند ہی میں گرہ دینا ممنوع ہے' اس میں بہ ظاہر حرج نہیں کہ کمر پر کوئی کپڑا باندھ لیا جائے' البتہ تہبند کو کمر بند یا رسی سے کسنا مکروہ ہے۔

ت ۲۸۹ - وَلَمْ تَرَ عَآئِشَةُ بِالتُّبَّانِ بَأْسًا قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ تَعْنِيْ لِلَّذِيْنَ يَرْحَلُوْنَ هَوْدَجَهَا. اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جانگیہ پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: یعنی ان لوگوں کے لیے جو ان کے ہودج کو کستے تھے۔

(ایضاً ص ۲۰۸' کتاب الغسل۔ باب: من تطیب ثم اغتسل ص ۴۱' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الحج)

اس اثر کو امام سعید بن منصور نے قاسم بن محمد سے موصولاً روایت کیا ہے کہ ام المومنین نے حج کیا اور ان کے ساتھ کچھ خادم تھے' جو ان کے ہودج کریم کو اونٹ کی پیٹھ پر باندھتے' کھولتے اور اتارتے' اس میں کبھی کبھی ان کے جسم کا وہ حصہ کھل جاتا جس کا دیکھنا ناپسندیدہ ہے تو انہیں حکم دیا کہ جانگیہ پہنا کریں۔ یہ ام المومنین کا اجتہاد تھا' ورنہ احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا مطلقاً منع ہے' اس میں جانگیہ بھی داخل ہے' یہی اکثر کا مذہب ہے۔

۹۱۳- ح: كَاَنِّى اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيصِ الطِّيْبِ

[گویا کہ میں مشک کی چمک دیکھ رہی ہوں]

۹۱۳ - عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ فَذَكَرْتُهُ لِاِبْرَاهِيْمَ قَالَ مَا تَصْنَعُ بِقَوْلِهِ حَدَّثَنِي الْاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

سعید بن جبیر (شہید) نے فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زیتون کا تیل لگاتے تھے میں نے ابراہیم نخعی سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: ان کی بات کو کیا کرے گا؟ مجھ سے اسود نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ سے یہ حدیث بیان کی ہے' وہ فرماتی ہیں: میں مشک کی چمک رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں' حالانکہ حضور احرام کی حالت میں تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸' کتاب الغسل۔ باب: من تطیب ثم اغتسل ص ۴۱' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الحج)

یہ حدیث نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۶۱۹' کتاب الغسل' رقم: ۱۹۶ میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث اُم المؤمنین سے متعدد طریقوں سے مروی ہے' امام ابوجعفر طحاوی نے آٹھ طریقوں سے اس کی تخریج فرمائی ہے' حضرت ابن عمر نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے پسند نہیں کہ احرام کی حالت میں میرے جسم یا کپڑے سے خوشبو اُٹھ رہی ہو' اس پر حضرت ابراہیم نخعی نے وہ فرمایا۔

ما تصنع

اس میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ ضمیر مجرور متصل کا مرجع حضرت ابن عمر ہوں' اب مطلب یہ ہوا کہ ابن عمر کی بات کو لے کر کیا کرو گے' جبکہ حضور اقدس ﷺ کا فعل یہ ہے' دوسرا احتمال یہ ہے کہ "بقولہ" کی ضمیر مجرور کا مرجع حضور اقدس ﷺ ہوں' جو معہود فی الذہن ہیں' اب مطلب یہ ہوا کہ ابن عمر کی بات تم نے بتائی' مگر حضور اقدس ﷺ کے عمل کا کیا کرو گے کہ احرام کی حالت میں آپ کے سر کی مانگ میں مشک چمک رہا تھا' حضور کا عمل لائق اتباع ہے' نہ کہ اس کے مخالف ابن عمر کا قول۔

رہ گیا یہ شبہ کہ حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا کوئی ارشاد مذکور نہیں' صرف عمل مذکور ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر بہ منزلہ قول ہی ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں قول ویسے ہی ہے جیسے اُردو میں بات ہے' اس کا اطلاق بہ کثرت عمل پر بھی ہوتا ہے' کہ جیسے کسی کے رہنے' سہنے' کھانے پینے کے ٹھاٹھ باٹھ کا تذکرہ ہو تو کہا جاتا ہے: اس کی کیا بات ہے۔

مسائل

اس حدیث سے امام اعظم اور امام شافعی وغیرہ نے استدلال فرمایا کہ احرام کے وقت خوشبو بدن اور کپڑوں میں لگانا مسنون ہے' اُحرام سے پہلے والی خوشبو اگر باقی رہے اور اس کی لپٹیں اُٹھ رہی ہوں تو کوئی حرج نہیں' البتہ ایسی خوشبو نہ ہو کہ اس کا رنگ کپڑے پر ظاہر ہو۔

۹۱۴- ح: كُنْتُ اُطَيِّبُ لِاِحْرَامِهٖ

[آپ (ﷺ) جب احرام باندھتے تو میں خوشبو لگاتی]

۹۱۴ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

نبی ﷺ کی رفیقہ حیات اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب احرام باندھتے تو میں حضور کو خوشبو

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاِحْرَامِهِ حِيْنَ يُحْرِمُ وَلِحِلِّهِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ. لگاتی اور طواف سے پہلے احرام کھولتے وقت (بھی) خوشبو لگاتی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸)

ہمارا مذہب یہ ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو رمی جمار اور قربانی کر کے بال اتروانے کے بعد جماع کے علاوہ تمام ممنوعات احرام جائز ہو جاتے ہیں' اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے طواف زیارت سے پہلے احرام کھول دیا تھا۔

کنت اطیّب

علامہ ابن حاجب نے فرمایا: ''کان'' تکرار چاہتا ہے' اور یہاں حضرت ام المومنین نے صرف ایک بار حجۃ الوداع میں حضور اقدس ﷺ کو خوشبو لگائی تھی' اس کا جواب یہ ہے کہ ''کان'' اگرچہ اصل وضع کے لحاظ سے تکرار چاہتا ہے' مگر جبکہ کوئی قرینہ عدم تکرار پر ہو' جیسا کہ بعض محققین نے تصریح کی ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۱۵۷)

۹۱۵- ح: يُهِلُّ مُلَبِّدًا [اسی حال میں تلبیہ کہتے]

۹۱۵- عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا.

سالم اپنے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو لبیک کہتے ہوئے اس حالت میں سنا کہ حضور کے بال کسی چیز کی آمیزش سے جمے ہوئے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اهل ملبدا ص ۲۰۸' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: التلبید۔ ص ۸۷۶' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۲۱)

اِهلال

''اِهلال'' کا مادہ ''هَلَلْ'' ہے' چلانے کے معنی میں۔ ''اهلال'' کے لغوی معنی آواز بلند کرنے کے ہیں' یہاں اس کے معنی بلند آواز سے تلبیہ کہنے کے ہیں' تلبید کا مصدر مجرد سے ''لُبُوْدٌ'' آتا ہے' چمٹنے کے معنی میں' تلبید کے معنی کسی لیس دار چیز سے چپکانا' یہاں مراد یہ ہے کہ بالوں میں کوئی لیس دار چیز ڈال کر جما دینا تا کہ منتشر نہ ہوں' امام شافعی اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ احرام کے وقت تلبید مستحب ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ جمہور علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی تلبید کرے تو اس پر واجب ہے کہ احرام کھولتے وقت سر کو گنڈھے' حضور اقدس ﷺ نے یہی کیا تھا' اور حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی یہی حکم دیتے تھے' ہمارے نزدیک تلبید ممنوع ہے' اس لئے کہ امام ترمذی[۱] اور امام ابن ماجہ[۲] نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک صاحب نے دریافت کیا: یارسول اللہ! حاجی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اَلشَّعِثُ التَّفِلُ'' جس کا بال پراگندہ ہو اور بدن بے خوشبو' تلبید کے بعد بال جمے رہنے کی وجہ سے پراگندہ نہ ہو پائیں گے' البتہ عورتوں کو تلبید کی اجازت ہے جیسے انہیں سر چھپانے کی اجازت ہے۔

۹۱۶- ح: مَا اَهَلَّ اِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ [آپ (ﷺ) نے مسجد ہی سے احرام باندھا تھا]

۹۱۶- سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ مَا اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد یعنی ذوالحلیفہ

---

[۱] ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۲۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ آل عمران [۲] ابن ماجہ۔ ص ۲۱۴۔ کتاب المناسک۔ باب: ما یوجب الحج

اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ یَعْنِیْ مَسْجِدَ ذِی الْحُلَیْفَةِ۔ ہی کی مسجد سے احرام باندھا تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک باب: الاھلال عند مسجد ذی الحلیفة ص ۲۰۸ 'مسلم الحج' ابوداؤد۔ کتاب المناسک' ترمذی۔ کتاب الحج' نسائی)

امام مسلم[۱] امام ابوداؤد[۲] امام ابن ماجہ[۳] نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو اعلانِ عام فرمایا' جس پر لوگ اکٹھے ہوگئے' جب آپ بیداء پر آئے تو احرام باندھا' نیز ابوداؤد[۴] اور نسائی[۵] میں حضرت انس کی جو حدیث بہ طریق حضرت حسن بصری ہے' اس میں بھی یہ ہے کہ جب آپ کوہِ بیداء پر آئے تو لبیک پکارا' اس کے علاوہ اور احادیث میں بھی ہے' اسی کے ازالے کے لیے حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ بیداء پر احرام باندھنے کا جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں' وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہیں' حضور نے ذوالحلیفہ ہی میں احرام باندھا تھا' جب آپ کی سواری سیدھی کھڑی ہوگئی اس وقت۔

احرام کا وقت

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں سے احرام باندھا تھا؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) نماز احرام سے فارغ ہوتے ہی فوراً بلا تاخیر اسی جگہ جہاں نماز پڑھی تھی۔ (۲) یہاں سے اُٹھ کر جب سوار ہوئے اور جب سواری حضور کو لے کر سیدھی کھڑی ہوگئی' اس وقت۔ (۳) آگے بڑھ کر جب آپ بیداء پر پہنچے اس وقت۔ ان تینوں اقوال میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تطبیق دی ہے۔ ابوداؤد[۶] اور شرح معانی الآثار[۷] میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر (شہید) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احرام کے بارے میں صحابہ کے درمیان جو اختلاف ہے' اس پر مجھے تعجب ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں سب سے زیادہ اسے جانتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک حج کیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حج کے ارادے سے نکلے' جب مسجد ذوالحلیفہ میں احرام کی دو رکعتیں پڑھ چکے تو اسی مجلس میں حج اپنے اوپر واجب فرمالیا' یعنی حج کی نیت کرلی اور ان دو رکعتوں سے فارغ ہوتے ہی بلند آواز سے تلبیہ کہا' اسے بہت سے لوگوں نے سنا اور یاد رکھا' اس کے بعد آپ سوار ہوئے' جب ناقۂ مبارکہ حضور کو لے کر کھڑی ہوگئی تو آپ نے تلبیہ کہا' اسے کچھ لوگوں نے جانا' وجہ یہ ہے کہ لوگ خدمت اقدس میں باری باری حاضر ہوتے تھے' کچھ لوگوں نے تلبیہ آپ سے اس وقت سنا' جب سواری کھڑی ہوچکی تھی' تو ان لوگوں نے کہا کہ جب سواری سیدھی کھڑی ہوگئی' اس وقت حضور نے احرام باندھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھے' جب بیداء کی بلندی پر چڑھے تو پھر تلبیہ کہا' اس وقت کچھ لوگ آکر ملے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے بیداء پر احرام باندھا اور اللہ کی قسم! حضور نے اپنی نماز کی جگہ ہی سے احرام باندھ لیا تھا' پھر جب آپ کی سواری سیدھی کھڑی ہوگئی تو آپ نے تلبیہ پڑھا اور جب بیداء پر چڑھے تو بھی آپ نے تلبیہ کہا۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ ہی میں جہاں احرام کا دوگانہ پڑھا تھا' وہیں احرام باندھ کر تلبیہ پڑھا تھا'

۱؎ مسلم۔ ج ۱ ص ۳۹۴۔ کتاب الحج۔ باب: حجة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۲؎ ابوداؤد۔ ص ۲۶۲۔ کتاب المناسک۔ باب: صفة حجة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۳؎ ابن ماجہ۔ ص ۲۲۷۔ باب: حجة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۴؎ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۴۷۔ کتاب المناسک۔ باب: وقت الاحرام
۵؎ نسائی۔ ج ۲ ص ۱۷۱۔ کتاب المناسک۔ باب: العمل فی الاھلال
۶؎ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۴۶۔ کتاب المناسک۔ باب: وقت الاحرام
۷؎ شرح معانی الآثار۔ ص ۳۰۶۔ کتاب المناسک الحج۔ باب: الاھلال من این ینبغی ان یکون

مگر وہاں پورا مجمع موجود نہ تھا؛ چند افراد تھے؛ جنہوں نے سنا؛ پھر سواری کے کھڑی ہونے کے بعد بھی تلبیہ کہا؛ اسے ان لوگوں نے سنا؛ جو بعد میں حاضر ہوئے اور یہ سمجھا کہ اب احرام باندھا تھا؛ مگر اس وقت بھی سب لوگ حاضر نہ تھے۔ مجمع اتنا کثیر تھا کہ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے بیداء پر چڑھنے کے بعد دیکھا تو حضور کے آگے پیچھے؛ دائیں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی تھے؛ جب حضور نے بیداء پر چڑھنے کے بعد تلبیہ کہا تو اب ان لوگوں نے سنا جو پہلے موجود نہ تھے؛ اس وقت قریب تھے تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ بیداء پر احرام باندھا؛ اسی کے مطابق ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ احرام دوگانے کے بعد فوراً باندھا جائے؛ البتہ امام اوزاعی؛ عطاء؛ قتادہ کا قول یہ ہے کہ بیداء پر چڑھنے کے بعد مستحب ہے۔

بیداء ذوالحلیفہ کے متصل ایک پہاڑ ہے؛ یہ بھی ذوالحلیفہ ہی کا ایک حصہ ہے۔

۹۱۷- ح: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ [محرم کون سا لباس پہنے؟]

۹۱۷ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَّا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَّسَّهُ الزَّعْفَرَانُ اَوْ وَرْسٌ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَاْسَهٗ وَلَا يَتَرَجَّلُ وَلَا يَحُكُّ جَسَدَهٗ وَيُلْقِي الْقَمْلَ مِنْ رَّاْسِهٖ وَجَسَدِهٖ فِي الْاَرْضِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ! محرم کون کون سا کپڑا پہنے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کرتا؛ پائجامے؛ عمامے؛ ٹوپیاں اور موزے نہ پہنے ہاں! اگر کسی کے پاس چپل نہیں تو موزے پہن لے اور انہیں کعب کے نیچے سے کاٹ لے؛ اور ایسے کپڑے بھی مت پہنو جسے زعفران یا ورس نے چھوا ہو۔ ابو عبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: محرم اپنا سر دھو سکتا ہے اور کنگھی نہیں کر سکتا؛ اور نہ اپنا بدن کھجلا سکتا ہے؛ اور جوئیں اپنے سر اور بدن سے زمین پر پھینک سکتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما يلبس المحرم من الثياب ص۲۰۹؛ کتاب العلم۔ باب: من اجاب السائل اكثر مما سئله ص۲۵؛ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوة في القميص الخ ص۵۳؛ کتاب العمرۃ۔ باب: ما ينهى من الطيب للمحرم ص۲۴۸؛ باب: لبس الخفين اذا لم يجد نعلين ص۲۴۸؛ ج۲۔ کتاب اللباس۔ باب: لبس القميص ص۸۶۲؛ باب: البرانس ص۶۸۳؛ باب: السراويل ص۸۶۳؛ باب: العمائم ص۸۶۴؛ باب: التزعفر للرجال ص۸۶۹؛ باب: النعال السبتية ص۸۷۰؛ مسلم۔ کتاب الحج؛ ابوداؤد۔ کتاب المناسک؛ ترمذی۔ کتاب الحج؛ نسائی۔ کتاب المناسک؛ ابن ماجہ۔ کتاب المناسک؛ دارمی۔ کتاب المناسک؛ موطا۔ کتاب الحج؛ مسند امام احمد ج۲ ص۳)

لا یلبس

سوال یہ تھا کہ محرم کیا پہنے؟ اور حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں پہنے۔ اس جواب میں اختصار بھی ہے اور مخاطب کے سمجھنے میں آسانی بھی؛ اس لیے اسی کو ارشاد فرمایا۔

القمیص

اس سے مراد ہر سلا ہوا کپڑا ہے؛ خواہ کرتا ہو؛ خواہ جبہ یا کچھ اور؛ اس معنی کے لحاظ سے پائجامہ اس میں داخل ہے؛ مگر کرتے سے مقصود بدن کے اوپر کے حصہ کا چھپانا ہوتا ہے؛ اس لیے اس کا توہم ہو سکتا تھا کہ پائجامہ اس سے مستثنیٰ ہو؛ اس لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا؛ عمامے اور ٹوپیوں کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ سر کھلا رہے؛ اس لیے سر پر رومال یا چادر بھی ڈالنا ممنوع ہے؛ نعل چپل کی طرح ہوتا ہے

جس میں نیچے تلوا ہوتا ہے اور اوپر صرف تسمہ ہوتا تھا' جس کی وجہ سے پاؤں کا اوپر والا حصہ کھلا رہتا تھا' موزوں کی ممانعت سے مقصود یہی ہے کہ پاؤں کا اوپر والا حصہ کھلا رہے' اسی لیے بہ درجہ مجبوری موزوں کی اجازت دی تو یہ شرط کر دی کہ کعب کے نیچے کاٹ دے' کعب پاؤں کے ٹخنے کو بھی کہتے ہیں اور بیچ قدم کے اس جوڑ کو بھی کہتے ہیں جہاں چپل کا تسمہ ہوتا ہے' یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے' کیونکہ یہاں احتیاط اسی میں ہے اور وضو میں ٹخنے مراد ہیں' کیونکہ وہاں احتیاط کا تقاضا یہی ہے' مراد یہ ہے کہ موزہ وسط قدم سے لے کر ایڑیوں کی دیواروں سمیت کاٹ کر پہنے' اس کو اسفل اس اعتبار سے فرمایا کہ موزوں کا اگلا حصہ وہ ہے جو انگلیوں پر رہتا ہے تو وہی اعلیٰ ہوا' اور اس کا مقابل اسفل۔

ورس

تل کے مانند ایک گھاس ہے' جس سے کپڑے رنگتے تھے' یہ یمن سے آتی تھی' زعفران کی طرح ورس میں بھی خوشبو ہوتی ہے' اس لیے ورس اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہننا احرام کی حالت میں ممنوع ہے' ہاں اگر دھو دیا گیا کہ خوشبو زائل ہو گئی ہو تو عورتیں احرام کی حالت میں بھی پہن سکتی ہیں' جیسا کہ شرح معانی الآثار میں بعض طرق سے خود حضرت ابن عمر ہی کی حدیث میں آیا ہے:

اِلَّا ان یکون غسیلًا. — مگر یہ کہ دھویا ہوا ہو۔

(شرح معانی الآثار۔ ج ۱۔ کتاب الحج۔ باب: ما یلبس الثوب الذی مسہ ورس الخ ص ۳۱۴)

رہ گئے مرد تو انہیں زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننا مطلقاً ممنوع ہے' اگر چہ احرام کی حالت میں نہ ہو' اس لیے احرام کی حالت میں بھی ممنوع ہوگا' زعفران اور ورس کی طرح کسی خوشبودار رنگ سے رنگا ہوا کپڑا پہننا احرام میں منع ہے' جیسے مالا گیری رنگ۔

تکمیل

ابواب العمرۃ میں یہ زائد ہے:

وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْاَۃُ الْمُحْرِمَۃُ وَلَا تَلْبَسُ الْقِفَازَیْنِ. — اور احرام والی عورت نہ منہ پر نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔

عورت کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی کہ چہرے پر نقاب عورتیں ڈالتی تھیں اور دستانے پہنتی تھیں' ورنہ مردوں کو بھی یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں۔

حضرت امام بخاری نے جو فرمایا کہ مُحرِم سر دھو سکتا ہے' البتہ کنگھا نہیں کر سکتا' یہ درست ہے' مگر بدن کھجلا سکتا ہے' مگر اس طرح کہ بال ٹوٹنے کا اندیشہ نہ رہے' ظاہر ہے کہ بدن کے اکثر حصے پر بال نہیں' وہاں کھجلانے میں کوئی خدشہ نہیں اور جہاں بال ہیں وہاں احتیاط سے کھجلائے' یوں ہی جوؤں کو بدن سے جدا کر کے زمین پر پھینکنا ممنوع ہے' اس پر صدقہ واجب ہے' البتہ پھینکنے میں گناہ نہیں۔

۹۱۸- ح: لَمْ یَزَلِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُلَبِّیْ حَتّٰی رَمٰی جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ — [نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ جمرہ عقبہ پر کنکری ماری]

۹۱۸- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ اُسَامَۃَ کَانَ رِدْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَۃَ اِلَی الْمُزْدَلِفَۃِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَۃِ اِلٰی مِنًی قَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اسامہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عرفہ سے مزدلفہ تک سوار رہے' اس کے بعد مزدلفہ سے منیٰ تک فضل رہے' ان دونوں نے بتایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل تلبیہ

فَكِلَاهُمَا قَالَ لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ. پڑھتے رہے یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ پر کنکری ماری۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الركوب والارتداف في الحج ص۲۰۹، باب: متى يدفع من جمع ص۲۲۸)

اس پر ہمارا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق ہے حاجی احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کہتا رہے، جمرۃ العقبہ پر پہلی کنکری مارتے ہی بند کر دے گا، مگر امام احمد فرماتے ہیں کہ جب تک کل کنکریاں نہ مارلے نہ بند کرے۔ اس حدیث کے الفاظ دونوں کے محتمل ہیں، ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بیہقی[۱] نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغور دیکھتا رہا، حضور مسلسل تلبیہ کہتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے جمرۃ العقبہ پر پہلی کنکری ماری۔

ت ۲۹۰ - وَلَبِسَتْ عَائِشَةُ الثِّيَابَ الْمُعَصْفَرَةَ وَهِيَ مُحْرِمَةٌ وَّقَالَتْ لَا تَلَثَّمْ وَلَا تَبَرْقَعْ وَلَا تَلْبَسْ ثَوْبًا بِوَرْسٍ وَّلَا زَعْفَرَانٍ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں کسم سے رنگا ہوا کپڑا پہنا، اور فرمایا: عورت احرام کی حالت میں منہ کپڑے سے نہ چھپائے اور نہ برقعہ اوڑھے، نہ ورس اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنے۔

(بخاری۔ باب: ما يلبس المحرم من الثياب ص۲۰۹)

ت ۲۹۱ - وَقَالَ جَابِرٌ لَّا اَرَى الْمُعَصْفَرَ طِيْبًا.

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کو خوشبودار نہیں جانتا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما يلبس المحرم من الثياب ص۲۰۹)

ت ۲۹۲ - وَلَمْ تَرَ عَائِشَةُ بَاْسًا بِالْحُلِيِّ وَالثَّوْبِ الْاَسْوَدِ وَالْمُوَرَّدِ وَالْخُفِّ لِلْمَرْاَةِ.

اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا احرام کی حالت میں عورت کو زیور اور کالا اور گلابی کپڑا اور موزہ پہننے میں حرج نہیں جانتی تھیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما يلبس المحرم من الثياب ص۲۰۹)

پہلی تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، بیہقی میں یہ ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسم سے ہلکا گلابی رنگ کا کپڑا پہنتی تھیں۔

دوسری تعلیق کو امام شافعی اور امام مسدد نے موصولاً ذکر کیا ہے۔

تَلَثَّمْ

باب تفعل سے ہے، اس کا مادہ "لِثَــام" ہے، صرف منہ کو کپڑے سے چھپانے کو کہتے ہیں، اس طرح کہ آنکھیں اور پیشانی کھلی رہے، اصل میں "تَتَلَثَّمْ" تھا، ایک تاء کو تخفیفاً حذف کر دیا، احرام کی حالت میں عورت کو منہ چھپانا منع ہے، جیسا کہ حدیث گزر چکی ہے حضرت اُم المومنین کا کسم سے رنگا ہوا کپڑا پہننا اس بنیاد پر تھا کہ وہ کسم کو خوشبو نہیں شمار کرتی تھیں، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا، یا اس بناء پر تھا کہ ہلکا رنگ ہونے کی وجہ سے کپڑے میں خوشبو نہیں رہتی تھی، کسم میں خوشبو ہے، اس لیے کسم سے رنگا ہوا کپڑا احرام میں پہننا ممنوع ہے۔

ت ۲۹۳ - وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَاْسَ اَنْ يُّبَدِّلَ ثِيَابَهٗ.

اور امام ابراہیم نخعی نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم اپنے کپڑے تبدیل کرے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما يلبس المحرم من الثياب ص۲۰۹)

اسے امام ابوبکر نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا، نیز یہ بھی کہ حضرت عکرمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنعیم میں اپنا لباس

---

[۱] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۱۶۵

تبدیل فرمایا۔

۹۱۹- ح: اِنْطَلَقَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ بَعْدَ مَا تَرَجَّلَ

[آپ (ﷺ) کنگھا کرنے (اور تیل لگانے) کے بعد مدینہ سے چلے]

۹۱۹ - **عَنْ** عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ بَعْدَ مَا تَرَجَّلَ وَادَّهَنَ وَلَبِسَ إِزَارَهُ وَرِدَائَهُ هُوَ وَاَصْحٰبُهُ فَلَمْ يَنْهَ عَنْ شَيْءٍ مِّنَ الْاَرْدِيَةِ وَالْاُزُرِ تُلْبَسُ اِلَّا الْمُزَعْفَرَةَ الَّتِي تَرْدَعُ عَلَى الْجِلْدِ فَاَصْبَحَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ هُوَ وَاَصْحٰبُهُ وَقَلَّدَ بَدَنَتَهُ وَذٰلِكَ لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ فَقَدِمَ مَكَّةَ لِاَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلَمْ يَحِلَّ مِنْ اَجْلِ بُدْنِهٖ لِاَنَّهُ قَلَّدَهَا ثُمَّ نَزَلَ بِاَعْلٰى مَكَّةَ عِنْدَ الْحَجُوْنِ وَهُوَ مُهِلٌّ بِالْحَجِّ وَلَمْ يَقْرَبِ الْكَعْبَةَ بَعْدَ طَوَافِهٖ بِهَا حَتّٰى رَجَعَ مِنْ عَرَفَةَ وَاَمَرَ اَصْحٰبَهُ اَنْ يَّطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ يُقَصِّرُوْا مِنْ رُءُوْسِهِنَّ ثُمَّ يَحِلُّوْا وَذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهُ بَدَنَةٌ قَلَّدَهَا وَمَنْ كَانَتْ مَعَهُ اِمْرَاَتُهُ فَهِيَ لَهُ حَلَالٌ وَّالطِّيْبُ وَالثِّيَابُ. (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما يلبس المحرم من الثياب ص۲۰۹)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی ﷺ بالوں میں کنگھا کرنے اور تیل لگانے کے بعد مدینہ سے چلے، اور اپنا تہبند پہنا اور چادر اوڑھی، حضور نے بھی اور حضور کے اصحاب نے بھی، سوائے اس زعفرانی رنگ کی چادر کے جس سے بدن رنگین ہو، کسی چادر اور تہبند سے منع نہیں فرمایا، صبح تک ذوالحلیفہ میں رہے، اپنی سواری پر سوار ہوئے، جب بیداء پر چڑھے تو تلبیہ پکارا، حضور نے بھی اور صحابہ نے بھی اور حضور نے اپنے اونٹ کو قلادہ پہنایا اور یہ پچیس ذوالقعدہ کو ہوا، اور چار ذوالحجہ کو مکہ آ گئے، پس آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، اپنے اونٹ کو چونکہ قلادہ پہنایا تھا، اس لیے احرام نہیں کھولا، اس کے بعد مکہ کے بالائی حصے میں حجون کے قریب قیام فرمایا، اور حضور حج کا احرام باندھے ہوئے تھے اور طواف کے بعد کعبہ کے قریب نہیں گئے، جب عرفہ سے واپس ہوئے تو گئے اور اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کریں، اس کے بعد اپنے سروں کے بال کتروالیں، پھر احرام کھول دیں مگر وہی لوگ جن کے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوں اور جس کے ہم راہ اس کی زوجہ ہو، وہ اس کے لیے حلال ہے اور خوشبو اور کپڑے بھی۔

تَرْدَعُ

اس کے معنی ہیں: رنگ بدن کو لگے، کسی خوشبودار چیز سے رنگا ہوا کپڑا اس حالت میں کہ اس سے خوشبو کی لپٹ اُٹھ رہی ہو یا وہ رنگ جو جسم کو رنگین کر دے پہننا منع ہے، اگر اسے دھو دیں کہ نہ خوشبو باقی رہے نہ رنگ بدن کو رنگین کرے تو جائز ہے، مگر زعفران، کسم کا رنگ مردوں کو ممنوع ہے، اس لیے مرد احرام میں بھی نہ پہنے، عورتیں پہن سکتی ہیں۔

بذی الحلیفة

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ شنبہ کو بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے نکلے تھے، رات آپ نے ذوالحلیفہ میں گزاری، اور وہیں دوسرے دن احرام باندھا، اور وہاں سے چلے، اس روایت میں اجمال اور اختصار ہے۔

علی البیداء

ابھی ابوداؤد اور شرح معانی الآثار کے حوالہ سے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ ہی میں احرام کے دوگانے کے بعد احرام باندھ لیا تھا۔

وھو مھل بالحج

تحقیق یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا' جیسا کہ علامہ عینی اور امام ابن ہمام نے بدلائل قاہرہ ثابت فرمایا ہے' اس لیے حضرت ابن عباس کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرے سے فارغ ہو چکے تھے اور اب حج کا احرام باندھے ہوئے وہاں مقیم تھے۔

۹۲۰- ح: صَلّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ الظُّھْرَ اَرْبَعًا [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعت پڑھیں]

۹۲۰ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ الظُّھْرَ اَرْبَعًا وَّالْعَصْرَ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ وَسَمِعْتُھُمْ یَصْرُخُوْنَ بِھِمَا جَمِیْعًا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں چار رکعت ظہر پڑھی اور ذوالحلیفہ میں عصر دو رکعت' اور میں نے ان کو سنا کہ حج اور عمرے دونوں کے ساتھ تلبیہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: رفع الصوت بالاھلال ص۲۱۰' کتاب الجہاد۔ باب: الارتداف فی الغزو والحج ص۴۱۹' باب: الخروج بعد الظھر ص۴۱۴)

یعنی یوں تلبیہ کہتے تھے: ''اللّٰھم لبیك بحجۃ وعمرۃ الخ'' یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ نے قران کیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ تلبیہ بلند آواز سے کہنا سنت ہے' نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ قران افضل ہے۔

۹۲۱- ح: اَنَّ تَلْبِیَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ]

۹۲۱ - عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ تَلْبِیَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یہ تھا: حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں' حاضر ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں' میں حاضر ہوں' بے شک تمام حمد اور کل نعمت تیرے ہی لیے ہے' اور ملک تیرے ہی لیے ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التلبیۃ ص۲۱۰' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الحج)

تلبیہ

باب تفعیل کا مصدر ہے' لبیک لبیک پڑھنے کے معنی میں' جیسے ''ھَلَّلَ'' کے معنی: لا الٰہ الا اللہ پڑھنا' ''سَبَّحَ'' کے معنی سبحان اللہ پڑھنا۔ ''لَبَّیْكَ'' سیبویہ نے کہا: یہ تثنیہ ہے' نون اضافت کی وجہ سے گر گیا' اور فراء نے کہا: یہ مفعول مطلق ہے' جس کے فعل کا حذف کرنا تخفیف کی بنا پر واجب ہے' اس کی اصل تھی: ''اُلِبُّ لَبَّیْنِ لَكَ اَیْ اِلْبَابًا بَعْدَ اِلْبَابٍ'' اور یہ تثنیہ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں تکثیر

اور مبالغے پر دلالت کرنے کے لیے ہے' مطلب یہ ہوا کہ بار بار حاضر ہوں' اب عرف میں کسی بلانے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے: یعنی حاضر ہوں' حاضر ہوں۔

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہیں حکم ہوا کہ لوگوں کو حج کے لیے پکارو' عرض کیا: اے رب! میری آواز پوری دنیا میں نہیں پہنچے گی' فرمایا: تم پکارو! اور سب تک پہنچانا میرے ذمے ہے' تو حضرت ابراہیم نے پکارا: اے لوگو! تم پر بیت عتیق کا حج فرض کیا گیا ہے' اسے آسمان و زمین کے مابین جو بھی تھے سب نے سنا' کیا نہیں دیکھتے کہ انتہائی دور کے لوگ بھی لبیک کہتے ہیں۔ اسے عبد بن حمید' ابن جریر' ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیروں میں اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور عطاء' عکرمہ اور قتادہ سے اور احمد بن منیع نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے' بہ طریق ابن جریج حضرت ابن عباس سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے اپنے آباء واجداد کی پیٹھ اور ماؤں کے پیٹ میں لبیک کہا' سب سے پہلے اہل یمن نے لبیک کہا' اس دن سے قیامت تک جو بھی حج کی سعادت حاصل کرے گا' اس نے اس دن حضرت ابراہیم کی پکار کو قبول کیا تھا۔ (فتح الباری۔ ج۳ ص۳۲۵)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ عزوجل کے حکم سے پکارا تھا' تو ان کی پکار حقیقت میں اللہ عزوجل ہی کی منادی تھی' اس لیے حاجی "لبیک اللّٰھمّ الخ" کہتا ہے۔ علامہ ابن منیر نے لکھا کہ تلبیہ سے یہ اظہار مقصود ہے کہ اللہ عزوجل نے بندوں کو اپنے خصوصی کرم سے نوازا ہے کہ انہیں اپنی بارگاہ میں بلایا ہے' حجاج وفد کی صورت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہیں' احرام کے لیے حج یا عمرے یا دونوں کی نیت کے ساتھ ذکر الٰہی رکن ہے' خواہ لبیک کہے' خواہ الحمد للہ' سبحان اللہ' اللہ اکبر خاص لبیک کے کلمات مسنون ہیں' اس میں کمی نہ کرے' زیادتی مستحسن ہے' مگر جو زیادتی ہو' ان کلمات کے بعد ہو۔

حضرت عمر[1] اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے زائد یہ کلمات منقول ہے:

"لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدِكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ" امام ابن ابی شیبہ[2] کی روایت میں یہ زیادتی منقول ہے: "لَبَّيْكَ مَرْغُوْبًا وَمَرْهُوْبًا اِلَيْكَ وَالنَّعْمَاءُ وَالْفَضْلُ الْحَسَنُ"۔

۹۲۲- ح: كَيْفَ كَانَ يُلَبِّيْ؟ [آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیسے تلبیہ پڑھتے؟]

۹۲۲- عَنْ اَبِيْ عَطِيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ.

ابو عطیہ سے مروی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں جانتی ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے تلبیہ پڑھتے تھے: لبیک اللھم لبیک الخ۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الاھلال ص۲۱۰)

اس حدیث کے کچھ اجزاء پہلے مذکور ہو چکے ہیں' یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قران کیا تھا' نیز یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ احرام کے لیے خاص تلبیہ کے کلمات ضروری نہیں' تحمید' تسبیح' تکبیر بھی کافی ہے۔ دوسرے ابواب میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات اونٹوں کو اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا تھا۔

۹۲۳- ح: صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں

[1] مسلم۔ ج۱ ص۳۷۶۔ کتاب الحج۔ باب: التلبیۃ وصفتھا [2] فتح الباری۔ ج۳ ص۳۲۵

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا

(ظہر کی) چار رکعت پڑھیں]

٩٢٣- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ مَعَهٗ بِالْمَدِيْنَةِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَّالْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ بَاتَ بِهَا حَتّٰى اَصْبَحَ ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَى الْبَيْدَاءِ حَمِدَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ وَكَبَّرَ ثُمَّ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَّعُمْرَةٍ وَّاَهَلَّ النَّاسُ بِهِمَا فَلَمَّا قَدِمْنَا اَمَرَ النَّاسَ فَحَلُّوْا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ اَهَلُّوْا بِالْحَجِّ قَالَ وَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٍ بِيَدِهٖ قِيَامًا وَّذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ كَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ.

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَعْضُهُمْ هٰذَا عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر چار رکعت پڑھی اور ہم حضور کے ساتھ تھے اور عصر دو رکعت ذوالحلیفہ میں پڑھی، یہیں رات بھر رہے، جب صبح ہوئی تو سوار ہوئے جب بیداء پر چڑھے تو اللہ کی حمد کی، تسبیح کی اور تکبیر پڑھی، اس کے بعد حج اور عمرے کے ساتھ لبیک پڑھا اور سب لوگوں نے دونوں کے لیے لبیک کہا، جب ہم (مکہ) آئے تو لوگوں کو حکم دیا کہ احرام کھول دیں، جب یوم ترویہ آیا تو لوگوں نے حج کا احرام باندھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اونٹوں کو نحر کیا، اس حال میں کہ اونٹ کھڑے تھے، اور مدینہ میں دو سانولے مینڈھے ذبح کیے۔

ابوعبداللہ امام بخاری نے کہا: بعضوں نے کہا کہ یہ ایوب نے ایک شخص سے اور اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التحمید والتسبیح والتکبیر ص۲۱۰، باب: من نحر بیدہ ص۲۳۱، باب: نحر البدن قائما ص۲۳۱، دو طریقے سے، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، ابوداود۔ کتاب الحج۔ کتاب الاضاحی، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

ابوداود[1] میں ہے کہ یہ اونٹ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے کہ پہلے مجھے نحر فرمائیں، اسی میں[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے، پھر مجھے حکم دیا اور میں نے نحر کیا۔ محدث ابن بطال نے کہا کہ کل ستر اونٹ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سو قربانی کے اونٹ لے گئے اور تریسٹھ کو اپنے ہاتھوں سے نحر فرمایا، اپنی عمر مبارک کی مقدار، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اونٹ میں افضل بلکہ سنت نحر ہے اور اسے ذبح کرنا مکروہ ہے، نیز یہ بھی سنت ہے کہ اسے بایاں پاؤں باندھ کر کھڑا کر کے نحر کریں، اسی میں آسانی ہے۔

قال بعضهم

علامہ عینی نے فرمایا: ایک قول یہ ہے کہ اس بعض سے اسماعیل بن علیہ مراد ہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ حماد بن سلمہ ہوں۔

ت ٢٩٤- عَنْ نَّافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ اَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَرُحِلَتْ ثُمَّ رَكِبَ فَاِذَا اسْتَوَتْ بِهِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ قَائِمًا ثُمَّ يُلَبِّيْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْحَرَمَ ثُمَّ يُمْسِكُ حَتّٰى اِذَا جَآءَ ذَا طُوًى بَاتَ بِهٖ حَتّٰى يُصْبِحَ فَاِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ اغْتَسَلَ وَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذٰلِكَ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الاهلال مستقبل القبلة ص۲۱۰)

نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب ذوالحلیفہ میں صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور جب وہ تیار ہو جاتی تو اس پر سوار ہوتے، جب وہ سیدھی کھڑی ہو جاتی تو سیدھے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرتے، پھر لبیک پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ حرم پہنچ جاتے، جب ذوطویٰ میں پہنچتے تو بند کر دیتے، یہیں رات گزارتے، صبح کو نماز فجر کے بعد غسل کرتے، اور حضرت ابن عمر کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔

[1] ابوداود۔ ص۲۴۵۔ کتاب المناسک۔ باب: الهدی اذا عطب قبل ان یبلغ محله [2] ایضاً

اس تعلیق کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں بہ طریق ابوالربیع عن حماد عن ایوب ذکر کیا ہے' اور ابونعیم نے مستخرج میں بہ طریق عباس الدوری عن عمر موصولاً روایت کیا ہے۔

قَائِمًا

''قَـائِمًا'' سے مراد یہ ہے کہ سواری پر سیدھے بیٹھ کر تلبیہ کہتے' یہ مراد نہیں کہ سواری پر کھڑے ہو کر تلبیہ پڑھتے' کیونکہ اونٹ کی پیٹھ پر چڑھنے کے بعد کھڑا ہونا دشوار ہے' اور نہ یہ کہیں مروی ہے کہ احرام کے لیے لبیک کھڑے ہو کر کہتے۔

ثُمَّ يُمْسِكُ

لبیک بند کرنے سے یہ مراد نہیں کہ وہ اب تلبیہ کہنے کو ناجائز جانتے تھے' بلکہ مراد یہ ہے کہ پڑاؤ کے بعد دوسرے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے تلبیہ موقوف کر دیتے تھے' اس لیے کہ عمرے میں تلبیہ طواف شروع کرنے کے پہلے تک کہی جائے گی' اور حج میں جمرۃ العقبہ کی رمی سے پہلے پہلے تک' ذوطویٰ باب مکہ کے پاس اس کے نیچے تنعیم کے راستے میں ایک جگہ ہے' یہاں کچھ کنوئیں ہیں' ان سے غسل کرنا مستحب ہے۔

۹۲۴- ح: كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا أَرَادَ الْخُرُوْجَ إِلٰى مَكَّةَ

[حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) جب مکہ جانے کا ارادہ کرتے]

۹۲۴- عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِذَا أَرَادَ الْخُرُوْجَ إِلٰى مَكَّةَ ادَّهَنَ بِدُهْنٍ لَيْسَ لَهُ رَائِحَةٌ طَيِّبَةٌ ثُمَّ يَأْتِي مَسْجِدَ ذِي الْحُلَيْفَةِ فَيُصَلِّيْ ثُمَّ يَرْكَبُ فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَائِمَةً أَحْرَمَ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ. (ایضا)

نافع نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ جانے کا ارادہ کرتے تو بے خوشبو کا تیل لگاتے' پھر مسجد ذوالحلیفہ میں آ کر نماز پڑھتے' اس کے بعد سوار ہوتے' جب ان کی سواری کھڑی ہو جاتی تو احرام باندھتے' پھر فرماتے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ہی کرتے دیکھا ہے۔

احرام سے پہلے بدن یا بالوں میں تیل لگانا سنت ہے' اگرچہ تیل خوشبودار ہو' کپڑے میں بھی خوشبو لگا لیں' مگر ایسی خوشبو نہ ہو جس کا جرم باقی رہے' اُم المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم احرام کا ارادہ فرماتے تو بہترین خوشبودار تیل لگاتے۔ (مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۲۳۶)

۹۲۵- ح: فَذَكَرُوا الدَّجَّالَ

[دجال کا ذکر چھیڑ دیا]

۹۲۵ - عَنْ مُّجَاهِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَذَكَرُوا الدَّجَّالَ أَنَّهُ قَالَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ قَالَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ أَسْمَعْهُ وَلٰكِنَّهُ قَالَ أَمَّا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ إِذِ انْحَدَرَ فِي الْوَادِيْ يُلَبِّيْ.

امام مجاہد نے کہا: ہم لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھے' لوگوں نے دجال کا ذکر چھیڑ دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا' اس پر ابن عباس نے کہا: میں نے اسے نہیں سنا ہے' مگر حضور نے یہ فرمایا ہے: گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں' جب وہ نالے میں اترتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی ص ۲۱۰' کتاب ذکر الانبیاء۔ باب: قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراہیم

حلیاً ص ۲۷۳ ج ۲- کتاب اللباس- باب: الجعد ص ۸۷۶ مسلم- کتاب الایمان مسند امام احمد- ج ا ص ۲۷۷)

تکمیل

کتاب الانبیاء میں ہے اس کی آنکھوں کے درمیان کافر 'ک'ف'ر' لکھا ہوگا اس میں اور کتاب اللباس میں یہ ہے: ہاں! میں نے یہ سنا ہے لیکن ابراہیم تو اپنے صاحب (یعنی خود حضور) کو دیکھو لیکن موسیٰ علیہ السلام تو گندم گوں گھونگھریالے بال والے انسان ہیں جو سرخ اونٹ پر سوار ہیں جس کی نکیل درخت کے چھال کی ہے گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں جب وہ نالے میں لبیک کہتے ہوئے اتر رہے ہیں۔ علامہ مہلب محدث نے کہا: اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بعض راویوں کا وہم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے اب ان کے حج کرنے کا کیا سوال یہ اصل میں عیسیٰ تھا جسے کسی راوی نے موسیٰ سے بدل دیا۔ علامہ عینی نے اس کے رد میں فرمایا: کتاب الانبیاء اور کتاب اللباس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کیا یہ بھی وہم ہے تمام انبیائے کرام زندہ ہیں حدیث معراج میں ہے کہ میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں پھر حج کرنے میں کیا اشکال ہے؟ اس عالم میں کوئی مکلف نہیں مگر پھر بھی انبیائے کرام اور انہیں کی طرح اولیائے عظام نماز حج ذکر کرتے ہیں یہ تشکر و امتنان ہے۔

اَهَلَّ تَكَلَّمَ بِهٖ وَاسْتَهْلَلْنَا وَاَهْلَلْنَا الْهِلَالَ كُلُّهٗ مِنَ الظُّهُوْرِ وَاسْتَهَلَّ الْمَطَرُ خَرَجَ مِنَ السَّحَابِ ﴿وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ (المائدہ:۳) وَهُوَ مِنِ اسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ.

''اَهَلَّ'' کے معنی ہیں: کلام کیا اور ''اِسْتَهْلَلْنَا'' اور ''اَهْلَلْنَا الْهِلَالَ'' یہ سب ظہور سے ہے اور ''اِسْتَهَلَّ الْمَطَرُ'' کے معنی ہیں: بادل سے بارش نکلی اور آیہ کریمہ: ''مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' ماخوذ ہے: پیدائش کے وقت بچہ کے رونے سے۔

''اھلال'' کا لفظ احادیث میں بار بار آتا ہے حسب عادت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے لغوی معنی بیان فرما رہے ہیں کہ ''اھل'' ''استھل'' کا مادہ ''ھلال'' ہے اس سے جتنے الفاظ بنتے ہیں سب کے معنی میں ظہور ضرور ہوتا ہے۔ ''اھل'' بہ معنی ''تکلم'' میں دل کی بات ظاہر ہوتی ہے جب اس کا معنی تلبیہ کہنا ہوتا ہے تو احرام ظاہر ہوتا ہے ''استھل المطر'' میں بادل سے پانی ظاہر ہوتا ہے ''ما اھل به لغیر اللّٰه'' میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذبح کرنے والے مشرک ہیں۔ ''استھل الصبی'' تو مولود بچہ رویا اس سے اس کا زندہ پیدا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: ''کله مِنَ الظھور'' کو بعد میں ذکر کرنا مناسب تھا۔

توضیح باب

یہاں باب کا عنوان ہے: حائضہ اور نفاس والی عورت کیسے احرام باندھے؟ بعینہٖ یہی بات صفحہ ۴۶ پر امام بخاری قائم کر چکے ہیں لیکن وہاں نفساء نہیں اور باب الحج والعمرہ زائد ہے حاصل دونوں بابوں کا ایک ہی ہے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ احرام کے وقت غسل مسنون ہے غسل سے حائضہ یا نفاس والی پاک ہوگی نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غسل کرے گی یا نہیں؟ حدیث سے ثابت ہوا کہ غسل کرے گی اس غسل سے پاک تو نہ ہوگی مگر سنت ادا ہو جائے گی۔

اس باب کے تحت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث: ۲۲۴ لائے ہیں جو کتاب الحیض ج ا ص ۶۶۱ پر درج کی جا چکی ہے یہ حدیث امام بخاری الفاظ مختلفہ کے ساتھ بارہ جگہ لائے ہیں جن کی تفصیل جلد ا صفحہ ۶۵۶ رقم: ۲۲۲ پر کی جا چکی ہے۔ کتاب الحیض اور یہاں کے متن میں تھوڑا سا فرق ہے وہاں ہے: ''فمنا من اھل بعمرة ومنا من اھل بحج'' ہم میں سے بعض نے عمرے کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا یہاں یہ ہے: ''فاھللنا بعمرة'' ہم نے عمرے کا احرام باندھا وہاں شرکاء کے بارے میں تفصیل

تھی، مگر اپنے بارے میں ابتداء میں کچھ ذکر نہیں فرمایا تھا، مگر درمیان میں ہے: ''لَمْ اُهِلِلْ الا بعمرة'' میں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا' وہاں کے سیاق سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ مکہ معظمہ حاضری کے بعد حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس نے صرف عمرے کا احرام باندھا ہے اور قربانی کے جانور نہیں لایا ہے' وہ احرام کھول دے اور جو قربانی کا جانور لایا ہے' وہ قربانی کرنے سے پہلے احرام نہ کھولے اور جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہے' وہ اپنا حج ادا کرے' اور یہاں کے سیاق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مکہ معظمہ پہنچنے سے پہلے ہی غالباً احرام باندھنے کے فوراً بعد فرمایا تھا' وہاں ارشاد کی تین شقیں ہیں' اور یہاں صرف ایک ہے کہ جس کے ساتھ ہدی ہو' وہ حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھے' یہاں یہ زائد ہے:

قَالَتْ فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا اٰخَرَ بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِّنًى وَاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَّاحِدًا. (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: کیف تھل الحائض والنفساء ص۲۱۱)

اُم المؤمنین نے فرمایا: جن لوگوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا' انہوں نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا اس کے بعد احرام کھول دیا' پھر منیٰ سے لوٹنے کے بعد ایک اور طواف کیا اور جن لوگوں نے حج اور عمرے کو جمع کیا تھا' انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔

وانا حائض

اس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے' جو کہتے ہیں کہ طواف صحیح ہونے کے لیے طہارت شرط ہے' کیونکہ اُم المؤمنین نے فرمایا: ''وانا حائض'' یہ نہیں فرمایا کہ میں مسجد میں نہیں جا سکتی تھی۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ طواف صحیح ہونے کے لیے یعنی فرض اور وجوب ادا ہونے کے لیے طہارت شرط نہیں' کیونکہ قرآن کریم میں مطلق فرمایا گیا: ''وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ'' اور بیت عتیق کا طواف کرو' یہ حکم مطلق ہے اور مطلق کی تقیید خبر واحد سے جائز نہیں' البتہ حدیث کی وجہ سے حکم یہ ہے کہ اگر بغیر طہارت کے طواف کرے گا تو دم واجب ہوگا' اگر بغیر وضو طواف کرے گا تو بکری وغیرہ' اور اگر حیض و نفاس اور جنابت کی حالت میں طواف کیا تو اونٹ اور اگر پاک ہونے تک مکہ معظمہ میں رہا تو دوبارہ طواف کرنا واجب ہے۔

الا طوافا واحدًا

جو لوگ کہتے ہیں کہ قارن پر صرف ایک طواف اور سعی ہے' ان کی دلیل یہی ہے' مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حج اور عمرہ ساتھ ساتھ کیا' اور دونوں کے لیے دو طواف اور دو سعی کیں' اور حضرت ابن عمر سے ایسا ہی مروی ہے' اور ان دونوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے' نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمرے اور حج کے لیے دو طواف کیے' نیز حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی کے بارے میں بھی یہی مروی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

ت۲۹۵ - **قَالَهُ** ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہ ابن عمر نے کہا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اھل کاھلال النبی ﷺ ص۲۱۱)

توضیح باب

یہاں باب یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے زمانے میں نبی ﷺ کے احرام کے مثل احرام باندھا' تعلیق میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں یہ ہوا ہے کہ کچھ

لوگوں نے اس طرح احرام باندھا ہے' اور اب اس طرح احرام باندھنا صحیح ہے یا نہیں' اس سے امام بخاری بالکل خاموش ہیں' احادیث جو ذکر کی ہیں' ان سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک یہ صحیح ہے' مگر جمہور علماء اور احناف کے یہاں صحیح نہیں' اور یہ اس سال کے ساتھ خاص تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کو خود امام بخاری نے مغازی[1] میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت علی یمن سے حج کرنے کے لیے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: کاہے کا احرام باندھا ہے؟ میرے ساتھ تمہاری اہلیہ بھی ہیں' تو عرض کیا: جس کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باندھا ہے' تو ارشاد فرمایا: احرام باقی رکھو' اس لیے کہ ہمارے ساتھ ہدی ہے۔

۹۲۶- ح: اَمَرَ عَلِيًّا اَنْ يُّقِيْمَ عَلٰى اِحْرَامِهٖ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ اپنے احرام میں رہیں]

۹۲۶ - قَالَ جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْ يُّقِيْمَ عَلٰى اِحْرَامِهٖ وَذَكَرَ قَوْلَ سُرَاقَةَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے احرام پر رہیں' اور سراقہ کا قول ذکر کیا۔

(ایضاً باب: عمرۃ التنعیم ص۲۳۹-۲۴۰' کتاب الشرکۃ۔ باب: الاشتراک فی الھدی ص۳۴۰-۳۴۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: بعث علی الی الیمن ص ۶۲۴' کتاب التمنی۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ص ۱۰۷۳' مسلم' نسائی۔ کتاب الحج' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۷۵)

یہ حدیث باب عمرۃ التنعیم میں مفصل یوں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے حج کا احرام باندھا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت طلحہ کے سوا کسی کے ساتھ ہدی نہیں تھی' اور حضرت علی یمن سے آئے ان کے ساتھ ہدی تھی۔ حضرت علی نے کہا: میں نے اس کا احرام باندھا ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اجازت دے دی کہ اسے عمرہ کر دیں' طواف کر لیں' پھر بال کتروالیں اور احرام کھول دیں' مگر جس کے ساتھ ہدی ہو وہ احرام نہ کھولے۔ اس پر لوگوں نے کہا: ہم اس حالت میں منیٰ جائیں گے کہ ہمارے ذکر منی سے ٹپک رہے ہوں' جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: اب جو بات ہوئی ہے' اگر پہلے سامنے آ گئی ہوتی تو میں قربانی کے جانور نہ لاتا' اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو احرام کھول دیتا۔ اور حضرت عائشہ کو حیض آ گیا' انہوں نے حج کے سارے ارکان ادا کیے' البتہ طواف نہیں کیا' جب وہ پاک ہو گئیں اور طواف زیارت بھی کر لیا تو عرض کیا: یارسول اللہ! سب لوگ حج اور عمرہ دونوں کر کے جا رہے ہیں' اور میں صرف حج کر کے' تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ تنعیم جائیں' اب ام المؤمنین نے حج کے بعد ذوالحجہ میں عمرہ کیا اور سراقہ بن مالک بن جعشم نے عقبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وقت ملاقات کی جب حضور رمی کر رہے تھے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ آپ حضرات کے لیے خاص ہے؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ت۲۹۶ - وَزَادَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا اَهْلَلْتَ يَا عَلِيُّ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اور محمد بن بکر نے ابن جریج سے روایت کرتے ہوئے یہ زیادہ کیا' ان (علی) سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کاہے کا احرام باندھا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: جس کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے' فرمایا: قربانی

[1] بخاری ص ۶۲۴' کتاب المغازی' باب: بعث علی الی الیمن

فَاهْدِ وَامْكُثْ حَرَامًا كَمَا اَنْتَ.

کے جانور ساتھ رکھو اور جیسے ہو ویسے ہی احرام میں رہو۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اهل بما اهل النبی ﷺ ص ۲۱۱)

پہلی روایت مکی بن ابراہیم' تلمیذ امام اعظم نے عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج عن عطاء عن جابر کی ہے' انہیں ابن جریج ہی سے عن عطاء عن جابر جو روایت اس حدیث کی محمد بن بکر نے کی ہے' اس میں یہ سوال و جواب زائد ہے' یعنی مکی بن ابراہیم کی روایت میں اختصار ہے' اور محمد بن بکر کی روایت میں تفصیل ہے' اس تفصیل کے مطابق یہ حدیث مسند ہے' مگر امام بخاری نے جس طرح ذکر فرمایا ہے' وہ بہرحال تعلیق ہے' اسے اسماعیلی اور ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۹۲۷- ح: قَدِمَ عَلِيٌّ مِّنَ الْيَمَنِ

[حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے]

۹۲۷ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ بِمَا اَهْلَلْتَ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْلَا اَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَاَحْلَلْتُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے پوچھا: کس کا احرام باندھا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: نبی ﷺ نے جس کا باندھا ہے' تو ارشاد فرمایا: اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اهل کاهلال النبی ﷺ ص ۲۱۱' مسلم' ترمذی۔ کتاب الحج)

۹۲۸- ح: بَعَثَنِيْ اِلٰى قَوْمِيْ بِالْيَمَنِ

[آپ (ﷺ) نے مجھے یمن میری قوم میں بھیجا]

۹۲۸ - عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى قَوْمِيْ بِالْيَمَنِ فَجِئْتُ وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ فَقَالَ بِمَا اَهْلَلْتَ فَقُلْتُ اَهْلَلْتُ كَاِهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ هَدْيٍ قُلْتُ لَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَطُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ اَمَرَنِيْ فَاَحْلَلْتُ فَاَتَيْتُ امْرَاَةً مِّنْ قَوْمِيْ فَمَشَطَتْنِيْ اَوْ غَسَلَتْ رَاْسِيْ فَقَدِمَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اِنْ نَّاْخُذْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُنَا بِالتَّمَامِ قَالَ اللّٰهُ ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرہ: ۱۹۶) وَاِنْ نَّاْخُذْ بِسُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ حَتّٰى نَحَرَ الْهَدْيَ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے مجھے میری قوم میں یمن بھیجا' اس کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور حضور بطحاء میں فروکش تھے' مجھ سے فرمایا: کس کا احرام باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جس کا نبی ﷺ نے باندھا ہے' پوچھا: کیا تمہارے ساتھ ہدی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں! تو فرمایا: میں بیت اللہ کا طواف کروں' پس میں نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کا طواف کرلیا' پھر مجھے حکم دیا تو میں نے احرام کھول دیا اور اپنی قوم کی ایک عورت کے پاس آیا' اس نے مجھے کنگھا کیا یا میرے سر کو دھویا' جب حضرت عمر کا زمانہ آیا اور وہ حج کے لیے آئے تو فرمایا کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے پورا کرنے کا' ارشاد ہے: حج اور عمرے کو پورا کرو' اور اگر ہم نبی ﷺ کی سنت کو لیں تو حضور نے جب تک قربانی نہیں کرلی تھی احرام نہیں کھولا تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اهل بما اهل النبی ﷺ ص ۲۱۱' باب: التمتع والقران والافراد ص ۲۱۲' باب: التذبیح قبل الحلق ص ۲۳۳' کتاب المغازی۔ باب: بعث موسٰی الی الیمن ص ۶۲۳' باب: حجة الوداع ص ۶۳۱' مسلم' نسائی۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔

ج ۱۷ ص ۳۹۔ ج ۴ ص ۲۱۰)

وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ

بارش کے پانی بہنے کا راستہ، بطحاء الوادی، نالے میں جو سنگریزے رہ جاتے ہیں، یہاں مراد وادی محصب ہے، جسے حصبہ بھی کہتے ہیں، خیف بنی کنانہ کا حصہ ہے، یہ حرم شریف سے مشرق منیٰ کے راستے میں حجون جنت المعلیٰ سے پہلے اسی سے متصل دونوں پہاڑوں کے بیچ کی جگہ ہے، اور مسجد حرام سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔

اِلٰی امرأة مِن قومِی

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ یہ خاتون ان کی بھتیجی تھیں، ایوب بن عائذ کی روایت میں "اِمْرَأَةٌ مِّنْ قَيْسٍ" ہے، اور قیس ان کے والد کا نام ہے، مراد یہ ہے کہ قیس یعنی اپنے والد کی نسل سے کسی عورت نے ان کے بالوں میں کنگھا کیا تھا یا دھویا تھا۔

فقدم عمر

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی سال کا واقعہ ہے، حالانکہ ایسا نہیں، مسلم[1] اور نسائی[2] میں تفصیل ہے، میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا تھا، جب حضرت عمر کی خلافت کا دور آیا، تو ایک صاحب نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنا بعض فتویٰ رہنے دو، آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد امیر المؤمنین نے حج میں کیا نئی بات پیدا کی ہے، یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ نے کہا: اے لوگو! میں نے ایک مسئلہ بتایا تھا، اب رک جاؤ! امیر المؤمنین تشریف لانے والے ہیں، وہ جو فرمائیں وہی ماننا۔ جب حضرت عمر آئے تو میں نے ان سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب پر عمل کرتے ہیں، اللہ عزوجل نے ہمیں پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اختیار کرتے ہیں، حضور نے جب تک حج نہیں کر لیا، احرام نہیں کھولا۔

نسائی میں یہ زیادہ ہے: میں حضرت ابوبکر کی خلافت میں یہ فتویٰ دیتا تھا کہ (ایک سال) میں موسم حج میں کھڑا تھا کہ ایک صاحب آئے اور یہ بتایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین نے حج میں کیا نئی بات ایجاد کی ہے، خود بخاری ہی میں "باب الذبح قبل الحلق" میں اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی توجیہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی شراح نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق توجیہیں کی ہیں، اس خادم کے نزدیک جو توجیہ سب سے قوی اور عمدہ ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم حج کو فسخ کر کے عمرہ کرنے سے منع فرماتے تھے، کیونکہ حج فسخ کر کے عمرے کی اجازت صرف حجۃ الوداع کے ساتھ خاص تھی، اس خصوصیت کا علم عام لوگوں کو نہیں تھا، اس لیے لوگ ان کے عہد میں بھی کیا کرتے تھے مسلم و نسائی کی روایت کے ظاہر الفاظ اسی کو بتاتے ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فكنت افتى الناس بذالك. میں لوگوں کو یہی بتاتا تھا۔

"ذالک" کا اشارہ مذکور کی جانب ہے اور مذکور یہی ہے کہ انہوں نے حج فسخ کر کے عمرہ کیا اور احرام کھول دیا، اسی کو فاروق اعظم نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کے خلاف ہے، کیونکہ ارشاد یہ ہے: "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" (البقرہ:۱۹۶) اللہ کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو، یعنی جب حج کا احرام باندھ لیا ہے، تو اسے فسخ نہ کرو، پورا کرو۔

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۰۱۔ کتاب الحج۔ باب: جواز تعلیق الاحرام
[2] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۵۔ کتاب الحج۔ باب: التمتع

دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کچھ بے اعتدالیاں ملاحظہ کیں' جس کی وجہ سے اس کو سختی سے روکا' جیسا کہ شعبہ ہی کی روایت دوسرے طریقے سے یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کرهت ان يظلوا معرسين بهن في الاراك ثم يروحون في الحج يقطر رؤوسهم.

مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ لوگ عورتوں کے ساتھ جھاڑی میں ہم بستری کریں اور پھر حج کے لیے اس حال میں چلیں کہ سر ٹپک رہے ہوں۔

(مسلم۔ج ۱ ص ۴۰۱۔کتاب الحج۔باب: جواز تعليق الاحرام)

غالباً انہیں وجوہ کی بناء پر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی تمتع سے منع فرماتے تھے' علامہ نووی نے فرمایا کہ دونوں حضرات تمتع کو مکروہ تنزیہی جانتے تھے' مگر پھر مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر اتنی سختی کہ مارا کرتے تھے' سمجھ میں نہیں آتی۔

احرام معلق

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ احرام معلق اور اسی کے مثل احرام مطلق درست ہے' یعنی یوں احرام باندھنا کہ مثلاً زید نے جس کا احرام باندھا ہے' اسی کا میں نے باندھا ہے' اب زید نے جس کا احرام باندھا ہو' اسی کا یہ بھی پابند ہو گیا اور اگر زید نے مطلق احرام باندھا تھا' نہ عمرے کی تعیین کی تھی نہ حج کی' تو اسے اختیار ہے کہ اس احرام کو جس کا چاہے کر دے' زید کی پابندی لازم نہیں۔ یہ حضرت امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب ہے' جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا' علامہ رافعی نے یہ نقل کیا کہ اس پر احرام مطلق کی بھی صورت میں زید کی پابندی لازم ہے' اس کے خلاف جائز نہیں' یہی احناف کا بھی مذہب ہے' اور احادیث میں جو وارد ہے وہ اس سال کے لیے خاص تھا' ہماری اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ. (البقرہ:۱۹۶)

اللہ کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو۔

ت۲۹۷ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَّذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِي الْحَجَّةِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حج کے مہینے شوال اور ذوالقعدہ اور دس ذوالحجہ ہیں۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: قول الله تعالىٰ: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ص ۲۱۱)

اس اثر کو ابن جریر اور بیہقی نے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے' نیز امام حاکم نے بھی اور یہ بھی فرمایا کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے' قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ. (البقرہ:۱۹۷)

حج کے چند معلوم مہینے ہیں۔

یہ اثر اس کی تفسیر ہے کہ یہ چند مہینے کیا ہیں' ذوالحجہ پورا ہے یا صرف اس کے دس دن' امام اعظم' امام شافعی' امام احمد وغیرہ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ صرف دس ذوالحجہ تک اشہر حج ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے ثابت ہے' امام مالک وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ پورا ذوالحجہ ہے' اگر چہ حج پورے مہینے میں نہیں ہوتا' اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جو لوگ اشہر حج میں عمرہ جائز نہیں جانتے' وہ پورے ذوالحجہ کو اشہر الحج میں داخل مانتے ہیں' وہ پورے ذوالحجہ میں عمرہ کو ممنوع کہتے ہیں' ان میں سے جو لوگ دس ذوالحجہ تک مانتے ہیں' وہ دس ذوالحجہ کے بعد عمرہ جائز مانتے ہیں۔

امام شافعی وغیرہ ''اشهر الحج'' کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ان مہینوں سے پہلے اگر کوئی حج کا احرام باندھے تو حج صحیح نہ ہو گا' اسی وقت صحیح ہو گا جب انہیں مہینوں میں احرام باندھے' احناف اور امام مالک' امام احمد فرماتے ہیں کہ شوال سے پہلے بھی حج کا احرام درست ہے' اور اس احرام سے حج صحیح ہے' ان مہینوں کے حج کے لیے ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ حج قران اور تمتع صحیح ہونے کے لیے

ضروری ہے کہ عمرہ بھی اشہر حج میں ہو یعنی شوال سے پہلے نہ ادا کیے ہوں اور اگر عمرہ پہلے ادا کر لیا تو نہ قران ہوا نہ تمتع۔

ت۲۹۸ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مِنَ السُّنَّةِ اَنْ لَّا يُحْرِمَ بِالْحَجِّ اِلَّا فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں ہی احرام باندھا جائے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ص۲۱۱)

اس اثر کو امام الائمہ ابن خزیمہ، حاکم اور دارقطنی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، امام حاکم نے فرمایا کہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے، امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اشہر حج سے پہلے احرام صحیح نہیں، ان کے نزدیک سنت سے مراد مشروعیت ہے، جمہور اور احناف کے نزدیک حج کا احرام ان مہینوں سے پہلے بھی درست ہے، اور سنت سے مراد اس کا معنی متعارف ہے۔ کہ اس میں اجر ہے، یعنی حج کا جو ثواب ہے، وہ تو بہر حال حاصل ہوگا، خواہ ان مہینوں سے پہلے احرام باندھے، مگر ان مہینوں میں باندھنے پر مزید ثواب ہے کہ ان مہینوں میں احرام باندھنے کی سنت ادا کی۔

ت۲۹۹ - وَكَرِهَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْ يُّحْرِمَ مِنْ خُرَاسَانَ اَوْ كَرْمَانَ.

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خراسان یا کرمان سے احرام باندھنے کو مکروہ جانا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ص۲۱۱)

اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے، احمد بن سیار نے تاریخ مرو میں روایت کیا کہ جب حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خراسان فتح کر لیا تو اس کے شکریے میں نیشاپور سے احرام باندھ کر حج کے لیے گئے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ہوئے تو انہوں نے ملامت کی، یہ ملامت اس بناء پر تھی کہ اتنے دور دراز مقام سے احرام باندھ کر سفر کرنے میں بہت دشواری ہے اور احرام کی پابندیاں نبھانا مشکل۔

۹۲۹- ح: خَرَجْنَا اَشْهُرَ الْحَجِّ

[ہم (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ) حج کے مہینوں میں نکلے]

۹۲۹ - سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ وَلَيَالِي الْحَجِّ وَحُرُمِ الْحَجِّ فَنَزَلْنَا بِسَرِفَ قَالَتْ فَخَرَجَ اِلٰى اَصْحَابِهِ فَقَالَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَعَهُ هَدْيٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ فَلَا قَالَتْ فَالْاٰخِذُ بِهَا وَالتَّارِكُ لَهَا مِنْ اَصْحَابِهِ قَالَتْ فَاَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجَالٌ مِّنْ اَصْحَابِهِ فَكَانُوْا اَهْلَ قُوَّةٍ وَّكَانَ مَعَهُمُ الْهَدْيُ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الْعُمْرَةِ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ يَا هَنْتَاهُ قُلْتُ سَمِعْتُ قَوْلَكَ لِاَصْحَابِكَ فَمُنِعْتُ

قاسم بن محمد نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کے مہینوں، حج کے دنوں، حج کی پابندیوں کے ساتھ (مدینہ سے) نکلے، اور سرف میں ٹھہرے، یہاں پہنچ کر حضور اپنے اصحاب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں، اور وہ پسند کرتا ہے کہ اسے عمرہ کر دے تو وہ ایسا کر لے اور فرمایا: جس کے ساتھ ہدی ہو وہ ایسا نہ کرے۔ ام المومنین نے فرمایا: صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے ایسا کیا، اور کچھ لوگوں نے نہیں کیا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے صحابہ قوی تھے، اور ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، یہ لوگ صرف عمرہ نہیں کر سکتے تھے۔ ام المومنین نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور میں رو رہی تھی تو پوچھا:

الْعُمْرَةَ قَالَ وَمَا شَأْنُكِ قُلْتُ لَا أُصَلِّي قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنَّمَا أَنْتِ امْرَأَةٌ مِّنْ بَنَاتِ آدَمَ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكِ مَا كَتَبَ عَلَيْهِنَّ فَكُوْنِي فِي حَجَّتِكِ فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّرْزُقَكِيهَا قَالَتْ فَخَرَجْنَا فِي حَجَّتِهِ حَتّٰى قَدِمْنَا مِنًى فَطَهَرْتُ ثُمَّ خَرَجْتُ مِنْ مِنًى فَأَفَضْتُ بِالْبَيْتِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ فِي النَّفَرِ الْآخِرِ حَتّٰى نَزَلَ الْمُحَصَّبَ وَنَزَلْنَا مَعَهُ فَدَعَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ اخْرُجْ بِأُخْتِكَ مِنَ الْحَرَمِ فَلْتُهِلَّ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ افْرُغَا ثُمَّ ائْتِيَا هَا هُنَا فَإِنِّي أَنْظُرُكُمَا حَتّٰى تَأْتِيَانِي قَالَتْ فَخَرَجْنَا حَتّٰى إِذَا فَرَغْتُ وَفَرَغَ مِنَ الطَّوَافِ ثُمَّ جِئْتُهُ بِسَحَرٍ فَقَالَ هَلْ فَرَغْتُمْ قُلْتُ نَعَمْ فَأَذَنَ بِالرَّحِيلِ فِي أَصْحٰبِهِ فَارْتَحَلَ النَّاسُ فَمَرَّ مُتَوَجِّهًا إِلَى الْمَدِيْنَةِ.

اے بچی! کیوں رو رہی ہے؟ میں نے عرض کیا: صحابہ سے حضور نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ میں نے سنا، مگر میں عمرے سے روک دی گئی ہوں، دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: میں اس حالت میں ہوں کہ نماز نہیں پڑھتی، فرمایا: کوئی حرج نہیں، تو بھی آدم کی بیٹیوں میں سے ایک ہے، جو سب کے لیے مقدر ہے وہ تیرے لیے بھی ہے، تم حج کرو اللہ عزوجل جلد ہی تمہیں عمرہ بھی عطاء فرمائے گا۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: ہم حضور کے ساتھ حضور کے حج میں نکلے جب ہم منیٰ میں پہنچے تو میں پاک ہوگئی، اور منیٰ سے آ کر بیت اللہ کا طواف کیا، اس کے بعد اخیر گروہ میں منیٰ سے ہم چلے، حضور محصب میں آ کر اترے، ہم بھی حضور کے ساتھ وہیں اترے، اب حضور نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو بلایا اور فرمایا: اپنی بہن کو حرم سے باہر لے جاؤ تاکہ عمرے کا احرام باندھے، دونوں عمرے سے فارغ ہو کر یہاں آؤ، میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: ہم گئے، جب میں اور وہ یعنی عبدالرحمٰن طواف سے فارغ ہو گئے تو صبح کے وقت خدمت اقدس میں پہنچے، تو پوچھا: تم لوگ فارغ ہو گئے؟ میں نے عرض کیا: جی! تو آپ نے اپنے اصحاب میں کوچ کا اعلان فرمایا، لوگوں نے کوچ کیا اور مدینہ کی طرف چلے۔

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَضِيْرُ مِنْ ضَارَ يَضِيرُ ضَيْرًا وَّيُقَالُ ضَارَ يَضُورُ ضَوْرًا وَّضَرَّ يَضُرُّ ضَرًّا.

ابوعبداللہ (امام بخاری) فرماتے ہیں کہ "یَضِیْرُ"، "ضَارَ یَضِیْرُ ضَیْرًا" سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "ضَارَ یَضُوْرُ ضَوْرًا" یا "ضَرَّ یَضُرُّ ضَرًّا" سے آتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی: الحج اشهر معلومات ص ۲۱۱-۲۱۲، کتاب المناسک۔ باب: التمتع والقران والافراد ص ۲۱۲، ج ۲۔ کتاب الاضاحی۔ باب: الاضحية للمسافر والاضحية ص ۸۳۲، مسلم۔ کتاب الحج، نسائی۔ کتاب الطہارۃ، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

یہ حدیث نزہۃ القاری، ج ۱ ص ۶۳۴، رقم: ۲۰۸ پر مذکور ہو چکی ہے، یہاں کچھ مزید ابحاث کے لیے ہم نے ذکر کیا ہے۔ ج ۱ ص ۶۵۸، میں مفصل گزر چکا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمتع کیا تھا، اس حدیث میں یہاں یہ ہے کہ اُم المؤمنین نے عرض کیا: "فمنعت العمرة" میں عمرے سے معذور ہوگئی ہوں، اگر اُم المؤمنین نے قران کیا ہوتا تو اس موقع پر عمرے کے ساتھ حج کو بھی ضرور ذکر فرماتیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی آپ نے حج کا احرام نہیں باندھا تھا، اُم المؤمنین کا یہ ارشاد "فافضت بالبيت" میں منیٰ واپس ہو کر پاک ہوگئی اور منیٰ سے چل کر بیت اللہ آئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین نے طواف زیارت اپنے وقت پر کر لیا تھا، جیسا کہ مسلم[1] میں بھی ہے۔

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۸۷۔ کتاب الحج۔ باب: بیان وجوہ الاحرام

حتّٰی اذا فرغت وفرغ

یہاں تک کہ جب میں اور عبدالرحمٰن طواف سے فارغ ہو گئے، پھر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا: تم دونوں فارغ ہو گئے؟ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے بھی اس وقت عمرہ کیا تھا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ حج سے فراغت کے بعد ذوالحجہ میں عمرہ کرنا صحیح ہے۔

متمتع کے لیے قبل حج عمرہ

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متمتع اپنے عمرے سے فارغ ہو کر حج سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے انوار البشارۃ[1] میں فرمایا: اب یہ سب حجاج (قارن، متمتع، مفرد) کوئی بھی ہو کہ منٰی جانے کے لیے مکہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں، ایام اقامت میں جس قدر ہو سکے، نرا طواف بے اضطباع و رمل و سعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے، اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں دو رکعت نماز پڑھیں۔

مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر اس وقت عمرے کی اجازت ہوتی تو اسے بھی ضرور ذکر فرماتے، جیسا کہ حج سے فراغت کے بعد خصوصی ہدایت فرمائی،[2] لباب میں یہی ہے کہ متمتع کو ان ایام میں عمرہ ممنوع ہے، اگر کرے گا، دم واجب ہوگا، مگر اسے نقل کر کے علامہ شامی "منحۃ الخالق"[3] میں لکھتے ہیں:

قال شارحه والظاهر انه يجوز له الاتيان بالعمرة حينئذ لانه غير ممنوع منها لكراهتها في الازمنة المخصوصة وانما كرهت العمرة للمكي في اشهر الحج لان الغالب انه يحج فيبقى متمتعا مسيئا.

لباب کے شارح نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ ان دنوں اسے عمرہ کرنا جائز ہے، کیونکہ عمرہ مخصوص دنوں میں ممنوع ہے، اور یہ ایام ان میں نہیں، مکی کو اشہر حج میں عمرہ اس لیے ممنوع ہے کہ غالب یہ ہے کہ وہ حج کرے گا، اگر اشہر حج میں عمرہ کرے گا تو گھر جانے کی وجہ سے اساءت کا مرتکب ہوگا۔

اور اس خادم کے نزدیک بھی یہی ظاہر ہے، مگر اختلاف علماء سے بچنا اولیٰ ہے، غالباً اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے سکوت فرمایا، سرف پہنچ کر جب حضور اقدس ﷺ نے اعلان مذکور فرمایا تو بہت سے صحابہ کرام نے اس حج کے احرام کو عمرے سے بدل دیا، اس سے ایک نئی بحث اٹھ کھڑی ہوئی کہ عمرے کا احرام باندھ کر اسے حج سے یا حج کا باندھ کر اسے عمرے سے بدلنا درست ہے، حضور اقدس ﷺ کے حکم سے حضور کے سامنے صحابہ نے ایسا کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس مبارک عہد میں صرف حجۃ الوداع کے شرکاء کے لیے خاص تھا، ابوداؤد،[4] نسائی،[5] ابن ماجہ[6] میں ہے: حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حج کا فسخ کرنا ہمارے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ فرمایا: صرف تم لوگوں کے لیے خاص ہے۔ نیز انہیں میں سیدنا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: حج فسخ کر کے عمرہ کرنا انہیں لوگوں کے لیے خاص تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴ ص ۶۹۴ [2] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴ ص ۷۰۴ [3] علیٰ حاشیۃ البحر۔ ج ۲ ص ۳۵۹-۶۰

[4] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۵۲۔ کتاب المناسک۔ باب: فسخ الحج [5] ابن ماجہ۔ ج ۲ ص ۲۲۔ کتاب الحج۔ باب: اباحۃ فسخ العمرۃ

[6] ابن ماجہ۔ ص ۲۲۰۔ کتاب المناسک۔ باب: من قال کان فسخ الحج لهم خاصة

توضیح باب......(حج کرنے کی چار سورتیں)

یہاں باب کا عنوان یہ ہے: تمتع، قران اور تنہا حج کرنے اور جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں، ان کو حج فسخ کرنے کا بیان۔
حج کرنے کی چار صورتیں ہیں، اوّل: اِفراد یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھا جائے، اس طرح حج کرنے والے کو مُفرِد کہتے ہیں، مُفرد مکہ معظمہ پہنچ کر حج کے لیے طوافِ قدوم اور سعی کرے گا اور احرام کے ساتھ رہے گا، حتیٰ کہ دس کو رمی کر لے، اس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں یا نہ ہوں، بہر صورت حکم ایک ہے۔ دوم: قران یعنی میقات سے حج کے ساتھ عمرے کا بھی احرام باندھے، اس طریقے سے حج کرنے والے کو قارن کہتے ہیں، قارن مکہ معظمہ حاضر ہو کر پہلے عمرہ کرے گا، پھر حج کے لیے طوافِ قدوم اور سعی کرے گا، اس کا عمرہ ادا ہو گیا، مگر چونکہ حج باقی ہے اس لیے یہ بھی احرام کے ساتھ رہے گا اور ایامِ نحر میں قربانی کے بعد احرام سے باہر ہو گا، خواہ اس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں خواہ نہ ہوں، مُفرِد پر قربانی واجب نہیں مگر قارن پر واجب ہے۔ سوم: تمتع یعنی حج کے مہینوں میں میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھنا اور اسی سال حج کرنا، حج کے لیے آٹھویں ذوالحجہ کو حرم سے احرام باندھنا، ایسے حاجی کو متمتع کہتے ہیں، اور اگر اس کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تو عمرے سے فارغ ہوتے ہی احرام کھول دے اور آٹھ تک بے احرام کے رہے، آٹھ کو حج کا احرام باندھے، اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ چہارم: وہ متمتع جس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں، یہ عمرے سے فارغ ہونے کے بعد بھی احرام کے ساتھ رہے گا اور قربانی کرنے کے بعد احرام سے فارغ ہو گا۔

اس باب سے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ حج کی یہ چاروں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ یا کچھ جائز ہیں اور کچھ ممنوع؟ حسبِ عادت امام بخاری نے اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر فرمائی، اس کے ضمن میں جو احادیث لائے ہیں، ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ وہ ان چاروں صورتوں کو جائز مانتے ہیں، ان چاروں طریقوں کے جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے، ہمارے نزدیک قران، تمتع اور افراد سے افضل ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا، جیسا کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ثابت فرمایا ہے۔ نیز اس میں دو عبادتوں کو جمع کرنا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ افراد کو دونوں سے افضل مانتے ہیں، بعض احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد ہی کیا تھا، امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمتع افضل ہے، اس لیے کہ تمتع کا ذکر قرآن مجید میں ہے، ارشاد ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ. (البقرہ:۱۹۶) تو جو شخص حج کرنے تک عمرے سے فائدہ حاصل کرے۔

باب کا دوسرا جزء یہ ہے: جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں، اس کا حج کو فسخ کرنا، یعنی حج کو عمرے سے بدلنا، یہ صرف حجۃ الوداع کے شرکاء کے لیے تھا، جیسا کہ گزر چکا۔ اب جائز نہیں، مگر چونکہ احادیث میں اس کا ذکر ہے تو امام بخاری نے اس کے مناسب باب قائم فرمایا ہے۔

۹۳۰- ح: خَرَجْنَا وَلَا نُرٰى إِلَّا أَنَّهُ الْحَجُّ

[ہم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) نکلے اور ہم یہی جانتے تھے کہ یہ حج ہے]

۹۳۰- عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُرٰى إِلَّا أَنَّهُ الْحَجُّ فَلَمَّا قَدِمْنَا تَطَوَّفْنَا بِالْبَيْتِ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ أَنْ يَحِلَّ فَحَلَّ

اسود نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انہوں نے فرمایا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور ہم یہی جانتے تھے کہ یہ حج ہے، جب مکہ آئے تو ہم لوگوں نے طواف کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: جو قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہو وہ احرام کھول دے، ایسے

مَنْ لَّمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ وَنِسَاؤُهُ لَمْ يَسُقْنَ فَأَحْلَلْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَحِضْتُ فَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَرْجِعُ النَّاسُ بِعُمْرَةٍ وَّحَجَّةٍ وَّأَرْجِعُ أَنَا بِحَجَّةٍ قَالَ وَمَا طُفْتِ لَيَالِيَ قَدِمْنَا مَكَّةَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاذْهَبِيْ مَعَ أَخِيْكِ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَأَهِلِّيْ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ مَوْعِدُكِ كَذَا وَكَذَا قَالَتْ صَفِيَّةُ مَا أُرَانِيْ إِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ عَقْرٰى حَلْقٰى أَوَمَا طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَتْ قُلْتُ بَلٰى قَالَ لَا بَأْسَ انْفِرِيْ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُصْعِدٌ مِّنْ مَّكَّةَ وَأَنَا مُنْهَبِطَةٌ عَلَيْهَا أَوْ أَنَا مُصْعِدَةٌ وَّهُوَ مُنْهَبِطٌ مِنْهَا.

لوگوں نے احرام کھول دیا' ازواجِ مطہرات قربانی کے جانور نہیں لائی تھیں' اس لیے انہوں نے بھی احرام کھول دیا' حضرت عائشہ نے کہا: مجھے حیض آ گیا تھا' اس لیے میں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا' جب لیلۃ الحصبہ آئی تو میں نے عرض کیا: سب لوگ حج اور عمرے کے ساتھ لوٹ رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ' تو فرمایا: جب ہم مکہ آئے تھے تو تم نے طواف نہیں کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم جا کر عمرے کا احرام باندھ پھر فلاں فلاں جگہ ملنا۔ اور صفیہ نے کہا: میں اس حال میں ہوں کہ آپ لوگوں کو روکنے والی ہوں۔ فرمایا: عقری حلقی' کیا یوم نحر کو طواف نہیں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: کرلیا تھا' تو فرمایا: کوئی حرج نہیں' کوچ کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اس حالت میں ہوئی کہ حضور مکہ سے اوپر چڑھ رہے تھے اور میں اتر رہی تھی یا میں چڑھ رہی تھی اور حضور اتر رہے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التمتع والقران والافراد ص ۲۱۲' باب: اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت ص ۲۳۷' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۱۲۲)

لا نری الا انه الحج

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالحلیفہ میں صرف حج کا احرام باندھا تھا' سرف پہنچ کر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ اسے عمرہ کر دے اور طواف وسعی کے بعد احرام کھول دے' اور جس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں وہ احرام نہ کھولے' اُمہات المؤمنین کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے' اس لیے انہوں نے بھی عمرے کر لیے' اس سے ظاہر ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی عمرے کی نیت کر لی مگر حیض آ جانے کی وجہ سے اسے فسخ کرنا پڑا۔

نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۶۵۸' رقم: ۲۲۲ پر ہم نے جو لکھا ہے' اس کا مفاد یہ ہے کہ اُم المؤمنین نے ذوالحلیفہ ہی سے عمرے کا احرام باندھا تھا' مگر جیسا کہ ہم ابھی قاسم بن محمد کی روایت کے تحت بتا آئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سرف پہنچ کر وہ اعلان فرمایا۔ اس اعلان سے پہلے سب کا احرام حج کا تھا' اس اعلان کے بعد جن کے ساتھ ہدی نہ تھی' انہوں نے عمرے کی نیت کر لی اور اُم المؤمنین نے بھی یہی کیا کہ صرف عمرے کا احرام باندھا' جسے عذر کی وجہ سے ادا نہ کر پائیں اور اسے کھول کر پھر حج کا احرام باندھا' اب بھی حضرت اُم المؤمنین متمتع ہی رہیں۔

تطبیق

حضرت عروہ سے حضرت اُم المؤمنین کی جو حدیث مروی ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں: "فمنا من اهل بعمرة ومنا من اهل بحج وعمرة ومنا من اهل بالحج" "ہم میں سے کچھ لوگوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا' اور کچھ لوگوں نے حج اور عمرے دونوں کا اور کچھ لوگوں نے صرف حج کا۔ بعض میں ہے: "فاهللنا بعمرة" "ہم نے عمرے کا احرام باندھا' بعض میں ہے: "اهللت

مع رسول اللهﷺ فی حجة الوداع فكنت ممن تمتع ''حجۃ الوداع میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام باندھا' میں نے تمتع کیا تھا' اور حضرت قاسم کی روایت میں ہے:'' لا نرىٰ الا انه الحج '' ہم یہی جانتے تھے کہ یہ حج ہے' اور یہی اسود کی بھی روایت میں ہے' حضرت قاسم کی روایت میں بعد میں ہے کہ سرف پہنچ کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس کے ساتھ ہدی نہ ہو اور وہ پسند کرے تو اسے عمرہ کر دے اور جس کے ساتھ ہدی ہو وہ نہ کرے۔ حضرت عروہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحلیفہ ہی سے کچھ لوگوں نے عمرے کا بھی احرام باندھ لیا تھا' اور حضرت قاسم اور حضرت اسود کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحلیفہ میں سب نے صرف حج کا احرام باندھا تھا' سرف پہنچ کر حضور نے اسے عمرے سے بدلنے کا حکم دیا۔

اس تعارض کی دو توجیہیں ہیں: ایک یہ کہ ہوا یہی کہ ذوالحلیفہ میں سب نے صرف حج کا احرام باندھا اور سرف پہنچنے کے بعد حضور کے حکم کے بعد اسے کچھ لوگوں نے عمرے میں تبدیل کر دیا' انہیں میں اُم المؤمنین بھی تھیں' اخیر میں چونکہ کچھ لوگوں نے حج کو عمرے سے بدل دیا' کچھ لوگوں نے حج کے ساتھ عمرے کو شامل کر لیا' کچھ لوگوں نے حج ہی باقی رکھا' اور اُم المؤمنین نے بھی عمرے سے بدل دیا تھا' تو انجام کار کی حکایت کرتے ہوئے وہ فرمایا جو حضرت عروہ کی حدیث میں ہے' اس روایت میں کہیں مذکور نہیں کہ ذوالحلیفہ ہی سے ہم نے ایسا کیا تھا' اس لیے اب یہ حضرت قاسم کی روایت کے معارض نہیں کہ ہم جب مدینہ سے نکلے تو صرف حج جانتے تھے' دوسرے یہ کہ جب مدینہ سے نکلے تھے تو صرف حج جانتے تھے' اور صرف حج ہی کا ارادہ تھا' کیونکہ ایامِ جاہلیت میں اشہر حج میں عمرے کو سخت برا جانتے تھے' مگر جب ذوالحلیفہ پہنچے اور حضور نے وہ اعلان فرمایا تو ذوالحلیفہ ہی سے یہ حال تھا کہ کچھ لوگوں نے حج اور عمرے دونوں کا اور کچھ لوگوں نے صرف حج کا' اور کچھ لوگوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا' اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے' جس میں یہ مذکور ہے کہ وادیٔ عقیق میں حضور اقدس ﷺ کو حکم ہوا کہ فرماؤ:'' حجة فی عمرة '' اب سرف پہنچ کر فرمایا کہ جس نے صرف حج کا احرام باندھا' اور اس کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں' وہ اسے عمرے سے بدل دے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لیے تھا' جنہوں نے میقات سے فقط حج کا احرام باندھا تھا:'' وقد بقى الخبايا فى زوايا الكلام وانی لست بصدر طول الكلام. والعلم بالحق عند الملك المنعام العلام جل مجده ''۔

تطوفنا

اس سے مراد حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام ہیں' خود اُم المؤمنین مراد نہیں' کیونکہ وہ حیض کی وجہ سے طواف نہیں کر سکتی تھیں' جیسا کہ آگے خود ہی فرمایا:'' فحضت ولم اطف بالبيت '' مجھے حیض آ گیا تھا اور میں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا۔

الى التنعيم

جو لوگ مکہ معظمہ کے باشندے ہوں یا مکہ معظمہ میں مقیم ہوں' ان کے لیے افضل یہ ہے کہ تنعیم سے عمرے کا احرام باندھیں' اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت اُم المؤمنین کو اس کا حکم دیا اور اس میں آسانی بھی ہے' کیونکہ یہ حرم کی سب سے قریب حد ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ فرمایا ہے' یہاں سے کرے تو بھی بہتر ہے۔

ما ارانى الا حابستكم

حج سے فراغت کے بعد طواف وداع کرنے سے پہلے حضرت صفیہ کو حیض آ گیا' اس پر انہوں نے یہ کہا: میں اس حال میں ہوں جس سے میرا گمان ہے کہ آپ حضرات کو کچھ دنوں کے لیے روک دوں گی' میں نے طواف وداع نہیں کیا ہے' تو جب تک پاک ہو کر طواف وداع نہ کر لوں گی' آپ لوگوں کو میری وجہ سے رکنا پڑے گا۔ دوسری روایات میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمایا:

انک حابستنا" تو ہمیں روکنا چاہتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ طواف وداع واجب ہے' اگر واجب نہ ہوتا تو یہ گمان صحیح نہ ہوتا کہ اس طواف کے لیے رکنا پڑے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ واجب اور حرام قطعی میں تعارض ہو تو حرام قطعی کو ترجیح ہوگی' کیونکہ جلب منافع پر دفع ضرر مقدم ہے' اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مامور و ممنوع میں اگر تعارض ہو تو ان میں جو اقویٰ ہوگا اسے ترجیح ہوگی' اور اگر مساوی ہوں تو ممنوع کو۔

۹۳۱- ح: وَعُثْمَانُ يَنْهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ

[اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) متعہ سے منع فرماتے]

۹۳۱ - عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ شَهِدْتُّ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعُثْمَانُ يَنْهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَاَنْ يُّجْمَعَ بَيْنَهُمَا فَلَمَّا رَاٰى عَلِيٌّ اَهَلَّ بِهِمَا لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَّحَجَّةٍ قَالَ مَا كُنْتُ لِاَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ اَحَدٍ.

علی بن حسین' مروان بن حکم سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: میں حضرت عثمان اور حضرت علی کے پاس حاضر ہوا اور عثمان متعہ سے اور حج اور عمرہ کو ایک ساتھ جمع کرنے سے منع فرماتے تھے' جب حضرت علی نے یہ دیکھا تو دونوں کا (ساتھ ساتھ) احرام باندھا اور کہا: "لبیک بعمرة وحجة" اور کہا: میں نبی ﷺ کی سنت کسی کے کہنے سے نہیں چھوڑوں گا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التمتع والاقران ص ۲۱۲' مسلم' نسائی۔ کتاب الحج' دارمی۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۲۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع سے منع فرماتے تھے' ان کی رائے یہ تھی کہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں تمتع کی اجازت اس لیے تھی کہ ابھی اعراب کی طرف سے پورا اطمینان نہ تھا' اس کا اندیشہ تھا کہ وہ اکیلے دوکیلے یا مختصر قافلے پر حملہ نہ کردیں' اس اندیشے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد ہی کتنے اعراب مرتد ہو گئے' حج کے لیے بڑے بڑے قافلے چلتے ہیں' وہ بھی ایام حج میں جو اشہر حج ہیں' اس لیے حج کے سفر میں خطرات نہیں' عمرہ اگر حج کے ساتھ نہ کرتے تو اس کے لیے دوسرے دنوں میں سفر کرنا پڑتا جو خطرے سے خالی نہیں تھا' یہ حضرت عثمان کا اجتہاد تھا' ورنہ حقیقت میں یہ بات نہ تھی۔ ابن ماجہ[1] میں ہے کہ حضرت سراقہ نے جب پوچھا کہ ہمارا متعہ یعنی تمتع اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے' تو فرمایا: نہیں! بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے' نیز مسلم[2] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

دخلت العمرة فی الحج مرتین لابل لابد الابد.

حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ فرمایا: عمرہ حج میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو گیا۔

۹۳۲- ح: كَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّ الْعُمْرَةَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ (الخ)

[(اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا) حج کے مہینوں میں عمرہ زمین کی برائیوں میں سب سے بڑی برائی ہے]

۹۳۲ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّ الْعُمْرَةَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ اَفْجَرِ الْفُجُوْرِ فِي الْاَرْضِ وَيَجْعَلُوْنَ الْمُحَرَّمَ صَفَرًا وَّيَقُوْلُوْنَ اِذَا بَرَأَ الدَّبَرُ وَعَفَا الْاَثَرُ وَانْسَلَخَ صَفَرٌ حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحٰبُهٗ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل جاہلیت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ زمین کی برائیوں میں سب سے بڑی برائی ہے' اور محرم کو بھی صفر بنا لیتے تھے' اور کہتے تھے: جب اونٹ کے پیٹھ کا زخم اچھا ہو جائے اور نشان مٹ جائے اور صفر ختم ہو جائے تو عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ جائز ہوگا' نبی ﷺ اور صحابہ چار

[1] ابن ماجہ- ص ۲۳۰- کتاب المناسک- باب: التمتع بالعمرة بالحج [2] مسلم- ص ۳۹۶- کتاب الحج- باب: حجة النبی ﷺ

صَبِيْحَةَ رَابِعَةٍ مُهِلِّيْنَ بِالْحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّجْعَلُوْهَا عُمْرَةً فَتَعَاظَمَ ذٰلِكَ عِنْدَهُمْ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الْحِلِّ قَالَ حِلٌّ كُلُّهُ.

ذوالحجہ کی صبح کو مکہ معظمہ حج کا احرام باندھے ہوئے آئے تو حضور نے صحابہ کو حکم دیا کہ اسے عمرہ کر دیں' یہ ان لوگوں پر گراں گزرا اور کہا: یارسول اللہ! کتنی چیزیں حلال ہیں؟ فرمایا: سبھی چیزیں حلال ہیں۔

المحرم صفر

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ کبھی کبھی محرم کے بجائے صفر کو شہر حرام کر دیتے' چونکہ ان کی عام گزر بسر لوٹ مار پر تھی' اس لیے انہیں یہ گراں گزرتا کہ مسلسل تین مہینے بیٹھے رہیں' اسی کو قرآن مجید نے ''نَسِيْئ'' کہا ہے' ارشاد ہے: ''اِنَّمَا النَّسِيْئُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ''۔ نسیی کفر میں زیادتی ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ جیسے ہندوستان کے جیوتشی ہر تین سال کے بعد لوند لگاتے ہیں' اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں بھی ہر چوتھا سال تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے' اور اس زائد مہینے کا نام صفر الثانی رکھتے تھے' یہی نسیی تھی' اس کی وجہ سے قمری اور شمسی سال میں تطابق ہو جاتا تھا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ قمری سال ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے' اور شمسی سال تقریباً ۳۶۵ دن کا' ہر سال قمری مہینے میں دس دن تقریباً گھٹتا ہے' تین سال میں ایک مہینہ کم ہو جاتا ہے' چوتھا سال جب تیرہ مہینے کا کر دیا جائے گا تو دونوں سال مطابق ہو جاتے ہیں' مثلاً قمری ۱۴۰۷ھ کے شعبان اور ۱۹۸۷ء کے اپریل کی پہلی تاریک ایک ہی دن بروز چہارشنبہ تھی' اور ۱۴۰۸ھ کے شعبان کی پہلی تاریخ دس دن پہلے ۲۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو ہوئی اور امسال پہلی شعبان دس مارچ کو ہے' اور سال آئندہ ۱۴۱۰ھ کی پہلی شعبان ۲۸' یا ۲۷ فروری کو ہوگی' یہ تین سال ہوئے' ان تین سالوں میں قمری سال شمسی سال سے ایک ماہ گھٹ جائے گا' اب اگر کسی قمری مہینے کو مثلاً شعبان کو دور کر دیا جائے تو پھر پہلی شعبان پہلی اپریل کو پڑ جائے گی' اور دونوں میں تطابق ہو جائے گا' بعض علماء نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں جو نسیی رائج تھی' وہ یہی تھی جیسے ہندوستان میں لوند ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

نسیی کا ضرر

چونکہ پورے عرب کا دستور تھا کہ شہر حرام میں لڑائی اور غارت گری بند رکھتے' شہر حرام میں لڑائی غارت گری سخت معیوب تھی' یہاں تک کہ جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ نے واقعۂ نخلہ میں قریش کے قافلے پر حملہ کر کے ان کے اموال کو غنیمت بنایا اور عمرو بن حضرمی کو قتل اور مغیرہ کے پوتوں عثمان ونوفل کو گرفتار کر لیا چونکہ یہ واقعہ ۳۰ رجب ۲ھ کو ہوا تھا' اس سال ۲۹ کی رؤیت ہوگئی تھی' جس کا علم حضرت عبداللہ بن جحش کو نہیں تھا' رجب شہر حرام میں سے ہے' تو قریش نے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہ شہر حرام کی بے حرمتی کی' قریش تو قریش مدینہ طیبہ میں مسلمانوں نے حضرت عبداللہ بن جحش سے کہا: تم نے شہر حرام میں لڑائی کی[1] جس کے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرۃ:۲۱۷)

تم سے شہر حرام میں لڑائی کے بارے میں لوگ پوچھتے ہیں' فرما دو: اس میں لڑائی بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکنا ہے اور اللہ کے ساتھ کفر ہے' (مگر) مسجد حرام کے باشندوں کو مسجد حرام سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور

[1] طبری۔ص ۱۲۷۵

فتنہ قتل سے بڑا ہے۔

ایام حج میں ذوالقعدہ‘ ذوالحجہ‘ محرم تین مہینے‘ شہر حرام پڑتے تھے‘ پورا عرب ان تین مہینوں میں بے خوف ہو کر اطمینان سے گھروں میں رہتا یا اگر کہیں آنا جانا ہوتا تو جاتا آتا‘ لیکن ان غارت گری کے خوگروں کو مسلسل تین مہینے نچنت (بالکل فارغ) بیٹھے رہنا گراں گزرتا تو جب جی میں آتا محرم کے بجائے صفر کو شہر حرام کر دیتے‘ اور محرم میں غارت گری کرنے لگتے‘ ایسا بھی ہوتا کہ بہت سے لوگوں کو نسیی کی اطلاع نہ ہوتی اور وہ حفاظتی اقدام کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے غافل رہتے اور غارت گری کا نشانہ بنتے‘ بہت سے لوگ پہلے سے پروگرام بنائے رہتے کہ محرم میں فلاں جگہ جائیں گے‘ یا کہیں جائیں گے تو محرم میں واپسی کا ارادہ رکھتے‘ یہ لوگ ان غارت گروں کی زد میں آجاتے‘ اس لیے قرآن مجید نے بہت سختی کے ساتھ نسیی کی تردید فرمائی اور اسے کفر میں زیادتی اور گمراہ گردی ٹھہرایا۔

حضور اقدس ﷺ نے قران کیا تھا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو باب ”عمرۃ التنعیم“ میں مفصل مذکور ہے‘ اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قران کیا تھا‘ کیونکہ اس میں یہ ارشاد مذکور ہے: ”لو استقبلت من امری ما استدبرت ما اهديت ولو لا معی الهدی لاحللت“ جو بات بعد میں میرے سامنے آئی‘ اگر پہلے آئی ہوتی تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا۔ اس ارشاد سے یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مکہ معظمہ پہنچ کر جو طواف اور سعی کی تھی وہ عمرے کی تھی‘ حج کی نہ تھی‘ ورنہ احرام کھولنا کیسے درست ہوتا‘ اسے لازم کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے قبل عمرے کی نیت کر لی تھی‘ اور تمام روایتیں اس پر متفق کہ ذوالحلیفہ میں حج کا احرام ضرور باندھا تھا‘ نیز اس سے بھی ظاہر کہ کسی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ منیٰ جانے سے پہلے حج کا احرام باندھا ہو‘ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ فرشتے نے وادیٔ عقیق میں آکر یہ عرض کیا: ”قل عمرة فی حجة“ سے قطعی طور پر ثابت کہ حضور اقدس ﷺ نے ذوالحلیفہ ہی میں عمرے اور حج دونوں کا احرام باندھا تھا‘ یہی قران ہے اور صحابہ کرام کو عمرہ کر کے فراغت کا جو حکم دیا تھا‘ اس سے ظاہر کہ عامۂ صحابۂ کرام نے تمتع کیا تھا‘ اور فراغت کا حکم اصلاح کے قصد سے تھا کہ زمانۂ جاہلیت کا جو اعتقاد تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین برائی ہے‘ اس کا خوب واضح طور پر ازالہ ہو جائے۔

صبیحۃ رابعۃ

یہ مکہ معظمہ پہنچنے کی تاریخ ہے‘ ابن سعد نے اپنے طبقات میں اور امام حاکم نے اکلیل میں ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہفتہ کے دن جبکہ ذوالحجہ میں پانچ دن رہ گئے تھے‘ مدینہ سے حج کے لیے نکلے۔ امام واقدی نے فرمایا کہ اتوار کی صبح کو مکہ پہنچے‘ اتنی بات طے ہے کہ اس سال یکم ذوالحجہ جمعرات کو ہوئی‘ تو لامحالہ رؤیت چہار شنبہ کو ہوئی‘ اب اگر یہ رؤیت تیس کی تھی تو اس ہفتہ کو ۲۶ ذوالقعدہ تھی‘ اور اگر رؤیت ۲۹ کی تھی تو ۲۵ ذوالقعدہ۔

ضروری تصحیح

نزہۃ القاری ج ۲ ص ۹۵۳‘ رقم: ۱۵۸ پر اس سال کے ذوالحجہ کی رؤیت کا دن دوشنبہ چھپ گیا ہے‘ صحیح چہار شنبہ ہے۔

۹۳۳- ح: مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوْا بِعُمْرَةٍ؟ (الخ) [کیا بات ہے لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا؟]

۹۳۳- عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی ﷺ نے عرض

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا شَاْنُ النَّاسِ حَلُّوا بِعُمْرَةٍ وَّلَمْ تَحْلِلْ اَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ قَالَ اِنِّيْ لَبَّدْتُّ رَأْسِي وَقَلَّدْتُّ هَدْيِيْ فَلَا اَحِلُّ حَتّٰى اَنْحَرَ.

کیا: یارسول اللہ! کیا بات ہے کہ لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے اور حضور نے اپنے عمرے کا احرام نہیں کھولا؟ فرمایا: میں نے اپنے بال جما لیے ہیں اور قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈال دیا ہے' اس لیے میں جب تک قربانی نہ کرلوں گا' احرام نہیں کھولوں گا۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: التمتع والقران ص ۲۱۳' باب: فتل القلائد للبدن والبقر ص ۲۳۰' باب: من لبد راسه عند الاحرام ص ۲۳۳' ج ۲۔کتاب المغازی۔باب: حجة الوداع ص ۶۳۱' کتاب اللباس۔باب: التلبید ص ۸۷۷' مسلم۔کتاب الحج' ابوداؤد۔کتاب المناسک' نسائی۔کتاب المناسک' ابن ماجہ۔کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ج ۶ ص ۲۸۳)

۹۳۴- ح: تَمَتَّعْتُ فَنَهَانِيْ نَاسٌ

[میں نے تمتع کیا تو (کچھ) لوگوں نے مجھے منع کیا]

۹۳۴ - حَدَّثَنَا اَبُوْ جَمْرَةَ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ الضُّبَعِيُّ قَالَ تَمَتَّعْتُ فَنَهَانِيْ نَاسٌ فَسَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاَمَرَنِيْ فَرَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ رَجُلًا يَّقُوْلُ لِيْ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ وَّعُمْرَةٌ مُّتَقَبَّلَةٌ فَاَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ سُنَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ اَقِمْ عِنْدِيْ وَاَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِّنْ مَّالِيْ قَالَ شُعْبَةُ فَقُلْتُ لِمَ فَقَالَ لِلرُّؤْيَا الَّتِيْ رَاَيْتُ.

ابوجمرہ نصر بن عمران ضبعی نے کہا: میں نے تمتع کیا تو کچھ لوگوں نے منع کیا' اب میں نے ابن عباس سے پوچھا تو مجھے حکم دیا' میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک شخص کہہ رہا ہے: حج مبرور اور عمرہ مقبول۔ میں نے ابن عباس کو یہ بتایا تو فرمایا: نبی ﷺ کی سنت' پھر فرمایا: میرے یہاں رک! میں اپنے مال میں سے ایک حصہ دوں گا۔ شعبہ نے پوچھا. یہ نوازش کس بناء پر تھی؟ تو بتایا: اس خواب کی وجہ سے۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: التمتع والاقران ص ۲۱۳' باب: فمن تمتع بالعمرة الى الحج ص ۲۲۸' مسلم۔کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۴۱)

باب "فَمَنْ تمتع بالعمرة الى الحج" میں یہ حدیث یوں ہے: ابوجمرہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تمتع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا اور ہدی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اس میں اونٹ ہے یا گائے ہے' یا بکری ہے یا شرکت ہے' (یعنی اونٹ اور گائے میں سات آدمی قربانی کر سکتے ہیں)۔ ابوجمرہ نے کہا: گویا کچھ لوگوں نے اسے ناپسند کیا تو میں سویا۔ الحدیث

مسند امام احمد اور مسلم میں ہے کہ میں بیت اللہ کے پاس گیا تو سو گیا' اور ایک آنے والے نے کہا: عمرہ مقبول اور حج مبرور ہے' اس کے بعد حضرت ابن عباس کے پاس حاضر ہوا تو جو کچھ دیکھا تھا' بتایا' تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ اکبر' اللہ اکبر' ابوالقاسم ﷺ کی سنت۔

یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد کا ہے' جیسا کہ امام مسلم نے ان سے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تمتع جائز نہیں جانتے تھے' صرف محصر کے لیے جائز جانتے تھے اور یہی تابعین میں علقمہ اور ابراہیم نخعی کا بھی مذہب ہے' جمہور اُمت کا مذہب یہ ہے کہ محصر اور غیر محصر سب کے لیے جائز ہے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ افراد سے تمتع افضل ہے۔

۹۳۵- ح: قَدِمْتُ مُتَمَتِّعًا مَكَّةَ

[میں تمتع کا احرام باندھ کر مکہ آیا]

۹۳۵- حَدَّثَنَا اَبُوْ شِهَابٍ قَالَ قَدِمْتُ مُتَمَتِّعًا مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْنَا قَبْلَ التَّرْوِيَةِ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَقَالَ لِيْ اُنَاسٌ مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ تَصِيْرُ الْاٰنَ حَجَّتُكَ مَكِّيَّةً فَدَخَلْتُ عَلٰى عَطَاءٍ اَسْتَفْتِيْهِ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ حَجَّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ سَاقَ الْبُدْنَ مَعَهٗ وَقَدْ اَهَلُّوْا بِالْحَجِّ مُفْرَدًا فَقَالَ لَهُمْ اَحِلُّوْا مِنْ اِحْرَامِكُمْ بِطَوَافِ الْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَصِّرُوْا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَلَالًا حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ فَاَهِلُّوْا بِالْحَجِّ وَاجْعَلُوا الَّتِيْ قَدِمْتُمْ بِهَا مُتْعَةً فَقَالُوْا كَيْفَ نَجْعَلُهَا مُتْعَةً وَّقَدْ سَمَّيْنَا الْحَجَّ فَقَالَ افْعَلُوْا مَا اَمَرْتُكُمْ فَلَوْلَا اَنِّيْ سُقْتُ الْهَدْيَ لَفَعَلْتُ مِثْلَ الَّذِيْ اَمَرْتُكُمْ وَلٰكِنْ لَا يَحِلُّ مِنِّيْ حَرَامٌ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَفَعَلُوْا قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ اَبُوْ شِهَابٍ لَيْسَ لَهٗ مُسْنَدٌ اِلَّا هٰذَا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التمتع والاقران ص ۲۱۳)

ابوشہاب نے کہا: میں تمتع کا احرام باندھ کر مکہ آیا اور ہم ترویہ (آٹھویں ذوالحجہ) سے تین دن قبل مکہ پہنچ گئے' تو مکہ کے کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا: اب تمہارا حج مکی ہوگا' اب میں امام عطا کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ ان سے فتویٰ پوچھوں' تو انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ اس دن حج کیا جب قربانی کے جانور ہانک کر لائے تھے' اور لوگوں نے تنہا حج کا احرام باندھا تھا' ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: بیت اللہ اور صفا اور مروہ کا طواف کر کے احرام سے باہر آ جاؤ اور بال ترشوالو' اس کے بعد بغیر احرام کے ٹھہرے رہو' جب یوم الترویہ آ جائے تو تم لوگ حج کا احرام باندھو اور جو پہلے کر چکے ہو اسے تمتع بنالو' اس پر لوگوں نے عرض کیا: اسے کیسے تمتع بنالیں اور ہم نے حج کا نام لیا ہے' تو حضور نے ارشاد فرمایا: جو میں حکم دیتا ہوں کرو' اگر میں نے قربانی کا جانور نہ ہانکا ہوتا تو وہی کرتا جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے' لیکن ممنوعات احرام میرے لیے حلال نہیں' جب تک قربانی کے جانور اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائیں' اب لوگوں نے یہی کیا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: اس حدیث کے علاوہ ابوشہاب کی اور کوئی مسند نہیں۔

یہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس طویل حدیث کے چند اجزاء ہیں' جسے امام مسلم نے اپنی صحیح [1] میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے' جو صفحہ ۳۹۴ لغایت صفحہ ۴۰۰ پر پھیلی ہے۔ یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ امام مسلم کے افراد میں سے ہے' یعنی اسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کے اہم مضامین کو متفرق طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے روایت کیا' اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ متمتع کو عمرے سے فارغ ہونے کے بعد بال ترشوانے کا حکم دیا' اس میں دو فائدے ہیں' ایک تو یہ کہ وہ بال جس نے انسان کے سر کی حفاظت کی' اسے آرام پہنچایا' حج سے محروم نہ رہے' دوسرے حج کے احرام میں ان بالوں کی وجہ سے دھوپ کی تمازت سے کچھ بچاؤ رہے گا۔

۹۳۶- ح: اِخْتَلَفَ عَلِيٌّ وَّعُثْمَانُ فِي الْمُتْعَةِ

[حضرت علی اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہما) نے تمتع پر اختلاف کیا]

۹۳۶- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اخْتَلَفَ عَلِيٌّ وَّعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُمَا بِعُسْفَانَ فِي الْمُتْعَةِ

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما عسفان میں تھے' یہیں دونوں نے تمتع کے بارے میں اختلاف کیا'

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۹۴۔ کتاب الحج۔ باب: حجۃ النبی ﷺ

فَقَالَ عَلِيٌّ مَا تُرِيْدُ اِلَّا اَنْ تَنْهٰى عَنْ اَمْرٍ فَعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُثْمَانُ دَعْنِيْ عَنْكَ قَالَ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ عَلِيٌّ اَهَلَّ بِهِمَا جَمِيْعًا.

حضرت علی نے ان سے کہا: کیا ارادہ ہے؟ کب تک اس کام سے منع کرو گے جسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے' تو حضرت عثمان نے کہا: مجھے چھوڑ دو! جب حضرت علی نے یہ دیکھا تو حج اور عمرہ دونوں کی تلبیہ کہی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التمتع و الاقران ص ۲۱۳' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الحج۔ باب: جواز التمتع ص ۴۰۲)

عُسفان

مکہ معظمہ کے قریب چھتیس میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے' اس حدیث میں متعہ سے مراد قران ہے' جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل دلیل ہے کہ انہوں نے حج اور عمرے دونوں کے ساتھ تلبیہ کہی' فقہی تمتع میں پہلے صرف عمرے کا احرام باندھا جاتا ہے' اور صرف اسی کے لیے لبیک کہا جاتا ہے' حج اور عمرہ دونوں کا نہیں' اس عہد میں لغوی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے قران پر تمتع کا اطلاق کر دیتے تھے' تمتع کے معنی فائدہ حاصل کرنا ہے' چونکہ ایک ہی سفر میں ساتھ ساتھ دونوں ادا کر کے دو سفروں کی صعوبت اُٹھانے سے بچ جاتے ہیں' اس لیے قران کو بھی تمتع کہہ دیا کرتے تھے' یہ حدیث بھی ہماری دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قران کیا تھا۔

احادیث حج میں تطبیق

حجۃ الوداع کی احادیث ان صحابہ کرام سے مروی ہیں: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت جابر بن عبداللہ' اُم المؤمنین حضرت عائشہ' اُم المؤمنین حضرت حفصہ' حضرت ابن عباس' حضرت عمران بن حصین' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت اسماء بنت الصدیق' حضرت ابوطلحہ' حضرت براء بن عازب' حضرت بلال بن حارث' حضرت ابوذر' حضرت مطلب بن ابی وداعہ' اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ' حضرت ضباعہ بنت عبدالمطلب' حضرت ابوہریرہ' حضرت اسامہ' حضرت ابوایوب انصاری' حضرت سہل بن سعد ساعدی' حضرت ابوالفضل' حضرت عامر بن واثلہ' حضرت زید بن خالد جہنی' حضرت سائب بن خلاد' حضرت یعلیٰ بن امیہ' حضرت سراقہ بن جعشم' حضرت اُم ولد' شیبہ اور ایک صحابیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مگر ان میں تقریباً دس صحابہ کرام نے یہ تفصیل کہ یہ افراد تھا یا تمتع یا قران بیان فرمایا اور یہ روایتیں بہ ظاہر متعارض ہیں' کسی میں افراد ہے' کسی میں تمتع کسی میں قران' ان سب پر سیر حاصل بحث امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمائی ہے اور نا قابل انکار دلائل سے ثابت فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے قران فرمایا تھا۔

حضور اقدس ﷺ نے چونکہ حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھا تھا' اس لیے ابتداء میں "لبیك بالحج و العمرة" فرمایا۔

ابن ماجہ[1] میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: درخت ذوالحلیفہ کے پاس حضور اقدس ﷺ کی اونٹنی کے بیٹھنے کے نشان کے قریب تھا' جب وہ حضور کو لے کر کھڑی ہوگئی تو حضور نے "لبیك بحجة و عمرة" کہا' مگر کبھی صرف "لبیك بعمرة" کہا' کبھی فقط "لبیك بحجة" کہا' جیسا کہ قارن کو اجازت ہے' ہزار ہا ہزار کا مجمع تھا۔

مسلم[2] میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آگے پیچھے' دائیں بائیں جدھر بھی نظر کرتا تھا' حد نظر تک سوار اور پیادے ہی نظر آتے تھے' انسانوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں جس نے جو سنا' روایت کر دیا' اس کے باوجود جس نے افراد یا تمتع کی روایت کی ہے' وہ بھی اخیر میں جا کر قران ہی کی طرف لوٹ آتی ہیں' اس لیے کہ یہ قطعی ہے' اس سے کسی کو انکار کی گنجائش

---

[1] ابن ماجہ۔ ص ۲۱۵۔ کتاب المناسک۔ باب: الاحرام
[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۹۵۔ کتاب الحج۔ باب: حجۃ النبی ﷺ

ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ بھی کیا اور حج بھی' اور سب روایتیں اس پر متفق ہیں کہ آپ نے احرام صرف ایک بار ذوالحلیفہ میں باندھا تھا اور حج سے فراغت سے پہلے احرام نہیں کھولا۔ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے' ایک حدیبیہ کے سال' دوسرا عمرۃ القضا' تیسرا جعرانہ سے' چوتھا حج کے ساتھ[1] نیز حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک عمرہ حج میں قیامت تک کے لیے داخل ہو گیا[2] اس ارشاد کے بعد کس کی سمجھ میں بات آسکتی ہے کہ پھر حضور نے خود عمرہ نہ کیا ہوگا' خصوصاً اس صورت میں کہ زمانۂ جاہلیت کے اس اعتقاد کو ختم کرنا تھا کہ اشہر حج میں عمرہ بدترین برائی ہے۔ مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عمرے کا احرام باندھا' جب بیداء پر چڑھے تو فرمایا: میں نے حج کو عمرے کے ساتھ واجب کر دیا۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: بیان القارن لا تتحلل الخ ص ۴۰۴)

اسی سے ان روایات کی تشریح ہو جاتی ہے' جن میں یہ ہے کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا' حضرت انس کا حال یہ تھا کہ ایک بار ان سے بکیر نے کہا: حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا' تو حضرت انس نے فرمایا: مجھ کو تم لوگ بچہ جانتے ہو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: ''لبیك بعمرة و حجة''۔

(ایضاً۔ باب: فی الافراد و القران ص ۴۰۵)

قارن پر دو طواف ہیں

احناف کے یہاں قارن پر دو طواف ہیں اور دو سعی' ایک عمرے کی اور ایک حج کی۔ عام احادیث میں اس کی تفصیل نہیں' صحابہ کرام نے جستہ جستہ واقعات کو اپنی اپنی روایات میں بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مفصل اور طویل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ''باب حجة النبی ﷺ'' میں ذکر فرمایا ہے' مگر اس میں بھی بہت سی تفصیلات رہ گئی ہیں' اسی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ قارن پر دو طواف اور سعی ہے یا ایک ہی کافی ہے' اسلام کا پہلا حج ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانوں کا ہجوم عام' نیا ولولہ' نیا جوش' جذبات کا تلاطم' اور سب کے مرکز عقیدت ایک ذات قدسی صفات' کس کو اس کے دربار عالم میں باریابی کی آرزو نہ ہوگی' کون ایسا ہوگا جو اس کا کوشاں نہ ہوگا' عالم تصور میں دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے ہیں' اس عالم میں اس کی کہاں گنجائش کہ حضور اقدس ﷺ کے تمام اقوال و افعال پر کوئی صاحب نظر رکھیں اور محفوظ کر لیں' جس نے جو دیکھا بیان کیا' اسی لیے اس سلسلے میں جس صحابی نے جو زائد بات کہی وہ مقبول ہے۔ نسائی[3] میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان الناس غشوہ؛

لوگوں نے حضور کو گھیر لیا تھا۔

جہاں عام روایتوں میں یہ ہے کہ صرف ایک طواف کیا' وہیں دوسری احادیث میں عمرہ اور حج دونوں کے لیے دو طواف اور دو سعی مذکور ہے۔

امام نسائی (یہ سب احادیث فتح القدیر باب القران سے لی گئی ہیں) نے اپنی سنن کبریٰ میں' ابراہیم بن محمد بن حنفیہ سے روایت کی کہ میں

---

[1] بخاری۔ ج ا۔ کتاب العمرۃ۔ باب: کم اعتمر النبی ﷺ ص ۲۳۹' مسلم۔ ج ا ص ۴۰۹۔ کتاب المناسک۔ باب: عدد عمر النبی ﷺ' ابن ماجہ۔ باب۔ کم اعتمر النبی ﷺ ص ۲۲۲

[2] بخاری۔ ص ۲۱۰۔ کتاب المناسک۔ باب: التمتع بالعمرۃ الی الحج

[3] نسائی۔ ج ۲ ص ۴۱۔ کتاب الحج۔ باب: الطواف بین الصفا والمروۃ علی الراحلۃ

نے اپنے والد محمد بن حنفیہ کے ساتھ حج کیا' تو انہوں نے حج اور عمرہ جمع کیا' اور دونوں کے لیے دو طواف اور دو سعی کی' اور مجھ سے حدیث بیان کی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا' اس حدیث کے ایک راوی حماد بن عبدالرحمٰن انصاری کو ازدی نے اگر چہ ضعیف کہا ہے' مگر ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے' اس لیے یہ حدیث حسن ضرور ہوئی۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں بہ طریق سیدنا امام اعظم' سیّدنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب حج اور عمرے کا ساتھ ساتھ احرام باندھو تو ان دونوں کے لیے دو طواف اور صفا و مروہ کے مابین دو سعی کرو۔

راوی حدیث منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے ملاقات کی' وہ قارن کے لیے ایک ہی طواف کا فتویٰ دیتے تھے' میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے فرمایا: اگر میں نے یہ سنا ہوتا تو دو ہی طواف کا فتویٰ دیتا' اس کے بعد دو ہی طوافوں کا فتویٰ دوں گا۔

نیز حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے دار قطنی نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف فرمائے اور دو سعی کیں' نیز امام مذہب امام اعظم نے حماد بن ابو سلیمان عن ابراہیم عن الصبی بن معبد روایت فرمایا' صبی بن معبد نے کہا: میں جزیرے سے قران کر کے چلا' سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے قریب سے گزرا' یہ عذیب میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے' انہوں نے سنا کہ میں ''لبیک بحجۃ وعمرۃ معا'' کہتا ہوں' تو ایک نے کہا: یہ اپنے اونٹ سے بھی زیادہ بے راہ رو ہے' دوسرے نے کہا: فلاں فلاں سے بھی زیادہ' میں گزر گیا اور جب حج ادا کر چکا' تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے سارا قصہ سنایا' انہوں نے دریافت فرمایا: پھر تو نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے اپنے عمرے کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کی' پھر لوٹ کر میں نے اپنے حج کے لیے ایسا ہی کیا اور احرام کی حالت میں رہا' اور حاجی جو کچھ کرتے ہیں میں نے بھی کیا' یہاں تک کہ حج کا آخری رکن بھی ادا کیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ہدایت پائی۔

علاوہ ازیں امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں زیاد بن مالک سے روایت کیا کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے قارن کے بارے میں فرمایا: وہ دو طواف اور دو سعی کرے گا' یہ اگر چہ ان حضرات کا ارشاد ہے' مگر اس کا تعلق عبادت سے ہے جو شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سنے بغیر عقل سے نہیں مانا جا سکتا' اس لیے کہ یہ حکم میں مرفوع کے ہے' اب جبکہ ایک نہیں تین تین صحابہ کرام سے یہ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف اور دو سعی کی' وہ بھی حضرت فاروق اعظم اور حضرت علی مرتضی اسد اللہ رضی اللہ عنہما جیسے اخص الخواص سے تو اسے ان احادیث پر ترجیح ہوگی' جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک طواف کیا' کیونکہ اس کا امکان ہے کہ اس انبوہ کثیر میں انہیں معلوم نہ ہو سکا ہو اور ان حضرات کے علم میں یہ بات آئی' اس لیے اسے روایت کیا۔

۹۳۷- ح: تَمَتَّعْنَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمتع کیا]

۹۳۷- عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تَمَتَّعْنَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهٖ مَا شَآءَ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمتع کیا اور قرآن نازل ہوا' (لیکن اب) ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التمتع علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۳' مسلم۔ کتاب الحج)

تمتعنا

اس میں دونوں احتمال ہیں کہ تمتع سے مراد فقہ کا مصطلح ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد قران ہو دوسرے پر قرینہ یہ ہے کہ مسلم میں انہیں سے اسی حدیث کی روایتیں بہ طریق عبید اللہ بن معاذ اور محمد بن مثنیٰ اور اسحق بن ابراہیم آئی ہیں ان میں یہ ہے:

ان رسول الله ﷺ جمع بين حج و عمرة. رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرے کو جمع فرمایا۔

یہ اپنے ظاہر مفہوم کے اعتبار سے قران پر دلالت کرتا ہے اس تقدیر پر اس رجل سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہوں گے اور پہلی تقدیر پر رجل سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے وہ بھی اس تقدیر پر کہ ان کی ممانعت کی توجیہ وہ ہو جو ہم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت ذکر کی ہے۔

۹۳۸- ح: انَّهُ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ الْحَجِّ

[ہم سے حج کے تمتع کے بارے میں دریافت کیا گیا]

۹۳۸ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا انَّهُ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ الْحَجِّ فَقَالَ اَهَلَّ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ وَاَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَاَهْلَلْنَا فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا اِهْلَالَكُمْ بِالْحَجِّ عُمْرَةً اِلَّا مَنْ قَلَّدَ الْهَدْيَ فَطُفْنَا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاَتَيْنَا النِّسَاءَ وَلَبِسْنَا الثِّيَابَ وَقَالَ مَنْ قَلَّدَ الْهَدْيَ فَاِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ ثُمَّ اَمَرَنَا عَشِيَّةَ التَّرْوِيَةِ اَنْ نُهِلَّ بِالْحَجِّ فَاِذَا فَرَغْنَا مِنَ الْمَنَاسِكِ جِئْنَا فَطُفْنَا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَدْ تَمَّ حَجُّنَا وَعَلَيْنَا الْهَدْيُ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ (البقرة:۱۹۶) اِلٰى اَمْصَارِكُمْ الشَّاةُ تَجْزِيْ فَجَمَعُوْا نُسُكَيْنِ فِيْ عَامٍ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْزَلَهُ فِيْ كِتَابِهِ وَسَنَّهُ نَبِيُّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَاحَهُ لِلنَّاسِ غَيْرَ اَهْلِ مَكَّةَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة:۱۹۶) وَاَشْهُرُ الْحَجِّ الَّتِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحَجَّةِ فَمَنْ تَمَتَّعَ فِيْ هٰذِهِ الْاَشْهُرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ اَوْ صَوْمٌ وَالرَّفَثُ الْجِمَاعُ وَالْفُسُوْقُ الْمَعَاصِيْ وَالْجِدَالُ الْمِرَاءُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حج کے تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: مہاجرین اور انصار اور ازواجِ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی باندھا جب مکہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے حج کے اس احرام کو عمرہ کر دو مگر وہ جس نے قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ ڈالا ہو ہم نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کا طواف کیا اور عورتوں کے پاس آئے اور کپڑے پہنے اور فرمایا: جن لوگوں نے ہدی کے گلے میں قلاوہ ڈالا ہو وہ احرام سے باہر نہ ہوں جب تک ہدی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اس کے بعد ترویہ کو بعد دوپہر ہمیں حکم دیا کہ حج کا احرام باندھیں جب ہم مناسک سے فارغ ہوئے تو مکہ آئے اور بیت اللہ کا اور صفا اور مروہ کا طواف کیا اب ہمارا حج پورا ہو گیا اور ہم پر قربانی کرنا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: (جو حج کو عمرہ سے ملانے کا فائدہ حاصل کرے تو اس پر قربانی کا جانور ہے جو میسر آئے اور جو نہ پائے وہ حج کے ایام میں تین روزے رکھے اور سات جب اپنے شہر لوٹے) بکری بھی کافی ہے۔ صحابہ نے دو نسک حج اور عمرے کو ایک سال میں جمع کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اسے اتارا اور اس کے نبی ﷺ نے اسے مسنون فرمایا اور اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کے لیے جائز قرار دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اس کے لیے ہے جو مسجد حرام یعنی مکہ کا رہنے والا نہ ہو اور حج کے مہینے جیسے اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا شوال اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں ان مہینوں میں جو تمتع کرے اس پر دم یا روزہ ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل: فما استیسر من الھدی ص ۲۱۳-۲۱۴) "رفث" کے معنی جماع کے اور فسوق کے معنی گناہ اور جدال کے معنی جھگڑا کرنے کے ہیں۔

من قلد الھدی

"ھدی" اس جانور کو کہتے ہیں جو حرم میں قربانی کرنے کے لیے جائیں' یہ مندرجہ ذیل مخصوص جانور ہیں' اونٹ جو پانچ سال سے کم کا نہ ہو' گائے بھینس جو دو سال سے کم کے نہ ہوں' بھیڑ' بکری' دنبہ جو سال بھر سے کم کے نہ ہوں' البتہ بھیڑ اور دنبے کا وہ بچہ جو چھ مہینے کا ہو' مگر سال بھر والوں میں مل جائے' وہ ہدی ہوسکتا ہے۔ مسنون یہ ہے کہ ہدی کے گلے میں رسّی وغیرہ بٹ کر ہار ڈال دیا جائے تاکہ یہ شناخت رہے کہ یہ جانور ہدی ہیں' یہ بھی سنت ہے کہ اس جانور کے کوہان میں دائیں یا بائیں جانب اتنا ہلکا شگاف کردے جو گوشت تک نہ پہنچے۔

اگر احرام کی نیت کے ساتھ جانور ساتھ لیا تو وہ ہدی ہوگیا اور اگر اس کے گلے میں ہار ڈال دیا تو اگرچہ احرام کی نیت نہ ہو' ہدی ہو گیا۔

ان نھل بالحج

تمتع کرنے والا نویں ذوالحجہ تک حج کا احرام باندھ سکتا ہے' افضل یہ ہے کہ جتنا پہلے ہوسکے باندھے' اگرچہ آٹھویں ذوالحجہ سے پہلے ہو' اگر مکہ معظمہ میں ہے تو حرم میں احرام باندھے' بہتر یہ کہ مسجد حرام میں' اس سے بھی افضل یہ ہے کہ حطیم میں' البتہ یہ سنت ہے کہ آٹھویں کو آفتاب نکلنے کے بعد منیٰ کے لیے چلے تاکہ عرفات کی حاضری سے پہلے منیٰ میں پانچ وقت کی نمازیں میسر آجائیں' اگر آفتاب نکلنے سے پہلے ہی بلکہ رات ہی کو چلا گیا تو بھی جائز ہے' اور اب موٹروں کے سفر کی وجہ سے اکثر رات میں جانا ہوتا ہے۔

علیه الھدی

تمتع اور قران کرنے والے پر شکرانے میں قربانی واجب ہے' اگرچہ ایک بکری یا گائے اونٹ کا ساتواں حصہ اور اگر قربانی کی استطاعت نہ ہو تو دس روزے واجب ہیں' تین ایام حج میں یعنی احرام باندھنے کے بعد' پہلی شوال سے نویں تک اور سات بعد میں' احناف کے یہاں افضل یہ ہے کہ نویں سے پہلے پورے کرلے' پے درپے رکھنا ضروری نہیں' ناغہ کے ساتھ بھی رکھ سکتا ہے' سات ایام تشریق کے بعد حج سے فارغ ہوکر خواہ مکہ معظمہ ہی میں رکھے' خواہ راستے میں خواہ گھر آکر اور بہتر یہ ہے کہ گھر آکر رکھے' اور اگر نویں تک تین روزے پورے نہیں کیے تو اب قربانی ہی واجب ہے' اور اگر ناداری یا جانور نہ ملنے کی وجہ سے قربانی نہ کی تو اب دو دم واجب ہوگئے' ایک تمتع کا دوسرا وقت پر قربانی نہ کرنے کا جرمانہ۔

سنّۃ نبیہٖ

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا اعتقاد یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ شارع ہیں' وہ جو چیز چاہیں مشروع فرمادیں' جو چیز چاہیں جس کے لیے چاہیں جائز فرمادیں یا حرام فرمادیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "سنّ" اور "اباح" کی اسناد حضور اقدس ﷺ کی طرف کررہے ہیں۔

غیر اھل مکۃ

یہاں اہل مکہ سے مراد میقات میں رہنے والے ہیں' ان کے لیے صرف افراد ہے' قران اور تمتع نہیں' یہ صرف میقات سے باہر

والوں کے لیے ہے۔

۹۳۹- ح: دَخَلَ مَكَّةَ مِنْ كَدَاءٍ
[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مکہ میں کداء سے داخل ہوئے]

۹۳۹- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ مِنْ كَدَاءٍ مِّنَ الثَّنِيَّةِ الْعُلْيَا الَّتِي بِالْبَطْحَاءِ وَخَرَجَ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلٰى.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ میں کداء بالائی گھاٹی سے داخل ہوئے جو بطحاء میں ہے اور نچلی گھاٹی سے واپس ہوئے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من این یخرج من مکۃ ص ۲۱۴، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب المناسک)

۹۴۰- ح: دَخَلَ مِنْ اَعْلَاهَا
[(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ آئے تو) بالائی حصہ سے داخل ہوئے]

۹۴۰- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ اِلٰى مَكَّةَ دَخَلَ مِنْ اَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ اَسْفَلِهَا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مکہ آئے تو اس کے بالائی حصے سے داخل ہوئے اور نشیبی حصے سے باہر ہوئے۔

(بخاری۔ باب: من این یخرج من مکۃ ص ۲۱۴، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: دخول النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من اعلی مکۃ ص ۶۱۴، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب المناسک)

۹۴۱- ح: دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ
[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فتح (مکہ) کے سال کداء سے داخل ہوئے]

۹۴۱- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ وَخَرَجَ مِنْ كُدًى مِنْ اَعْلٰى مَكَّةَ قَالَ هِشَامٌ وَكَانَ عُرْوَةُ يَدْخُلُ عَلٰى كِلْتَيْهِمَا مِنْ كَدَاءٍ وَكُدًى وَاَكْثَرُ مَا يَدْخُلُ مِنْ كُدًى وَكَانَ اَقْرَبَهُمَا اِلٰى مَنْزِلِهٖ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے سال کداء سے داخل ہوئے اور کدیٰ مکہ کے بالائی حصے سے واپس ہوئے۔ ہشام نے کہا: اور عروہ کداء اور کدیٰ دونوں سے داخل ہوتے تھے اور زیادہ تر کدیٰ سے داخل ہوتے اور یہ ان کے گھر سے قریب تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من این یخرج من مکۃ ص ۲۱۴، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب المناسک)

۹۴۲- حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ وَكَانَ عُرْوَةُ يَدْخُلُ مِنْهُمَا كِلَيْهِمَا وَكَانَ اَكْثَرَ مَا يَدْخُلُ مِنْ كُدًى اَقْرَبَهُمَا اِلٰى مَنْزِلِهٖ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَدَاءٌ وَكُدًا مَوْضِعَانِ

حضرت عروہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے سال کداء سے داخل ہوئے اور عروہ کداء اور کدیٰ دونوں سے داخل ہوتے اور زیادہ تر کدیٰ سے داخل ہوتے جو ان کے گھر سے زیادہ نزدیک تھا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: کداء اور کدیٰ دو جگہیں ہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من این یخرج من مکۃ ص ۲۱۴، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: دخول النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من اعلی مکۃ ص ۶۱۴، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب المناسک)

کداء

مکہ معظمہ کے مشرق جانب ایک گھاٹی ہے' جس سے اترنے کے بعد جنت المعلی قبرستان پڑتا ہے' اور کدی مکہ معظمہ کے نچلے حصے میں باب شبکیہ کے پاس ایک گھاٹی ہے' علامہ قرطبی نے کہا: ان دونوں کے تلفظ میں اختلاف ہے' اکثر یہ کہتے ہیں کہ علیا کداء فتح اور مد کے ساتھ ہے اور سفلی کدی ضمے اور قصر کے ساتھ ہے۔

کَانَ عروۃ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احوال میں پیروی مستحسن ہے' بلکہ باعث اجر و ثواب ہے' مگر حضرت عروہ اپنی آسانی کے لیے اس کے خلاف کرتے تھے' اس میں کوئی حرج نہیں' یوں بھی یہ سنن زوائد میں سے ہے' اس کا چھوڑنا گناہ نہیں' اس پر عمل موجب ثواب۔

حکمت

مکہ معظمہ کے بالائی حصے کداء سے داخل ہونے میں حکمت یہ تھی کہ اس کے سامنے ہی بیت اللہ ہے' اس پر نظر پڑتے ہی نیچے اترنے میں یک گونہ اس کی تعظیم کا اظہار ہے' راستہ بدلنے میں یہ فائدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دونوں راستے برکت حاصل کریں اور شاہد ہو جائیں۔

۹۴۳- ح: اَیْنَ تَنْزِلُ فِیْ دَارِكَ بِمَكَّةَ

[(دریافت کیا:) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں اپنے گھر کہاں قیام فرمائیں گے؟]

۹۴۳ - عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ تَنْزِلُ فِيْ دَارِكَ بِمَكَّةَ فَقَالَ هَلْ تَرَكَ عَقِيْلٌ مِّنْ رِبَاعٍ اَوْ دُوْرٍ وَّكَانَ عَقِيْلٌ وَّرِثَ اَبَا طَالِبٍ هُوَ وَطَالِبٌ وَّلَمْ يَرِثْهُ جَعْفَرٌ وَّلَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا شَيْئًا لِاَنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَكَانَ عَقِيْلٌ وَّطَالِبٌ كَافِرَيْنِ فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّكَانُوْا يَتَاَوَّلُوْنَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ﴾ (الانفال:۷۲) الْاٰيَةَ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! حضور مکہ میں اپنے گھر پر کہاں قیام فرمائیں گے؟ فرمایا: کیا عقیل نے کچھ جائیداد اور گھر چھوڑا؟ ابو طالب کی میراث عقیل اور طالب کو ملی' جعفر اور علی کو ان کی میراث نہیں ملی' کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے اور عقیل اور طالب کافر تھے۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ ابن شہاب زہری نے کہا: اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے معنی لوگ یہی بتاتے تھے کہ فرمایا: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا' اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی' یہی ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: توریث دور مكة وبيعها ص۲۱۶' کتاب الجہاد۔ باب: اذا اسلم قوم فی دار الحرب ولهم مال ص۴۳۰' ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: این ركز النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الراية يوم الفتح ص ۶۱۴' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۰۱-۲۰۲)

ابوطالب کے چار بیٹے تھے

ابوطالب کے چار بیٹے تھے' سب سے بڑا طالب' پھر عقیل' پھر جعفر' پھر علی۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ سب ایک دوسرے سے دس

سال بڑے تھے' جب ابو طالب مرے تو حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما مسلمان تھے' مگر طالب اور حضرت عقیل ابھی کافر تھے' جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تو حضور کے گھر بار پر حضرت عقیل نے قبضہ کر لیا' اسی طرح بنی عبد المطلب میں جن حضرات نے ہجرت کی' سب کی جائیداد اور گھر بار پر انہیں کا قبضہ ہوا' جیسا کہ دوسرے ہجرت کرنے والوں کی جائیداد کا حشر ہوا' حضرت عقیل حدیبیہ سے کچھ پہلے یا بعد مسلمان ہوئے' ۸ھ میں ہجرت کی اور غالباً جب حضرت عقیل ہجرت کر کے مدینہ آنے لگے تو سب کچھ بیچ دیا' مگر علامہ عینی نے ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ یہ گھر حضرت عقیل کی اولاد کے پاس رہا' انہوں نے حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے ہاتھ ایک لاکھ دینار میں بیچا' اس پر حضرت امام زین العابدین یہ فرماتے تھے کہ اسی وجہ سے شعب ابی طالب میں سے اپنا حصہ ہم نے چھوڑ دیا' اس تقدیر پر ''هل ترك عقيل من رباع او دور'' کا مطلب یہ ہوگا کہ ہماری ہجرت کے بعد سب پر قبضہ کر کے اپنی ملک بنا لیا ہے' اب ہمارا کچھ نہ رہا۔

فاکہی نے کہا کہ یہ گھر ہاشم کا تھا' ان کے بعد عبد المطلب کو وراثت میں ملا' پھر عبد المطلب نے اسے اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا' حضرت عبد اللہ کے حصے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہتے تھے' اسی میں آپ کی ولادت پاک ہوئی' اس پر حضرت عقیل نے قبضہ کر لیا۔

اثبات باب

یہاں باب یہ ہے کہ مکہ کے گھروں میں میراث جاری ہونا اور ان کی خرید و فروخت ہونا' اور خاص مسجد حرام میں سب لوگوں کا حق برابر ہے' حسب عادت یہاں بھی امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ ظاہر نہیں فرمایا ہے' مگر اس کے بعد والے باب میں انہوں نے فرمایا: گھروں کو عقیل کی طرف منسوب کیا گیا' یعنی اس سے معلوم ہوا: یہ گھر اب عقیل کی ملک تھے' اور فرمایا: مکہ کے گھروں میں میراث جاری ہوگی' ان کی خرید و فروخت ہوگی' یہ اس پر نص ہے کہ امام بخاری مکہ معظمہ کے گھروں میں مالکانہ تصرف جائز جانتے تھے۔

مکہ کے گھروں کی خرید و فروخت

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مکہ معظمہ کے گھروں میں مالکانہ تصرف درست ہے یا نہیں؟ امام عطاء' امام مجاہد' امام مالک' اسحٰق' ابو عبید اور امام اعظم اور امام محمد کا یہی قول ہے کہ مکہ معظمہ کی اراضی اور مکانات نہ بیچنا جائز ہے' نہ کرایہ پر دینا جائز۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مکہ کے گھروں کو بیچنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں۔[1] بیہقی[2] کی روایت یہ ہے: ''مكة مناخ لاتباع رباعها وَلَا تواجر بيوتها'' مکہ معظمہ حاجیوں کے پڑاؤ کے لیے ہے' اس کی زمین اور گھر نہ بیچا جائے نہ کرایہ پر دیا جائے۔ شرح معانی الآثار[3] ہی میں ہے کہ علقمہ بن نضلہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان کے زمانے میں مکہ کے گھر نہ بیچے جاتے نہ کرائے پر دیئے جاتے' انہیں کھلا چھوڑ دیا جاتا جو ضرورت مند ہوتا ٹھہرتا' اور جسے ضرورت نہ ہوتی دوسرے کو ٹھہراتا' مگر ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام شافعی اور دوسرے بہت سے ائمہ اعلام کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کے گھروں کو بیچنا اور کرایہ پر دینا جائز ہے' ان کی مستدل یہ حدیث زیر بحث ہے کہ حضرت عقیل نے جب ان گھروں پر قبضہ کر لیا تو ان کی ملک ہو گیا' حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''هل ترك لنا عقيل من رباع او دور'' کیا عقیل نے ہمارے لیے کچھ جائیداد یا گھر چھوڑا؟ یہ دلیل ہے کہ ان مکانات پر حضرت عقیل کی ملکیت صحیح ہے' امام طحاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

---

[1] شرح معانی الآثار۔ ص ۲۲۳۔ باب: بيع ارض مكة واجارتها [2] عمدة القاری۔ ج ۹ ص ۲۲۹

[3] شرح معانی الآثار۔ ص ۲۲۳۔ باب: بيع دور مكة واجارتها

فکان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

یہاں یہ ہے اور مغازی اور مسند امام احمد میں ہے:

ثم قال لا یرث المؤمن الکافر ولا یرث الکافر المؤمن۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہ ہوگا۔

حضرت اسامہ نے یہ حضور اقدس ﷺ سے بھی سنا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی کہیں یہ روایت کیا کہیں وہ۔ خود کتاب الفرائض[1] میں انہیں سے اتنا حصہ مروی ہے اور وہاں بھی یہ ہے: "ان النبی ﷺ الحدیث" البتہ بجائے "مومن" کے دونوں جگہ "مسلم" ہے۔

قال ابن شہاب

یعنی سورۂ انفال کی بہترویں آیت جو متن کے ساتھ مذکور ہے، امام زہری نے فرمایا کہ یہ حضرات اس کا معنی یہی بتاتے تھے کہ مہاجر انصار کے وارث ہیں اور وہ رشتہ دار جو ایمان نہیں لائے یا ہجرت نہیں کی وہ مہاجرین کے وارث نہیں آگے فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی، ان کی ولایت تمہیں حاصل نہیں، مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں رشتۂ مواخاۃ (بھائی ہونے کا) قائم فرمایا تھا، اسی بنیاد پر ایک مہاجر انصاری کی اور ایک انصار مہاجر کی میراث پاتا تھا، جب آیۂ کریمہ "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ" (الانفال:۷۵) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور اب وراثت رشتہ پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب پر مبنی ہے، مگر وہ حکم باقی رہا کہ مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہیں ہوسکتا۔

۹۴۴- ح: نَحْنُ نَازِلُوْنَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ

[ہم کل صبح خیف بنی کنانہ میں اتریں گے]

۹۴۴ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَدِ يَوْمَ النَّحْرِ وَهُوَ بِمِنًى نَحْنُ نَازِلُوْنَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوْا عَلَى الْكُفْرِ يَعْنِيْ بِذٰلِكَ الْمُحَصَّبَ وَذٰلِكَ اَنَّ قُرَيْشًا وَّكِنَانَةَ تَحَالَفَتْ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَّبَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَوْ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَنْ لَّا يُنَاكِحُوْهُمْ وَلَا يُبَايِعُوْهُمْ حَتّٰى يُسْلِمُوْا اِلَيْهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے منی میں یوم النحر کی صبح کو فرمایا، ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں لوگوں نے کفر پر جمے رہنے کی قسم کھائی تھی یعنی محصب میں۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ قریش اور کنانہ نے آپس میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب یا بنی مطلب کے خلاف حلف اٹھایا تھا کہ ان سے شادی بیاہ نہیں کریں گے اور خرید و فروخت نہیں کریں گے جب تک یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالہ نہ کردیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: نزول النبی ﷺ مکۃ ص ۲۱۶، دو طریقوں سے۔ کتاب بنیان الکعبۃ۔ باب: تقاسم المشرکین ص ۵۴۸، کتاب المغازی۔ باب: این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح ص ۶۱۴، کتاب التوحید۔ باب: فی المشیۃ والارادۃ ص ۱۱۲، مسلم۔ کتاب الحج، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۳۷)

[1] بخاری۔ کتاب الفرائض۔ ج ۲ ص ۱۰۰۱۔ باب: لا یرث المسلم للکافر

بخاری کی یہاں کی روایت میں، نیز مسند امام احمد میں ''من الغد یوم النحر'' ہے یعنی یوم النحر کی صبح کو فرمایا، اور مغازی میں بہ طریق معمر اسامہ والی روایتوں میں ''فی حجته'' ہے، مگر جہاد اور مغازی میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ''حین اراد حیننا'' ہے کہ جب حنین کا ارادہ فرمایا، مگر حنین جاتے ہوئے اس سوال کا کوئی محل نہیں، ہاں حضرت اسامہ کی حدیث مغازی میں جو بہ طریق محمد بن ابوحفصہ ہے، اس میں ''زمن الفتح'' ہے، فتح مکہ کے وقت اس سوال کا موقع تھا، ہو سکتا ہے دونوں موقعوں پر یہ سوال ہوا ہو، اور وہ جواب ارشاد فرمایا ہو۔

خیف بنی کنانہ

خیف نشیبی چھوٹے میدان کو کہتے ہیں، جہاں سے برسات کا پانی بہے، اس کا دوسرا نام مُحَصَّب اور ابطح، بطحاء بھی ہے۔ کنانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں پندرھویں پشت میں ہیں، ان کے صاحبزادے نضر ہیں، اور ان کے مالک اور ان کے فہر، گزر چکا کہ صحیح یہ ہے کہ قریش فہر ہی کا لقب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نضر کا، مگر نضر کی نسل صرف مالک سے اور مالک کی صرف فہر سے چلی، اس لیے دونوں کا مآل ایک ہی نکلا[1] کہ جو فہر کی نسل سے ہے، وہی قریشی ہے اور جو ان کی نسل سے نہیں کنانی ہے، یعنی نضر کے بھائیوں کی اولاد بنی کنانہ ہے۔

تقاسموا..... (شعب ابی طالب کا محاصرہ)

اہل مکہ نے جب یہ دیکھا کہ ہماری پوری مزاحمت کے باوجود دن بدن لوگ داخل اسلام ہوتے جا رہے ہیں، عمر اور حمزہ جیسے لوگ بھی مسلمان ہو گئے، حبشہ میں انہیں پناہ مل گئی اور ہمارے نمائندے وہاں سے ناکام واپس ہوئے تو ۷ نبوی میں قریش اور کنانہ نے خیف بنی کنانہ میں جمع ہو کر یہ معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب سے شادی بیاہ، خرید و فروخت، میل جول بند کر دیا جائے، کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے، جب تک یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ منصور بن عکرمہ نے یہ معاہدہ لکھا، جسے کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا، منصور کا ہاتھ شل ہو گیا، اس کے بعد مجبور ہو کر ابو طالب بنی ہاشم اور بنی مطلب کو لے کر شعب ابی طالب میں چلے آئے، تین سال تک یہ ظالمانہ بائیکاٹ جاری رہا، یہ لوگ صرف ایام حج میں باہر نکلتے، یہ تین سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محصورین نے انتہائی سختی اور اذیت میں گزارے۔ حکم خداوندی سے دیمک نے پورے معاہدے کو چاٹ لیا، صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کو بتایا، یہ مکہ کے رؤسا سے ملے اور کہا: اگر یہ غلط ہوگا تو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تمہیں دے دیں گے، تمہیں اختیار ہوگا چاہو گے تو قتل کر دو گے، جب دیکھا گیا تو جو کچھ ابو طالب نے کہا تھا صحیح نکلا، انہیں جفا پیشہ میں کچھ ایسے بھی انسانیت دوست تھے، جو ابتدا ہی سے اسے ناپسند کرتے تھے، جیسے مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابو البختری بن ہاشم اور زہیر بن ابو امیہ، انہوں نے ابو طالب کا ساتھ دیا اور ظالموں کو لعنت و ملامت کی، پھر ہتھیار لگا کر شعب ابی طالب میں گئے، اور ان مظلوموں کو نکال لائے۔

پہلی محرم ۷ نبوی سے یہ مقاطعہ ۱۰ نبوی تک رہا[2] آج جب کہ پورا عرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکا ہے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار دیوانے ہمرکاب ہیں، خیف بنی کنانہ کے اس میدان میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نزول اجلال فرمانا، اس کا اعلان تھا کہ باطل مٹ کے رہتا ہے اور حق غالب ہو کر رہتا ہے۔

بنی عبدالمطلب

امام بخاری نے بہ طریق ابو الیمان شعیب سے جو روایت کی ہے اس میں راوی کو شک ہے، حضرت ابو ہریرہ نے بنی عبدالمطلب

---

[1] زرقانی علی المواہب، ج ۱ ص ۷۶　[2] عمدۃ القاری، ج ۹ ص ۲۲۰ بحوالہ ابن سعد

کہا تھا' یا بنی المطلب' بعد میں بہ طور استدراک سلامہ کی روایت ذکر کی جو عقیل اور یحییٰ بن الضحاک عن الاوزاعی ہے' اس میں دونوں نے بنی المطلب بلاشک کہا ہے' امام بخاری نے فرمایا: یہی اشبہ ہے' یعنی بالصواب' کیونکہ حضرت عبدالمطلب حضرت ہاشم کے صاحبزادے ہیں' تو جو بنی عبدالمطلب ہوں گے' وہ بنی ہاشم ضرور ہوں گے' اب بنی ہاشم کے بعد بنی المطلب کہنا توضیح کے سوا اور کچھ نہیں' مطلب ہاشم کے بھائی تھے' ان سے بھی نسل تھی' یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے حامی تھے' ان سے بھی مقاطعہ تھا' اس لیے بنی مطلب ہی زیادہ موزوں ہے۔

۹۴۵- ح: يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ [کعبہ کو دو چھوٹی پتلی پنڈلیوں والا برباد کرے گا]

۹۴۵ - عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کعبہ کو دو چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی پنڈلیوں والا حبشی برباد کرے گا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللّٰه تعالیٰ: جعل اللّٰه الكعبة البيت الحرام ص ۲۱۶' باب: هدم الكعبة ص ۲۱۷' مسلم۔ کتاب الفتن' نسائی۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۴۱۷)

سویقتین

"سُوَيْقَةٌ" کا تثنیہ ہے' یہ ساق کی تصغیر ہے' اس میں تاء تحقیر کے لیے ہے' تانیث کی نہیں' اس لیے کہ ساق خود مؤنث ہے' انسان کے اعضاء میں جو دو دو ہیں' سب مؤنث ہیں' سوائے "صدغٌ' حاجبٌ' مرفق' خدّ" کے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کا ترجمہ چھوٹی چھوٹی' پتلی پتلی پنڈلیوں والا کیا ہے' تاکہ صیغے کی تصغیر اور تاء کی تحقیر ظاہر ہو جائے' حبشیوں کی پنڈلیاں چھوٹی اور پتلی ہوتی ہیں' یہاں یہ بتانا ہے کہ یہ شخص کمزور وحقیر ہوگا' کعبہ کی تخریب اور بربادی کی احادیث بہ کثرت ہیں' جو متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں' بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے مقابلے کے لیے فوج بھیجیں گے' جو انہیں پسپا کرے گی' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ علامہ قرطبی نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اُٹھا لیا جائے گا' تب یہ ہوگا۔

مِنَ الحبشة

یہ حبش کی جمع ہے' اہل لغت نے کہا کہ "حبشةٌ" صحیح نہیں' احبش' حبشان صحیح ہے' کیونکہ "حبشةٌ" فعلۃ کے وزن پر ہے' اور اس وزن پر فاعل کی جمع آتی ہے' حابش کوئی کلمہ نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ ان لوگوں کی غلطی ہے' کیونکہ جب افصح العرب کے کلام میں وارد ہے تو اس کے صحیح ہونے بلکہ فصیح ہونے میں کیا کلام۔ حبشی' کوش بن حام بن نوح کی اولاد ہیں' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: حبشیوں میں خیر نہیں' بھوکے ہوں تو چوری کریں گے اور پیٹ بھرے ہوں گے تو بدکاری کریں گے۔ ان میں دو خوبیاں ہیں: کھانا کھلانا اور لڑائی میں جی جان سے لڑنا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۳۲)

مطابقت

یہاں باب کا عنوان یہ ہے: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: اللہ نے عزت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے لیے بقا کا سبب بنایا ہے اور عزت والے مہینے اور ہدی کو اور ان کے گلے کے ہار کو اور یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور بلاشبہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ (المائدہ: ۹۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وقت آئے گا کہ کعبہ جو بقا کا سبب ہے برباد ہوگا' اور زوال سبب مستلزم ہے' زوال مسبب کو تو جب کعبہ نہ رہے گا تو پھر عالم بھی باقی نہ رہے گا' اس کے بعد بہت جلد قیامت آ جائے گی۔

۹۴۶- ح: كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَاءَ [پہلے (لوگ) عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے]

۹۴۶ - عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَاءَ قَبْلَ اَنْ يُّفْرَضَ رَمَضَانُ وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُ فِيْهِ الْكَعْبَةُ فَلَمَّا فَرَضَ اللّٰهُ رَمَضَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّصُوْمَهُ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَآءَ اَنْ يَّتْرُكَهُ فَلْيَتْرُكْهُ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے لوگ عاشوراء کا روزہ رکھتے اور یہ وہ دن تھا کہ کعبہ کا پردہ بدلا جاتا تھا' جب اللہ نے رمضان کو فرض فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس دن روزہ رکھنا چاہے رکھے' اور جو اسے چھوڑنا چاہے چھوڑ دے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی: جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام ص ۲۱۷' کتاب الصوم باب: صیام یوم عاشوراء ص ۲۶۸' مسلم۔ کتاب الصوم' مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۲۴۴)

مطابقت باب میں جو آیۂ کریمہ مذکور ہے' اس میں کعبہ کو ''البیت الحرام'' عزت والا گھر فرمایا ہے' اس حدیث میں مذکور ہے کہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا' جو اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

یوم عاشوراء

یعنی محرم کی دسویں تاریخ قبل اسلام ہی سے ایک متبرک دن تھا' کیونکہ ایام جاہلیت میں بھی لوگ اس دن روزہ رکھتے تھے[1] جب اسلام آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا' یہ روزہ فرض تھا' یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنت تھا' رمضان کا روزہ فرض ہونے کے بعد اب اس پر اجماع ہے کہ مستحب ہے۔

تستر فيه الكعبة..... (کعبہ پر پردہ ڈالنے کی ابتداء)

کعبہ مقدسہ کی عظمت وجلالت کے اظہار کے لیے قدیم دستور ہے کہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا' سب سے پہلے کس نے چڑھایا؟ اس بارے میں اتنے اقوال ہیں کہ کسی ایک کی ترجیح اور سب میں تطبیق طول عمل ہے۔

(۱) امام محمد بن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے: تبع آخر تبان اسعد ابو کرب یمن کے بادشاہ نے سب سے پہلے چڑھایا' جو بت پرست تھا' یہ مکہ کی طرف چلا' عسفان اور امج کے درمیان اسے ہذیل بن مدرکہ کے کچھ آدمی ملے اور انہوں نے کہا: مکہ دولت کی کان ہے' اس کے ساتھ دو حبر تھے' انہوں نے تبع کو بتایا کہ یہ لوگ تمہیں تباہ کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ مکہ پر جس نے بھی چڑھائی کی' وہ ہلاک ہوگیا ہے' اس نے پوچھا: پھر میں کیا کروں؟ ان دونوں نے کہا: وہاں کے لوگ جو کرتے ہیں' تم بھی کرو' تبع مکہ معظمہ حاضر ہوا اور طواف کیا' سر منڈایا اور خوب قربانی کی' لوگوں کو کھلایا' چھ دن وہاں رہا' اس کو خواب میں دکھایا گیا کہ کعبہ پر غلاف چڑھائے' اس نے چمڑے کا غلاف ڈالا' پھر دکھایا گیا کہ اس سے بھی اچھا' تو اس نے معافر کا غلاف ڈالا' پھر دکھایا گیا کہ اس سے بھی اچھا' تو اس نے ملاء اور وصائل کا غلاف ڈالا (یہ سب اس زمانے کے کپڑوں کی قسمیں تھیں) ویسے ملاء دوہری چادر کو اور وصیلہ یمن کی ایک قسم کی دھاری دار چادر کو کہتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ یہ قصہ نو سو سال قبل اسلام کا ہے۔ ایک حدیث[2] میں ہے جو اگرچہ ضعیف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تبع کو برا مت کہو وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ ''مغایض الجوھر

[1] بخاری۔ ص ۲۵۴۔ باب: وجوب صوم رمضان [2] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۴۰

فی انساب حمیر ''میں ہے کہ تبع زبور کے مذہب پر تھا۔

(۲) امام ابوبکر بن ابوشیبہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے کعبہ پر غلاف عدنان بن ادو نے چڑھایا' بلاذری نے کہا کہ انہوں نے چمڑے کا غلاف چڑھایا تھا۔

(۳) محدث ابن بطال نے امام ابن جریج سے نقل کیا: بعض علماء کا گمان ہے کہ سب سے پہلے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے غلاف چڑھایا۔

امام واقدی نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں کعبہ پر چمڑے کے غلاف چڑھائے جاتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی کپڑوں کا غلاف چڑھایا' پھر حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے یمنی قسم کے ریشمی کپڑے کا چڑھایا' جسے قبطیہ کہا جاتا ہے' پھر حجاج نے دیبا کا غلاف چڑھایا۔ امام عبدالرزاق نے کہا کہ ابن جریج سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے خبر دی گئی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ قباطی کا غلاف چڑھایا کرتے تھے' اور بہت سے لوگوں نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہ قباطی اور یمنی سفید چادروں کا غلاف چڑھاتے تھے' اور سب سے پہلے دیبا کا غلاف عبدالملک بن مروان نے چڑھایا' اس وقت کے فقہاء نے اسے پسند فرمایا اور فرمایا: اس سے زیادہ مناسب اور کوئی غلاف نہیں۔ زبیر بن بکار نے کہا: سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر نے دیبا کا غلاف چڑھایا۔ امام دارقطنی نے مؤتلف میں لکھا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب بچپن میں غائب ہو گئے تھے تو ان کی والدہ نتیلہ بنت حیان نے منت مانی کہ میرا بچہ مل جائے گا تو کعبہ پر دیبا کا غلاف چڑھاؤں گی' ان کے ملنے پر انہوں نے سب سے پہلے دیبا کا غلاف چڑھایا' مگر یہ وقتی اور انفرادی بات تھی' دیبا کے غلاف چڑھانے کا سلسلہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے شروع کیا' پھر عبدالملک بن مروان نے اسے باقی رکھا اور یہی سلسلہ اب تک چلا آ رہا ہے۔ مصر کے عبیدیین رُقاض سفید دیبا کا غلاف چڑھاتے تھے' پھر سلطان محمود بن سبکتگین نے زرد دیبا کا غلاف چڑھایا' پھر ناصر عباسی نے ہرے دیبا کا' پھر سیاہ دیبا کا چڑھایا' اور اب یہی رنگ باقی ہے۔ سلطان صالح اسماعیل بن ناصر نے ۷۵۰ھ میں قاہرہ کے قریب ایک گاؤں غلاف کعبہ کے لیے وقف کیا' جس کی آمدنی سے غلاف تیار ہوتا رہا' اور اب نجدی اپنی حکومت کے صرفے سے تیار کرتے ہیں۔

۹۴۷- ح: لَيُحَجَّنَّ بَعْدَ خُرُوْجِ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ

[یاجوج اور ماجوج کے نکلنے کے بعد حج و عمرہ کیا جائے گا]

۹۴۷ - عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُحَجَّنَّ الْبَیْتُ وَلَیُعْتَمَرَنَّ بَعْدَ خُرُوْجِ یَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ شُعْبَةَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُحَجَّ الْبَیْتُ وَالْاَوَّلُ اَکْثَرُ وَقَالَ اَبُوْ عَبْدُ اللّٰهِ سَمِعَ قَتَادَةُ عَبْدَاللّٰهِ وَعَبْدُاللّٰهِ اَبَا سَعِیْدٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاجوج وماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا۔ اور عبدالرحمن نے شعبہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ ہے: جب تک بیت اللہ کا حج نہیں چھوڑا جائے گا قیامت نہیں آئے گی۔ (امام بخاری نے کہا:) پہلی روایت اکثر ہے اور ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: قتادہ نے عبداللہ سے اور عبداللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: قول اللہ تعالی: جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام ص ۲۱۲)

مطابقت

اس سے قبل گزر چکا کہ یہاں باب کا عنوان آیہ کریمہ: ''جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ'' اَلْاٰیه. (المائدہ:۹۷) ہے' اللہ نے عزت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا' اُسے لازم کہ جب تک کعبہ اور انسان رہیں گے' حج ہوتا رہے گا اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ قیامت تک حج ہوتا رہے گا' قیامت اس وقت آئے گی جب حج بند ہو جائے گا۔

والاول الاکثر

امام بخاری کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہی ہے' یہ جو فرمایا کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد بھی حج وعمرہ ہوتے رہیں گے' اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ قیامت تک حج وعمرہ بند نہ ہوں گے' مگر پہلی روایت اکثر راویوں سے مروی ہے' دونوں روایتیں قتادہ سے مروی ہیں' مگر دوسری صرف شعبہ نے روایت کی ہے' قتادہ کے دوسرے تلامذہ نے یہ الفاظ نہیں روایت کیے اور پہلی روایت قتادہ کے متعدد تلامذہ سے مروی ہے۔

قتادہ مدلس ہے' اور مدلس کا عنعنہ امام بخاری کے یہاں مقبول نہیں' جب تک کہ سماع ثابت نہ ہو' اور اس حدیث کی سند میں عنعنہ ہے' اس کے لیے امام بخاری نے فرمایا کہ قتادہ نے اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عتبہ سے حدیث سنی ہے اور انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

۹۴۸- ح: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَدَعَ فِيْهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ اِلَّا قَسَمْتُهٗ

[میں نے ارادہ کر لیا کہ اس میں جتنا زرد اور سفید ہے سب کو بانٹ دوں گا]

۹۴۸- عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ جَلَسْتُ مَعَ شَيْبَةَ عَلَى الْكُرْسِيِّ فِي الْكَعْبَةِ فَقَالَ لَقَدْ جَلَسَ هٰذَا الْمَجْلِسَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَدَعَ فِيْهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ اِلَّا قَسَمْتُهٗ قُلْتُ اِنَّ صَاحِبَيْكَ لَمْ يَفْعَلَا قَالَ هُمَا الْمَرْءَ انِ اَقْتَدِيْ بِهِمَا.

حضرت ابووائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں شیبہ کے ساتھ کرسی پر کعبہ میں بیٹھا' تو شیبہ نے کہا: یہاں عمر بیٹھے' اور فرمایا: میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس میں جتنا زرد اور سفید ہے سب کو بانٹ دوں۔ میں نے کہا: آپ کے دو ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا' تو فرمایا: ان دونوں کی میں بھی اقتداء کروں گا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: کسوۃ الکعبۃ ص۲۱۷' ج۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: الاقتداء لسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۰۸۰' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج۳ ص۴۱۰)

زمانہ جاہلیت میں لوگ نقد سونا چاندی کعبہ پر نذر کرتے تھے' جو کعبہ میں جمع رہتی تھی۔ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ یہ جو کچھ جمع ہے' میں اس کو تقسیم کر دوں تو حضرت شیبہ نے وہ کہا۔

مطابقت..... (کعبہ کے غلاف اور نذرانے کا حکم)

اس حدیث پر یہ باب ہے: کعبہ کے لباس کا بیان: اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا حکم کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس کے غلاف کا کیا حکم ہے؟ آیا اسے کعبہ پر رہنے دیا جائے یا اسے اُتار کر فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دیا جائے؟ ان دونوں معنوں میں سے کسی کے ساتھ حدیث کو مطابقت نہیں۔ علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا: اس حدیث کے بعض طرق میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''لا اخرج حتی اقسم مال الکعبۃ'' میں اس وقت تک باہر نہیں جاؤں گا جب تک کعبہ کا مال

تقسیم نہ کرلوں گا۔ اور مال کا اطلاق لباس پر خود حدیث میں آیا ہے‘ ارشاد ہے: ”هل لك من مالك الا ما لبست فابليت او تصدقت فامضيت“[1] تیرے لیے صرف وہ ہے جو تو نے پہنا اور پرانا کرلیا‘ آخر حدیث تک۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک اندر جو جمع ہے اور باہر جو غلاف ہے‘ سب کو تقسیم نہ کرلوں گا‘ یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اب باب کے دونوں اجزاء سے مطابقت ہوگئی۔ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کعبہ پر غلاف ڈالنا جائز ہے‘ کیونکہ اگر جائز نہ ہوتا تو وہ کعبہ کا مال نہ ہوتا۔ ڈالنے والے کی مِلک رہتا۔ اور یہ بھی کہ خلیفۃ المسلمین سلطان اسلام کو یہ حق حاصل ہے کہ کعبہ کے پرانے غلاف فقراء و مساکین کو دے دے اور یہ امام بخاری کی عادت معلوم ہے کہ وہ بہت ایسا کرتے ہیں کہ باب کے ضمن میں جن الفاظ سے حدیث درج کرتے ہیں‘ وہ باب کے مناسب نہیں ہوتی‘ مگر دوسرے طرق سے جو الفاظ مروی ہوتے ہیں‘ ان سے مطابقت ہوجاتی ہے۔

۹۴۹- ح: كَاَنِّیْ بِهٖ اَسْوَدُ اَفْحَجُ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا

[ٹانگیں پھیلا کر چلنے والے کو دیکھ رہا ہوں جو (کعبہ کے) ایک ایک پتھر کو اکھاڑے گا]

۹۴۹- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَاَنِّيْ بِهٖ اَسْوَدَ اَفْحَجَ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گویا کہ میں ٹانگیں پھیلا کر چلنے والے حبشی کو دیکھ رہا ہوں جو کعبہ کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑے گا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: هدم الكعبة ص ۲۱۷)

بِهٖ

اس ضمیر کا مرجع یا تو بیت اللہ ہے اور قرینہ حالیہ ہے اور متعلق ہے‘ ملتبس محذوف کے‘ یا اس کا مرجع قلع ہے‘ اس پر بھی قرینہ حالیہ ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ یہ ضمیر مبہم ہے۔ بعد کا جملہ اس کی تفسیر اور تمیز ہے‘ جیسے آیۂ کریمہ ”فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ“ (البقرہ:۲۹) میں ”هُنَّ“ ہے۔ اس حدیث کا اگلا حصہ محذوف ہے‘ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے‘ جسے ابو عبیدہ نے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کعبہ کا زیادہ سے زیادہ طواف کرو‘ قبل اس کے کہ تمہارے اور کعبہ کے مابین کچھ حائل ہوجائے۔ گویا میں اس حبشی گنجے یا چپٹے سر‘ کھرچی ہوئی پنڈلیوں والے کو دیکھ رہا ہوں جو اس پر بیٹھا اور اسے ڈھا رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۳۸)

۹۵۰- ح: اَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ

[تو ایک پتھر ہے‘ نہ نقصان دے سکتا ہے نہ نفع]

۹۵۰- عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ جَآءَ اِلَى الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّيْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ.

حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دیا‘ پھر کہا: میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھے ہوتا کہ وہ تیرا بوسہ لیتے تھے تو میں بھی تیرا بوسہ نہ لیتا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما ذكر فى الحجر الاسود ص ۲۱۷‘ باب: الرمل فى الحج والعمرة ص ۲۱۸‘ مسلم۔ کتاب الحج‘ ابوداؤد۔ کتاب المناسک‘ ترمذی۔ کتاب الحج‘ نسائی‘ ابن ماجہ‘ دارمی۔ کتاب المناسک‘ موطا امام مالک۔ کتاب الحج‘ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۶)

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۴۰۷

حجر اسود نفع بھی دیتا ہے اور ضرر بھی

یہ حدیث مختلف الفاظ اور کچھ زیادتی اور کمی کے ساتھ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عروہ، حضرت اسلم، حضرت عبداللہ بن سرجس، سوید بن غفلہ، عابس بن ربیعہ سے مروی ہے۔ امام حاکم[1] نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، انہوں نے جب طواف کرنا چاہا تو حجر اسود کی طرف منہ کیا اور فرمایا: میں قطعی طور پر جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو نقصان پہنچاتا ہے نہ فائدہ۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھے ہوتا تو تیرا بوسہ نہ لیتا۔ یہ کہہ کر اس کا بوسہ لیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! بلاشبہ یہ ضرر بھی دیتا ہے اور نفع بھی پہنچاتا ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: کیسے؟ تو فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ قیامت کے دن حجر اسود کو لایا جائے گا اور اس کی شستہ زبان ہوگی، جس نے اس کو توحید کے ساتھ بوسہ دیا ہے، اس کے بارے میں گواہی دے گا۔ اس لیے امیر المومنین وہ ضرر بھی دیتا ہے اور نفع بھی۔ اب حضرت عمر نے فرمایا: اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی قسم سے جس میں ابوالحسن تم نہ ہو۔

اسے ارزقی نے تاریخ مکہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے اخیر کے الفاظ یہ ہیں:

اعوذ باللہ ان اعیش فی قوم لست فیھم. میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی قوم میں زندگی گزاروں جس میں تم نہ ہو۔

اس حدیث کے ایک راوی ابوہارون عمارہ بن جوین ضعیف ہیں، مگر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے نافع اور ضار ہونے کی دلیل میں جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ امام احمد،[2] امام ابن ماجہ،[3] امام دارمی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واللہ! قیامت کے دن اللہ عزوجل حجر اسود کو اس طرح اُٹھائے گا کہ اس کی آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے کلام کرے گا جس نے حق کے ساتھ اسے بوسہ دیا ہے، اس کے لیے گواہی دے گا۔

امام احمد،[4] امام ترمذی[5] نے میں انہیں سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: حجر اسود جب جنت سے آیا تھا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ مسند امام احمد میں ہے کہ اہل شرک کے گناہوں نے۔ مسند امام احمد[6] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں ارکان (رکن یمانی و رکن حجر اسود) کا چومنا گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ حجر اسود نفع دیتا ہے جس نے ایمان کے ساتھ اس کا بوسہ لیا ہے، اس کے حق میں قیامت کے دن گواہی دے گا، کیا یہ معمولی نفع ہے؟ بوسہ دینے والوں کے گناہوں کو مٹاتا ہے، کیا یہ نفع پہنچانا نہیں؟

ابن ماجہ[7] میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

---

1. عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۴۰
2. مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۳۰۷
3. ابن ماجہ۔ ص ۲۱۲۔ کتاب المناسک۔ باب: استلام الحجر
4. مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۳۰۷۔ ۳۲۹
5. ترمذی۔ ص ۱۰۷۔ کتاب الحج۔ باب: فی فضل الحجر الاسود
6. مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۔ ۱۱
7. ابن ماجہ۔ ص ۲۱۸۔ کتاب المناسک۔ باب: فضل الطواف

مَنْ فَاوَضَهُ فَإِنَّمَا يُفَاوِضُ يَدَ الرَّحْمٰنِ. جس نے اس کا بوسہ لیا وہ رحمٰن کے ید قدرت کا بوسہ لیتا ہے۔

امام ابوعبید' غریب الحدیث میں[1] اور جندی فضائل مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رکن اسود یقیناً زمین میں اللہ عزوجل کا ید رحمت ہے (اس کے ذریعہ) اللہ اپنے بندوں سے مصافحہ فرماتا ہے جیسے ایک شخص اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔

نیز حکم بن ابان عن عکرمہ عن ابن عباس کی حدیث میں ہے: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہیں پائی' اور حجر اسود کا بوسہ لے لیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول سے بیعت کی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۴۰)

کیا ایک بندے کے لیے اس سے بڑی سعادت اور کچھ ہوسکتی ہے اور کیا یہ نفع پہنچانا نہیں؟ رہ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد اس کی توجیہ یہ ہے کہ انہیں یہ حدیثیں نہیں پہنچی تھیں اور ابھی لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے' اور بت پرستی سے قریب العہد تھے۔ عہد جاہلیت میں بتوں کے بارے میں یہ اعتقاد تھا کہ یہ مستقل بالذات نافع اور ضار ہیں' اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں یہی اعتقاد بد حجر اسود کے بارے میں مسلمانوں میں نہ پیدا ہو جائے۔ اس کے ازالے کے لیے وہ فرمایا' مگر جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتایا تو تسلیم فرمالیا' اس لیے اب ان کے اس ارشاد کو دلیل بنا کر یہ کہنا کہ حجر اسود نفع ضرر نہیں پہنچاتا' درست نہیں۔

افادہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ اُمتی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا اتباع لازم ہے' اگرچہ اس کی علت اور سبب معلوم نہ ہو۔ اسی میں سلامتی ہے' بلکہ ہر حکم شرعی کی علت معلوم کرنے کی کوشش آدمی کو گمراہ بھی کرسکتی ہے' جب انسان اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور عمل کی کُنہ جاننے کی عادت ڈال لے گا تو اگر کچھ ارشادات و اعمال کی کُنہ نہ جان سکے گا تو اس میں اسے شک اور تردد ہوسکتا ہے اور یہی گمراہی کی بنیاد ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کی باتوں کی کُنہ جاننے سے عاجز ہے' پھر وہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کی کُنہ بھی ضرور جان لے' یہ ممکن نہیں۔ ہمارا کام صرف اطاعت اور اتباع ہے' اسباب اور کُنہ جاننے کے نہ ہم مکلف ہیں اور نہ یہ ہمارے بس میں ہے۔

احکام

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے' اگر بھیڑ کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکے تو اس پر ہاتھ رکھ کر ہاتھ کو بوسہ دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کی طرف اشارہ کرکے ہاتھ کو چوم لے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا: حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کعبہ مقدسہ کے دوسرے حصوں کو بھی بوسہ دینا حسن ہے۔ علامہ زین الدین استاذ علامہ عینی نے فرمایا: اماکن شریفہ اور صلحاء مشائخ کے ہاتھ اور پاؤں بہ نیت تبرک چومنا بھی حسن ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی مبارک ناف پر بوسہ دیا تھا۔ لائیے! ابھی اسے بوسہ دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ان کی آل سے برکت حاصل کرنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ نے ان کی مبارک ناف کا بوسہ لیا۔

حضرت ثابت بنانی' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا دست مبارک پکڑ کر چھوڑتے نہیں تھے' جب تک اسے بوسہ نہ دے لیتے' کہتے: یہ

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۴۰

ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک چھوا ہے۔

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پُر انوار اور منبرِ اقدس کو بوسہ دینا کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں! حضرت امام احمد نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کُرتا دھو کر اس کا پانی پیا' جب اہلِ علم کی تعظیم کا یہ حال ہے تو صحابہ کرام کے مزارات (ہمارے نزدیک جو عینی کا نسخہ ہے اس میں مقادیر الصحابہ ہے' غالباً یہ کاتب کی غلطی ہے' اس کے کوئی معنی نہیں' صحیح مقابر ہے۔ منہ) اور انبیاء کرام کے آثار کی تعظیم و تکریم کیوں ممنوع ہوگی۔ مجنوں نے لیلیٰ کے بارے میں کتنا اچھا کہا ہے:

امر علی الدیار دیار لیلی	میں لیلیٰ کے دیار میں گزرتا ہوں
اقبل ذا الجدار و ذاالجدار	تو اس دیوار کو اور اُس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں
وما حب الدیار شغفن قلبی	ان دیار کی عمارتوں نے میرا دل نہیں لبھایا ہے
ولکن حب من سکن الدیار	میرے دل کو اس نے لبھایا ہے جو ان دیار میں رہتا ہے

امام محب الطبری نے فرمایا: حجر اسود اور رکن یمانی کے بوسے سے مستنبط کیا جاتا ہے کہ جس کے بوسہ دینے میں اللہ کی تعظیم ہے اس کو بوسہ دینا جائز ہے' کیونکہ اگر اس کے مندوب ہونے پر کوئی حدیث نہیں آئی ہے تو کراہت کی بھی کوئی حدیث نہیں' میں نے اپنے جد کریم محمد بن ابوبکر کی بعض تعلیقات میں دیکھا ہے کہ انہوں نے امام ابوعبداللہ محمد بن ابوالصیف سے نقل کیا کہ انہوں نے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ جب قرآن مجید دیکھتے تو اسے بوسہ دیتے۔ جب حدیث کے اجزاء دیکھتے تو بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبریں دیکھتے تو بوسہ دیتے' جس میں اللہ کی تعظیم ہو اسے بوسہ دینے میں کچھ بعد نہیں۔ واللہ اعلم! (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۲۴۱)

اقول وباللہ التوفیق! ایسے افراد' ایسے مقامات' ایسی چیزوں کی تعظیم و تکریم جو اللہ عزوجل کے محبوب اور اس کے پسندیدہ و منتخب ہیں' حقیقت میں اللہ عزوجل ہی کی تعظیم ہے کیونکہ ان کی تعظیم و تکریم صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے محبوب اور اس کے منتخب ہیں تو یہ تعظیم اللہ عزوجل کے حسن انتخاب کی ہوئی۔ اور یہ بلاشبہ اللہ عزوجل ہی کی تعظیم ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ. اللہ نے جن چیزوں کو محترم کیا ہے جو ان کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے حضور بہتر ہے۔ (الحج:۳۱)

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ. اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری ہے۔ (الحج:۳۲)

بزرگانِ دین کے مزاراتِ طیبہ سے جو روحانی و جسمانی فیوض لوگوں کو پہنچتے ہیں' وہ اس کی دلیل ہیں کہ یہ کسی اللہ عزوجل کے محبوب بندے کا مزار ہے اور اس کی دلیل ہے کہ جب بندے میں محیر العقول تصرف ہے تو جس معبودِ برحق کے یہ محبوب ہیں جس کی عطاء و دین سے انہیں یہ قوت حاصل ہے' وہ کتنی عظیم قدرت والا ہوگا۔ اسی علاقے سے بزرگانِ دین اور ان کے مزاراتِ طیبہ بلاشبہہ اللہ عزوجل کے شعائر سے ہیں۔

مزارات کے بوسہ کا حکم

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا: قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہیے[1] بعض علماء اجازت دیتے ہیں اور بعض روایات بھی نقل کرتے ہیں' کشف الغطا میں ہے: در کفایۃ الشعبی اثرے در تجویز بوسۂ قبر والدین را نقل کردہ و گفتہ دریں حالات لاباس

[1] فتاویٰ رضویہ۔ ج۴ ص۱۳۴

بہ است۔ وشیخ اجل در شرح مشکوۃ بورود آں در بعضے اشارت کردہ بے تعرض بجرح آں۔ (کفایۃ الشعبی میں ''ایک اثر'' والدین کی قبر کے بوسہ دینے کے جائز ہونے کے بارے میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ اور شیخ اجل نے شرح مشکوۃ میں ان بعض کے ورود کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس پر جرح کے تعرض کے بغیر) مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں' تو اس سے احتراز ہی چاہیے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے: مسح نہ کند قبر را بدست و بوسہ نہ دہد آں را (قبر پر ہاتھ نہ پھیرے اور بوسہ نہ دے)۔ کشف الغطا میں ہے: ''کذلك في عامة الكتب''۔ مدارج النبوۃ میں ہے: ''در بوسہ قبر والدین روایت فقہی می کنند و صحیح آنست کہ لا یجوز است''[1] (والدین کی قبر کو بوسہ دینے کے بارے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں)۔

اور عوام کے سامنے تو ہرگز ہرگز نہ چاہیے' کیونکہ وہ اپنی کم عقلی سے کہیں سجدہ نہ سمجھنے لگیں یا سجدہ کرنے لگیں' یا غلط پروپیگنڈہ کریں کہ فلاں قبر کو سجدہ کرتا تھا۔

ت ۳۰۰ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَحُجُّ كَثِيرًا وَّلَا يَدْخُلُ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج بہت کرتے تھے اور کعبہ کے اندر نہیں جاتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من لم يدخل الكعبة ص ۲۱۷)

حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے

اس اثر کو حضرت سفیان ثوری نے اپنی جامع میں سند متصل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ یہ اس کے معارض نہیں جو کتاب الصلوۃ میں گزرا کہ حضرت ابن عمر جب کعبہ میں داخل ہوتے۔ (الحدیث) اکثر یہی ہوتا ہے کہ اندر نہ جاتے' کبھی کبھار جاتے بھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ اندر تشریف لے گئے مگر حجۃ الوداع میں جانے کی کوئی روایت نہیں۔ علماء نے یہی لکھا ہے' مگر ابوداؤد[2] اور ترمذی[3] اور ابن خزیمہ اور حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے خوش و خرم باہر تشریف لے گئے اور جب لوٹے تو غمگین تھے۔ اور فرمایا: میں کعبہ کے اندر گیا' مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے اپنی امت کو مشقت میں ڈال دیا' اور ام المومنین صرف حجۃ الوداع میں ساتھ تھیں' فتح مکہ میں ساتھ نہ تھیں۔ امام بیہقی نے اس پر جزم فرمایا اور یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ قصہ وہی فتح مکہ کا ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مدینہ طیبہ آکر بیان فرمایا ہو' ظاہر کے خلاف ہے۔ اور اب تو نجدی حکومت نے عوام پر کعبہ بند ہی کر دیا۔

۹۵۱- ح: اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا' پھر بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھی]

۹۵۱ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَهُ مَنْ يَّسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَقَالَ لَهُ

حضرت عبداللہ بن ابن اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ فرمایا' تو بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور حضور کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو حضور کو لوگوں

---

[1] فتاوی رضویہ۔ ج ۴ ص ۱۸۰
[2] ابوداؤد۔ ص ۲۷۷۔ کتاب المناسک۔ باب: الصلوٰة في الكعبة
[3] ترمذی۔ ص ۱۰۶۔ باب: في دخول الكعبة

رَجُلٌ اَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ قَالَ لَا۔

سے چھپائے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تھے؟ تو بتایا کہ نہیں!

(بخاری۔ باب: من لم یدخل الکعبۃ ص ۲۱۷، ابواب العمرۃ۔ باب: متی یحل المعتمر، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: عمرۃ القضاء ص ۶۱۰، ابوداود۔ کتاب المناسک، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۵۳)

یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے جو ۷ھ میں حضور اقدس ﷺ نے ادا فرمایا تھا اور یہ صاحب خود حضرت عبداللہ بن ابواوفی تھے۔ حضور اقدس ﷺ کی حفاظت کے لیے ساتھ ساتھ رہنے والوں میں خود حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس روایت میں سعی کا ذکر نہیں، مگر ابواب العمرہ کی روایت میں ہے۔ اس موقع پر حضور اقدس ﷺ کعبہ میں نہیں گئے، کیونکہ اس میں تصویریں تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام تصویروں کو مٹا دو۔ انہوں نے کپڑا بھگو کر سب کو مٹا دیا، اس کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے۔ (مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۳۹۶)

۹۵۲- ح: اَبٰى اَنْ يَّدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيْهِ الْاٰلِهَةُ

[آپ (ﷺ) نے اس حالت میں بیت اللہ کے اندر جانے سے انکار کیا کہ اس میں معبودان باطلہ ہوں]

۹۵۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ اَبٰى اَنْ يَّدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيْهِ الْاٰلِهَةُ فَاَمَرَ بِهَا فَاُخْرِجَتْ فَاَخْرَجُوْا صُوْرَةَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فِيْ اَيْدِيْهِمَا الْاَزْلَامُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَقْسِمَا بِهَا قَطُّ فَدَخَلَ الْبَيْتَ فَكَبَّرَ فِيْ نَوَاحِيْهِ وَلَمْ يُصَلِّ فِيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو بیت اللہ کے اندر اس حالت میں جانے سے انکار کر دیا کہ اس میں معبودانِ باطل موجود ہیں، ان کے نکالے جانے کا حکم صادر فرمایا، لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں نکالیں، ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ مشرکین کو مار ڈالے۔ سنو! بخدا یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے ان تیروں سے کبھی فال نہیں نکالی ہے، اس کے بعد بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اس کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور اس میں نماز نہیں پڑھی۔

(کتاب المناسک۔ باب: من کبر فی نواحی الکعبۃ ص ۲۱۸، کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا ص ۴۷۳، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح ص ۶۱۴، مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۷۷)

کتاب الانبیاء کی ایک روایت میں یہ ہے: ان تصویروں کے مٹائے جانے کا حکم دیا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے تو اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویر پائی تو فرمایا: سنو! یہ مشرکین سن چکے ہیں کہ فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویر ہو۔ یہ ابراہیم کی تصویر بنی ہوئی ہے اور انہیں پانسے سے کیا غرض۔

ازلام

"زلم" کی جمع ہے: تیر۔ مشرکین نے فال کے سات تیر بنا لیے تھے۔ ایک پر لکھا تھا: "نعم" دوسرے پر "لا" تیسرے پر

"منھم" چوتھے پر "من غیرھم" پانچویں پر "مُلصَق" چھٹے پر "اَلْعَقْل" ساتویں پر "فضل العقل"۔ یہ تیر کعبہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔ مشرکین جب کہیں جانے کا یا بیاہ کرنے کا ارادہ کرتے، یا انہیں اور بھی کوئی ضرورت ہوتی تو یہ خادم پانسہ پھینکتا، اگر "نعم" نکلتا تو وہ کام کرتے، اگر "لا" نکلتا تو نہیں کرتے اور اگر کسی کے نسب میں شک ہوتا تو اُن تین تیروں کا پانسہ پھینکتے جن پر "منھم، من غیرھم، مُلصَق" ہوتا، اگر "منھم" نکلتا تو کہتے: اس کا نسب درست ہے اور اگر "من غیرھم" نکلتا تو کہتے: یہ اس قوم کا نہیں اس کا حلیف ہے۔ اور اگر "ملصق" نکلتا تو کہتے کہ اس کا اس قوم سے نہ نسب ہے نہ اس کا حلیف ہے۔ اور اگر کوئی جرم کرتا اور اس میں اختلاف ہوتا کہ اس کی دیت (مالی تاوان) کس پر ہے؟ تو بقیہ دونوں تیروں سے کام لیتے۔ ایک فریق کو متعین کر کے پانسہ ڈالتے، اگر اس کے نام پر عقل والا تیر آ جاتا تو اس پر دیت لازم کر دیتے اور دوسرے فریق کو بری، اور اگر ان سے دیت کی پوری رقم وصول نہ ہوتی اور اختلاف ہوتا کہ کون ادا کرے؟ تو پھر "فضل العقل" والا تیر پھینکتے، جس کے نام پر گرتا وہ ادا کرتا۔[1] اس کی تفصیل میں اور بھی اقوال ہیں۔ میں نے تعارف کے لیے یہ ایک ذکر کر دیا ہے، یہ تو ہم پرستی تھی، جہالت تھی، بلکہ نسب اور دیت کے معاملے میں ظلم۔ اس لیے اسلام نے اسے سختی سے منع فرما دیا ہے، ارشاد ہے:

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ. (المائدہ:۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے پانسوں سے قسمت کا حال معلوم کرنا۔

قَدْ عَلِمُوْا

یعنی مشرکین کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام پانسے کے تیروں سے قسمت کا حال نہیں معلوم کیا کرتے تھے، یہ انہیں متوارث روایات کے ذریعہ معلوم تھا جو ان کے آباء و اجداد سے چلی آ رہی تھیں، یا جو لوگ دینِ ابراہیمی پر تھے ان کے ذریعہ۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے اور حضرت ابن عباس کے علم میں یہ بات نہیں آئی، اس لیے وہ کہہ رہے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی۔

۹۵۳- ح: وَهَنَتْهُمْ حُمّٰى يَثْرِبَ [جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا]

٩٥٣ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ اِنَّهٗ يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ وَقَدْ وَهَنَهُمْ حُمّٰى يَثْرِبَ فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْمُلُوا الْاَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ وَاَنْ يَّمْشُوْا مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ اَنْ يَّرْمُلُوا الْاَشْوَاطَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِبْقَاءُ عَلَيْهِمْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ (مکہ) آئے تو مشرکین نے کہا: تمہارے یہاں ایک وفد آ رہا ہے جنہیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تین پھیروں میں رمل کریں اور دونوں رکن کے درمیان معمول کے مطابق چلیں۔ لوگوں کی آسانی کے خیال سے تمام پھیروں میں رمل کا حکم نہیں فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: کیف کان بدء الرمل ص ۲۱۸، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: عمرۃ القضاء، ص ۶۱۰، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب المناسک)

یثرب

زمانۂ جاہلیت میں مدینہ طیبہ کا نام یثرب تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے بدل کر طیبہ رکھا، اب مدینہ کو یثرب کہنا منع ہے۔ بعض شعراء اب بھی یثرب کہہ دیتے ہیں، اگر کسی شعر میں ہو تو اسے طیبہ پڑھیں۔ حضور اقدس ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۹، ص ۱۴۷

قبل یہ شہر وبائی تھا، جب مہاجرین بیمار پڑ گئے تو حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کا بخار جحفہ منتقل کر دے تو یہ دار الشفاء بن گیا۔

ان یرملوا......(رمل اور اضطباع کی ابتداء)

رمل کے معنی ہیں: اکڑ کر سینہ تان کر معتاد رفتار اور دوڑنے کے درمیان شانہ ہلاتے ہوئے چلنا، اور یہ ہر اس طواف میں سنت ہے جس کے بعد سعی ہو، خواہ عمرے کا طواف ہو خواہ حج کا۔ اور یہ صرف تین ابتدائی پھیروں میں ہے، طواف کے بقیہ چار پھیروں میں نہیں ہے۔

ابوداؤد[1] میں ہے کہ نبی ﷺ نے عمرۃ القضاء میں جعرانہ سے عمرہ کیا تو بیت اللہ کے طواف میں لوگوں نے رمل کیا اور چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے کر کے بائیں کندھوں پر ڈال لیا، اسے اضطباع کہتے ہیں، اس کا مادہ ضبع ہے۔ باب افتعال میں جا کر اضطباع ہو گیا۔ افتعال کی تا کو فا کلمے کے ضاد ہونے کی وجہ سے طا سے بدل دیا۔ چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالی جائے گی۔ جس طواف میں رمل ہے اس میں اضطباع بھی مسنون ہے۔ قریش حطیم میں کعبہ کے شمال میں تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ اور صحابہ رکن یمانی سے آگے بڑھے اور ان کی نظروں سے اوجھل ہوئے تو انہوں نے یہ پھبتی کسی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہرن ہیں، رکنین سے کعبہ کے دونوں جنوبی گوشے مراد ہیں، غربی اور شرقی، پہلا رکن یمانی ہے اور دوسرا رکن اسود ہے، کبھی تغلیباً دونوں کو یمانیین بھی کہا جاتا ہے۔

۹۵۴- ح: يَخُبُّ ثَلَاثَةً مِّنَ السَّبْعِ [سات میں سے تین پھیروں میں دلکی دوڑتے]

۹۵۴- عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ إِذَا اسْتَلَمَ الرُّكْنَ الْأَسْوَدَ أَوَّلَ مَا يَطُوفُ يَخُبُّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ مِّنَ السَّبْعِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ آئے اور رکن اسود کا بوسہ لیا تو میں نے حضور کو دیکھا شروع طواف میں سات پھیروں میں سے تین پھیروں میں دلکی دوڑے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: استلام الحجر الاسود ص ۲۱۸، مسلم۔ کتاب الحج، نسائی۔ کتاب المناسک)

یَخُبُّ

"یَخُبُّ" کا مصدر "خَبٌّ" ہے، دوڑتے وقت گھوڑے کا کبھی اگلی ٹانگوں پر کھڑا ہونا کبھی پچھلی پر جسے دلکی چال کہتے ہیں، سنت یہی ہے کہ مسجد حرام میں جاتے ہی سب سے پہلے حجر اسود کا بوسہ لے اور طواف کرے اور اگر اس طواف کے بعد سعی بھی کرنی ہے تو اضطباع کے ساتھ طواف کرے اور تین پہلے پھیروں میں رمل بھی کرے، بعد کے چار پھیروں میں رمل نہ کرے، اس کے پہلے والی حدیث میں جو ہے کہ جب رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان ہوتے تو معمول کے مطابق چلتے، یہ عمرۃ القضا کا قصہ ہے اور منسوخ ہے۔ حجۃ الوداع میں حضور اقدس ﷺ نے پورے پھیرے میں رمل کیا، اضطباع اور رمل صرف تین طوافوں میں ہے، عمرے کے طواف میں اور طواف قدوم میں جبکہ اس کے بعد سعی کی نیت ہو، اگر اس طواف کے بعد سعی کرے گا تو طواف افاضہ میں سعی ساقط ہو جائے گی اور اگر اس وقت سعی نہ کی تو طواف افاضہ کے بعد سعی کرے، اب اس طواف میں بھی اضطباع اور رمل ہے۔

---

[1] ابوداؤد ص ۲۵۹۔ کتاب المناسک۔ باب: الاضطباع فی الطواف

۹۵۵- ح: سَعٰی ثَلَاثَةَ اَشْوَاطٍ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین پھیروں میں سعی اور رمل کیا]

۹۵۵ - عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَعَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَشْوَاطٍ وَّمَشٰی اَرْبَعَةً فِی الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (طواف کے) تین پھیروں میں سعی اور رمل فرمایا اور چار میں معمول کے مطابق چلے، حج میں بھی اور عمرے میں بھی۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: الرمل فی الحج والعمرۃ ص۲۱۸)

اس حدیث کی سند میں ابتداء میں محمد بلانسبت ہے۔ امام بخاری کے شیوخ میں محمد نام کے چار افراد ہیں، ایک محمد بن یحییٰ ذہلی۔ امام حاکم نے فرمایا: یہی مراد ہیں۔ دوسرے محمد بن رافع، جبائی نے یہ حکایت کی کہ یہ مراد ہیں۔ تیسرے محمد بن سلام، ابوعلی، ابن السکن نے حکایت کی کہ یہ مراد ہیں۔ چوتھے محمد بن عبداللہ بن نمیر، ابونعیم نے مستخرج میں نقل کیا کہ یہ مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ محمد بن سلام ہیں۔ ابوذر کے نسخے میں نسبت کے ساتھ ہے اور ابن السکن نے اسے نقل کیا ہے۔ سند میں اس قسم کا ابہام بھی عیب ہے، جسے تدلیس کہتے ہیں، مگر یہاں اس کا امکان ہے کہ امام بخاری نے یہ حدیث ان چاروں سے سنی ہو اس لیے کوئی حرج نہیں۔

۹۵۶- ح: اِنِّی لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ

[مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دیتا ہے اور نہ ہی ضرر دیتا ہے]

۹۵٦ - اَخْبَرَنِیْ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِلرُّكْنِ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ قَالَ وَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ اِنَّمَا كُنَّا رَاَيْنَا بِهِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ شَیْءٌ صَنَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا نُحِبُّ اَنْ نَتْرُكَهٗ.

اسلم نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رکن کو مخاطب کر کے فرمایا: سن واللہ! میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع دیتا ہے نہ ضرر، اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھے بوسہ دیتے ہیں تو میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ یہ کہہ کر اسے بوسہ دیا، پھر فرمایا: ہمیں رمل کی کیا ضرورت! ہم نے مشرکین کو دکھایا تھا اور اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا: جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اس کے چھوڑنے کو ہم پسند نہیں کرتے۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: الرمل فی الحج والعمرۃ ص۲۱۸)

رأینا

باب مفاعلت سے ماضی مطلق کا صیغہ جمع متکلم ہے، اس کا مصدر "مراءاۃ" ہے جس کا مادہ رؤیت ہے، اس کا ترجمہ ہے: ہم نے دکھایا، یعنی ہم مشرکین کو دکھا رہے تھے کہ ہم قوی اور طاقت ور ہیں، کمزور نہیں۔ یہ امام قاضی عیاض کی رائے ہے، ابن مالک نے کہا کہ یہ "ریاء" سے ہے، یعنی ہم کمزور تھے مگر مشرکین کو رمل کر کے یہ دکھا رہے تھے کہ طاقتور ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہی طریق صواب پر ہے۔ اور اس خادم کی رائے یہ ہے کہ امام قاضی عیاض کی رائے اقرب الی الصواب ہے، کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام حقیقت میں کمزور نہیں تھے، اگر واقعی کمزور ہوتے تو قریش انہیں مکہ میں آنے دیتے؟ اور یہ حقیقت میں ریا نہیں جو ممنوع ہے کیونکہ ریا کے معنی یہ ہیں کہ بجائے رضائے الٰہی کے لوگوں کو دکھانے کے لیے کثرت سے عبادت کی جائے اور تنہائی میں کم یا خوب بنا سنوار کر کی

جائے اور تنہائی میں بے پروائی سے تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ بڑا عبادت گزار ہے اور یہاں یہ نہیں۔ یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے حکم سے اللہ کی رضا کے لیے اپنی قوت دکھا رہے تھے۔

۹۵۷- ح: مَا تَرَكْتُ اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ

[میں نے ان دونوں رکنوں کا بوسہ لینا نہیں چھوڑا]

۹۵۷- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَا تَرَكْتُ اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ فِي شِدَّةٍ وَّلَا رَخَاءٍ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا قُلْتُ لِنَافِعٍ اَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَمْشِي بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ قَالَ اِنَّمَا كَانَ يَمْشِي لِيَكُوْنَ اَيْسَرَ لِاسْتِلَامِهٖ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الرمل فی الحج والعمرۃ ص۲۱۸، مسلم، نسائی۔ کتاب الحج)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے سختی اور آسانی کی حالت میں ان دونوں رکنوں کا بوسہ لینا نہیں چھوڑا، جب سے رسول اللہ ﷺ کو ان کا بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ (عبید اللہ کہتے ہیں:) کہ میں نے نافع سے پوچھا: کیا ابن عمر دونوں رکنوں کے درمیان معمول کے مطابق چلتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا: ہاں! دونوں رکنوں کے درمیان معمول کے مطابق چلتے تھے تاکہ بوسہ لینے میں آسانی ہو۔

مطابقت

یہاں باب یہ ہے: حج اور عمرے دونوں میں رمل۔ اور حدیث میں رمل کا کوئی تذکرہ نہیں۔

اقول: اس حدیث کے اس جملے سے کہ ان دونوں رکنوں کے مابین معمول کے مطابق چلتے تھے۔ یہ معلوم ہوا کہ بقیہ حصوں میں معمول کے مطابق نہیں چلتے تھے، یہی رمل ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک یہی تھا کہ رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان رمل نہیں۔

۹۵۸- ح: يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ

[آپ (ﷺ) رکن کا اپنے عصا سے بوسہ لیتے]

۹۵۸- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے اونٹ پر سوار ہوتے ہوئے طواف فرمایا اور آپ رکن کا اپنے عصا سے بوسہ لیتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الرمل فی الحج والعمرۃ ص۲۱۸، باب: من اشار الی الرکن ص۲۱۹، باب: التکبیر عند الرکن ص۲۱۹، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

محجن

اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کا سرا ٹیڑھا ہو یا وہ خود ٹیڑھی ہو۔ حضور اقدس ﷺ نے سواری پر طواف فرمایا، اس کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے علیل رہے ہوں جیسا کہ ابوداؤد[1] میں ہے اور یہی وجہ وجیہ ہے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ سب لوگ دیکھیں اور جو پوچھنا چاہیں پوچھیں، جیسا کہ اسی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ لوگ حضور پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اگر سواری پر نہ ہوتے تو طواف دشوار تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر ہو تو سواری پر طواف درست ہے۔ یوں ہی بھیڑ کی وجہ سے اگر ہاتھ بھی حجر اسود تک نہ پہنچتا ہو تو لکڑی وغیرہ سے اسے مس کرکے لکڑی کو بوسہ دے، اسی میں حضرت ابن عباس ہی سے دوسری

[1] ابوداؤد ص۲۵۹۔ کتاب المناسک۔ باب: الطواف الواجب

روایت میں ہے کہ پھر عصا کو بوسہ دیتے' بلا عذر سواری پر طواف مکروہ ہے۔

ت ۱۰۳۱ - عَنْ اَبِی الشَّعْثَاءِ اَنَّهُ قَالَ وَمَنْ يَّتَّقِیْ شَيْئًا مِّنَ الْبَيْتِ وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَسْتَلِمُ الْاَرْكَانَ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِنَّهُ لَا نَسْتَلِمُ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ فَقَالَ لَهُ لَيْسَ شَيْءٌ مِّنَ الْبَيْتِ بِمَهْجُوْرٍ وَّكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْتَلِمُهُنَّ كُلَّهُنَّ. (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین ص۲۱۸)

ابوالشعثاء نے کہا: کون ہے جو بیت اللہ کے کسی حصہ سے پرہیز کرے اور معاویہ سب ارکان کو بوسہ دیتے تھے۔ اس پر ان سے حضرت ابن عباس نے کہا کہ ہم ان دونوں رکنوں (عراقی شامی) کو بوسہ نہیں دیتے' تو معاویہ نے ان سے کہا: بیت اللہ کا کوئی حصہ چھوڑنے کے لائق نہیں۔ اور ابن زبیر سب ارکان کو بوسہ دیتے تھے۔

استلام کے معنی پتھر چھونے اور اسے بوسہ دینے کے ہیں۔ اس کا مادہ ''سَلِمَةٌ'' ہے' جس کے معنی پتھر کے ہیں۔ استلام عام ہے اور تقبیل خاص ہے۔ استلام لکڑی یا ہاتھ سے چھونے کو بھی کہتے ہیں' کعبہ کے چار رکن یعنی کونے ہیں۔ شرقی جنوبی کو رکن اسود کہتے ہیں' اسی میں حجر اسود ہے۔ غربی جنوبی کو یمانی کبھی تغلیباً دونوں کو یمانیین کہا جاتا ہے۔ غربی شمالی کو شامی' شرقی شمالی کو عراقی' کبھی تغلیباً ان دونوں کو شامیین بھی کہہ دیتے ہیں' رکن اسود میں دو فضیلتیں ہیں' یہ قواعد ابراہیم پر بھی ہے اور اس میں حجر اسود بھی ہے' اس لیے اس کی تقبیل ہے اور ممکن نہ ہو تو استلام۔ رکن یمانی قواعد ابراہیم پر ہے' اس میں صرف ایک فضیلت ہے' اس لیے اس کا صرف استلام ہے۔ ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دے لے۔ تقبیل یا لکڑی سے چھونا نہیں۔ رکن عراقی اور شامی چونکہ حقیقت میں رکن نہیں بلکہ درمیان بیت اللہ پر ہیں' اس لیے نہ ان کا بوسہ لینا ہے اور نہ چھونا ہے' بلکہ مکروہ ہے۔

حضرت معاویہ کا مذہب یہی تھا کہ سب کو بوسہ دینا چاہیے' رہ گئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو چونکہ انہوں نے کعبہ کا وہ حصہ جو قریش نے حطیم میں چھ یا سات ہاتھ چھوڑ دیا تھا' کعبہ کی جدید تعمیر میں شامل کر کے رکن عراقی اور شامی کو بھی قواعد ابراہیم پر بنایا تھا' اس لیے اسے بھی وہ فضیلت مل گئی جو رکن یمانی کو حاصل تھی' اس لیے وہ ان دونوں ارکان کا بھی استلام کیا کرتے تھے۔

یہ دو تعلیقیں ہیں' پہلی ''بمهجور'' تک' اسے امام احمد اور امام ترمذی' امام حاکم نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعد والی کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔

۹۵۹- ح: رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ

[میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا استلام کرتے اور بوسہ لیتے دیکھا]

۹۵۹ - عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِیٍّ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ وَقَالَ قُلْتُ اَرَاَيْتَ اِنْ زُوْحِمْتُ اَرَاَيْتَ اِنْ غُلِبْتُ قَالَ اجْعَلْ اَرَاَيْتَ بِالْيَمَنِ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ.

زبیر بن عربی نے کہا: ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجر اسود کو بوسہ دینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا استلام کرتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور اس شخص نے کہا: فرمایئے! اگر میں بھیڑ میں پڑ جاؤں؟ فرمایئے! اگر میں دبا دیا جاؤں؟ تو فرمایا: ''اَرَاَيْتَ'' کو یمن میں رکھ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا استلام کرتے ہوئے اسے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: تقبیل الحجر ص۲۱۸۔۲۱۹ ترمذی۔ کتاب الحج نسائی۔ کتاب المناسک)

یہ سائل راوی حدیث زبیر بن عربی ہی تھے جیسا کہ مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے: "سالت ابن عمر" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ تھا کہ بہر حال حجر اسود کا بوسہ لیا جائے۔ یہ بوسہ لینے میں کبھی کبھی زخمی ہو جاتے مگر چھوڑتے نہ تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: بھیڑ ہو تو بوسہ نہ لے' اس کے لیے نہ کسی اور کو ایذاء دے اور نہ خود ایذاء اٹھائے۔

۹۶۰- ح: كُلَّمَا اَتَى الرُّكْنَ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب بھی رکن کے پاس آتے (تو ہاتھ میں کچھ ہوتا) اس سے اس کی طرف اشارہ کرتے]

۹۶۰- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ عَلٰى بَعِيْرٍ كُلَّمَا اَتَى الرُّكْنَ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ عِنْدَهُ وَكَبَّرَ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التکبیر عند الرکن ص ۲۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا' جب بھی رکن (اسود) کے پاس آتے تو حضور کے ہاتھ میں کچھ ہوتا' اس سے اس کی طرف اشارہ فرماتے اور تکبیر کہتے۔

یہ حدیث ابھی گزری ہے' وہاں عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے' یہاں عکرمہ سے' وہاں "بِمِحْجَن" کی تصریح ہے یہاں "بشيء" ابہام ہے' یہاں "كَبَّرَ" زائد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر طواف کے پھیرے پر تکبیر مستحب ہے۔

۹۶۱- ح: اَوَّلُ شَيْءٍ بَدَاَ بِهٖ اَنَّهُ تَوَضَّاَ ثُمَّ طَافَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سب سے پہلے وضو کیا' پھر طواف کیا]

۹۶۱- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ذَكَرْتُ لِعُرْوَةَ قَالَ فَاَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ بَدَاَ بِهٖ حِيْنَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ تَوَضَّاَ ثُمَّ طَافَ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً ثُمَّ حَجَّ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مِثْلَهُ ثُمَّ حَجَجْتُ مَعَ اَبِي الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَوَّلُ شَيْءٍ بَدَاَ بِهِ الطَّوَافُ ثُمَّ رَاَيْتُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارَ يَفْعَلُوْنَهُ وَقَدْ اَخْبَرَتْنِيْ اُمِّيْ اَنَّهَا اَهَلَّتْ هِيَ وَاُخْتُهَا وَالزُّبَيْرُ وَفُلَانٌ وَّفُلَانٌ بِعُمْرَةٍ فَلَمَّا مَسَحُوا الرُّكْنَ حَلُّوْا.

محمد بن عبد الرحمٰن نے کہا: میں نے عروہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ آئے تو سب سے پہلے وضو کیا' پھر طواف فرمایا' پھر یہ عمرہ نہ ہوا' اس کے بعد ابوبکر اور عمر نے حج کیا اسی طرح' پھر میں نے اپنے والد زبیر کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی سب سے پہلے طواف کیا' پھر مہاجرین اور انصار ایسا ہی کرتے تھے۔ میری ماں (حضرت اسماء) نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے اور ان کی بہن (عائشہ) اور زبیر اور فلاں اور فلاں نے عمرے کا احرام باندھا تو جب رکن چھو لیا تو احرام سے باہر ہو گئے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من طاف بالبیت اذا قدم مکة ص ۲۱۹)

ذَكَرْتُ لِعُرْوَةَ

عروہ سے کیا ذکر کیا' وہ بخاری میں نہیں' مگر مسلم میں مفصل مذکور ہے۔ محمد بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عراقی نے یہ کہا کہ عروہ سے یہ پوچھو کہ ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور وہ طواف کر چکا تو احرام سے باہر ہوا یا نہیں؟ اگر وہ یہ کہیں کہ باہر نہیں ہوا' تو ان سے کہو: ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے عروہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص حج کا احرام باندھے' وہ پورا حج ادا کیے بغیر احرام سے باہر نہ ہوگا۔ میں نے کہا: ایک شخص یہ کہتا ہے' تو انہوں نے فرمایا: اس نے غلط کہا۔ وہ عراقی میرے سامنے آیا اور پوچھا کہ

انہوں نے کیا فرمایا؟ میں نے اسے بتایا کہ وہ فرماتے ہیں کہ احرام سے باہر نہیں ہوا' تو اس نے کہا: ان سے کہو کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دیتا ہے کہ حضور نے یہ کیا اور اسماء اور عائشہ کا کیا حال ہے انہوں نے ایسا کیا۔ اب میں عروہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو بتایا' انہوں نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نہیں جانتا' فرمایا: وہ میرے پاس آ کر کیوں نہیں پوچھتا؟ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عراقی ہے۔ میں نے عرض کیا: میں نہیں جانتا۔ فرمایا: اس نے جھوٹ کہا' رسول اللہ ﷺ نے حج کیا' حضرت عائشہ نے خبر دی (پوری حدیث)۔ مسلم میں حضرت عثمان اور حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا اضافہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی سب سے پہلے طواف کیا اور جب تک پورا حج نہیں کر لیا احرام نہیں کھولا۔ اخیر میں یہ ہے: پھر میں نے اخیر میں جسے ایسا کرتے دیکھا ہے وہ ابن عمر ہیں۔ ابن عمر ان کے پاس ہیں' ان سے یا اور ان لوگوں سے جو پہلے کے ہیں۔ یہ کیوں نہیں پوچھتا' یہ سب لوگ جب مکہ میں قدم رکھتے تو سب سے پہلے طواف کرتے اور احرام نہیں کھولتے۔

وقد اخبرتني امي

اس حصے کا مطلب یہ ہے کہ ہاں جب صرف عمرے کا احرام باندھتے تو رکن کے مس کے بعد احرام سے باہر ہو جاتے۔ یہاں مس رکن سے مراد طواف سعی اور حلق سب ہے' کیونکہ یہ عادت مستمرہ تھی کہ یہ سب مسلسل کرتے وقفہ نہ ہوتا' اس لیے یہ عمرے سے فراغ سے کنایہ ہے۔

٩٦٢- ح: ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

[پھر دو رکعت نماز پڑھتے' پھر صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرتے]

٩٦٢ - عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعٰى ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ وَّمَشٰى اَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ آ کر حج یا عمرے میں جو پہلا طواف کرتے' اس میں تین طواف میں سعی کرتے اور چار میں معمول کے مطابق چلتے' اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے' پھر صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من طاف بالبيت اذا قدم مكة ص ۲۱۹)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ طواف کے بعد دو رکعت نماز واجب ہے۔ یہ نماز مقام ابراہیم کے پاس مشرق کی جانب پڑھے۔ نماز سے پہلے آیۂ کریمہ ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى'' (البقرہ: ۱۲۵) اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ پڑھے' بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ اگر طواف کے بعد سعی ہے تو ملتزم سے لپٹنے سے پہلے پڑھے ورنہ ملتزم سے لپٹنے کے بعد' اگر مقام ابراہیم کے پاس جگہ نہ ملے تو مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھ سکتا ہے' مقام ابراہیم کے بعد اس نماز کے لیے سب سے افضل جگہ کعبہ کے اندر ہے' پھر حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے پھر حطیم میں کسی بھی جگہ' پھر کعبہ کے قریب تر' پھر مسجد حرام پھر حدود حرم۔ سنت یہ ہے کہ اگر وقت کراہت نہ ہو تو طواف کے بعد بلا تاخیر بلا فصل پڑھے۔ اس کے بعد یہی حدیث ہے جس میں سعی کے بجائے ''يَخُبُّ'' ہے' سعی کے معنی دوڑنے کے ہیں اور ''خَبٌّ'' کے معنی ہلکی دوڑ لگانا ہے۔ دونوں کا حاصل ایک ہے یعنی رمل کرتے تھے۔ آخر میں یہ زائد ہے:

انه كان يسعى بطن المسيل اذا طاف بين

حضور اقدس ﷺ جب صفا اور مروہ کا طواف کرتے تو

نالے کے پیٹ میں دوڑتے۔

الصفا والمروۃ۔

صفا سفید رنگ کی ایک چھوٹی پہاڑی تھی اور مروہ سیاہ رنگ کی۔ ان دونوں کے بیچ میں نشیب تھا' اس نشیب میں بارش کا پانی بہتا تھا' اس کے دونوں کناروں کے اوپر سبز نشان لگائے ہوئے ہیں' جنہیں میلین اخضرین کہتے ہیں۔ ان میں مروہ کی جانب جو بازار کی سمت ہے یہاں پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔

۹۶۳- ح: اِذْ مَنَعَ ابْنُ هِشَامٍ النِّسَآءَ الطَّوَافَ مَعَ الرِّجَالِ

[جب ابن ہشام نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کر دیا]

۹۶۳ - اَخْبَرَنِیْ عَطَآءٌ اِذْ مَنَعَ ابْنُ هِشَامٍ النِّسَآءَ الطَّوَافَ مَعَ الرِّجَالِ قَالَ كَيْفَ تَمْنَعُهُنَّ وَقَدْ طَافَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الرِّجَالِ قُلْتُ بَعْدَ الْحِجَابِ اَوْ قَبْلُ قَالَ اِيْ لَعَمْرِيْ لَقَدْ اَدْرَكْتُهٗ بَعْدَ الْحِجَابِ قُلْتُ كَيْفَ يُخَالِطُهُنَّ الرِّجَالُ قَالَ لَمْ يَكُنَّ يُخَالِطُهُنَّ كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَطُوْفُ حَجْرَةً مِّنَ الرِّجَالِ لَا تُخَالِطُهُمْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ انْطَلِقِيْ نَسْتَلِمْ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتِ انْطَلِقِيْ عَنْكِ وَاَبَتْ يَخْرُجْنَ مُتَنَكِّرَاتٍ بِاللَّيْلِ فَيَطُفْنَ مَعَ الرِّجَالِ وَلٰكِنَّهُنَّ كُنَّ اِذَا دَخَلْنَ الْبَيْتَ قُمْنَ حِيْنَ يَدْخُلْنَ وَاُخْرِجَ الرِّجَالُ وَكُنْتُ اٰتِيْ عَائِشَةَ اَنَا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وَّهِيَ مُجَاوِرَةٌ فِيْ جَوْفِ ثَبِيْرٍ قُلْتُ وَمَا حِجَابُهَا قَالَ هِيَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ لَهَا غِشَاءٌ وَّمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذٰلِكَ وَرَاَيْتُ عَلَيْهَا دِرْعًا مُّوَرَّدًا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: طواف النساء مع الرجال ص ۲۱۹)

ابن جریج نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی کہ جب ابن ہشام نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا تو انہوں (عطاء) نے کہا: تو کیسے عورتوں کو روکتا ہے حالانکہ ازواجِ نبی ﷺ نے مردوں کے ساتھ طواف کیا ہے۔ میں نے پوچھا: حجاب کے بعد یا پہلے؟ فرمایا: مجھے اپنی جان کی قسم! میں نے حجاب کے بعد ہی کا زمانہ پایا ہے۔ میں نے کہا: مردان کے ساتھ کیسے ملے جلے رہتے؟ فرمایا: مردان کے ساتھ ملے جلے نہیں رہتے۔ حضرت عائشہ مردوں سے الگ رہ کر طواف کرتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک عورت نے عرض کیا: اے اُم المؤمنین! چلئے حجر اسود کو بوسہ لیں! تو فرمایا: تم جاؤ! اُم المؤمنین نے انکار کر دیا۔ ازواجِ مطہرات رات میں طواف کے لیے اس طرح جاتیں کہ پہچانی نہیں جاتیں اور مردوں کے ساتھ طواف کرتیں' ہاں! جب کعبہ کے اندر جانا چاہتیں تو باہر کھڑی رہتیں اور مرد نکال دیئے جاتے اور میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا' ساتھ میں عبید بن عمیر بھی ہوتے تھے اور وہ ثبیر پہاڑ کے اندر قیام پذیر تھیں۔ میں نے پوچھا: ان کا پردہ کیا تھا؟ فرمایا: وہ ترکی گول خیمے میں تھیں جس پر پردہ ٹنگا ہوا تھا' اس کے علاوہ ہمارے اور ان کے درمیان کچھ نہیں تھا' میں نے دیکھا کہ وہ گلابی رنگ کا پیرہن پہنے ہوئے تھیں۔

اس ابن ہشام سے مراد ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ہے' جو ہشام بن عبدالملک بادشاہ وقت کا ماموں تھا' جیسا کہ کلبی نے کہا ہے' اسے ہشام بادشاہ نے مدینہ طیبہ کا والی بنایا تھا' ہشام نے اسے امیر الحاج بنا دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں ابن ہشام سے اس کا بھائی محمد بن ہشام مراد ہے جو مکہ معظمہ کا والی تھا۔ فاکہی نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے روکا تھا۔ ایک شخص کو دیکھا کہ عورتوں کے ساتھ طواف کر رہا ہے تو اسے کوڑا مارا۔ ابن عیینہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جس نے عورتوں اور مردوں کو علیحدہ علیحدہ

طواف کا حکم دیا' وہ خالد بن عبداللہ قسری تھا جو عبدالملک بن مروان سفاک کے عہد میں مکہ کا حاکم تھا۔ کاش کہ اسی پر عمل درآمد رہا ہوتا تو بہت اچھا رہتا۔ طواف میں خصوصاً طواف زیارت میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ جانے کتنے کے حج کے مردود ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ ابتداء اسلام میں اتنی بھیڑ نہ تھی تو یہ آسان تھا کہ عورتیں مردوں کے گھیرے سے باہر رہ کر طواف کر سکیں۔ اب طواف زیارت میں تو وہ حال ہوتا ہے کہ مسجد حرام کے نیچے اوپر کے دونوں برآمدوں میں لوگ طواف کرتے ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند سیدی وسندی مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قدس سرہ جب پہلی بار ۶۶ھ/۴۶ء میں حج کے لیے حاضر ہوئے تھے تو علماء مکہ معظمہ سے مشورہ کے بعد نجدی حکومت کے سامنے یہ تجویز رکھی مگر منظور نہ ہوئی۔

اس وقت دستور یہی تھا کہ جب عورتیں کعبہ مقدسہ کے اندر جانا چاہتیں تو مردوں کو باہر کر دیا جاتا مگر بعد میں یہ پابندی ختم ہو گئی اور اب تو ایام حج میں سوائے نجدی حکومت کے افراد اور ان کے خصوصی مہمانوں کے کسی کو داخلہ نصیب ہی نہیں۔

انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ

٩٦٤- ح: رَبَطَ يَدَهُ اِلٰى اِنْسَانٍ بِسَيْرٍ اَوْ بِخَيْطٍ

[وہ اپنے ہاتھ کو دوسرے شخص کے ساتھ تسمے یا دھاگے سے باندھے ہوئے ہوتے]

٩٦٤ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ بِاِنْسَانٍ رَبَطَ يَدَهُ اِلٰى اِنْسَانٍ بِسَيْرٍ اَوْ بِخَيْطٍ اَوْ بِشَيْءٍ غَيْرِ ذٰلِكَ فَقَطَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ قُدْ بِيَدِهٖ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کرتے ہوئے ایک ایسے شخص پر گزرے جو چمڑے کے تسمے یا دھاگے یا کسی اور چیز سے اپنا ہاتھ دوسرے شخص کے ساتھ باندھے ہوئے (طواف کر رہا) تھا' تو حضور نے اسے کاٹ دیا' پھر فرمایا: اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر لے چل۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الکلام فی الطواف ص ۲۱۹' باب: اذا رأی سیرا او شیئا یکرہ فی الطواف ص ۲۲۰' ج ۲۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: النذر فیما لا یملک ص ۹۹۱۔ دو طریقوں سے' ابوداود۔ کتاب الایمان والنذور' نسائی۔ کتاب الایمان والنذور۔ کتاب الحج)

اس کے بعد والے باب میں اور کتاب الایمان والنذور کی پہلی روایت میں "بزمام او غیرہ" ہے اور دوسری روایت میں "بخزامة فی انفه" خزامہ اونٹ کی نکیل کو کہتے ہیں۔ سب روایات کا حاصل یہ نکلا کہ ایک اپنی ناک میں اونٹ کی طرح رسّی وغیرہ لگائے ہوئے تھا اور دوسرا اسے ہاتھ میں لیے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رائج تھا کہ وہ یہ منت مانا کرتے کہ اگر یہ کام ہو جائے گا تو اس طرح حج کریں گے۔ مسند امام احمد[1] میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے بتایا کہ ہم نے یہ منت مانی تھی کہ اسی طرح جڑے ہوئے کعبہ جائیں گے۔ فرمایا: الگ ہو جاؤ! یہ نذر نہیں' نذر وہ کام ہے جس سے اللہ کی رضا طلب کی جائے۔ طبرانی[2] میں ہے کہ بشر کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا مال اور اولاد واپس کر دیا' پھر دیکھا کہ یہ اور ان کے صاحبزادے طلق ایک رسّی میں بندھے ہوئے ہیں۔ دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ میرے مال اور اولاد کو واپس کر دے گا تو اسی طرح حج کروں گا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رسّی کاٹ دی اور فرمایا: تم دونوں حج کرو' یہ شیطان کا کام ہے۔

۱؎ مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۸۳ ۲؎ عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۳۰۴

احکام

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کرنے کی حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سنت ہے۔ ممنوع نہیں، دنیوی بات طواف میں ممنوع ہے۔ ہاں! بہ ضرورت بہ قدرِ ضرورت اجازت ہے۔ منت صرف طاعات کی ہوتی ہے، جو چیز شرعاً ممنوع ہو یا مباح ہو اس کی منت صحیح نہیں۔

ت ۳۰۲- وَقَالَ عَطَاءٌ فِيمَنْ يَطُوفُ فَتُقَامُ الصَّلٰوةُ أَوْ يُدْفَعُ عَنْ مَكَانِهِ إِذَا سَلَّمَ يَرْجِعُ حَيْثُ قُطِعَ عَلَيْهِ فَيَبْنِي وَيُذْكَرُ نَحْوُهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

اور امام عطاء نے کہا: کوئی طواف کر رہا ہے اور نماز ہونے لگی یا اپنی جگہ سے دھکیل دیا گیا تو سلام پھیرنے کے بعد لوٹے تو جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے کرے اور اسی کے مثل حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: اذا وقف فی الطواف ص ۲۲۰)

یہاں باب یہ ہے: جب طواف میں رُک جائے، یعنی مسلسل نہ کر سکے اور کچھ دیر رکنا پڑے خواہ شرعی ضرورت سے خواہ دنیوی ضرورت سے تو کیا کرے؟ اس باب کے مناسب امام بخاری کو کوئی حدیث نہیں ملی، اس لیے اقوال رجال سے کام لیا۔ امام عطاء کا قول ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ اثناء طواف اگر کوئی دینی یا دنیوی ضرورت درپیش ہو جو ناگزیر ہو تو طواف چھوڑ کر اسے پورا کرے، پھر جہاں سے طواف چھوڑا تھا، وہیں سے کرے، ابتداء سے نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طواف فاسد نہ ہوا، مثلاً نماز باجماعت شروع ہوئی یا کسی نے اسے ہٹا دیا۔ اسی کے مثل نماز جنازہ ہے اور فطری حوائج مثلاً پیشاب پاخانہ یا وضو ٹوٹ گیا۔ امام عطاء کے ارشاد کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ارشاد کو امام سعید بن منصور نے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے اس ارشاد کو امام عبدالرزاق استاذ الاستاذ امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔

ت ۳۰۳- وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي لِكُلِّ سُبُوعٍ رَكْعَتَيْنِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر سات پھیرے پر دو رکعت پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: صلی النبی ﷺ لسبوعہ رکعتین ص ۲۲۰)

اس اثر کو امام عبدالرزاق نے ذکر فرمایا ہے، اسی میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک طواف کو دوسرے کے ساتھ ملانے کو مکروہ جانتے تھے اور ہر سات پھیرے پر دو رکعت پڑھتے تھے، دو طوافوں کو ملاتے نہیں تھے۔

ت ۳۰۴- وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ قُلْتُ لِلزُّهْرِيِّ أَنَّ عَطَاءً يَقُولُ تُجْزِئُهُ الْمَكْتُوبَةُ مِنْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ فَقَالَ السُّنَّةُ أَفْضَلُ لَمْ يَطُفِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبُوعًا قَطُّ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

اور اسماعیل بن امیہ نے کہا: میں نے امام زہری سے کہا کہ عطاء کہتے ہیں کہ طواف کے دوگانے کے قائم مقام فرض نماز ہو جائے گی تو امام زہری نے فرمایا: سنت پر عمل کرنا افضل ہے، نبی ﷺ نے جب بھی طواف کے سات پھیرے پورے کیے تو دو رکعت پڑھی ہیں۔

(بخاری۔ باب: صلی النبی ﷺ لسبوعہ رکعتین ص ۲۲۰)

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا ہے، صحیح یہ ہے کہ طواف کی دوگانہ کے عوض فرائض کافی نہیں۔ امام زہری کے ارشاد سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے، کبھی ترک نہیں فرمایا اور مواظبت بلاترک

وجوب کی دلیل ہے۔ امام ابوالقاسم تمام بن محمد رازی نے اپنے فوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر طواف کے سات پھیروں پر دو رکعت مسنون فرمائی ہے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ سنت یہی جاری رہی کہ طواف کے ہر سات پھیرے پر دو رکعت ہے۔ ان کے عوض دوسری نفل نماز اور فرض کافی نہیں۔ نیز اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد[1] امام مسلم[2] نے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مقام ابراہیم پر پہنچے تو آیہ کریمہ: ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى'' (البقرہ:۱۲۵) تلاوت فرمائی' یعنی مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ' اور دو رکعت پڑھی۔ پہلی رکعت میں ''قل یا ایہا الکفرون'' (الکفرون:۱) اور دوسری میں ''قل ھو اللہ احد'' (اخلاص:۱) پڑھی' اس کے بعد رکن اسود کے پاس آئے' اس کا استلام کیا اور صفا کی جانب گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ نماز حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے تھی' اس آیت میں امر ہے جو وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ واجب ہے' مگر ان کا اصح قول یہ ہے کہ سنت ہے۔ علامہ زین الدین نے فرمایا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ طواف فرض میں واجب اور نفل میں سنت ہے۔

ت۳۰۵ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ وَطَافَ عُمَرُ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَرَكِبَ حَتّٰى صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ بِذِيْ طُوًى.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما طواف کا دوگانہ سورج نکلنے سے پہلے پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز صبح کے بعد طواف کیا اور سوار ہو گئے' حتیٰ کہ ذوطویٰ میں جا کر دو رکعتیں پڑھیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطواف بعد الصبح والعصر ص۲۲۰)

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جن اوقات میں نفل نمازیں مکروہ ہیں' ان میں طواف کا دوگانہ بھی مکروہ ہے' مثلاً صبح صادق سے سورج نکلنے کے بیس منٹ بعد تک' دوپہر میں ضحوہ کبریٰ سے زوال کے' نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہاں جو منقول ہے' اس کے معارض انہیں سے دوسری روایت بھی ہے۔ ابن منذر[3] نے نافع سے تخریج کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صبح صادق کے بعد طواف کرتے تو جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جاتا' طواف کا دوگانہ نہ پڑھتے اور جب عصر کے بعد طواف کرتے تو جب تک سورج ڈوب نہیں جاتا دوگانہ طواف نہ پڑھتے۔ شرح معانی الآثار[4] میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز صبح کے وقت آئے تو طواف کیا اور نماز نہیں پڑھی' مگر سورج نکلنے کے بعد' پھر ان سے بہ درجہا اعلم وافقہ ان کے والد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں' انہوں نے سورج نکلنے کے بعد ذوطویٰ میں جا کر پڑھی۔ اور کثیر صحابہ کرام ان کے ساتھ تھے۔ کسی نے اس پر انہیں ٹوکا نہیں۔ اس تعلیق کو امام مالک نے مؤطا میں اور امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں تخریج کیا ہے۔

مسند امام احمد[5] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں: ہم نماز صبح کے بعد طواف نہیں کرتے جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا اور نہ عصر کے بعد کرتے' جب تک سورج غروب نہ ہو جاتا۔ فرماتے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے۔ سنن سعید بن منصور میں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوسعید خدری کے بارے میں ہے کہ انہوں نے صبح کے بعد طواف کیا اور فارغ ہو کر بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ نماز ذوطویٰ میں آ کر پڑھی اور کثیر ہم راہ رہنے والے صحابہ نے اس پر سکوت فرمایا۔ یہ اس بات

۱۔ مسند امام احمد۔ ج۳ ص۳۲۰ ۲۔ مسلم۔ ج۱ ص۳۹۵۔ باب: حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۔ عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۲۷۹

۴۔ شرح معانی الآثار۔ ج۱ ص۲۳۶۔ کتاب المناسک۔ باب: الطواف بعد الصبح والعصر ۵۔ مسند امام احمد۔ ج۳ ص۳۹۳

کی دلیل ہے کہ یہ نماز مسجد حرام کے باہر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

۹۶۵- ح: طَافُوْا بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامُوْا يُصَلُّوْنَ

[صبح کی نماز کے بعد طواف کیا، جب سورج نکل آیا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھی]

۹۶۵- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ نَاسًا طَافُوْا بِالْبَيْتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ قَعَدُوْا اِلَى الْمُذَكِّرِ حَتّٰى اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامُوْا يُصَلُّوْنَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَعَدُوْا حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّاعَةُ الَّتِي تُكْرَهُ فِيْهَا الصَّلٰوةُ قَامُوْا يُصَلُّوْنَ.

عروہ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے نمازِ صبح کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا، پھر واعظ کے پاس بیٹھ گئے، جب سورج نکل آیا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا: بیٹھے رہے! جب وہ وقت آیا جس میں نماز مکروہ ہے تو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک باب: الطواف بعد الصبح والعصر ص۲۲۰)

یہاں باب یہ ہے: نمازِ صبح اور نمازِ عصر کے بعد طواف۔ اور اس باب میں جتنے آثار اور احادیث لائے ہیں، ان میں کسی میں طواف کے بارے میں کوئی حکم نہیں۔ سب میں نمازِ طواف یا مطلق نماز کے بارے میں احکام ہیں اور چونکہ نماز کا طواف کے بعد فوراً بلا تاخیر پڑھنا لازم بھی نہیں، اس لیے یہ بھی نہیں کہہ سکتے، جب نماز کا حکم معلوم ہو گیا تو طواف کا بھی معلوم ہو گیا۔ اسی لیے علامہ عینی کو باب میں عبارت نہ بنانی پڑی: "حکم الصلٰوة عقیب الطواف بعد صلٰوة الصبح والعصر" نمازِ صبح اور عصر کے بعد طواف کے بعد والی نماز کا حکم۔

حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی مختار یہی تھا کہ اوقاتِ مکروہہ میں نماز طواف ممنوع ہے، جیسا کہ امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: نمازِ فجر اور عصر کے بعد اگر طواف کرنا چاہے تو کرے، البتہ نماز کو مؤخر کرے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے یا نکل آئے، تو ہر سات پھیرے پر دو رکعت پڑھے۔ ان لوگوں پر انکار اس وجہ سے فرمایا کہ انہوں نے سورج طلوع ہوتے ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ اتنے بلند ہونے کا انتظار نہیں کیا کہ وقت کراہت جاتا رہے۔ حضرت اُم المؤمنین کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو کچھ دیر اور ٹھہرنا چاہیے تھا، یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے۔

۹۶۶- ح: يَنْهٰى عَنِ الصَّلٰوةِ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوْبِهَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے طلوع اور غروب کے دوران نماز پڑھنے سے منع فرمایا]

۹۶۶- عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الصَّلٰوةِ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوْبِهَا.

نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حضور آفتاب نکلتے وقت اور ڈوبتے وقت نماز سے منع فرماتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطواف بعد الصبح والعصر ص۲۲۱)

یہ ارشاد اپنے اطلاق سے نمازِ طواف کو بھی شامل ہے، اس لیے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازِ طواف بھی ان اوقات میں ممنوع ہے۔

۹۶۷- ح: رَاَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَطُوْفُ

[میں نے حضرت ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا کہ وہ

بَعْدَ الْفَجْرِ وَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ

[فجر کے بعد طواف کرتے اور دو رکعت پڑھتے]

٩٦٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ رُفَيْعٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَطُوْفُ بَعْدَ الْفَجْرِ وَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ قَالَ عَبْدُالْعَزِيْزِ رَأَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَيُخْبِرُ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهَا اِلَّا صَلَّاهُمَا.

حضرت عبدالعزیز بن رفیع نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ فجر کے بعد طواف کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ اور عبدالعزیز نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور یہ خبر دیتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی ان کے گھر میں آتے تو انہیں پڑھا کرتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الطواف بعد الصبح والعصر ص۲۲۱)

اس کی پوری بحث نزہۃ القاری، ج ۲، کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے، یہاں امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عصر کے بعد نفل پڑھا کرتے تھے، اسے ممنوع نہیں جانتے تھے تو نمازِ طواف بھی بہ درجہ اولیٰ جائز جانتے تھے اور فجر کے بعد طواف کا جواز تو ان کے عمل سے بصراحت ظاہر ہے، غالباً امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ طواف کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی رائے نہیں ظاہر کر سکے، مگر جو اصولِ شرع سے واقف ہیں ان پر ظاہر ہے کہ اب بھی ترجیح ممانعت کو ہوگی کیونکہ مبیح اور مُحرم دونوں جمع ہوں تو ترجیح مُحرم ہی کو ہوتی ہے۔

٩٦٨- ح: اِسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ مِنْ اَجْلِ سِقَايَتِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ

[حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے حاجیوں کو پانی پلانے کے لیے اجازت طلب کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دے دی]

٩٦٨ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ اَجْلِ سِقَايَتِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کی راتوں میں حاجیوں کو پانی پلانے کے لیے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت طلب کی تو حضور نے انہیں اجازت دے دی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: سقایة الحاج ص۲۲۱، باب: هل يبيت اصحاب السقاية بمكة ليالي منى ص۲۳۵)

اس حدیث پر یہ باب ہے: "سقاية الحاج" حاجیوں کو پانی پلانے کا بیان۔ "سقاية"، "سقى، يسقى" کا مصدر بھی ہے اور اس برتن کو بھی کہتے ہیں جس میں پانی جمع کیا جائے۔ آیۂ کریمہ: "اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ" (البقرہ:۱۹) میں مصدر ہے اور "جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ" (یوسف:۷۰) میں پانی پینے کا یا غلہ ناپنے کا برتن مراد ہے۔

قصی بن کلاب کے کارنامے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جد کریم قصی بن کلاب کو جب ان کے خسر حُلیل سے حرم سے تولیت ملی تو انہوں نے دار الندوہ قائم کیا جہاں باہمی مشورہ ہوتا تھا۔ شادی بیاہ کی تقریبات اسی میں سرانجام پاتیں۔ یہیں سے جمع ہو کر قافلے باہر جاتے تھے۔ انہوں نے رفادہ کی ابتداء کی، یعنی حجاج کی میزبانی، منیٰ اور عرفات میں حجاج کو مفت کھانا تقسیم کرنا۔ سقایہ یعنی ان کے لیے پانی مہیا کرنا۔ علاوہ ازیں

حجابت کعبہ کی کلید برداری' لواء یعنی لڑائیوں میں علمبرداری پہلے ہی سے تھی۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اس زمانے کے دستور کے مطابق یہ سارے عہدے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو دے دیئے اور اپنی بقیہ پانچ اولاد: عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبد بن قصی' تمر اور برہ کو کچھ نہیں دیا۔ عبدالدار نا اہل تھا' جب عبدمناف کے صاحبزادے ہاشم جوان ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو اس پر آمادہ کیا کہ عبدالدار کی اولاد سے حرم کے یہ سارے مناصب لے لیے جائیں۔ بنی عبدالدار نے انکار کیا' جس کے نتیجے میں دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ بالآخر اس پر صلح ہوئی کہ عبدالدار سے سقایہ اور رفادہ لے کر بنی عبدمناف کو دے دیا جائے۔ جب تک چاہ زم زم حضرت عبدالمطلب نے کھودا نہیں تھا۔ سقایہ کا یہ انتظام تھا کہ چرمی حوضوں میں پانی بھر کر کعبہ کے صحن میں رکھ دیا جاتا جسے حجاج استعمال کرتے اور جب حضرت عبدالمطلب نے چاہِ زم زم کھود لیا تو منقّٰی خرید کر زم زم میں بھگو کر حاجیوں کو پلاتے تھے' حضرت عبدالمطلب کے بعد سقایہ کا منصب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ملا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انہیں کے پاس باقی رکھا۔

نویں' گیارھویں' بارھویں راتیں منٰی میں گزارنی سنت ہے۔ ان راتوں کو منٰی کے علاوہ کہیں اور گزارنا ممنوع ہے' حتیٰ کہ مکہ میں بھی' مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کو پانی پلانے کے لیے ان دنوں مکہ معظمہ رہنے کی اجازت دے دی' آج بھی جن کے سپرد یہ کام کردہ جاسکتا ہے۔ وہ لوگ اس سے مستثنٰی ہیں۔

۹۶۹- ح: جَاءَ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سقایہ کے قریب آئے اور پینے کے لیے پانی مانگا]

۹۶۹- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا فَضْلُ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ فَاْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِّنْ عِنْدِهَا فَقَالَ اسْقِنِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْهِ قَالَ اسْقِنِيْ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ اَتٰى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُوْنَ وَيَعْمَلُوْنَ فِيْهَا فَقَالَ اعْمَلُوْا فَاِنَّكُمْ عَلٰى عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُغْلَبُوْا لَنَزَلْتُ حَتّٰى اَضَعَ الْحَبْلَ عَلٰى هٰذِهٖ يَعْنِيْ عَاتِقَهٗ وَاَشَارَ اِلٰى عَاتِقِهٖ

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: سقایۃ الحاج ص۲۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سقایہ کے پاس آئے اور پینے کے لیے پانی مانگا تو حضرت عباس نے کہا: اے فضل! اپنی ماں کے پاس جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کے پاس سے شربت لاؤ! تو فرمایا: مجھے (یہی) پلاؤ' انہوں نے عرض کیا: اس میں لوگ اپنا ہاتھ ڈال دیتے ہیں' فرمایا: (یہی) پلاؤ! تو حضور نے اسی کو پیا' پھر زم زم کے پاس آئے اور آل مطلب پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے تو فرمایا: اسے جاری رکھو! تم لوگوں کا یہ کام اچھا ہے' پھر فرمایا: اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے تو میں اترتا اور رسی اس پر رکھتا' اور اپنے کاندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس سے قبل گزر چکا کہ قصی بن کلاب کے عہد سے یہ دستور تھا کہ چرمی حوضوں میں پانی بھر کر منقّٰی ڈال دیا جاتا اور یہ حوض کعبہ کے صحن میں رکھے رہتے' حجاج اسے پیتے۔ سقایہ سے یہی چرمی حوض مراد ہے۔ حجاج اس حوض میں ہاتھ ڈال ڈال کر پیتے تھے' اس لیے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے اور پینے کے لیے پانی طلب فرمایا تو حضرت عباس نے یہ پسند نہ فرمایا کہ حضور یہ پئیں۔ اپنے بڑے صاحبزادے حضرت فضل کو حکم دیا کہ گھر جا کر صاف ستھرا شربت اپنی والدہ سے مانگ کر لاؤ' مگر رحمت عالم نے اپنے لیے امتیاز پسند نہ فرمایا اور جو سارے حجاج پیتے تھے وہی پیا۔

لولا ان تغلبوا

یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اگر میں نیچے اتر کر خود اپنے ہاتھ سے پانی کھینچ کر پیوں تو میری اتباع میں تمام حجاج یہی کرنے لگیں گے، جس کے نتیجے میں تم کو مغلوب ہو کر ہٹنا پڑے تھے، تو میں خود پانی کھینچ کر پیتا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میرے اس عمل کو بہانہ بنا کر ظالم حکام تم سے اس منصب جلیل کو چھین نہ لیں۔ یہ مخصوص سقایہ، سقایہ عباس کے نام سے مشہور تھا اور عرصے تک باقی رہا۔ امام طاؤس نے کہا: سقاية العباس سے پینا تمام حج سے ہے۔ امام عطاء نے کہا: یہ اتنا میٹھا ہوتا کہ ہونٹ چپک جاتا۔ سائب بن عبداللہ نے امام مجاہد سے کہا کہ سقاية العباس سے پیؤ یہ سنت ہے، اگر سقایہ آج بھی ہوتا تو اس سے پینا ضرور سنت ہوتا۔

حضور اقدس ﷺ کو حضرت عباس نے خود ایک ڈول کھینچ کر دیا جسے حضور نے پیا اور جو بچا اسے اپنے اوپر ڈال لیا۔ حدیث میں ہے کہ چاہ زم زم میں جھانکو، اس میں جھانکنا نفاق دور کرتا ہے، مگر اب چاہ زم زم نیچے کر دیا گیا ہے، مشینوں سے زم زم نکال کر ٹینکوں میں ٹھنڈا کر کے نلوں تک پہنچتا ہے اور اب انہیں نلوں سے میسر ہوتا ہے۔ حجاج کی جواب کثرت ہونے لگی ہے، اس کے پیش نظر یہی ضروری بھی تھا۔

۹۷۰- ح: سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ

[میں نے رسول اللہ ﷺ کو پینے کے لیے زم زم دیا تو آپ نے اسے کھڑے ہو کر پیا]

۹۷۰ - عَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ قَالَ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ قَالَ عَاصِمٌ فَحَلَفَ عِكْرِمَةُ مَا كَانَ يَوْمَئِذٍ اِلَّا عَلٰى بَعِيْرٍ.

امام ابو عامر شعبی سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو پینے کے لیے زم زم دیا، تو حضور نے اسے کھڑے کھڑے پیا۔ عاصم نے کہا: عکرمہ نے قسم کھائی ہے کہ حضور اس دن اونٹ پر تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: سقاية الحاج ص ۲۲۱، ج ۲۔ کتاب الاشربۃ۔ باب: الشرب قائما ص ۸۴۰، مسلم، ترمذی۔ کتاب الاشربۃ۔ نسائی۔ کتاب الحج، ابن ماجہ۔ کتاب الاشربۃ)

کھڑے ہو کر پانی پینا ممنوع ہے

کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینے سے احادیث میں ممانعت آئی ہے۔ مسلم[1] اور ترمذی[2] میں سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔ قتادہ نے کہا: اور کھانا! تو فرمایا: یہ اور برا ہے۔ نیز مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے پر زجر فرمایا، نیز اسی میں سیدنا حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی کھڑے ہو کر ہرگز نہ پیے اور جو بھول جائے تو جو پیا ہوا اسے قے کرے۔ ترمذی میں سیدنا حضرت جارود بن ابوالمعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔

اس کے برخلاف بعض احادیث سے اجازت ثابت ہوتی ہے، مگر وہ یا تو عذر پر محمول ہے یا کسی خاص پانی کے بارے میں وارد ہے، جیسے زم زم شریف یا وضو کا بچا ہوا پانی۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زم زم شریف کھڑے ہو کر پینا چاہیے، لیکن اگر عکرمہ کی روایت صحیح ہے تو ثبوت مشکل ہے۔

---

1. مسلم۔ ج ۲ ص ۱۷۳۔ کتاب الاشربۃ۔ باب: الشرب قائما
2. ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۰۔ کتاب الاشربۃ۔ باب: النهی عن الشرب قائما

کیونکہ ان کا بیان ہے کہ حضور اس وقت اونٹ پر تھے تو اب کھڑے ہو کر پینے کا سوال ہی نہیں۔ اسی طرح بعض حضرات نے کھڑے ہو کر زم زم شریف پینے کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ بئر زم زم کے اردگرد منڈیر بنا دی گئی تھی اور پانی پلانے والے اندر سے پلاتے تھے' جس کی وجہ سے بیٹھ کر پینا ممکن نہ تھا' مگر ان تاویلات سے قطع نظر مطلقاً زم زم شریف کھڑے ہو کر پینے کی روایات بہ کثرت ہیں' اس لیے یہ مستثنیٰ ہے' اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی۔

علامہ نووی نے یہ فرمایا کہ ممانعت کی احادیث کراہت تنزیہہ پر محمول ہیں۔ اس کے برعکس جن احادیث سے جواز ثابت ہوتا ہے وہ بیان جواز پر ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت فاروق اعظم اور ان کے صاحبزادے اور حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن زبیر اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ تھا کہ کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں۔

۹۷۱- ح: اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَرَادَ الْحَجَّ عَامَ نَزَلَ الْحَجَّاجُ بِابْنِ الزُّبَيْرِ

[جس سال حجاج نے حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کیا' حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے حج کا ارادہ کیا]

۹۷۱- عَنْ نَّافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَرَادَ الْحَجَّ عَامَ نَزَلَ الْحَجَّاجُ بِابْنِ الزُّبَيْرِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ النَّاسَ كَائِنٌ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ وَّاِنَّا نَخَافُ اَنْ يَّصُدُّوْكَ فَقَالَ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) اِذًا اَصْنَعُ كَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ قَدْ اَوْجَبْتُ عُمْرَةً ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِظَاهِرِ الْبَيْدَاءِ قَالَ مَا شَاْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ اِلَّا وَاحِدٌ اُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ قَدْ اَوْجَبْتُ حَجًّا مَعَ عُمْرَتِیْ وَاَهْدٰى هَدْيًا اشْتَرَاهُ بِقُدَيْدٍ وَّلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ فَلَمْ يَنْحَرْ وَلَمْ يَحِلَّ مِنْ شَیْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَلَمْ يَحْلِقْ وَلَمْ يُقَصِّرْ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ فَنَحَرَ وَحَلَقَ وَرَاٰى اَنْ قَدْ قَضٰى طَوَافَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ بِطَوَافِهِ الْاَوَّلِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَذٰلِكَ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

نافع سے روایت ہے کہ جس سال حجاج نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تھا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حج کا ارادہ کیا تو ان سے عرض کیا گیا کہ ان لوگوں میں لڑائی ہونے والی ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ کو روک دیں گے' تو فرمایا: تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ عمل ہے' اگر ایسا ہوا تو میں ویسے ہی کروں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حدیبیہ کے سال) کیا تھا۔ میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ واجب کر لیا' اس کے بعد نکلے' جب بیداء پہنچے تو کہا: حج اور عمرہ دونوں کا حال یکساں ہے' میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے عمرے کے ساتھ حج واجب کر لیا اور قربانی کے جانور ساتھ لیے' جنہیں قدید سے خریدا تھا' اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا' نہ قربانی کی نہ بال مونڈے نہ ترشوائے اور نہ احرام سے باہر ہوئے۔ جب یوم نحر ہوا تو قربانی کی اور سر مونڈا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ حج اور عمرے دونوں کے طواف' طواف اوّل سے ادا ہو گئے۔ اور حضرت ابن عمر نے فرمایا: ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔

(بخاری- کتاب المناسک- باب: طواف القارن ص ۲۲۲' باب: من اشتری الهدی من الطریق ص ۲۲۹' ایضاً ص ۲۳۱' ۲۴۳' باب: المحصر ص ۲۴۳' باب: من قال لیس علی المحصر بدل ص ۲۴۳)

عام نزل الحجاج

مشہور مروانی سفاک عبدالملک بن مروان کے حکم سے مشہور زمانہ خونخوار حجاج بن یوسف ثقفی نے ذوالحجہ ۷۲ھ کی چاند رات نور دیدہ حواری رسول اللہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مکہ معظمہ میں محاصرہ کیا' اور یہ محاصرہ مسلسل پانچ ماہ سترہ دن رہا۔ بالآخر سترہ

جمادی الاولی ۷۳ھ کو انہیں شہید کرڈالا۔ سرکاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیجا اور نعش مبارک اُلٹی سولی پر چڑھادی۔

(بدایہ نہایہ۔ ج ۸ ص ۳۳۲-۳۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ اسی سال ہے۔ حجاج نے اپنی فوج کے ساتھ حرم کے باہر حج کے ارکان ادا کیے البتہ وہ اور اس کے فوجی طواف زیارت نہیں کرسکے۔ عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ حج کی ادائیگی میں عبداللہ بن عمر کی اقتداء کرنا۔

(بدایہ نہایہ۔ ج ۸ ص ۳۲۹)

"باب من اشترى هديه من الطريق وقلدها" میں عام "نزل الحجاج" کے بجائے "عام حج الحرورية" ہے۔

شراح کے تسامح پر ایک تنبیہ

اس سے قبل گزر چکا کہ حروریہ خوارج کو کہتے ہیں۔ یہ کوفہ کے قریب ایک گاؤں حروراء کی طرف منسوب ہے، چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خوارج کا اجتماع اسی گاؤں میں ہوا تھا، اس لیے خوارج کو حروریہ کہتے ہیں۔ حج حروریہ ۶۴ھ کے حج کو کہتے ہیں جس سال یزید مرا ہے۔ اس وقت تک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم بھی نہیں ہوئی، اس لیے عام حج الحروریہ کے ساتھ "في عهد ابن الزبير" کہنا درست نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ "حرورية" سے راوی کی مراد حجاج ہی ہو، کیونکہ خلیفہ برحق پر خروج کیے ہوئے تھا۔ ہوسکتا ہے کہ واقعہ دوبارہ ہوا ہو۔ اس پر ہندوستانی مطبوعہ بخاری کے حاشیہ پر یہ اعتراض کردیا کہ پھر "في عهد ابن الزبير" کہنا درست نہیں۔

اقول: یہاں تمام شارحین سے تسامح ہوا ہے۔ ۶۴ھ کے ایام حج سے بہت پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم ہو چکی تھی۔ یزید ربیع الاوّل ۶۴ھ میں مرا ہے۔ اس کے بعد شام کو چھوڑ کر تمام بلادِ اسلامیہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت قبول کر لی تھی اور ۶۴ھ کے حج کے موقع پر کوئی خطرہ نہ تھا اور اس سال حضرت عبداللہ بن زبیر کی امارت میں امن وامان کے ساتھ حج ہوا۔ اسی طرح ۶۴ھ کے حج میں بھی کوئی اندیشہ نہ تھا، کیونکہ مسلم بن عقبہ نے اواخر ذوالحجہ ۶۴ھ میں مدینہ طیبہ کا محاصرہ کیا اور ۲۷ ذوالحجہ کو جنگ ہوئی، پھر یہ لشکر اوائل محرم میں مکہ معظمہ گیا، کہنا یہ ہے کہ ۶۳ھ اور ۶۴ھ کے ایام حج میں مکہ معظمہ پر کوئی لشکر حملہ آور نہ ہوا تھا، جو شورش تھی وہ دوسرے شہروں کے لیے تھی۔ غالباً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو عرض کی گئی وہ دوسرے بلاد کی شورشوں اور لشکروں کے کوچ کی خبروں کی بناء پر کی گئی، خلاصہ یہ ہوا کہ اگر عام حج الحروریہ سے مراد ۶۴ھ ہے تو اس سال ایام حج تک حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکومت قائم ہوچکی تھی، اس لیے "عام حج الحرورية" اور "في زمن ابن الزبير" میں کوئی تخالف نہیں اور اگر اس سے ۶۳ھ مراد ہو تو بھی مکہ معظمہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر کا تسلط تام تھا تو اسے زمن الزبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں، مگر "باب اذا احصر المعتمر" کی روایت کی یہ تصریح "ليالي نزل الجيش بابن الزبير" متعین کررہا ہے کہ یہ واقعہ ۷۳ھ ہی کا ہے۔

فقيل له

یہ عرض کرنے والے ان کے دونوں صاحبزادے سالم اور عبیداللہ تھے، جیسا کہ باب "اذا حصر المعتمر" میں تصریح ہے۔

كما صنع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

یہ صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے کہ صلح کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں حدیبیہ میں قربانیاں کیں اور احرام کھول دیا اور اس عمرے کی قضا میں سال آئندہ عمرہ ادا فرمایا۔

۹۷۲- ح. تفسیر ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾

[صفا اور مروہ کی تفصیل]

۹۷۲- قَالَ عُرْوَةُ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقُلْتُ لَهَا أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللهِ تَعَالَى ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرۃ:۱۵۸) فَوَاللهِ مَا عَلَى أَحَدٍ جُنَاحٌ أَنْ لَّا يَطُوفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَالَتْ بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أُخْتِي إِنَّ هَذِهِ لَوْ كَانَتْ كَمَا أَوَّلْتَهَا عَلَيْهِ كَانَتْ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَلَكِنَّهَا أُنْزِلَتْ فِي الْأَنْصَارِ كَانُوا قَبْلَ أَنْ يُسْلِمُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةِ الطَّاغِيَةِ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَهَا عِنْدَ الْمُشَلَّلِ فَكَانَ مَنْ أَهَلَّ يَتَحَرَّجُ أَنْ يَطُوفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمَّا أَسْلَمُوا سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا نَتَحَرَّجُ أَنْ نَطُوفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ (البقرۃ:۱۵۸) الْآيَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَقَدْ سَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَتْرُكَ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ أَخْبَرْتُ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ مَا كُنْتُ سَمِعْتُهُ وَلَقَدْ سَمِعْتُ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَذْكُرُونَ أَنَّ النَّاسَ إِلَّا مَنْ ذَكَرَتْ عَائِشَةُ مِمَّنْ كَانَ يُهِلُّ لِمَنَاةَ كَانُوا يَطُوفُونَ كُلُّهُمْ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمَّا ذَكَرَ اللهُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَلَمْ يَذْكُرِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فِي الْقُرْآنِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ كُنَّا نَطُوفُ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَإِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ فَلَمْ يَذْكُرِ الصَّفَا فَهَلْ عَلَيْنَا مِنْ حَرَجٍ أَنْ نَطَّوَّفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ (البقرۃ:۱۵۸) الْآيَةَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَأَسْمَعُ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي الْفَرِيقَيْنِ كِلَيْهِمَا فِي الَّذِينَ كَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بِالْجَاهِلِيَّةِ بِالصَّفَا

عروہ نے کہا: میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا' میں نے عرض کیا: اللہ کے اس ارشاد کے بارے میں آپ کیا فرماتی ہیں کہ صفا اور مروۃ بلاشبہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو بھی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں کا طواف کرنے پر کوئی گناہ نہیں' کیا بخدا ایسا ہی ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں۔ فرمایا: اے بھتیجے! تو نے غلط بات کہی' اگر اس آیت کا معنی وہی ہوتا جو تو نے بیان کیا ہے تو ارشادِ خداوندی یہ ہوتا کہ ان دونوں کا طواف نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں' یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسلمان ہونے سے پہلے یہ لوگ مناۃ طاغیہ کے پاس احرام باندھتے جس کی وہ پرستش کرتے تھے جو مشلل کے پاس تھا' جو یہاں سے احرام باندھ لیتا وہ صفا اور مروہ کے طواف کرنے میں حرج جانتا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا' اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صفا اور مروہ کے طواف کرنے میں حرج جانتے تھے' تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' پوری آیت۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اور بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے مابین طواف کو مسنون فرمایا ہے تو اب کسی کو جائز نہیں کہ ان دونوں کا طواف چھوڑ دے۔ امام زہری نے کہا: اس کے بعد میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: یہ بات میں نے نہیں سنی' میں نے بہت سے اہل علم سے سنا ہے کہ جو لوگ مناۃ کے پاس احرام باندھتے تھے' جن کا تذکرہ حضرت عائشہ نے کیا ہے' ان کے علاوہ سب صفا اور مروہ کا طواف کرتے تھے۔ جب اللہ عزوجل نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر کیا اور صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر نہیں کیا' تو لوگوں نے عرض کیا: ہم صفا اور مروہ کا طواف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کو نازل فرمایا اور صفا اور مروہ کا ذکر نہیں کیا تو کیا اگر ہم صفا اور مروہ کا طواف کریں گے تو کوئی حرج ہے؟ اب اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: صفا اور مروہ بلاشبہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں

وَالْمَرْوَةِ وَالَّذِيْنَ يَطُوفُوْنَ ثُمَّ تَحَرَّجُوا اَنْ يَّطَّوَّفُوا بِهِمَا فِي الْإِسْلَامِ مِنْ اَجْلِ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ بِالطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَمْ يَذْكُرِ الصَّفَا حَتّٰى ذَكَرَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَا ذَكَرَ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: وجوب الصفا والمروة ص ۳۔ ۲۲۲' نسائی۔کتاب الحج)

(پوری آیت)۔ ابوبکر نے کہا: سن! یہ آیت دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے' ان لوگوں کے بارے میں بھی جو زمانۂ جاہلیت میں صفا اور مروہ کے طواف کو گناہ جانتے تھے اور ان لوگوں کے بارے میں بھی جو زمانۂ جاہلیت میں طواف کرتے تھے' مگر ان کے طواف کو عہد اسلام میں حرج جاننے لگے تھے اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا تذکرہ کیا اور صفا کا نہیں کیا' یہاں تک کہ بعد میں ان دونوں کے طواف کا بھی تذکرہ فرمایا۔

سورۃ البقرہ: ۱۵۸ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۔ (البقرہ: ۱۵۸)

صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرنے والے پر ان دونوں کا طواف کرنے پر کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی کرنا مباح ہے' فرض و واجب تو دور ہے مستحب بھی نہیں' اس لیے یہ کہنے سے کہ فلاں کام کرنے میں گناہ نہیں۔ عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے' حضرت عروہ نے اسی کے مطابق یہی سمجھا تھا حالانکہ حدیث میں ہے کہ فرمایا: ''اسعوا فان اللّٰه کتب علیکم السعی'' سعی کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض فرمائی ہے۔ اس سے سعی کی فرضیت یا کم از کم وجوب ضرور ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عروہ نے اپنا یہ شبہہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے جواب یہ ارشاد فرمایا کہ انصار زمانۂ جاہلیت میں مناۃ مشہور بت کے پاس جو قُدید کے قریب مُشَلَّل میں ہے' حج کا احرام باندھتے تھے اور صفا اور مروہ کی سعی کو گناہ جانتے تھے۔ انصار کرام جب اسلام سے مشرف ہو گئے تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہمارا یہ طریقہ تھا' اب کیا ارشاد ہے؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' چونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صفا اور مروہ کی سعی ہمارے لیے گناہ ہے۔ ان کے اس عقیدے کے ازالے کے لیے فرمایا گیا کہ صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی گناہ نہیں' جیسا کہ تم اعتقاد رکھتے تھے۔ اُم المؤمنین یہ افادہ فرمانا چاہتی ہیں کہ یہ تعریض ہے اور تعریض میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا' اس لیے اس سے اباحت پر استدلال درست نہیں۔ مزید توضیح کے لیے اُم المؤمنین نے فرمایا کہ اگر اباحت مقصود ہوتی تو یہ ارشاد ہوتا کہ طواف نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں' یہ ارشاد نہ ہوتا کہ طواف کرنے میں گناہ نہیں۔ عرف کا محاورہ یہی ہے کہ اگر کسی فرض یا واجب کے کرنے کو کوئی گناہ سمجھے تو یہی کہا جاتا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں' جیسے کسی کی ظہر کی نماز قضا ہو گئی اور وہ صاحب ترتیب ہے' اس پر فرض ہے کہ عصر سے پہلے پہلے ظہر کی قضا پڑھ لے' مگر وہ اپنی بے علمی سے یہ خیال کرتا ہے یہ جائز نہیں۔ اس نے کسی عالم سے دریافت کیا تو عالم نے جواب دیا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا اس ناحول میں یہ مطلب نہیں کہ اس شخص پر عصر سے پہلے ظہر پڑھ لینا فرض نہیں' بلکہ حرج نہیں اس کے خیال کو زائل کرنے کے لیے ہے اور اگر کوئی اپنا شخص جو صاحب ترتیب نہ ہو اور اس کی نماز ظہر قضا ہو جائے اور وہ یہ خیال کرے کہ عصر سے پہلے پہلے ظہر پڑھ لینا مجھ پر فرض ہے اگر نہیں پڑھوں گا تو گنہگار ہوں گا۔ اس نے کسی عالم سے پوچھا تو عالم نے فرمایا: اگر نہ پڑھو تو کوئی گناہ نہیں' اس کا مطلب ضرور یہ ہوا کہ اس پر عصر سے پہلے پہلے ظہر پڑھنا فرض یا واجب نہیں۔ اس کو حضرت اُم المؤمنین یہ فرماتی ہیں کہ اگر صفا مروہ کے مابین سعی فرض یا واجب نہ ہوتی تو یہ فرمایا جاتا کہ ان دونوں کی سعی نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں' مگر چونکہ انصار کرام کے زمانۂ جاہلیت کے اس

اعتقادِ فاسد کا ازالہ مقصود ہے' اس لیے یہ فرمایا کہ جو ان کی سعی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں' جیسا کہ تمہارا زمانۂ جاہلیت میں گمان تھا۔

لمناة الطاغية..... (مناۃ اور اس کا استھان مشلل)

مناۃ' یہ مشہور بت کا نام ہے' یہ ایک چٹان تھی' جسے بانی بت پرستی عمرو بن لحی خزاعی نے مشلل میں سمندر کی جانب نصب کیا تھا۔ یہ انصار بنی غطفان اور ہذیل کا خاص بت تھا' جو مدینہ طیبہ سے سات میل کے فاصلے پر قدید کے قریب تھا۔ طاغیہ' طغیان سے ہے' اس کے معنی سرکشی کرنے والے کے ہیں۔ اور عرف میں بت کو بھی کہتے ہیں۔ قدید' مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ایک شہر تھا۔ مشلل' قدید کے قریب سمندر کی جانب ایک گاؤں کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس سے اتر کر قدید جاتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے فرمایا: یہ وہ گھاٹی ہے جو قدید کے اوپر ہے۔ ان سب اقوال میں تنافی نہیں' ہوسکتا ہے کہ مشلل کی آبادی اسی گھاٹی میں رہی ہو' جو اس پہاڑ میں ہے' جس سے اتر کر قدید جاتے تھے۔

ثم اخبرت

اس کے قائل امام زہری ہیں' ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام یہ بڑے عابد و زاہد' تابعی بزرگ تھے۔ ان کا راہبِ قریش خطاب تھا۔ یہ عہد فاروقی میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔

ان کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جو کچھ حضرت اُم المؤمنین سے سنا' وہ صحیح ہے' مگر میں نے نہیں سنا' میں نے اس آیت کریمہ کے شانِ نزول کے بارے میں اُم المؤمنین کے علاوہ دوسرے اہل علم سے جو سنا ہے' وہ یہ ہے: جو لوگ مناۃ کے پاس احرام باندھتے تھے وہ لوگ بھی زمانۂ جاہلیت میں صفا و مروہ کی سعی کرتے تھے' مگر جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ O (الحج:۲۹) اور بیت عتیق کا طواف کرو O

جس سے معلوم ہوا کہ حج میں بیت اللہ کا طواف فرض ہے' اور صفا و مروہ کی سعی کا حکم نہیں دیا' تو ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ صفا و مروہ کی سعی کا تذکرہ نہیں فرمایا' کیا یہ گناہ ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فرمایا گیا: ان کی اس شبہے کے ازالے کے لیے فرمایا گیا: یہ گناہ نہیں۔ اس کے ازالے کے لیے ہے' اس لیے اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ سعی فرض یا واجب نہیں' جس کا کرنے والا گنہگار نہ ہو۔ اخیر میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ دونوں فریقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہو۔

ان هذا العلم

یہاں "العلم" معرف باللام اکثر کی روایت ہے۔ کشمیہنی کی روایت "انَّ هٰذَا لَعِلْمٌ" ہے' علم پر لام تاکید اور علم نکرہ۔ اب ترجمہ یہ ہوگا: بے شک یہ علم ہے جسے میں نے نہیں سنا' یعنی یہ اپنے اپنے علم کی بات ہے۔ حضرت اُم المؤمنین کو اس کا علم تھا' انہوں نے بیان فرمایا' مگر میں نے کسی سے اب تک نہیں سنا' حاصل دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا حل

مگر یہاں یہ شبہہ وارد ہے کہ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی تقریر کے مطابق دو فریق کہاں ہوئے؟ ایک ہی فریق رہے۔

اقول وبالله التوفيق: یہاں بخاری میں اجمال ہے اور وہ بھی درجہ ابہام تک ہے۔ مسلم میں ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے بہت سے اہل علم سے سنا ہے کہ اہل عرب میں سے جو لوگ صفا و مروہ کے مابین طواف نہیں کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ ان دونوں پتھروں کے مابین طواف جاہلیت کے کاموں میں سے ہے' اور دوسرے لوگ جو انصار میں سے تھے' انہوں نے کہا کہ ہم کو صرف

بیت اللہ کے طواف کا حکم ہوا ہے اور صفا و مروہ کی سعی کا حکم نہیں ہوا ہے' تو یہ آیت نازل ہوئی' ان دونوں گروہوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے قطع نظر خود بخاری کی روایت میں بہ نظر دقیق دیکھنے سے دو فریق صاف صاف معلوم ہوتے ہیں' البتہ ''ان الناس الا ما ذکرت عائشۃ'' کی تقریر عام شراح کی روش سے ہٹ کر ہوگی۔ وہ یہ کہ ''ان الناس الا ما ذکرت عائشۃ ممن کان یھل لمناۃ'' میں ''ممن کان یھل لمناۃ' ما ذکرت'' میں مذکور ''ما'' کا بیان ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا: ام المومنین نے جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے' یعنی وہ لوگ جو مناۃ کے پاس سے احرام باندھتے تھے' ان کے ماسوا سب لوگ صفا و مروہ کی سعی کرتے تھے' مگر جب بیت اللہ کے طواف کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا صفا مروہ کی سعی میں کوئی گناہ ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اب ابوبکر بن عبدالرحمن کا یہ فرمانا کہ دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی' صحیح ہے' جیسا کہ بعد میں خود انہوں نے تفصیل فرمائی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس توجیہ پر یہ اشکال ہے کہ ''ما'' غیر ذوی العقول کے لیے ہے' اس لیے اس کا بیان ''ممن'' نہیں ہو سکتا۔

جواب

''ما'' کبھی ذوی العقول کے لیے بھی آتا ہے' اگرچہ مجازاً ہی سہی۔ قرآن مجید میں بھی اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ ارشاد ہے: ''وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَاO'' (الشمس:۵) قسم ہے آسمان کی اور جس نے اسے بنایا' اور ارشاد ہے: ''وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَاO'' (الشمس:۷) اور جان کی قسم اور جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ اس کے بعد حدیث آ رہی ہے' جس میں ہے: ''الحمس قریش وما ولدت'' حمس قریش اور ان کی اولاد ہے۔

احکام...... (صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب ہے)

احناف کے یہاں صفا مروہ کی سعی واجب ہے' فرض نہیں۔ اس کے ترک سے دم واجب ہے اور دم سے انجبار ہو جاتا ہے۔ حضرت امام مالک' امام شافعی' امام احمد وغیرہ کے یہاں فرض ہے۔ اس کو اگر کسی نے ترک کیا تو جب تک ادا نہیں کرے گا' بری الذمہ نہ ہوگا' یہاں تک کہ اگر سعی نہ کی اور گھر لوٹ آیا تو بھی فرض ہے کہ مکہ معظمہ جا کر اسے ادا کرے اور تاخیر کی وجہ سے دم دے اور اگر سعی کے بغیر جماع کر لیا تو حج فاسد ہو گیا۔ اس پر اس حج کی قضا واجب ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد[1] دار قطنی[2] اور بیہقی[3] نے صفیہ بنت شیبہ سے اور حبیبہ بنت تجزئہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کو میں نے دیکھا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہے ہیں' کچھ لوگ حضور کے آگے ہیں اور حضور ان کے پیچھے اس طرح سعی فرما رہے ہیں کہ تیزی سے دوڑنے کی وجہ سے تہبند گھٹنوں کے گرد چکر کھا رہا ہے اور فرما رہے ہیں: ''اسعوا فان اللہ کتب علیکم السعی'' سعی کرو اس لیے کہ اللہ نے تم پر سعی فرض فرمائی۔ یہ حدیث فرضیت پر نص ہے' احناف یہ کہتے ہیں: یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی' صرف وجوب ثابت ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سعی نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت یا مستحب ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور ابن سیرین اور عطاء کا قول ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔ ان کی دلیل آیۂ کریمہ کا اگلا حصہ ہے کہ فرمایا: ''فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ'' (البقرہ:۱۵۸) اور اگر کوئی شخص کوئی نیکی اپنی طرف سے کرے تو اللہ بہترین صلہ دینے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس کا تعلق صفا مروہ کی سعی سے ہے' اس لیے یہ اس کے نفل ہونے پر دلیل ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس کا تعلق حج اور عمرے

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۴۲۲ [2] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۸۸ [3] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۸۸

حج اور عمرے سے ہے، سعی سے نہیں' کیونکہ اگر اس کا تعلق سعی سے مانیں گے تو لازم آئے گا کہ حج اور عمرے کے بغیر صرف صفا مروہ کی سعی بہ طور نفل مشروع ہو حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ حج اور عمرے کے بغیر تنہا سعی مشروع نہیں۔

ت۳۰۶- وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا السَّعْيُ مِنْ دَارِ بَنِيْ عَبَّادٍ اِلٰى زُقَاقِ بَنِيْ اَبِيْ حُسَيْنٍ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سعی' بنی عباد کے گھر سے بنی ابو حسین کی گلی تک ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما جاء في السعي بين الصفا والمروة ص ۲۲۳)

اس تعلیق کے ہم معنی امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے: بنی عباد کا دروازہ جانب صفا پہلے میل کے پاس تھا اور بنی ابو حسین کی گلی دوسرے میل کے پاس' اس لیے اس کا حاصل وہی ہوا کہ صفا مروہ کے درمیانی نشیب کے دونوں کناروں پر جو سبز میل نصب ہیں' وہاں سعی کریں۔ یعنی ذرا تیز چلیں' پوری سعی میں دوڑنا ممنوع ہے۔

۹۷۳- ح: اَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَمْشِيْ اِذَا بَلَغَ

[کیا جب حضرت عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہما رکن یمانی تک) پہنچتے (تو معمول کے مطابق) چلتے؟]

۹۷۳- عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقُلْتُ لِنَافِعٍ اَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَمْشِيْ اِذَا بَلَغَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ قَالَ لَا اِلَّا ﴿اَنْ يُّزَاحَمَ عَلَى الرُّكْنِ فَاِنَّهٗ كَانَ لَا يَدَعُهٗ حَتّٰى يَسْتَلِمَهٗ﴾ (البقرہ:۱۵۸).

عبیداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے نافع سے پوچھا: کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رکن یمانی تک پہنچتے تو معمول کے مطابق چلتے؟ نافع نے کہا: نہیں! (رمل کرتے تھے) مگر یہ کہ رکن پر بھیڑ ہو تو معمول کے مطابق چلتے' وہ کسی حال میں رکن یمانی کا استلام نہیں چھوڑتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما جاء في السعي بين الصفا والمروة ص ۲۲۳)

"باب من طاف بالبيت اذا قدم مكة" میں اس حدیث کا ابتدائی حصہ گزر چکا۔ یہ حصہ وہاں مذکور نہیں تھا' اس حصہ سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی مذہب یہی ہے کہ رمل طواف کے پورے پھیروں میں ہے۔ رکن یمانی اور رکن اسود کا مابین مستثنیٰ نہیں' مگر وہ چونکہ رکن یمانی کے استلام کو ضروری جانتے تھے' اس لیے اگر بھیڑ ہوتی تو استلام کے لیے تھوڑی دیر عمل ترک کر دیتے اور یہی محمل ہے اس روایت کا جو "باب الرمل في الحج والعمرة" میں گزری کہ نافع نے بتایا کہ وہ رکن یمانی اور رکن اسود کے مابین معمول کے مطابق اس لیے چلتے تھے کہ استلام کے لیے اس میں آسانی ہو۔

۹۷۴- ح: اَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ السَّعْيَ

[کیا آپ (صفا اور مروہ کی) سعی کو برا جانتے؟]

۹۷۴- اَخْبَرَنَا عَاصِمٌ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَالَ نَعَمْ لِاَنَّهَا كَانَتْ مِنْ شَعَائِرِ الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرہ:۱۵۸).

عاصم نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ لوگ صفا مروہ کی سعی کو برا جانتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں! اس لیے کہ وہ جاہلیت کے شعار سے تھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: صفا مروہ بلاشبہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' اس لیے جو حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما جاء في السعي بين الصفا والمروة ص ۲۲۳' ج ۲ کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرہ۔ باب: قوله ان الصفا

والمروۃ من شعائر اللہ ص ۶۴۶' مسلم۔ کتاب الحج' ترمذی۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب المناسک)

سعی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے

''بـاب بـدء الـرمل'' میں اس کی تفصیل گزر چکی۔ سعی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی کے عہد سے مشروع ہے۔ مسند امام احمد[1] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مناسک ادا کرنے کا حکم ہوا تو شیطان سعی کے وقت آیا اور حضرت ابراہیم سے آگے بڑھنا چاہا' تو حضرت ابراہیم نے دوڑ لگائی اور اس سے آگے ہو گئے۔ نیز یہ اصل میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سنت ہے۔ خود بخاری[2] ہی میں ہے کہ جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو حضرت ہاجرہ سب سے زیادہ قریب پہاڑ صفا پر چڑھیں اور میدان میں نظر ڈالی کہ کوئی ہے؟ مگر کوئی نظر نہ آیا' تو اتریں اور جب نالے کے پیٹ میں پہنچیں تو کرتے کا دامن اٹھا لیا۔ پوری قوت سے دوڑنے لگیں' اس طرح نالہ پار کیا اور مروہ پر آئیں' سات بار ایسا ہی کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی وجہ سے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔

اقـول وبالله التـوفيق: یہاں دو باتیں ہیں' ایک طواف میں رمل یہ تو مشرکین کو اپنی قوت دکھانے کے لیے تھا' دوسرے صفا اور مروہ کے مابین سعی یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سنت ہے۔

۹۷۵- ح: إِنَّمَا سَعٰى لِيُرِىَ الْمُشْرِكِينَ قُوَّتَهُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سعی کی تا کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھا سکیں]

۹۷۵ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّمَا سَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيُرِىَ الْمُشْرِكِيْنَ قُوَّتَهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ اور صفا مروہ کے درمیان سعی اس لیے کی تا کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ما جاء في السعي بين الصفا والمروة ص ۲۲۳' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرۃ۔ باب: قوله ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ص ۶۴۶' مسلم۔ کتاب الحج' ترمذی۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب المناسک)

۹۷۶- ح: لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِىْ مَا اسْتَدْبَرْتُ

[جو میں نے بعد میں جانا' اگر میں پہلے جانتا]

۹۷۶ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَهَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَاَصْحٰبُهُ بِالْحَجِّ وَلَيْسَ مَعَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ هَدْىٌ غَيْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَلْحَةَ وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِّنَ الْيَمَنِ وَمَعَهُ هَدْىٌ فَقَالَ اَهْلَلْتُ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحٰبَهُ اَنْ يَّجْعَلُوْهَا عُمْرَةً وَّيَطُوْفُوْا ثُمَّ يُقَصِّرُوْا وَيَحِلُّوْا اِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْىُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے حج کا احرام باندھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت طلحہ کے سوا ان میں سے کسی کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا اور حضرت علی یمن سے آئے اور ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اور انہوں نے کہا میں نے اس کا احرام باندھا ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اسے عمرہ کر لیں اور طواف کریں' اس کے بعد بال ترشوا لیں اور احرام کھول لیں مگر

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۹۷

[2] بخاری۔ ج ۱ ص ۴۷۵۔ کتاب الانبیاء۔ باب: یزفون النسلان فی المشی

فَقَالُوا نَنْطَلِقُ إِلَى مِنًى وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ وَلَوْلَا أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ وَحَاضَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنَّهَا لَمْ تَطُفْ بِالْبَيْتِ فَلَمَّا طَهُرَتْ طَافَتْ بِالْبَيْتِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَنْطَلِقُونَ بِحَجَّةٍ وَّعُمْرَةٍ وَّأَنْطَلِقُ بِحَجٍّ فَأَمَرَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَّخْرُجَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيمِ فَاعْتَمَرَتْ بَعْدَ الْحَجِّ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: تقضی الحائض المناسك كلها ص ٣-٢٢٢)

لوگ جن کے ساتھ قربانی کے جانور رہوں۔ اس پر لوگوں نے کہا: ہم اس حالت میں منٰی جائیں گے کہ ہمارے ذکر منی ٹپکاتے ہوں گے؟ اس کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: جو میں نے بعد میں جانا اگر پہلے جانتا تو قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا' اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو احرام کھول دیتا۔ اور حضرت عائشہ کو حیض آ گیا' انہوں نے حج کے تمام ارکان ادا کیے سوائے بیت اللہ کے طواف کے' جب پاک ہو گئیں تو بیت اللہ کا طواف کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ لوگ حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ جا رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ جاؤں؟ تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ انہیں تنعیم تک لے جاؤ' انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا۔

ت٣٠٧- سُئِلَ عَطَاءٌ عَنِ الْمُجَاوِرِ يُلَبِّي الْحَجَّ قَالَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُلَبِّي يَوْمَ التَّرْوِيَةِ إِذَا صَلَّى الظُّهْرَ وَاسْتَوٰى عَلٰى رَاحِلَتِهٖ.

امام عطاء سے پوچھا گیا: جو مکہ میں مقیم ہو کیا وہ حج کا تلبیہ کہے؟ تو فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یوم ترویہ کو جب ظہر پڑھ لیتے اور اپنی سواری پر بیٹھ جاتے تو تلبیہ پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الاهلال من البطحاء وغيرها للمكى ص ٢٢٤)

ت٣٠٨- وَقَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدِمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْلَلْنَا حَتّٰى يَوْمِ التَّرْوِيَةِ وَجَعَلْنَا مَكَّةَ بِظَهْرٍ لَبَّيْنَا بِالْحَجِّ.

اور عبدالملک نے عطاء سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ آئے اور ہم نے احرام کھول دیا' یہاں تک کہ یوم ترویہ آیا اور ہم نے مکہ کو پیٹھ پیچھے کر دیا تو حج کے لیے لبیک کہا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الاهلال من البطحاء وغيرها للمكى ص ٢٢٤)

ت٣٠٩- وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَهْلَلْنَا مِنَ الْبَطْحَاءِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے بطحاء سے (حج کے لیے) تلبیہ کہا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الاهلال من البطحاء وغيرها للمكى ص ٢٢٤)

ت٣١٠- وَقَالَ عُبَيْدُ ابْنُ جُرَيْجٍ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتّٰى يَوْمِ التَّرْوِيَةِ فَقَالَ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ.

اور عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اور لوگ تو چاند دیکھتے ہی لبیک کہنے لگتے ہیں اور آپ جب مکہ میں رہتے ہیں تو لبیک نہیں کہتے جب تک یوم ترویہ نہ آ جائے؟ تو فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو تلبیہ کہتے نہیں دیکھا جب تک کہ سواری حضور کو لے کر کھڑی نہ ہو جائے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الاهلال من البطحاء وغيرها للمكى ص ٢٢٤)

پہلی تعلیق کو امام سعید بن منصور نے موصولاً ذکر کیا ہے' دوسری کو امام مسلم نے۔ اس تعلیق کے راوی عبدالملک کون ہیں؟ علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔ علامہ عسقلانی نے فرمایا: یہ عبدالملک بن ابوسلیمان ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: دونوں احتمال یکساں ہیں' مگر مسلم میں یہ حدیث عبدالملک بن ابوسلیمان العزرمی سے مروی ہے۔ تیسری تعلیق کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور چوتھی تعلیق کو خود امام بخاری نے کتاب الوضوء' باب: ''غسل الرجلین فی النعلین'' صفحہ ۲۸ میں ذکر کیا ہے' اور نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۵۶۴' رقم: ۱۲۲ پر مذکور ہے۔

ثبوت باب

امام بخاری نے ان تعلیقات پر یہ باب باندھا ہے: مکی حاجی جب منیٰ جانے لگے تو بطحا یا کہیں اور سے احرام باندھے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ مکی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ خاص مسجد حرام سے احرام باندھے۔ پہلی تعلیق میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سواری پر سیدھے بیٹھ جاتے تو تلبیہ پڑھتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سواری پر مسجد حرام میں نہیں بیٹھتے ہوں گے' کہیں باہر سوار ہوتے ہوں گے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ مسجد حرام کے باہر سے تلبیہ پڑھنا شروع کرتے۔ دوسری تعلیق میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم جب مکہ کو پیٹھ پیچھے کر لیتے تو تلبیہ پڑھتے۔ یہ اس پر نص ہے کہ مسجد حرام بلکہ مکہ معظمہ کے بھی باہر جا کر احرام باندھتے۔ تیسری تعلیق میں تصریح ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے بطحا سے تلبیہ کہا اور چوتھی تعلیق کو بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے مطابقت ہے' جیسا کہ گزر چکا' البتہ ان کے استدلال میں خفا ہے' انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ترویہ کو لبیک پڑھنے سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یوم ترویہ کو حج کا احرام باندھنا مسنون ہے۔

حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۷ ذوالقعدہ کو ذوالحلیفہ میں احرام باندھا تھا۔ علامہ ابن بطال محدث نے اس کی تقریر یہ کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات پر احرام باندھ کر حج کے افعال شروع فرما دیے۔ افعال حج کے افتتاح اور تلبیہ میں کوئی فصل نہیں فرمایا نہ تاخیر فرمائی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ افعال حج کے افتتاح اور تلبیہ میں فصل نہیں چاہیے' مکی اگر منیٰ جانے سے پہلے حج کا احرام باندھے گا تو فصل لابدی ہوگا' اس لیے اسے چاہیے کہ یوم ترویہ کو جب حج کے لیے سفر شروع کرے تو احرام باندھے۔

اس سے قبل گزر چکا کہ ہمارے نزدیک یوم ترویہ سے پہلے بھی حج کا احرام باندھ سکتے ہیں۔ اور محدث ابن بطال نے جو کچھ فرمایا' اس میں کلام کی بہت گنجائش ہے۔

۹۷۷- ح: اَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ترویہ کے دن ظہر اور عصر کہاں پڑھی؟]

۹۷۷ - عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قُلْتُ فَاَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْاَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ اُمَرَاؤُكَ.

عبدالعزیز بن رفیع نے کہا: میں نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ یاد ہو تو مجھے بتائیے کہ حضور نے ترویہ کے دن ظہر اور عصر کہاں پڑھی تھی؟ فرمایا: منیٰ میں۔ میں نے پوچھا: یوم نفر عصر کہاں پڑھی تھی؟ فرمایا: ابطح میں' اس کے بعد حضرت انس نے فرمایا: تیرے حکام جیسا کرتے ہیں ویسا کر۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: این یصلی الظہر یوم الترویۃ ص ۲۲۴' باب: من صلی العصر یوم النفر بالابطح ص ۲۳۷' مسلم

کتاب الحج' ابوداؤد- کتاب المناسک' ترمذی' نسائی- کتاب الحج)

۹۷۸- ح: اُنْظُرْ حَيْثُ يُصَلِّي اُمَرَاؤُكَ فَصَلِّ

[دیکھ تیرے حکام جہاں نماز پڑھیں وہاں تو بھی پڑھ]

۹۷۸- عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ خَرَجْتُ إِلٰى مِنًى يَوْمَ التَّرْوِيَةِ فَلَقِيْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَاهِبًا عَلٰى حِمَارٍ فَقُلْتُ اَيْنَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْيَوْمَ الظُّهْرَ فَقَالَ اُنْظُرْ حَيْثُ يُصَلِّي اُمَرَاؤُكَ فَصَلِّ.

عبدالعزیز نے کہا: ترویہ کے دن میں منٰی چلا' تو میری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' وہ گدھے پر جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کہاں ظہر پڑھی تھی؟ فرمایا: دیکھو! تیرے حکام جہاں پڑھیں وہاں تو بھی پڑھ۔

(بخاری- کتاب المناسک- باب: اين يصلى الظهر يوم التروية ص ۲۲۴)

ان احادیث کے بہ موجب احناف کا مذہب یہ ہے کہ آٹھویں تاریخ کو آفتاب نکلنے کے بعد منٰی چلیں۔ ظہر' عصر' مغرب' عشاء' فجر منٰی میں پڑھیں اور افضل یہ ہے کہ مسجد خیف میں ادا کریں۔ اگر امام صحیح العقیدہ سنی ہو تو اس کی اقتداء میں باجماعت پڑھیں' ورنہ اکیلے یا اپنے احباب کے ساتھ اپنی جماعت کریں۔ اس وقت دونوں حرم کی مساجد اور مسجد خیف اور مسجد نمرہ اور مشعر حرام کے امام نجدی المذہب ہیں۔ نہ ان کی نماز' نماز ہے نہ ان کے پیچھے کسی کی نماز صحیح۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا نہ پڑھنے کے برابر ہے۔ اگر نجدی اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھو گے تو جماعت کا ثواب کیا ملے گا۔ نماز قضا کرنے کا وبال ہوگا' تم گئے تھے جماعت کا ثواب حاصل کرنے اور ہوا یہ کہ نماز بھی گئی۔

كما يفعل امراءك

اس وقت کے حکام بھی یہی کرتے تھے کہ یوم ترویہ کی ظہر منٰی میں پڑھتے تھے۔ اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہیں ہدایت فرمائی۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ منٰی زوال کے بعد جائیں یا رات میں جائیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تہائی رات کو جاتی تھیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اہل مکہ کی عادت یہ ہے کہ عشاء پڑھ کر جاتے ہیں۔ آج کل بہت سے حجاج سات ہی کو منٰی پہنچ جاتے ہیں اور آٹھویں کی شب میں جانے کا تو رواج عام پڑ گیا ہے' اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۹۷۹- ح: شَكَّ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[یوم عرفہ میں لوگوں کو شک ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہیں یا نہیں]

۹۷۹- حَدَّثَنَا سَالِمٌ قَالَ سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلٰى اُمِّ الْفَضْلِ عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ شَكَّ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ.

سالم نے کہا: میں نے عمیر ام الفضل کے غلام سے سنا کہ ام الفضل نے کہا کہ عرفہ کے دن لوگوں کو شک ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہیں یا نہیں؟ تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شربت بھیجا تو حضور نے اسے پی لیا۔

(بخاری- کتاب المناسک- باب: صوم يوم عرفة ص ۲۲۵' باب: الوقوف على الدابة بعرفة ص ۲۲۵' کتاب الصوم- باب: صوم يوم عرفة ص ۲۶۷ ج ۲- کتاب الاشربہ- باب: من شرب وهو واقف على بعيره ص ۸۴۰' مسلم' ابوداؤد- کتاب الصوم)

دوسرے ابواب میں یہ حدیث مفصل یوں ہے: حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے میرے پاس اس میں اختلاف

کیا کہ نبی ﷺ آج یوم عرفہ روزے سے ہیں یا نہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ روزے سے ہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا: روزے سے نہیں تو میں نے ایک پیالہ دودھ بھیجا اور حضور اپنے اونٹ پر سوار تھے تو حضور نے پی لیا۔

یہاں عمیر کو حضرت اُم الفضل کا غلام بتایا ہے، مگر دوسری روایتوں میں عبداللہ بن عباس کا غلام بتایا گیا۔ اس کا امکان ہے کہ دونوں کے غلام رہے ہوں، یا ہوسکتا ہے ان میں سے کسی ایک کے تھے، مگر چونکہ ماں اور بیٹے کا معاملہ ایک ہی ہے، اس لیے دوسرے کی طرف منسوب کردیا گیا۔

یوم عرفہ کا روزہ

مسلم[1] ابوداؤد[2] ترمذی[3] اور ابن ماجہ[4] میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے گمان ہے کہ عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ بیہقی میں اُم المؤمنین حضرت صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ کے روزے کو ہزاروں کے برابر بتاتے، اس سے کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ آج حج کے موقع پر عرفات میں بھی حضور اقدس ﷺ نے روزہ رکھا ہوگا، مگر سفر میں چونکہ روزہ رکھنا دشوار ہے اور خود حضور نے ارشاد فرمایا ہے: ''لیس من البر الصیام فی السفر'' سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں،[5] تو دوسرے حضرات کو خیال ہوا کہ روزے سے نہیں، ہمارے نزدیک مستحب یہ ہے کہ حاجی عرفات میں یوم عرفہ روزہ نہ رکھے۔ اسی میں حضور اقدس ﷺ کی اقتداء ہے، نیز وقوف اور دعاء وغیرہ میں آسانی بھی ہے۔

امام عطاء نے فرمایا کہ جو اس دن روزہ نہ رکھے تاکہ کما حقہ اعمال حج ادا کرسکیں تو اسے روزے کا ثواب ملے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ کہتے تھے، اس لیے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[6] کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کے باوجود اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ عرفات میں روزہ رکھتے تھے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ایک روایت ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۳۰۰)

۹۸۰- ح: اَنْ لَّا یُخَالِفَ ابْنَ عُمَرَ فِی الْحَجِّ

[حج کے معاملہ میں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی مخالفت نہ کرنا]

۹۸۰ - عَنْ سَالِمٍ قَالَ کَتَبَ عَبْدُالْمَلِکِ اِلَی الْحَجَّاجِ اَنْ لَّا یُخَالِفَ ابْنَ عُمَرَ فِی الْحَجِّ فَجَآءَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَنَا مَعَهٗ یَوْمَ عَرَفَةَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ فَصَاحَ عِنْدَ سُرَادِقِ الْحَجَّاجِ فَخَرَجَ وَعَلَیْهِ مِلْحَفَةٌ مُعَصْفَرَةٌ فَقَالَ مَا لَکَ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَقَالَ الرَّوَاحَ اِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ السُّنَّةَ قَالَ هٰذِهِ السَّاعَةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَانْظِرْنِیْ

سالم نے کہا: عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ حج کے معاملے میں حضرت ابن عمر کی مخالفت مت کرنا۔ عرفہ کے دن سورج ڈھلتے ہی حضرت ابن عمر آئے میں بھی ان کے ساتھ تھا اور حجاج کے خیمے کے پردوں کے پاس بلند آواز سے پکارا، اس پر حجاج نکلا اور وہ کسم سے رنگی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے تھا اور کہا: کیا بات ہے؟ اے ابوعبدالرحمٰن! تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: چلنا ہے اگر تو سنت پر عمل

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۶۶۔ کتاب الصیام۔ باب: النہی عن صوم الدھر
[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۹۔ کتاب الصیام۔ باب: فی صوم الدھر
[3] ترمذی۔ ص ۹۳۔ کتاب الصوم۔ باب: فی فضل صوم یوم عرفة
[4] ابن ماجہ۔ ص ۱۲۵۔ کتاب الصیام۔ باب: صیام یوم عرفة
[5] بخاری۔ ج ۱ ص ۲۶۱۔ کتاب الصوم۔ باب: قول النبی ﷺ من ظلل علیه واشتد الحر، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، داری کتاب الصوم، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۵۲)
[6] ابوداؤد۔ ص ۳۲۰۔ باب: فی صوم یوم عرفة بعرفة

حَتّٰی اُفِیْضَ عَلٰی رَأْسِیْ ثُمَّ اَخْرُجَ فَنَزَلَ حَتّٰی خَرَجَ الْحَجَّاجُ فَسَارَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَبِیْ فَقُلْتُ اِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ السُّنَّۃَ فَاقْصُرِ الْخُطْبَۃَ وَعَجِّلِ الْوُقُوْفَ فَجَعَلَ یَنْظُرُ اِلٰی عَبْدِاللّٰہِ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ عَبْدُاللّٰہِ قَالَ صَدَقَ.

(بخاری- کتاب المناسک- باب: التجھیز بالرواح یوم عرفۃ ص ۲۲۵ باب: قصر الخطبۃ بعرفۃ ص ۲۲۵، نسائی)

کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس نے کہا: ابھی؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: تھوڑی دیر انتظار کرو کہ میں اپنے سر پر پانی بہالوں، پھر آتا ہوں۔ حضرت ابن عمر اتر گئے، یہاں تک کہ حجاج نکلا اور میرے اور میرے والد ماجد کے درمیان چلا، میں نے اس سے کہا: اگر تو سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو خطبہ مختصر کر اور وقوف میں جلدی کر۔ یہ سن کر وہ حضرت عبداللہ کی جانب دیکھنے لگا، جب حضرت عبداللہ نے یہ دیکھا تو فرمایا: اس نے سچ کہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن نمازِ ظہر میں تعجیل سنت ہے۔ سورج ڈھلتے ہی فوراً بلا تاخیر امام پہلے جمعہ کی طرح دو خطبہ پڑھے، پھر ظہر کی نماز اور سنتیں پڑھے بغیر متصلاً عصر کی نماز۔ اس کے بعد وقوف کرے، ہمارے نزدیک حج میں تین خطبہ ہیں۔ ایک ساتویں ذی الحجہ کو مسجد حرام میں، جس میں منٰی جانے اور منٰی سے عرفات جانے کی تعلیم ہو، دوسرا یومِ عرفہ قبل نمازِ ظہر۔ اس میں وقوف عرفہ اور مزدلفہ جانے وہاں وقوف کرنے، رمی جمرات، قربانی، حلق یا قصر اور طواف زیارت کے احکام بیان ہونے چاہئیں۔ تیسرا گیارہ ذوالحجہ کو منٰی میں جس میں اللہ عزوجل کی حمد اور شکر ہو کہ اس نے حج ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائی۔ اور شریعت کے اتباع اور اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کا بیان ہونا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چار خطبہ مسنون ہیں، ساتویں کو حرم میں، نویں کو عرفہ میں، دسویں کو منٰی میں، بارھویں کو بھی منٰی میں۔ امام مالک کے یہاں بھی تین خطبہ ہیں، اس تفصیل کے ساتھ: ساتویں کو حرم میں صرف ایک خطبہ نماز ظہر کے بعد، دوسرا عرفات میں بعد زوال، اس کے درمیان خطیب بیٹھے گا، تیسرا گیارہ کو۔ امام احمد سے بھی اصح روایت یہی ہے کہ تین خطبہ ہیں، مگر تفصیل یہ ہے: ساتویں ذوالحجہ کو ان کے یہاں کوئی خطبہ نہیں بلکہ پہلا عرفات میں بعد زوال، پھر دس اور گیارہ کو منٰی میں۔

ابن حزم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر کے دوسرے دن یک شنبہ کو خطبہ دیا۔ ابوداؤد[1] میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں خطبہ دیا۔ ابن حزم نے یہ بھی کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دوشنبہ یوم الاکارع کو بھی خطبہ دیا، جس میں رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کی۔ ابن قدامہ نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ سے یہ مروی ہے کہ پورے عشرہ میں خطبہ دیتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ابن عبدالزبیر سے یہ مروی ہے۔

علیہ ملحفۃ معصفرۃ

''ملحفۃ'' بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ ''معصفرۃ'' کسم سے رنگی ہوئی، چونکہ کچھ صحابہ کسم کو خوشبو نہیں مانتے، اس بناء پر احرام کی حالت میں کسم سے رنگین کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ کسم سے رنگا ہوا کپڑا امردوں کو پہننا جائز مانتے ہیں۔ یہ ان کے لیے مؤید ہے کیونکہ حضرت ابن عمر نے اس پر حجاج کو ٹوکا نہیں۔

۳۱۱- وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اِذَا فَاتَتْہُ الصَّلٰوۃُ مَعَ الْاِمَامِ جَمَعَ بَیْنَھُمَا.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر امام کے ساتھ نماز نہ پاتے تو بھی جمع فرماتے۔

(بخاری- کتاب المناسک باب: الجمع بین الصلوتین بعرفۃ ص ۲۲۵)

[1] ابوداؤد ص ۲۶۹- کتاب المناسک باب: ای یوم یخطب بمنی

اس تعلیق کو امام ابراہیم حربی نے مناسک میں اور ابن منذر نے موصولاً ذکر کیا ہے' احناف کا مذہب یہ ہے کہ عرفات میں حاجی اگر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں پڑھے اور اگر امام کے ساتھ نماز نہ پائے تو ظہر اپنے وقت میں اور عصر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور مزدلفہ میں بہر صورت مغرب اور عشاء ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھے' خواہ امام کے ساتھ پڑھے یا علیحدہ۔

۹۸۱- ح: كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ [ہم موقف میں کیا کریں؟]

۹۸۱ - اَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سَالَ عَبْدَاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ سَالِمٌ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ اَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَّهَلْ تَتَّبِعُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ اِلَّا سُنَّتَهٗ.

مجھے سالم نے خبر دی جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تھا' حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: یوم عرفہ موقف میں کیا کریں؟ تو سالم نے کہا: اگر تو سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو یوم عرفہ کو سورج ڈھلتے ہی نماز پڑھ لے تو عبداللہ بن عمر نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ صحابہ مسنون طریقے کے مطابق ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ (زہری) نے سالم سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے؟ تو سالم نے کہا: تم لوگ اس معاملے میں حضور ہی کی سنت کی پیروی کرتے ہو۔

(بخاری۔ کتاب المناسک باب: الجمع بین الصلوتین بعرفۃ ص ۲۲۵)

علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ قصہ ۷۳ھ کا ہے' مگر یہ صحیح نہیں' یہ واقعہ ۷۲ھ کا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں محصور تھے۔ جمادی الآخرہ ۷۳ھ میں وہ شہید ہو چکے تھے[1] حجاج نے طواف زیارت کے علاوہ وہ تمام ارکان ادا کیے جو بیرونِ حرم ادا کیے جاتے ہیں۔ طوافِ زیارت سے محروم رہا' یہ پہلا منحوس سال تھا کہ اجتماعی طور پر حج نہ کیا جا سکا۔ صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی ذاتی وجاہت کی بناء پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پورا حج کیا' مشرکین تک ایامِ حج میں لڑائی بند کر دیتے اور اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ دوش بدوش مناسک حج ادا کرتے' مگر سفاک عبدالملک اور اس کے درندہ صفت سالار حجاج نے مسلمان ہوتے ہوئے نہ حرم کی حرمت کا پاس کیا نہ شہر حرام کا نہ حج کا۔

انتباہ

ابوذر کے علاوہ اکثر نسخوں میں یہ زائد ہے۔

بَابُ التَّعْجِيْلِ اِلَى الْمَوْقِفِ موقف کی طرف جلدی جانے کا بیان

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَيُزَادُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ هَمْ هٰذَا الْحَدِيْثُ حَدِيْثُ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَّلٰكِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُدْخِلَ فِيْهِ غَيْرَ مُعَادٍ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: اور اس باب میں یہی مالک عن ابن شہاب والی حدیث زیادہ کی جا سکتی ہے' لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس میں غیر مکرر حدیث ذکر کروں۔

اس عبارت میں "ھَمْ" فارسی لفظ ہے یا عربی ہی ہے۔ اس کے معنی ایضاً' نیز بھی کے قریب قریب ہے۔ امام بخاری یہ بتانا چاہتے

[1] بدایہ نہایہ۔ ج ۷ ص ۳۲۹

ہیں کہ ابھی حضرت ابن عمر اور حجاج والی مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ وقوف میں جلدی ہونی چاہیے۔ اسے اس بات میں ذکر کیا جا سکتا ہے' مگر میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حدیث ذکر کروں جو پہلے کہیں مذکور نہ ہو' لیکن انہیں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی' جو ان کی شرط پر اس مدعا کی مثبت ہو' اس لیے یہ باب حدیث سے خالی رہ گیا۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت امام بخاری احادیث کو مکرر لاتے ہیں' تو اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے' مثلاً تبدیلی اسناد زیادتی معنی وغیرہ اور جو تکرار ان فوائد سے بھی خالی ہو' وہ بہت کم اور بلا قصد ہے۔

۹۸۲- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَضْلَلْتُ بَعِيرًا لِّي فَذَهَبْتُ أَطْلُبُهُ يَوْمَ عَرَفَةَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا بِعَرَفَةَ فَقُلْتُ هٰذَا وَاللّٰهِ مِنَ الْحُمْسِ فَمَا شَأْنُهُ هٰهُنَا.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا: عرفہ کے دن میرا ایک اونٹ غائب ہو گیا' میں اسے تلاش کرنے کے لیے گیا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ عرفہ میں وقوف کیے ہوئے ہیں' تو میں نے کہا: یہ تو واللہ حمس میں سے ہیں' یہاں کیوں ہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الوقوف بعرفۃ ص ۲۲۰' مسلم' نسائی۔ کتاب الحج)

۹۸۳- ح: كَانَ النَّاسُ يَطُوفُونَ عُرَاةً

[(زمانۂ جاہلیت میں) لوگ برہنہ طواف کرتے]

۹۸۳- قَالَ عُرْوَةُ كَانَ النَّاسُ يَطُوفُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عُرَاةً إِلَّا الْحُمْسَ وَالْحُمْسُ قُرَيْشٌ وَّمَا وَلَدَتْ وَكَانَتِ الْحُمْسُ يَحْتَسِبُونَ عَلَى النَّاسِ يُعْطِي الرَّجُلُ الرَّجُلَ الثِّيَابَ يَطُوفُ فِيهَا وَتُعْطِي الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ الثِّيَابَ تَطُوفُ فِيهَا فَمَنْ لَّمْ تُعْطِهِ الْحُمْسُ طَافَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا وَكَانَ يُفِيضُ جَمَاعَةُ النَّاسِ مِنْ عَرَفَاتٍ وَّيُفِيضُ الْحُمْسُ مِنْ جَمْعٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي الْحُمْسِ ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ (البقرة: ۱۹۹) قَالَ كَانُوا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ فَدُفِعُوا إِلَى عَرَفَاتٍ.

حضرت عروہ نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں حمس کے علاوہ بقیہ لوگ ننگے طواف کرتے تھے اور حمس قریش اور ان کی اولاد ہیں' اور حمس کے مرد دوسرے مردوں کو' حمس کی عورت دوسری عورتوں کو ثواب کا کام سمجھ کر کپڑے دیتی تو دوسرے مرد اور عورت ان کپڑوں میں طواف کرتے اور جسے حمس کپڑے نہ دیتے وہ ننگا طواف کرتا اور لوگ عرفات جا کر لوٹتے مگر حمس (عرفات نہیں جاتے) مزدلفہ جاتے اور وہیں سے لوٹتے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حمس ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے: اس کے بعد تم لوگ بھی وہیں سے واپس لوٹو جہاں سے اور لوگ لوٹتے ہیں۔ عروہ نے کہا: یہ جمع ہی سے لوٹتے تھے تو ان کو عرفات بھیجا گیا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک باب: الوقوف بعرفۃ ص ۲۲۶)

الحُمس

"الحُمس"، "احمس" کی جمع ہے اس کا مادہ حمس اور حماسہ ہے۔ کسی معاملہ میں سخت ہونا' احمس کے معنی ہوئے: دین میں سختی کرنے والا' ان مخصوص قبائل کا نام ہے جو اپنے آپ کو مناسک حج میں دوسروں سے ممتاز اور مستثنیٰ سمجھتے تھے۔ یہ عرفات نہیں جاتے' مزدلفہ ہی میں رہ جاتے۔ یہ لوگ اپنے کپڑوں میں طواف کرتے' دوسرے لوگ اپنے کپڑوں میں پہلا طواف نہیں کر سکتے تھے یا تو حمس سے کپڑے دیں یا ننگے کریں اور نہ حرم کے باہر والے حرم میں وہ کھانا کھا سکتے تھے جو حرم کے باہر سے لائے ہیں۔ حالت احرام میں گوشت نہیں کھاتے اور نہ کمبل کے خیمے میں رہتے۔ جب مکہ واپس آتے تو اپنے کپڑے اتار دیتے۔ حمس میں کون کون قبائل داخل تھے' تتبع کے بعد یہ معلوم ہوا کہ قریش اور قریش کے حلفاء اور بنو خزاعہ' بنو کنانہ' بنو عامر بن صعصعہ' ثقیف' لیث بن بکر اور جدیلہ قریش۔

موقف

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نویں کو عرفات میں وقوف فرمایا کرتے تھے اور یہی طریقہ جاری رہا، مگر بعد میں ان لوگوں نے اپنی امتیازی شان باقی رکھنے کے لیے عرفات جانا چھوڑ دیا۔ اور یہ کہا: ہم اہل حرم ہیں، ہم حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ مزدلفہ حدود حرم میں ہے اور عرفات حدودِ حرم کے باہر۔ حضور اقدس ﷺ مکہ معظمہ قیام کے ایام میں حج فرمایا کرتے تھے۔ اور بالہام خداوندی حمس کی عادت کے خلاف عرفہ جا کر موقف ابراہیم پر وقوف فرمایا کرتے۔ اسی کو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے دیکھا، یہ واقعہ قبل ہجرت کا ہے۔

امام المغازی ابن اسحاق، امام الائمہ ابن خزیمہ، اسحٰق بن راھویہ استاذ امام بخاری نے قدرے اختلاف اور زیادتی کمی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ قریش نے وقوف عرفات چھوڑ دیا تھا اور مزدلفہ ہی سے لوٹ آتے اور کہتے: ہم حمس ہیں، حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں میرا ایک جانور غائب ہو گیا۔ ڈھونڈا تو عرفات میں ملا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کے ساتھ اونٹ پر عرفات میں وقوف کیے ہوئے ہیں۔ جب میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں نے جانا کہ حضور کا یہ وقوف بتوفیق ایزدی تھا۔

وما ولدت

قریش کی کسی عورت کو اگر دوسرے قبیلے والا پیغام دیتا تو قریش یہ شرط کرتے کہ اس عورت سے جو اولاد ہوگی وہ ہمارے دین پر ہوگی۔ اس طرح قریشی عورتوں سے جو بچے پیدا ہوتے وہ بھی حمس میں داخل ہو جاتے اگرچہ ان کے باپ غیر قریشی ہوں۔ اس دستور کے مطابق بنو کنانہ، ثقیف، بنو خزاعہ، لیث بن ابوبکر، بنو عامر بن صعصعہ، غزوان وغیرہ کے وہ افراد جو قریشی ماؤں کے بطن سے تھے، حمس میں داخل ہو گئے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ بنیادی طور پر حمس قریش ہی تھے، بقیہ مذکورہ بالا قانون کی وجہ سے داخل ہوئے۔

عرفات

یہ جمع مؤنث سالم کے وزن پر ضرور ہے مگر جمع نہیں، کیونکہ اس کے لیے کوئی واحد نہیں اور نہ اس کا صدق متعدد پر ہے، جیسے اذرعات ہے، یہ شام میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں کی شراب مشہور تھی، عرفہ اس کا واحد نہیں، کیونکہ یہ اور عرفات دونوں ہم معنی ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہاں کے چند ٹکڑوں کے نام الگ الگ عرفہ ہوں اور ان سب کے مجموعے کا نام عرفات ہو۔ قرآن مجید میں اسے کسرہ اور تنوین کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ اس کے باوجود اس کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے۔ قاضی بیضاوی وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ غیر منصرف ہے علیت اور تانیث کی وجہ سے اور اس پر جو تنوین ہے وہ تمکن کے لیے نہیں، جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلے کے لیے ہے اور غیر منصرف پر کسرہ اس وقت نہیں آتا جبکہ تنوین تمکن کا آنا غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو اور اس کے عوض کچھ نہ ہو، جیسے اضافت اور الف لام۔ یہی وجہ ہے کہ الف لام اور اضافت کے ساتھ کسرہ آتا ہے، جیسے "مررت بالاحمد وباحمدکم" عرفات کی تنوین تمکن اگرچہ بغیر عوض ہے مگر غیر منصرف ہونے کی وجہ سے نہیں گئی ہے بلکہ تنوین مقابلہ کی موجودگی کی وجہ سے گئی ہے تاکہ دو تنوینوں کا اجتماع لازم نہ آئے۔

زمخشری وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ منصرف ہے، کیونکہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب نہیں۔ علیت تو ہے مگر اور کوئی دوسرا سبب نہیں۔ اگر ہوتی تو تانیث ہوتی وہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی تاء مطولہ جمع مؤنث سالم کی علامت ہے۔ تاء تانیث نہیں اور تاء

کو مقدر یوں نہیں مانا جاسکتا کہ جمع مؤنث سالم کا صیغہ مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ اگر اس میں تاء تانیث مقدر مانیں گے تو دو علامت تانیث کا اجتماع لازم آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مؤمنات صالحات کسی عورت کا نام رکھ دیا جائے تو بھی وہ منصرف ہی رہیں گے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ کسی کا نام رکھ دیا گیا تو اب یہ جمع کہاں رہ گئے کہ اس کی تاء جمع مؤنث سالم کی ہو اور تاء کی تقدیر پر دو علامات تانیث کا اجتماع لازم آئے گا۔ یہ سب بحث اس صورت میں ہے کہ عرفات کو جمع مانا جائے مگر حقیقت میں یہ جمع نہیں واحد ہے۔ اور جب یہ واحد ہے تو نہ اس کی تاء جمع مؤنث سالم کی تاء ہوئی اور نہ اس کی تنوین تنوین مقابلہ اس لیے دونوں فریقوں کی اپنی اپنی نکتہ آفرینی ساقط۔ اب اگر اسے مکان کا نام مانیں تو منصرف اور بقعہ کا نام مانیں تو غیر منصرف علیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے قرآن مجید میں بتاویل اسم مکان منصرف ہے۔ "هٰذا ما ظهر لی والعلم بالحق عند ربی وعلمه جل مجده اتم واحكم" یہ اسم مرتجل ہے منقول نہیں۔ اس لیے کہ منقول کے لیے منقول عنہ لازم ہے اور اس کا سوائے اس مبارک خطے کے نام کے اور کوئی استعمال نہیں۔ اس کا مرتجل ہونا اسی کا مؤید ہے جو ہم نے لکھا کیونکہ اب یہ لفظاً بھی واحد ہوا اور معناً بھی۔ زیادہ سے زیادہ جمع کے وزن پر ہوا مگر جمع ہونے کے لیے صرف وزن کافی نہیں اس کے لیے واحد ہونا بھی لازم اور کثیر پر صدق بھی یہاں دونوں منتفی۔

عرفات کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ حضرت آدم اور حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے دنیا میں نزول کے بعد یہیں ملاقات ہوئی اور ایک نے دوسرے کو پہچانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس کی شناخت کرائی گئی جب عرفات پہنچے تو وحی کے مطابق پا کر اسے پہچان لیا۔ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ساتھ لے کر حج کے مشاعر دکھائے جب یہاں پہنچے اور اسے دکھایا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا: میں نے پہچان لیا۔ عرف بلندی کو کہتے ہیں اسی لیے پہاڑوں کو اعراف کہا جاتا ہے یہاں متعدد پہاڑ ہیں اس لیے اسے عرفات کہتے ہیں۔

وقوف عرفہ

وقوف عرفہ ہی حج کا سب سے اہم رکن اور فرض ہے۔ وقوف کا وقت نویں ذوالحجہ کے زوال کے وقت سے لے کر دسویں کی فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔ ان اوقات میں آدمی کسی وقت بھی عرفات پہنچ گیا اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔

غروب آفتاب تک وقوف واجب ہے اگر سورج ڈوبنے سے پہلے حدود عرفات سے نکل گیا تو دم واجب ہے عرفہ کا نشیب چھوڑ کر پورا عرفات موقف ہے جہاں تک ہو سکے جبل رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کے فرش لگے ہیں۔ وقوف کرے امام کے دائیں بائیں سامنے سے افضل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ موقف اعظم میں جا کر شریک ہو۔ مسجد نمرہ شریف میں امام کے پیچھے نمازیں پڑھیں اگرچہ امام فاسق ظالم ہو۔ بشرطیکہ ایسا بدمذہب نہ ہو جس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہوئی ہو۔ علامہ عینی نے لکھا:

فيه الصلوة خلف الفاجر من الولاة مالم تخرجه بدعته عن الاسلام. (عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۰۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ والی فاجر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جائے جب تک اس کی بدمذہبی اسے اسلام سے خارج نہ کر دے۔

۹۸۴- ح: كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ   [آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معمول سے چلتے]

۹۸۴- عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ وَاَنَا جَالِسٌ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ قَالَ

عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اور میں وہاں بیٹھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عرفات سے چلے تو کس رفتار سے چلے؟ فرمایا: آپ معمول کے مطابق چلتے اور جب

كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ قَالَ هِشَامٌ وَّالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ فَجْوَةٌ مُّتَّسَعٌ وَّالْجَمْعُ فَجَوَاتٌ وَّفِجَاءٌ وَّكَذٰلِكَ رَكْوَةٌ وَّرِكَاءٌ ﴿وَّمَنَاصٌ﴾ (ص:٣) لَّيْسَ حِيْنَ فِرَارٍ.

کشادگی ملتی تو اونٹنی کچھ دوڑاتے۔ ہشام نے کہا: نص عنق سے اوپر ہے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: "فجوة" کے معنی کشادہ جگہ کے ہیں' اس کی جمع "فجوات" اور "فجاء" آتی ہے' ایسے ہی "ركوة" کی "ركاء" (اور قرآن مجید میں جو فرمایا:) "ولات حين مناص" اس کے معنی ہیں کہ فرار کا وقت نہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: السير اذا دفع من عرفة ص ۲۲۶' کتاب الجہاد۔ باب: السرعة في السير ص ۴۲۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجة الوداع ص ۶۳۳' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجۃ۔ کتاب المناسک' موطا امام مالک)

حجۃ الوداع

یہ اسلام کا دوسرا حج ہے' ۹ھ میں پہلا حج حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ہوا تھا' دوسرا حج ۱۰ھ میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا۔ "وداع" کے معنی رخصت کرنے کے ہیں' اس حج میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کو رخصت فرمایا تھا' اس لیے اس کا نام حجۃ الوداع پڑا۔ صاف صاف فرمادیا تھا: "لعلي لا القاكم بعد عامي هٰذا" اس سال کے بعد تم سے میری ملاقات نہ ہو گی۔ اس کا دوسرا نام حجۃ البلاغ ہے' اس حج کے خطبات میں اُمت کو بہت اہم اور بنیادی پیغامات پہنچائے تھے۔ ارشاد فرمایا تھا: "هل بلغت"۔ اس کا تیسرا نام حجۃ الاسلام بھی ہے' اسلام کے بعد یہ پہلا حج تھا جس میں کوئی مشرک شریک نہ ہوا تھا۔ "عنقٌ" معمول کے مطابق چلنے کو کہتے ہیں۔ "نص" پوری قوت سے دوڑنا' چونکہ سورج ڈوبنے کے بعد عرفہ سے چلتے ہیں اور مزدلفہ وہاں سے تین میل ہے۔ عرفات کا سارا مجمع ساتھ تھا' جلد وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء ساتھ ساتھ پڑھنی ہے۔ اس لیے جب موقع ملتا تو اونٹنی کو دوڑا دیتے' ورنہ جیسے ممکن ہوتا چلتے۔ مزدلفہ سے منیٰ کی واپسی میں سکون و وقار کے ساتھ راستہ طے فرمایا' البتہ وادیٔ محسر میں پوری قوت سے جانور کو دوڑاتے' جیسا کہ ترمذی[1] میں ہے: وادیٔ محسر ہی وہ جگہ ہے جہاں ابرہہ کی فوج کے ہاتھی رک گئے تھے۔ مہاوتوں نے بہت کوشش کی مگر آگے نہ بڑھے' یہیں کنکریوں سے ابرہہ کا پورا لشکر تباہ و برباد ہوا تھا' چونکہ یہ جگہ نزول عذاب کی تھی' اس لیے وہاں سے تیزی سے گزر گئے۔

ہدایت

عام حجاج نہ ان دل آویز باتوں سے واقف ہوتے ہیں' نہ انہیں ان سے دلچسپی ہوتی ہیں اور جنہیں واقفیت بھی ہے' وہ بھی تن آسانی کے لیے موٹروں سے سفر کرتے ہیں حالانکہ بہ نسبت موٹر کے پیدل منیٰ آنے میں آسانی بھی ہے اور وقت کی بچت بھی۔ صبح کا سہانا ٹھنڈا وقت ہوتا ہے' بہت آرام کے ساتھ راستہ طے ہو جاتا ہے۔ اس میں دو اہم فائدے ہیں: ایک وادیٔ محسر میں دوڑ کی سنت نصیب ہوتی ہے' دوسرے مسنون وقت پر رمی ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھیڑ بھی کم ہوتی ہے' پھر آدمی ہمت کرے تو اسی دن قربانی کر کے احرام کھول کر طواف زیارت بھی کر سکتا ہے۔ اس خادم کو اس کے رب عزوجل نے یہ توفیق دی کہ مزدلفہ سے منیٰ پیدل آیا۔ فالحمد علی ذلک!

---

[1] ترمذی۔ ص ۱۰۸۔ کتاب الحج۔ باب: في الافاضة من عرفات

مناص

اس حدیث میں ''نَصَّ'' آیا ہے اس کے مناسب قرآن مجید میں ''ولات حین مناص'' ہے اس لیے حسب عادت امام بخاری نے لفظ ''مناص'' کی تفسیر فرمادی کہ مناص کے معنی فرار کے ہیں اگر چہ نَصّ اور مَناص کے مادے الگ الگ ہیں۔ نَصّ مضاعف ہے اور مناص اجوف واوی اور اس کا مصدر نوص ہے۔ مناص مصدر میمی بھی ہے اور اسم ظرف بھی۔ مصدر کے معنی فرار کے ہیں اور اسم ظرف کے معنی فرار کی جگہ کے ہیں۔

بعض لوگوں نے حضرت امام بخاری پر یہ بدگمانی کی ہے کہ انہیں وہم ہوگیا ہے کہ مناص اور نص کا مادہ ایک ہی ہے اس لیے اسے ذکر کیا ہے۔ یہ ''ان بعض الظن اثم'' کی قبیل سے ہے۔ حضرت امام بخاری کی جلالت شان اس سے منزہ ہے کہ وہ ایسا رکیک وہم کریں۔

۹۸۵- ح: يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ

[آپ (ﷺ مزدلفہ میں) مغرب اور رعشاء اکٹھی پڑھتے]

۹۸۵ - عَنْ نَّافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ غَيْرَ أَنَّهُ يَمُرُّ بِالشِّعْبِ الَّذِيْ أَخَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَدْخُلُ فِيْهِ فَيَنْتَفِضُ وَيَتَوَضَّأُ وَلَا يُصَلِّيْ حَتّٰى يُصَلِّيَ بِجَمْعٍ.

نافع نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمع (مزدلفہ) میں مغرب اور عشاء ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور وہ اس گھاٹی میں بھی جاتے جس سے رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تھے اور وہاں قضاء حاجت کرتے اور وضو کرتے اور نماز نہ پڑھتے، جمع میں آ کر پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: النزول بين عرفة وجمع ص۲۲۶، مسلم۔ کتاب الحج)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ افضل یہ ہے کہ مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستے میں کہیں رک کر ضروریات سے فارغ ہولے، مگر راستے میں کہیں مغرب کی نماز نہ پڑھے۔ افضل یہ ہے کہ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان راستے میں باوضو رہے، حتیٰ کہ اگر وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع تمام اُمور میں موجب خیر ہے، حتیٰ کہ فطری عادات و ضروریات میں بھی۔

۹۸۶- ح: لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى بَلَغَ الْجَمْرَةَ

[آپ (ﷺ) لبیک پکارتے رہتے حتیٰ کہ جمرہ پہنچ جاتے]

۹۸۶ - عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ثُمَّ رَدِفَ الْفَضْلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ جَمْعٍ قَالَ كُرَيْبٌ فَأَخْبَرَنِيْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْفَضْلِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى بَلَغَ الْجَمْرَةَ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: اس کے بعد جمع کی صبح کو حضرت فضل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار ہوئے۔ حضرت فضل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک جمرہ نہیں پہنچے برابر لبیک پکارتے رہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: النزول بين عرفة وجمع ص۲۲۶)

کتاب الوضوء ج۱ ص ۴۱۵ 'رقم: ۱۰۱' پر اس حدیث کا ابتدائی حصہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ عرفات سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے حضرت اسامہ سوار تھے۔ جب آپ اس بائیں گھاٹی پر پہنچے جو مزدلفہ کے قریب ہے تو اونٹ بٹھایا اور پیشاب کیا' پھر تشریف لائے تو میں نے وضو کا پانی ڈالا' آپ نے ہلکا وضو فرمایا' میں نے عرض کیا: نماز؟ تو فرمایا: نماز تیرے آگے ہے۔ اس کے بعد سوار ہوئے یہاں تک کہ مزدلفہ آئے اور پورا وضو کیا' اس کے بعد اقامت ہوئی اور مغرب پڑھی' پھر سب نے اپنی اپنی جگہ اونٹ بٹھایا' اس کے بعد عشاء کی نماز ہوئی۔ ان دونوں نمازوں کے مابین آپ نے کوئی نماز نہ پڑھی' اس کے بعد یہ حصہ ہے جو ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

۹۸۷- ح: فَسَمِعَ زَجْرًا شَدِيْدًا وَّضَرْبًا بِالْإِبِلِ

[آپ (ﷺ) نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ ڈپٹ اور اونٹ پر مار سنی]

۹۸۷ - اَخْبَرَنِىْ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ مَّوْلٰى وَالِبَةَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنِىْ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهٗ زَجْرًا شَدِيْدًا وَّضَرْبًا بِالْإِبِلِ فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ ﴿اَوْضَعُوْا﴾ (التوبہ:۴۷) اَسْرَعُوْا ﴿خِلَالَكُمْ﴾ (التوبہ:۴۷) مِنَ التَّخَلُّلِ بَيْنَكُمْ ﴿وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا﴾ (الکہف:۳۳) بَيْنَهُمَا.

والبہ کوفی کے مولیٰ حضرت سعید بن جبیر (شہید) نے خبر دی کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ (عرفات سے) یوم عرفہ چلے تو نبی ﷺ نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ ڈپٹ اور اونٹوں پر مار سنی تو اپنے کوڑے سے ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: اے لوگو! سکون کے ساتھ چلو' دوڑنا نیکی نہیں۔ ''اوضعوا'' کے معنی ''اسرعوا'' ہے' ''خلالکم' تخلل بینکم'' سے ہے اور ''فجرنا خلالھما'' میں ''خلالھما'' کے معنی ''بینھما'' کے ہیں' یعنی ان دونوں کے درمیان۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: امر النبی ﷺ بالسکینۃ عند الافاضۃ ص ۲۲۷)

والبہ

بنی اسد کی ایک شاخ ہے' حضرت سعید بن جبیر اس قبیلہ کے غلام تھے۔ انہیں حجاج نے ۹۵ھ میں شہید کر ڈالا۔ لوگوں کو مزدلفہ پہنچنے کی جلدی مچی تھی' اس لیے اونٹوں کو ڈانٹ ڈپٹ رہے تھے' ان پر کوڑے برسا رہے تھے۔ رحمت عالم کو گوارا نہ ہوا' لوگوں کو تنبیہ فرمائی: جلدی نہ مچاؤ' جانوروں کو نہ ستاؤ' جانوروں کو دوڑانا نیکی نہیں' بھیڑ میں جانوروں کو دوڑانا خطرناک بھی ہے۔

اس حدیث میں ''بالایضاع'' آیا ہے' اس کے معنی دوڑانے کے ہیں اور قرآن کریم میں اسی کا صیغہ جمع مذکر ''لَا وْضَعُوْا'' آیا ہے' ارشاد ہے:

لَوْخَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ. (التوبہ:۴۷)

اگر وہ تم میں نکلتے تو سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوتا کہ تمہیں نقصان زیادہ ہوتا اور وہ تمہارے مابین فساد پھیلانے کے لیے دوڑتے۔

اس لیے امام بخاری نے حسب عادت کریمہ ''اوضعوا'' اور ''خلالکم'' کی تفسیر فرمائی کہ ''اوضعوا'' کا معنی ''اسرعوا'' ہے' یعنی دوڑتے اور خلال کے معنی درمیان ہے' جیسے ''تَخَلُّل'' کے معنی درمیان کی خالی جگہ ہے۔ ایک اور آیت میں ہے:

وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ (الکہف:۳۲)

اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بہائی ۝

اس آیت میں بھی خلال کے معنی درمیان کے ہیں' اسے بھی امام بخاری نے واضح فرمادیا۔

۹۸۸- ح: جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ بِإِقَامَةٍ

[نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جمع میں مغرب اور عشاء کو ایک ہی اقامت سے ملا کر پڑھا]

۹۸۸- عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بِإِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى اِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع میں مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھا' ہر ایک ایک اقامت سے اور ان دونوں کے درمیان نفل نماز نہیں پڑھی اور نہ ان دونوں میں سے کسی کے بعد۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من جمع بینهما ولم تطوع ص ۲۲۷' ابوداؤد۔ کتاب الحج' نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب الصلوٰۃ)

مزدلفہ میں نماز مغرب وعشاء کے احکام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہوا کہ مزدلفہ میں ایک اذان ایک اقامت سے مغرب اور عشاء اس طرح ملا کر پڑھی جائے کہ دونوں کے مابین مغرب کی سنت مؤکدہ بھی نہ پڑھی جائے' یہی ہمارا مذہب ہے۔ سنتوں کے بارے میں البتہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ عشاء کے فرضوں کے بعد پڑھے' اور اس حدیث میں یہ ہے کہ نہ ان دونوں کے درمیان نفل پڑھے اور نہ ان کے بعد۔ دونوں کے درمیان نہ پڑھنے کی بات تو قطعی ہے کیونکہ راوی موجود تھے' انہوں نے خود دیکھا۔ اسی طرح یہ بھی یقینی ہے کہ عشاء کے بعد بھی وہاں فوراً نہیں پڑھے' لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ رات میں کسی وقت پڑھے ہوں' اس لیے یہ ہمارے مذہب کے معارض نہیں اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہ اذان کا ذکر ہے نہ اقامت کا اور نہ نفل پڑھنے اور نہ پڑھنے کا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مغرب کے لیے بھی اذان واقامت کہلائی اور عشاء کے لیے بھی۔ نیز یہ کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ نیز یہ کہ دونوں نمازوں کو ملا کر نہیں پڑھا' بلکہ ان کے درمیان کھانا تناول فرمایا۔ اس کے برخلاف حضرت جابر کی حدیث طویل جو مسلم[1] اور ابن ماجہ[2] میں ہے۔ اس میں یہ ہے: ''ولم یسبح بینهما'' مغرب اور عشاء کے درمیان نفل نہیں پڑھے۔ اسی طرح خود حضرت جابر سے مصنف ابن ابی شیبہ[3] میں جو روایت ہے' اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع میں مغرب اور عشاء ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھی۔ اسی طرح مسلم[4] میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر شہید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جمع پہنچے تو انہوں نے ہمیں مغرب اور عشاء ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھائی اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ ہمیں ایسے ہی نماز پڑھائی تھی۔ اور امام ابوالشیخ[5] نے انہیں حضرت سعید بن جبیر شہید سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک اقامت سے پڑھی۔ ابوداؤد[6] میں اشعث بن سلیم عن ابیہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نے مزدلفہ پہنچنے کے بعد کسی کو اذان اور اقامت کا حکم دیا اور تین رکعت مغرب پڑھی' پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: نماز! پھر عشاء پڑھی اس سے فارغ ہو کر کھانا طلب فرمایا اور کھایا۔ اشعث بن سلیم نے یہ بھی کہا کہ میرے والد کے مثل علاج بن عمرو نے بھی خبر دی ہے اور یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی پڑھی ہے۔ ان سب کے معارض مسلم وغیرہ میں حضرت جابر کی حدیث طویل میں ہے: مغرب اور عشاء دو اذان اور دو اقامت سے پڑھی۔ اب جبکہ احادیث

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۹۸۔ کتاب الحج۔ باب: حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [2] ابن ماجہ۔ ص ۲۲۸۔ کتاب المناسک۔ باب: حجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
[3] فتح القدیر۔ ج ۲ ص ۳۷۷ [4] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۱۷۔ کتاب الحج۔ باب: الافاضہ من عرفات الی المزدلفة
[5] فتح القدیر۔ ص ۳۷۷ [6] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۶۷۔ کتاب المناسک۔ باب: الصلوٰۃ بجمع

میں تعارض ہے تو احناف نے فرمایا کہ عرفات میں تقاضائے مصلحت یہی ہے کہ ظہر اور عصر ایک اقامت سے پڑھی جائے' اس لیے کہ وہاں عصر وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس کا خدشہ ہے کہ عوام ظہر پڑھتے ہی منتشر ہو جائیں تو اس لیے عصر کے لیے اقامت کہلائی جائے اور یہاں مزدلفہ میں جمع تاخیر ہے یعنی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی جا رہی ہے' اس لیے اس کا ذرہ برابر تو ہم بھی نہیں کہ لوگ یہ تصور کریں کہ ابھی عشاء نہیں پڑھی جائے گی' اس لیے ہم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی ان روایات کو ترجیح دی۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے' اس پر بھی ہمارا عمل ہے۔ اگر کوئی مغرب اور عشاء ملا کر نہ پڑھے اور درمیان میں کھائے پیئے تو وہ دونوں کو دو اذان اور دو اقامت سے پڑھے۔ اور مغرب کی سنتیں مغرب کے بعد اور عشاء کی سنتیں عشاء کے بعد پڑھے۔

تحولان عن وقتها

آج مغرب کا وقت بدل دیا گیا ہے' بجائے غروبِ شفق سے پہلے کے غروبِ شفق کے بعد کر دیا گیا ہے اور فجر وقت معتاد کے بجائے اوّل وقت میں پڑھی جائے گی' یعنی ہمیشہ اسفار میں پڑھی جاتی تھی' اب ابتداء وقت تغلیس میں پڑھی جائے گی تا کہ وقوف کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے۔ اس کے بعد ''باب متی یصلی الفجر بجمع'' میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اتنی جلد نماز پڑھی کہ کوئی کہتا: فجر طلوع ہوئی' کوئی کہتا: نہیں ہوئی۔

وقوف مزدلفہ

اس کا وقت طلوعِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے مابین ہے' اور یہ ہمارے نزدیک واجب ہے فرض نہیں[1]' اس لیے کہ اس کا ثبوت خبر احاد سے ہے' کسی قطعی الثبوت قطعی الدلالت نص سے نہیں۔ نیز ابھی حدیث آ رہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمزور اہل کو رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا۔ اگر فرض ہوتا تو یہ کبھی نہ کرتے۔ وجوب کی دلیل یہ حدیث ہے: عروہ بن مضرس کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (مزدلفہ) کے موقف میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں جبل طی سے حاضر ہوا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو بے دم کر دیا' اپنے آپ کو تھکا دیا۔ ان پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ ایسا نہیں' جہاں میں نے وقوف نہ کیا ہو' تو آپ نے فرمایا: جو ہمارے ساتھ یہ نماز پالے' یعنی نمازِ فجر مزدلفہ میں اور اس کے پہلے عرفہ ہو آیا ہو' خواہ رات میں خواہ دن میں' تو اس کا حج پورا ہو گیا۔[2] حج کی تکمیل کو وقوف مزدلفہ پر بھی موقوف فرمایا' یہ دلیل وجوب ہے' مگر چونکہ یہ خبر واحد ہے اس لیے مفید فرضیت نہیں۔

۹۸۹- ح: جَمَعَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی]

۹۸۹ - حَدَّثَنِیْ اَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ.

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ملا کر پڑھی۔

(بخاری- کتاب المناسک- باب: من جمع بینهما ولم یتطوع ص ۲۲۷)

۱۔ الارجۃ فی الحج

۹۹۰- ح: حَجَّ عَبْدُاللّٰهِ فَاَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ

[حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے حج کیا، پھر ہم مزدلفہ پہنچے]

۹۹۰- سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ حَجَّ عَبْدُاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِيْنَ الْاَذَانِ بِالْعَتَمَةِ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ فَاَمَرَ رَجُلًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَصَلّٰى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِعَشَاءِهٖ فَتَعَشّٰى ثُمَّ اَمَرَ اُرٰى فَاَذَّنَ وَاَقَامَ قَالَ عَمْرٌو لَا اَعْلَمُ الشَّكَّ اِلَّا مِنْ زُهَيْرٍ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ اِلَّا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ هُمَا صَلَاتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ وَالْفَجْرُ حِيْنَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ.

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور مزدلفہ عشاء کی اذان کے وقت پہنچے یا اس کے قریب تو ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان اور اقامت کہی، پھر مغرب پڑھی اور اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھانا منگایا اور تناول فرمایا، پھر حکم دیا: میں گمان کرتا ہوں تو اُس نے اذان اور اقامت کہی۔ عمرو بن خالد نے کہا: یہ شک زہیر کو ہوا۔ اس کے بعد عشاء کی دو رکعت پڑھی اور جب فجر چمکی تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اس نماز کے اور وہ بھی اس جگہ کے اور اس دن کے اور کوئی نماز اس وقت نہیں پڑھتے تھے۔ عبداللہ نے فرمایا: یہ دونوں نمازیں اپنے وقتوں سے ہٹا دی گئی ہیں، مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ پہنچنے کے بعد اور فجر جب صبح صادق چمکے، فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اذن واقام لکل واحدة منهما ص۲۲۷، باب: متی یصلی الفجر بجمع ص۲۲۸، نسائی)

۹۹۱- ح: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُقَدِّمُ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ فَيَقِفُوْنَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

[اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) اپنے کمزور اہل و عیال کو پہلے بھیج دیتے جو مشعر کے قریب مزدلفہ میں وقوف کرتے]

۹۹۱- قَالَ سَالِمٌ وَّكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُقَدِّمُ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ فَيَقِفُوْنَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ فَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مَا بَدَا لَهُمْ ثُمَّ يَرْجِعُوْنَ قَبْلَ اَنْ يَّقِفَ الْاِمَامُ وَقَبْلَ اَنْ يَّدْفَعَ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّقْدَمُ مِنًى لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقْدَمُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا قَدِمُوْا رَمَوُا الْجَمْرَةَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ اَرْخَصَ فِيْ اُوْلٰٓئِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سالم نے کہا: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کمزور اہل و عیال کو پہلے بھیج دیتے جو مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں رات میں وقوف کرتے اور جتنا ان کا جی چاہتا اللہ کا ذکر کرتے، پھر امام کے وقوف اور امام کی واپسی سے پہلے لوٹتے۔ کچھ تو نماز فجر کے لیے منیٰ آ جاتے اور کچھ اس کے بعد اور جس وقت منیٰ آتے تو جمرہ پر کنکری مارتے اور حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اس بارے میں اجازت دی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من قدم ضعفة اهله بلیل ص۲۲۸، مسلم۔ کتاب الحج)

۹۹۲- ح: بَعَثَنِيْ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے جمع سے رات ہی میں بھیج دیا]

٩٩٢ - عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع سے رات ہی میں بھیج دیا تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من قدم ضعفة اهله بليل ص ۲۲۸)

٩٩٣- ح: اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ

[میں ان میں سے ہوں جن کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ہی رات میں مزدلفہ بھیج دیا]

٩٩٣ - اَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِي يَزِيْدَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِي ضَعَفَةِ اَهْلِهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات میں اپنے اہل خانہ کے کمزور لوگوں میں (منیٰ) پہلے بھیج دیا تھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من قدم ضعفة اهله بليل ص ۲۲۸، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کلہم فی کتاب الحج)

یہ حدیث صحاح ستہ میں پانچ طریقوں سے مروی ہے۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ بھیڑ سے بچانے کے لیے بنی ہاشم کے کچھ چھوٹے بچوں اور اپنی بعض ازواج مطہرات اور سامان کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو بھی صبح کے وقت مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیا تھا اور یہ ہدایت فرمادی تھی کہ جب تک سورج نہ نکل آئے، کنکری مت مارنا۔

٩٩٤- ح: يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ قُلْتُ نَعَمْ (الخ)

[اے بیٹے! چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں!]

٩٩٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ مَوْلٰى اَسْمَاءَ عَنْ اَسْمَاءَ اَنَّهَا نَزَلَتْ لَيْلَةَ جَمْعٍ عِنْدَ الْمُزْدَلِفَةِ فَقَامَتْ تُصَلِّيْ فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ قُلْتُ لَا فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَتْ فَارْتَحِلُوْا فَارْتَحَلْنَا فَمَضَيْنَا حَتّٰى رَمَتِ الْجَمْرَةَ ثُمَّ رَجَعَتْ فَصَلَّتِ الصُّبْحَ فِي مَنْزِلِهَا فَقُلْتُ لَهَا يَا هَنْتَاهُ مَا اُرَانَا اِلَّا قَدْ غَلَّسْنَا قَالَتْ يَا بُنَيَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لِلظُّعُنِ.

حضرت اسماء کے غلام عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ وہ جمع کی رات میں مزدلفہ کے قریب اتریں اور کھڑی ہو گئیں اور دیر تک نماز پڑھتی رہیں، پھر فرمایا: اے بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: نہیں! پھر دیر تک نماز پڑھی اور فرمایا: اے بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں! تو فرمایا: کوچ کرو! تو ہم نے کوچ کیا اور چلے یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ پر کنکری ماری، اس کے بعد لوٹیں اور صبح کی نماز اپنی قیام گاہ پر پڑھی۔ میں نے ان سے عرض کیا: اے حضور! میرا گمان ایسا ہے کہ ہم بہت بھور (اندھیرے) میں چل دیئے، تو فرمایا: اے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من قدم ضعفة اهله بليل ص ۲۲۸، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد۔ کتاب المناسک، موطا امام مالک۔ کتاب الحج، مسند امام احمد)

[لغات]

"ظُعُن"، "ظعینہ" کی جمع ہے، اس کے معنی عورت کے ہیں، اس ہودج کو بھی کہتے ہیں جس میں عورت ہو۔ اسی طرح اس

اونٹ کو بھی جس پر عورت سوار ہو۔ "ظَعْنٌ" اونٹ کے معنی میں ہے۔ "بَطِیَّۃٌ" کا معنی بدن بھاری ہو جانے کی وجہ سے چلنے پھرنے میں سست ہو جانے والی عورت کے ہیں۔ اس کے پہلے جو روایت ہے اس میں ہے: "ثقیلۃً ثَبِطَۃً" بھاری بدن سست تھیں۔
یہ احادیث ہماری دلیل ہیں کہ وقوف مزدلفہ فرض نہیں واجب ہے ورنہ عورتوں اور کمزوروں کو وقوف سے پہلے منٰی ہرگز نہ بھیجتے۔ فرض ادا کیے بغیر ساقط نہیں ہوتا' مثلاً وقوف عرفہ' طواف زیارت فرض ہے۔ بھیڑ ہو' بیمار ہو' کچھ بھی ہو ادا کیے بغیر ادا نہیں ہوں گے اور کوئی کتنا ہی کمزور ہو اس پر ان دونوں کا ادا کرنا لازم ہے۔

۹۹۵- ح: فَاسْتَأْذَنَتْ سَوْدَۃُ اَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَۃِ النَّاسِ فَاَذِنَ لَھَا

[حضرت سودہ (رضی اللہ عنہا) نے اجازت طلب کی کہ لوگوں کی بھیڑ ہونے سے قبل چلیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اجازت دے دی]

۹۹۵- عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ نَزَلْنَا الْمُزْدَلِفَۃَ فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَوْدَۃُ اَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَۃِ النَّاسِ وَکَانَتِ امْرَاَۃً بَطِیْئَۃً فَاَذِنَ لَھَا فَدَفَعَتْ قَبْلَ حَطْمَۃِ النَّاسِ وَاَقَمْنَا حَتّٰی اَصْبَحْنَا نَحْنُ ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِہٖ فَلَاَنْ اَکُوْنَ اسْتَاْذَنْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا اسْتَاْذَنَتْ سَوْدَۃُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ مَّفْرُوْحٍ بِہٖ.

قاسم بن محمد ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم مزدلفہ میں اترے تو حضرت سودہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے چل دیں اور وہ سست عورت تھیں۔ حضور نے انہیں اجازت دے دی اور وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے ہی چل دیں اور ہم صبح تک رکے رہے' پھر حضور کے ساتھ چلے۔ کاش کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سودہ کی طرح اجازت لے لی ہوتی تو مجھے ہر خوشی سے زیادہ خوشی ہوتی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من قدم ضعفة اهله بليل ص ۲۲۸' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداود۔ کتاب المناسک' نسائی۔ کتاب الصلوۃ۔ کتاب الحج)

۹۹۶- ح: مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃً لِغَیْرِ مِیْقَاتِھَا اِلَّا صَلَاتَیْنِ

[میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھتے ہیں' سوائے دو نمازوں کے]

۹۹۶- عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃً لِغَیْرِ مِیْقَاتِھَا اِلَّا صَلَاتَیْنِ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّی الْفَجْرَ قَبْلَ مِیْقَاتِھَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ کوئی بھی نماز اس کے وقت سے پہلے پڑھتے ہوں' سوائے دو نمازوں کے مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا اور فجر وقت معتاد سے پہلے پڑھی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: متى يصلى الفجر بجمع ص ۲۲۸)

قبل میقاتھا

"قبل میقاتھا" سے یہ مراد نہیں کہ فجر کو صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پڑھا' بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ اذان کے بعد سنتیں پڑھ کر کچھ دیر لیٹتے یا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات چیت کرتے رہتے' جب بلال حاضر ہو کر عرض کرتے

تو مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اور آج مزدلفہ میں صبح صادق ہوتے ہی فوراً بلا تاخیر پڑھی، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ مزدلفہ میں بھی فجر کی نماز وقت سے پہلے صحیح نہیں، خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی یہی حدیث انہیں عبدالرحمٰن بن یزید سے دوسرے طریقے سے خود بخاری ہی میں ہے کہ فرمایا: ''ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ قَائِلٌ يَّقُوْلُ طَلَعَ الْفَجْرُ وَقَائِلٌ يَّقُوْلُ لَمْ يَطْلُعْ'' پھر حضرت عبداللہ نے فجر پڑھی جب فجر طلوع ہوگئی، کوئی کہتا: فجر طلوع ہوگئی ہے، کوئی کہتا: نہیں ہوئی۔

۹۹۷- ح: ثُمَّ وَقَفَ حَتّٰى اَسْفَرَ

[وقوف کیا حتیٰ کہ اجالا ہو گیا]

۹۹۷ - عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِلٰى مَكَّةَ (الٰى ان قال) ثُمَّ وَقَفَ حَتّٰى اَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ لَوْ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَفَاضَ الْاٰنَ اَصَابَ السُّنَّةَ فَمَا اَدْرِيْ اَقَوْلُهٗ كَانَ اَسْرَعَ اَمْ دَفْعُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ. (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: متى يصلى الفجر بجمع ص۲۲۸)

عبدالرحمٰن بن یزید نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ گیا، حضرت ابن مسعود نے مزدلفہ میں فجر پڑھ کر وقوف کیا، جب خوب اجالا ہو گیا تو فرمایا: کاش! امیر المؤمنین اسی وقت چل دیتے تو سنت کے مطابق کرتے۔ عبدالرحمٰن نے کہا: میں نہیں جانتا کہ ان کا یہ ارشاد پہلے ہوا یا حضرت عثمان کا کوچ کرنا۔ حضرت ابن مسعود مسلسل لبیک پڑھتے رہے یہاں تک کہ یوم النحر جمرۃ العقبہ پر کنکری ماری۔

ابھی گزری ہوئی حدیث ۹۹۶ کا یہ تتمہ ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق کے طلوع سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔ سنت یہ ہے کہ جب آفتاب نکلنے میں دو رکعت پڑھنے کی مقدار رہ جائے تو مزدلفہ سے روانہ ہو جائیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ دس ذوالحجہ کو صرف جمرۃ العقبہ پر کنکری مارنا ہے، اور یہ بھی کہ جب تک کنکری نہ ماری جائے تلبیہ پڑھتے رہیں، پہلی کنکری پر بند کر دیں۔

۹۹۸- ح: اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ

[مشرکین (طلوع آفتاب سے پہلے) مزدلفہ سے نہیں چلتے تھے]

۹۹۸ - سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُوْنٍ يَقُوْلُ شَهِدْتُّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَلّٰى بِجَمْعٍ الصُّبْحَ ثُمَّ وَقَفَ فَقَالَ اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَيَقُوْلُوْنَ اَشْرِقْ ثَبِيْرُ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالَفَهُمْ ثُمَّ اَفَاضَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے جمع میں صبح کی نماز پڑھی، اس کے بعد وقوف فرمایا، پھر فرمایا: مشرکین سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے نہیں چلتے تھے اور کہتے تھے: ثبیر چمک اُٹھ! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت فرمائی، پھر حضرت عمر آفتاب نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے چلے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: متى يدفع من جمع ص۲۲۸، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

ثبیر

یہ مزدلفہ کا وہ پہاڑ ہے جو منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پڑتا ہے۔ یہ مکہ معظمہ کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہے۔ محمود بن حسن نے کہا: عرب میں خاص حجاز میں چار پہاڑوں کا نام ثبیر ہے۔ یہ منصرف ہے مگر یہاں چونکہ منادی معرفہ مفرد ہے اس لیے ضمہ پر مبنی ہے۔ ابن ماجہ میں یوں ہے: ''اَشْرِقْ ثَبِيْرُ كَيْمَا نُغِيْرُ'' اے ثبیر! چمک اٹھ تا کہ ہم چلیں۔ یہ ''اَغَارَ الْفَرَسُ اِغَارَةَ الثَّعْلَبِ'' سے ہے

لومڑی کی طرح بھاگا۔ محدث ابن تین نے کہا کہ بعض لوگوں نے دونوں را کے سکون کے ساتھ یاد رکھا ہے' سجع کے لیے۔

ثم افاض

اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کی ضمیر مستتر فاعل کا مرجع حضرت عمر ہوں۔ اب یہ عطف ہوگا: ''ان المشرکین لا یفیضون حتّٰی تطلع الشمس'' پر' مگر اس میں بُعد ہے۔ ترکیب کا مقتضی یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع حضور اقدس ﷺ ہوں۔ اب یہ ''وخالفھم'' پر معطوف ہوگا۔ دوسری روایتوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ترمذی میں ''فافاض'' ہے۔ امام ثوری کی روایت میں ''فخالفھم النبی ﷺ وافاض'' ہے۔ طبرانی کی روایت میں ''وان رسول اللّٰہ ﷺ کرہ ذالك فنفر قبل طلوع الشمس''۔ حضور اقدس ﷺ سورج نکلنے سے پہلے ہی مزدلفہ سے چلے تھے۔ اس پر سب سے واضح دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث طویل ہے جو مسلم وغیرہ میں مذکور ہے' اس میں غیر مبہم طور پر ہے: ''فدفع رسول اللّٰہ ﷺ حین اسفر کل شیء قبل طلوع الشمس'' رسول اللہ ﷺ جب ہر چیز روشن ہوگئی تو طلوعِ آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے چلے۔

۹۹۹- ح: سَاَلْتُ عَنِ الْمُتْعَةِ فَاَمَرَنِیْ بِهَا

[میں نے تمتع کے بارے میں پوچھا تو (مجھے) اس کا حکم دیا]

۹۹۹- اَخْبَرَنَا اَبُوْ جَمْرَةَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْمُتْعَةِ فَاَمَرَنِیْ بِهَا وَسَاَلْتُهٗ عَنِ الْهَدْیِ فَقَالَ فِیْهَا جَزُوْرٌ اَوْ بَقَرَةٌ اَوْ شَاةٌ اَوْ شِرْكٌ فِیْ

ابو جمرہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تمتع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا اور ان سے ہدی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اونٹ یا گائے یا بکری یا جانور میں شرکت۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج ص۲۲۸)

یہ حدیث ۹۳۴ کا ایک جز ہے' اس کے بعد یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اسے (تمتع کو) ناپسند جانا۔ اس کے بعد میں سویا تو دیکھا کہ ایک شخص پکار رہا ہے: یہ حج مبرور ہے اور عمرہ مقبول ہے۔ میں نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباس کو سنایا تو انہوں نے فرمایا: اللہ اکبر! حضرت ابو القاسم ﷺ کی سنت ہے۔

۱۰۰۰- ح: رَاٰی رَجُلًا یَّسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا

[ایک شخص دیکھا جو (قربانی کا) اونٹ ہانک رہا ہے' فرمایا: (اس پر) سوار ہو جاؤ]

۱۰۰۰- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا یَّسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ فَقَالَ ارْكَبْهَا قَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَیْلَكَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الثَّانِیَةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کا اونٹ ہانک رہا ہے' تو فرمایا: اس پر سوار ہو جا! تو اس نے کہا: یہ قربانی کا اونٹ ہے' پھر فرمایا: سوار ہو جا! تو اس نے عرض کیا: یہ قربانی کا اونٹ ہے' پھر فرمایا: اس پر سوار ہو جا' تیرے لیے خرابی ہو! دوسری مرتبہ میں یا تیسری میں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: رکوب البدن ص۲۲۹' باب: تقلید النعل ص۲۳۰' کتاب الوصایا۔ باب: ھل ینتفع الواقف بوقفه ص۳۸۵ ج۱' کتاب الادب۔ باب: قول الرجل ویلك ص۹۱۰' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج۲ ص۴۰۷)

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بہ طریق ہمام بن منبہ میں ہے: "بَدَنَةٌ مُقَلَّدَةٌ" یعنی اس کے گلے میں ہار پڑا ہوا پھر وہ شخص سوار ہو گیا۔ مسند امام احمد[1] میں اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ وہ اس پر سوار ہو کر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہا ہے اور اس اونٹ کی گردن میں چپل ہے۔

بدنة

"بدنة" کا مادہ "بَدَنٌ" ہے، موٹے بدن والا ہونا، ڈیل والا ہونا۔ "بَدَنَةٌ" موٹے جسم والا جانور۔ اور عرف میں وہ اونٹ اور گائے جو مکہ معظمہ میں قربانی کے لیے لے جائیں۔ اس کی جمع "بُدْنٌ" ہے۔ قرآن کریم میں ہے: "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" (الحج: ۳۶) حج اور موٹے جسم والے جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف اونٹ ہی بدنہ ہے اور ہمارے نزدیک اونٹ اور گائے دونوں ہیں۔

ويلك

اور دوسری روایتوں میں "ويحك" ہے، یہ دونوں کلمے زجر و توبیخ کے لیے ہیں، مگر کبھی کبھی شفقت و ترحم کے لیے بولتے ہیں جیسے "لَا اُمَّ لَكَ لَا اَبَ لَكَ قاتلك الله" وغیرہ۔ زمانۂ جاہلیت میں حرم میں قربانی کے لیے جو اونٹ لے جاتے اس پر سوار ہونے کو ازراہِ احترام حرام جانتے تھے، جیسے بحیرہ اور سائبہ سے کسی قسم کے نفع کو حرام جانتے تھے اور یہ شخص تھک گئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر شفقت اور زمانۂ جاہلیت کے اس اعتقاد اور رسم کو ختم کرنے کے لیے انہیں حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ، مگر پشتہا پشت سے رائج اور بچپن سے دل میں راسخ بات آسانی سے نہیں نکلتی، اس لیے انہوں نے جواب میں وہ عرض کیا، مگر جب حضور نے زجر فرمایا تو سوار ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تیر بے خطا کا اثر رکھتی ہے، انہیں تو برباد ہو جانا چاہیے تھا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ عزوجل سے یہ عہد کرا لیا کہ میں غضب و جلال میں اگر کسی مسلمان کو کوئی سخت بات کہہ دوں تو اسے اس کے لیے رحمت بنا دینا۔ اس لیے یہ کلمات سبب رحمت ہوتے ہیں۔ مسند امام احمد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اللّٰهم انی اتخذ عندك عهدا لن تخلفينه انما انا بشر فای المؤمنين اذيته او شقته او جلدته او لعنته فاجعلها له صلوٰة وزكوٰة وقربة تقرب بها يوم القيٰمة. (مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۱۶-۳۱۷)	اے اللہ! میں تجھ سے عہد لیتا ہوں اس کے خلاف نہ کرنا میں انسان ہوں جس مسلمان کو ایذاء دوں یا برا کہوں یا کوڑا ماروں یا اس پر لعنت کروں، اسے اس کے لیے رحمت، تزکیہ اور ذریعہ قربت کر دے، قیامت کے دن۔

یہ عام شراح کا جواب ہے اور اپنی جگہ درست بھی ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جب انہوں نے تعمیل حکم فرمایا تو غضب کے مورد ہی نہ رہے۔ اس سے بھی واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "ويلك" یا "ويحك" دعاء ہلاکت کے طور پر نہیں فرمایا بلکہ محبت آمیز زجر و عتاب کے طور پر ازراہِ ترحم کہا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج کے موقعہ پر قربانی کے لیے جو جانور لے جاتے ہیں ان سے بہ ضرورت انتفاع جائز ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ ہمارے نزدیک اگر حالت اضطرار کی حد تک پہنچ جائے تو سوار ہونے کی اجازت ہے۔ مسلم[2] میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہ طریق معروف اس پر سوار ہو جا اگر تو مضطر ہے تو وہ بھی اس وقت تک کہ دوسری سواری نہ ملے۔

[1] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۷۸
[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۲۶۔ کتاب الحج۔ باب: رکوب البدن

۱۰۰۱- ح: اِرْكَبْهَا ثَلَاثًا

۱۰۰۱- عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا یَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ اِرْكَبْهَا قَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا قَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ اِرْكَبْهَا ثَلَاثًا

[اس پر بیٹھ جاؤ' تین بار]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کا اونٹ ہانک رہا ہے تو آپ نے فرمایا: اس پر بیٹھ جا! اس نے کہا کہ قربانی کا اونٹ ہے' فرمایا: اس پر بیٹھ جا! اس نے کہا: یہ قربانی کا اونٹ ہے' تو آپ نے فرمایا: اس پر بیٹھ جا! تین بار۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: رکوب البدن ص۲۲۹' کتاب الوصایا۔ باب: الواقف ینتفع بوقفه ص ۳۸۳' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: قول الرجل ویلك ص ۹۱۰' مسلم' ترمذی۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۲۸۶)

۱۰۰۲- ح: وَاَهْدٰی فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْیَ

۱۰۰۲- عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ وَاَهْدٰی فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْیَ مِنْ ذِی الْحُلَیْفَةِ وَبَدَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ اَهْدٰی فَسَاقَ الْهَدْیَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ یُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدٰی فَاِنَّهٗ لَا یَحِلُّ مِنْ شَیْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَجَّهٗ وَمَنْ لَّمْ یَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰی فَلْیَطُفْ بِالْبَیْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْیُقَصِّرْ وَلْیَحْلِلْ ثُمَّ لِیُهِلَّ بِالْحَجِّ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ هَدْیًا فَلْیَصُمْ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَهْلِهٖ فَطَافَ حِیْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَیْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰی اَرْبَعًا فَرَكَعَ حِیْنَ قَضٰی طَوَافَهٗ بِالْبَیْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَی الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ یَحْلِلْ مِنْ شَیْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰی قَضٰی حَجَّهٗ وَنَحَرَ هَدْیَهٗ یَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَیْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

[اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور لیا]

سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے ساتھ عمرہ کا تمتع کیا اور قربانی کا جانور ساتھ لیا اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور ذوالحلیفہ سے لیا۔ ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا' لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ حج کے ساتھ عمرے کا تمتع کیا' لوگوں میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے قربانی کا جانور ساتھ لیا تھا اور کچھ وہ تھے جنہوں نے نہیں لیا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں آ گئے تو لوگوں سے فرمایا: جو قربانی کا جانور ساتھ لایا ہے وہ احرام سے باہر نہیں ہوگا' جب تک حج ادا نہ کر لے اور جس نے قربانی کا جانور ساتھ نہیں لیا ہے' وہ بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا مروہ کا بھی۔ اور بال کترے اور احرام کھول دے' اس کے بعد حج کا احرام باندھے گا اور جو قربانی کا جانور نہ پائے وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات جب اپنے اہل میں واپس آئے' حضرت ابن عمر جب مکہ آئے تو طواف کیا' سب سے پہلے رکن کا بوسہ لیا' پھر تین پھیروں میں دوڑے اور چار میں معمول کے مطابق چلے اور جب بیت اللہ کا طواف کر چکے تو مقام کے پاس دو رکعت نماز پڑھی' اور سلام پھیرا' پھر وہاں سے چلے اور صفا و مروہ کا سات مرتبہ طواف کیا۔ اس کے بعد بھی احرام نہیں کھولا' جب تک حج پورا ادا نہیں کر لیا اور یوم نحر میں قربانی نہیں کر لی اور منٰی سے چل کر مکہ آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ اب احرام میں جتنی چیزیں حرام

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَهْدٰى وَسَاقَ الْهَدْىَ مِنَ النَّاسِ وَعَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَآئِشَةَ رَضِىَ اللّٰه عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ تَمَتُّعِهٖ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَهٗ بِمِثْلِ الَّذِىْ اَخْبَرَنِىْ سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تھیں سب حلال ہو گئیں اور جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا ان لوگوں نے جنہوں نے ہدی ساتھ رکھی تھی انہوں نے بھی کیا۔ عروہ' اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے' وہ نبی ﷺ سے تمتع کے بارے میں اسی کے مثل روایت کرتی ہیں جیسی مجھے سالم نے ابن عمر نے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ لوگوں نے حضور کے ساتھ تمتع کیا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من ساق البدن معہ ص ۲۲۹' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب المناسک)

تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ...... [پہلا اشکال اور اس کا جواب]

تمتع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میقات پر صرف عمرے کا احرام باندھا جائے اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول دیا جائے' پھر حج کا احرام باندھا جائے۔

حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے میقات ہی سے حج کا احرام باندھا تھا۔ بعد میں عمرے کا ارادہ فرمایا۔ نیز اس حدیث سے متبادر ہوتا ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا۔ یہ بھی واقعہ کے خلاف ہے' اس کی شارحین نے کئی توجیہیں کی ہیں۔ سب سے عمدہ توجیہ وہ ہے جو علامہ نووی نے کی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ اس حدیث میں تمتع کے معنی لغوی ہیں' یعنی فائدہ حاصل کیا۔ مراد یہ ہے کہ پہلے صرف حج کا احرام باندھا' پھر عمرے کا۔ یعنی بعد میں قران کر لیا' اس طرح حج اور عمرے کو ایک ساتھ ایک سفر میں کر کے یہ فائدہ حاصل فرمایا کہ دو سفر اور دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ مناسک ادا کرنے کی مشقت سے بچ گئے۔ ایک ہی سفر میں حج اور عمرے دونوں ادا ہو گئے۔ اور بہت سے اعمال مشترک ادا ہو گئے۔ اور بعد میں جو ہے: "فاهل بالعمرة ثم اهل بالحج" یہاں "اَهَلَّ" کے معنی احرام باندھنے کے نہیں بلکہ بآوازِ بلند تلبیہ کہنے کے ہیں۔ سب کو معلوم تھا کہ صرف حج کا احرام باندھا ہے تو بلند آواز سے عمرے کے ساتھ لبیک کہا' تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ عمرے کا بھی ارادہ فرما لیا ہے۔ اس تو ہم کی گنجائش تھی کہ لوگ یہ سمجھ بیٹھیں کہ اب صرف عمرے کا ارادہ ہے' حج کا احرام فسخ کر دیا تو حج کے ساتھ لبیک کہہ کر اسے رفع فرما دیا۔

دوسرا اشکال اور اس کا حل

اب یہ اشکال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے قران کیا تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار فرمایا اور کہا کہ نہیں! حضور مفرد تھے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے انکار فرمایا ہے کہ ابتداء میں ذوالحلیفہ میں قران نہیں کیا تھا' صرف حج کا احرام باندھا تھا۔

اقول وبالله التوفيق: ان توجیہات سے اس حدیث میں خود جو خلجان ہے اور دوسری احادیث سے جو تعارض ہے وہ تو دور ہو گیا مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور جو احادیث مروی ہیں کہ حضور نے تمتع کیا تھا' اس سے اب بھی تعارض رہا۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابن عمر سے اس قسم کی تمام مرویات میں تمتع لغوی معنی میں ہے' جیسا کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تحقیق فرمائی ہے۔

فتمتع الناس

دوسری احادیث میں جو تفصیلات مذکور ہو چکیں ان کو سامنے رکھ کر اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے تو قران فرمایا

صحابہ نے تمتع کیا۔ وہ اس تفصیل کے ساتھ کہ پہلے میقات سے صرف حج کا احرام باندھا' پھر مقامِ سرف پر پہنچنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے' حج کو فسخ کر کے عمرے سے بدل دیا تھا' اس طرح صحابۂ کرام متمتع ہو گئے۔

وعن عروة

وعن عروۃ معطوف ہے' عن سالم بن عبداللہ پر اور یہ امام زہری کا مقولہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے حضرت سالم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ صحابہ کرام میں سے جو حضرات قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے' انہوں نے بھی ویسا ہی کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا' یعنی عمرہ کرنے کے بعد بھی احرام نہیں کھولا اور طوافِ زیارت کرنے کے بعد ہی مکمل طور سے احرام سے باہر ہوئے۔ اسی کے مثل عروہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا ہے کہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

یہاں بعض نسخوں میں ''فعل مثل ما فعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم'' کے بعد یوں ہے: ''باب من اهدى وساق الهدى من الناس وعن عروة ان عائشة اخبرته الخ'' یہ نسخہ ابن الوقت کی طرف منسوب ہے' مگر یہ نسخہ بالکل غلط ہے' کیونکہ ''من اهدى. فعل مثل ما فعل'' میں پہلے ''فعل'' کا فاعل ہے۔ فعل اور فاعل کے درمیان' لفظ باب کا فصل' کیا معنی' اس صورت میں لازم آئے گا کہ اس فعل کا فاعل محذوف ہو۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مسلم نے بھی اسی طرح اس کی تخریج کی ہے جیسے ہم نے یہاں نقل کیا ہے کہ درمیان میں باب نہیں۔

ت ۳۱۲ - وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذَا اَهْدٰى مِنَ الْمَدِيْنَةِ قَلَّدَهٗ وَاَشْعَرَهٗ بِذِى الْحُلَيْفَةِ يَطْعُنُ فِىْ شِقِّ سَنَامِهِ الْاَيْمَنِ بِالشَّفْرَةِ وَوَجَّهَهَا قِبَلَ الْقِبْلَةِ بَارِكَةً.

اور نافع نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مدینہ سے قربانی کا جانور ساتھ لیتے تو ذوالحلیفہ میں اس کے گلے میں ہار ڈالتے اور اشعار کرتے' اس کے بائیں کوہان میں چھری سے زخم لگاتے اور اسے بٹھا کر قبلہ رو کرتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اشعر وقلد بذى الحليفة ص ۲۲۹)

اس تعلیق کو امام مالک نے مؤطا میں مسند ذکر فرمایا ہے' البتہ اس میں یہ ہے کہ دو چپلوں کا ہار پہناتے' پھر بائیں کوہان میں اشعار کرتے۔ دائیں بائیں کوہان کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی ایک طرف کے کوہان کو اشعار کے لیے مخصوص نہیں جانتے تھے۔ کبھی دائیں میں اشعار کرتے' کبھی بائیں میں۔ اسی وجہ سے روایتوں میں اختلاف ہے۔ اشعار کے معنی علامت بنانے کے ہیں' یہ شعور سے بنا ہے۔ ''شَعَرَ يَشْعُرُ'' سے جس کے معنی جاننے کے ہیں' شرعاً اشعار کے معنی ہیں: قربانی کے لیے حرم میں جو جانور لے جایا جائے اس کی کوہان پر ہلکا زخم لگا دینا تا کہ خون نکل آئے۔ اس میں جانور کو ایذاء پہنچانا ضرور ہے مگر جب شریعت نے اس کا حکم دیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ بائیں کوہان میں زخم لگائے' دائیں میں بھی جائز ہے اور دونوں مروی ہیں۔ زخم بہت ہلکا لگائے' اتنا کہ چمڑے کو چیر کر گوشت تک نہ پہنچے' کوہان کی لمبائی میں زخم لگائے اور خون کو کوہان پر مل دے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اشعار کو مکروہ فرمایا۔ یہ اس بناء پر ہے کہ عوام جب مذہبی امور کو انجام دینے پر آتے ہیں تو جوش میں بے اعتدالیاں کرنے لگتے ہیں' جمروں پر صرف کنکری مارنے کا حکم ہے' مگر میں نے خود دیکھا ہے کہ جوش میں آکر لوگ چھتری تک پھینک دیتے ہیں۔ کچھ نہیں ملتا تو چپلیں مارتے ہیں۔ اسی طرح حضرت امام کے عہد میں لوگ اشعار میں حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔ اجازت تو صرف اتنی تھی کہ چمڑے میں ہلکا سا زخم لگائیں' اتنا گہرا ہرگز نہ لگائیں کہ گوشت تک پہنچ جائے' مگر لوگ گہرا زخم لگانے لگے جو جانور کو بلا وجہ ایذاء پہنچانی تھی۔ اس کو حضرت امام نے مکروہ فرمایا جیسا کہ مقدمہ میں مفصل ہم نے

بیان کیا ہے۔ ان جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈالنے اور اشعار کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہچانا جائے کہ یہ جانور حرم کی قربانی کے ہیں۔ اگر بھیڑ میں مل جائیں تو آسانی سے شناخت ہو سکے۔ کوئی چوری نہ کرے' پانی اور چراگاہ سے نہ ہانکے' گم ہو جائے تو کوئی اسے اپنی ملکیت نہ بنائے' ہار اور پٹہ ٹوٹ کر گر بھی سکتا ہے مگر اشعار باقی رہے گا۔

اونٹ میں بالاتفاق اشعار سنت یا مستحب ہے۔ اسی طرح اس گائے میں جس کے کوہان ہو' وہ گائیں جن میں کوہان نہ ہو' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں اشعار نہیں۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم گائے میں بھی اشعار کرتے تھے بکری میں بالاتفاق اشعار نہیں' بکری کمزور بھی ہوتی ہے' دوسرے اس کے بال اشعار کو چھپالیں گے۔

توضیح باب

یہاں عنوان ہے کہ جو ہدی کو ذوالحلیفہ میں اشعار کرے اور پٹہ ڈالے پھر احرام باندھے' اس سے امام بخاری دو افادے کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے ہدی کو اشعار اور پٹہ ڈال دے' پھر احرام باندھے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہدی ساتھ ہے تو میقات ہی سے اشعار بھی کرے اور پٹہ بھی ڈال دے۔ امام مجاہد کا قول یہ ہے کہ پہلے احرام باندھے' پھر اشعار کرے۔

۱۰۰۳- ح: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحُدَيْبِيَّةِ فِي بِضْعِ عَشْرَةَ مِائَةٍ مِّنْ أَصْحٰبِهِ

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے زمانہ میں اپنے ایک ہزار سے زائد صحابہ کے ساتھ نکلے]

۱۰۰۳- عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ فِي بِضْعِ عَشْرَةَ مِائَةٍ مِّنْ أَصْحٰبِهِ حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ.

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام کے ساتھ حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ سے نکلے' جب ذوالحلیفہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے اونٹوں کو پٹہ پہنایا اور اشعار فرمایا اور عمرے کا احرام باندھا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اشعر وقلد الهدى بذى الحليفة ثم احرم ص ۲۲۹' باب: اشعار البدن ص ۲۳۰' تعلیقاً۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة الحديبية ص ۵۹۰' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب الحج' موطا امام مالک۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۲۳)

۱۰۰۴- ح: فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کے قلادے میں نے (اپنے ہاتھوں) سے بٹے]

۱۰۰۴- عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَأَشْعَرَهَا وَأَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ أُحِلَّ لَهُ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کے قلادے میں نے اپنے ہاتھوں سے بٹے تھے پھر حضور نے انہیں اونٹوں کی گردنوں میں ڈالا اور انہیں اشعار کیا اور حرم کی جانب بھیجا اور جو چیزیں حلال تھیں کوئی بھی حضور پر حرام نہیں ہوئیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من اشعر وقلد بذى الحليفة ص ۲۳۰' باب: اشعار البدن ص ۲۳۰' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کلہم فی کتاب الحج)

مسور بن مخرمہ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ابن نوفل بن وہیب بن عبد مناف بن زھرہ بن کلاب' ان کا نسب کلاب پر جا کر نسب نبوی سے مل جاتا ہے۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت فاروق اعظم' عمرو بن عوف' مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ سے احادیث سنی ہیں۔ ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔ ۶۴ھ میں جبکہ یزید پلید کے حکم سے حصین بن نمیر نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر رکھا تھا ٹھیک اس دن جس دن یزید پلید کے مرنے کی خبر مکہ معظمہ پہنچی' یہ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ منجنیق کا پتھر آ کر لگا اور شہید ہو گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔[1]

مروان بن حکم

اس کا والد حکم بن ابی العاص بن امیہ' حضرت عثمان ذوالنورین کا چچا تھا۔ حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین اعداء میں سے ہے' فتح مکہ کے موقعہ پر اس نے کلمہ ضرور پڑھا اور پھر مدینہ طیبہ آیا' مگر اس کے دل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت نہیں نکل سکی۔ یہ کبھی حجرۂ مبارک میں جھانکتا[2] کبھی حضور کی رفتار کی نقل کرتا۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھا تھا' حضور کے اثناء تکلم میں ہکلانے لگا۔ حضور کو جلال آ گیا' فرمایا: ایسا ہی ہو جا! جس کے نتیجے میں وہ زندگی بھر ہکلاتا رہا۔[2] ان شرارتوں کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طائف جلاوطن کر دیا تھا۔

ایک روایت کے مطابق مروان کی پیدائش ۲ھ میں ہوئی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ بھی اپنے والد کے ساتھ مدینہ طیبہ آیا ہوگا' اس روایت کے مطابق یہ خیال ہوتا ہے کہ اسے صحبت نصیب ہوئی' مگر سیر و مغازی کے مسلم الثبوت ثقہ مستند امام ابن سعد نے اسے تابعین کے طبقہ اولیٰ میں رکھا ہے۔[3] صاحب مشکوٰۃ نے الاکمال میں صاف فرمایا: ''فلم یر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ مروان ۲ھ میں پیدا ہوا تھا تو ابن سعد اور صاحب مشکوٰۃ کی تحقیق کے بموجب حکم جب مدینہ آیا تھا تو مروان کو مکہ معظمہ میں چھوڑ دیا تھا' مدینہ نہیں لایا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مروان کی ماں نے ہجرت نہیں کی تھی[4] بلکہ ایک قول یہ ہے کہ جب مروان پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ تحنیک فرما دیں[5] اس قول کی بناء پر اس کی ولادت زیادہ سے زیادہ فتح مکہ کے موقع پر ہوئی' یعنی رمضان ۹ھ میں۔ اسی لیے علامہ ابن حجر نے فرمایا: کسی نے بھی اس کے صحابی ہونے پر جزم نہیں فرمایا۔[6] اگر اس کی ولادت ۲ھ یا ۶ھ میں ہوئی ہوتی اور فتح مکہ کے بعد اپنے والد کے ساتھ مدینہ طیبہ آیا ہوتا تو اس کے صحابی ہونے میں کوئی شبہہ نہ رہتا۔ استیعاب میں ایک قول یہ بھی مذکور ہے کہ یہ طائف میں پیدا ہوا۔[7] اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اس کا والد جلاوطن کر کے طائف بھیجا گیا تھا' اسی وقت پیدا ہوا' اس لیے اب رؤیت کا سوال ہی نہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ لعان ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برا کہتا تھا۔ اس پر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے اپنے نبی کی زبان سے تیرے والد حکم پر اس وقت لعن کی جب تو اس کے صلب میں تھا۔[8] اس پر تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ مروان نے سن تمیز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ (الاستیعاب۔ ج ۳ ص ۴۲۵' اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۷۷)

۱۔ بخاری۔ ج ۲ ص ۸۷۸۔ کتاب اللباس۔ باب: النزجل ۲۔ اصابہ۔ ج ۱ ص ۳۴۳ ۳۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۸ ص ۲۵۷
۴۔ اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۷۷ ۵۔ اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۷۷ ۶۔ اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۷۷
۷۔ الاستیعاب۔ ج ۳ ص ۴۲۵ ۸۔ بدایہ نہایہ۔ ج ۸ ص ۲۵۸

مروان انتہائی ذہین فطین، چالاک، مکار، سیاست وتدبیر کا ماہر، جنگ وجدال میں یکتا تھا۔ واقعۂ حرہ میں مسلم بن عقبہ اسی کی تدبیر کی بدولت اہل مدینہ پر غالب آیا، اس نے خفیہ کہلا دیا کہ تم مدینہ طیبہ کے مشرقی سمت اترو اور صبح ہی کو پوری قوت سے حملہ کر دو۔ سورج تمہاری پشت پر ہوگا اور اہل مدینہ کی آنکھوں کے مقابل۔ یہی وہ بدذات ہے جو حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا باعث ہے، جو اسلام میں سینکڑوں قیامتوں کی بنیاد ہے، اسی بدباطن نے حضرت طلحہ کو تیر سے شہید کیا جبکہ یہ ان کے ساتھیوں میں شامل تھا۔ یہی وہ مبتدع ہے، جس نے عید کی نماز سے پہلے خطبہ کی بدعت ایجاد کی۔ (بخاری۔ ج ۱۔ باب: الخروج الی المصلی ص ۱۳۱)

اس سے قبل گزر چکا کہ مکہ معظمہ کا محاصرہ اُٹھا لینے کے بعد حصین بن نمیر نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہا تھا کہ یہاں کیا کر رہے ہو؟ میرے ساتھ شام چلو! تمہاری بیعت کرا دوں گا، مگر حضرت عبداللہ نے قبول نہیں فرمایا اور اسے تہدید آمیز بہت سخت جواب دیا[1] دوسری طرف حضرت عبداللہ بن زبیر نے مروان اور تمام بنی امیہ کو مدینہ سے نکال دیا۔ مروان سب کو لے کر دمشق پہنچا اور جب یزید کے بیٹے نے اپنے آپ کو اُمورِ سلطنت سے علیحدہ کر لیا تو اہل شام نے مروان کو تخت پر بٹھایا، اس شرط کے ساتھ کہ تیرے بعد بادشاہ یزید کا دوسرا لڑکا ابو خالد ہوگا۔ مروان نے اپنی مکاری اور جنگجوئی سے مصر پر بھی قبضہ کر لیا اور جب دیکھ لیا کہ اب شام اور مصر میرا مطیع ہو گیا ہے تو اس نے بجائے ابو خالد کے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد بنا دیا۔ مروان نے ابو خالد کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور طرح طرح سے ابو خالد کی تذلیل کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے ابو خالد کو ابن الاست الرطبۃ کہہ دیا، اے بھیگے چوتڑ والی عورت کے بیٹے۔ ابو خالد نے اپنی ماں سے شکایت کی، اس کی ماں نے اس سے کہا: دیکھو کسی سے مت کہنا۔ مروان جب اندر آیا تو ابو خالد کی ماں سے پوچھا کہ ابو خالد نے کچھ کہا ہے تو اس نے انکار کیا۔ رات میں جب مروان سو گیا تو ابو خالد کی ماں نے اس کی گردن پر تکیہ رکھ کر اپنی کنیزوں کی مدد سے اس کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ جب یہ مر گیا تو سب چیخنے چلانے لگیں کہ امیر المؤمنین اچانک مر گئے۔ تین رمضان ۶۵ھ میں یہ واقعہ ہوا، مروان کی بیعت بروز دوشنبہ نصف ذوالقعدہ ۶۴ھ میں ہوئی تھی، کل نو مہینے اٹھارہ دن اس کی بادشاہت رہی۔ (یہ ساری تفصیل بدایہ نہایہ۔ ج ۳ سے لی گئی ہے)

ان سب کے باوجود محدثین اسے حدیث میں متہم نہیں جانتے، اسی لیے امام بخاری نے بھی اس کی روایت لی ہے۔ اس نے بہت سے صحابہ کرام سے روایت کی ہے، مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبدالرحمٰن بن الاسود اور حضرت بُسرہ بن صفوان رضی اللہ عنہم اور اس سے حضرت امام زین العابدین، عبدالملک، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اسے حضرت معاویہ نے دو بار مدینہ طیبہ کا والی بنایا اور معزول کیا۔ (اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۷۷)

یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے، بعض روایتوں میں اس کی تصریح بھی ہے، یہاں "بضع عشر مائۃ" ہے یعنی ایک سو دس سے کچھ اوپر۔ "بضع" تین سے لے کر نو تک پر بولا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے: ایک سو پندرہ تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک سو چودہ تھے۔ اس موقعہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر اونٹ ستر آدمیوں کی طرف سے قربانی کے لیے ساتھ لیے تھے۔ ایک روایت کی بناء پر مروان صلح حدیبیہ کے وقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور اگر بالفرض پیدا بھی ہوا تو اس پر اتفاق ہے کہ صلح حدیبیہ کے لشکر میں شامل نہیں تھا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ اس نے کسی اور سے سن کر بیان کیا ہے، اس لیے یہ حدیث بروایت مروان مرسل ہوئی۔ وہ بھی تابعی کی جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مروان نے کسی تابعی سے سنا ہے، اسی وجہ سے تابعی کی حدیث مرسل بہت سے محدثین کے نزدیک

---

[1] بدایہ نہایہ۔ ج ۸ ص ۲۲۶

مجروح ہے، مگر چونکہ یہ حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو صحابی ہیں، اس لیے یہ حدیث صحیح متصل ہوئی۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص حج یا عمرے کا قصد کرے اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی رکھے، وہ اپنی میقات پر جانور کو قلادہ پہنا دے یا اشعار کر دے اور احرام باندھ لے۔ اور اگر حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو، یونہی حرم میں ذبح کے لیے جانور بھیجے تو جانور کو قلادہ وغیرہ پہنا دے، مگر اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ جب تک جانور ذبح نہ ہو لیں، گھر پر احرام باندھے رہے، جیسا کہ ۹ھ میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تو ان کے ساتھ اپنی قربانی کے جانور بھیجے، مگر احرام نہیں باندھا۔

۱۰۰۵- ح: كَانَ يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ [آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ سے قربانی کے جانور بھیجتے]

۱۰۰۵- عَنْ عُرْوَةَ وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ فَاَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهٖ ثُمَّ لَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے قربانی کے جانور (حرم میں) بھیجتے تو میں ان کی ہدی کے قلادے بٹتی، اس کے بعد حضور ان چیزوں سے نہیں بچتے جن سے محرم بچتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: فتل القلائد للبدن ص ۲۳۰، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب المناسک)

عمرہ بنت عبدالرحمٰن

عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ، تابعیہ خاتون ہیں، بہت بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کثیر احادیث کی راویہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت اُم المؤمنین کی خاص پروردہ اور ان کی ربیبہ ہیں۔ ۱۰۳ھ میں واصل بحق ہوئیں۔ (اکمال)

۱۰۰۶- ح: كَتَبَ زِيَادُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا (الخ) [حضرت زیاد بن ابوسفیان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا]

۱۰۰۶- عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ زِيَادَ بْنَ اَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَنْ اَهْدٰى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ حَتّٰى يُنْحَرَ هَدْيُهٗ قَالَتْ عَمْرَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِي فَلَمْ يَحْرُمْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ اَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهٗ حَتّٰى نُحِرَ الْهَدْيُ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ زیاد بن ابوسفیان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو حرم میں قربانی کا جانور بھیجے اس پر وہ سب چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو حاجی پر حرام ہیں، جب تک کہ ہدی کو نحر نہ کر دیا جائے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابن عباس نے جو کہا ہے ویسا نہیں، میں نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کے قلادے بٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں ان کی گردن میں ڈالا، پھر انہیں میرے والد کے ساتھ بھیجا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی جو اللہ نے ان کے لیے حلال کی ہو، یہاں تک کہ ہدی کو نحر کیا گیا۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: من قلد القلائد بیده ص ۲۳۰ 'کتاب الوکالۃ۔باب: الوکالة فی البدن ص ۱۱ ۳، مسلم 'نسائی۔کتاب الحج)

زیاد بن ابی سفیان

حارث بن کلدہ ثقفی کی باندی سمیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔سمیہ عبید کی زوجہ تھیں' اسی کے فراش میں زیاد پیدا ہوا۔اسی لیے اس کو پہلے زیاد بن عبید کہتے تھے۔یہ عرب کے مشہور دانشوروں میں سے ایک ہے۔مشہور ہے: دُھاۃ عرب چار ہیں: معاویہ' عمرو بن عاص' مغیرہ بن شعبہ' زیاد بن ابیہ۔یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے فارس کا گورنر تھا اور حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصالحت کے بعد بھی اس نے حضرت معاویہ کی حکومت تسلیم نہیں کی' مگر حضرت معاویہ نے بالآخر اسے رام کر لیا اور اسے اپنا بھائی بنالیا۔بہت سے لوگوں نے یہ گواہی دی کہ حضرت ابوسفیان نے یہ اقرار کیا ہے کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔اس کے بعد جب تک بنی امیہ کی حکومت تھی' اسے زیاد بن سفیان کہا جاتا تھا۔جب بنی اُمیہ کا زوال ہو گیا تو اسے زیاد بن ابیہ یا زیاد بن سمیہ کہا جانے لگا۔اسی پر طنز کرتے ہوئے یزید بن ربیعہ بن مفرغ حمیری نے کہا ہے:

الا بلغ معاوية بن صخر   مغلغلة من الرجل اليماني
اتغضب ان يقال ابوك عف   وترضى ان يقال ابوك زان
فاشهد ان رحمك من زياد   كرحم الفيل من ولد الاتان

''معاویہ بن صخر کو ایک یمنی شخص کی جانب سے یہ بات پہنچا دو' اگر یہ کہا جائے کہ تیرا والد پاک دامن ہے تو تُو ناراض ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ بدکار ہے تو تُو خوش ہوتا ہے۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا رشتہ زیاد سے ایسا ہی ہے جیسے ہاتھی کا رشتہ گدھی کے بچے سے''۔(البدایۃ والنہایہ۔ج ۸ ص ۹۵)

یہی وہ ستمگر ہے جس نے حضرت حجر بن عدی کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے قتل پر حضرت معاویہ کو اکسایا' اسی کا بیٹا عبید اللہ وہ رسوائے زمانہ ظالم ہے جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا۔

اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ جب حضرت معاویہ نے زیاد سے یزید کو ولی عہد بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تو اس نے اسے قبول نہیں کیا اور عبید بن کعب نمری کو بھیجا کہ وہ حضرت معاویہ کو سمجھا دیں کہ اس سے باز رہیں' جس کی وجہ سے امیر معاویہ نے اس تحریک کو اس وقت روک دیا' جب ۵۶ھ میں زیاد مر گیا تو یہ تحریک شروع کی۔(ایضاً ص ۷۹)

مشہور صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی سمیہ کے بطن سے تھے۔اس طرح یہ زیاد کے اخیافی بھائی ہوئے۔سمیہ کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں کہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو' مگر علامہ عبدالبر[1] نے یہ فرمایا کہ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ قریش اور ثقیف کا ہر ہر فرد حجۃ الوداع کے وقت تک مسلمان ہو چکا تھا اور سب حجۃ الوداع میں شریک تھے۔اس کے عموم میں اسے بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۰۷- ح: كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ الْغَنَمِ [میں (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہنے پر) بکری کے ہار بٹتی]

۱۰۰۷- عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ الْغَنَمِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَبْعَثُ بِهَا ثُمَّ يَمْكُثُ حَلَالًا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بکری کے ہار بٹتی تھی' حضور اسے بھیجتے اور پھر بغیر احرام کے رہتے۔

---

[1] الاستیعاب۔ج ۴ ص ۳۴۰

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: تقلید الغنم ص ۲۳۰ دو طریقوں سے)

۱۰۰۸- ح: فَتَلْتُ لِهَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[(میں) نبی ﷺ کی ہدی کے لیے بٹتی]

۱۰۰۸- عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ لِهَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِي الْقَلَائِدَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ. (ایضاً، مسلم، ابوداود۔ کتاب المناسک)

حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نبی ﷺ کی ہدی کے لیے ہار بٹتی تھی، قبل اس کے کہ حضور محرم ہوں۔

۱۰۰۹- ح: فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ

[(میں) اون سے ہدی کے ہار بٹتی]

۱۰۰۹- عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ.

حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اپنے اُون سے ہدی کے ہار بٹتی تھی۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: القلائد من عھن ص ۲۳۰، مسلم، نسائی)

ان سب احادیث کا حاصل یہ نکلا کہ حضور اقدس ﷺ کبھی کبھی مدینہ طیبہ سے حرم میں قربانی کے لیے جانور بھیجتے تھے۔ حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا ان کے گلے میں ہار ڈالنے کے لیے خود ہار بٹتی تھیں۔ ان ہاروں کو حضور اقدس ﷺ ان جانوروں کے گلے میں ڈالتے تھے اور انہیں مکہ معظمہ بھیجتے، مگر ہدی بھیجنے کے بعد احرام کی حالت میں نہیں رہتے تھے، یہ ہدی بکری بھی تھی اور ہار اُون سے بنا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہدی کے لیے اونٹ ہی ضروری نہیں۔ اونٹ، گائے، بکری کوئی بھی قربانی کا جانور ہوسکتا ہے اور ہار کے لیے کوئی تخصیص نہیں کہ فلاں چیز کا ہو، کسی بھی چیز کا ہوسکتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا تھا کہ ہدی کا ہار صرف نباتات کا ہونا ضروری ہے، اُون کا نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث سے ان کا قول ساقط ہوگیا۔

ت ۳۱۳- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا يَشُقُّ مِنَ الْجِلَالِ اِلَّا مَوْضِعَ السَّنَامِ وَاِذَا نَحَرَهَا نَزَعَ جِلَالَهَا مَخَافَةَ اَنْ يُّفْسِدَهَا الدَّمُ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کوہان کی جگہ کے سوا اور کہیں سے جُل نہیں پھاڑتے تھے اور جب اسے نحر کرتے تو جُل اتار لیتے تاکہ خون سے خراب نہ ہو جائے، پھر صدقہ کر دیتے۔

(بخاری۔کتاب المناسک۔باب: الجلال للبدن ص ۲۳۰)

اس اثر کو امام مالک نے دو حصے کر کے اپنی مؤطا میں سند متصل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، نیز امام بیہقی نے بھی۔ ''جلال'' ''جُل'' کی جمع ہے، وہ کپڑا جو جانور کی پیٹھ پر ڈالا جائے تاکہ وہ سردی اور گرمی سے محفوظ رہے، موضع سنام پر جُل کے پھاڑنے کا فائدہ یہ تھا کہ اشعار دکھائی دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جُل کی طرح رسّی وغیرہ کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔

۱۰۱۰- ح: خَرَجْنَا لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ

[ہم نکلے جب ذوالقعدہ میں (صرف) پانچ دن رہ گئے]

۱۰۱۰- عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُوْلُ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ

عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، آپ فرماتی تھیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے جب ذوالقعدہ میں پانچ دن رہ گئے تھے، ہم صرف حج

لَا نُرٰی اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مَّكَّةَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهٗ هَدْیٌ اِذَا طَافَ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اَنْ يَّحِلَّ قَالَتْ فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ نَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَزْوَاجِهٖ.

جانتے تھے جب مکہ کے قریب ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں وہ جب طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لے تو احرام کھول دے۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: یوم نحر ہمارے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، تو میں نے پوچھا: کیا ہے یہ؟ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: ذبح الرجل البقر ص۲۳۱، باب: واذ بوأنا لابراهيم مكان البيت ص۲۳۱، کتاب الجہاد۔ باب: الخروج اخر الشهر ص۴۱۴، مسلم، نسائی۔ کتاب الحج)

لخمس بقين من ذى القعدة...... (حضور ﷺ ۲۶ ذوالقعدہ کو مدینہ سے نکلے)

سابقاً گزر چکا کہ حضور اقدس ﷺ نے ہفتے کے دن نمازِ ظہر پڑھ کر مدینہ طیبہ سے نہضت فرمائی تھی۔ اس روایت کی بناء پر ۲۶ ذوالقعدہ تھی۔ اسے لازم ہے کہ رویت تیس کی ہوئی، اس لیے کہ یہ طے ہے کہ اس سال جمعرات کو پہلی تھی۔ حضرت اُم المؤمنین نے یہ حدیث مہینہ گزرنے کے بعد بیان فرمائی ہے۔ اس لیے تیقن کے ساتھ یہ فرما رہی ہیں کہ ذوالقعدہ میں پانچ دن رہ گئے تھے۔

لا نُرى الا الحجّ

اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہم مدینہ سے نکلے تھے اور جب تک حضور اقدس ﷺ نے عمرے کے احرام باندھنے کا حکم نہیں دیا تھا، اس وقت تک ہمارا یہی گمان تھا کہ صرف حج کرنا ہے، ورنہ دوسری روایتیں خود عمرہ ہی سے ہیں کہ اُم المؤمنین نے فرمایا: "فمنا من اهل بالحج ومنا من اهل بالعمرة ومنا من اهل بهما" ہم میں سے کچھ لوگوں نے صرف حج کا احرام باندھا، کچھ نے صرف عمرے کا، کچھ نے دونوں کا۔ نزہۃ القاری، ج۱ ص۶۵۸، رقم:۲۲۲ میں مفصل بحث گزر چکی کہ اُم المؤمنین نے تمتع کیا تھا، جسے لازم ہے کہ آپ نے عمرے کا احرام باندھا تھا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دم قران اور تمتع میں بھی گائے کے اندر سات کی شرکت جائز ہے۔ اس روایت میں نحر وارد ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ گائے کو بھی نحر کرنا درست ہے۔ اس قدر تو درست ہے کہ اگر گائے کو نحر کیا تو وہ حلال ہو جائے گی، مگر صحیح یہ ہے کہ اونٹ میں نحر مستحب ہے اور ذبح کرنا مکروہ۔ گائے وغیرہ دوسرے جانوروں میں ذبح مستحب ہے اور نحر مکروہ۔ اس حدیث کے دوسرے طرق میں ذبح وارد ہے[1] بعض میں ضحیٰ بھی ہے[2] اس لیے تمام طرق میں تطبیق کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس روایت میں نحر کے معنی ذبح کرنے کے ہیں، یا قربانی کرنے۔ نحر قربانی کے معنی میں قرآن مجید میں وارد ہے: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" (الکوثر:۲) اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

۱۰۱۱- ح: يَنْحَرُ فِي الْمَنْحَرِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[رسول اللہ ﷺ منحر (مزدلفہ) میں نحر (قربانی) کرتے]

---

[1] باب: واذ بوأنا لابراهيم۔ ص۲۳۲
[2] باب: كيف كان بدء الحيض۔ ص۴۳

۱۰۱۱- عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَنْحَرُ فِي الْمَنْحَرِ قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ مَنْحَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منحر میں نحر کرتے تھے۔ عبیداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منحر میں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: النحر فی منحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص۲۳۱، ج۲۔ کتاب الاضاحی۔ باب: الاضحی بالنحر والمصلی ص۸۳۳)

۱۰۱۲- ح: كَانَ يَبْعَثُ بِهَدْيِهٖ مِنْ جَمْعٍ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ

[قربانی کے جانور رات کے آخر ہی میں (مزدلفہ) بھیج دیتے]

۱۰۱۲- عَنْ نَّافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَبْعَثُ بِهَدْيِهٖ مِنْ جَمْعٍ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ حَتّٰى يُدْخَلَ بِهٖ مَنْحَرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ حُجَّاجٍ فِيْهِمُ الْحُرُّ وَالْمَمْلُوْكُ.

نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی قربانی کے جانور رات کے آخر ہی میں حاجیوں کے ساتھ جن میں آزاد اور غلام بھی ہوتے، مزدلفہ سے بھیج دیتے تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربان گاہ میں داخل کر دیئے جائیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: النحر فی منحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص۲۳۱)

اس حدیث میں "منحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر فاروق کا قول اور نافع نے جو کہا تھا: "فی المنحر" اس کی تفسیر ہے، نافع کا قول نہیں۔ اس کی دلیل کتاب الاضاحی کی روایت ہے، اس میں ہے: یعنی منحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۰۱۳- ح: نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ سَبْعَةَ بُدْنٍ

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سات اونٹوں کو نحر فرمایا]

۱۰۱۳- عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ وَّذَكَرَ الْحَدِيْثَ قَالَ وَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ سَبْعَةَ بُدْنٍ قِيَامًا وَّضَحّٰى بِالْمَدِيْنَةِ كَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ مُخْتَصَرًا

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سات اونٹوں کو نحر فرمایا، اس حالت میں کہ وہ کھڑے تھے اور مدینہ میں چتکبرے سینگ والے دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من نحر بیدہ ص۲۳۱، باب: التحمید والتسبیح والتکبیر قبل الاھلال ص۲۱۰، باب: النحر قائمۃ ص۲۳۱ ابوداؤد۔ کتاب المناسک)

یہ حدیث گزر چکی ہے، وہاں مبہم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے اور یہاں سات کی تعیین ہے اس کی پوری بحث وہیں مذکور ہے۔

۱۰۱۴- ح: اَنْ يَّقْسِمَ بُدْنَهٗ كُلَّهَا

[ان سب (جانوروں) کے گوشت کو تقسیم کر دیں]

۱۰۱۴- اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ لَيْلٰى اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهٗ اَنْ يَّقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ يَّقْسِمَ بُدْنَهٗ كُلَّهَا لُحُوْمَهَا

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ نے خبر دی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ حضور کے اونٹوں کے پاس رہیں اور ان سب کے گوشت اور کھالیں اور جُل

وَجُلُوْدَهَا وَجِلَالَهَا وَلَا يُعْطِيَ فِيْ جِزَارَتِهَا شَيْئًا.

تقسیم کر دیں اور اس کے ٹکڑے اور بوٹی کرنے کی اُجرت میں اس میں سے کچھ نہ دیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: لا یعطی الجزار من الهدی شیئًا ص ۲۳۲' باب: یتصدق بجلال البدن ص ۲۳۲' باب: الجلال للبدن ص ۲۳۰' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداود۔ کتاب المناسک' ابن ماجہ۔ کتاب الاضاحی)

اس کے بعد والی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سو اونٹ حرم میں قربانی کے لیے پیش فرمائے تھے۔

ت ۳۱٤ - وَقَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا يُؤْكَلُ مِنْ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَالنَّذْرِ وَيُؤْكَلُ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شکار کی جزا اور نذر کی قربانی سے نہ کھایا جائے' اس کے علاوہ بقیہ قربانیوں سے کھایا جائے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: واذ بوأنا لابراهیم ص ۲۳۲)

ت ۳۱۵ - وَقَالَ عَطَآءٌ يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ مِنَ الْمُتْعَةِ.

اور عطاء نے کہا: تمتع کی قربانی سے کھائے بھی اور کھلائے بھی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: واذ بوأنا لابراهیم ص ۲۳۲)

پہلی تعلیق کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور دوسری تعلیق کو امام عبدالرزاق اور امام سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جرمانے اور فدیے اور کفارے میں جو جانور ذبح کیے جائیں' ان کا گوشت مالک کو کھانا جائز نہیں' اسی طرح منت کا بھی' بقیہ کا کھانا جائز ہے۔

۱۰۱۵- ح: كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثِ مِنًى

[قربانی کا گوشت منیٰ کے تین دن سے زیادہ نہ کھاتے]

۱۰۱۵- حَدَّثَنَا عَطَآءٌ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثِ مِنًى فَرَخَّصَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَاَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا قُلْتُ لِعَطَآءٍ اَقَالَ حَتّٰى جِئْنَا الْمَدِيْنَةَ قَالَ لَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم اپنی قربانی کا گوشت منیٰ کے تین دن سے زیادہ نہیں کھاتے تھے' پھر نبی ﷺ نے ہمیں اجازت دی اور ارشاد فرمایا: کھاؤ اور زادِ راہ بناؤ! تو ہم نے کھایا اور زادِ راہ بنایا۔ ابن جریج نے کہا: میں نے امام عطاء سے پوچھا: کیا حضرت جابر نے یہ بھی کہا: حتیٰ کہ ہم مدینہ آئے؟ کہا: نہیں!

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: واذ بوأنا لابراهیم ص ۲۳۲' مسلم۔ کتاب الاضاحی' نسائی۔ کتاب الحج)

[قربانی کے گوشت کے احکام]

ابتداء میں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ جمع رکھنا ممنوع تھا' بعد میں اس کی اجازت ہوگئی کہ جتنے دنوں چاہیں قربانی کا گوشت رکھیں' یہ قربانیاں گھر پر ہوں یا ایام حج میں منیٰ میں ہوں' سب کے لیے اجازت ہے۔ ایام حج کی قربانی کے لیے یہ حدیث نص ہے اور گھروں پر کی جانے والی قربانیوں کے بارے میں بھی یہ نص صریح ہے۔ امام مسلم' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ' حضرت عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ راوی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا' اب زیارت کیا کرو۔ میں نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع کیا تھا' اب جب تک چاہو رکھو۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت

کے تین حصے کیے جائیں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے، ایک حصہ اپنے اعزہ واقرباء کے لیے، ایک حصہ فقراء کے لیے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

۱۰۱۶- ح: زُرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ لَا حَرَجَ

[(میں نے) رمی سے قبل طواف زیارت کرلیا، (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: کوئی حرج نہیں]

۱۰۱۶- عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زُرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ لَا حَرَجَ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الذبح قبل الحلق ص ۲۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک صاحب نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کرلیا ہے۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اس نے عرض کیا: میں نے ذبح سے پہلے سر منڈالیا ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اس نے عرض کیا: میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان کے چار تلامذہ: حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت طاؤس سے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ طریق عطاء مروی ہے۔ چند ابواب کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث آ رہی ہے، اس میں یہ زائد ہے کہ سائل نے یہ عرض کیا: ''لم اشعر'' مجھے معلوم نہیں تھا۔ طحاوی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں ارشاد فرمایا: ''تعلموا مناسککم فانھن دینکم'' حج کے ارکان سیکھو، اس لیے کہ یہ تمہارے دین سے ہیں۔ اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمی، قربانی، حلق، طواف زیارت میں ترتیب ضروری نہیں۔ تقدیم وتاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کو لازم کہ اس پر دم بھی واجب نہیں، اس کے برخلاف خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے یہ مروی ہے[۱] کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اپنے حج کے ارکان میں کچھ آگے یا پیچھے کیا تو وہ اس کے لیے خون بہائے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے زیادہ اور کوئی اس حدیث کے صحیح معنی کو نہیں جان سکتا۔ اس لیے علماء نے ''لاحرج'' کو رفع اثم پر محمول کیا، چونکہ اسلام کا پہلا حج تھا، لوگ مناسک اور ان کی ترتیب کو کما حقہ جانتے نہ تھے، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر تنگی نہیں فرمائی اور ارشاد فرما دیا کہ چونکہ تم نے جو کچھ کیا لاعلمی میں کیا، اس لیے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ''یا لاحرج'' سے مراد یہ ہے کہ تمہارا حج فاسد نہیں ہوا، فرض ادا ہو گیا۔ اور ترتیب بدلنے سے جو نقصان پیدا ہوا، وہ لاعلمی کے عذر کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ اسی لیے اخیر میں فرمایا کہ مناسک سیکھو۔

نیز سائل کے سوال سے ظاہر ہے کہ اسے اس کا احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ اسی لیے اس نے سوال کیا: اگر غلطی کا احساس نہ ہوتا تو سوال کیوں کرتا، اور یہ احساس اس بناء پر ہوا ہوگا کہ اس کے علم میں یہ بات آئی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جس ترتیب سے یہ افعال ادا کیے ہیں، میں نے اس کے خلاف کیا، مگر چونکہ پہلا موقعہ تھا، اس لیے درگزر فرما دیا۔

امام ابن ہمام نے یہاں یہ بھی افادہ فرمایا کہ محصر کے لیے ارشاد ہے: ''وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ'' (البقرہ: ۱۹۶) اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ جب تک ہدی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے، تو جب محصر کو جو حج یا عمرے کا ارادہ فسخ کر چکا، قربانی سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں تو جو حج یا عمرہ کر رہا ہے اسے قربانی سے پہلے بہ درجہ اولیٰ قصر یا حلق جائز نہ ہوگا۔

۱۰۱۷- ح: رَمَیْتُ بَعْدَ مَا

[(میں نے) شام ہونے کے بعد رمی کی

[۱] عمدۃ القاری، ج ۱۰، ص ۵۹ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۳۶۰۔ کتاب المناسک۔ باب: من قدم من حجہ نسکا

اَمْسَيْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ
[آپ ﷺ نے) فرمایا: کوئی حرج نہیں]

۱۰۱۷- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَ مَا اَمْسَيْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ قَالَ لَا حَرَجَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ سے سوال کیا گیا' سائل نے عرض کیا کہ میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اب اس نے عرض کیا: میں نے قربانی سے پہلے سر مونڈ الیا؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

(کتاب المناسک۔ باب: الذبح قبل الحلق ص ۲۳۳' باب: اذا رمی بعد ما امسی ص ۲۳۴' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

یہ یوم نحر کی رمی کے بارے میں سوال تھا' یوم نحر صرف جمرۃ العقبہ کی رمی ہے' اس کا وقت دسویں کی صبح صادق سے لے کر گیارھویں کی صبح صادق طلوع ہونے تک ہے' مگر آفتاب نکلنے کے بعد سے زوال تک مسنون ہے اور زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک مباح۔ گیارھویں شب غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک اور دسویں کو طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک مکروہ ہے۔

۱۰۱۸- ح: حَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ
[رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں سر اقدس منڈایا]

۱۰۱۸- قَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ حَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں سر اقدس منڈایا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الحلق والتقصیر ص ۲۳۳' ج ۲۔ کتاب المغازی ص ۶۳۳)

فی حجته

"فی حجته" سے حجۃ الوداع مراد ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں سر اقدس منڈایا تھا اور یہ شرف حضرت معمر بن عبداللہ عدوی رضی اللہ عنہ کو ملا تھا۔ علامہ نووی نے فرمایا: یہی صحیح اور مشہور ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر[1] میں روایت کیا: حضرت معمر کہتے ہیں کہ یوم نحر کو وہ بیٹھ کر سر اقدس کے بال صاف کر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا: اے معمر! نبی ﷺ نے اپنے کان کی لو پر تجھے قابو دے دیا ہے اور تیرے ہاتھ میں استرہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یہ مجھ پر اللہ کا فضل اور احسان ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس موقعہ پر حضرت خراش بن امیہ بن ربیعہ نے یہ خدمت انجام دی تھی مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے موقع پر یہ خدمت انجام دی تھی جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب[2] میں تحریر فرمایا ہے۔

ترمذی[3] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ قربانی کرنے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حلاق کو اپنے سر اقدس کا دایاں حصہ دیا' انہوں نے اسے صاف کیا تو اسے ابوطلحہ کو دیا' پھر بایاں حصہ دیا' انہوں نے اسے صاف کیا تو حکم دیا کہ اسے تقسیم کر دے۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۶۳ [2] الاستیعاب۔ ج ۱ ص ۴۲۸

[3] ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۱۱۔ کتاب الحج۔ باب: بای جانب الرأس یبدأ فی الحلق

اور یہی مسلم میں بھی بہ طریق سفیان بن عیینہ ہے مگر مسلم[1] ہی میں بہ طریق حفص بن غیاث اور عبدالاعلیٰ جو روایت ہے اس میں یہ ہے کہ تقسیم کرنے کے لیے دائیں طرف کے موئے اقدس عطاء فرمائے تھے' صاحب منعم اور محب طبری نے اسے ترجیح دی کہ دائیں جانب کے موئے مبارک تقسیم فرمائے اور بائیں طرف کے حضرت ابوطلحہ کو عطاء فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

تبرک بنانا

حجۃ الوداع کے موقع پر موئے مبارک تقسیم فرمانا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دینا اشارۃً حکم دینا تھا کہ اسے رکھو اور اس سے برکت حاصل کرو۔ اللہ عزوجل کا فضل وکرم ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود موئے مبارک اب تک ہزاروں محفوظ ہیں' جن کی زیارت سے مسلمان شرف اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں ایک موئے مبارک ایسا بھی ہے جس کے اخذ و تناولت کی متصل سند حضرت ابوطلحہ تک موجود ہے۔

۱۰۱۹- ح: اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ [اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما]

۱۰۱۹- عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَلِلْمُقَصِّرِیْنَ وَقَالَ اللَّیْثُ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِیْنَ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ قَالَ وَقَالَ عُبَیْدُاللّٰہِ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ وَقَالَ فِی الرَّابِعَۃِ وَالْمُقَصِّرِیْنَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما! تو لوگوں نے عرض کیا: اور ترشوانے والوں پر' یا رسول اللہ! کہا: اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما! لوگوں نے عرض کیا: اور ترشوانے والوں پر بھی' یا رسول اللہ! تو فرمایا: اور ترشوانے والوں پر بھی۔ اور لیث نے کہا: مجھ سے نافع نے بیان کیا: ''رحم اللّٰہ المحلقین'' ایک مرتبہ یا دو مرتبہ۔ لیث نے کہا: عبیداللہ نے کہا کہ نافع نے بیان کیا کہ چوتھی بار ''والمقصرین'' فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الحلق والتقصیر عند الاحلال ص ۲۳۲' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداود۔ کتاب المناسک)

صحیح یہی ہے کہ یہ ارشاد صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی فرمایا تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے[2] کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کچھ صحابہ نے سر منڈایا اور کچھ حضرات نے ترشوایا' تو وہ فرمایا جو مسلم میں حضرت ام الحصین کی حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے اور ترشوانا بھی جائز ہے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ بال رکھنے کو پسند کرتے تھے اور سر منڈانے کو ناپسند' چونکہ منڈانے میں تذلل زیادہ ہے' اس لیے یہ افضل ہوا۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے' رہ گئیں عورتیں تو انہیں سر منڈانا جائز نہیں۔ یہ ان کے لیے بہ منزلہ مُثلہ کے ہے۔ احادیث میں ممانعت بھی آئی ہے' وہ صرف بال ترشوائیں گی۔ پورے سر کے بالوں میں سے ایک ایک پورا' یعنی انگلی کی ایک گرہ کے برابر کتروائیں۔ مرد بھی اگر بال کتروائیں تو وہ بھی اتنا ہی کتروائیں۔

۱۰۲۰- ح: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ [اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی بخشش فرما]

۱۰۲۰- عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے! تو لوگوں نے عرض کیا: اور

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۲۱ کتاب الحج۔ باب: بیان ان السنۃ یوم النحر ان یرمی [2] ایضاً [3] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۶۴

اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ.

ترشوانے والوں کو بھی۔ کہا: اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ لوگوں نے عرض کیا: اور ترشوانے والوں کو بھی۔ اسے تین بار کہا: اور کہا: اور ترشوانے والوں کو بھی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الحلق والتقصیر عند الاحلال ص ۲۳۳، مسلم، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

۱۰۲۱- ح: حَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈایا]

۱۰۲۱- عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ حَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَائِفَةٌ مِّنْ اَصْحٰبِهٖ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام میں سے کچھ افراد نے سر منڈایا اور کچھ افراد نے ترشوایا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الحلق والتقصیر عند الاحلال ص ۲۳۳، ترمذی، مسلم۔ کتاب الحج)

۱۰۲۲- ح: قَصَّرْتُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ بِمِشْقَصٍ

[میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا موئے مبارک چوڑے تیر کے پھل سے تراشا]

۱۰۲۲- عَنْ طَاوٗسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُّعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ قَصَّرْتُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک چوڑے تیر کے پھل سے تراشا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الحلق والتقصیر عند الاحلال ص ۲۳۳، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد۔ کتاب المناسک، مسند امام احمد۔ ج ۴)

مسلم میں یہ زائد ہے: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مروہ پر تھے۔ امام نووی نے فرمایا: یہ اس عمرے میں ہوا تھا جو حضور نے جعرانہ سے کیا تھا اس لیے کہ عمرۃ القضاء میں بھی حضرت معاویہ ایمان سے مشرف نہ ہوئے تھے اور حجۃ الوداع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں بال صاف کرائے تھے۔

۱۰۲۳- ح: اَمَرَ اَصْحٰبَهٗ اَنْ يَّطُوْفُوْا بِالْبَيْتِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کا طواف کر لیں]

۱۰۲۳- اَخْبَرَنِيْ كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ اَمَرَ اَصْحٰبَهٗ اَنْ يَّطُوْفُوْا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ يَحِلُّوْا وَيَحْلِقُوْا اَوْ يُقَصِّرُوْا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آئے اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کر لیں، پھر احرام کھول دیں اور سر منڈا لیں یا ترشوا لیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: تقصیر المتمتع بعد العمرۃ ص ۲۳۳)

ت ۳۱۶- وَقَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کو رات تک مؤخر

الزِّيَارَةَ إِلَى اللَّيْلِ. فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الزیارۃ یوم النحر ص ۲۳۳)

اس تعلیق کو امام ابوداؤد' امام ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس حدیث پر شدید اشکال یہ ہے کہ خود ام المومنین سے ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ دن کے آخری حصہ میں (طواف زیارت) کے لیے یوم نحر ظہر پڑھ کر گئے پھر منٰی لوٹ آئے[1] علاوہ ازیں مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یوم نحر حضور اقدس ﷺ طواف زیارت کے لیے گئے اور منٰی آ کر ظہر پڑھی[2] مسلم وغیرہ میں حضرت جابر کی حدیث طویل میں ہے کہ پھر آپ سوار ہوئے اور بیت اللہ کی طرف گئے اور ظہر مکہ میں پڑھی۔ اگرچہ ان تینوں احادیث میں جزوی تعارض ہے' مگر اس سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ آپ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے طواف سے فارغ ہو کر منٰی واپس آ گئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ یوم نحر قربانی کے بعد طواف زیارت کے لیے گئے اور واپس آ کر ظہر' عصر' مغرب' عشاء منٰی میں پڑھی' پھر تھوڑی دیر کے لیے اور دوبارہ طواف کے لیے گئے۔ نیز اسی میں ہے کہ ایام منٰی میں روزانہ رات میں طواف کرتے تھے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ حضور اقدس ﷺ نے ان دنوں متعدد طواف کیے' مگر ''اَخَّرَ الزِّيَارَةَ'' کا ظاہر معنی اس کے مساعد نہیں' اس لیے دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ مراد یہ ہے کہ دن کے اخیر حصے میں طواف فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۳۱۷- وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُورُ الْبَيْتَ أَيَّامَ مِنًى.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ منٰی کے دنوں میں بیت اللہ کی زیارت کیا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الزیارۃ یوم النحر ص ۲۳۳)

اس تعلیق کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس حدیث پر محدثین نے کچھ کلام کیا مگر اس کی شاہد مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ایک حدیث مرسل ہے کہ امام طاؤس کے صاحبزادے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ منٰی کے دنوں میں ہر رات طواف کے لیے جاتے تھے۔

۳۱۸- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ طَافَ طَوَافًا وَاحِدًا ثُمَّ يَقِيلُ ثُمَّ يَأْتِي مِنًى يَعْنِي يَوْمَ النَّحْرِ وَرَفَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے ایک طواف کیا' پھر قیلولہ کرتے' پھر منٰی آتے یعنی یوم النحر۔ اور عبدالرزاق نے اسے مرفوع کیا۔ انہوں نے کہا: ہم سے عبیداللہ نے یوں حدیث بیان کی۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الزیارۃ یوم النحر ص ۲۳۳)

تعلیق مذکور کے راوی ابونعیم فضل بن دکین نے یہ کہا ہے کہ امام عبدالرزاق نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے' جیسا کہ مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ یوم نحر منٰی سے مکہ معظمہ گئے' پھر لوٹے اور ظہر منٰی میں پڑھی۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایسا کیا۔

تعلیق

ابھی گزرا کہ مسلم میں حضرت جابر کی حدیث طویل میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یوم نحر ظہر مکہ میں پڑھی۔ علامہ نووی نے

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۶۸ [2] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۲۲۔ کتاب الحج۔ باب: استحباب طواف الافاضۃ یوم النحر

ان دونوں میں یہ تطبیق دی کہ مکہ معظمہ میں ظہر پڑھ کر منٰی واپس ہوئے تو دوبارہ صحابہ کرام کی درخواست پر ظہر پڑھائی۔ یہ دوسری نفل ہوئی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ حضور اگر متنفل ہوں تو بھی مفترض کو آپ کی اقتداء کرنی صحیح ہے، جیسے کہ بطن نخلہ میں صلوٰۃ الخوف میں ایک روایت ہے کہ آپ نے دونوں گروہوں کو پوری پوری نماز پڑھائی۔

البتہ حضرت اُم المومنین کی اس حدیث سے جو ابوداؤد میں ہے اب بھی تعارض ہے اور تعدد سے دور بھی نہیں ہوسکتا۔ اس میں تصریح ہے کہ آپ منٰی میں ظہر پڑھنے کے بعد آخر دن میں (طواف) کے لیے گئے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارت پہلے خود کیا، پھر بعد ظہر آخر دن میں ازواجِ مطہرات کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ گئے کہ یہ بھی طوافِ زیارت کرلیں۔ مکہ پہنچتے پہنچتے رات ہوگئی، رات ہی میں ازواجِ مطہرات نے طواف کیا۔ اسی کو تعلیق میں فرمایا کہ طوافِ زیارت کو رات تک مؤخر فرمایا یعنی ازواجِ مطہرات کے طواف کو۔

طوافِ زیارت

اسے طواف افاضہ بھی کہتے ہیں۔ حج کا دوسرا رکن ہے، بغیر اس کو کیے حج ادا نہ ہوگا، اور نہ عورت سے قربت حلال ہوگی۔ اس کا وقت وقوف عرفہ کے بعد دسویں ذوالحجہ کو طلوع فجر سے لے کر عمر بھر ہے۔ واجب یہ ہے کہ جمرۃ العقبہ کو کنکری مارنے کے بعد جن پر قربانی واجب ہے، وہ قربانی کرکے بال اتروا کر طواف کریں اور یہ طواف ایامِ تشریق میں کریں، یعنی کم از کم چار پھیرے اور مسجد حرام میں حطیم کے باہر سے کریں، اس طرح کہ کعبہ بائیں طرف ہو۔ ان واجبات میں سے کسی کے ترک سے دم لازم آئے گا، اگرچہ بھول کر چھوڑا ہو، اگرچہ لاعلمی کی وجہ سے چھوڑا ہو، البتہ بلاقصد چھوڑنے پر گناہ نہیں بالقصد چھوڑنے پر گناہ بھی ہے۔ سنت یہ ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو کرے، مگر گیارھویں بارھویں تک مؤخر کرنے میں حرج نہیں۔

۱۰۲۴- ح: يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یوم نحر خطبہ دیا]

۱۰۲۴- عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ اَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ كُنْتُ اَحْسِبُ اَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا ثُمَّ قَامَ اٰخَرُ فَقَالَ كُنْتُ اَحْسِبُ اَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ نَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ وَاَشْبَاهُ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ قَالَ لَهُنَّ كُلِّهِنَّ فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

عیسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے جب حضور یوم نحر خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: میں گمان کرتا تھا کہ ایسا ایسے سے پہلے ہے، پھر دوسرے صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: میں گمان کرتا تھا کہ یہ کام اس کام سے پہلے ہے، میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا ہے اور رمی سے پہلے قربانی کرلی ہے اور اس کے مثل۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں، سب کے لیے یہی فرمایا، اس دن جو بھی سوال ہوا سب کے جواب میں یہی فرمایا: کرلو اور کوئی حرج نہیں۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ ص ۲۳۴، مزید دو طریقوں سے کتاب العلم۔ باب: السؤال والفتیا عند رمی الجمار ص ۲۳)

اس سے پہلے والی روایت میں یہ زائد ہے: "وقف فی حجۃ الوداع" اور بعد والی روایت میں "علی ناقتہ" اور کتاب

تعلیم میں "عند الجمرة" زائد ہے' یعنی نبی ﷺ حجۃ الوداع میں جمرہ (عقبہ) کے پاس اپنی اونٹنی پر سوار تشریف فرما تھے۔

یخطب یوم النحر

یوم النحر کوئی خطبہ اعمالِ حج میں ہمارے نزدیک مشروع نہیں۔ یوم النحر کے بارے میں جو احادیث میں خطب یا یخطب وارد ہے اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں نے مختلف سوالات کیے جن کے جوابات آپ نے ارشاد فرمائے یا کوئی اہم بات بیان فرمادی۔ آگے آرہا ہے کہ جمرات کے درمیان چاشت کے وقت آپ نے خطبہ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری کہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ میں نے شام کے بعد رمی کی ہے۔ اور جو لوگ یوم نحر خطبہ کے مشروع ہونے کے قائل ہیں' وہ بعد ظہر خطبہ کو مسنون بتاتے ہیں' پھر اس سوال کا کیا محل رہا' اگرچہ علامہ عینی نے توجیہ کی ہے کہ مسا کا اطلاق بعد زوال پر بھی ہوتا ہے' مگر ظاہر کے خلاف ضرور ہے۔ اس لیے اسلم یہی ہے کہ کہا جائے: یوم نحر کوئی خاص خطبہ اعمالِ حج میں سے نہیں' بہ ضرورت سلطان امیر الحاج کسی دن بھی کسی وقت بھی عوام کو ارشاد و تلقین کر سکتا ہے۔

اشباہ ذلک

مثلاً رمی سے پہلے طواف زیارت کر لیا' یا سعی طواف سے پہلے کر لی' وغیرہ وغیرہ۔ ترتیب یہ ہے کہ مزدلفہ سے واپسی کے بعد سب سے پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی کرنے' پھر قربانی' پھر حلق' پھر طواف زیارت' پھر سعی۔ اب ترتیب بدلنے کی عقلاً متعدد صورتیں ہیں' مگر احادیث میں جو صورتیں وارد ہیں' وہ یہ ہیں: اوّل حلق قبل ذبح' ثانی حلق قبل رمی' ثالث قربانی قبل رمی' رابع طواف زیارت قبل رمی' خامس سعی قبل طواف۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ شام کے بعد رمی کی۔ اس میں ہو سکتا ہے کہ اس رمی سے پہلے قربانی' حلق' طواف زیارت کر چکا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ کچھ بھی نہ کیا ہو' یا کچھ کیا ہو اور کچھ نہ کیا ہو۔ ہمارے نزدیک ترتیب بدلنے پر دم ہے۔ اس پر مفصل بحث گزر چکی۔

۱۰۲۵- ح: خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ

[آپ (ﷺ) نے یوم نحر لوگوں کو خطبہ دیا]

۱۰۲۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا يَوْمٌ حَرَامٌ قَالَ فَاَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قَالُوْا بَلَدٌ حَرَامٌ قَالَ فَاَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قَالُوْا شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَاِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فَاَعَادَهَا مِرَارًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا لَوَصِيَّتُهٗ اِلٰى اُمَّتِهٖ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر کو خطبہ دیا' فرمایا: اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یوم حرام ہے' پھر دریافت فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: شہر حرام ہے' پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: ماہِ حرام ہے' اس کے بعد فرمایا: یقین جانو! تمہارے خون' تمہارے مال' تمہاری آبرو تم میں سے ہر ایک پر اسی طرح حرام ہے جیسے تمہارا یہ دن' تمہارے اس شہر' تمہارے اس مہینے میں حرام ہے۔ اسے کئی مرتبہ دہرایا' پھر سر اقدس اٹھایا اور کہا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا' اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! یہ آپ کی اپنی امت کے لیے وصیت ہے' (اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا:)

حاضر غائب کو پہنچا دے' میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں بعض بعض کی گردن مارے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الخطبة ایام منٰی ص ۲۳۴' ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب: قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفارًا ص ۱۰۴۸' اخیر کا جز۔ ترمذی۔ کتاب الفتن)

توجیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں یہ ہے: جب حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ تو صحابہ کرام نے جواب میں عرض کیا کہ یومِ حرام' شہر حرام' ماہِ حرام ہے' مگر کتاب العلم میں حضرت ابوبکرہ کی جو حدیث گزری ہے اور یہاں بھی اس کے بعد مذکور ہے' اس میں یہ ہے کہ ان تینوں سوالوں کے جواب میں حاضرین نے عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم! اس کے بعد حضور نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ حاضرین کو گمان ہوا کہ ان کا کچھ اور نام رکھیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں' کیا یہ شہر حرام نہیں' کیا یہ بلد حرام نہیں' تو حاضرین نے عرض کیا: بلیٰ' جی حضور ہے۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں اختصار ہے' یا یہ کہ اخیر میں جو بلیٰ ہے' اس کی تفسیر فرما دی۔

یوم حرام

یہ ارشاد بہ طور مجاز مرسل ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جس میں قتال غارت گری حرام ہے یا مبالغہ ہے' حرام بہ معنی قابل احترام ہے' یعنی یہ دن ایسا قابل احترام ہے کہ اس میں قتال وغیرہ اس کی بے ادبی ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ حدیث کے بقیہ حصوں کی تفسیر جلد اوّل حدیث: ۷۵' اور حدیث: ۷۹ کے تحت ہو چکی ہے۔

۱۰۲۶- ح: يَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ [آپ (ﷺ) نے عرفات میں خطبہ دیا]

۱۰۲۶- سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ.

جابر بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا' انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو عرفات میں خطبہ دیتے سنا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الخطبة ایام منٰی ص ۲۳۴' ابواب العمرۃ۔ باب: لبس الخفین للمحرم ص ۲۴۸' باب: اذا لم یجد الازار فلیلبس السراویل ص ۲۴۰' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: السراویل ص ۸۶۳' مسلم۔ کتاب الحج' ترمذی۔ کتاب الحج' نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب الزینۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الحج)

ابواب العمرة

"ابواب العمرة" میں اس خطبہ کے کچھ الفاظ کریمہ مذکور ہیں۔ محرم کے لیے فرمایا: جو شخص چپل نہ پائے وہ موزے پہن لے۔ اور جو تہبند نہ پائے وہ پائجامہ پہن لے۔ احناف کے یہاں حج کے موقع پر تین خطبہ ہیں: اوّل ذوالحجہ کی ساتویں تاریخ کو بعد نماز ظہر مسجد حرام میں' دوسرے عرفات میں بعد زوال نماز ظہر سے پہلے' تیسرے گیارہ ذوالحجہ کو بعد نماز ظہر۔

احادیث میں ان تاریخوں کے علاوہ اور دنوں میں بھی خطبہ مذکور ہیں۔ یہ خطبہ اعمال حج میں سے نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً جن پیغامات کو ضروری جانا اُمت کو پہنچا دیا۔ تیئیس سال کی کدوکاوش کا ثمرہ نظروں کے سامنے تھا' حد نظر تک پھیلے ہوئے انسانوں کا جم غفیر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موجود تھا' جو سراپا تسلیم وانقیاد تھا اور معلوم ہو چکا تھا کہ اب پھر ان سے ملاقات نہ ہوگی' اس لیے وقتہ وقتہ

کے ساتھ ہدایت و ارشاد تبلیغ و تہذیب کا کام جاری تھا۔ احادیث میں ان خطبوں کے جو الفاظ منقول ہیں، انہیں دیکھ لیجئے' ان میں اعمال حج کا کوئی ذکر نہیں' مثلاً یوم نحر کا یہی خطبہ دیکھ لیں' اس میں حج کے کسی عمل کا تذکرہ نہیں' بہ خلاف ان تینوں خطبوں کے ان میں اعمال حج کی تعلیم و تلقین ہے۔

۱۰۲۷- ح: اَتَدْرُوْنَ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟

[(آپ ﷺ نے فرمایا:) تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟]

۱۰۲۷- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى اَتَدْرُوْنَ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ هٰذَا يَوْمٌ حَرَامٌ اَفَتَدْرُوْنَ اَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ بَلَدٌ حَرَامٌ قَالَ اَتَدْرُوْنَ اَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا وَقَالَ هِشَامُ بْنُ الْغَازِ اَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِي الْحَجَّةِ الَّتِيْ حَجَّ بِهٰذَا وَقَالَ هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ فَطَفِقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ وَوَدَّعَ النَّاسَ فَقَالُوْا هٰذِهِ حَجَّةُ الْوَدَاعِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے منیٰ میں فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں' فرمایا: یہ یوم حرام ہے' کیا تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں' فرمایا: شہر حرام ہے' فرمایا: کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں' فرمایا: ماہ حرام ہے' بے شک اللہ نے تمہارے خون' تمہارے مال' تمہاری آبرو تم پر ایسے ہی حرام فرمائی ہے جیسے اس دن کی حرمت' اس مہینے کی اور اس شہر میں ہے۔ ہشام بن غاز نے کہا: ہم کو نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے خبر دی کہ نبی ﷺ نے جو حج کیا' اس میں یوم نحر جمرات کے مابین کھڑے ہوئے اور فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے' اس کے بعد نبی ﷺ کہنے لگے: اے اللہ! گواہ رہ اور لوگوں کو رخصت فرمایا' اس پر لوگوں نے کہا: یہ حجۃ الوداع ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: الخطبة ایام منٰی ص ۲۳۵' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجة الوداع ص ۶۳۲' کتاب الادب۔ باب: قول الرجل ویلك ص ۹۱۱' کتاب الحدود۔ باب: ظهر المؤمن حمى ص ۱۰۰۳' کتاب الدیات۔ باب: قول الله ومن احیاها ص ۱۰۱۴' الفتن۔ باب: قول النبی ﷺ لا ترجعوا کفارا ص ۱۰۴۸' مسلم۔ کتاب الایمان' ابوداؤد۔ کتاب السنة' نسائی۔ کتاب المحاربة' ابن ماجہ۔ کتاب الفتن)

ان تمام احادیث سے اس خطبہ کے دن اور جگہ کی تعیین ہو گئی کہ حضور اقدس ﷺ نے یوم نحر جمرات کے درمیان جمرۃ العقبہ کے قریب وہ فرمایا تھا۔ رافع بن عمرو مزنی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ منیٰ میں جب چاشت کا وقت خوب ہو گیا تھا تو آپ خطبہ دے رہے تھے۔

یوم الحج الاکبر

حج اکبر سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ اوّل حج اکبر سے مراد حج ہے' اس کے بالمقابل عمرہ حج اصغر ہے۔ اور یوم حج سے مراد دسویں ذوالحجہ ہے۔ ثانی رسول اللہ ﷺ نے جس سال حج کیا' صرف اسی حج کا نام حج اکبر ہے۔ ثالث یوم عرفہ ہے' رابع حج کے کل ایام مراد ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اہم بات متعدد دنوں تک ہوتی ہے مگر اس کو یوم فلاں سے تعبیر کرتے ہیں' جیسے

یوم یمامہ‘ یوم قادسیہ‘ یوم یرموک۔ خامس قران حج اکبر ہے اور افراد حج اصغر۔ ان سب میں راجح اور صحیح پہلا قول ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید اور احادیث صحیحہ قویہ سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ. (التوبہ:۳)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔

بخاری وغیرہ میں ہے کہ یہ منادی اسلام کے پہلے حج کے موقع پر یوم نحر کو ہوئی تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت میں ۹ھ میں ہوا تھا‘ نیز اس حدیث کا ظاہر بھی اس کا مؤید ہے۔

وقال هشام بن الغاز

یہ تعلیق ہے جسے ابوداؤد[1] نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت۳۱۹ - وَقَالَ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ رَمَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ ضُحًی وَّرَمٰی بَعْدَ ذٰلِكَ بَعْدَ الزَّوَالِ.

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم نحر کو چاشت کے وقت رمی کی اور اس کے بعد زوال کے بعد۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: رمی الجمار ص ۲۳۵)

اس تعلیق کو امام مسلم[2] نے سند متصل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

۱۰۲۸- ح: مَتٰی اَرْمِی الْجِمَارَ؟ [میں کب رمی جمار کروں؟]

۱۰۲۸- عَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَتٰی اَرْمِی الْجِمَارَ قَالَ اِذَا رَمٰی اِمَامُكَ فَارْمِهْ فَاَعَدْتُّ عَلَیْهِ الْمَسْاَلَةَ قَالَ كُنَّا نَتَحَیَّنُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَیْنَا.

وبرہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: میں کب رمی جمار کروں؟ تو انہوں نے فرمایا: جب تیرا امام رمی کرے اس وقت تو بھی کر۔ میں نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا: ہم انتظار کرتے رہتے‘ جب سورج ڈھل جاتا تو رمی کرتے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: رمی الجمار ص ۲۳۵‘ ابوداؤد۔ کتاب المناسک)

۱۰۲۹- ح: فَرَاٰهُ یَرْمِی الْجَمْرَةَ الْكُبْرٰی [انہیں دیکھا کہ بڑے جمرہ کی رمی کر رہے ہیں]

۱۰۲۹- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّهٗ حَجَّ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَرَاٰهُ یَرْمِی الْجَمْرَةَ الْكُبْرٰی بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ وَجَعَلَ الْبَیْتَ عَنْ یَّسَارِهٖ وَمِنًی عَنْ یَّمِیْنِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذَا مَقَامُ الَّذِیْ اُنْزِلَتْ عَلَیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.

عبد الرحمان بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہیں دیکھا کہ بڑے جمرہ پر سات کنکریوں سے رمی کر رہے ہیں اور انہوں نے بیت اللہ کو بائیں اور منیٰ کو داہنے کیا‘ پھر فرمایا: یہ ان کے رمی کرنے کی جگہ ہے جن پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: رمی الجمار بسبع حصیات ص ۲۳۵‘ مسلم۔ کتاب الحج‘ ابوداؤد۔ کتاب المناسک‘ ترمذی۔ کتاب الحج‘ نسائی‘ ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۶۸۔ کتاب المناسک۔ باب: یوم الحج الاکبر [2] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۲۰۔ کتاب الحج۔ باب: مستحبات وقت الرمی

[رمی کا وقت]

یہی جمہور کا مذہب ہے کہ یوم نحر رمی کا مسنون وقت چاشت ہے اور ایام تشریق میں رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔ آج کل بعض ناخدا ترس جاہلوں کے فتوی دینے سے کچھ حجاج بارھویں کو بھی قبل زوال رمی کر کے مکہ معظمہ چل دیتے ہیں' یہ سنت کے خلاف ہے۔ اور ہمارے اصل مذہب مفتی بہ راجح کے بھی' اس دن قبل زوال رمی کی روایت ضعیف ہے۔ اور روایت ضعیف پر فتوی دینا' عمل کرنا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ اگر تیرھویں کو بھی منیٰ میں رہا اور یہی افضل ہے تو تیرھویں کی بھی رمی واجب ہے۔ آج کی رمی کا وقت صبح سے لے کر آفتاب ڈوبنے تک ہے' مگر قبل زوال مکروہ ہے۔

۱۰۳۰- ح: اَلسُّوْرَةُ الَّتِیْ تُذْكَرُ فِيْهَا الْبَقَرَةُ

[وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے]

۱۰۳۰- حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ السُّوْرَةُ الَّتِیْ تُذْكَرُ فِيْهَا الْبَقَرَةُ وَالسُّوْرَةُ الَّتِیْ يُذْكَرُ فِيْهَا اٰلُ عِمْرَانَ وَالسُّوْرَةُ الَّتِیْ يُذْكَرُ فِيْهَا النِّسَآءُ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِاِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيْدَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَاسْتَبْطَنَ الْوَادِیَ حَتّٰى اِذَا حَاذَى بِالشَّجَرَةِ اعْتَرَضَهَا فَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ مِنْ هَا هُنَا وَالَّذِیْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ قَامَ الَّذِیْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: یکبر مع کل حصاۃ ص ۲۳۵)

سلیمان اعمش نے کہا: میں نے حجاج کو سنا' وہ منبر پر کہہ رہا تھا: وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور وہ سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے اور وہ سورت جس میں نساء کا ذکر ہے' تو میں نے ابراہیم (نخعی) سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا: مجھ سے عبدالرحمٰن بن یزید نے حدیث بیان کی کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جمرۃ العقبہ کی رمی کی تو یہ ان کے ساتھ تھے' وہ وادی کے پیٹ میں آئے' جب درخت کے مقابل ہو گئے تو اس کے سامنے ہوئے اور سات کنکریاں ماریں' ہر کنکری پر تکبیر کہتے' پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! یہیں وہ کھڑے ہوئے تھے جن پر سورۃ بقرہ نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی امام بخاری نے اکٹھے چار طریقوں سے تخریج کی ہے' پہلے بہ طریق محمد بن کثیر کہ لوگ وادی کے اوپر سے رمی کرتے ہیں' بقیہ طرق کے مضامین ان دونوں طریقوں میں آ گئے ہیں۔ جمرۃ اس ستون کو کہتے ہیں جس کو کنکری ماری جاتی ہے' یہ تین ہیں۔ مکہ معظمہ سے منیٰ جاتے ہوئے سب سے پہلے جمرۃ العقبہ ہے' یہ سب سے بڑا بنا ہوا ہے' اس لیے اسے جمرۃ الکبریٰ بھی کہتے ہیں' جو بیچ کا ہے' اس کا طول بھی درمیانی ہے اور دونوں کے بیچ میں پڑتا بھی ہے' اس لیے اسے الجمرۃ الوسطیٰ کہتے ہیں۔ تیسرا اخیر کا مسجد خیف کے قریب' یہ ان دونوں سے چھوٹا بنا ہوا ہے' اسے الجمرۃ الصغریٰ بھی کہتے ہیں۔

فاستبطن الوادی

یعنی وہ اس جمرے کے قریب جو نالہ ہے اس کے نشیب میں اترے۔ اس زمانے میں وہاں ایک درخت تھا' اس کے مقابل ہو کر رمی کی۔ اس رمی میں یہی سنت ہے کہ جمرہ سے پانچ ہاتھ کے فاصلے پر وادی میں کھڑے ہو کر رمی کریں' البتہ جمرہ صغریٰ میں یہ ہے کہ اوپر کھڑے ہو کر رمی کریں۔ یہ بہ نسبت جمرۂ عقبہ کے اونچی جگہ پر ہے۔ اب نہ وہ نالہ ہے نہ درخت۔ اب ہموار راستہ اور سڑک بن گئی ہے۔ اب یہ کرے کہ پانچ ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر رمی کرے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے یہ نہ ہو سکے تو جتنی دور سے ہو سکے مارے' مگر یہ خیال رکھے کہ کوئی کنکری تین ہاتھ سے زائد دوری پر نہ گرے۔

فذكرت ذلك

بعض تابعین کا قول ہے کہ سورۂ بقرہ‘ سورۂ آل عمران‘ سورۂ نساء نہیں کہنا چاہیے‘ بلکہ یہ کہنا چاہیے: ”سورة التى تذكر فيها البقره“ مثلاً حجاج نے اسی کو بیان کیا تو حضرت سلیمان اعمش نے حضرت ابراہیم نخعی استاذ سیدنا امام اعظم سے اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ فرمایا ہے‘ اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حج کے اہم مناسک سورہ بقرہ میں مذکور ہیں‘ اس لیے اس موقعہ پر سورۂ بقرہ ذکر فرمایا۔

١٠٣١- ح: كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا

[قریب والے جمرہ کی رمی کرتے]

١٠٣١- عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَيَقُوْمُ طَوِيْلًا وَّيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ وَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ.

سالم سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (مسجد خیف سے) قریب والے جمرے پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے پیچھے تکبیر پڑھتے‘ پھر آگے بڑھ جاتے‘ یہاں تک کہ ہموار زمین پر پہنچ جاتے تو قبلہ رو دیر تک کھڑے ہو کر دعا کرتے اور ہاتھوں کو اٹھاتے‘ اس کے بعد وسطیٰ پر رمی کرتے‘ پھر بائیں ہاتھ چلتے اور ہموار زمین پر پہنچتے تو قبلہ رو ہو کر دعا کرتے اور ہاتھوں کو اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے‘ اس کے بعد جمرۃ العقبہ وادی کے نشیب سے رمی کرتے اور یہاں ٹھہرتے نہیں‘ رمی کرتے ہی پلٹ جاتے اور کہتے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ ایسے ہی کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: اذا رمی الجمرتین یقوم ص ۲۳۶)

یہ حدیث افراد بخاری سے ہے‘ اسے امام بخاری نے اکٹھے ہی تین طریقوں سے روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کے مطابق عمل ہے کہ گیارہ بارہ کو رمی کی۔ ابتداء اس جمرے سے کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے‘ رمی کرنے کے بعد جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جاؤ اور دعا میں ہاتھ یوں اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کو رہیں۔ حضور قلب سے حمد‘ درود و دعا و استغفار میں کم سے کم بیس آیتیں پڑھنے کی قدر مشغول رہو۔ ہو سکے تو پون پارہ یا سورۂ بقرہ پڑھنے کی مقدار۔ اس کے بعد یہی جمرہ وسطیٰ پر کریں‘ پھر جمرہ عقبہ پر مگر جمرہ عقبہ پر رمی کے بعد فوراً واپس ہو جائیں‘ ٹھہریں نہیں۔ اسی طرح بارہ کو جسے یوم النفر الاوّل اور یوم الرؤس بھی کہتے ہیں۔ رمی کے بعد غروب آفتاب سے پہلے پہلے مکہ معظمہ واپس ہو سکتا ہے اور افضل یہ ہے کہ تیرھویں کو بھی بعد زوال رمی کر کے واپس ہو‘ مگر عام طور پر لوگ بارہ ہی کو واپس ہو جاتے ہیں‘ تھوڑی جماعت کا منیٰ میں رہنا مشکل ہے۔

جمرة الدنيا

دنیا ”دُنُوٌّ“ سے اسم تفضیل مؤنث ”فُعْلٰى“ کے وزن پر ہے‘ یعنی جو مسجد خیف سے بہ نسبت دوسرے جمرات کے زیادہ قریب ہے‘ اس کو جمرہ اولیٰ بھی کہتے ہیں‘ یہ پہلا جمرہ ہے‘ یہ مسجد خیف سے ۱۲۵۴ ذراع ہے۔ اس سے دوسرا ۸۷۵ اور اس سے جمرہ عقبہ ۲۰۸ ذراع ہے[1] ”جمرةٌ“ کے معنی وہ جگہ جہاں کنکریاں اکٹھی ہوں۔

[1] ردالمحتار۔ ج ۲ ص ۱۸۵۔ نعمانیہ

فیسهل

اس کا مادہ ''سهلٌ'' ہے جس کے معنی نرم برابر زمین کے ہیں ''فَيُسْهِلُ'' کے معنی یہ ہوئے: نرم اور برابر زمین پر آئے۔

جمرة العقبة

عقبہ کے معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں۔ یہاں ایک پہاڑ کی گھاٹی ہے، جہاں انصار کرام نے حضور اقدس ﷺ سے بیعت کی تھی، اس لیے اسے جمرۃ العقبہ کہتے ہیں۔ جس جگہ انصار نے بیعت کی تھی وہاں مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہ جمرہ منٰی کے حدود سے باہر مکہ معظمہ کی طرف آخر حد پر ہے[1] اس کا نام جمرہ کبریٰ، جمرہ قصویٰ، جمرہ اخیرہ بھی ہے۔

۱۰۳۲- ح: اُمِرَ النَّاسُ اَنْ يَّكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ

[لوگوں کو حکم دیا کہ واپسی پر آخری کام بیت اللہ کا طواف ہے]

۱۰۳۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اُمِرَ النَّاسُ اَنْ يَّكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ. (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: طواف الوداع ص۲۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت اخیر کام بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ حیض والی پر تخفیف کی گئی ہے۔

یہ حدیث الفاظ کے کچھ تغیر اور اختصار کے ساتھ کتاب الحیض میں گزر چکی ہے اور آگے چند احادیث کے بعد آ رہی ہے۔ اس پر مفصل گفتگو نزہۃ القاری ج۲ ص۶۷۵-۶۷۶، رقم: ۲۳۱ پر ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک میقات سے باہر والے پر طوافِ وداع واجب ہے، جس پر طوافِ وداع واجب ہے اگر چھوڑ دے گا تو اس پر دم واجب ہے۔ حائضہ اور نفاس والی کو طوافِ وداع معاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ یہ طواف حائضہ اور نفاس والی پر بھی واجب ہے، وہ رکی رہیں، جب پاک ہو جائیں طواف کر کے واپس ہوں، مگر جب انہیں یہ حدیث ملی تو انہوں نے رجوع فرما لیا۔

۱۰۳۳- ح: صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ

[آپ (ﷺ) نے ظہر، اور عصر، اور مغرب اور عشاء (محصب) میں پڑھی]

۱۰۳۳- عَنْ قَتَادَةَ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ اِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ.

قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء محصب میں پڑھی، پھر تھوڑی دیر آپ سوئے، اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ گئے اور اس کا طواف کیا۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ طواف الوداع ص۲۳۶، باب: من صلى العصر بالابطح ص۲۳۷)

محصب

منٰی اور مکہ معظمہ کے درمیان جنت المعلیٰ قبرستان کے مکہ معظمہ کی طرف ایک میدان ہے، جسے ابطح، بطحاء اور خیف بھی کہتے ہیں، یہ دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ حصباء کنکری کو کہتے ہیں، سیلاب میں کنکریاں بہہ کر یہاں جمع ہو جاتی ہیں، اس لیے اسے محصب کہتے ہیں۔ زوال کے بعد رمی کر کے حضور اقدس ﷺ نے منٰی سے نہضت فرمائی اور ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازیں محصب میں آ کر

[1] رد المحتار ج۲ ص۱۸۵۔ نعمانیہ۔

پڑھیں' پھر تھوڑی دیر سوئے اور طوافِ وداع فرمایا اور یہی سنت ہے' مگر اب محصب میں سڑکیں بن گئی ہیں' تھوڑا سا میدان باقی ہے موٹروں کی وجہ سے لوگ سیدھے مکہ معظمہ چلے آتے ہیں' لیکن یہ کوئی دشوار بات نہیں۔ محصب میں موٹر رکوا کر اُتر لیں اور پھر عشاء کے بعد ایک ہلکی نیند لے کر پیدل مکہ معظمہ آئیں تو بے شمار برکات حاصل ہوں گی۔

عام حجاج کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب لاکھ کے برابر ہے' اسے کیوں چھوڑیں۔ ان غریبوں کو یہ نہیں معلوم کی سنت نبوی کی پیروی میں جو اجر و برکت ہے' وہ چھوڑنے میں نہیں۔ آخر خود حضور اقدس ﷺ نے یہ نمازیں مسجد حرام میں کیوں نہیں پڑھیں۔

۱۰۳۴- ح: سَأَلُوْا عَنِ امْرَأَةٍ طَافَتْ ثُمَّ حَاضَتْ

[اس عورت کے متعلق پوچھا جس نے طواف زیارت کیا' پھر اسے حیض آ گیا]

۱۰۳۴- عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ سَأَلُوْا ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ امْرَأَةٍ طَافَتْ ثُمَّ حَاضَتْ قَالَ لَهُمْ تَنْفِرُ قَالُوْا لَا نَأْخُذُ بِقَوْلِكَ وَنَدَعُ قَوْلَ زَيْدٍ قَالَ إِذَا قَدِمْتُمُ الْمَدِيْنَةَ فَاسْأَلُوْا فَقَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلُوْا فَكَانَ فِيْمَنْ سَأَلُوْا أُمُّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَذَكَرَتْ حَدِيْثَ صَفِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا. (بخاری۔ کتاب المناسک

باب: اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت ص ۲۳۷)

عکرمہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا' جس نے طواف زیارت کر لیا پھر اس کو حیض آ گیا' فرمایا: وہ گھر واپس جا سکتی ہے اہل مدینہ نے کہا: ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے اور زید کی بات نہیں چھوڑیں گے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب مدینہ جانا تو پوچھنا' یہ لوگ مدینہ آئے اور پوچھا تو جن لوگوں سے پوچھا تھا' ان میں حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں' انہوں نے اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی۔

حضرت زید بن ثابت' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم پہلے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ اور نفاس والی پر بھی طواف وداع واجب ہے' اسے چھوڑنا جائز نہیں۔ اسے مکہ معظمہ میں ٹھہرنا واجب ہے۔ وہ پاکی کے بعد طواف وداع کر کے واپس ہو گی' مگر جب ان لوگوں کو حضرت صفیہ والی حدیث پہنچی تو رجوع فرما لیا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اخیر وقت تک یہی مذہب رہا کہ حائضہ طواف وداع کیے بغیر واپس نہ ہو گی۔ ان کی دلیل وہی حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''أمر الناس ان يكون آخر عهدهم بالبيت'' غالباً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو حضرت صفیہ والی حدیث نہیں پہنچی۔

حديث صفية

اس سے مراد وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ یوم نفر اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا' مگر چونکہ وہ طواف افاضہ کر چکی تھیں' اس لیے انہیں طواف وداع کیے بغیر واپسی کی اجازت مل گئی۔

۱۰۳۵- ح: إِنَّمَا كَانَ مَنْزِلًا يَنْزِلُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[یہ وہ منزل ہے جو نبی ﷺ نے بنائی تھی]

۱۰۳۵- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّمَا كَانَ مَنْزِلًا يَنْزِلُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَكُوْنَ أَسْمَحَ

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ابطح کو نبی ﷺ نے اس لیے منزل بنایا تھا تا کہ واپسی میں آسانی ہو۔

لِخُرُوْجِهٖ يَعْنِيْ بِالْاَبْطَحِ.

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: المحصب، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداود۔ کتاب المناسک، ترمذی۔ کتاب الحج، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک، مسند امام احمد۔ ج ٦ ص ١٤١)

١٠٣٦- ح: لَيْسَ التَّحْصِيْبُ بِشَيْءٍ [محصب میں اترنا کچھ نہیں]

١٠٣٦- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَيْسَ التَّحْصِيْبُ بِشَيْءٍ اِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: محصب میں اترنا کچھ نہیں، یہ ایک منزل ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: المحصب ص ٢٣٦، مسلم، ترمذی، نسائی۔ کتاب الحج)

اس پر تو اتفاق ہے کہ محصب میں اترنا مناسک حج سے نہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ مستحب بھی ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ مستحب ہے اور ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ مناسک میں داخل نہیں۔

١٠٣٧- ح: اَنَّ ابْنَ عُمَرَ يَبِيْتُ بِذِيْ طُوًى [حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) ذوطویٰ میں رات بسر کرتے]

١٠٣٧- عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَبِيْتُ بِذِيْ طُوًى بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِيْ بِاَعْلٰى مَكَّةَ وَكَانَ اِذَا قَدِمَ مَكَّةَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا لَمْ يُنِخْ نَاقَتَهٗ اِلَّا عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيَأْتِي الرُّكْنَ الْاَسْوَدَ فَيَبْدَأُ بِهٖ ثُمَّ يَطُوْفُ سَبْعًا ثَلَاثًا سَعْيًا وَاَرْبَعًا مَشْيًا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيُصَلِّيْ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَنْطَلِقُ قَبْلَ اَنْ يَّرْجِعَ اِلٰى مَنْزِلِهٖ فَيَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَكَانَ اِذَا صَدَرَ عَنِ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِيْ بِذِي الْحُلَيْفَةِ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنِيْخُ بِهَا.

نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ذوطویٰ میں دونوں گھاٹیوں کے درمیان رات بسر کرتے، پھر مکہ میں اس گھاٹی سے داخل ہوتے جو مکہ کے بالائی حصے میں ہے اور جب مکہ حج وعمرہ کے لیے آتے تو اپنی اونٹنی مسجد کے دروازے ہی پر بٹھاتے، اس کے بعد مسجد کے اندر آتے اور رکن اسود کے پاس آتے، پھر سات طواف کرتے، تین سعی کے ساتھ اور چار معتاد رفتار سے، پھر لوٹتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، پھر پڑاؤ پر واپس ہونے سے پہلے صفا ومروہ کے درمیان طواف کرتے اور جب حج یا عمرے سے واپس ہوتے تو ذوالحلیفہ کے اس میدان میں اونٹنی بٹھاتے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بٹھایا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: النزول بذی طوی ص ٢٣٧)

اس حدیث کے اجزا متفرق طور پر گزر چکے ہیں اور سب کی تشریح ہو چکی ہے۔

١٠٣٨- ح: سَاَلُوْا عَنِ الْمُحَصَّبِ [انہوں نے محصب کے بارے میں پوچھا]

١٠٣٨- سُئِلَ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنِ الْمُحَصَّبِ فَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ نَزَلَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَنْ

عبید اللہ سے محصب کے بارے میں پوچھا گیا تو عبید اللہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما یہاں منزل کرتے تھے۔ اور نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر

نَّافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُصَلِّيْ بِهَا يَعْنِي الْمُحَصَّبَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ اَحْسِبُهُ قَالَ وَالْمَغْرِبَ قَالَ خَالِدٌ لَا اَشُكُّ فِي الْعِشَاءِ وَيَهْجَعُ هَجْعَةً وَّيَذْكُرُ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

محصب میں ظہر اور عصر پڑھتے تھے اور میں گمان کرتا ہوں کہ مغرب بھی۔ خالد نے کہا: عشاء میں مجھے کوئی شک نہیں اور ایک نیند لیتے اور بیان کرتے کہ نبی ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: النزول بذی طوری ص ۲۳۷)

امام ترمذی[1] نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کیا: نبی ﷺ' ابوبکر' عمر اور عثمان ابطح میں منزل کرتے تھے۔ حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے منٰی سے چلتے وقت یہ حکم نہیں دیا تھا کہ ابطح میں منزل کروں گا۔ میں آیا اور میں نے وہاں خیمہ تان دیا' حضور تشریف لائے اور اس میں جلوہ فرما ہوئے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۰۱)

۱۰۳۹- ح: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ اِذَا اَقْبَلَ بَاتَ

[حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آتے تو (ذوطویٰ) میں رات بسر کرتے]

۱۰۳۹- عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ اِذَا اَقْبَلَ بَاتَ بِذِيْ طُوًى حَتّٰى اِذَا اَصْبَحَ دَخَلَ وَاِذَا نَفَرَ مَرَّ بِذِيْ طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ يَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.

نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جب وہ مکہ معظمہ آتے تو ذوطویٰ میں رات بسر کرتے' جب صبح ہوتی تو داخل ہوتے اور جب واپس ہوتے تو ذوطویٰ میں سے گزرتے اور وہاں رات بھر صبح تک رہتے اور ذکر کرتے تھے کہ نبی ﷺ ایسا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: من نزل بذی طوی اذا رفع من مکۃ ص ۲۳۸)

ذوطویٰ مکہ معظمہ کے زیریں حصے میں مکہ معظمہ اور تنعیم کے مابین ایک جگہ کا نام ہے' اس حدیث کا جز پہلے گزر چکا۔

۱۰۴۰- ح: كَانَ ذُو الْمَجَازِ وَعُكَاظٌ مَتْجَرَ النَّاسِ

[ذوالمجاز اور عکاظ لوگوں کی تجارت گاہ تھیں]

۱۰۴۰- قَالَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ ذُو الْمَجَازِ وَعُكَاظٌ مَتْجَرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ كَاَنَّهُمْ كَرِهُوْا ذٰلِكَ حَتّٰى نَزَلَتْ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرہ:۱۹۸) فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ذوالمجاز اور عکاظ لوگوں کی تجارت گاہیں تھیں' جب اسلام آیا تو لوگوں نے اسے برا جانا' یہاں تک کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی' تم پر کوئی گناہ نہیں کہ (ایام حج میں) اللہ کا فضل تلاش کرو۔

(بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب: التجارۃ ایام الموسم ص ۲۳۵' کتاب البیوع۔ باب: الاسوق التی کانت فی الجاھلیۃ ص ۲۸۲ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البقرہ۔ باب: قولہ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم ص ۶۴۸)

کتاب البیوع اور التفسیر میں مجنہ کا اضافہ ہے اور "کرِھوا" کی جگہ "تاثّموا" ہے۔ البیوع میں "ذٰلک" کی جگہ "من التجارۃ"

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۱۲۔ کتاب الحج۔ باب: نزول الابطح

فیھا'' ہے یعنی ان بازاروں میں تجارت کو گناہ جانا۔ اور التفسیر میں ''فی المواسم'' ہے یعنی ایامِ حج میں تجارت کو بُرا جانا۔ بیوع کی ذیل اخیر کا حصہ یہ ہے: ''قرأ ابن عباس کذا'' یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت۔ ''فی مواسم الحج'' کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ ابن عیینہ کی روایت میں ''اسواقا فی الجاهلية'' ہے ایامِ جاہلیت میں اہل عرب شہر حرام میں چار میلے یا بازار لگاتے تھے: عکاظ' ذوالمجاز' مجنہ' حباشہ۔

عکاظ

ایک ہموار سطح میدان تھا جس میں نہ کوئی پہاڑ تھا اور نہ کوئی نشان ٹیلہ وغیرہ۔ اس میں بڑی بڑی چکیوں کے پاٹ کی طرح الصاب تھے جو اونٹ کے خون سے لت پت رہتے تھے۔ اس کے جائے وقوع میں تین قول ہیں: محمد بن حبیب نے کہا کہ نجد کے بالائی حصے میں عرفات کے قریب تھا' دوسروں نے کہا کہ یہ صنعا کے راستے میں قرن المنازل سے ایک منزل اور طائف سے ایک برید کے فاصلے پر طائف کے ملحقات میں تھا۔ ابوعبید نے کہا کہ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان تھا' اس کے قریب ایک گاؤں متق نامی تھا۔ یہ بازار عام فیل کے پندرہ سال بعد لگنا شروع ہوا اور ۱۴۰ھ میں جب مختار بن عوف کی سرکردگی میں خارجیوں کی شورش شروع ہوئی تو بند ہوگیا۔ یہ بازار ذوالقعدہ کی پہلی تاریخ سے بیس تک رہتا۔ عکاظ میں اہل عرب اکٹھے ہو کر مفاخرت کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس بازار میں شریک ہوئے ہیں اور یہیں قس بن ساعدہ کا کلام سنا۔

ذوالمجاز

عرفات سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر موقف کی دائیں طرف لگتا تھا' عکاظ کے بعد ۲۱ ذوالقعدہ سے اخیر ماہ تک لگتا تھا۔

مجنّۃ

مکہ معظمہ سے ایک برید کے فاصلے پر مرّ الظہر ان کے اطراف میں لگتا تھا۔ یہ شامہ اور طفیل دو پہاڑوں کے درمیان ہے' بہت پُرفضا باغوں سے بھری ہوئی جگہ ہے۔ یہ پہلی ذوالحجہ سے آٹھ تک لگتا' اس کے بعد لوگ حج کے لیے چل دیتے۔

حُباشہ

مکہ معظمہ سے چھ منزل کے فاصلے پر یمن کی طرف رجب کے مہینے میں آٹھ دن لگتا تھا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اس بازار میں تشریف لے گئے اور کپڑا خریدا۔ یہ تہامہ کے بازاروں میں سب سے بڑا بازار تھا۔

کرهوا ذلك

سابقاً گزر چکا کہ دوسری روایتوں میں ''تاثموا'' ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کراہت اس حد تک تھی کہ اسے لوگوں نے گناہ گمان کیا' اس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں نے یہ سمجھا کہ ایامِ حج صرف عبادت کے لیے ہیں' ان ایام میں عرفات اور مکہ معظمہ کے قریب سوائے عبادت کے تجارت وغیرہ نہیں کرنی چاہیے۔ یہ رہبانیت تھی' اس لیے ارشاد فرمایا گیا کہ مال اور ضروریاتِ زندگی اللہ کا فضل ہے۔ ان ایام میں اور ان مقامات میں بھی اللہ کا فضل حاصل کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٢٦- [كِتَابُ الْعُمْرَةِ]

[عمرہ کا بیان]

بَابُ وُجُوْبِ الْعُمْرَةِ وَفَضْلِهَا — عمرہ کا واجب ہونا اور اس کی فضیلت

عمرہ...... [واجب ہے یا سنت؟]

عمرہ واجب ہے یا سنت مؤکدہ دونوں قول ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔ عمرے کی نیت سے احرام اس کے لیے شرط ہے بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی اس کے رکن ہیں اور احرام کھولنے کے لیے حلق یا تقصیر فرض ہے، عمرہ کرنے والے کے ساتھ اگر قربانی کے جانور نہیں تو سعی کے بعد سر منڈا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دے اور اگر اس کے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں تو احرام نہ کھولے۔ دسویں ذوالحجہ کو قربانی کر کے احرام کھولے۔ یوم عرفہ، یوم نحر، ایام تشریق کے علاوہ پورے سال میں عمرہ ہو سکتا ہے۔ رمضان میں افضل ہے۔ حدیث میں ہے: "عمرة فی رمضان تعدل حجة" رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: "حجة معی" یعنی میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ "الادب فی رجب" میں لکھا ہے کہ رجب میں عمرہ سنت ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تجدید کعبہ سے ستائیس رجب کو فارغ ہوئے تو شکرانے میں اونٹ ذبح کیے اور اہل مکہ کو حکم دیا کہ عمرہ کریں، اسی وقت سے رجب میں عمرہ کرنے کی رسم چلی آ رہی ہے۔ ردالمحتار[1] میں فتح القدیر سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے کیے ہیں۔

ت ٣٢٠ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَّعُمْرَةٌ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر شخص پر ایک حج اور ایک عمرہ ہے۔

ت ٣٢١ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِنَّهَا لَقَرِيْنَتُهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرة:١٩٦).

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عمرہ کتاب اللہ میں حج کے ساتھ مذکور ہے، فرمایا: حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ، دار قطنی اور حاکم نے بھی اخیر میں اس زیادت کے ساتھ: "من استطاع الی ذلک سبیلا فمن زاد علی ذلک فهو تطوع وخیر" جو ان کے راستے کی استطاعت رکھتا ہو اور جو ایک سے زیادہ کرے وہ اس کے لیے نفل اور بہتر ہے۔ امام بخاری نے جب عمرے کی فرضیت اور وجوب

---

[1] ردالمحتار۔ ج ٢ ص ١٥١

کے لیے کوئی روایت نہیں پائی یا اپنی شرط کے مطابق نہیں پائی تو وجوب کی دلیل میں ان دو تعلیقوں کو پیش کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ان حضرات کا اجتہاد اور اپنا اپنا فتویٰ ہے۔

ہمارے نزدیک سنت ہے' ہماری دلیل ترمذی[1] کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرے کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا یہ واجب ہے؟ فرمایا: نہیں! تم لوگ عمرہ کرو' افضل ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔ منذری نے اس پر یہ جرح کی کہ اس میں حجاج بن ارطاۃ ہے' جو قابل احتجاج نہیں۔ علامہ عینی نے اس کا جو جواب دیا' اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے' جس سے اس کا ضعف منجبر (ختم) ہو گیا اور یہ حدیث لائق احتجاج ہو گئی۔

نیز حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بالفاظ مختلفہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج جہاد ہے اور عمرہ نفل۔ (ابن ماجہ۔ کتاب المناسک۔ باب: العمرۃ ص ۲۲۱' عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۰۸)

حضرت ابن عباس کے استدلال کا ہمارے علماء نے یہ جواب دیا کہ ارشاد یہ ہے: ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'' (البقرہ: ۱۹۶) اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔ اتمام پورا کرنا یہ بتا رہا ہے کہ شروع کر چکا ہے' اس لیے اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ شروع کرنے کے بعد حج اور عمرے کو ضرور پورا کرو۔ یہ ہمارے مذہب کے کب منافی ہے' جس طرح حج نفل کے احرام باندھ لینے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح عمرہ اگرچہ سنت ہے مگر جب کوئی اس کا احرام باندھ لے تو اسے پورا کرنا واجب ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ابتداء ہی سے واجب ہے۔

۱۰۴۱- ح: اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا

[ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک درمیانی مدت (کے گناہوں کا) کفارہ ہے]

۱۰۴۱- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ اور حج مبرور کی جزا جنت ہی ہے۔

(مسلم' ترمذی' نسائی۔ کلہم فی کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۴۶)

''کفارة لما بینهما'' اور ''حج مبرور'' سے مراد

''کفارۃ لما بینھما'' بار بار گزر چکا کہ اس قسم کے ارشادات سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں۔

''حج مبرور'' حج مبرور کی متعدد تفسیریں منقول ہیں' اوّل: وہ حج ہے جس میں احرام باندھنے کے بعد سے اتمام تک کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ دوم: وہ حج ہے جس میں نہ ریا ہو نہ سمعہ نہ رفث ہو نہ فسوق نہ جدال۔ سوم: وہ حج ہے جس کے بعد حاجی گناہوں سے آلودہ نہ ہو۔ چہارم: مسند امام احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: حج مبرور کیا ہے؟ تو فرمایا: زیادہ سے زیادہ سلام کرنا' کھانا کھلانا' اچھی بات کرنی' نرم لہجہ میں کلام کرنا۔ پنجم: وہ حج جو مقبول ہو۔ اس خادم کے نزدیک پانچواں قول راجح ہے' اس لیے کہ مبرور بر کا اسم مفعول ہے۔ کہا جاتا ہے: ''بَرَّهٗ'' جب کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ اسی سے ''بَرًّا''

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۱۲۔ کتاب الحج۔ باب: العمرۃ واجبۃ ھی ام لا

بِـرِّ الْدِّیْہ" ہےاور جب یہ کہا جاتا ہے کہ "بَـرَّ الـلّٰـهُ عَمَلَهٗ" تو مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے اس کے عمل کو قبول کرلیا۔ حج کا قبول فرمالینا بندے کے ساتھ اللہ عزوجل کا احسان ہے۔ بقیہ اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ان میں کچھ حج کے مبرور ہونے کے اسباب ہیں اور کچھ علامتیں۔

بَابُ مَنِ اعْتَمَرَ قَبْلَ الْحَجِّ

جس نے حج سے پہلے عمرہ کیا

۱۰۴۲- اَنَّ عِـكْـرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ الْحَجِّ فَقَالَ لَا بَاْسَ قَالَ عِكْرِمَةُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يَّحُجَّ.

عکرمہ بن خالد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حج کرنے سے پہلے عمرے کے بارے میں دریافت کیا' تو آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حج کرنے سے پہلے عمرہ کیا۔

(ابوداؤد۔ کتاب المناسک)

عمرہ سنت ہے اور حج فرض' اور دونوں کی ادائیگی کی جگہ مکہ معظمہ' فرض کی ادائیگی اہم' تو اب بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسے مکہ معظمہ جانے کی استطاعت ہے وہ پہلے حج ادا کرے' حج ادا کیے بغیر عمرہ نہ کرے۔ اسی نکتے کو سامنے رکھ کر حضرت عکرمہ نے سوال کیا تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حج ادا کرنے سے پہلے عمرہ کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کبھی بعض موانع کی وجہ سے ایامِ حج میں سفر نہیں ہو پاتا اور دوسرے ایام میں ہو جاتا ہے' اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ جسے توفیق ہو وہ حج سے پہلے عمرہ کرلے۔

بَابُ كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص۲۳۸)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کیے؟

۱۰۴۳- عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ فَاِذَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا جَالِسٌ اِلٰى حُجْرَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَاِذَا نَاسٌ يُّصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَ فَسَاَلْنَاهُ عَنْ صَلٰوتِهِمْ فَقَالَ بِدْعَةٌ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِحْدَاهُنَّ فِيْ رَجَبٍ فَكَرِهْنَا اَنْ نَّرُدَّ عَلَيْهِ قَالَ وَسَمِعْنَا اسْتِنَانَ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحُجْرَةِ فَقَالَ عُرْوَةُ يَا اُمَّاهُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلَا تَسْمَعِيْنَ مَا يَقُوْلُ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَتْ مَا يَقُوْلُ قَالَ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ اَرْبَعَ عُمَرَاتٍ اِحْدَاهُنَّ فِيْ رَجَبٍ قَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ مَا اعْتَمَرَ عُمْرَةً اِلَّا وَهُوَ شَاهِدُهٗ وَمَا اعْتَمَرَ فِيْ رَجَبٍ قَطُّ.

امام مجاہد نے کہا: میں اور عروۃ بن زبیر مسجد (نبوی) میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب بیٹھے تھے اور کچھ لوگ مسجد میں نمازِ چاشت پڑھ رہے تھے۔ امام مجاہد نے کہا: ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے ان لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا' تو انہوں نے فرمایا: بدعت ہے' پھر ان سے پوچھا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کیے ہیں؟ تو فرمایا: چار' ان میں سے ایک رجب میں' ہم نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کی بات رد کر دیں اور ہم نے حجرے میں ام المومنین حضرت عائشہ کے مسواک کرنے کو سنا تو عروہ نے عرض کیا: اے ماں! اے ام المومنین! آپ سنتی نہیں ابوعبدالرحمٰن کیا کہتے ہیں؟ دریافت فرمایا: کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا: کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کیے ہیں' ان میں سے ایک رجب میں کیا ہے؟ ام المومنین نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن پر اللہ رحم کرے! حضور نے جو بھی عمرہ کیا ہے' اس میں

وہ حاضر تھے اور حضور نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: عمرة القضاص ص ۶۱۰، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ، موطا امام مالک۔ کتاب الحج، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۵۵)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کتنے عمرے فرمائے؟

ان احادیث سے اور حدیث و سیر کی دوسری کتابوں پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے چار عمرے کیے: ایک حدیبیہ کے سال، دوسرا سال آئندہ عمرۃ القضاء، تیسرا حنین کے غنائم تقسیم کرتے وقت جعرانہ سے، چوتھا حج کے ساتھ اور ایک حج کیا ہے۔ ان چار عمروں میں سے تین حج سے پہلے اور ایک حج کے ساتھ۔ اور صحیح یہ ہے کہ حج کے پہلے والے تینوں عمرے ذوالقعدہ میں کیے ہیں۔ رجب اور شوال میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے۔ رجب میں عمرے کرنے کا قول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، مگر یہ ان کا نسیان ہے۔ مسلم میں ہے کہ جب حضرت اُم المؤمنین نے حضرت ابن عمر کی تردید کی تو وہ چپ رہے اور نہ ہاں کہا نہ نہیں۔ اسی طرح جس نے شوال کا قول کیا ہے، اسے بھی شبہہ ہو گیا۔ جعرانہ کا عمرہ اوائل ذوالقعدہ میں کیا تھا۔ اسی کو بعض حضرات نے شوال میں کہہ دیا۔ حدیبیہ کے موقع پر اگرچہ آپ عمرہ نہیں کر سکے تھے، حدیبیہ ہی سے واپس آ گئے تھے، مگر عمرہ کی نیت سے نکلے تھے، اس لیے اسے بھی ایک شمار کر لیا۔

بدعة

لوگ مسجد میں اجتماع کے ساتھ نمازِ چاشت پڑھ رہے تھے۔ اس طرح نمازِ چاشت پڑھنے کو انہوں نے بدعت کہا، ورنہ سابقاً گزر چکا کہ نمازِ چاشت فتح مکہ کے موقعہ پر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑھی اور صحابہ کو پڑھنے کا حکم بھی دیا۔

وھو شاھدہ

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب بھی عمرہ کیا۔ ابن عمر اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، پھر وہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ رجب میں عمرہ فرمایا۔

حیث صالحھم

یعنی صلح حدیبیہ کے مطابق سال آئندہ عمرہ کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس وقت صلح فرمائی تھی۔

اربعاً

مغازی میں یہ زائد ہے: سوائے اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا تھا، سب کے سب ذوالقعدہ میں کیے۔ اخیر میں یہ ہے: اور ایک اپنے حج کے ساتھ۔

مرتین

حضرت براء نے جو فرمایا کہ دو عمرے کیے، ان سے یا تو حدیبیہ والا عمرۃ القضا مراد ہے، اس لیے کہ جعرانہ والا رات میں چپکے سے کیا تھا، جس کا علم سب کو نہیں تھا، یا یہ کہ ان کی مراد عمرۃ القضا اور جعرانہ والا ہے، اس لیے کہ آپ حدیبیہ والے سال میں عمرہ نہیں کر پائے تھے۔ حدیبیہ ہی سے قربانی کر کے احرام کھول کر چلے آئے تھے اور حج والا عمرہ حج کے ساتھ تھا، اس لیے اسے علیحدہ شمار نہیں کیا۔

۱۔ مسلم۔ ج ۱ ص ۴۰۹۔ کتاب الحج۔ باب: بیان عدد عمر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت براء کی مراد یہ ہے کہ صرف دو عمرے کیے۔

١٠٤٤- ح: مَا اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجَبٍ

١٠٤٤- عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجَبٍ.

[رسول اللہ ﷺ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا]

عروہ بن زبیر نے کہا: میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: نبی ﷺ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا ہے۔

١٠٤٥- ح: قَالَ اَرْبَعًا

١٠٤٥- عَنْ قَتَادَةَ سَأَلْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعًا عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَدَّهُ الْمُشْرِكُوْنَ وَعُمْرَةٌ مِّنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَالَحَهُمْ وَعُمْرَةُ الْجِعِرَّانَةِ اِذْ قَسَمَ غَنِيْمَةَ اُرَاهُ حُنَيْنٍ قُلْتُ كَمْ حَجَّ قَالَ وَاحِدَةً.

[فرمایا: چار (عمرے کیے)]

قتادہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ تو فرمایا: چار ایک عمرۃ الحدیبیہ ذوالقعدہ میں جب مشرکین نے آپ کو روکا تھا اور ایک عمرہ سال آئندہ ذوالقعدہ میں جبکہ مشرکین سے صلح ہوئی تھی اور عمرہ جعرانہ جب آپ نے حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی میں نے کہا: اور حج کتنے کیے؟ تو فرمایا: ایک۔

(ایضاً ص۲۳۹، ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الحدیبیہ ص۵۹۷، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد۔ کتاب المناسک، ترمذی۔ کتاب الحج)

١٠٤٦- ح: اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يَّحُجَّ

١٠٤٦- عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ سَأَلْتُ مَسْرُوْقًا وَّعَطَاءً وَّمُجَاهِدًا فَقَالُوْا اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ اَنْ يَّحُجَّ وَقَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ اَنْ يَّحُجَّ مَرَّتَيْنِ.

[رسول اللہ ﷺ نے حج سے قبل عمرہ کیا]

ابواسحٰق نے کہا: میں نے مسروق اور عطاء اور مجاہد سے پوچھا تو ان تینوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے سے پہلے عمرہ کیا ہے۔ اس نے کہا: اور میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج سے پہلے دو بار ذوالقعدہ میں عمرہ کیا۔

بَابُ عُمْرَةٍ فِيْ رَمَضَانَ (ص۲۳۹)

رمضان میں عمرہ

١٠٤٧- ح: قَالَ لِامْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ

١٠٤٧- عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُخْبِرُنَا يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِامْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ سَمَّاهَا ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَسِيْتُ

[آپ (ﷺ) نے انصار کی ایک خاتون سے فرمایا]

عطاء سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ ہمیں خبر دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ نبی ﷺ نے انصار کی ایک خاتون سے فرمایا، ابن عباس نے ان کا نام لیا تھا، میں بھول گیا:

اِسْمُهَا مَا مَنَعَكِ اَنْ تَحُجِّيْ مَعَنَا قَالَتْ كَانَ لَنَا نَاضِحٌ فَرَكِبَهُ اَبُوْ فُلَانٍ وَّابْنُهُ لِزَوْجِهَا وَابْنِهَا وَتَرَكَ نَاضِحًا نَنْضَحُ عَلَيْهِ قَالَ فَاِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِيْ فِيْهِ فَاِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ حَجَّةٌ اَوْ نَحْوًا مِّمَّا قَالَ.

(ایضاً باب: حج النساء ص ٢٥٠' مسلم- کتاب الحج' نسائی- کتاب الحج- کتاب الصوم)

کیا وجہ ہے کہ تو نے ہمارے ساتھ حج نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہمارے پاس ایک پانی بھرنے والا اونٹ تھا' اس پر ابوفلاں اور اس کا لڑکا سوار ہو کر حج کے لیے گئے (اپنے شوہر اور اپنے لڑکے کے لیے کہا) اور ہمارے لیے ایک آب کش اونٹ چھوڑ دیا جس پر ہم پانی لاتے' یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا' کیونکہ رمضان میں عمرہ حج ہے' یا اس کے ہم معنی اور کوئی لفظ فرمایا۔

باب حج النساء میں ہے کہ یہ خاتون ام سنان تھیں اور اخیر میں کچھ زیادتی کے ساتھ یہ ہے:

رمضان میں عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوطلحہ اور ان کے بیٹے نے حج کر لیا اور مجھے چھوڑ دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُم سلیم! رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

تعدل حجة

یہ ارشاد رمضان میں عمرہ کرنے کی ترغیب کے لیے ہے' جیسے سورۂ اخلاص کے بارے میں فرمایا کہ وہ تہائی قرآن کے برابر ہے' اور یہی ظاہر ہے۔

١٠٤٨- ح: اَمَرَهُ اَنْ يُّرْدِفَ عَآئِشَةَ

[(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) انہیں حکم دیا کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو اپنے ساتھ سوار کریں]

١٠٤٨- اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُ اَنْ يُّرْدِفَ عَآئِشَةَ وَيُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ عائشہ کو اپنے ساتھ سوار کریں اور تنعیم سے عمرہ کرا دیں۔

(ایضاً- کتاب الجہاد- باب: ارداف المرأة خلف اخیہا ص ٤١٩' مسلم' ترمذی' نسائی- کتاب الحج' ابن ماجہ- کتاب المناسک)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ جو مکہ کا باشندہ ہو یا مکہ میں مقیم ہو اور عمرہ کرنا چاہے تو اسے واجب ہے کہ حرم سے باہر جا کر احرام باندھے تا کہ ایک گونہ سفر پایا جائے۔ دوسرا یہ کہ اس کے لیے سب سے موزوں جگہ تنعیم ہے' بلکہ بہت سے حضرات نے فرمایا کہ اس صورت میں تنعیم سب سے افضل ہے' لیکن علامہ عینی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ کل حل یکساں ہے۔ اولاً یہ قطعی نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم دیا تھا' کیونکہ حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا ہی سے ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن سے یہ فرمایا تھا کہ اپنی بہن کو سوار کراؤ اور حرم سے باہر لے جاؤ۔ فرماتی ہیں کہ حضور نے نہ جعرانہ کا نام لیا تھا نہ تنعیم کا' مگر چونکہ حل کی سب سے قریب جگہ تنعیم تھی۔ اس لیے میں نے تنعیم سے احرام باندھا۔ یہی ہماری دلیل ہے کہ مکی کے عمرے کے لیے احرام کی جگہ پورا حل ہے۔ تنعیم یا جعرانہ کی تخصیص نہیں' مگر تنعیم سے عمرہ کرنا افضل ہے' کیونکہ حضرت اُم المؤمنین نے یہاں سے عمرہ کیا تھا۔

بَابُ اَجْرِ الْعُمْرَةِ عَلٰى قَدْرِ النَّصَبِ (ص ٢٤٠) مشقت کی مقدار عمرے کا اجر ہے

١٠٤٩ - عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَّعَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَصْدُرُ النَّاسُ بِنُسُكَيْنِ وَاَصْدُرُ بِنُسُكٍ فَقِيْلَ لَهَا انْتَظِرِىْ فَإِذَا طَهُرْتِ فَاخْرُجِىْ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَاَهِلِّىْ ثُمَّ ائْتِيْنَا بِمَكَانِ كَذَا وَلٰكِنَّهَا عَلٰى قَدْرِ نَفَقَتِكِ اَوْ نَصَبِكِ. (مسلم‘ نسائی۔ کتاب الحج)

قاسم بن محمد اور اسود نے کہا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب لوگ دو عبادتیں کر کے جا رہے ہیں اور میں صرف ایک عبادت کر کے لوٹوں گی‘ تو ان سے فرمایا گیا: انتظار کرو! جب پاک ہو جاؤ تو تنعیم جاؤ اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھو پھر فلاں جگہ آنا لیکن اس کا ثواب خرچ اور مشقت کی مقدار ہے۔

فقيل لها

دوسری روایتوں میں ہے: ’’فقال لها النبی ﷺ انتظری‘‘ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ حضرت اُم المؤمنین نے یہ عرض طہارت سے پہلے کی تھی۔ سابقاً گزر چکا کہ وہ یوم نحر کو پاک ہو گئی تھیں تو لازم کہ یوم نحر سے پہلے یا یوم نحر ہی کو پاک ہونے سے قبل عرض کیا تھا۔

علی قدر نفقتك

یہ شک راوی نہیں بلکہ خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے اور تنویع کے لیے بسبیل مانعۃ الخلو ہے۔ یعنی عبادت میں بہ طریق مشروع جتنا زیادہ صرف ہوگا اور جتنی زیادہ مشقت ہوگی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اس کی دلیل دار قطنی اور حاکم کی روایت ہے کہ فرمایا ’’ان لك من الاجر علی قدر نصبك و نفقتك‘‘ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں‘ کبھی کبھی وقت اور جگہ کی خصوصیت کی بناء پر کم خرچ اور کم محنت پر ثواب زیادہ ہوتا ہے‘ جیسے شب قدر میں عبادت اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز‘ کبھی عبادت کی نوعیت کی بناء پر ثواب زیادہ ہوتا ہے‘ جیسے فرض اور واجب کی ادائیگی میں کہ بہ نسبت نفل کے زیادہ ثواب ہے‘ مثلاً ایک روپے زکوۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے بہ نسبت صدقۂ نافلہ کے۔ اب ارشاد کا حاصل یہ نکلا کہ اگر کسی عبادت میں وقت‘ جگہ اور نوعیت کی خصوصیت نہ ہو تو خرچ اور محنت کی کثرت سے ثواب کی کثرت ہوگی۔

بَابُ مَتٰى يَحِلُّ الْمُعْتَمِرُ (ص ٢٤١) عمرہ کرنے والا کب احرام سے باہر ہوگا؟

توضیح باب

سلف میں اختلاف تھا کہ معتمر (عمرہ کرنے والا) کب احرام سے فارغ ہوگا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ تھا: طواف کے بعد احرام سے باہر ہو جاتا ہے۔ بعض حضرات کا مذہب یہ تھا کہ حرم میں داخل ہوتے ہی احرام سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور اب اس پر اجماع ہے کہ جب تک سعی نہ کر لے‘ احرام سے باہر نہ ہوگا‘ اس لیے امام بخاری نے ضرورت محسوس کی کہ اس عنوان کا باب باندھیں۔ حسب عادت اپنا کوئی فیصلہ تحریر نہیں کیا‘ بلکہ جو احادیث لائے ہیں‘ ان میں سے کچھ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طواف و سعی کیے بغیر احرام سے باہر نہ ہوگا اور کچھ سے یہ کہ صرف طواف کرنے سے احرام سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس باب کے تحت چار احادیث لائے ہیں اور ایک تعلیق‘ جو حضرت جابر کی طویل حدیث کا جز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اسے (حج) کو عمرہ کر دیں اور طواف کریں پھر سر ترشوالیں اور احرام کھول دیں۔ یہ تعلیق بہ ظاہر اس پر دلالت کرتی ہے کہ صرف طواف کر لینے کے بعد احرام کھول دیں‘ مگر احادیث میں بہ کثرت طواف سے مراد بیت اللہ کے طواف کے ساتھ صفا مروہ کی سعی بھی ہے۔ اور یہی معنی یہاں متعین ہے۔ تاکہ احادیث میں تطابق ہو جائے‘ بلکہ خود حضرت جابر کا فتویٰ ہے کہ وہ عورت کے قریب نہ جائے۔ جب تک کہ وہ صفا

مروہ کی سعی نہ کرلے جو اسی باب میں بھی حضرت ابن عمر کی حدیث کے بعد مذکور ہے، پھر حضرت عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے ہیں جس میں عمرۃ القضاء کا تذکرہ ہے، جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ ہم نے اور حضور نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے مابین سعی کی۔

پھر حضرت ابن عمر کی وہ حدیث لائے ہیں جو کتاب الصلوٰۃ[1] میں گزر چکی ہے، جس میں یہ ہے کہ ہم نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کہ جس نے بیت اللہ کا طواف کرلیا ہے مگر صفا مروہ کی سعی نہیں کی ہے، کیا یہ اپنی عورت سے قربت کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ آئے تو بیت اللہ کا طواف کیا اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پھر صفا مروہ کی سعی کی اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نمونۂ عمل ہے۔

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے، جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کر، پھر احرام کھول، پھر حضرت اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے۔ حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں ہے۔

١٠٥٠- ح: بَشِّرُوْا خَدِيْجَةَ بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ

[حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو موتی کے محل کی بشارت دو]

١٠٥٠- قَالَ فَحَدِّثْنَا مَا قَالَ لِخَدِيْجَةَ قَالَ بَشِّرُوْا خَدِيْجَةَ بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ. (بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب: تزویج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجة ص ٥٣٩، مسلم۔ کتاب فضائل صحابہ، مسند امام احمد۔ ج ٤ ص ٣٥٥)

اسماعیل نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے عرض کیا: حضرت خدیجہ کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ بیان کیجئے! تو کہا: حضور نے حضرت خدیجہ کے بارے میں فرمایا: خدیجہ کو جنت میں موتی کے ایسے محل کی بشارت دو جس میں نہ شوروغل ہوگا نہ کوئی تکلیف۔

قال

یہ قائل اس حدیث کے راوی اسماعیل ہیں جیسا کہ مناقب کی روایت میں ہے کہ اسماعیل نے کہا: ''قلت لعبد الله بن ابی اوفی''۔ ''قصب'' جوفدار موتی کو کہتے ہیں۔

١٠٥١- ح: تَقُوْلُ كُلَّمَا مَرَّتْ بِالْحَجُوْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

[جب (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) کبھی حجون سے گزرتیں تو کہتیں: اللہ اپنے رسول پر رحمت نازل فرمائے]

١٠٥١- اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ مَوْلٰى اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ كَانَ يَسْمَعُ اَسْمَاءَ تَقُوْلُ كُلَّمَا مَرَّتْ بِالْحَجُوْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ لَقَدْ نَزَلْنَا مَعَهٗ هَا هُنَا وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ خِفَافٌ قَلِيْلٌ ظَهْرُنَا قَلِيْلَةٌ اَزْوَادُنَا

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنتے تھے، جبکہ وہ حجون کے پاس سے گزرتی تھیں: اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر درود نازل فرمائے، ہم یہاں حضور کے ساتھ اترے تھے اور ہم اس دن ہلکے

[1] نزہۃ القاری۔ ج ٢ ص ١٠٦۔ رقم: ٢٧٤

فَاعْتَمَرْتُ اَنَا وَاُخْتِي عَآئِشَةُ وَالزُّبَيْرُ وَفُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَلَمَّا مَسَحْنَا الْبَيْتَ اَحْلَلْنَا ثُمَّ اَهْلَلْنَا مِنَ الْعَشِيِّ بِالْحَجِّ. (مسلم۔ کتاب الحج)

ہلکے تھے' ہماری سواری کم تھی' ہمارے زادِراہ تھوڑے تھے۔ میں نے اور میری بہن عائشہ اور زبیر اور فلاں فلاں نے عمرہ کیا' جب ہم نے بیت اللہ کو چھولیا تو احرام سے باہر ہو گئے' اس کے بعد شام کو حج کا احرام باندھا۔

حَجون

پہلے حاء حطی پھر جیم' یہ مکہ معظمہ سے مشرق ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے' مکہ معظمہ کا قبرستان ہے۔ امام واقدی نے روایت کیا ہے کہ قُصی بن کلاب جب مرے تو انہیں یہاں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد سے اہل مکہ اپنے مردے یہیں دفن کرتے۔ حجون[1] اصل اس حصے کا نام ہے جس میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مزار پاک ہے۔ یہ مکہ معظمہ میں جاتے ہوئے جنت المعلیٰ کے بائیں طرف واقع ہے۔ یہ مُحصب سے متصل جانب مشرق ہے۔ دونوں چونکہ قریب قریب ہیں' اس لیے حضرت اسماء نے فرمایا: ہم رسول اللہ کے ساتھ یہاں اترے تھے۔

فاعتمرت انا

اس پر دو شبہے ہیں: ایک یہ کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج سے فراغت کے بعد عمرہ کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرت زبیر اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے' عمرہ کر کے انہوں نے احرام کھولا نہیں تھا۔

اس کا حل یہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین محصب ہی سے عمرہ کرنے گئی تھیں' اگرچہ بعد میں' حضرت اسماء یہ کہاں فرما رہی ہیں کہ ہم نے ساتھ ساتھ عمرہ کیا تھا۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ کبھی اکثر کے کردار کو جمع کے صیغے سے تعبیر کر دیتے ہیں' اگرچہ بعض اس میں پورے طور سے شریک نہ ہوں۔ اسی کے مطابق حضرت اسماء نے فرمایا کہ طواف کے بعد ہم نے احرام کھول دیا۔

مسحنا البيت

اس سے مراد بیت اللہ کا طواف ہے' چونکہ طواف کی ابتداء حجر اسود کے استلام سے ہوتی ہے' اس لیے طواف کو مسح سے تعبیر فرمایا۔ یہ تعبیر الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ معتمر بیت اللہ کا طواف کرتے ہی احرام کھول دے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت اسماء نے فرمایا: ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور احرام کھول دیا' لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد اور عمل موجود ہے کہ عمرے میں صفا و مروہ کی سعی کے بعد احرام کھولنا چاہیے' تو اس کے مقابلے میں حضرت اسماء کا فعل کبھی بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں جب ایک بات سب کو معلوم ہوتی ہے تو بیان کرنے والا اس میں اختصار کر دیا کرتا ہے' مثلاً کوئی یہ کہے: زید نے زنا کیا اور سنگسار کیا گیا۔ حالانکہ سنگسار کرنے کے لیے زانی کا محصن ہونا شرط ہے اور یہ تمام اہل علم کو معلوم ہے' اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح چونکہ سب کو معلوم تھا کہ عمرہ میں صفا و مروہ کی سعی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں' اس لیے اسے اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیا گیا۔ اب "مسحنا البيت"' "فرغنا عن العمرة" سے کنایہ ہوا۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا رَجَعَ مِنَ الْحَجِّ — جب حج یا عمرہ یا غزوہ سے لوٹے

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ١٠ ص ١٣١۔

اَوِ الْعُمْرَةِ اَوِ الْغَزْوِ (ص ۲۴۲) تو کیا پڑھے؟

۱۰۵۲- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ یا حج یا عمرے سے واپس ہوتے تو ہر ٹیلے پر تین تکبیریں پڑھتے، پھر کہتے: ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد کر رہے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے اس نے سب ٹولیوں کو شکست دی۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعا اذا اراد سفراً او رفع ص ۹۴۴، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد۔ کتاب الجہاد، نسائی۔ کتاب السیر)

نعرہ رسالت کا ثبوت

یہ حدیث اس کی اصل ہے کہ مسلمان علماء اور حجاج کے استقبال یا وداع کے وقت جو نعرۂ تکبیر پڑھتے ہیں، مستحسن ہے، اور نعرۂ رسالت کی اصل مسلم[1] کی حدیث ہجرت ہے۔ اس میں یہ ہے:

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت وتفرق الغلمان والخدم فی الطرق ینادون یا محمد یا رسول اللّٰہ یا محمد یا رسول اللّٰہ۔

مرد اور عورتیں مکانوں کی چھت پر چڑھ گئے، بچے اور خادم راستوں میں پھیل گئے۔ یہ پکارتے تھے: یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!

نام نامی کے ساتھ نداء

جس طرح ماں باپ اور استاذ کو نام لے کر پکارنا بے ادبی ہے، یوں ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نام لے کر پکارنا بے ادبی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ پکارنا ہے تو خطابات و القابات کے ساتھ پکارے، مثلاً: یارسول اللہ، یا نبی اللہ وغیرہ۔ یوں نہ پکارے: یا محمد! یا احمد۔ ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور: ۶۳)

رسول کو آپس میں یوں نہ پکارو جیسے تم میں سے بعض بعض کو پکارتے ہیں۔

جلالین میں اس کی تفسیر یہ ہے:

بان تقولوا یا محمد بل قولوا یا نبی اللّٰہ یا رسول اللّٰہ۔

یا محمد نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہو۔

یعنی نام لے کر نہ پکارو، ایسے کلمات سے پکارو جو عظمت شان پر دال ہوں۔ اس کے تحت صاوی میں ہے:

واستفید من الاٰیۃ انہ لا یجوز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لا فی حیاتہ ولا بعد وفاتہ فبھذا

اس آیت سے یہ افادہ ہوا کہ نبی کو ہمیشہ ایسے ہی کلمات کے ساتھ پکارا جائے جو تعظیم پر دلالت کرتے ہوں۔ ایسے الفاظ ندا

[1] مسلم۔ ص ۴۱۹

يعلم ان من استخف بخبابه صلى الله عليه وسلم فهو كافر ملعون في الدنيا والاخرة.

بھی جائز نہیں جن میں تعظیم نہ ہو۔ حیاتِ ظاہری میں بھی اور بعد وصال بھی، اسی سے معلوم ہوا کہ جو حضور اقدس ﷺ کی شان کو ہلکا کرے وہ کافر ہے، دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

مگر ہجرت اس آیت کے نزول سے بہت پہلے ہوئی ہے۔ اس وقت ممانعت نہ تھی اور نہ چند روز پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام اس ادب سے واقف تھے۔

بَابُ اسْتِقْبَالِ الْحَاجِّ الْقَادِمِيْنَ وَالثَّلَاثَةِ عَلَى الدَّابَّةِ (ص ٢٤٢)

آنے والے حاجیوں کا استقبال کرنا اور تین کو جانور پر سوار کرنا

١٠٥٣- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ اسْتَقْبَلَتْهُ أُغَيْلِمَةُ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَحَمَلَ وَاحِدًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَآخَرُ خَلْفَهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے حضور کا استقبال کیا، حضور نے ایک کو اپنے آگے اور دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔

(ایضاً۔ ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: الثلثة على الدابة ص ٨٩٢، نسائی۔ کتاب الحج)

لغات

''حاجّ'' اگرچہ واحد ہے لیکن معناً جمع کے معنی میں ہے۔ اس لیے اس کی صفت القادمین لانا درست ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: ''سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ'' (المومنون:٦٧)۔ اس آیت میں ''سٰمِرًا'' لفظ واحد ہے، مگر معناً جمع ہے۔ اسی وجہ سے جمع کی ضمیر لائے ہیں۔ حاج کی جمع حُجّاج اور حواج آتی ہے، کہتے ہیں: ''رجال حجاج، نساء حواج''۔

''اغيلمة'' جوہری نے کہا: یہ ''غلمة''، ''غلامٌ'' کی جمع کی تصغیر ہے۔ داؤدی نے کہا: یہ الف کے فتحہ کے ساتھ غلام کی جمع ہے، ان بچوں میں فضل بن عباس اور قثم بن عباس بھی تھے۔ ان میں سے ایک کو حضور اقدس ﷺ نے آگے اور ایک کو پیچھے بٹھا لیا۔

(باب: حمل صاحب الدابة غيره بين يديه ص ٨٨٢)

توضیح باب

امام بخاری نے ''القادمين'' کہہ کے یہ افادہ کرنا چاہا ہے کہ حاجی حج کے لیے مکہ معظمہ جائے تو اہل مکہ بھی استقبال کر سکتے ہیں اور گھر واپس آئے تو اہل وطن بھی استقبال کر سکتے ہیں، اگرچہ حدیث صرف پہلے جز پر صراحۃً دلالت کرتی ہے، مگر اس سے دوسرا جز بھی مستفاد ہوتا ہے۔ جانور پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا ممنوع ہے۔ اونٹ پر دو آدمی تو معمول کے مطابق بیٹھتے ہی ہیں۔ تین کا بیٹھنا بہ ظاہر جانور کی قوت سے زائد ہے۔ امام بخاری نے افادہ فرمایا کہ اگر جانور اس کی طاقت رکھتا ہو کہ تین آدمیوں کا بوجھ برداشت کر سکے تو کوئی حرج نہیں اور اگر کمزور ہو تو ممنوع ہے۔

بَابُ الدُّخُوْلِ بِالْعَشِيِّ (ص ٢٤٢)

دوپہر کے بعد گھر آنا

١٠٥٤- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهُ لَيْلًا كَانَ لَا يَدْخُلُ اِلَّا غُدْوَةً اَوْ عَشِيَّةً.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ سفر سے واپسی میں رات میں اپنے اہل کے پاس نہیں آتے تھے، جب بھی آتے صبح کو یا شام کو آتے۔

(مسلم۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء)

بَابُ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهٗ اِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ (ص ۲۴۲)

جب مدینہ پہنچو تو رات میں اپنے اہل میں مت جاؤ

۱۰۵۵- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّطْرُقَ اَهْلَهٗ لَيْلًا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کے پاس رات میں آنے سے منع فرمایا۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: لا يطرق اهله ليلا اذا اطال الغيبة ص ۷۸۸' مسلم۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء)

کتاب النکاح میں یہ حدیث یوں ہے کہ فرمایا: جب تم لمبی مدت تک غائب رہو تو اپنے اہل کے پاس رات میں نہ آؤ۔ مسلم[1] میں اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی ہے: "لِئَلَّا يُخَوِّنَهُمْ اَوْ يَطْلُبَ عَثَرَاتِهِمْ" اس نیت سے رات میں نہ آؤ کہ ان کی خیانت پکڑ داور ان کی لغزشوں پر مطلع ہو مگر مسلم میں ہے کہ حضرت سفیان نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ "يتخونهم" اور "يلتمس عثراتهم"۔ حدیث ہے یا کسی راوی کا ادراج ہے' اسی وجہ سے امام بخاری نے حدیث میں اسے ذکر نہیں فرمایا' البتہ باب کے عنوان میں اضافہ فرما دیا۔

کتاب النکاح ہی میں دوسری حدیث میں جو حضرت جابر ہی سے مروی ہے' یہ ہے: "لكى تمتشط الشعثة وتستحد المغيبة" تاکہ پراگندہ بال والی کنگھی کر لے اور استرہ استعمال کر لے۔ پہلی حدیث میں صبح یا شام کو آنے کا حکم ہے اور دوسری میں رات میں آنے سے ممانعت ہے' ان سب کا حاصل یہ ہے کہ بغیر اطلاع اچانک گھر نہ آ جاؤ۔ اتنی دیر پہلے اطلاع دیدو کہ عورت نہا دھو کر صاف ستھری ہو جائے۔

بَابُ مَنْ اَسْرَعَ نَاقَتَهٗ اِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ (ص ۲۴۲)

جو اپنی سواری تیز کر دے جب مدینہ پہنچے

۱۰۵۶- اَخْبَرَنِيْ حُمَيْدٌ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَاَبْصَرَ دَرَجَاتِ الْمَدِيْنَةِ اَوْضَعَ نَاقَتَهٗ وَاِنْ كَانَتْ دَابَّةً حَرَّكَهَا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب مدینہ کے گھروں کو دیکھ لیتے تو اپنی اونٹنی کو تیز کر دیتے اور اگر اور کوئی جانور ہوتا تو اسے ایڑ لگاتے۔

(بخاری۔ باب: فضائل المدينة ص ۲۵۳)

بہ طریق حارث بن عمیر جو روایت ہے' اس میں "مِنْ حُبِّهَا" زائد ہے' یعنی مدینہ طیبہ کی محبت کی وجہ سے سواری کو تیز کر دیتے۔ اس روایت میں "درجات المدينة" ہے۔ "دَرَجَاتٌ" "دَرَجَةٌ" کی جمع ہے' اس کے معنی اونچے راستے کے بھی ہیں اور گھروں کے بھی ہیں۔ مستملی کی روایت میں "دَوْحَاتٌ" ہے' یہ "دَوْحَةٌ" کی جمع ہے' اس کے معنی گھنے سایہ دار بڑے درخت کے ہیں۔ اور بہ طریق قتیبہ جو روایت ہے اس میں "جُدُرَاتٌ" ہے' یعنی مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے۔ مسلم کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے' اس میں یہ ہے کہ حضرت انس کہتے ہیں: "حتى اتينا جدر المدينة فمشينا اليها"۔

---

[1] مسلم۔ ج ۲۔ ص ۱۴۳۔ کتاب الامارۃ' باب: كراهة الطرق ليلا

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ (البقرہ:۱۸۹) (ص ۲۴۲)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو

۱۰۵۷- عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْنَا كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا حَجُّوا فَجَآءُوْا لَمْ يَدْخُلُوْا مِنْ قِبَلِ اَبْوَابِ بُيُوْتِهِمْ وَلٰكِنْ مِنْ ظُهُوْرِهَا فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَدَخَلَ مِنْ قِبَلِ بَابِهٖ فَكَاَنَّهٗ عُيِّرَ بِذٰلِكَ فَنَزَلَتْ ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ (البقرہ:۱۸۹).

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے' انصار حج کر کے جب واپس ہوتے تو اپنے گھروں کے دروازوں سے داخل نہ ہوتے پچھواڑے سے داخل ہوتے' انصار کے ایک صاحب لوٹے تو دروازے سے گھر میں چلے گئے' اس کی وجہ سے ان پر طعن کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: نیکی یہ نہیں کہ اپنے گھروں میں پچھیت سے آؤ لیکن نیک وہ ہے جو اللہ سے ڈرے' گھروں میں دروازوں سے آؤ۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قولہ لیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورھا ص ۶۴۸)

انصار ہی کی تخصیص نہیں' حُمس یعنی قریش بنی عامر بن صعصعہ' ثقیف اور خزاعہ کے علاوہ تمام عرب احرام باندھنے کے بعد اور حج سے واپسی پر گھر کے دروازوں سے گھروں میں آمدورفت نہیں کرتے تھے' بلکہ اگر خیمہ ہوتا تو پچھیت کا نچلا حصہ اُٹھا کر اندر جاتے اور باہر نکلتے اور اگر مٹی کا گھر ہوتا تو پچھواڑے سے نقب لگا لیتے یا سیڑھی سے اندر جاتے اور اسے نیکی خیال کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو دروازے سے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضور کو دیکھ کر حضرت قطبہ بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ بھی دروازے سے اندر گئے۔ لوگوں نے دربارِ رسالت میں ان کی شکایت کی تو حضور نے ان سے بازپرس فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا: حضور کو ایسے کرتے دیکھا تو میں نے بھی کیا۔ فرمایا: میں حُمس ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: میں بھی حُمس ہوں' میرا دین وہی ہے جو حضور کا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۷۔ ۱۳۶' بحوالہ صحیح ابن خزیمہ و حاکم و ابن جریر)

اس کے برخلاف یہ بھی مروی ہے کہ خود حُمس کی عادت تھی۔ (ایضاً)

بَابٌ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ (ص ۲۴۲)

سفر عذاب کا ٹکڑا ہے

۱۰۵۸- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَنَوْمَهٗ فَاِذَا قَضٰى نَهْمَتَهٗ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سفر عذاب کا ٹکڑا ہے' تمہیں کھانے پینے' سونے سے روک دیتا ہے' جب اپنی حاجت پوری کر لو تو جلدی سے اپنے اہل میں لوٹ آؤ۔

(ایضاً۔ کتاب الجہاد۔ باب: السرعۃ فی السیر ص ۴۲۱' ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: ذکر الطعام ص ۸۱۶' مسلم۔ کتاب الامارۃ' دارمی۔ کتاب الاستیذان' موطا امام مالک۔ کتاب الاستیذان' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۳۶)

اس کے بالمقابل حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے کہ فرمایا: سفر کرو صحت مند رہو گے رزق پاؤ گے۔ محدث ابن بطال نے فرمایا: دونوں میں کوئی تعارض نہیں' سفر میں محنت و مشقت لازم ہے اور یہ ذریعہ صحت اور حصول رزق ہے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۳۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷- [كِتَابُ الْمُحْصَرِ]

[روکے جانے کا بیان]

بَابُ الْمُحْصَرِ وَجَزَاءِ الصَّيْدِ (ص ۲۴۳)

محصر اور شکار کی جزاء کا بیان

ت ۳۲۲ - قَالَ عَطَاءٌ الْإِحْصَارُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يَحْبِسُهُ

امام عطاء نے فرمایا: ہر چیز کا احصار اس سے روکنا ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ ﴿حَصُورًا﴾ (آل عمران:۳۹) لَا يَأْتِي النِّسَاءَ

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: حصور وہ ہے جو عورتوں کے قریب نہ جائے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان حج یا عمرے کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ کے قصد سے چلتا ہے، مگر کوئی شرعی ایسی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حج اور عمرہ کر نہیں پاتا، جیسے دشمن نے روک دیا، قید کر دیا، بیمار ہو گیا اور یہ اندیشہ ہو کہ حج یا عمرہ کرے گا تو مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہو گا یا مر جائے گا، یا اخراجات کے لیے جو رقم تھی وہ چوری ہو گئی، یا عورت شوہر یا محرم کے ساتھ تھی، شوہر یا محرم کا انتقال ہو گیا۔ ان کو محصر کہتے ہیں، یہ احصار باب افعال کا اسم مفعول ہے۔

محصر کا حکم

محصر جہاں روکا جائے وہاں سے قربانی کا جانور حرم میں بھیج دے اور جس کے ہاتھ بھیجے اس سے دن، تاریخ، وقت ٹھہرا لے کہ فلاں دن فلاں وقت قربانی کرنا۔ اس وقت کے بعد یہ احرام سے باہر ہو گیا، اگرچہ حلق یا قصر نہ کرے، مگر بہتر یہ ہے کہ کر لے۔ اب اگر صرف حج کا احرام باندھا تھا، یا صرف عمرے کا، تو ایک جانور بھیجنا کافی ہے اور اگر قارن ہے تو دو بھیجے۔ ان قربانیوں کا حرم میں ہونا ضروری ہے، حرم کے باہر نہیں ہو سکتیں اور اس کی قضا اس پر واجب ہے۔ اگر احرام صرف عمرے کا تھا تو صرف ایک عمرہ کافی ہے۔ اور اگر حج کا تھا تو ایک حج اور ایک عمرہ ضروری ہے۔ اور اگر قارن تھا تو ایک حج اور دو عمرے کرے۔ والتفصيل في مطولات الفقه۔

ارشاد ہے:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ. (البقرہ:۱۹۶)

اور اگر تم راستے میں روک لیے جاؤ تو جو قربانی کا جانور میسر ہو اس کی قربانی کرو اور قربانی کا جانور جب تک اپنی جگہ نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔

امام احمد[1] اور اصحاب سنن اربعہ[2] نے حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،

[1] مسند امام احمد، ج۳، ص۴۵۰

(حوالہ نمبر ۲، اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

آپ فرماتے تھے:

مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرَجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ اُخْرٰی. جس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا لنگڑا ہو گیا وہ احرام سے باہر ہو گیا اور اس پر دوسرا حج ہے۔

عکرمہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ سے ذکر کیا تو ان دونوں نے کہا کہ اس نے سچ کہا۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ''او مــــرض'' زائد ہے۔ امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اسے روایت کر کے فرمایا: حضرت ابن مسعود اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور علقمہ، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، مجاہد، نخعی، عطاء اور مقاتل بن حیان سے مروی ہے کہ ان لوگوں نے فرمایا کہ دشمن، بیماری اور ہڈی ٹوٹنے سے احصار ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا: جس چیز سے ایذاء پہنچے احصار ہے۔

لا یاتی النساء

حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ اور سردار اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور ہمارے خاصوں میں سے نبی ہوگا۝ (آل عمران: ۳۹)

حَصُوْر

''حَــصُــوْر'' کے معنی میں بعض لایعنی روایتیں بھی آئی ہیں، مثلاً یہ کہ ان کا عضو تناسل تنکے کے برابر تھا، عنین تھے، وغیرہ وغیرہ اور یہ عیب ہے۔ ہر نبی ہر عیب سے پاک ہوتا ہے۔ نیز بہ وجہ عدم قوت عورتوں کی طرف رغبت نہ کرنا، کوئی کمال اور مدح نہیں اور اللہ عزوجل نے مدح میں یہ ذکر فرمایا ہے، اس کے ازالے کے لیے امام بخاری نے حصور کے یہ معنی بیان فرمائے کہ وہ عورتوں کے قریب نہیں جاتے تھے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ انہیں جماع پر قدرت تھی مگر وہ پاک دامن، عفت مآب، معصوم تھے، گناہ کے قریب نہیں جاتے تھے، جیسا کہ امام قاضی عیاض نے فرمایا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شہادت کی وجہ سے ان کی شادی نہ ہو سکی۔ اب حصور کے معنی یہ ہوئے کہ مدت العمر عورت سے الگ رہے، کبھی قریب نہیں گئے۔

اس باب میں امام بخاری نے کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی، ان کی شرط پر کوئی حدیث انہیں نہیں ملی ہوگی۔

بَابٌ اِذَا اُحْصِرَ الْمُعْتَمِرُ (ص ۲۴۳) جب عمرہ کرنے والے کو روک دیا جائے

۱۰۵۹- عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَدْ اُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهٗ وَجَامَعَ نِسَائَهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (عمرہ) کرنے سے روک دیا گیا تو حضور نے سر منڈایا اور اپنی ازواج سے ہم بستری فرمائی اور اپنی قربانی ذبح فرمائی اور سال آئندہ عمرہ فرمایا۔

اس حدیث میں امام بخاری نے اپنے شیخ کا نام بغیر نسبت کے صرف محمد لیا ہے۔ امام بخاری کے مشائخ میں محمد نام کے بہت سے حضرات ہیں۔ امام حاکم نے اس پر جزم فرمایا کہ یہ ذہلی ہیں، کیونکہ بعض نسخوں میں ''وھو الذھلی'' ہے۔ ابو مسلم نے کہا کہ یہ محمد بن مسلم وراد ہیں۔ کلاباذی نے ابو سعید سے نقل کیا کہ یہ ابو حاتم محمد بن ادریس رازی ہیں۔ علامہ عینی نے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا کہ

ا؎ ابوداؤد۔ ص ۲۵۷۔ کتاب المناسک۔ باب: الاحصار، ترمذی۔ ص ۱۱۳۔ کتاب الحج۔ باب: فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج، نسائی۔ ص ۲۸۔ کتاب المناسک۔ باب: فیمن احصر بعدو، ابن ماجہ۔ ص ۲۲۹۔ کتاب المناسک۔ باب: المحصر

ہوسکتا ہے کہ یہ محمد بن اسحٰق الصنعانی ہوں۔

فقال

عکرمہ نے کہا' پس ابن عباس نے فرمایا: یہ اصل میں ایک طویل حدیث کا جز ہے جسے مفصل ابن سکن نے کتاب الصحابہ میں روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن کثیر نے کہا کہ میں نے عکرمہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن رافع مولیٰ اُم سلمہ نے کہا کہ میں نے حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا جو احرام کی حالت میں روک دیا جائے تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لنگڑا ہو جائے یا جس کی ہڈی ٹوٹ جائے یا جو روک دیا جائے تو وہ حل میں رہتے ہوئے اس کا بدلہ دے۔ عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔ اور ابن عباس سے بیان کیا تو انہوں نے وہ فرمایا جو یہاں مذکور ہے' چونکہ اس کا ابتدائی حصہ امام بخاری کی شرط پر نہیں تھا' اس لیے اسے ذکر نہیں فرمایا۔ یہ "فقال فحدثته ابن عباس" پر معطوف ہوگا۔ میں نے حضرت ابن عباس سے وہ حدیث بیان کی تو انہوں نے فرمایا' اس لیے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن ابی کثیر عن عکرمہ ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے' نیز عبداللہ بن رافع مولیٰ اُم سلمہ بخاری کی شرط پر نہیں' اگرچہ فی نفسہ یہ حدیث صحیح ہے۔ عبداللہ بن رافع ثقہ ہیں۔ نیز ابھی گزرا کہ حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے۔

بَابُ الْإِحْصَارِ فِي الْحَجِّ (ص ۲۴۳) — حج میں احصار کا بیان

۱۰۶۰- اَخْبَرَنِیْ سَالِمٌ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ اَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ حُبِسَ اَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِيْ اَوْ يَصُوْمُ اِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا.

سالم نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں' اگر تم میں سے کوئی حج سے روک دیا جائے تو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کر لے اور ہر چیز سے حلال ہو جائے' پھر سال آئندہ حج کرے اور جانور قربان کرے یا روزہ رکھے اگر قربانی کا جانور نہ پائے۔

یہ حدیث پوری گزر چکی ہے۔ یہاں صرف ایک مسئلہ واضح کرنے کے لیے ہم نے ذکر کیا ہے کہ حج اور عمرہ کے احرام میں یہ شرط صحیح ہے یا نہیں کہ میرا احرام وہیں تک ہے جہاں تو مجھے روک دے۔ ظاہری یہ کہتے ہیں کہ یہ شرط واجب ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ مستحب ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ امام مالک اور امام اعظم نے فرمایا کہ یہ شرط صحیح نہیں' لغو ہے۔

اس شرط کے مجوزین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کی اجازت دی تھی۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کے لیے خاص تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہی تھا کہ یہ شرط درست نہیں جیسا کہ نسائی[1] اور دار قطنی[2] میں ہے کہ سالم نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اشتراط کا انکار کرتے تھے اور فرمایا: تم کو تمہارے نبی کی سنت کافی ہے' انہوں نے شرط نہیں کی۔

امام اعظم نے فرمایا: جو مکہ معظمہ پہنچ جائے وہ محصر نہیں' اگرچہ حج کا احرام باندھ کر گیا ہو۔ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے۔ یہ اس کے مثل ہے جس کا حج فوت ہو گیا ہو۔ وہ بعد میں جب موقع ہو حج کرے۔ محصر وہ ہے جو مکہ معظمہ نہ پہنچ سکے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا بھی حاصل یہی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کر کے احرام کھول دے اور سال آئندہ حج کرے۔

---

[1] نسائی' ج ۲' ص ۱۰ - کتاب المناسک - باب: ما یفعل من حبس عن الحج ولم یکن اشترط
[2] عمدۃ القاری - ج ۱۰' ص ۱۴۶

بَابُ النَّحْرِ قَبْلَ الْحَلْقِ فِي الْحَصْرِ (ص ۲۴۳)

احصار میں سر منڈانے سے پہلے قربانی کرنا

۱۰۶۱- عَنِ الْمِسْوَرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَّحْلِقَ وَأَمَرَ أَصْحٰبَهُ بِذٰلِكَ.

حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر منڈانے سے پہلے قربانی کی اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔

یہ حدیث ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جو کتاب الاشتراط میں مفصل آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتانے کے لیے ہم نے اسے ذکر کیا ہے کہ محصر بالحج صرف اس سے احرام سے باہر ہو جاتا ہے کہ قربانی کا جانور حرم میں پہنچ کر ذبح ہو جائے۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں کہ ایام نحر میں ذبح ہو' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ.

جب تک ہدی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے' اپنے سروں کو نہ منڈاؤ۔ (البقرہ:۱۹۶)

اس میں ایام نحر کی قید نہیں کہ ہدی ایام نحر میں اپنے ٹھکانے پہنچے' اس لیے یوم نحر سے پہلے ہی اگر ہدی اپنے ٹھکانے پہنچ جائے تو احرام کھولنا جائز ہوگا' مگر امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ یوم نحر میں ہدی اپنے ٹھکانے پہنچے' البتہ محصر بالعمرہ کے لیے بالاتفاق یہ شرط نہیں کہ یوم نحر میں ہدی اپنے ٹھکانے پہنچے۔

بَابٌ لَيْسَ عَلَى الْمُحْصَرِ بَدَلٌ

محصر پر بدل نہیں

ت ۳۲۳- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِنَّمَا الْبَدَلُ عَلٰى مَنْ نَقَضَ حَجَّهٗ بِالتَّلَذُّذِ فَأَمَّا مَنْ حَبَسَهٗ عُذْرٌ أَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَإِنَّهٗ يَحِلُّ وَلَا يَرْجِعُ وَإِنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْيٌ وَّهُوَ مُحْصَرٌ نَّحَرَهٗ إِنْ كَانَ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّبْعَثَ بِهٖ وَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّبْعَثَ بِهٖ لَمْ يَحِلَّ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا: بدل اس پر ہے جس نے اپنے حج کو تلذذ کے لیے نقصان پہنچایا ہو' لیکن جسے عذر وغیرہ نے روکا ہو' وہ احرام کھول دے اور اس پر بدل نہیں اور اگر اس کے ساتھ ہدی ہے اور وہ روک دیا گیا تو اس کی قربانی کر دے۔ اگر اسے ہدی حرم میں بھیجنے کی استطاعت نہ ہو اور اگر اس کی استطاعت ہو تو احرام نہ کھولے' یہاں تک کہ ہدی اپنے ٹھکانے پہنچ جائے۔

اس تعلیق کو امام محمد بن اسحٰق راھویہ نے اپنی تفسیر میں موصول ذکر کیا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا فتویٰ ہے۔

من نقص

دوسرے نسخے میں ''نقض'' ہے' یعنی توڑا۔ ''تلذذ'' سے یہاں مراد جماع ہے۔ ''عذر'' سے مراد ہر وہ سبب ہے' جس کی وجہ سے وہ حج نہ کر سکے خواہ دشمن ہو یا بیماری ہو یا نفقے کا چوری ہو جانا ہو۔ اور یہاں حج سے مراد حج نفل ہے جیسا کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر حج اسلام ہو تو اس پر قضا ضروری ہے اور اگر فرض نہ ہو تو اس پر قضا نہیں۔ امام اعظم نے فرمایا کہ حج نفل ہو یا فرض۔ احصار کی وجہ سے نہ کر سکا تو اس پر اس کی قضا ہے' اس لیے کہ احرام کے بعد حج نفل بھی واجب ہو جاتا ہے۔

محصر ہدی کہاں ذبح کرے؟

یہ مسئلہ صحابہ اور ان کے بعد بھی مختلف فیہ ہے کہ محصر ہدی کہاں ذبح کرے۔ حل میں کافی ہے یا حرم میں بھیجنا ضروری ہے؟ ہمارے نزدیک یہ ضروری ہے کہ حرم میں ذبح ہو اختلاف کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حدیبیہ کے سال اپنے قربانی کے جانور حل میں ذبح فرمائے تھے یا حرم میں۔ امام عطاء[1] اور امام اسحٰق نے فرمایا کہ حرج میں ذبح فرمائے تھے اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ حل میں۔

ت ۳۲۴ - قَالَ مَالِكٌ وَّغَيْرُهٗ يَنْحَرُ هَدْيَهٗ وَيَحْلِقُ فِيْ اَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ بِالْحُدَيْبِيَةِ نَحَرُوْا وَحَلَقُوْا وَحَلُّوْا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ الطَّوَافِ وَقَبْلَ اَنْ يَّصِلَ الْهَدْيُ اِلَى الْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ يُذْكَرْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَحَدًا اَنْ يَّقْضِيَ شَيْئًا وَّلَا يَعُوْدُوْا لَهٗ وَالْحُدَيْبِيَةُ خَارِجٌ مِّنَ الْحَرَمِ.

امام مالک وغیرہ نے فرمایا: جس جگہ بھی ہو قربانی کر دے اور سر منڈا دے اور اس پر قضا نہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ نے حدیبیہ میں قربانی کی اور سر منڈایا اور پورے طور سے احرام کھول دیا' قبل اس کے کہ طواف کریں اور ہدی بیت اللہ تک پہنچے پھر یہ مذکور نہیں کہ نبی ﷺ نے کسی کو کچھ قضا کرنے یا اعادہ کرنے کا حکم دیا ہو اور حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔

امام مالک کا یہ ارشاد ان کے مؤطا[2] میں مذکور ہے' البتہ" والحدیبیة لیس من الحرم" امام مالک کا قول نہیں۔

وغیرہ

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ وغیرہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں' کیونکہ انہوں نے کتاب الام میں فرمایا ہے کہ حدیبیہ حرم سے نہیں' اس پر علامہ عینی نے تعقب فرمایا کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں ہے' جب ایسا ہے تو کس کی عقل میں یہ بات آئے گی کہ حضور اقدس ﷺ حل میں قربانی کریں گے جبکہ ہدی کے بارے میں صاف صاف ارشاد ہے:

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ. (المائدہ:۹۵) اس کے بدلے قربانی کا جانور ہے جو کعبہ تک پہنچے۔

والحدیبیة

یہ خواہ امام مالک کا ارشاد ہو یا امام شافعی کا یا امام بخاری کا یا کسی کا ہو' متفق علیہ نہیں۔ سابقاً گزر چکا کہ امام عطا اور امام ابن اسحٰق کا قول یہ ہے کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں ہے۔

نیز امام ابو جعفر طحاوی[3] نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ حل میں تھا اور نماز پڑھنے کی جگہ حرم میں تھی۔ نیز امام بیہقی[4] نے مروان اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔

اس صورت حال میں جبکہ محصر ہدی حرم میں بھیج سکتا ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ حرم ہی میں ذبح کی جائے گی' پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ حرم میں ذبح پر قدرت ہوتے ہوئے حل میں ہدی ذبح کر دیں گے۔

محصر پر قضاء ہے

ہمارے نزدیک احصار عمرے سے ہو یا حج سے احصار زائل ہو جانے کے بعد اس کی قضا واجب ہے۔ حج کے بارے میں حضرت

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۴۷ [2] مؤطا امام مالک۔ کتاب الحج۔ ص ۱۴۸
[3] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۳۶۲۔ کتاب المناسک۔ باب: الہدی صد عن الحرم [4] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۴۹

حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ کی حدیث گزر چکی کہ فرمایا: ''وعلیه حجة اخری'' پھر خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری کہ انہوں نے فرمایا: ''حتی یحج عاما قابلا'' رہ گیا عمرہ تو ہمارے نزدیک اس کی بھی قضا ہے، کیونکہ احرام کے بعد اس کی ادائگی اس کے ذمہ واجب ہوگئی اور اس نے عمرہ ادا کیا نہیں تو بری الذمہ کیسے ہوگا۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ''محصر عن الحج'' کے بارے میں فرمایا کہ وہ سال آئندہ حج کرے اور اس سے پہلے فرمایا: ''سُنة رسول الله ﷺ'' اور حضور اقدس ﷺ عمرے سے روکے گئے۔ اسی پر قیاس کر کے حج کی قضا کا حکم دیا تو اگر حضور اقدس ﷺ نے اس عمرے کی قضا نہ کی ہوتی تو یہ قیاس کیسے درست ہوتا علاوہ ازیں سال آئندہ ۷ھ میں حضور اقدس ﷺ نے جو عمرہ فرمایا، اس کا نام ہی عمرۃ القضاء ہے۔ اعلان عام فرمادیا تھا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے جتنے زندہ ہیں وہ سب چلیں کوئی رہ نہ جائے، جیسا کہ امام حاکم نے اکلیل میں روایت کیا ہے۔[1] یعقوب بن سفیان نے[2] اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ عمرۃ القضیہ ۷ھ کے ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔ حضور نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ اس عمرے کی قضا میں جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں روک دیا تھا، سب عمرہ کریں۔ علامہ محمد بن عبد الباقی نے فرمایا کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ الفاظ کریمہ یہ ہیں:

قضاءً لعمرتهم التی صدهم المشرکین عنها بالحدیبیة.

اپنے اس عمرے کی قضا جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں روک دیا تھا۔

تمام شرکاء حدیبیہ کو عمرۃ القضا میں شرکت کا حکم دینا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اسے ''قضاءً لعمرتهم الخ'' فرمانا اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ نے حدیبیہ میں چھوٹے ہوئے عمرے کی قضا میں عمرۃ القضا کیا۔ ظاہر یہی ہے، تاویل کا باب وسیع ہے، مگر جب درایت کا بھی مقتضی یہی ہے کہ قضا واجب ہو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں قضا بہ معنی اداء مافات کے معنی کو ترجیح ہوگی۔

بَابُ الْإِطْعَامِ فِي الْفِدْيَةِ نِصْفُ صَاعٍ (ص ۲۴۴)

فدیہ میں نصف صاع کھانا کھلانا ہے

۱۰۶۲- ح: حُمِلْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلٰى وَجْهِي

[رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں لاد کر لایا گیا کہ جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں]

۱۰۶۲- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِدْيَةِ فَقَالَ نَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً حُمِلْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلٰى وَجْهِي فَقَالَ مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرٰى أَوْ مَا كُنْتُ أُرَى الْجُهْدَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرٰى تَجِدُ شَاةً فَقُلْتُ

عبد اللہ بن معقل نے کہا: میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا تو میں نے فدیے کے بارے میں پوچھا فرمایا: خاص میرے بارے میں نازل ہوا ہے اور یہ تم سب کو عام ہے۔ مجھے اس حالت میں لاد کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا کہ جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں، حضور نے فرمایا: میں نہیں جانتا تھا کہ تیری تکلیف اس حد تک پہنچی ہوئی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں یا

[1] زرقانی علی المواہب۔ ج ۲ ص ۲۵۴

[2] ایضا

لا فَقَالَ فَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ.

حضور نے وجع کے بجائے جھد فرمایا (فرمایا:) کیا بکری کی استطاعت ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں! تو فرمایا: تین دن روزہ رکھ یا چھ مسکینوں کو غلہ دے، ہر مسکین کو آدھا صاع۔

(بخاری۔ ابواب العمرۃ ص ۲۴۴، پانچ طریقے سے اکٹھے ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الحدیبیۃ ص ۵۹۸۔ ۶۰۲، دو طریقے سے، کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرہ۔ باب: قولہ فمن کان منکم مریضًا او بہ اذی من راسہ ص ۶۴۸، کتاب الطب۔ باب: الحلق من اذی ص ۸۵۰، کتاب النذور۔ باب: کفارات الیمین ص ۹۹۲، مسلم۔ کتاب الحج، ترمذی۔ کتاب التفسیر، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۲۴۲)

یہ حدیث باختلاف الفاظ یہیں پانچ طریقوں سے مروی ہے، چار طریقوں میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اور ایک طریقے میں عبداللہ بن معقل سے۔ یہ قصہ صلح حدیبیہ کا ہے، جیسا کہ یہیں باب: ''النسک شاۃ'' میں تصریح ہے۔ جب عبداللہ بن معقل نے کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، جیسا کہ مغازی میں ہے: قصہ یہ ہوا کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے سر پر گیسو تھے اور اس میں جوئیں پڑ گئیں، وہ بھی اتنی کثرت سے کہ جوئیں ان کے چہرے، بھنووں، ڈاڑھی پر گرتی رہتی تھیں۔ ان کے کاٹنے سے اتنی تکلیف تھی کہ وہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا، میں اندھا ہو جاؤں گا۔ اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر منڈا دیا اور انہیں فدیے کا حکم دیا۔ عام روایتوں میں تخییر ہے کہ چاہے تو روزہ رکھے چاہے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا قربانی کرے، مگر ہم نے حضرت عبداللہ بن معقل کی جو روایت لی ہے اس میں ترتیب ہے۔ امام واحدی کی اسباب نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت ایسی ہے جس میں بھی ترتیب ہے، مگر راجح عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت ہے، جس میں ترتیب نہیں تخییر ہے، کیونکہ یہی نص قرآنی کے مطابق ہے۔ ارشاد ہے:

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ. (البقرۃ:۱۹۶) تو اس پر فدیہ ہے، روزہ یا صدقہ یا قربانی۔

اور یہی ہمارا اور حضرت امام شافعی کا مذہب ہے کہ اگر بہ ضرورت سر منڈایا ہے تو اسے اختیار ہے، ان تینوں میں سے جو چاہے فدیہ دے۔ ہاں، اگر بلا ضرورت منڈایا تو فدیے میں قربانی واجب ہے، جبکہ چوتھائی یا اس سے زائد منڈایا ہو، اگر چوتھائی سے کم منڈایا تو صدقہ ہے۔

نصف صاع

حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ''لکل مسکین نصف صاع'' اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی ایک روایت میں ''فرقا بین ستۃ مساکین'' ہے، یعنی چھ مسکینوں کو ایک فرق دے۔ نزہۃ القاری، ج ا ص ۵۲۱، رقم: ۱۴۶، بہ عنوان: ''فرق کی تحقیق'' پر گزر چکا کہ فرق تین صاع حجازی ہوتا ہے، اس لیے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸- [كِتَابُ جَزَاءِ الصَّيْدِ]

[شکار کے بدلہ کا بیان]

بَابٌ اِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَاَهْدٰى لِلْمُحْرِمِ الصَّيْدَ اَكَلَهُ (ص ۲۴۵)

جب غیر محرم شکار کر کے محرم کو ہدیہ دے تو کھالے

ت ۳۲۵ - وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّاَنَسٌ بِالذَّبْحِ بَأْسًا وَّهُوَ غَيْرُ الصَّيْدِ نَحْوُ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْبَقَرِ وَالدَّجَاجِ وَالْخَيْلِ.

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم احرام کی حالت میں ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے، یعنی شکار کے علاوہ اور جانور جیسے اونٹ، بکری، گائے، مرغی، گھوڑا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو امام عبدالرزاق نے موصولاً ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے مجھے اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام ابوبکر بن ابوشیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ صباح بجلی کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ محرم ذبح کر سکتا ہے کہ نہیں۔ ان دونوں تعلیقوں سے باب کا کوئی تعلق نہیں۔

وهو غير الصيد

یہ حضرت امام بخاری کی توجیہ ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ محرم اگر شکار ذبح کرے گا تو اس پر جزاء واجب ہے۔

تفسیر

"يقال عدل مثل فاذا كسرت قلت عِدلٌ فهو زنة. ذلك قيامًا قِوامًا يعدلون يجعلون له عدلا." عدل عین کے فتحہ کے ساتھ مثل کے معنی میں ہے اور "عِدل" کسرے کے ساتھ ہم وزن کے معنی میں ہے۔ "قياما" کے معنی "قواما" ہیں۔ "يعدلون" کے معنی ہیں کہ اس کے مثل ٹھہراتے ہیں۔

اس سے پہلے والے باب کے ضمن میں سورۂ مائدہ کی آیۂ کریمہ "لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ" (المائدہ:۹۵) الآیۃ نقل فرمائی تھی، اس میں یہ بھی ہے:

جَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ. (المائدہ:۹۵)

جو شخص قصداً کسی شکار کو مار ڈالے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ مقتول جانور کے مثل دے، جس کا فیصلہ دو ثقہ آدمی کریں۔

اس آیۂ کریمہ کے بعد ہے: "اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا" یا اس کے برابر روزے۔ امام بخاری نے حسب عادت اس کی تفسیر فرمائی کہ "عَدل" عین کے فتحہ اور کسرے دونوں کے ساتھ ہے۔ اوّل کے معنی مثل کے ہیں اور دوسرے کے ہم وزن ہم مقدار کے

ہیں۔ آگے قرآن مجید میں ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ. اللہ نے کعبہ کو عزت والا گھر لوگوں کے قیام کا سبب بنایا۔

(المائدہ:۹۷)

تو ''قِیٰمًا'' کی تفسیر فرمائی کہ یہ ''قَوَامًا'' کے معنی میں ہے یعنی جس پر لوگوں کی بقا اور نظام ہو اس طرح قرآن مجید میں متعدد جگہ ''یَعْدِلُوْنَ'' آیا ہے اس کی بھی تفسیر فرما دی کہ اس کے معنی یہ ہیں: کافر اپنے رب کا برابر ٹھہراتے ہیں۔

لطیفہ

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ جب گرفتار ہو کر حجاج بن یوسف کے پاس لائے گئے تو اس نے پوچھا: مجھے کیا سمجھتے ہو؟ فرمایا: ''انت القاسط العادل'' تو قاسط و عادل ہے۔ قسط کے معنی بھی عدل و انصاف کے ہیں۔ اس پر تمام دربار حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ دربار کے باہر حجاج کو کیا کیا کہتے اور اب جان کے ڈر سے عادل منصف کہہ رہے ہیں۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ حجاج نے اپنی فطری چالاکی سے بھانپ لیا۔ اس نے درباریوں سے کہا: تم لوگ سمجھے بھی کہ اس نے مجھے کیا کہا ہے اس نے مجھے جہنمی اور کافر کہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۝ (الجن:۱۵) اور ظالم جہنم کے ایندھن ہوں گے۝

اور فرمایا:

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝ (الانعام:۱) پھر کافر اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۝

اب لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور ماننا پڑا کہ اللہ کے شیر گردن پر تلوار ہوتے ہوئے بھی حق ہی کہتے ہیں۔

۱۰۶۳- ح: فَنَظَرْتُ فَاِذَا اَنَا بِحِمَارٍ وَّحْشٍ

[میں نے دیکھا ایک گورخر (میرے) سامنے ہے]

۱۰۶۳- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ انْطَلَقَ اَبِيْ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فَاَحْرَمَ اَصْحَابُهُ وَلَمْ يُحْرِمْ وَحُدِّثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَدُوًّا يَّغْزُوْهُ فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَمَا اَنَا مَعَ اَصْحَابِهِ يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اَنَا بِحِمَارٍ وَّحْشٍ فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ فَطَعَنْتُهُ فَاَثْبَتُّهُ وَاسْتَعَنْتُ بِهِمْ فَاَبَوْا اَنْ يُّعِيْنُوْنِيْ فَاَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهِ وَخَشِيْنَا اَنْ نُّقْتَطَعَ فَطَلَبْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْفَعُ فَرَسِيْ شَاْوًا وَّاَسِيْرُ شَاْوًا فَلَقِيْتُ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ غِفَارٍ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ قُلْتُ اَيْنَ تَرَكْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَرَكْتُهُ بِتَعْهِنَ وَهُوَ قَائِلٌ السُّقْيَا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

عبداللہ بن ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے والد حدیبیہ کے سال چلے ان کے ساتھیوں نے احرام باندھا اور انہوں نے نہیں باندھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا کہ کوئی دشمن حملہ کرنا چاہتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے۔ حضرت ابوقتادہ نے کہا: میں صحابہ کے ساتھ تھا کہ یک بیک صحابہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے اب میں نے دیکھا کہ ایک گورخر سامنے ہے میں نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے نیزہ بھونک کر گرا دیا۔ ان لوگوں سے میں نے مدد چاہی تو لوگوں نے منع کر دیا اب ہم نے اس کا گوشت کھایا اور ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم بچھڑ نہ جائیں اب میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش شروع کی کبھی گھوڑے کو تیز دوڑاتا کبھی معمولی رفتار سے چلاتا رات میں میری ملاقات بنی غفار کے ایک شخص سے ہوئی میں نے پوچھا:

إِنَّ أَهْلَكَ يَقْرَءُوْنَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ إِنَّهُمْ قَدْ خَشُوْا أَنْ يُّقْتَطَعُوْا دُوْنَكَ فَانْتَظِرْهُمْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَصَبْتُ حِمَارَ وَحْشٍ وَّعِنْدِيْ مِنْهُ فَاضِلَةٌ فَقَالَ لِلْقَوْمِ كُلُوْا وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ.

تو نے نبی ﷺ کو کہاں چھوڑا؟ اس نے بتایا: میں حضور سے تعہن میں جدا ہوا تھا اور حضور کا ارادہ سقیا میں قیلولہ فرمانے کا تھا' (میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی) اور عرض کیا: یارسول اللہ حضور کے متعلقین سلام عرض کرتے ہیں اور انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آپ سے بچھڑ نہ جائیں' ان کا انتظار فرمالیں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک گورخر حاصل کیا ہے اور میرے پاس اس کا کچھ بچا ہوا ہے' حضور نے لوگوں سے فرمایا: کھاؤ! حالانکہ لوگ احرام باندھے ہوئے تھے۔

(ایضاً۔باب: اذا رای المحرمون صیدا فضحکوا ص۲۴۵'باب: لا یعین المحرم الحلال فی قتل الصید ص۲۴۶'باب: لا یشیر المحرم الی الصید ص۲۴۶'الھبۃ۔باب: من استوھب من اصحابہ شیئا ص۳۴۹'کتاب الجہاد۔باب: اسم الفرس والحمار ص۴۰۰'ج۲۔کتاب المغازی۔باب: غزوۃ حدیبیۃ ص۵۹۷'اوّل الجزء۔کتاب الاطعمۃ۔باب: تعرق العضد ص۸۱۴'مسلم۔کتاب الحج'ابوداود۔کتاب المناسک ترمذی'نسائی۔کتاب الحج'ابن ماجہ۔کتاب المناسک)

یہ حدیث بخاری میں آٹھ طریقوں سے مذکور ہے اور ہر روایت میں کچھ کی کچھ زیادتی ہے۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر چونکہ مقصود عمرہ کرنا تھا' اس لیے صحابہ کرام نے احرام باندھ لیا تھا' مگر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ نے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا اور وہ راستے میں عسفان میں آ کر ملے تھے' اس لیے انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا[1] حضرت ابوقتادہ سر جھکائے ہوئے بیٹھے چپل درست کر رہے تھے کہ انہیں گورخر نظر آیا۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ حضرت ابوقتادہ نے سر اُٹھایا اور گورخر کو دیکھا' انہوں نے اپنے گھوڑے پر جس کا نام جراد تھا' زین کسی اور سوار ہو لیے' مگر کوڑا اور نیزہ لینا بھول گئے' لوگوں سے مانگا مگر کسی نے نہیں دیا۔ اس پر انہیں غصہ آیا اور گھوڑے سے اتر کر کوڑا اور نیزہ لیا اور گورخر کا شکار کر لیا۔ اب لوگوں سے کہا کہ آؤ اسے اٹھا لے چلو' مگر کوئی آمادہ نہ ہوا' سب نے انکار کر دیا۔ یہ خود ہی اُٹھا لائے۔ کچھ لوگوں نے اسے کھایا اور لوگوں نے نہیں کھایا' مگر دغدغہ سب کو رہا۔ انہوں نے ایک اگلی ران چھپا لی اور جب حضور اقدس ﷺ سے ملاقات ہوئی تو سارا ماجرا سنایا۔ دریافت فرمایا: تم لوگوں نے بتایا تو نہیں تھا' اس کی طرف اشارہ تو نہیں کیا تھا؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: کھاؤ! (اور دریافت فرمایا:) اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس ہے؟ عرض کیا: اگلی ران ہے' حضور نے اسے لیا اور تناول فرمایا' اور دوسرے حضرات نے بھی کھایا۔

عام الحدیبیۃ

مگر امام واقدی نے روایت کیا کہ یہ واقعہ عمرۃ القضا میں ہوا تھا۔

ان عدوًا یغزوہ

اس سے مراد یہ ہے کہ خبر ملی کہ عرب کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ منذری نے کہا کہ حضرت ابوقتادہ کو اہل مدینہ نے اس خبر کے ملنے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اطلاع کرنے کے لیے بھیجا تھا' اسی لیے انہوں نے احرام نہیں

[1] شرح معانی الآثار۔ج۱ص۳۴۰۔کتاب الحج۔باب: الصید الذی یذبحہ الحلال فی الحل

باندھا تھا۔

ان تقتطع

چونکہ شکار کا گوشت الگ کرنے اور اسے بھوننے، پکانے، کھانے میں کافی وقت صرف ہو گیا اور حضور اقدس ﷺ مسلسل چلتے رہے اور کافی دور نکل گئے تھے، مگر اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا:

قد خشوا ان یقتطعھم العدو دونك. آپ کے اصحاب کو اندیشہ ہے کہ دشمن ان کو حضور سے علیحدہ نہ کر دیں۔

ظاہر ہے کہ دونوں میں منافات نہیں۔

تَعْهِنَ

"تعھن" ایک جگہ کا نام ہے، اس میں مندرجہ ذیل لغات ہیں: (۱) تاء کو فتحہ عین ساکن ہاء ہوز مکسور (۲) اسی تفصیل کے ساتھ تاء کو کسرہ (۳) تاء اور ھاء کو فتحہ (۴) تاء اور عین کو ضمہ اور ھاء مشدد (۵) اسی تفصیل کے ساتھ تاء کو کسرہ، مگر اصحاب حدیث عین کو ساکن پڑھتے ہیں۔ "تَعْهِنَ" سقیا سے تین میل کے فاصلے پر ایک چشمے کا نام ہے۔ سُقیا مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان، فُرع کے ملحقات میں ایک بستی کا نام ہے۔ فُرع ایک شہر ہے، مطلب یہ ہوا کہ وہ غفاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے حضور کو تعھن میں چھوڑا ہے، اور حضور سقیا پہنچ کر قیلولے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ان اھلك

اہل سے ازواج مطہرات بھی مراد ہو سکتی ہیں، کیونکہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا حدیبیہ میں آپ کے ساتھ تھیں اور آپ کے اصحاب بھی جیسا کہ دوسری روایتوں میں وارد ہے۔

یہیں "باب لا یعین المحرم الحلال یقتل الصید" [1] میں ہے: "وکنا مع النبی ﷺ بالقاحة" ہم نبی ﷺ کے ساتھ قاحہ میں تھے۔ "قـاحة" مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلے پر، سُقیا سے ایک میل پہلے ہے، یعنی گورخر کے شکار کا قصہ قاحہ میں پیش آیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میں ایک ٹیلے کی آڑ سے گیا اور گورخر کو زخمی کر دیا۔

اسی کے بعد "باب لا یشیر المحرم الی الصید لکی یصطادہ الحلال" [2] میں ہے: "خَرَجَ حَاجًا" یعنی رسول اللہ ﷺ حج کے ارادے سے نکلے۔ ابھی روایت گزری کہ یہ واقعہ حدیبیہ یا عمرۃ القضاء کے موقع پر پیش آیا تھا اور درایت کا بھی یہی مقتضی ہے، اس لیے کہ حج کے موقعہ پر بے پناہ مجمع تھا، کسی دشمن کا کوئی اندیشہ نہ تھا اور نہ کسی کی ہمت تھی کہ مدینہ طیبہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا۔

علامہ ابن حجر نے یہ جواب دیا کہ "حاجًا" مجاز ہے "معتمرا" سے اور اس میں کوئی بعد نہیں۔ دونوں میں قدر مشترک حاضری بیت اللہ ہے۔ آگے ہے:

فصرف طائفة منھم ابو قتادة فقال خذوا ساحل البحر حتی نلتقی فاخذوا ساحل البحر فلما انصرفوا احرموا کلھم الا ابو قتادة حضور نے ایک گروہ کو جس میں ابوقتادہ بھی تھے، ساحل سمندر کی طرف بھیجا اور فرمایا: ہم سے آگے مل لینا، یہ لوگ ساحل کی طرف سے چلے اور جب واپس ہوئے تو سب نے احرام باندھ لیا

[1] ص ۲۴۶ [2] ص ۲۴۶

سوائے ابوقتادہ کے۔

اس گروہ کو ساحل سمندر کے راستے سے روانہ کرنے میں دو حکمتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ گزر چکا کہ حضور اقدس ﷺ کے گوش گزار کیا گیا تھا کہ کوئی دشمن مدینہ طیبہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دشمن ساحل بحر ہی کی طرف رہا ہو' حال اور مرعوب کرنے کے لیے ادھر بھیجا ہو۔ دوسرے گزر چکا کہ انہیں زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا' ہو سکتا ہے کہ یہ وصولی اسی طرف کرنی تھی یا دونوں مقصد رہے ہوں۔

الا ابو قتادة

اس پر دو شبہے ہیں' اوّل یہ کہ راوی خود حضرت ابوقتادہ ہیں' تو انہیں فرمانا چاہیے تھا: ''الا انا'' مگر میں نے' اور یہی شبہہ اس سے پہلے بھی ایک جگہ وارد ہے کہ فرمایا: ''فیهم ابو قتادة''۔ علامہ عینی نے یہ جواب عطا فرمایا کہ اس میں تجرید ہے۔ دوسرا شبہہ یہ ہے کہ یہاں ''احرموا کلهم الا ابو قتادة لم یحرم'' میں مستثنیٰ بِاِلَّا کلام موجب میں واقع ہے' اس لیے مستثنیٰ کو منصوب ہونا چاہیے اور بجائے ابوقتادہ کے ابا قتادہ ہونا چاہیے تھا اور یہی کشمیہنی کی روایت ہے اور مسلم کی بھی' مگر اکثر کی روایت ''الا ابو قتادة'' رفع کے ساتھ ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ مذہب اکثر متاخرین بصریین کا ہے' مگر قرآن کریم میں مستثنیٰ بِاِلَّا مرفوع کلام موجب میں ہونے کے باوجود وارد ہے۔ ارشاد ہے:

''فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ'' (البقرہ: ۲۴۹) اور حدیث میں ''و کل امتی معافی الا المجاهرون'' یہاں دونوں جگہ مستثنیٰ بِاِلَّا کلام موجب میں ہے اور مرفوع ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے: ''الا'' معنی میں ''لکن'' کے استدراک کے لیے ہے' یعنی سب نے پیا' البتہ تھوڑے لوگوں نے نہیں پیا۔

ہر اُمتی کی بخشش ہوگی' لیکن علانیہ گناہ کرنے والوں کی نہ ہوگی۔ اسی کے مطابق یہاں بھی ہے کہ سب نے احرام باندھ لیا تھا لیکن ابوقتادہ نے نہیں باندھا تھا۔

کوفیوں نے کہا کہ اس قسم کے مواقع پر ''الا'' حرف عطف ہے' اس کا مابعد ماقبل پر معطوف' اس لیے اس کا وہی اعراب ہے جو ماقبل کا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا: یہ اس کے مذہب کے اعتبار سے ہے' جس نے ''علی بن ابوطالب'' کو درست کہا ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے: ''رَءَوْا حُمُرَ وَحْش'' جمع کے ساتھ یعنی گورخروں کو لوگوں نے دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ریوڑ تھا۔ آگے ہے: ''فعقر منها اتانا'' یعنی ایک مادہ کا شکار کیا۔ اخیر میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا: کیا تم نے انہیں حکم دیا تھا یا اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں! تو فرمایا: کھاؤ۔

ما بقی من لحمها

کتاب الھبہ میں ہے: ''فرحنا وخبأت العضد معی'' ہم خوش ہوئے اور میں نے بازو اپنے ساتھ چھپا لیا۔ آگے ہے: حضور نے اسے تناول فرمایا یہاں تک کہ ہڈی رہ گئی۔ کتاب الجہاد میں ہے کہ ''ومعنا رجله'' اور ایک روایت میں ہے: اور ہم نے حضور کے لیے دست اُٹھا رکھا ہے۔ ان سب میں کوئی تعارض نہیں۔ ہوا یہ ہوگا کہ اگلی کسی ٹانگ کی ران بچائی ہوگی' اس پر رجل بھی صادق ہے اور عضد بھی اور ذراع بھی۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے: (۱) احرام کی حالت میں شکار جائز نہیں (۲) محرم کو یہ جائز نہیں کہ شکار کا پتہ

کسی غیر محرم کو بتائے یا شکار کی جانب اشارہ کرے (۳) غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے (۴) محرم کا کیا ہوا شکار مردار کے حکم میں ہے (۵) گورخر، جنگلی گدھا جسے ہمارے دیار میں گھنٹر روج اور بعض علاقوں میں سانبھر کہتے ہیں، حلال ہے، اس کے جواز پر سارے ائمہ کا اتفاق ہے مگر دیوبندی اسے حرم کہتے ہیں۔ کٹک کے مناظرے میں اس پر دو گھنٹے تک انہوں نے بحث کی اور اخیر دم تک نہیں مانے (۶) شکار کو دھار دار آلے سے زخمی کیا اور مر گیا، ذبح پر قدرت نہ ہو سکی تو وہ حلال ہے، زخم کہیں بھی لگا ہو (۷) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اجتہاد درست اور اس پر عمل بھی جائز تھا کیونکہ اس بارے میں کوئی حکم نہیں تھا کہ اگر حل میں غیر محرم شکار کرے تو محرم کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے عمل فرمایا۔

بَابٌ اِذَا اَهْدٰى لِلْمُحْرِمِ حِمَارًا وَّحْشِيًّا حَيًّا لَّمْ يَقْبَلْ (ص۲۴۶)

محرم کو اگر کوئی زندہ گورخر ہدیہ کرے تو قبول نہ کرے

۱۰۶۴- عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ اَنَّهٗ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَّحْشِيًّا وَّهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّهٗ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ اِنَّا لَمْ نَرُدَّهٗ عَلَيْكَ اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ۔

حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اور صحابہ ابواء یا ودّان میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہوں نے گورخر کا ہدیہ پیش کیا، حضور نے اسے واپس کر دیا، جب آپ نے ان کے چہرے پر مایوسی کا اثر دیکھا تو فرمایا: ہم نے صرف اس وجہ سے واپس کیا ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں۔

(ایضاً۔ کتاب الھبۃ۔ باب: قبول ھدیۃ الصید ص ۳۵۰، مسلم، ترمذی۔ کتاب الحج، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

[حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ]

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان کے بھانجے، ان کی بہن فاختہ یا زینب کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں وفات پائی ہے۔ ودّان میں رہائش پذیر تھے، فارس کے دارالسلطنت اصطخر کی فتح میں شریک تھے۔ اس فتح کے موقعہ پر کسی نے اُڑا دیا کہ دجال نکل آیا۔ اس پر حضرت صعب نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ دجال اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک لوگ اسے بھول نہیں جائیں گے۔ یہ قریش کے حلیف تھے اور محلم بن جثامہ کے بھائی تھے۔ (اصابہ۔ ج ۲ ص ۱۸۴۔۵)

ابواء

فُرع کے مضافات میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ مدینہ کی طرف سے جحفہ سے اس کا فاصلہ تینتیس میل ہے۔ اس کو ابواء اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں سیلاب کا پانی جمع ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہاں اکثر وبا رہتی ہے۔ یہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئی تھیں اور یہیں آپ کا مزار پاک ہے۔

وَدَّان

ابواء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑی بستی کا نام ہے۔ حضرت صعب بن جثامہ یہیں رہتے تھے، یہ راوی کا شک ہے، اور اغلب یہ ہے کہ یہ شک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہوا ہے۔

انه اهدٰی

بخاری کی روایت میں نہ زندہ کا لفظ ہے نہ مذبوح کا' مگر امام بخاری نے اپنے طور پر یہ سمجھا کہ زندہ ہی پیش کیا ہوگا۔ اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے واپس فرمایا۔ ورنہ حضرت ابوقتادہ والی روایت سے تعارض لازم آئے گا' مگر بہت سی روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ مذبوح تھا اور اس کا ایک ٹکڑا پیش فرمایا تھا۔ بعض روایتوں میں سرین ہے اور بعض میں پاؤں۔ اسی سے وہ لوگ دلیل لاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ محرم کو شکار کھانا مطلقاً منع ہے' اگرچہ غیر محرم نے شکار کیا ہو اور ذبح کیا ہو مگر جب یہ حدیث خود مضطرب ہے تو حضرت ابوقتادہ کی حدیث کے معارض نہیں۔

لم نرده

کشمیہنی کی روایت ''لَمْ نَرْدُدْهُ'' فکِ ادغام کے ساتھ ہے۔ مضاعف مضموم العین جب حالت جزم میں ہو تو اس میں چار لغات ہیں۔ فتحہ کیونکہ یہ اخف الحرکات ہے' عین کی متابعت میں ضمہ' کسرہ اس لیے کہ ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کسرے ہی کی دی جاتی ہے۔ اور فک ادغام اس بناء پر کہ یہی اصل ہے' یہ اس وقت ہے جبکہ اخیر میں ھانہ لاحق ہو اور اگر ھا لاحق ہو تو کسرہ چھوڑ کر تینوں صورتیں جائز ہیں۔

بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ (ص۲۴۶)

۱۰۶۵- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيْ قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ (ح) حَدَّثَتْنِيْ اِحْدٰى نِسْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ (ح) قَالَتْ حَفْصَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ لَا حَرَجَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ الْغُرَابُ وَالْحِدَاءَةُ وَالْفَارَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔

(مسلم' نسائی۔ کتاب الحج)

محرم کن جانوروں کو مار سکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ جانوروں کے مار ڈالنے میں محرم پر کوئی گناہ نہیں۔ دوسری سند کے ساتھ نبی ﷺ کی ایک زوجہ سے روایت ہے کہ محرم انہیں مار ڈالے۔ تیسری سند کے ساتھ ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ جانوروں کو کوئی قتل کر دے تو کوئی حرج نہیں: کوا' چیل' چوہا' بچھو' باؤلا کتا۔

۱۰۶۶- ح: خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ

۱۰۶۶- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ الْغُرَابُ وَالْحِدَاءَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔

[پانچ جانور فاسق ہیں (جن کو مارا جائے)]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ جانور فاسق ہیں' انہیں حرم میں مارا جائے: کوا' چیل' بچھو' چوہا اور باؤلا کتا۔

(مسلم۔ کتاب الحج)

دَوَابّ

''دَوَابّ''، ''دَابَّةٌ'' کی جمع ہے اور منتہی الجموع کے وزن پر ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ ''دَابَّةٌ''، ''دَبَّ يَدُبُّ'' کا اسم فاعل ہے اور اس میں ھا مبالغہ کی ہے' یا معنی وصفی سے معنی اسمی کی طرف منتقل کرنے کے لیے ہے۔ زمین پر چلنے والا ہر جانور دابہ ہے' حتی کہ رینگنے والے کیڑے مکوڑے بھی' مگر عرف عام میں چوپائے کو کہتے ہیں' جیسے گھوڑا' خچر وغیرہ اور کبھی اس چوپائے کو کہتے ہیں جو سواری کے کام آئے۔ ان پانچ چیزوں میں معنی عرفی کے لحاظ سے صرف کتا دابہ ہے اور معنی لغوی کے اعتبار سے چوہا' بچھو بھی' مگر کوا اور چیل کسی معنی کے اعتبار سے دابہ نہیں' انہیں تغلیباً دوابّ میں شمار فرمایا' اس لیے ہم نے ان کا ترجمہ جانور کیا کہ سب کو شامل ہو جائے۔

فاسق

فسق کے معنی خروج کے ہیں' یعنی نکلنے کے۔ فاسق کو فاسق اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شریعت کی پابندی سے خارج ہو جاتا ہے' مگر اسے لازم ہے سرکش ہونا۔ اور حدیث میں یہی معنی مراد ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ چھیڑ خانی کے بغیر صرف ایذاء پہنچانے کے لیے حملہ کرتے ہیں' جیسا کہ مشاہدہ ہے' انحصار انہیں پانچ میں نہیں اور بھی جانور ان میں داخل ہیں۔ سانپ تو بہ حکم حدیث داخل ہے' بقیہ مندرجہ ذیل قیاس سے۔ ان پانچ جانوروں کے قتل کی علت ان کا فاسق ہونا ہے اور مندرجہ ذیل جانور بھی فاسق ہیں' اس لیے حالت احرام اور حرم میں ان کا بھی قتل مباح ہے' مثلاً چھپکلی' گرگٹ' کھٹل' مچھر' مکھی وغیرہ خبیث موذی جانور۔

۱۰۶۷- ح: نَحْنُ فِيْ غَارٍ بِمِنًى نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ

[ہم منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ (سورۂ) والمرسلت نازل ہوئی]

۱۰۶۷- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَارٍ بِمِنًى إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ وَإِنَّهُ لَيَتْلُوْهَا وَإِنِّيْ لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيْهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوْهَا فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيْتُمْ شَرَّهَا قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ إِنَّمَا أَرَدْنَا بِهٰذَا أَنَّ مِنًى مِنَ الْحَرَمِ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا بِقَتْلِ الْحَيَّةِ بَأْسًا.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم لوگ منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ والمرسلات نازل ہوئی' حضور اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے حضور کے دہن مبارک سے سن کر پڑھ رہا تھا' حضور کا دہن پاک اس سے تر تھا کہ اچانک ہم پر ایک سانپ کودا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مار ڈالو' ہم اس کی طرف بڑھے کہ وہ بھاگ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا جیسا کہ تم لوگ اس کے شر سے بچ گئے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: اس حدیث کے ذکر سے ہماری مراد یہ ہے کہ منیٰ حرم سے ہے اور ان لوگوں نے وہاں سانپ کے مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں جانا۔

تفسیر میں ہے کہ وہ سانپ اپنی بل میں گھس گیا۔ یہاں باب یہ ہے کہ محرم کن جانوروں کو مارے اور حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ یہ حضرات محرم تھے۔ منیٰ میں ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ محرم رہے ہوں۔ عام طور پر حجاج دس ذی الحجہ کو رمی اور قربانی کر کے

احرام کھول دیتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے بارے میں تو تصریح ہے کہ آپ نے دس ذوالحجہ کو احرام کھول دیا۔ اور اغلب یہی ہے کہ صحابہ کرام نے بھی ورنہ کم از کم حضرت عبداللہ بن مسعود راوی حدیث نے بھی ضرور احرام کھول دیا تھا۔

جواب

اس حدیث کی اس روایت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ واقعہ احرام کی حالت میں ہوا تھا مگر اسماعیلی نے بہ طریق نمیر عن حفص بن غیاث میں تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عرفہ کی رات میں ہوا تھا۔ اس وقت یہ سبھی حضرات احرام میں تھے۔ یہ غار اب بھی محفوظ ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سانپ کا احرام کی حالت میں خاص حرم میں قتل کرنا جائز ہے، اسی پر قیاس کر کے تمام موذی جانوروں کا بھی قتل جائز ہے، جیسے چھپکلی، گرگٹ، مچھر، کھٹل، پسو، مکھی وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ سانپ کو دیکھتے ہی اسے قتل کر دینا چاہیے۔ بعض احادیث سے گھروں کے سانپ کا استثنا ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ پہلے انہیں متنبہ کیا جائے، پھر بھی گھر نہ چھوڑیں تو انہیں بھی قتل کر دیا جائے۔

بعض نے فرمایا کہ یہ صرف مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مدینہ میں کچھ جن ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں[1] امام مالک نے فرمایا: مدینہ کی تخصیص نہیں، ہر آبادی کا یہی حکم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ سانپ کو جہاں دیکھو قتل کر دو۔ خواہ آبادی میں ہوں، گھر میں ہوں، جنگل میں ہوں، کیونکہ حدیث میں مطلقاً ان کے قتل کا حکم ہے۔

۱۰۶۸- ح: لِلْوَزَغِ فُوَيْسِقٌ [چھپکلی فاسق ہے]

۱۰۶۸- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْوَزَغِ فُوَيْسِقٌ وَّلَمْ اَسْمَعْهُ اَمَرَ بِقَتْلِهِ.

(مسلم۔ ج ۲۔ کتاب قتل الوزغ، نسائی۔ کتاب الحج)

رسول اللہ ﷺ کی رفیقۂ حیات ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھپکلی فاسق ہے اور میں نے یہ نہیں سنا کہ آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم دیا ہو۔

وزغ

گرگٹ کو بھی کہتے ہیں اور چھپکلی کو بھی۔ امام نووی نے فرمایا: "قال اهل اللغة الوزغ وسام ابرص جنس فسام ابرص كباره" "وزغ اور سام ابرص ایک جنس ہے اور سام ابرص ان کے بڑے کو کہتے ہیں[2]" علامہ دمیری نے لکھا: "دويبة معروفة وهي وسام ابرص جنس" "مشہور چھوٹا سا جانور ہے، یہ اور چھپکلی ایک جنس ہے[3]" علامہ کرمانی نے فرمایا: وزغ ایک جانور ہے جس کے پاؤں ہوتے ہیں اور وہ گھاس کی جڑوں میں دوڑتا ہے[4] ابن اثیر[5] نے کہا کہ یہ چھپکلی ہے۔

لم اسمعه امر بقتله

وزغ کو مارنے کا حکم دوسری حدیثوں میں وارد ہے۔ خود بخاری[6] ہی میں حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۳۵۔ کتاب قتل الحیات وغیرھا [2] شرح مسلم۔ ج ۲ ص ۲۳۶ [3] حیاۃ الحیوان۔ ج ۲ ص ۳۷۹

[4] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۸۵ [5] ایضاً (حوالہ نمبر ۶ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ کے مار ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھونکتا تھا۔ مسند امام احمد[1] اور ابن ماجہ[2] میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ ان کے گھر میں برچھی رکھی ہوئی تھی دریافت کیا گیا: اس سے کیا کرتی ہیں؟ فرمایا: اس سے وزغ مارتی ہوں' اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو روئے زمین پر کوئی ایسا جانور نہ تھا جس نے اسے بجھانے کی کوشش نہ کی ہو سوائے وزغ کے۔ یہ آگ کو پھونکتا تھا' اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وزغ کو پہلے حملے میں مار ڈالے اس کے لیے سو نیکی ہے' اور جو دوسرے میں مارے اسے اس سے کم اور جو تیسرے میں مارے اسے اس سے کم[3] یہ ثواب کی کمی بیشی مارنے والے کی توجہ کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے کہ جسے اس کے مارنے کی طرف کامل رغبت ہوگی' وہ پوری توجہ سے مارے گا' اس لیے اسے سب سے زیادہ ثواب ہے اور جو کم رغبت رکھے گا وہ کم توجہ سے مارے گا' اس لیے اس کے ثواب میں کمی ہوگی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آگ پر پھونکنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ بہت ہی بدطینت جانور ہے اور دوسرے کو ضرر پہنچانے پر حریص' اور جانوروں کی طینت بدلتی نہیں' اس لیے آج اس کی نسل سے جو پائے جاتے ہیں وہ بھی اسی کی طرح بدطینت' خبیث النفس ہیں' اس لیے ان کے مارنے کا حکم دیا' یہ اتنا بدطینت ہے کہ جس برتن سے پانی پیتا ہے اس میں اپنا زہر ملا دیتا ہے' جس کے پینے سے بدن پر چتیاں پڑ جاتی ہیں۔

حضرت اُم المؤمنین نے جو یہ فرمایا کہ میں نے حضور سے یہ نہیں سنا کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہو' اس سے مراد یہ ہے کہ حالت احرام اور حرم میں قتل کا حکم دیا ہو' ورنہ مطلق قتل کرنے کا حکم متعدد احادیث میں وارد ہے' جن میں سے دو حدیثیں خود اُم المؤمنین ہی سے مروی ہیں۔ ایک ابھی گزری' دوسری یہ ہے: فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے: جو ایک وزغ کو قتل کرے' اللہ اس کے سات گناہ مٹا دے گا۔[4] اس کے علاوہ حضرت اُم شریک کی بھی حدیث گزری' نیز حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت اُم المؤمنین کی اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ حضور نے احرام کی حالت میں اور حرم میں وزغ کے قتل کا حکم دیا ہو' مگر اسے فویسق کہا ہے' یعنی بڑا فاسق یا چھوٹا فاسق۔ اس سے ظاہر کہ اسے احرام اور حرم میں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فویسق' فاسق کی تصغیر ہے' یہ تحقیر کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور تعظیم کے لیے بھی۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوا: چھوٹا فاسق اور دوسری صورت میں بڑا فاسق۔

بَابٌ لَا يُعْضَدُ شَجَرُ الْحَرَمِ (ص ۲۴۷) — حرم کا درخت نہ کاٹا جائے

۱۰۶۹- ح: وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ — [وہ مکہ کی جانب فوجیں بھیج رہا تھا]

۱۰۶۹- عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَدِ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ فَسَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ إِنَّهُ حَمِدَ اللَّهَ

ابو شریح عدوی سے مروی ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا جبکہ وہ مکہ کی جانب فوجوں کو بھیج رہا تھا: اے امیر! مجھے اجازت دے کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بیان کروں جو حضور نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا' جسے میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ رکھا ہے اور جب حضور

---

[1] بخاری- ج ۱ ص ۴۷۳- کتاب الانبیاء- باب: قول اللہ و اتخذ اللہ ابراہیم خلیلا

[1] مسند امام احمد- ج ۶ ص ۸۳ [2] ابن ماجہ- ص ۲۴۰- کتاب الصید- باب: قتل الوزغ

[3] مسلم- ج ۲ ص ۲۳۶- باب: استحباب قتل الوزغ [4] حیوۃ الحیوان- ج ۲ ص ۳۸۰- بحوالہ تاریخ ابن النجار

وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِئٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا یُعْضَدُ بِهَا شَجَرَةٌ فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ یَأْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْیَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِیْلَ لِاَبِیْ شُرَیْحٍ مَّا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ یَا اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُ عَاصِیًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخُرْبَةٍ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ خَرْبَةٌ بَلِیَّةٌ. (ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب العلم۔ باب: فلیبلغ الشاهد الغائب ص ۲۱۔ کتاب المغازی۔ باب: منزل النبی ﷺ یوم الفتح ص ۶۱۵، مسلم۔ کتاب الحج، ترمذی۔ کتاب الحج۔ کتاب الدیات، نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب العلم)

ارشاد فرما رہے تھے تو حضور کو میری دونوں آنکھیں دیکھ رہی تھیں حضور نے اللہ کی حمد وثناء کی، پھر فرمایا کہ بے شک مکہ کو اللہ نے حرم بنایا، لوگوں نے نہیں بنایا ہے، جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے یہ حلال نہیں کہ یہاں خون ریزی کرے، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، پس اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال کو دلیل بنا کر یہاں لڑائی کو جائز ٹھہرائے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی ہے اور مجھے بھی دن میں تھوڑی دیر کے لیے اجازت دی تھی اور آج اس کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی، اور حاضر غائب کو پہنچا دے۔ ابوشریح سے پوچھا گیا: اس پر عمرو نے آپ سے کیا کہا؟ انہوں نے بتایا کہ عمرو نے کہا: میں اس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، اے ابوشریح! بے شک حرم باغی، مفرور، قاتل اور فسادی کو امن نہیں دیتا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: "خربة" کے معنی "بلية" یعنی فتنے اور فساد کے ہیں۔

حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ

ان کے نام میں اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک اصح یہ ہے کہ ان کا نام خویلد ہے اور ان کے والد کا نام عمرو ہے۔ یہ بنی خزاعہ کے فرد تھے، بنی عدی سے ان کا کوئی نسبی تعلق نہیں، نہ عدی قریش سے، نہ عدی مضر سے، مگر امام بخاری نے یہاں ان کو "العدوی" لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بنی عدی کے حلیف رہے ہوں، اس لیے ان کو عدوی کہا جاتا ہو۔ فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور فتح مکہ کے دن بنی خزاعہ کے علمبردار تھے۔ یہ مدینہ طیبہ کے عُقلاء میں شمار کیے جاتے ہیں، ۶۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔

عمرو بن سعید اشدق

اشدق، یہ یزید کی طرف سے مدینہ طیبہ کا والی تھا، اشدق کے معنی بہت گالی دینے والے کے ہیں، یہ برسر منبر حضرت شیر خدا علی رضی اللہ عنہ پر تبرا بکتا تھا۔ اس کی سزا میں اسے لقوہ ہو گیا، پھر ۷ ھ میں عبدالملک بن مروان نے اسے قتل کرا دیا، اس کو اہل مدینہ لطیم الشیطان، شیطان کا تھپڑ خوردہ بھی کہتے تھے۔

وهو يبعث البعوث

بعوث، بعث کی جمع، مبعوث کے معنی میں ہے، مراد فوج ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد یزید تخت نشین ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کی بیعت نہیں کی اور مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں اپنی خلافت کا اعلان فرمادیا، اس پر یزید پلید نے عمرو بن سعید والی مدینہ کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کے لیے لشکر بھیجے۔ اس پر عمرو بن سعید نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی عمرو بن زبیر کی سرکردگی میں مکہ معظمہ لشکر روانہ کیا۔ یہ حضرت عبداللہ کے مخالف اور بنی امیہ کے حامی تھے۔ عمرو بن زبیر لشکر لے کر ذوطویٰ تک پہنچے۔ ادھر سے اہل مکہ نکلے اور عمرو بن زبیر کو شکست دی اور گرفتار کرلیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے عمرو کو عارم

کے جیل خانے میں قید کر دیا۔ مدینہ طیبہ میں کچھ لوگوں کو عمرو نے اس بناء پر مارا تھا کہ وہ حضرت عبید اللہ بن زبیر کے حامی تھے۔ اس حرم میں عمرو سے قصاص لیا اور اسی میں وہ مر گئے۔

لا یعیذ

یہاں عاصی سے مراد باغی ہے۔ ''ولا فارا بخربة'' یہ خا کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی' اس کے معنی چوری اور فساد کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ چوری کر کے فساد مچا کے جو حرم میں پناہ لے' اسے وہاں پناہ نہیں۔ محدث ابن بطال نے کہا کہ ''خُربة'' کے معنی فساد کے ہیں اور ''خِربة'' کے معنی چوری کے ہیں۔ اصمعی وغیرہ اہل لغت نے کہا کہ یہ خاص اونٹ کی چوری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

مسند امام احمد[1] میں ہے کہ اشدق لطیم الشیطان کی یہ بات سن کر حضرت ابوشریح نے فرمایا: میں وہاں موجود تھا تو غائب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ حاضر غائب کو پہنچا دے' میں نے پہنچا دیا۔ ''فانت وشانك'' تم جانو تمہارا کام جانے۔ مسند امام احمد کا یہ اضافہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمرو بن سعید کی بات پر حضرت ابوشریح مطمئن نہیں ہوئے مگر اس اشدق لطیم الشیطان کے شر سے بچنے کے لیے خاموش رہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس پلید نے سراسر فریب دینا چاہا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو باغی تھے نہ انہوں نے کسی کا قتل کیا تھا اور نہ کوئی فساد مچایا تھا' پھر ان کے مقابلے میں لشکر بھیجنے کے جواز میں مذکورہ بالا جملہ کہنے سے کیا فائدہ۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر خلیفہ برحق تھے

محدث ابن بطال نے فرمایا کہ علماء اہل سنت کے نزدیک حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید اور عبد الملک کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ امام مالک نے فرمایا کہ ابن زبیر عبد الملک سے زیادہ احق بالخلافۃ ہیں۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے' اس لیے کہ حضرت ابن زبیر کی خلافت عبد الملک کے والد سے بھی پہلے قائم ہوئی تھی۔ یزید کے مرنے کے بعد زمانہ دراز تک سوائے حضرت عبد اللہ بن زبیر کے کسی کا خلیفہ یا سلطان ہونا تو بڑی بات ہے کوئی مدعی بھی نہ تھا' پھر مشہور فسادی وزغ بن وزغ مروان نے بغاوت کر کے اپنی نام نہاد خلافت کا اعلان کیا۔

رہ گیا یزید تو ہم نے مقالات امجدی میں دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ وہ خلیفہ نہیں تھا' تو اب متعین کہ اس عہد میں خلیفہ برحق حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما تھے' اس لیے وہ کسی طرح باغی نہ ہوئے' ان کو باغی یا ''فارا بخربة'' کہنا اس لطیم الشیطان کی ابلیسیت ہے۔

توجیہ

مسند امام احمد' صحیحین' شرح معانی الآثار وغیرہ میں متعدد احادیث وارد ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''ان ابراهیم حرم مكة'' بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اس حدیث میں تاکید کے ساتھ ہے کہ اسے اللہ نے حرم بنایا' لوگوں نے نہیں بنایا۔ جواب ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو یہ اختیار کہ مکہ کو حرم بنائیں اللہ عزوجل کی عطاء سے تھا' وہ اللہ عزوجل کے نائب تھے اور نائب جو کام کرتا ہے وہ حقیقت میں مُناب کا ہوتا ہے۔ اس کی مثال فتح الامیر البلدان ہے۔ جنگ کرنے والے فتح کرنے والے حقیقت میں لشکری ہوتے ہیں مگر اسے سلطان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ لشکر نے سلطان کے حکم سے لشکر کشی کی' جنگ کی اور فتح کیا۔

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ جس پر حد یا قصاص واجب ہو' وہ اگر حرم میں پناہ لے لے تو حرم میں اس پر نہ حد جاری کی جائے

[1] مسند امام احمد ج ۴ ص ۳۲

گی اور نہ اس سے قصاص لیا جائے گا' البتہ اسے مجبور کیا جائے گا کہ حرم سے باہر نکلے' جب باہر نکل آئے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔

بَابٌ لَا يَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ (ص ۲۴۷) مکہ میں قتال جائز نہیں

۱۰۷۰- ح: لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ [(اب) ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت ہے]

۱۰۷۰- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ افْتَتَحَ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَّإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا فَإِنَّ هٰذَا بَلَدٌ اَلْحَدِيْثُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن مکہ فتح فرمایا' ارشاد فرمایا: (اب) ہجرت نہیں' ہاں جہاد اور نیت ہے جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو نکل پڑو' اس کے بعد حدیث (۱۰۷۰) ہے۔

(ایضاً۔ کتاب الجہاد۔ باب: فضل الجهاد ص ۳۹۰' باب: وجوب النفير ص ۳۹۶' باب: لا هجرة بعد الفتح ص ۴۳۳' باب: اثم الغادر للبر والفاجر ص ۴۵۲' مسلم۔ کتاب النکاح۔ امارۃ' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد' ترمذی۔ کتاب السیر' نسائی۔ کتاب البیعت' ابن ماجہ۔ کتاب الجہاد' دارمی۔ کتاب السیر' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۲۶)

لا هجرة

دوسری روایتوں میں بعد الفتح ہے۔ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کی اجازت نہیں' یا ہجرت کا وہ ثواب نہیں جو فتح مکہ سے پہلے تھا۔ اور اس سے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت مراد ہے۔ ورنہ حدیث صحیح[1] میں وارد ہے کہ فرمایا:

لا ينقطع الهجرة ما قوتل العدو. جب تک کفار سے لڑائی ہوتی رہے گی ہجرت منقطع نہ ہوگی۔

ابوداؤد[2] میں ہے:

لا ينقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة. توبہ منقطع ہونے تک ہجرت منقطع نہ ہوگی۔

مثلاً دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف یا دار الاسلام ہی میں کفار کا تسلط ہو جائے اور اپنے وطن میں شعائر اسلام کا قائم کرنا موقوف ہو جائے تو دوسرے شہر کی طرف قیامت تک ہجرت باقی رہے گی۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ خبر اپنے حقیقی معنوں میں ہو یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہ ہوگی' کیونکہ مکہ معظمہ اب قیامت تک دار الاسلام رہے گا' یہ غیب کی خبر ہے۔

ولكن جهاد ونية

یعنی اب ہجرت نہیں البتہ جہاد ہے' اور نیت خیر کے ساتھ اعمال صالحہ باقی ہیں جن پر عظیم سے عظیم ثواب مرتب ہیں۔

مطابقت باب

یہاں باب ہے: مکہ میں قتال جائز نہیں۔ اس حدیث میں آگے ہے:

لم يحل القتال فيه لاحد قبلي ولم تحل لي الا ساعة من نهار فهو حرام بحرمة الله الى يوم القيمة. مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں قتال جائز نہ ہوا' اور میرے لیے بھی دن کی تھوڑی سی مدت کے لیے جائز ہوا' اب یہ اللہ کے کرم

[1] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۸۲۔ کتاب البیعۃ۔ باب: الاختلاف في انقطاع الهجرة' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۷۰

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۳۶۔ کتاب الجہاد۔ باب: الهجرة هل انقطعت

بنانے سے قیامت تک کے لیے حرم ہے۔

جب یہ قیامت تک کے لیے حرم ہے تو اس میں قتال قیامت تک حرام ہے۔

بَابُ الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ (ص ۲۴۷) محرم کو پچھنے لگانا

ت ۳۲۶ - وَكَوٰى ابْنُ عُمَرَ ابْنَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے کو حالتِ احرام میں داغا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس ''اثر'' کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پورا ''اثر'' یوں ہے کہ واقد بن عبداللہ کو راستے میں برسام ہو گیا' وہ مکہ جا رہے تھے تو حضرت ابن عمر نے انہیں داغا۔

مطابقت باب

باب سے مطابقت یوں ہے کہ پچھنا لگوانا بھی داغنے کی طرح ہے' جیسے یہ جائز ویسے ہی وہ بھی جائز۔

قال البخاری: ''وَيَتَدَاوىٰ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ طِيْبٌ'' ہر وہ دوا استعمال کرے جس میں خوشبو نہ ہو۔

یہ حضرت امام بخاری کا قول ہے' اس پر تفصیلی گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

۱۰۷۱- ح: اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی]

۱۰۷۱- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ لَنَا عَمْرٌو اَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ طَاوٗسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَعَلَّهٗ سَمِعَهٗ مِنْهُمَا.

سفیان نے کہا: ہم سے عمرو بن دینار نے کہا: پہلی حدیث جو میں نے عطاء سے سنی' یہ ہے: انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی' اس کے بعد میں نے سنا کہ عمرو بن دینار کہتے تھے کہ مجھ سے طاؤس نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث بیان کی' میں نے عرض کیا: ہو سکتا ہے انہوں نے دونوں سے سنا ہو۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الطب۔ باب: التحجم فی السفر والاحرام ص ۸۴۹' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد۔ کتاب المناسک' ترمذی۔ کتاب الحج' نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب الصوم)

توضیح اسناد

حضرت عمرو بن دینار نے یہ حدیث دو شیخ سے سنی ہے' ایک حضرت عطاء سے' دوسرے حضرت طاؤس سے' جیسا کہ خود بخاری ہی میں کتاب الطب اور مسلم میں تصریح ہے: ''عن عمرو عن عطاء و طاؤس عن ابن عباس'' البتہ یہ پہلی حدیث ہے جو حضرت عمرو بن دینار نے حضرت عطاء سے سنی ہے۔

۱۰۷۲- ح: اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ [نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم ہوتے ہوئے لحی جمل میں سینگی لگوائی]

۱۰۷۲- عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ فِي وَسَطِ رَأْسِهٖ.

حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم ہوتے ہوئے لحی جمل میں سینگی لگوائی اپنے سر کے درمیان۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الطب۔ باب: الحجامة على الرأس ص ۸۴۹)

کتاب الطب کی روایت میں یہ زائد ہے کہ یہ سینگی مکہ کے راستے میں لگوائی تھی۔ سر میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی' جیسا کہ حضرت ابن عباس ہی سے کتاب الطب میں مروی ہے۔ جازمی وغیرہ نے کہا کہ یہ حجۃ الوداع میں ہوا تھا' اگر سینگی لگوانے میں بالوں کو مونڈنا پڑے تو بہر حال فدیہ واجب ہے' خواہ ضرورۃً لگوائے خواہ بلا ضرورت۔ لحی جمل' مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے' جو مدینہ سے زیادہ قریب ہے۔ جس نے یہ کہا کہ اس سے اونٹ کے جبڑے مراد ہیں اور یہ سینگی لگانے کا آلہ ہے' غلط کہا۔

بَابُ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ — محرم کا شادی کرنا

۱۰۷۳- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے احرام کی حالت میں شادی کی۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: عمرة القضاء ص ۶۱۱' کتاب النکاح۔ باب: نکاح المحرم ص ۷۶۶' مسلم۔ کتاب النکاح' ابوداؤد۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۴۵)

کتاب المغازی میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ سے شادی کی اور حلال ہونے کی حالت میں زفاف فرمایا۔ اور ان کا وصال سرف میں ہوا اور اسی چھپر میں دفن ہوئیں' جس میں ان سے زفاف فرمایا تھا' صرف وصال ہی نہیں نکاح اور زفاف بھی سرف ہی میں ہوا تھا۔

حالت احرام میں نکاح

یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح صحیح ہے' البتہ زفاف ممنوع ہے' مگر حضرت امام شافعی' امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ احرام کی حالت میں نکاح باطل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عمر بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے طلحہ بنت عمر بن شیبہ بن جبیر سے نکاح کا ارادہ فرمایا تو امیر الحج ابان بن عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس خبر بھیجی کہ وہ نکاح کی مجلس میں شرکت فرمائیں' تو ابان نے یہ کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم کسی اور کا نکاح نہ کرے نہ خود کرے' نہ نکاح کا پیغام بھیجا جائے[1] مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حج میں یہ ارادہ فرمایا۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ دونوں احرام میں تھے۔ امام طحاوی' علامہ عینی وغیرہ ائمہ حنفیہ نے دلائل قاہرہ سے حضرت ابن عباس کی اس حدیث کی اس کے مقابل حدیث پر ترجیح ثابت فرمائی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک اس حدیث کی ترجیح کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی اس حدیث کو ان کے اجلہ تلامذہ حضرت عطاء' حضرت عکرمہ' حضرت ابوالشعثاء' حضرت طاؤس' حضرت مجاہد' حضرت سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے نیز اس کی مؤید ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث ہیں جو ان حضرات سے بھی انہیں الفاظ میں مروی ہیں۔ ام المؤمنین کی حدیث[2] کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا۔ اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۵۳۔ کتاب النکاح۔ باب: تحریم نکاح المحرم و کراهة خطبته' ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۵۵۔ کتاب المناسک باب: المحرم یتزوج

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۹۵

[3] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۳۷۵۔ کتاب الحج۔ باب: نکاح المحرم

میں اس لفظ کے ساتھ روایت کیا: "تزویج بعض نساء ہ وھو محرم" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ[1] کی حدیث کو امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں روایت فرمایا۔

بَابُ مَا يُنْهٰى مِنَ الطِّيبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ (ص۲۴۸)
محرم مرد و عورت کا خوشبو لگانا منع ہے

ت۳۲۷ - قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَا تَلْبَسِ الْمُحْرِمَةُ ثَوْبًا بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: محرمہ ورس اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔

اس تعلیق کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

بَابُ الْاِغْتِسَالِ لِلْمُحْرِمِ (ص۲۴۸)
محرم کا غسل کرنا

ت۳۲۸ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ الْحَمَّامَ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محرم حمام میں داخل ہو۔

ت۳۲۹ - وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ بِالْحَكِّ بَأْسًا.

حضرت ابن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے کھجلانے میں کوئی حرج نہیں جانا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو امام بیہقی نے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کو امام مالک نے موصولاً ذکر کیا ہے[1] احرام کی حالت میں بال توڑنا' اکھاڑنا یا بالوں کو اس طرح کھینچنا کہ اکھڑ جائیں اور جوئیں مارنا ممنوع ہے۔ نہانے اور کھجلانے میں بالوں کے ٹوٹنے اور اکھڑ جانے کا خطرہ ہے' جوؤں کے مرنے کا بھی' اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محرم نہا سکتا ہے کہ نہیں' کھجلی مچے تو بدن' سر کھجلا سکتا ہے یا نہیں۔

احتیاط سے اس طرح نہانا کہ بال نہ ٹوٹیں اور بدن ملنا کھجلانا جائز ہے' البتہ بیری یا خطمی کے پانی سے نہانا کہ جوئیں مر جائیں' ممنوع ہے۔

۱۰۷۴- ح: فَأَرْسَلَنِي إِلٰى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ
[انہوں نے مجھے حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں بھیجا میں نے انہیں غسل کرتے ہوئے پایا]

۱۰۷۴- عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اخْتَلَفَا بِالْأَبْوَاءِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ وَقَالَ الْمِسْوَرُ لَا يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ فَأَرْسَلَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ إِلٰى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن حنین سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم نے "ابواء" میں اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ محرم اپنا سر دھوئے گا' اور حضرت مسور نے کہا: نہیں دھوئے گا' تو حضرت عبداللہ بن عباس نے مجھے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا' میں نے ان کو کنویں کے دونوں ستونوں کے درمیان کپڑے سے پردہ

---

[1] السنن ... موطا امام مالک۔ ص ۲۰۷ کتاب الحج۔ باب: ما یجوز للمحرم ان یفعل

فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ اَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حُنَيْنٍ اَرْسَلَنِي اِلَيْكَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ اَسْاَلُكَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَوَضَعَ اَبُوْ اَيُّوْبَ يَدَهٗ عَلَى الثَّوْبِ فَطَأْطَاَهٗ حَتّٰى بَدَا لِيْ رَأْسُهٗ ثُمَّ قَالَ لِاِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ اُصْبُبْ فَصَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ ثُمَّ حَرَّكَ رَأْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ وَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ۔

(مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' موطا امام مالک۔ کتاب الحج)

کیے ہوئے غسل کرتے ہوئے پایا' میں نے انہیں سلام کیا تو دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: عبداللہ بن حنین ہوں' مجھے حضرت عبداللہ بن عباس نے آپ کے پاس بھیجا ہے' وہ پوچھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں اپنے سراقدس کو کیسے دھوتے تھے؟ حضرت ابوایوب نے اپنا ہاتھ کپڑے پر رکھ کر اسے نیچا کیا' اتنا کہ ان کا سر ظاہر ہو گیا' پھر اس شخص سے فرمایا جو پانی ڈال رہا تھا کہ پانی ڈال' اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا' اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو ہلایا' دونوں ہاتھ آگے لائے' پھر پیچھے لے گئے' اب فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ محرم نہا بھی سکتا ہے اور اپنے سر اور بدن کو مل بھی سکتا ہے بشرطیکہ بال نہ ٹوٹیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ غسل کی حالت میں بات چیت کرنی جائز ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام میں اگر اختلاف ہو تو ان میں سے اسی کا قول حجت ہے جس کی بنیاد دلیل شرعی پر ہو' خواہ کتاب اللہ ہو خواہ سنت۔

بَابُ لُبْسِ السِّلَاحِ لِلْمُحْرِمِ (ص ۲۴۹)

محرم کا ہتھیار پہننا

ت ۳۳۰- وَقَالَ عِكْرِمَةُ اِذَا خَشِيَ الْعَدُوَّ لَبِسَ السِّلَاحَ وَافْتَدٰى وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ فِي الْفِدْيَةِ۔

اور عکرمہ نے فرمایا: جب دشمن کا ڈر ہو تو ہتھیار پہن لے اور فدیہ دے' فدیے کے بارے میں ان کی متابعت نہیں کی گئی۔

ولم يتابع عليه في الفدية

امام بخاری کا قول ہے: یعنی محرم کو جب دشمن کا ڈر ہو تو ہتھیار لگا سکتا ہے۔ اس پر اتفاق ہے' امام عکرمہ نے فرمایا کہ اس پر فدیہ واجب ہے' مگر یہ کسی اور نے نہیں کہا۔

۱۰۷۵- ح: فَاَبٰى اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يَّدَعُوْهُ

[اہل مکہ کا حضور کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنا]

۱۰۷۵- عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ فَاَبٰى اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يَّدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتّٰى قَاضَاهُمْ لَا يُدْخِلُ مَكَّةَ سِلَاحًا اِلَّا فِي الْقِرَابِ۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے ذوالقعدہ میں عمرے کا ارادہ فرمایا تو اہل مکہ حضور کے مکہ میں داخل ہونے پر اس وقت تک راضی نہ ہوئے' جب تک یہ طے نہیں ہو گیا کہ مکہ میں اس صورت میں داخل ہوں گے کہ ہتھیار تھیلوں میں ہوں۔

(بخاری۔ کتاب الصلح۔ باب: کیف یکتب هذا ما صالح فلان بن فلان ص ۲۷۱' ترمذی۔ کتاب الصلح)

یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے' جو مفصل کتاب الصلح میں آئے گا۔ ''قراب'' چمڑے کا تھیلا جو اونٹ اور گھوڑے وغیرہ پر باندھ دیا جاتا ہے' جس میں سوار ہتھیار' کوڑا وغیرہ ضروری سامان رکھتا تھا۔ صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ سال آئندہ جب آئیں تو ہتھیاروں میں صرف تلوار رہے اور وہ بھی نیام میں اور نیام تھیلے میں۔

مطابقت

یہاں باب کا عنوان ہے: محرم کا ہتھیار پہننا۔ اور حدیث میں ہے کہ ہتھیار تھیلے میں رہے۔ اس سے باب اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ قید کہ تلوار نیام میں رہے اور نیام تھیلے میں' اہل مکہ نے لگائی تھی۔ اگر احرام کی حالت میں ہتھیار پہننا ممنوع ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ اس قید کی کیا ضرورت' احرام میں ہتھیار پہننا ممنوع ہے۔ ہم خود مذہبی پابندی کی وجہ سے ہتھیار نہیں پہنیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نہ فرمانا دلیل ہے کہ احرام کی حالت میں ہتھیار پہن سکتے ہیں۔

بَابُ دُخُوْلِ الْحَرَمِ وَمَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ (ص ۲۴۹)

حرم اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا

ت ۳۳۱ - وَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حَلَالًا. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے۔

اس تعلیق کو امام مالک نے موطا[1] میں اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ سے مدینہ طیبہ آ رہے تھے۔ قدید پہنچے تو یہ خبر ملی کہ مدینہ پر فتنہ پروروں نے حملہ کردیا ہے تو مکہ معظمہ بغیر احرام کے واپس ہوگئے' غالباً واقعۂ حرہ کے موقعہ پر ایسا ہوا۔

جو لوگ میقات کے اندر ہوں' وہ اگر مکہ معظمہ حج یا عمرے کے علاوہ کسی کام سے جائیں تو ان پر احرام واجب نہیں' لیکن جو لوگ میقات کے باہر ہوں اور مکہ معظمہ جانا چاہیں تو ان پر احرام واجب ہے' اگرچہ وہ حج یا عمرے کے لیے نہ جائیں حتیٰ کہ مکہ معظمہ کے باشندے بھی کسی کام سے میقات کے باہر جائیں تو واپسی پر احرام باندھنا ضروری ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قدید سے واپس ہوئے' یہ میقات کے اندر ہے۔

امام بخاری کا مذہب

یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں داخلہ کے لیے احرام اُسی پر واجب ہے جو حج یا عمرے کے قصد سے مکہ معظمہ جائے' لیکن اگر کوئی دوسرے کاموں کے لیے جانا چاہتا ہے تو اس پر احرام واجب نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ میقات پر احرام باندھنے کا حکم صرف انہیں کو فرمایا جو حج یا عمرے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ارشاد ہے: ''من اراد الحج والعمرة'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جن کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو' ان پر احرام نہیں' مگر مفہوم مخالف ہمارے نزدیک معتبر نہیں' اس لیے ان کا استدلال تام نہیں۔

۱۰۷۶ - ح: دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فتح (مکہ) کے سال داخل ہوئے اور آپ کے سر اقدس پر خود تھا]

۱۰۷۶ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کے سال داخل ہوئے اور حضور کے سر اقدس پر خود تھا' جب اس کو اتارا تو ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا: ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چپکا ہوا ہے' فرمایا: اسے قتل کردو۔

(ایضاً کتاب الجہاد' باب: قتل الاسیر صبرا وقتل الصبر ص ۴۲۷' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح

[1] جامع الاصول' ص ۲۷۱

ص ۶۱۴' کتاب اللباس۔ باب: المغفر ص ۸۶۴' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب المناسک' ابن ماجہ۔ کتاب الجہاد' دارمی۔ کتاب المناسک۔ کتاب الجہاد' موطا امام مالک۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۰۹)

مِغْفَر

"مِغْفَر"، "غَفَرَ یَغْفِرُ" سے اسم آلہ ہے' اس کے معنی ڈھانکنے کے ہیں' لوہے کی جالی دار ٹوپی جسے لڑائی کے موقع پر سر پر رکھتے ہیں' یعنی خود۔ ایک روایت میں "مِنْ حدید" بھی آیا ہے' یعنی لوہے کا خود۔

خود حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت میں آیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یوم فتح مکہ میں داخل ہوئے تو سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے[1] نیز انہیں سے ایک روایت میں ہے: "من غیر احرام"۔

تطبیق

ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ان میں کوئی تنافی نہیں' ہوسکتا ہے کہ عمامہ کے اوپر مغفر رہا ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ مغفر نیچے ہو اور عمامہ اوپر۔

ابن خطل اور وہ جن کو یوم فتح امان نہیں ملی

فتح مکہ کے موقعہ پر عام منادی تھی: جو شخص ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے' جو مسجد حرام میں آجائے اسے امان ہے' جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے' جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اسے امان ہے' مگر گیارہ مردوں اور چھ عورتوں کے بارے میں اعلانِ عام تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں' ان مردوں میں سے سات کو معافی مل گئی اور چار قتل ہوئے' عورتوں میں سے چار قتل ہوئیں اور دو کو معافی ملی' گیارہ مرد یہ ہیں:

عبدالعزیٰ بن خطل' عبداللہ بن ابوالسرح' عکرمہ بن ابوجہل' صفوان بن امیہ' حویرث بن نقید' مقیس بن صبابہ' ہبار بن اسود' کعب بن زہیر' وحشی' عبداللہ بن الزبعری شاعر' حارث بن طلاطلہ' اس میں خط کشیدہ سب مارے گئے اور ایسی چھ عورتیں یہ ہیں: ہند بنت عتبہ زوجہ حضرت ابوسفیان' جگر خوار' قریبہ' قرتنا' یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں' ارنب' یہ بھی ابن خطل کی لونڈی تھی' سارہ' بنی مطلب یا عمرو بن ہشام کی باندی تھی' یہی وہ عورت ہے جس کے ذریعہ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے پاس خط بھیجا تھا' ام سعد' ان میں سے قریبہ' ارنب' ام سعد قتل کی گئیں' اور سارہ کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ یہ بھی قتل ہوئی' اور یہ بھی روایت ہے کہ اسے بھی امان ملی' اور پھر مشرف بہ اسلام ہوئی' بقیہ کو معافی مل گئی' ان سب کا جرم اور پھر قتل یا امان ملنے کی تفصیل کتب حدیث اور سیر میں مذکور ہے۔ ابن خطل پہلے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوا' اس کا نام عبدالعزیٰ تھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اسے ایک انصاری صحابی کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ایک خادم بھی ساتھ کر دیا تھا' موقعہ پا کر اس نے انصاری کو قتل کر دیا اور ایک منزل پر خادم سے کہا کہ ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر۔ ابن خطل سو گیا اور خادم بھی سو گیا' جب ابن خطل جاگا اور دیکھا کہ خادم نے کھانا نہیں تیار کیا ہے تو اسے قتل کر دیا اور اس ڈر سے کہ اگر مدینہ واپس جاؤں گا تو قصاص میں مارا جاؤں گا' مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلا آیا اور مشرکین سے کہا: تمہارا دین ان سے اچھا ہے' تیسرا جرم یہ تھا کہ اس کی لونڈیاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۰۷۔۲۰۸)

یہ جان بچانے کے لیے کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کر رہے تھے کہ حضرت ابوبرزہ اسلمی یا سعد

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۳۹۔ کتاب الحج۔ باب: دخول مکۃ بغیر احرام

بن حویرث نے گوش گزار کیا: یارسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کے پردوں میں چپکا ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا: اس کو قتل کر دو۔ یہ سنتے ہی اسے کعبہ کے پردوں سے گھسیٹ کر زم زم اور مقام ابراہیم کے درمیان قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کی سعادت کسے حاصل ہوئی؟ اس بارے میں چار حضرات کا نام آتا ہے: حضرت زبیر بن عوام، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابو برزہ اسلمی، حضرت سعید بن حویرث، علماء نے تطبیق دینے کی بھی کوشش کی ہے۔

مطابقت باب

باب سے مطابقت یہ ہے کہ اگر حضور اقدس ﷺ احرام کی حالت میں ہوتے تو آپ کا سر کھلا رہتا، سر پر خود نہ رہتا۔ حضرت امام شافعی وغیرہ نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں اگر کوئی حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور کام سے جائے تو اس پر احرام واجب نہیں۔

ہماری گزارش ہے کہ جس طرح حضور اقدس ﷺ کو تھوڑی دیر کے لیے قتال کی اجازت ملی تھی، اسی طرح اس خاص موقع پر احرام کے بغیر مکہ معظمہ میں داخلے کی بھی اجازت تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر معاذ اللہ مکہ معظمہ پر کسی ظاہری یا باطنی کافر یا مبتدع کی حکومت قائم ہو جائے اور جنگ کے بغیر مکہ معظمہ پر تطہیر کی کوئی اور صورت نہ ہو تو اس موقعہ پر اب بھی اجازت ہونی چاہیے کہ احرام کے بغیر مجاہدین مکہ میں داخل ہوں، مگر اضطرار اور الجاء کی حالت ہے، اس سے اعتدال کی حالت پر حکم لگانا درست نہیں۔

بَابٌ اِذَا اَحْرَمَ جَاهِلًا وَّعَلَيْهِ قَمِيْصٌ (ص ۲۴۹)

جب لاعلمی میں کرتا پہنے ہوئے احرام باندھ لے

ت ۳۳۲ - وَقَالَ عَطَاءٌ اِذَا تَطَيَّبَ اَوْ لَبِسَ جَاهِلًا اَوْ نَاسِيًا فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ.

اور عطاء نے کہا: لاعلمی کی وجہ سے یا بھول کر احرام کی حالت میں خوشبو مل لے یا کپڑا پہن لے تو اس پر کفارہ نہیں۔

امام بخاری نے یہاں بھی کوئی حکم واضح نہیں فرمایا کہ اس پر فدیہ ہے یا نہیں، اور اس کے تحت حدیث ۹۱۲ لائے ہیں، جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ جعرانہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی احرام باندھے ہوئے آئے، تو حضور نے انہیں حکم دیا کہ خوشبو تین بار دھول ڈال، اور جبہ اتار دے اور عمرے میں بھی وہی کر جو حج میں کرتا ہے، اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ انہیں فدیے کا حکم دیا، اور نہ یہ مذکور ہے کہ فدیے کا حکم نہیں دیا، اس لیے اس سے باب کے کسی پہلو کا اثبات نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے حضرت امام عطاء کا قول ذکر فرمایا کہ اس پر فدیہ نہیں۔

ہمارے نزدیک احرام کے ممنوعات کا ارتکاب کرنے پر بہر صورت فدیہ ہے، خواہ لاعلمی کی بناء پر کرے یا بھول کر کرے، اور شریعت کے اصول اسی کے مقتضی ہیں۔

۱۰۷۷- ح: عَضَّ رَجُلٌ يَدَ رَجُلٍ

[ایک شخص نے ایک شخص کے ہاتھ کو (دانت) سے کاٹا]

۱۰۷۷- حَدَّثَنَا عَطَاءٌ حَدَّثَنِيْ صَفْوَانُ بْنُ يَعْلٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ وَعَضَّ رَجُلٌ يَدَ رَجُلٍ يَعْنِيْ فَانْتَزَعَ ثَنِيَّتَهٗ فَاَبْطَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صفوان بن یعلیٰ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی، ایک شخص نے دوسرے شخص کے ہاتھ کو دانت سے کاٹا تو اس نے ان کے اگلے دانت کو کھینچ لیا، نبی ﷺ نے اس پر

کچھ واجب نہیں فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: الاجیر ص ۴۱۷۔ کتاب الاجارات۔ باب: الاجیر فی الغزو ص ۳۰۱، ج ۲۔ کتاب الدیات۔ باب: اذا عض رجل ید رجل ص ۱۰۱۸، مسلم۔ کتاب قسامۃ، ترمذی۔ کتاب الدیات، نسائی۔ کتاب قسامۃ)

ہم نے جو حصہ یہاں ذکر کیا ہے وہ ایک علیحدہ حدیث ہے، اس کا باب سے کوئی علاقہ نہیں اور نہ احرام سے ہے، مگر چونکہ یہاں اس سند میں دونوں حدیثیں ساتھ ساتھ مذکور ہیں، تو ہم نے اسے لکھنا ضروری جانا، اس کی پوری تفصیل کتاب الجہاد میں یوں ہے:

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں غزوۂ تبوک میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شریک ہوا، میں ایک جوان اونٹ پر سوار تھا، اس غزوے میں شرکت میرے خیال میں میرے تمام اعمال سے زیادہ قابل وثوق ہے، میں نے ایک شخص کو اُجرت پر رکھ لیا تھا، اس نے ایک شخص سے لڑائی کی، ان میں سے ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو دانت سے کاٹا، اس نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا اگلا دانت اکھڑ گیا۔ یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور نے اسے ہدر کر دیا اور فرمایا: کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں رکھے رہتا کہ تو اسے یوں چبائے جیسے نر اونٹ چباتا ہے۔

بَابُ الْحَجِّ وَالنُّذُوْرِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ (ص ۲۴۹)

میت کی جانب سے حج اور میت کی منت پوری کرنا اور مرد عورت کی طرف سے حج کرے

۱۰۷۸- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُمِّي نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ حُجِّي عَنْهَا اَرَاَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى اُمِّكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ قَاضِيَةً اَقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: میری ماں نے حج کرنے کے لیے منت مانی تھی، پوری کیے بغیر مر گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ ارشاد فرمایا: اس کی طرف سے حج کر، بتا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو اسے ادا نہ کرتی! اللہ کا حق ادا کرو، اللہ کا حق پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: من شبه اصلاً معلوماً باصل مبین ص ۱۰۸۸، نسائی۔ کتاب الحج)

کتاب الایمان والنذور میں "امرأۃ" کے بجائے "رَجُلًا" ہے اور "اُمِّيْ" کے بجائے "اُخْتِيْ" ہے، یعنی ایک صاحب نے دریافت کیا کہ میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور مر گئی، الخ۔

مطابقت باب

یہاں باب کے دو جز ہیں: (ا) میت کی جانب سے حج کرنا، اور میت کی منت پوری کرنی۔ (۲) مرد عورت کی طرف سے حج کرے۔

حدیث کے پہلے جز کے ساتھ مطابقت تو ظاہر ہے، حضور اقدس ﷺ نے ان خاتون کو متوفی ماں کی طرف سے حج کرنے کی بھی اجازت دی اور اس کی منت پوری کرنے کی بھی، البتہ دوسرے جز کے ساتھ مطابقت ظاہر نہیں۔ محدث ابن بطال نے کہا کہ جب عورت، عورت کی طرف سے حج کر سکتی ہے تو مرد بدرجہ اولیٰ کر سکتا ہے۔

ان کی مراد غالباً یہ ہے کہ مرد کا حج بہ نسبت عورت کے کامل ہے، کیونکہ عورت کو اگر ایام حج میں حیض آ جائے تو وہ کوئی طواف نہیں کر سکتی، اس کا طواف قدوم اور طواف وداع ساقط ہے اور اگر حیض ایام نحر میں ممتد رہا تو ان دنوں میں طواف زیارت بھی نہیں کر سکتی

طہارت کے بعد ایام نحر گزرنے پر کرے گی‘ اور ظاہر ہے جب عورت مساوی درجہ میں رہتے ہوئے کرسکتی ہے تو مرد جب کہ اس سے کامل ہے تو بہ درجہ اولیٰ کرسکتا ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ کتاب النذور کی روایت میں ہے کہ ایک مرد کو اپنی بہن کی طرف سے حج کی اجازت ملی‘ اس روایت سے مطابقت ہوتی ہے‘ یعنی اس حدیث کے ایک طریقے سے پہلے جز کو اور دوسرے طریقے کو دوسرے جز سے مطابقت ہے‘ اس پر علامہ عینی نے حسب عادت تعقب فرمایا کہ باب کو اس حدیث سے مطابقت ہونی چاہیے جو اس کے ضمن میں مذکور ہے‘ دوسرے باب میں مذکور حدیث سے مطابقت ہو بھی تو کیا مفید‘ لیکن یہ تعقب اس وقت صحیح ہوتا‘ جب کہ امام بخاری نے یہیں ایسا کیا ہوتا‘ کتنے ابواب ایسے ہیں کہ باب کے تحت جو حدیث لائے ہیں‘ اس سے مطابقت نہیں ہوتی‘ مگر وہی حدیث دوسرے ابواب میں دوسرے طریقے سے جن الفاظ کے ساتھ مروی ہے‘ ان سے مطابقت ہوتی ہے‘ مثلاً بخاری‘ کتاب العلم‘ صفحہ ۱۸ میں باب قائم فرمایا: ایسی حالت میں فتویٰ پوچھنا کہ عالم یا امام جانور پر سوار ہو اور وہ کھڑا ہو۔

اس کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہ وہ حدیث لائے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں (ایک جگہ) منیٰ میں رکے تا کہ لوگ پوچھیں‘ اس میں دابہ ناقہ کا لفظ نہیں‘ مگر یہی حدیث ''المناسک''[1] میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناقہ پر سوار ہونے کی حالت میں ٹھہرے۔ یہی طرز یہاں بھی ہے۔

اقول وبالله التوفيق: ان پُر پیچ راہوں سے ہٹ کر مطابقت یہ ہے کہ ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ حضرت امام بخاری کبھی کبھی حدیث سے بہ طریق لزوم دلالۃ النص یا اقتضاء النص سے جو مسئلہ ثابت ہوتا ہے‘ اس کے مطابق باب قائم فرماتے ہیں‘ یہاں بہ طور لزوم اقتضاء النص یہ ثابت ہوا کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے‘ جبکہ دوسرا اس پر قادر نہ ہو‘ اس میں اتحاد نوع کی قید لگانی بلا دلیل ہے‘ اس لیے یہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور اطلاق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جیسے عورت‘ عورت کی طرف سے حج کرسکتی ہے‘ مرد کی طرف سے بھی کرسکتی ہے‘ اور اسی طرح مرد عورت کی طرف سے بھی حج کرسکتا ہے اور مرد کی بھی طرف سے۔

حج بدل

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص معذور ہے کہ خود حج نہیں کرسکتا‘ تو اس کی طرف سے دوسرا شخص حج بدل کرسکتا ہے‘ خواہ اس دوسرے پر حج فرض ہوا ہو خواہ نہ ہوا ہو‘ اسی طرح میت کی جانب سے بھی حج بدل کرسکتا ہے‘ خواہ میت پر حج فرض ہوا ہو یا نہ ہوا ہو‘ فرض ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کو استطاعت تھی مگر سستی یا کسی وجہ سے حج نہ کرسکا‘ دوسرے یہ کہ اس نے حج کرنے کی منت مانی تھی مگر پوری کرنے سے پہلے مر گیا‘ دونوں صورتوں میں اس کی طرف سے حج بدل ہوسکتا ہے‘ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجا جائے جو حج فرض ادا کر چکا ہو۔ ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنا جس کے ذمے حج فرض ہو‘ مکروہ ہے۔ آمر کے لیے تنزیہی اور حج کرنے والے کے لیے مکروہ تحریمی اور گناہ۔ (ردالمحتار۔ ج ۲ ص ۲۴۱‘ نعمانیہ)

لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے حج بدل نہ کرائے‘ جس کے ذمے حج فرض ہو‘ علماء نے اسے ممنوع لکھا ہے‘ اگر چہ صحیح اور مختار یہ ہے کہ ممنوع نہیں‘ مگر اختلاف علماء سے بچنا افضل ہے‘ دونوں صورتوں میں حج بدل ہو جائے گا‘ حج بدل کے شرائط اور تفصیلی احکام فتاویٰ رضویہ ج ۴ اور بہار شریعت۔ حصہ ۶‘ میں ملاحظہ کریں۔

بَابُ حَجِّ الصِّبْيَانِ (ص ۲۵۰) بچوں کا حج

---

[1] بخاری‘ باب: الفتيا على الدابة عند الجمرة

۱۰۷۹ - اَخْبَرَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَۃَ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ اَقْبَلْتُ وَقَدْ نَاھَزْتُ الْحُلُمَ اَسِیْرُ عَلٰی اَتَانٍ لِیْ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ بِمِنًی حَتّٰی سِرْتُ بَیْنَ یَدَیْ بَعْضِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ نَزَلْتُ عَنْھَا فَرَتَعَتْ فَصَفَفْتُ مَعَ النَّاسِ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ بِمِنًی فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر سامنے سے آیا' میں اس وقت بالغ ہونے کے قریب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے' میں صف اوّل کے بعض حصوں کے آگے سے گزرا' پھر سواری سے اترا' وہ چرنے لگی' میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف میں شامل ہو گیا اور یہ منٰی میں حجۃ الوداع میں ہوا تھا۔

(بخاری۔ کتاب العلم۔ باب: متی یصح سماع الصغیر ص ۱۷' کتاب الصلوٰۃ۔ باب: سترة الامام سترة من خلفه ص ۷۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجة الوداع ص ۶۳۳' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہ حدیث بخاری' جلد ثانی' کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے' یہاں صرف اس وجہ سے لکھا کہ اخیر میں جو تعلیق ہے' اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا تھا' اگرچہ اصل حدیث سے یہ خود ظاہر ہے' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت صرف ایک ہی حج فرمایا' اور اسی میں حضرت ابن عباس کی شرکت ممکن ہے' کیونکہ قبل ہجرت جو حج فرمایا' اس میں حضرت ابن عباس ابھی گود میں تھے' اس لیے کہ ان کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب میں ہوئی تھی' مگر یہاں تعلیق میں تصریح ہے' اس لیے اس کو ذکر کیا' اس تعلیق کو خود امام بخاری نے مغازی میں سند متصل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نابالغ بچوں کا حج صحیح ہے' نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے' کیونکہ کتاب العلم اور کتاب الصلوٰۃ کی روایت میں یہ زائد ہے کہ کسی نے اس پر مجھے کچھ نہیں کہا۔

۱۰۸۰ - ح: حُجَّ بِیْ وَاَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِیْنَ

[مجھے حج کرایا گیا اور میں سات سال کا تھا]

۱۰۸۰ - عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ حُجَّ بِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِیْنَ.

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے حج کرایا گیا' اور میں سات سال کا تھا۔

(ترمذی۔ کتاب الحج)

۱۰۸۱ - ح: قَدْ حُجَّ بِہٖ فِیْ ثَقَلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

[انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کے ساتھ حج کرایا گیا]

۱۰۸۱ - سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِیْزِ یَقُوْلُ لِلسَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ وَکَانَ السَّائِبُ قَدْ حُجَّ بِہٖ فِیْ ثَقَلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے' اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کے ساتھ حج کرایا گیا تھا۔

یقول

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے کیا کہا' مذکور نہیں اور نہ یہ مذکور ہے کہ انہوں نے کیا جواب دیا: ''وکان السائب الخ'' اس حدیث کے راوی جعید بن عبدالرحمٰن کا مقولہ ہے۔

حُجَّ بِهٖ

ترمذی میں ہے کہ میرے والد نے مجھے حج کرایا تھا اور امام ابن سعد نے روایت کی کہ میری ماں نے، تطبیق یہ ہے کہ دونوں لے گئے تھے۔

فِیْ ثَقَلٍ

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے ہم راہ جو چھوٹے بچے تھے، وہ سامان کے ساتھ رہتے تھے، یہ بھی انہیں میں تھے۔

بچوں کا حج

نابالغ بچہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کا حج صحیح ہے، اگر سمجھ دار ہو تو خود احرام باندھے اور تلبیہ پڑھے اور اگر ناسمجھ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے تلبیہ پڑھے اور اس کے سلے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کا کپڑا پہنائے، مگر نابالغ کا حج، حج فرض کے قائم مقام نہ ہوگا، بعد بلوغ اگر اس پر حج فرض ہو جائے تو اسے پھر کرنا پڑے گا۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رَوحا میں نبی ﷺ نے کچھ سواروں سے ملاقات کی تو پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم لوگ مسلمان ہیں، پھر انہوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں رسول اللہ ہوں، اب ایک عورت نے ایک بچے کو اُٹھا کر پوچھا: کیا اس کے لیے حج ہے؟ فرمایا: ہاں ہے! اور تیرے لیے اجر ہے۔[1] ترمذی[2] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل مروی ہے، توضیح[3] میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان ذریات کی طرف سے حج کرو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کے ایک بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر حج کرایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بچوں کے سلے ہوئے کپڑے اتار دیتے اور مواقف میں وقوف کراتے، اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایسا ہی کرتی تھیں۔

بَابُ حَجِّ النِّسَآءِ (ص۲۵۰) — عورتوں کا حج

۱۰۸۲- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ اَذِنَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِاَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

ابراہیم بن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج میں ازواجِ مطہرات کو حج کی اجازت دی اور ان کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔

حدثنا

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، اس حدیث کے راوی ہیں۔ امام بخاری نے ''عن ابیہ عن جدہ'' فرمایا۔ ''ابیہ'' کی ضمیر کا مرجع تو طے ہے کہ ابراہیم بن سعد ہیں، ''جدہٖ'' کے مرجع میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ''ابیہ'' کی طرف لوٹے، دوسرے یہ کہ ابراہیم بن سعد کی طرف لوٹے، پہلی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ ابراہیم بن سعد نے اپنے والد (سعد) سے اور سعد اپنے دادا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے راوی ہیں، اس کی تائید امام واقدی کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں ''عن جدہٖ'' کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف مذکور ہے اور ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ''ارسلنی عمر رضی اللہ عنہ'' دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ سعد بن

---

[1] مسلم- ج ۱ ص ۴۳۱- کتاب الحج- باب: صحۃ حج الصبی

[2] ترمذی- ج ۱ ص ۱۱۲- کتاب الحج، باب: حج الصبی [3] عمدۃ القاری- ج ۱۰ ص ۲۱۸

ابراہیم ابراہیم بن سعد کے دادا یعنی اپنے والد ابراہیم بن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں' علامہ ابن حجر نے اسے ظاہر بتایا۔

اقول: پہلی وجہ کی ترجیح دو وجہ سے ہے' اوّل قرب مرجع' ثانی روایت سے اس کی تائید' اور ثانی کی ترجیح اس بناء پر ہوگی کہ انتشار مرجع نہ لازم آئے اور دونوں ضمیروں کے مرجع متحد ہوں۔

ازواجِ مطہرات کا حج

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات کو حج کرنے سے روک دیا تھا' تمام ازواجِ مطہرات نے حجۃ الوداع کے موقع پر حج کرلیا تھا' احرام کی حالت میں عورت کو چہرہ کھولے رکھنا واجب ہے' چھپانا منع ہے' پھر بھیڑ بھی ہوتی ہے' طواف میں مردوں کے ساتھ اختلاط اور جسموں کے مَس ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے' اس لیے ازواجِ مطہرات کے تقدس وعظمت کا لحاظ فرماتے ہوئے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ حج کو نہ جائیں' لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ حج جیسی عظیم عبادت سے انہیں محروم رکھنا مناسب نہیں تو اجازت دے دی' اور ان کے ساتھ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما جیسے مرتاض ومعتمد کو کردیا کہ وہ ان کی عظمت وتقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں حج کرالائیں۔

ان دونوں حضرات نے اس کا پورا پورا لحاظ فرمایا' عوام میں منادی کرادی کہ کوئی ان پردگیان حرم کے قریب نہ جائے' اور کوئی ان کی طرف آنکھ نہ اُٹھائے' ان کی قیام گاہ الگ رکھتے' یہ لوگ علیحدہ ٹھہرتے' یہ حضرات بھی ان میں سے کسی کے پاس نہیں بیٹھتے تھے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۰۔ ۲۱۹ بحوالہ بیہقی)

ایک شبہہ کا ازالہ

کسی بھی عورت کو مدت مسافرت کا سفر شوہر اور محرم کے بغیر جائز نہیں' احادیث اس بارے میں متعدد ہیں اور ان دونوں حضرات میں سے کوئی بھی ازواجِ مطہرات کا محرم نہیں تھا' جواب یہ ہے کہ بہ نص قرآنی ازواجِ مطہرات تمام مؤمنین کی مائیں ہیں' ارشاد ہے:

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ. (الاحزاب:٦)

نبی کی بیبیاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

کسی سے ان کا نکاح صحیح نہیں' اس لیے یہ دونوں حضرات ازواجِ مطہرات کے محرم ہوئے' کیونکہ محرم کی تعریف یہی ہے کہ جس سے کسی حرمت کے موجب سبب مباح کی وجہ سے ہمیشہ نکاح حرام ہو۔

لطیفہ

حکام رازی نے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: کیا عورت بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہے؟ فرمایا: نہیں! کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت شوہر یا محرم کے بغیر تین دن یا اس سے زیادہ سے سفر نہ کرے۔ اب حکام رازی نے محمد بن عبیداللہ عرزمی سے پوچھا' تو انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ بغیر محرم کے سفر کرتی تھیں۔ اب حکام رازی نے حضرت امام کی خدمت میں یہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا: کیا عرزمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہر مسلمان حضرت اُم المؤمنین کا محرم ہے' جس کے ساتھ چاہیں سفر کریں۔

۱۰۸۳- ح: فَلَا أَدَعُ الْحَجَّ بَعْدَ إِذْ سَمِعْتُ هٰذَا

[(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) یہ سننے کے بعد حج نہیں چھوڑوں گی]

۱۰۸۳- عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَلَا اَدَعُ الْحَجَّ بَعْدَ اِذْ سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عائشہ بنت طلحہ سے روایت ہے اس پر اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سننے کے بعد میں حج نہیں چھوڑوں گی۔

کتاب المناسک میں گزری ہوئی حدیث: ۹۰۱ کا یہ تتمہ ہے جس کا مضمون یہ ہے: اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضور کے ساتھ رہ کر ہم بھی غزوہ اور جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: تم عورتوں کے لیے سب سے اچھا اور عمدہ جہاد حج ہے، حج مبرور۔

۱۰۸۴- ح: لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَةُ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ

[عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے]

۱۰۸۴- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَةُ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ وَّلَا يَدْخُلْ عَلَيْهَا رَجُلٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُرِيْدُ اَنْ اَخْرُجَ فِیْ جَيْشِ كَذَا وَكَذَا وَامْرَاَتِیْ تُرِيْدُ الْحَجَّ فَقَالَ اُخْرُجْ مَعَهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور اس کے پاس کوئی مرد نہ جائے، مگر اس وقت جبکہ اس کے ساتھ محرم ہو، اس پر ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں فلاں فلاں لشکر میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ جا!

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: من اکتتب فی جیش فخرجت امرأته حاجة ص ۴۲۱، ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: لا یخلون رجل بامرأة الا ذو محرم ص ۷۸۷، مسلم۔ کتاب الحج، نسائی۔ کتاب الایمان والنذور)

کتاب الجہاد اور نکاح میں یہ ہے کہ ان صاحب نے یہ عرض کیا تھا کہ فلاں فلاں غزوے میں میرا نام لکھ دیا گیا ہے اور اخیر میں ہے کہ جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

کتاب النکاح میں سفر کی ممانعت والا حصہ نہیں، اس حدیث میں مطلقاً سفر کی ممانعت ہے، مگر کتاب تقصیر الصلوٰۃ[1] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں تین دن کی مسافت کی قید ہے۔ نزہۃ القاری، ج ۲ ص ۵۳۵۔ ۵۳۸، رقم: ۶۵۶ پر ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ مسافت بانوے کلومیٹر ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حج کا بھی سفر محرم یا شوہر کے بغیر عورت کو جائز نہیں، اگر جائے گی تو شوہر یا محرم کے بغیر سفر کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگی، مگر حج ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ نَّذَرَ الْمَشْیَ اِلَى الْكَعْبَةِ (ص ۲۵۱) جس نے پیدل کعبہ جانے کی منت مانی

۱۰۸۵- عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی شَيْخًا يُّهَادٰی بَيْنَ ابْنَيْهِ قَالَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا نَذَرَ اَنْ يَّمْشِیَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهٗ لَغَنِیٌّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّرْكَبَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے ان کے درمیان چل رہا ہے، فرمایا: اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا: اس نے منت مانی ہے کہ پیدل چلے گا، فرمایا: اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنے آپ کو عذاب دے اور اسے حکم دیا کہ سوار ہو جائے۔

[1] بخاری، ج ۱ ص ۱۴۷۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: النذور فیما لا یملك وفی معصیة ص۹۹۱ مسلم۔ کتاب النذور ابوداؤد ترمذی نسائی۔ کتاب الایمان والنذور)

اس حدیث کی سند یہ ہے: "حدثنا ابن سلام قال اخبرنا الفزاری عن حمیدن الطویل قال حدثنی ثابت عن انس رضی اللّٰہ عنہ" اس میں "الفزاری" آیا ہے فزاری دو ہیں ابواسحٰق فزاری اور مروان بن معاویہ فزاری۔ ابن حزم نے کہا کہ دونوں امام اور ثقہ ہیں دونوں مراد ہو سکتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مروان بن معاویہ ہیں جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور اصحاب اطراف اور مستخرجات مثلاً خلف ابونعیم اور طرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے حمید الطویل اور حضرت انس کے مابین ثابت بنانی ہیں لیکن امام ترمذی اور نسائی نے بعض ایسے طرق سے روایت کیا ہے جس میں حمید الطویل نے براہِ راست حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث روایت کی ہے اس بارے میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حمید الطویل کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اکثر روایتیں بواسطہ ہیں مگر کچھ روایتیں بلاواسطہ بھی ہیں خود امام بخاری نے ایسی روایتیں ذکر کی ہیں حمید الطویل کا سماع براہِ راست حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

احکام

جس نے منت مانی کہ پیدل حج کرے گا اور پیدل چلنے سے عاجز ہو گیا تو وہ سواری پر حج کے لیے جائے اب اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟ اصحاب ظواہر نے اس حدیث اور اس کے بعد والی حدیث کے ظاہر کو سامنے رکھ کر کہا کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں مگر امام اعظم اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر عاجز ہونے کی وجہ سے سوار ہوا تو بھی اس پر کفارہ ہے ایک بکری کی حرم میں قربانی کرے۔ امام اعظم نے فرمایا: اگر عاجز نہیں اور سوار ہوا تو بھی اس پر دم ہے اور دونوں صورتوں میں قسم توڑنے کا کفارہ بھی۔ ان حضرات کی دلیل حضرت علی و ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہ ارشاد ہے کہ فرمایا: جس نے بیت اللہ پیدل جانے کی منت مانی اور اس سے عاجز ہو گیا تو جتنا پیدل چل سکے چلے اور جب عاجز آ جائے تو سوار ہو اور بکری کی قربانی دے۔

نیز حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فلترکب ولیهد بدنة" اور ایک روایت میں ہے: "ولتهد هدیا"[1] اور ایک روایت میں ہے: "ولتصم ثلاثة ایام" اور تین روزے رکھے۔[2] یہ روزے قسم توڑنے کا کفارہ ہیں۔

۱۰۸۶- ح: نَذَرَتْ اُخْتِيْ اَنْ تَمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ

[میری بہن نے بیت اللہ پیدل جانے کی منت مانی]

۱۰۸۶- عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَذَرَتْ اُخْتِيْ اَنْ تَمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اَسْتَفْتِيَ لَهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُهُ فَقَالَ لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری بہن نے بیت اللہ پیدل جانے کی منت مانی اور مجھ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔

(مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی۔ کتاب الایمان والنذور ابن ماجہ۔ کتاب کفارات داری۔ کتاب النذور مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۵۲)

حضرت عقبہ بن عامر کی ان ہمشیرہ کا نام اُم حبان بنت عامر الانصاریہ تھا ہو سکتا ہے ان کی ماں انصاریہ رہی ہوں گی اس لیے ان

[1] مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۳۹۔ ۲۵۲

[2] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۴۵ شرح معانی الآثار۔ ج ۲ ص ۷۵۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: الرجل یعجب علی نفسه المشی الی بیت اللہ

کو انصاریہ کہا گیا۔ امام احمد اور اصحاب سنن کی روایت میں ہے کہ یہ بھی منت تھی کہ ننگے پاؤں، ننگے سر جائے گی۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اوڑھنی اوڑھے اور سوار ہو۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ بھاری بدن کی تھیں، پیدل چلنا دشوار تھا۔ ابوداؤد میں ایک روایت میں ہے: "فلتختم ولترکب ولتصم ثلاثة ایام" دوسری روایت میں ہے: "فلتحج راکبة ولتكفر یمینها" ایک اور روایت میں ہے: "ان ترکب وتهدی بدنة" ان سب روایتوں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ نے اُم حبان کو قسم کے کفارے کا بھی حکم دیا اور دم کا بھی۔

مولانا انور صاحب پر تعقب

فیض الباری ثالث ص ۱۴۱، پر اس مسئلہ کے تحت ہے:

وذكر الطحاوی ان علیه الهدی لترك المشی والكفارة للحنث واستدل علیه بالروایة لم یذكره غیره.	اور طحاوی نے ذکر کیا کہ اس پر نہ چلنے کی وجہ سے ہدی ہے اور قسم توڑنے کی وجہ سے کفارہ، اور اس پر روایت سے استدلال کیا، مگر اسے ان کے علاوہ اور کسی نے نہیں ذکر کیا۔

اقول: اتنی اونچی دوکان سے ایسا پکوان، ابھی ہم بتا آئے کہ ہدی اور کفارے دونوں کی حدیثیں حضرت امام طحاوی کے علاوہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شاہ صاحب موصوف کا یہ ارشاد کس کھاتے میں درج کیا جائے؟ غیر مقلدیت کی حمایت کے یا حقیقت کے ساتھ نادان دوستی کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹- [کِتَابُ] فَضَائِلِ الْمَدِيْنَةِ

[مدینہ منورہ کے فضائل]

بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ (ص۲۵۱) مدینہ کا حرم ہونا

مدینہ کب آباد ہوا؟

مدینہ کے لغوی معنی بڑی آبادی کے ہیں، جسے اردو میں شہر کہا جاتا ہے، لیکن جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مدینۃ الرسول مراد ہوتا ہے، جیسے مطلق البیت سے کعبہ اور النجم سے ثریا، مدینہ طیبہ کا نام پہلے یثرب تھا، قرآن مجید میں منافقین کا قول منقول ہے:

يَآأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا. اے یثرب والو! یہ تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں، چلو لوٹ چلو۔ (الاحزاب: ۱۳)

یثرب حقیقت میں اس میدان کا نام ہے جس کے ایک حصے میں مدینہ طیبہ آباد ہے۔ ابوعبید بکری نے کہا کہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں یثرب بن قانیہ کوئی گزرا ہے، جو سب سے پہلے یہاں آباد ہوا تھا، اس کے نام پر ہے۔ ہشام کلبی نے کہا: جب قوم عاد کو اللہ عزوجل نے ہلاک کر دیا اور وہ منتشر ہو گئے تو کچھ مکہ معظمہ آئے، کچھ طائف میں آئے اور یثرب میں ہذیل بن ارم مدینہ طیبہ آ کر بسا، اسی کے نام پر اسے یثرب کہا جانے لگا، پھر یہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔

تبع اکبر کا جب اس سرزمین پر گزر ہوا اور اسے یہ بشارت دی گئی کہ یہاں نبی آخر الزماں ہجرت کر کے تشریف لائیں گے تو وہ وہاں اُترا اور وادیٔ قناۃ میں ایک کنواں کھدوایا جو علامہ عینی کے عہد تک بئر ملک کے نام سے مشہور تھا، اس نے اسے بسایا اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا وہ مکان جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیام پذیر تھے، بنوایا اور حضور کے نام ایک عریضہ بھی لکھا، اُس وقت سے یہ شہر آباد رہا، پھر سد مآرب کی بربادی کے بعد اوس و خزرج یہاں آ کر بس گئے، جن کی اولاد کی قسمت میں انصار ہونا لکھا تھا۔

یثرب کہنا منع ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر اس کا نام طیبہ طابہ رکھا، اس لیے کہ یثرب کے معنی فساد کے ہیں، امام احمد اپنی مسند میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مدینہ کو یثرب کہے، وہ اللہ سے استغفار کرے، یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے۔ نیز امام احمد نے اپنی مسند اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے[1] خطیب نے اپنی تاریخ میں انہیں رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

[1] مسلم۔ ج۱ ص۴۴۵۔ کتاب الحج۔ باب: المدینۃ تنفی خبثہا

نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طیبہ رکھوں۔ اصحاب سنن اربعہ اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس بستی میں ہجرت کا حکم ہوا ہے' جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی' یثرب' اور وہ مدینہ ہے۔

(بخاری۔ ج۱ کتاب فضائل المدینہ ص ۲۵۲' مسلم۔ ج۱۔ کتاب الحج۔ باب: المدينة تنفي خبثها ص ۴۴۴)

علامہ عبدالرؤف مناوی نے پہلی حدیث کی شرح میں فرمایا:

لما وقع فيه من الاثم لان اليثرب الفساد لايليق بها ذالك فتسميتها بذالك حرام لان الاستغفار انما هو عن خطيئة اھ وقال الشيخ تسميتها بذالك مكروه تنزيها.

کیونکہ مدینہ کو یثرب کہنے میں گناہ ہے' اس لیے کہ یثرب فساد کو کہتے ہیں اور یہ مدینہ کے لائق نہیں' لہٰذا اسے یثرب کہنا حرام ہے' کیونکہ استغفار گناہ ہی پر ہے اور شیخ نے فرمایا: اسے یثرب کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(سراج منیر شرح جامع صغیر۔ ج ۳ ص ۳۳۸)

لسان العرب[1] میں ہے:

وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه نهى ان يقال للمدينة يثرب وسماها طيبة كانه كره الثرب لانه فساد فى كلام العرب قال ابن الاثير' يثرب اسم مدينة النبى صلى الله عليه وسلم قديمة فغيرها وسماها طيبة وطابة كراهية التثريب وهو اللوم والتعيير.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا اور اس کا نام طیبہ رکھا' حضور نے اسے ناپسند فرمایا' کیونکہ کلامِ عرب میں ثَرْبٌ کے معنی فساد کے ہیں۔ اور ابن اثیر نے کہا: یثرب مدينة النبى صلی اللہ علیہ وسلم کا پرانا نام ہے۔ حضور نے بدل کر ''طیبہ'' اور ''طابہ'' رکھا۔ یثرب کو ناپسند فرمایا' جس کے معنی ملامت کرنا اور عار دلانا ہے۔

(عمدۃ القاری۔ ج۱۰ ص ۲۳۵' بحوالہ عمر بن شبیہ عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بُرے نام یعنی جن کے معنی بُرے ہوں' ناپسند فرماتے اور اسے بدل کر اچھے نام رکھتے تھے۔

مدینہ حرم ہے یا نہیں؟

ہمارے نزدیک مدینہ طیبہ اس معنی میں حرم نہیں کہ اس کے جانوروں کے شکار کرنے' اس کے درختوں کے کاٹنے' گھاس صاف کرنے پر دم واجب ہو' جن احادیث میں ایسا حکم وارد ہے' وہ مؤوّل ہیں' مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی زیب و زینت باقی رکھنے کے لیے فرمایا کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں' میدان صاف نہ کیے جائیں۔

ہمارے دلائل

امام بخاری[2] نے' امام مسلم[3] نے اپنی صحیح میں' امام ابوداؤد[4] نے سنن میں اور امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں' امام ابن ماجہ نے اپنی سنن[5] میں' امام بزار نے اپنی مسند میں' امام ابوجعفر طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ کہتے ہیں کہ اُم سلیم کے ایک دودھ

[1] لسان العرب۔ ج۱ ص ۲۳۵

[2] بخاری۔ ج ۲ ص ۹۰۵۔ کتاب الادب۔ باب: الانبساط الى الناس' ص ۹۱۵۔ باب: الكنية للصبى

[3] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۱۰۔ کتاب الادب۔ باب: كنية من لم يولد

[4] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۳۲۳۔ کتاب الادب۔ باب: الرجل يتكنى وليس له ولد

[5] سنن ابن ماجہ۔ ص ۲۷۲۔ کتاب الادب۔ باب: الرجل يتكنى قبل ان يولد له

بیٹے صاحبزادے تھے جن کو ابوعمیر کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اُن سے خوش طبعی اور ہنسانے والی باتیں کرتے تھے اور ان کی ایک چھوٹی چڑیا تھی جس کو نُغیر کہتے تھے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس گئے تو دیکھا کہ ابوعمیر مغموم ہیں، دریافت فرمایا: ابوعمیر کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اس کی نُغیر مر گئی ہے، اب حضور نے فرمایا: اے ابوعمیر! نُغیر کیا ہوئی؟

اگر مدینہ طیبہ کے جنگلی جانوروں کا شکار ممنوع ہوتا تو حضرت ابوطلحہ کے گھر یہ چڑیا کیسے رہ پاتی اور حضور اقدس ﷺ اسے پسند فرماتے۔

نیز امام احمد نے اپنی مسند[1] میں اور امام طحاوی نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی آل کا ایک وحشی جانور تھا، جب حضور باہر تشریف لے جاتے، کھیلتا، دوڑتا، آگے آتا، پیچھے جاتا اور جب یہ جان لیتا کہ رسول اللہ ﷺ اندر آ گئے ہیں تو چپ چاپ گھٹنے توڑ کر بیٹھ جاتا کہ کہیں حضور کو اذیت نہ ہو۔

اگر مدینہ کے حرم ہونے کا وہ مطلب ہوتا جو مکہ معظمہ کے حرم ہونے کا ہے، تو یہ کیسے جائز ہوتا کہ ایک جنگلی جانور کو اس طرح رکھا جاتا کہ اسے اندر کر کے دروازہ بند کر لیا جاتا۔

۱۰۸۷- ح: اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِّنْ كَذَا اِلٰى كَذَا

[مدینہ یہاں سے وہاں تک حرم ہے]

۱۰۸۷- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِّنْ كَذَا اِلٰى كَذَا لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا وَلَا يُحْدَثُ فِيْهَا حَدَثٌ مَّنْ اَحْدَثَ حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: اثم من آوی محدثا ص ۱۰۸۶، مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: مدینہ یہاں سے وہاں تک حرم ہے، اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور اس میں کوئی بدعت پیدا نہ کی جائے، جو اس میں کوئی بدعت پیدا کرے گا تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

من احدث

کتاب الاعتصام کی روایت میں ہے: "من اوی محدثا" حدث کے معنی نئی بات، نئی چیز ایجاد کرنے کے ہیں اور یہاں وہ نئی چیز ایجاد کرنا مراد ہے جو کتاب و سنت کے مخالف ہو۔ علامہ عینی نے فرمایا:

ای لا یعمل فیها عمل مخالف للکتاب و السنة. یعنی اس میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو کتاب اور سنت کے مخالف ہو۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۱۲۸)

کتاب و سنت کے مخالف ہونے کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ ایک حکم کتاب و سنت میں مذکور ہے، اسے چھوڑ کر اس کی ضد پر عمل کیا جائے، جیسے اذان خطبہ، عہد رسالت اور صحابہ میں مسجد کے باہر ہوتی تھی، اس کو مسجد کے اندر دلانا، اور اگر کوئی چیز قرآن و حدیث میں مذکور نہ ہو، اسے کرنا۔ قرآن و حدیث کے مخالف پر عمل کرنا نہیں، مخالفت دو متقابل چیزوں کو چاہتی ہے۔ جب قرآن و حدیث میں اس کے بارے میں کچھ مذکور ہی نہیں تو وہ قرآن و حدیث کے مخالف کبھی نہیں ہوگی، اسی لیے حدیث صحیح میں فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فله اجرها جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، اسے ایجاد

[1] مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۱۱۲

واجر من عمل بها بعده من غير ان ينقص من اجورهم شئ. کرنے کا ثواب ہوگا' اور اس کے بعد جتنے لوگ عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے گا' بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الحث علی الصدقة ص ۳۲۷' ج ۲۔ کتاب العلم۔ باب: من سن فی الاسلام سنة حسنة ص ۳۴۱' نسائی۔ کتاب الزکوۃ' باب: التحريض على الصدقة ص ۳۵۶' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۵۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سے ایسے اچھے اعمال ہیں جو قرآن و حدیث میں صراحۃً مذکور نہیں اور نہ عہد رسالت و صحابہ میں ان پر عمل ہوتا تھا' بالکل نو ایجاد ہیں' مگر وہ اچھے ہیں' ان کی ایجاد میں بھی ثواب ہے اور عمل پر بھی' اس لیے "حدثا" کے یہ معنی بتانا کہ جو قرآن و حدیث میں مذکور نہ ہوں' حدیث کی تحریف معنوی ہے۔

یہاں یہ ہے کہ جس نے مدینہ میں کوئی بدعت ایجاد کی اور کتاب الاعتصام میں بہ طریق موسیٰ بن انس "او اوی محدثا" آیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ گمراہ بددین' فساق کو پناہ دینی' ان کی مدد کرنی' ان کی رسی میں گرفتار ہونا ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فرمایا:

إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ. (النساء: ۱۴۰) اب تم انہیں کی مثل ہو۔

۱۰۸۸- ح: حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ عَلَى لِسَانِي [میرے کہنے پر مدینہ کے دونوں سنگستانوں کے درمیانی حصہ کو حرم بنایا گیا]

۱۰۸۸- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ عَلَى لِسَانِي قَالَ وَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي حَارِثَةَ فَقَالَ أَرَاكُمْ يَا بَنِي حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ بَلْ أَنْتُمْ فِيهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری زبان پر مدینہ کے دونوں سنگستانوں کے درمیان کا حصہ حرم بنا دیا گیا' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی حارثہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے بنی حارثہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ حرم سے باہر ہو' پھر حضور نے ان کے جائے وقوعہ کو غور سے دیکھا تو فرمایا: نہیں! تم لوگ حرم کے اندر ہو۔

(مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۸۶)

"لابتان"' "لابة" کا تثنیہ ہے' "لابة" اس زمین کو کہتے ہیں جس پر سیاہ پتھر پھیلے ہوں' اسے حرۃ بھی کہتے ہیں' مدینہ طیبہ دو سنگستانوں کے درمیان ہے: شرقی اور غربی۔

بنی حارثہ

بنی حارثہ اوس کی ایک شاخ ہے' یہ سید الشہداء حضرت حمزہ کے مشہد کے مغرب میں حرہ کے کنارے بلند ٹیلے پر رہتے تھے۔ پہلے یہ خیال ہوا کہ حرم سے باہر ہوں' مگر پھر حدودِ حرم پر غور فرمایا اور ملاحظہ فرمایا کہ اندرونِ حرم ہیں' تو وہ ارشاد فرمایا کہ تم حرم کے اندر ہو۔

۱۰۸۹- ح: مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيفَةُ [ہمارے پاس اللہ کی عطا فرمودہ کتاب اور اس صحیفہ کے سوا کچھ نہیں]

۱۰۸۹- عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ ابراہیم تیمی اپنے والد یزید بن شریک سے روایت کرتے ہیں

اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيفَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَائِرٍ إِلٰى كَذَا مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّقَالَ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّمَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ.

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ اس صحیفے کے سوا کچھ نہیں' اس میں یہ ہے عائر سے یہاں تک مدینہ کو حرم بنایا گیا' جو اس میں بدعت پیدا کرے یا بدعتی کو پناہ دے' اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے' نہ اس کا فرض قبول کیا جائے گا نہ نفل' اور فرمایا: سب مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے' جو کسی مسلمان کے ذمے کو توڑے' اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے' نہ اس کا فرض قبول کیا جائے گا' نہ نفل' جو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کسی سے موالات کرے' اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے' نہ اس کا فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل۔

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَدْلٌ فِدَاءٌ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: عدل کے معنی فدیہ ہے۔

(ایضاً۔ کتاب الجہاد۔ باب: ذمة المسلمين وجوارهم واحد ص ۴۵۰' باب: اثم من عاهد ثم غدر ص ۴۵۱' ج ۲' کتاب الفرائض۔ باب اثم من تبرأ من مواليه ص ۱۰۰۰' کتاب الاعتصام۔ باب: ما يكره من التعمق والتنازع ص ۱۰۸۴' مسلم۔ کتاب الحج۔ کتاب العتق۔ کتاب الاضاحی' ابوداؤد۔ کتاب المناسک۔ کتاب الدیات' ترمذی۔ کتاب ولاء' نسائی۔ کتاب الضحایا۔ کتاب القسامۃ' مسند امام احمد۔ ص ۸۱)

تکمیل

یہ حدیث نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۳۷۶' رقم: ۸۱ پر ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکی' وہاں یہ ہے کہ حضرت ابوجحیفہ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تھا' ابوداؤد کتاب الدیات میں ہے کہ قیس بن عباس اور اشتر نخعی نے دریافت کیا' تو مذکورہ بالا جواب ارشاد فرمایا۔ بخاری' کتاب الاعتصام میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکی اینٹ کے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ تلوار حمائل فرمائے ہوئے تھے' جس میں ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا' فرمایا: ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفے کے سوا اور کوئی کتاب نہیں' جسے ہم پڑھتے ہوں۔ اس میں مختلف زخموں کے احکامات ہیں اور دین میں واجب ہونے والے اونٹوں کی عمریں اور یہ ہے کہ مدینہ عیر سے یہاں تک حرم ہے' الحدیث۔ حضرت ابوجحیفہ کی حدیث میں جراحات کے بجائے ''العقل'' ہے' حاصل دونوں کا ایک ہے۔ اور ''فكاك الاسير ولا يقتل مؤمن بكافر'' کا اضافہ ہے' یعنی قیدیوں کے چھڑانے کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ کافر کے بدلے مؤمن قتل نہیں کیا جائے گا۔ مسلم[1] اور مسند امام احمد[2] میں بہ طریق ابوطفیل یہ ہے کہ اس میں یہ چار باتیں تھیں: اللہ اس پر لعنت فرمائے جو اللہ کے نام کے غیر پر جانور ذبح کرے' اللہ اس پر لعنت فرمائے جو زمین کے مینارے چرائے' اللہ اس پر لعنت فرمائے جو اپنے باپ پر لعنت کرے' اللہ اس پر لعنت فرمائے جو کسی بدمذہب کو پناہ دے۔ مسند امام احمد[3] میں یہ زائد ہے: اس کے میدان کی گھاس نہ چھیلی جائے' اس کے شکار کو نہ بھڑکایا جائے اور اس کا لقطہ نہ اُٹھایا جائے اور اس کا درخت نہ کاٹا جائے' مگر اونٹ کے چارے کے لیے۔ قیس بن عباد کی حدیث میں ہے کہ ہم نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد لیا ہے جو عام لوگوں سے نہیں لیا ہے؟ فرمایا: نہیں! سوائے ان کے جو اس مکتوب میں ہے۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کی نیام سے اس مکتوب کو نکالا' اس میں یہ لکھا تھا: تمام مسلمانوں کے خون برابر

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۱۶۰۔ کتاب الاضاحی۔ باب: تحريم الذبح لغير الله [2] مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۱۸ [3] مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۱۹

ہیں اور وہ غیروں کے مقابلے میں بہ منزلہ ایک ہاتھ کے ہیں اور ان کے ذمے کو پورا کرنے کے لیے سب سے ادنیٰ بھی کوشش کرے گا۔ خبردار! کوئی مومن کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے اور نہ ذمی معاہدا اپنے عہد میں۔ اور جو نئی بات پیدا کرے گا اپنی جان پر پیدا کرے گا اور جو نئی بات ایجاد کرے یا بدعتی کو پناہ دے الحدیث۔ ان سب حدیثوں کا حاصل یہ نکلا کہ اس صحیفے میں یہ باتیں لکھی ہوتی تھیں: (۱) کوئی کسی کو زخمی کرے تو اس کی دیت کیا (۲) دیت کے اونٹوں کی عمریں کیا ہوں گی؟ (۳) قیدیوں کو آزاد کرنا (۴) کافر مسلمان کو قتل کردے تو قصاص میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا (۵) عہد ذمہ کی پابندی لازم ہے (۶) اللہ کے علاوہ اور کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے (۷) علامت کے طور پر جو مینارے ہیں ان کا چرانا حرام ہے (۸) ماں باپ پر لعنت کرنا حرام ہے (۹) عیر سے ثور تک مدینہ طیبہ حرم ہے (۱۰) کتاب وسنت کے خلاف کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا حرام ہے (۱۱) بدمذہب اور فساق ظالموں کو پناہ دینا حرام ہے (۱۲) مسلمانوں کا خون برابر ہے (۱۳) ذمی کو قتل کرنا حرام ہے (۱۴) مدینہ کے حرم میں درخت کاٹنا، پتے جھاڑنا، میدان صاف کرنا (۱۵) شکار کرنا منع ہے (۱۶) مدینہ پر حملہ جائز نہیں (۱۷) مسلمانوں کو غیروں کے مقابلے میں متحد و متفق رہنا چاہیے (۱۸) اس کا لُقطہ نہ اُٹھایا جائے (۱۹) اپنے والد کے علاوہ اپنے آپ کو کسی اور کی طرف منسوب کرنا حرام ہے (۲۰) جس کے ساتھ عقد موالات نہ ہو، اس کے ساتھ عقد موالات بتانا حرام ہے۔

"ما بین عائر الی کذا" اور "عیر و ثور"

حضرت انس کی حدیث میں ہے: "من کذا الی کذا" یعنی یہاں سے وہاں تک، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں "ما بین لابتی المدینة" ہے یعنی حرہ شرقیہ اور غربیہ کا درمیانی حصہ اور اس حدیث میں ہے کہ عائر سے لے کر وہاں تک۔ ان سب میں سب سے واضح "ما بین لا بتی المدینة" کا لفظ ہے۔

اس روایت میں "عائر" ہے اور کتاب الجہاد کی روایت میں "غیر" ہے۔ مسلم[1] میں "ما بین عیر وثور" ہے۔ ابوداؤد[2] میں "ما بین عائر الی ثور" ہے۔ "عیر" اور "ثور" مدینہ طیبہ کے دو پہاڑوں کے نام ہیں۔ ثور جبل اُحد کے قریب ایک چھوٹے سے پہاڑ کا نام ہے۔ ابوداؤد[3] میں عدی بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے ہر طرف ایک برید رَمنا بنایا۔ مسلم[4] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کے اردگرد بارہ میل رَمنا بنایا۔ ان دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہی ہے، ایک قول کی بنا پر برید بارہ میل کا ہوتا ہے۔ (نزہۃ القاری۔ ج ۲ ص ۵۳۴)

مُحدثا

یہ فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے اس کے معنی ہیں: نو ایجاد چیز، یعنی بدعت کو پناہ دی، یعنی اپنایا، اسے رواج دیا یا اس کے رواج میں کوئی مدد کی یا باوجود قدرت اس کے ازالے کی کوشش نہ کی۔ محدث دال کے کسرے کے ساتھ، یعنی بدعت ایجاد کرنے والے کو پناہ دی، اس کی کوئی مدد کی یا باوجود قدرت اس کو دفع نہیں کیا۔

مدینہ طیبہ کے علاوہ کہیں بھی یہ دونوں باتیں حرام ہیں مگر مدینہ طیبہ میں اور سخت حرام ہیں، کیونکہ مدینہ طیبہ معدن اسلام ہے وہاں کے عمل دراَمد کو دیکھ کر دوسری جگہ کے مسلمان اسے جائز بلکہ مستحسن اور اسلامی کام سمجھنے لگیں گے۔ اور یہی بات مکہ معظمہ میں بھی ہے اس لیے ان دونوں مقامات میں بدعت کا رواج بہ نسبت دوسرے مقامات کے زیادہ خطرناک ہے۔

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۴۲۔ کتاب الحج۔ باب: فضل المدینة [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۷۸۔ کتاب المناسک۔ باب: فی تحریم المدینة
[3] المناسک ص ۲۷۸ [4] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۴۳۔ کتاب الحج۔ باب: فضل المدینة

صرف و عدل

جمہور کا قول یہ ہے کہ صرف سے فرض اور عدل سے نفل مراد ہے اور یہی راجح ہے۔ اصمعی نے کہا: ''صــرف'' کے معنی توبہ اور ''عــدل'' کے معنی فدیہ ہے۔ ابوعبید نے کہا: ''صــــرف'' کا معنی اکتساب ہے اور عدل کے معنی حیلہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ''صـرف'' کے معنی دیت ہے اور ''عـدل'' کے معنی اس پر کچھ زیادتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ''صـرف'' کے معنی شفاعت ہے اور ''عدل'' کے معنی فدیہ ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی نے اسی پر جزم فرمایا۔

''من تولی قوما'' اور ''بغیر اذن موالیهم''

''من تولی قوما'' مراد یہ ہے کہ پہلے کسی قوم سے موالات کیا تھا' پھر ان کی اجازت کے بغیر دوسری قوم سے کرلیا۔

''بغیر اذن موالیهم'' کا ظاہر اسی کی جانب مشعر ہے' اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ عقد موالات کے بغیر کسی قوم سے موالات کا دعویٰ کردیا' اب بغیر ''اذن موالیهم'' میں ''موالیهم'' بہ طور مجاز ہوگا۔ مسلم کی روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے: ''ومن ادعی الی غیر ابیه او انتمی الی غیر موالیه'' جو اپنے والد کے سوا کسی اور کی طرف نسبت کرلے' یہ اس معنی کا مؤید ہے۔

مسائل

اس حدیث میں روافض کا رد ہے' جو کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو خفیہ کچھ وصیتیں کی تھیں اور کچھ اسرار و رموز اور دین کے مخصوص قواعد رازداری کے ساتھ بتائے تھے۔ عہد شکنی حرام ہے' خصوصاً عقد ذمہ اور عقد امان۔ اپنے نسب کو بدلنا حرام ہے۔ یوں ہی جس نے آزاد کیا ہے اس کے علاوہ کسی اور کو آزاد کنندہ بتانا بھی حرام ہے۔

مولانا انور شاہ پر تعقب

فیض الباری۔ ج ۳ ص ۱۴۱ پر اس کی دلیل میں ہے کہ مدینہ طیبہ کے اشجار کاٹنے جائز ہیں۔ یہ لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد کی تعمیر کے وقت درختوں کے کاٹنے کا حکم دیا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر بالکل ابتداء کی بات ہے' یہ اس ارشاد کے معارض یا مخصص نہیں ہوسکتا' سب کو معلوم ہے کہ مدینہ کے حرم ہونے کا ارشاد بعد کا ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْمَدِيْنَةِ وَاَنَّهَا تَنْفِي النَّاسَ (ص ۲۵۲)

مدینہ کی فضیلت اور یہ کہ وہ لوگوں کو نکال پھینکتا ہے

۱۰۹۰ - سَمِعْتُ اَبَا الْحُبَابِ سَعِيْدَ بْنَ يَسَارٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ.

ابوالحباب سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا' کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایسی بستی میں ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی' جسے لوگ یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے' لوگوں کو ایسے دور پھینکتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو پھینکتی ہے۔

(مسلم۔ کتاب الحج' نسائی۔ کتاب المناسک' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۳۷)

''تاکل القری'' اور ''تنفی الناس'' سے مراد

''تاکل القریٰ'' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ تمام بستیوں پر غالب آ جائے گی۔

''تنفی الناس'' مراد یہ ہے کہ کفار' منافقین' فتنہ پرور افراد کو باہر کر دیتی ہے۔ یہ خصوصیت حضور اقدس ﷺ کے زمانہ مبارک تک تھی' جیسے عکل وعرینہ کو نکالا اور ایک اعرابی کا قصہ ابھی آ رہا ہے اور یہودیوں کو نکالا یا پھر دجال کے زمانے میں' جیسا کہ دجال کی حدیث میں مذکور ہے۔

مہلب بن ابوصفرہ محدث نے کہا کہ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ اس لیے کہ مکہ کی کفر وشرک سے طہارت مدینہ طیبہ کی برکات سے ہے۔ اس استدلال پر کلام کی گنجائش ہے' مگر ہم نے پہلے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔

بَابُ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ (ص ۲۵۲)

مدینہ کے دو سنگستان

۱۰۹۱- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لَوْ رَاَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِيْنَةِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ۔

(مسلم- کتاب الحج' ترمذی- کتاب المناقب' نسائی- کتاب المناسک)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے' وہ فرماتے تھے: اگر میں مدینہ میں ہرنوں کو چرتے دیکھوں تو انہیں بھڑکاؤں گا نہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے دونوں سنگستانوں کا درمیانی حصہ حرم ہے۔

اس قدر پر ہمارا اتفاق ہے کہ مدینہ طیبہ کی زیب وزینت باقی رکھنے کے لیے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں' گھاس نہ صاف کی جائے اور یہ بھی درست ہے کہ اس کے جنگلی جانوروں کو بھڑکایا نہ جائے۔ اس معنی کے اعتبار سے مدینہ طیبہ بھی حرم ہے' مگر ہمارا یہ کہنا ہے کہ مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے' گھاس چھیلنے اور شکار کرنے پر دم واجب نہیں' جیسا کہ مکہ معظمہ میں ہے۔ ابھی حدیث گزری کہ مدینہ طیبہ کے درختوں سے اونٹ کے لیے چارہ کاٹنے کی اجازت ہے۔ عجیب بات ہے حضرات ائمہ ثلاثہ مدینہ طیبہ کے حرم ہونے کے قائل ہیں' مگر درخت کاٹنے' شکار کرنے پر فدیہ اور جزا کوئی صاحب واجب نہیں فرماتے' البتہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کا سامان چھین لیا جائے جیسا کہ مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے دولت خانے وادی عقیق میں گئے تو ایک غلام کو دیکھا کہ درخت کاٹ رہا ہے اور پتے جھاڑ رہا ہے' انہوں نے اس کے پاس جو کچھ تھا چھین لیا' اس کے بعد اس غلام کے گھر والے آئے اور انہوں نے حضرت سعد سے اپنے غلام کا سامان مانگا تو فرمایا: معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ نے جو عطیہ مجھے دیا ہے' وہ واپس کر دوں اور سامان واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

اس پر عرض یہ ہے کہ حرم کے درخت کاٹنے میں جزا میں اس کی قیمت کا تصدق واجب ہے اور تصدق فقیر پر ہوتا ہے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فقیر نہ تھے۔ نیز یہ ضروری نہیں کہ اس غلام کا سامان اس درخت کی قیمت کا ہو۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ ارشاد زجر وتوبیخ کے لیے ہے کہ لوگ درخت کاٹ کاٹ کر مدینہ طیبہ کو ننگا نہ کر دیں۔ اس مسئلے میں احناف پر بہت تیر ونشتر برسائے گئے ہیں مگر بنظر دقیق ائمہ ثلاثہ اور ہمارے مسلک میں مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اور عہد رسالت سے تعامل اسی پر ہے کہ بہ وقت ضرورت مدینہ طیبہ کے درخت کاٹ دیئے جاتے ہیں۔

بَابُ مَنْ رَغِبَ عَنِ الْمَدِيْنَةِ (ص ۲۵۲)

جو شخص مدینہ سے منہ پھیرے

۱۰۹۲- اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تَتْرُكُوْنَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى خَيْرِ مَا كَانَتْ لَا يَغْشَاهَا إِلَّا الْعَوَافِيْ يُرِيْدُ عَوَافِيَ وَالطَّيْرِ السِّبَاعِ وَاٰخِرُ مَنْ يُّحْشَرُ رَاعِيَانِ مِنْ مُّزَيْنَةَ يُرِيْدَانِ الْمَدِيْنَةَ يَنْعِقَانِ بِغَنَمِهِمَا فَيَجِدَانِهَا وَحْشًا حَتّٰى إِذَا بَلَغَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ خَرَّا عَلٰى وُجُوْهِهِمَا.

(مسلم۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ص ۲۳۴)

ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ تم لوگ مدینہ کو ایسے وقت چھوڑ دو گے جب وہ بہترین حالت میں ہوگا' یہاں تک کہ اس میں روزی کے متلاشی درندے' پرندے رہنے لگیں گے اور سب سے آخر میں مزینہ کے دو چرواہوں کا حشر ہوگا جو اپنی بکریوں کو آواز دیتے ہوئے مدینہ آئیں گے تو وہاں جنگلی جانور پائیں گے' جب ثنیۃ الوداع تک پہنچیں گے تو منہ کے بل گر پڑیں گے۔

مسند امام احمد میں اخیر میں یہ زائد ہے: "من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین انما انا قاسم و اللّٰہ یعطی" اور اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے' اسے دین میں سمجھ (تفقہ) عطاء فرماتا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ "عوافی"، "عافیۃ" کی جمع' یہ معتل واوی ہے' اس کے معنی روزی ڈھونڈنے والے کے ہیں' مراد جنگلی جانور ہیں۔ یہ مصدر بہ معنی اسم فاعل بھی ہو سکتا ہے اور اسم بھی۔ علامہ ابن جوزی نے فرمایا کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ "عفاء" سے بنا ہو' جس کے معنی ویران خالی جگہ کے ہیں' جہاں کوئی نہ ہو۔ وحشی جانور ایسی ہی جگہ رہائش اختیار کرتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ مدینہ کا یہ حال قیامت کے قریب ہوگا' جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا' اور خود اس حدیث کے اخیر کا حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرمایا: سب کے اخیر میں مزینہ کے دو چرواہوں کا حشر ہوگا' الحدیث۔

و اٰخر من یحشر

مزینہ کے یہ دونوں چرواہے اپنے وطن کو چھوڑ کر اپنی بکریاں لے کر مدینہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ یہ جنگلی جانوروں کا مسکن ہے۔

۱۰۹۳- ح: وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

[اگر وہ علم رکھتے تو مدینہ ان کے لیے بہتر ہے]

۱۰۹۳- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَبِيْ زُهَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يُّبِسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يُّبِسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يُّبِسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.

(مسلم' نسائی۔ کتاب الحج' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۲۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت سفیان بن زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے: یمن فتح ہوگا تو کچھ سواری کا جانور ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے اہل اور پیروکاروں کو لاد کر لے جائیں گے' حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے' اگر وہ لوگ جانتے اور شام فتح ہوگا تو کچھ لوگ سواری کا جانور ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے اہل اور پیروکاروں کو لاد کر لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے اور عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ سواری کا جانور ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے اہل اور پیروکاروں کو لاد کر لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے' اگر وہ لوگ علم رکھتے۔

والمدينة خير لهم

ظاہر ہے کہ مدینہ دیارِ رسول ہے یہاں مسجد نبوی ہے۔ یہ مہبط وحی ہے یہیں سے اسلام کی دوسرے بلاد میں نشر واشاعت ہوئی غلبہ ہوا۔ اس سے بہتر یمن، شام، عراق کیسے ہوسکتا ہے۔ اس حدیث میں طنز ان لوگوں پر ہے جو فراخی اور موسم کی خوشگواری وغیرہ کی نیت سے مدینہ طیبہ چھوڑ کر کہیں اور گئے۔ رہ گئے وہ حضرات جو جہاد یا تبلیغ کے لیے دوسرے شہروں میں گئے یا اور کسی دینی مصلحت کی بناء پر گئے جیسے خلیفۃ المسلمین کی طرف سے والی بنا کر بھیجے گئے وہ ماجور ومثاب ہیں اس حدیث کے تحت نہیں آتے۔

غیب دانی

حضور اقدس ﷺ نے پہلے یمن کا تذکرہ فرمایا پھر شام کا پھر عراق کا۔ اسی ترتیب سے یہ مما لک فتح ہوئے۔ یمن کا کچھ حصہ عہد رسالت ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ بقیہ عہد صدیقی میں فتح ہوا اس کے بعد شام فتح ہوا پھر عراق۔ اور جب یہ فرمایا تھا شام وعراق پر قیصر وکسریٰ کی انتہائی مضبوط و مستحکم حکومتیں قائم تھیں۔ اور عرب کا جو حال تھا اس کے پیش نظر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی اہل عرب شام اور عراق فتح کر پائیں گے۔ مشہور مستشرق گبن نے لکھا ہے کہ جس وقت روم پر غلبہ کی پیشین گوئی کی گئی تھی اس سے زیادہ مستبعد اور کوئی پیشین گوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ سب اس کا ظہور تھا کہ فرمایا: زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی میں اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ رہا ہوں جتنی سمیٹ دی گئی ہے میری اُمت کا ملک وہاں تک پہنچے گا۔[1] "عن ثوبان مولٰی رسول الله ﷺ وعن شداد بن اوس رضی الله عنهما"۔

بَابُ اَلْاِيْمَانُ يَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ (ص ۲۵۲) — ایمان مدینہ میں پناہ لے گا

۱۰۹۴- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایمان سمٹ کر مدینہ کی طرف لوٹ آتا ہے جیسے سانپ اپنی بل میں سمٹ کر لوٹتا ہے۔

(مسلم۔ کتاب الایمان، ابن ماجہ۔ کتاب الحج، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۸۶)

علامہ داؤدی اور علامہ عینی نے فرمایا: مدینہ طیبہ کی یہ خصوصیت عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے عہد مبارک تک رہی۔ علامہ عینی کے ارشاد کے بموجب زیادہ سے زیادہ نوے سال رہی پھر خود مدینہ طیبہ فتنوں کی آماجگاہ بن گیا۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ كَادَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ (ص ۲۵۲) — مدینہ کے ساتھ مکر کرنے والے کا گناہ

۱۰۹۵- عَنْ عَائِشَةَ بِنْتُ سَعْدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَكِيْدُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا اِنْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ.

عائشہ بنت سعد سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مدینہ والوں کے ساتھ جو بھی مکر کرے گا وہ یوں پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

یزید پلید کے حکم سے مسلم بن عقبہ نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا اور واقعہ حرہ کے موقعہ پر اہل مدینہ پر وہ مظالم کیے جو کسی ظالم نے کسی

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۳۹۰۔ کتاب الفتن، کتاب اشراط الساعۃ، ابوداؤد۔ ص ۲۳۰۔ کتاب الفتن، ترمذی۔ ج ۲ ص ۴۰۔ کتاب الفتن۔ باب: سؤال النبی ﷺ ثلاثا فی امتہ، ابن ماجہ۔ ص ۲۹۲۔ کتاب الفتن۔ باب: ما یکون من الفتن، مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۷۸، ایضاً ج ۴ ص ۱۲۳

کے ساتھ نہ کیے ہوں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ سے فارغ ہو کر مکہ جاتے ہوئے راستے میں ابن عقبہ جہنم رسید ہوا اور چند دنوں کے بعد یزید پلید بھی۔ تاہم محتاط علماء کا خیال یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ خصوصیت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک کے لیے تھی۔

بَابُ اٰطَامِ الْمَدِيْنَةِ (ص۲۵۲)

مدینہ کے ٹیلوں کا بیان

۱۰۹۶- اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ سَمِعْتُ اُسَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَشْرَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُطُمٍ مِّنْ اٰطَامِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی اِنِّیْ لَاَرٰی مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے اور فرمایا: کیا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم لوگ دیکھ رہے ہو؟ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کو اس طرح گرتے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش گرتی ہے۔

(بخاری۔ کتاب المظالم۔ باب: الغرفۃ والعلیۃ ص۳۳۴، باب: علامات النبوۃ ص۵۰۸، ج۲۔ کتاب الفتن۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب ص۱۰۴۶، مسلم۔ کتاب الفتن، مسند امام احمد۔ ج۵ ص۲۰۰)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا حصار، پھر شہادت، پھر واقعہ حرہ اس اخبار بالغیب کی واضح تصدیق ہے۔

بَابٌ لَا يَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِيْنَةَ (ص۲۵۲)

دجال مدینہ میں داخل نہ ہوگا

۱۰۹۷- عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰی كُلِّ بَابٍ مَّلَكَانِ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: مدینہ میں مسیح دجال کا رعب نہیں داخل ہوگا، اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔

(بخاری۔ ج۲۔ کتاب الفتن۔ باب: ذکر الدجال ص۱۰۵۵، مسند امام احمد۔ ج۵ ص۴۳)

۱۰۹۸- ح: لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ

[(مدینہ میں) طاعون اور دجال داخل نہیں ہوں گے]

۱۰۹۸- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں داخل ہونے کے تمام راستوں پر فرشتے ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوں گے۔

(ایضاً۔ ج۲۔ کتاب الفتن۔ باب: لا یدخل الدجال المدینۃ ص۱۰۵۶، مسلم۔ کتاب الفتن، نسائی۔ کتاب الحج)

۱۰۹۹- ح: يَأْتِی الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ اَنْ يَّدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِيْنَةِ

[دجال آئے گا اور مدینہ کے راستوں میں داخل ہونا اس پر حرام ہوگا]

۱۰۹۹- اَخْبَرَنِیْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا عَنِ الدَّجَّالِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دجال کے بارے میں ایک لمبی حدیث بیان فرمائی ہے، اس کے بارے میں ہم سے جو بیان فرمایا، اس میں یہ بھی تھا کہ فرمایا:

فَكَانَ فِيمَا حَدَّثَنَا بِهِ اَنْ قَالَ يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ اَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ اَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ اَشْهَدُ اَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَّالُ اَرَاَيْتَ اِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ اَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْاَمْرِ فَيَقُولُونَ لَا فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ قَطُّ اَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ فَيَقُولُ الدَّجَّالُ اَقْتُلُهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ.

فرمایا: دجال آئے گا' مدینہ کے راستوں میں داخل ہونا اسے حرام ہو گا' مدینہ کے قریب جو شور زمین ہے' ان میں سے بعض پر اُترے گا' اس کے پاس مدینہ سے ایک شخص جائے گا جو اس دن سب سے بہتر ہو گا یا سب سے بہتر لوگوں میں سے ہو گا اور کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا ہے' اب دجال کہے گا: بولو! اگر میں اسے قتل کر ڈالوں اور پھر زندہ کر دوں تو کیا تم لوگ میرے معاملے میں شک کرو گے؟ لوگ کہیں گے: نہیں! دجال انہیں قتل کر دے گا' پھر زندہ کر دے گا' اب وہ شخص کہیں گے: جب انہیں زندہ کیا جائے گا' اللہ کی قسم! آج سے زیادہ تیری معرفت مجھے کبھی نہ تھی۔ دجال کہے گا: اسے مار ڈالوں! اب ان پر اسے قابو نہیں دیا جائے گا۔

(ایضاً ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب: لا یدخل الدجال المدینۃ ص ۱۰۵۶' مسلم۔ کتاب الفتن' نسائی۔ کتاب الحج)

بخاری کی اس روایت میں اجمال ہے' مسلم میں اس کی پوری تفصیل یہ ہے: دجال کی جانب ایک مؤمن جائے گا' اسے دجال کے کچھ تبع ملیں گے اور پوچھیں گے: کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہے گا: اس کے پاس جا رہا ہوں جو نکلا ہے۔ وہ کہیں گے: کیا تو ہمارے رب پر ایمان نہیں لائے گا؟ وہ فرمائیں گے: اپنے رب کے بارے میں کوئی خفا نہیں۔ وہ کہیں گے: اسے قتل کر دو! تو انہیں میں سے کچھ لوگ کہیں گے: کیا ہمارے رب نے کسی کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے' کسی کو قتل کرنا ہو گا تو وہی کرے گا۔ انہیں وہ سب دجال کے پاس لے جائیں گے' یہ مؤمن دجال کو دیکھ کر کہیں گے: یہی وہ دجال ہے جس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ دجال حکم دے گا تو ظالم ان کے سر پر زخم لگائیں گے۔ کہے گا: اسے پکڑو! مارتے مارتے ان کی پیٹھ اور پیٹ کو چوڑا کر دیں گے۔ اب دجال کہے گا: بول! مجھ پر ایمان لاتا ہے یا نہیں؟ وہ مؤمن کہیں گے: تو مسیح کذاب ہے۔ اب وہ ظالم سر پر آرہ چلا کر کمر کے نیچے لا کر دو ٹکڑے کر دے گا اور ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا' پھر کہے گا: کھڑا ہو جا! وہ مؤمن سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔ دجال پوچھے گا: مجھ پر ایمان لاتا ہے؟ تو وہ مردِ مؤمن جواب دے گا: اب میرا یقین تیرے بارے میں اور بڑھ گیا۔ یہ مردِ مؤمن لوگوں سے کہے گا: میرے بعد کسی کے ساتھ یہ ایسا نہ کر سکے گا' پھر دجال انہیں پکڑ کر ذبح کرنا چاہے گا' مگر ان کی گردن پر سینے تک سیسہ کر دیا جائے گا وہ ذبح نہ کر پائے گا' پھر ان کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر پھینک دے گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ آگ میں پھینکا ہے' مگر وہ جنت میں جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رب العالمین کے یہاں یہ سب سے بڑا شہید ہو گا۔

۱۱۰۰- ح: لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ

[مکہ اور مدینہ کے سوا ہر شہر کو دجال روندے گا]

۱۱۰۰- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ نَبِيُّ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ لَيْسَ مِنْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا: مکہ اور مدینہ کے سوا ہر شہر کو دجال روندے گا' ان کے ہر راستے پر فرشتے صف بستہ

نِقَابِهَا نَقْبٌ اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ فَيُخْرِجُ اللّٰهُ كُلَّ كَافِرٍ وَّمُنَافِقٍ. (مسلم۔کتاب الفتن' نسائی۔کتاب الحج)

پہرہ دیتے ہوں گے' پھر مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے' جس سے ہر کافر و منافق کو اللہ مدینہ سے باہر کر دے گا۔

سَيَطَؤُهُ

یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے' ظاہر سے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ خود دجال پوری دنیا میں جائے گا' یہ مراد نہیں کہ وہ خود نہیں بلکہ اس کا لشکر' اس کے متبعین جائیں گے۔ مسلم[1] میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دجال کل چالیس دن رہے گا۔ پہلا دن ایک سال کا' دوسرا دن ایک مہینے کا اور تیسرا دن ایک ہفتے کا' بقیہ دن اور دنوں کے برابر (چوبیس گھنٹے کا) اور اس کی رفتار اتنی تیز ہو گی' جیسے وہ بادل جسے ہوا اُڑاتی ہو۔ کل سال پھر دو مہینے چوالیس دن میں پوری دنیا گھوم لے گا۔

ترجف المدينة

یہ اس کے منافی نہیں جو پہلے فرمایا کہ مدینہ میں دجال کا رعب نہیں داخل ہو گا' کیونکہ یہ زلزلہ دجال کے اثر سے نہیں بلکہ من جانب اللہ مدینہ طیبہ کی تطہیر کے لیے آئے گا۔

بَابُ الْمَدِيْنَةِ تَنْفِي خَبَثَهَا (ص ۲۵۳)

مدینہ میل' زنگ دور کر دیتا ہے

۱۱۰۱- عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَهُ عَلَى الْاِسْلَامِ فَجَآءَ مِنَ الْغَدِ مَحْمُوْمًا فَقَالَ اَقِلْنِيْ فَاَبٰى ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَالَ الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيْبُهَا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت ہوئے' دوسرے دن بخار میں مبتلا ہو کر آئے اور کہا: میری بیعت توڑ دو! حضور نے تین بار انکار فرمایا' پھر فرمایا: مدینہ بھٹی کے مثل ہے جو لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے اور خالص باقی رکھتی ہے۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: بیعة الاعراب ص ۱۰۷۰' باب: من باع ثم استقال البیعة ص ۱۰۷۰' کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۸۸' نسائی۔ کتاب الحج)

الاحکام

''الاحکام'' میں یہ تفصیل ہے کہ یہ اعرابی تین بار آئے' یہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں تین بار انکار کیا' جب تیسری بار بھی حضور نے انکار فرما دیا تو وہ مدینہ طیبہ سے دیہات میں چلے گئے۔

محموما

اس کا مادہ ''حُمّٰی'' ہے' ''حُمَّ الرجل اُحَمَّ'' سے ''تنصع'' فتح یفتح سے آتا ہے۔ اس کا مصدر نصوع ہے' جس کے معنی خالص ہونے کے ہیں۔ ناصع' خاص۔ اکثر روایتوں میں ینصع' باب تفعیل سے مجہول آیا ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام قیس بن ابی حازم ہے۔ ان کی بار بار کی درخواست کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیعت فسخ نہ فرمائی۔ یہ ان پر خاص مہربانی تھی' وہ تو بخار کی وجہ سے معذور تھے۔ ان کے اس عذر کی وجہ سے ان کے ساتھ تشدد

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۴۰۱۔ باب: ذکر الدجال

نہیں فرمایا بلکہ غایت کرم سے ان کی بیعت باقی رکھی۔

۱۱۰۲- ح: فَنَزَلَتْ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ (النساء:۸۸)

[(آیت) نازل ہوئی: منافقین کے دو گروہوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟]

۱۱۰۲- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ لَمَّا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أُحُدٍ رَجَعَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَتْ فِرْقَةٌ نَقْتُلُهُمْ وَقَالَتْ فِرْقَةٌ لَا نَقْتُلُهُمْ فَنَزَلَتْ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ (النساء:۸۸) وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا تَنْفِي الرِّجَالَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيدِ.

عبداللہ بن یزید نے کہا: میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ کہتے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کی طرف چلے تو حضور کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ لوٹ گئے' ایک گروہ نے کہا: ہم انہیں قتل کریں گے اور ایک گروہ نے کہا: نہیں! اس پر یہ آیت نازل ہوئی: تمہارا کیا حال ہے کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خراب لوگوں کو نکال باہر پھینکتی ہے' جیسے آگ لوہے کے میل کو پھینک دیتی ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الاحد ص ۵۸۰' کتاب التفسیر۔ باب: فما لکم فی المنافقین فئتین ص ۶۶۰' مسلم۔ کتاب ذکر المنافقین' ترمذی۔ کتاب التفسیر)

یہ عبداللہ بن اُبی بن سلول راس المنافقین تھا جو اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا: اگر ہم جانتے کہ لڑائی ہے تو ہم ضرور آپ کی اتباع کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار افراد کے ساتھ مدینہ سے نکلے تھے' اب صرف سات سورہ گئے۔

من اصحابه

یہاں ان منافقین پر اصحاب کا اطلاق بہ اعتبار ظاہر ہے۔ مغازی کی روایت میں ہے: "ممن خرجوا معه. فكان اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم فرقتين" حضور کے ساتھ مدینہ سے جو لوگ چلے تھے ان میں کچھ لوگ واپس ہو گئے۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے دو گروہ ہو گئے۔

فنزلت

سورۂ نساء کی آیت: ۸۸ نازل ہوئی: کیا بات ہے تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو گئے' اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ہے' کیا تم چاہتے ہو کہ جنہیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اسے ہدایت پر لاؤ اور جنہیں اللہ گمراہ کر دے گا ان کے لیے تم راستہ نہ پاؤ گے۔

تنفي الرجال

مغازی میں ہے: "وانها طيبة تنفي الذنوب كما تنفي النار خبث الفضة" یہ طیبہ ہے' گناہوں کو ایسے دور کرتا ہے جیسے آگ چاندی کے میل کو۔ اور تفسیر میں "الذنوب" کی جگہ "الخبث" ہے۔

بَابٌ (ص ۲۵۳)

باب

۱۱۰۳- ح: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِينَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ

[اے اللہ! مدینہ میں مکہ کی بہ نسبت تین گنا برکت عطا فرما]

۱۱۰۳- عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ. (مسلم۔کتاب الحج)

اے اللہ! مدینہ میں مکہ کی بہ نسبت تین گنا برکت عطاء فرما۔

ضعف

''ضعف'' کے معنی دونے کے ہیں، یعنی کسی چیز کے برابر اور دو۔ ''ضعف'' کا معنی ہوا: ۳/۲ یعنی کسی چیز کے تین حصے میں سے دو حصے، یعنی تین گنا۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ افضل ہے، اس لیے کہ برکت دینی اور دنیوی دونوں کو عام ہے اور دینی اور اُخروی برکت ثواب ہے، تو اس سے ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ میں ہر عمل پر بہ نسبت مکہ معظمہ کے تین گنا ثواب ہے اور برکت کو دنیوی برکت کے ساتھ خاص کرنا تخصیص بلا مخصص ہے۔

بَابٌ (ص ۲۵۳)

۱۱۰۴- ح: وُعِكَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّبِلَالٌ

باب

[حضرت ابوبکر اور حضرت بلال (رضی اللہ عنہما بخار میں) گرفتار ہوگئے]

۱۱۰۴- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّبِلَالٌ فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اِذَا اَخَذَتْهُ الْحُمّٰى يَقُوْلُ كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَكَانَ بِلَالٌ اِذَا اُقْلِعَ عَنْهُ الْحُمّٰى يَرْفَعُ عَقِيْرَتَهٗ يَقُوْلُ:

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما بخار میں گرفتار ہوگئے، حضرت ابوبکر کا حال یہ تھا کہ جب انہیں بخار آتا تو کہتے: ہر شخص اپنے اہل میں رہتے ہوئے صبح کرنے والا ہے، اور حال یہ ہے کہ موت اس کی چپل کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور حضرت بلال کا جب بخار ٹوٹتا تو ترنم کے ساتھ اپنی آواز بلند کرکے کہتے:

اَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ اَبِيْتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَّحَوْلِيْ اِذْخِرٌ وَّجَلِيْلُ

کاش کہ ایک رات میں ایسی وادی میں گزارتا کہ میرے اردگرد اذخر اور جلیل ہوتی اور کیا کسی دن مجنہ کے پانی پر گزر سکوں گا۔

وَهَلْ اَرِدَنْ يَّوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ
وَّهَلْ يَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَّطَفِيْلُ

اور کیا میری نظروں کے سامنے شامہ اور طفیل ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ الْعَنْ شَيْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ وَاُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كَمَا اَخْرَجُوْنَا مِنْ اَرْضِنَا اِلٰى اَرْضِ الْوَبَاءِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا وَصَحِّحْهَا لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا اِلَى الْجُحْفَةِ قَالَتْ وَقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ وَهِيَ اَوْبَاُ اَرْضِ اللّٰهِ

اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر! جنھوں نے ہمیں ہماری سرزمین سے نکال کر وبا کی زمین میں کر دیا ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں مکہ جیسا مدینہ کو پیارا بنا دے یا اس سے بھی زیادہ، اے اللہ! ہمارے صاع ہمارے مد میں برکت دے اور مدینہ کو ہمارے لیے صحت افزا بنا دے اور اس کا بخار جحفہ منتقل فرما دے۔ ام المومنین

قَالَتْ فَكَانَ بُطْحَانُ يَجْرِيْ نَجْلًا تَعْنِيْ مَاءً اٰجِنًا. نے فرمایا: ہم جب مدینہ آئے تو اللہ کی سب زمین سے زیادہ یہ وبا زدہ تھی اور فرمایا کہ بطحان نالے سے بدبودار پانی بہتا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ربیع الاوّل کو زوال سے پہلے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے۔ ''عقیرتہ'' وہ آواز جو گانے یا رونے کے وقت ترنم کے ساتھ نکالی جائے۔ ''اِذخر'' مشہور گھاس ہے۔ ''جلیل'' بھی ایک نرم گھاس کا نام ہے' جس سے چھپر بناتے تھے۔ ''مَجنّۃ'' غالباً وہی جگہ ہے جہاں رجب میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ ''شامۃ' طفیل'' دو پہاڑوں یا دو چشموں کے نام ہیں۔ ''بُطحان'' مدینہ طیبہ کے ایک نالے کا نام ہے۔ ''نجلًا'' گندا' بدبودار پانی۔

مکہ معظمہ گرم اور خشک مقام ہے۔ زم زم شریف کے علاوہ اور کوئی نہ کنواں ہے نہ چشمہ' اور مدینہ طیبہ مرطوب جگہ ہے' نیز اس کے نالوں سے بدبودار پانی بہتا تھا۔ اس کا اثر کنوؤں کے پانی میں بھی ہوتا' جس کی وجہ سے وہاں عموماً لوگ بخار میں مبتلا رہتے۔ عمرۃ القضاء کے موقعہ پر اہل مکہ نے صحابہ کرام پر یہ طنز کیا تھا: ''اضناھم حمی یثرب'' یثرب کے بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ مکہ معظمہ جیسی خشک جگہ سے جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ جیسے مرطوب اور مسموم مقام پر پہنچے تو عموماً بخار میں مبتلا ہو گئے' پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے مدینہ طیبہ کی وبا ختم ہو گئی اور وہاں کی آب و ہوا صحت افزا ہو گئی۔ ہوائیں نسیم سحر کی طرح جانفزا' پانی آبِ حیات کی طرح شیریں' جتنا لذیذ ہلکا پانی مدینہ طیبہ کا ہے' دنیا میں کہیں کا نہیں۔

جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اس کا بخار جُحفہ منتقل فرما دے! اس دن تمام اہل جُحفہ بخار میں گرفتار ہو گئے اور جُحفہ بخار کا گڑھ ہو گیا۔ وہاں ایک چشمہ تھا' جو بھی اس کا پانی پی لیتا' بخار میں مبتلا ہو جاتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دفع بلا و حصولِ نفع کے لیے دعا رضا بالقضا کے منافی نہیں' بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے' اس میں اظہارِ بندگی و عجز و تذلل ہے' یہ خود ایک عبادت ہے۔

١١٠٥- ح: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

[اے اللہ! اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما اور میری وفات رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شہر میں فرما]

١١٠٥- عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ دعا کی: اے اللہ! اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور میری وفات اپنے رسول کے شہر میں کر!

اس دعا کا باعث یہ ہوا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر شہید ہیں' شہید کیے جائیں گے۔ یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: میرے لیے شہادت کہاں' میں جزیرۃ العرب کے بیچ میں ہوں' جہاد کرتا نہیں' میرے اردگرد ہر وقت لوگ رہتے ہیں' پھر فرمایا: نصیب ہو گی ان شاء اللہ! جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا' اس سے زیادہ مستبعد کوئی اور بات نہیں ہو سکتی تھی' مگر جو فرمایا وہی ہوا اور ان کی یہ دعا قبول ہوئی' اور آپ کو بلد رسول میں شہادت نصیب ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونا نصیب ہوا۔

یہ حدیث زید بن اسلم سے مروی ہے۔ عام اسناد میں ہے کہ زید اپنے والد اسلم سے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' مگر بطریق ابن زریع یہی حدیث زید بن اسلم عن امہ عن حفصہ بنت عمر عن عمر رضی اللہ عنہم مروی ہے۔ یعنی زید بن اسلم اپنی ماں سے' وہ ام المومنین حضرت حفصہ سے' وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ''وقال زریع'' سے امام بخاری نے اسی طرف اشارہ کیا

ہے۔ نیز ہشام بن سعد نے یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے: زید بن اسلم اپنے والد سے وہ ام المؤمنین حضرت حفصہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتی ہیں۔ ”وقال هشام“ سے یہ بتایا ہے۔

اس اختلاف کے ذکر سے امام بخاری کی غرض کیا ہے؟ وہ واضح نہیں ہو سکی۔ بہ ظاہر یہ سند میں اضطراب ہے، اگر امام بخاری کا مقصود یہ اضطراب بتانا ہوتا اور یہ حدیث ان کے نزدیک مضطرب ہوتی تو اس صحیح میں درج نہ کرتے۔ اس لیے براہِ حسن ظن یہی کہا جائے گا کہ ان کا مقصود طرق کو بیان فرمانا ہے۔ اور یہ کہ زید بن اسلم اپنے والد سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنی والدہ سے بھی۔ اور ان کے والد اسلم نے یہ حدیث خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سنی ہے اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

قد تم بعون الله تعالٰى وعون حبيبه صلى الله تعالى عليه وسلم الجزء الرابع من نزهة القارى ويليه الخامس ان شاء ربنا عزوجل وشاء حبيبه عليه الصلوٰة والتسليم. فالحمد له. اوّلًا واخرًا والصلوٰة والسلام على حبيبه وعلى اٰله وصحبه بداية ونهاية.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۳۰- کِتَابُ الصَّوۡمِ

روزوں کا بیان

بَابُ وُجُوبِ صَوۡمِ رَمَضَانَ (ص ۲۵۴) رمضان کے روزے کا واجب ہونا

حسن ترتیب

قرآن مجید اور احادیث میں ایمان کے بعد بلا فصل نماز کا ذکر ہے' اس لیے امام بخاری نے عبادات میں نماز کو سب سے پہلے ذکر فرمایا اور نماز کے ساتھ بلا فصل زکوٰۃ مذکور ہے' اس لیے نماز کے بعد زکوٰۃ کو ذکر فرمایا۔ نماز خالص بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ خالص مالی۔ اور حج دونوں کا مجموعہ' مفردات کو ذکر کر کے دونوں سے مرکب کو ذکر فرمایا۔ زکوٰۃ اور حج میں یہ مناسبت تھی کہ دونوں میں مال صرف کرنا ہے' اس لیے زکوٰۃ کے بعد حج ذکر فرمایا۔ اب روزے کے لیے اخیر میں ذکر کا موقعہ نکلا۔

اقول: ایک خاص بات یہ ہے کہ نماز اگرچہ تمام عبادتوں سے زیادہ اہم ہے' مگر اس کے تارکین کی کثرت ہے۔ زکوٰۃ کے ادا کرنے والے بھی نہ ادا کرنے والوں سے کم ہیں' مگر ان کا تناسب بہ نسبت تارکینِ نماز کم ہے۔ اور حج کرنے والوں کا تناسب بھی زیادہ ہے۔ روزہ ان چہار فرائض کی بہ نسبت لوگ بہت زیادہ رکھتے ہیں۔ عورتیں ننانوے فیصد بے نمازی ہیں مگر ننانوے فیصد روزہ رکھتی ہیں۔ امام بخاری نے عوام کے عمل اور ترک کو پیش نظر رکھ کر جس کی طرف رغبت کم تھی' اسے مقدم کیا اور ترتیب میں عوام کی رغبت کو ملحوظ رکھا۔

صوم کا معنی

صوم کے لغوی معنی: امساک' یعنی رکنے کے ہیں۔ کھانے پینے' چلنے پھرنے' بات چیت' کسی چیز سے رُکنا۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا:

اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا۝ (مریم:۲۶)

میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی ہے' آج کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۝

بات چیت سے رُکنے کو صوم کہا' اور یہ روزہ ان کی شریعت میں مشروع تھا۔ عرب والے اس گھوڑے کو جو چارہ نہ کھائے یا اَڑ جائے ''خَیۡلٌ صِیَامٌ'' کہتے ہیں۔

شریعت میں صبح صادق طلوع ہونے سے لے کر آفتاب ڈوبنے تک عبادت کی نیت سے کھانے' پینے' جماع اور جماع کے ملحقات سے رُکنے کو صوم کہتے ہیں۔

روزہ کب فرض ہوا؟

دوسری ہجری کے دس شعبان کو رمضان کا روزہ فرض ہوا۔ اس طرح حضور اقدس ﷺ نے نو سال رمضان کا روزہ رکھا۔ ان سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا' پھر جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو یہ منسوخ ہو گیا اور رمضان کا فرض ہو گیا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (البقرہ:۱۸) تم میں سے جو کوئی اس مہینے میں موجود ہو' اسے لازم ہے کہ اس مہینے کا روزہ رکھے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ عاشوراء کے روزے کے بعد ہر مہینے تین دن کا روزہ فرض تھا۔

١١٠٦- ح: صَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ

[نبی ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا]

١١٠٦- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ لَا يَصُوْمُهُ اِلَّا اَنْ يُّوَافِقَ صَوْمَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم دیا' جب رمضان فرض ہو گیا تو چھوڑ دیا گیا۔ اور عبداللہ (بن عمر) عاشوراء کا روزہ نہیں رکھتے تھے مگر یہ کہ ان کے کسی روزے کے موافق ہو۔

١١٠٧- اَنَّ عُرْوَةَ اَخْبَرَهُ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ قُرَيْشًا كَانَتْ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصِيَامِهِ حَتّٰى فُرِضَ رَمَضَانُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَآءَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش جاہلیت میں عاشورے کا روزہ رکھتے تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے عاشورے کے روزے کا حکم دیا' یہاں تک کہ رمضان کا روزہ فرض کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چاہے عاشورے کا روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔

(مسلم۔ کتاب الصیام' نسائی۔ کتاب الحج)

حضرت اُم المؤمنین کی حدیث کے ہم معنی مسلم[1] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی صحابہ سے اس مضمون کی احادیث آئی ہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا۔ حدیث میں ہے: "اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ عاشوراء مد اور قصر دونوں کے ساتھ ہے اور مد اکثر ہے' دسویں محرم کو کہتے ہیں۔

ایک تطبیق

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اچھا دن ہے۔ اس دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی تو اس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا' یہ سن کے حضور نے فرمایا: تم سے زیادہ ہم حضرت موسیٰ کی اتباع کے حق دار ہیں تو حضور نے بھی روزہ رکھا۔ حدیث زیر بحث اور اس حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں حضرت علامہ عینی نے یہ تطبیق دی ہے کہ ہو سکتا ہے قریش عاشورے کا روزہ رکھتے تھے' قبل بعثت حضور بھی رکھتے تھے' بعد بعثت ترک فرما دیا۔ جب مدینہ تشریف لائے اور یہ معلوم ہوا

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۵۸۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم یوم عاشوراء

کہ یہ روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مشروع ہے تو پھر رکھا۔ جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو فرمایا: جس کا جی چاہے رکھے' جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

الا ان یوافق صومہ

مثلاً ان کی عادت رہی ہو کہ ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتے ہوں۔ اور عاشوراء دوشنبہ کو پڑ گیا تو رکھا۔ نہ اس بناء پر کہ یہ عاشوراء کا دن ہے بلکہ اس بناء پر کہ یہ ان کے روزے کا دن ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عاشورے کے روزے کو نفل نہیں جانتے تھے' مگر صحیح یہ ہے کہ یہ نفل ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ (ص ۲۵۴) — روزے کی فضیلت

۱۰۸- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّیَامُ جُنَّةٌ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَجْهَلْ وَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَیْنِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ یَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِیْ اَلصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا۔ (ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے' روزہ دار بے ہودہ نہ بکے' نہ جہالت کرے اگر کوئی اس سے لڑے یا گالی دے تو کہہ دے: میں روزہ دار ہوں۔ دو مرتبہ' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ عزوجل کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہے' روزہ دار اپنا کھانا' پینا اور خواہش نفس میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزاء دوں گا اور نیکی دس گنا تک ہے۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یوں مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: ہر نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے' روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزاء دوں گا اور روزہ جہنم سے ڈھال ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے' اگر کوئی جاہل جہالت کرے اور وہ روزہ دار ہو تو کہہ دے: میں روزے سے ہوں۔

"اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ" ہر وہ چیز جو دوسرے کو چھپا لے "جُنَّة" ہے' عرف میں ڈھال کو کہتے ہیں۔ روزہ کس چیز سے ڈھال ہے؟ یہ اس روایت میں مذکور نہیں' مگر ترمذی کی روایت میں "مِنَ النَّارِ" مذکور ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ معنی عام بھی مراد لیا جا سکتا ہے' یعنی جہنم سے بھی ڈھال ہے اور تمام گناہوں سے بھی۔

فلا یرفث

رفث گزر چکا کہ عورتوں کے سامنے جماع کی بات کرنے کو کہتے ہیں' مگر عرف میں اس کے معنی فحش گوئی کے ہیں' یعنی روزے کی حالت میں فحش' بے ہودہ نہ بکے۔ "ولا یجهل" یعنی زمانہ جاہلیت کے کام نہ کرے' جو اوباش لوگ کرتے ہیں' جیسے چیخنا' چلانا' مسخرا پن' تحول کرنا۔

قاتلہ او شاتمہ

یعنی خود لڑائی' گالی گلوچ کا نہ اقدام کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے کہ کوئی اس سے لڑے' اسے گالی گلوچ دے' اور اگر کوئی شخص اس سے لڑائی کرنے پر آمادہ ہو یا اسے گالی گلوچ دے تو صبر کرے' جوابی کارروائی میں لڑنے نہ لگے۔ اسے گالی نہ دے' بلکہ یہ کہہ دے

کہ میں روزے دار ہوں۔ زبان سے کہہ دے' یہی ظاہر ہے۔ ورنہ اپنے آپ کو سمجھا لے کہ میں روزے سے ہوں' مجھے لڑائی جھگڑا زیب نہیں دیتا۔

اقول وبالله التوفیق: روزہ عبادت ہے' روزہ دار جب تک روزے سے ہے' عبادت میں ہے۔ اور عبادت میں احسان یہ ہے کہ یہ تصور ہو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو' یا کم از کم یہ تصور رہے کہ اللہ عزوجل ہم کو دیکھ رہا ہے۔ "ان تعبد ربك كانك تراه وان لم تكن تراه فانه يراك" اگر کوئی بندہ اس درجے پر روزے میں فائز ہو تو ان سب باتوں کی گنجائش ہی کہاں نکل پائے گی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ روزے کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) عوام کا روزہ یعنی بہ نیت عبادت کھانے' پینے' جماع سے رُکنا۔

(۲) متوسط الحال لوگوں کا روزہ کہ ان کے ساتھ ساتھ معاصی سے بھی باز رہنا۔

(۳) خواص کا روزہ کہ اُن سب کے ساتھ غیر اللہ کے ذکر سے بچنا۔

(۴) اخص الخواص کا روزہ کہ غیر اللہ سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ نہ رہے نہ ظاہراً نہ باطناً۔ یہ روزہ دوامی ہوتا ہے' جو صرف لقاء ربانی کے دن افطار ہوگا۔

وَلَخُلوف

خُلوف' خاء کے ضمہ کے ساتھ۔ لغت حدیث کی کتابوں میں یہی معروف ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ بہت سے مشائخ فتحہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ خطابی نے کہا: یہ غلط ہے' بھوک کی وجہ سے منہ میں جو بُو پیدا ہو جاتی ہے' اسے خلوف کہتے ہیں۔ مشک سے زیادہ خوشبودار ہونا عند اللہ ہے جو دنیا میں باطنی چیز ہے اور ان شاء اللہ آخرت میں ظاہری بھی ہوگی۔ اور یہ رضا و قبول سے کنایہ ہے' جیسے مشک سب کو پسند ہے اور مشک کی خوشبو سے ہر شخص خوش ہوتا ہے۔ بلاتمثیل مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل روزے کو قبول فرماتا ہے اور روزے سے اللہ عزوجل کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

الصَّوْمُ لِي

نماز مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص ہیئت کے ساتھ مخصوص ارکان کی ادائیگی کا نام ہے' جسے دیکھ کر ہر شخص جان سکتا ہے کہ یہ شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ حج کا بھی یہی حال ہے' بلکہ اس کے لیے سفر' گھر سے باہر رہنا اور مجمع عام میں اس کی ادائیگی سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ یہ حج کرنے جا رہا ہے' حج ادا کر رہا ہے۔ زکوٰۃ فقراء و مساکین کو دی جاتی ہے' اس پر بھی دوسرے کا مطلع ہو جانا لازم ہے۔ مگر روزہ ایسی عبادت ہے جس میں کوئی ایسا فعل نہیں جس کی وجہ سے لوگ اس پر مطلع ہوں' پھر تنہائی میں بہت سے ایسے مواقع ملتے ہیں کہ اگر آدمی کھا پی لے تو کسی کو خبر نہ ہوگی' اس لیے بہ نسبت اور عبادتوں کے روزے میں ریا کے شائبہ کا دخل نہیں۔ بندہ روزہ رکھتا ہے تو خاص اللہ کی رضا کے لیے رکھتا ہے۔ اسی کو فرمایا: روزہ میرے لیے ہے' میں اس کی جزاء دوں گا۔ بادشاہ جب کسی کو کچھ دیتا ہے تو اپنی شان کے مطابق دیتا ہے' وہ بھی جب کسی پسندیدہ کام پر خوش ہو کر دیتا ہے تو پھر اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے' اسی کو ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

كل حسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف الا الصيام فهو لي وانا اجزى به.

ہر نیکی روزے کے سوا دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ہے' مگر روزہ میرے لیے ہے' میں اس کی جزاء دوں گا۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصیام۔ باب: فضل الصیام ص ۳۶۳' ترمذی۔ کتاب الصوم۔ باب: فضل الصوم ص ۹۵' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصیام)

باب: فضل الصیام ص ۳۱۰ ابن ماجہ۔ کتاب الصیام باب: فضل الصیام ص ۱۱۹ موطا امام مالک۔ کتاب الصیام۔ باب: جامع الصیام ص ۱۰۳ مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۲۳۴)

وَالحسَنَةُ بعشرِ امثالِهَا

یہ تحدید کے لیے نہیں کم از کم کا بیان ہے اور مفہوم عدد حجت نہیں اس لیے یہ ابھی گزری ہوئی حدیث کے معارض نہیں۔

بَابُ الرَّيَّانِ لِلصَّائِمِينَ (ص ۲۵۴)

ریّان روزہ داروں کے لیے ہے

۱۱۰۹- عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ۔

(مسلم۔ کتاب الحج)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے قیامت کے دن اس دروازے سے صرف روزے دار داخل ہوں گے ان کے علاوہ اور کوئی اس سے داخل نہ ہوگا فرمایا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ تو یہ لوگ کھڑے ہوں گے ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازے سے جنت میں داخل نہ ہوگا جب روزے دار داخل ہولیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کوئی اس سے داخل نہ ہوگا۔

اِنَّ فِي الجنةِ بابًا

جنت میں کل آٹھ دروازے ہیں باب ریان انہیں آٹھ میں سے کوئی ایک ہے یا الگ سے یہ کوئی اور دروازہ ہے۔ احادیث سے دونوں باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بخاری۔ کتاب بدأ الخلق میں انہیں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فی الجنة ثمانية ابواب فيها باب يسمى الريان لا يدخله الا الصائمون.

جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں ایک دروازے کا نام ریان ہے جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔

(بخاری۔ ص ۴۶۱۔ کتاب بدأ الخلق۔ ابواب: صفة الجنة)

اس حدیث میں ''فیھا'' کی ضمیر مجرور متصل میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع جنت ہو۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آٹھ دروازوں کے علاوہ اور کوئی دروازہ ہے جس کا نام ''رَیَّانْ'' ہے۔ دوسرا احتمال بھی ہے کہ اس کا مرجع ابواب ہوں اب یہ مطلب ہوگا کہ ''رَیَّـــان'' انہیں آٹھ میں سے کوئی ایک ہے اس کی مؤید جوزقی کی وہ روایت ہے جو بہ طریق ابوغسان عن ابی حازم مروی ہے۔ جس میں ''فیھا'' کے بجائے ''منھا'' ہے۔

اول کی مؤید بہت سی احادیث ہیں جن میں اس کے بعد بخاری ہی کی حدیث آرہی ہے۔ ''رَیَّان'' فعلان کے وزن پر ہے اس کا مادہ ''ریّ'' ہے جس کے معنی سیرابی کے ہیں۔ نسائی [1] میں ہے کہ جو اس دروازے میں داخل ہوگا پیئے گا اور پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

۱۱۱۰- ح: مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

[جس نے اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کیا]

---

[1] نسائی۔ ص ۳۱۲۔ کتاب الصوم۔ باب: فضل الصیام

۱۱۱۰- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ نُوْدِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ یَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَیْرٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّیَّانِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَلٰی مَنْ دُعِیَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ یُدْعٰی اَحَدٌ مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کیا' اسے جنت کے کئی دروازوں سے پکارا جائے گا. اے بندۂ خدا! یہ دروازہ عمدہ ہے' جو نمازی ہوگا اسے باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا' جو مجاہد ہوگا اسے باب الجہاد سے پکارا جائے گا' جو روزہ دار ہوگا اسے باب الریان سے پکارا جائے گا' جو صدقہ دینے والا ہوگا اسے باب الصدقہ سے پکارا جائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! یا رسول اللہ! جو ان دروازوں میں سے کسی ایک سے پکارا جائے گا اسے دوسرے دروازے کی کیا حاجت! کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جو ان سب دروازوں سے پکارا جائے؟ فرمایا: ہاں! ہے! مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو گے۔

(ایضاً۔ کتاب المناقب۔ باب: فضل ابی بکر رضی اللہ عنہ ص ۵۱۰' مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ' ترمذی۔ کتاب المناقب' نسائی۔ کتاب المناقب۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الصوم۔ کتاب الجہاد)

من انفق زوجین

"من انفق زوجین" یعنی جو چیز دے وہ دو دے' مثلاً دو درہم' دو دینار' دو اونٹ' دو گھوڑے وغیرہ وغیرہ' جیسا کہ ابوذر کی حدیث میں خود ان کی تفسیر مذکور ہے[1] اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دو چیزیں دے' اگر چہ وہ مختلف جنس کی ہوں' مثلاً ایک درہم اور ایک دینار' ایک دینار اور ایک کپڑا' ایک کپڑا اور ایک جانور' اور انفاق سے بہ طور نفل خرچ کرنا مراد ہے۔

ابواب الجنۃ

اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے جنت کے آٹھوں مشہور دروازے مراد ہوں' جیسا کہ ایک روایت[2] میں ہے: "فتحت له ابواب الجنة الثمانية" اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس کا جنت کے دربان استقبال کریں گے' سب اپنی طرف بلائیں گے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۶۴)

من باب الصلوٰۃ ...... (جنت کے دروازوں کی تفصیل)

اس حدیث میں اس کا بھی احتمال ہے کہ جنت کے ان آٹھوں دروازوں میں سے کسی کا نام باب الصلوٰۃ ہوگا' کسی کا باب الجہاد کسی کا باب الصدقہ وغیرہ وغیرہ' مگر دوسری احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مخصوص دروازوں کی تعداد آٹھ سے زیادہ ہے۔ امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے کہ جنت کے ایک دروازے کا نام: باب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے' یہ باب رحمت ہے' باب توبہ ہے' جب سے اللہ عزوجل نے اسے بنایا ہے' کھلا ہوا ہے' کبھی بند نہ ہوا۔ جب سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا تو بند ہوگا اور پھر قیامت تک نہیں کھلے گا۔ بقیہ دروازے اعمال حسنہ کے نام پر ہیں: جیسے باب الزکوٰۃ' باب الحج' باب العمرہ۔ امام قاضی عیاض نے روایت کیا کہ ایک دروازے کا نام باب الکاظمین الغیظ ہے' اور ایک باب الراضین ہے' اسی طرح ایک کا

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۶۴ [2] عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۶۴

نام باب الضحٰی ہے یہ ان کے لیے ہے جو نمازِ چاشت پابندی کے ساتھ پڑھنے والے ہیں' ایک کا نام باب الفرح جو بچوں کو خوش کرنے والوں کے لیے ہے۔ ایک باب الذکر ہے' ایک باب الصابرین ہے' ایک دروازہ وہ ہے جو حقوق العباد معاف کرنے والوں کے لیے ہے ایک دروازہ خوش اخلاق لوگوں کے لیے ہے۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ بڑے مرکزی آٹھ دروازے ہیں اور یہ سب ضمنی دروازے ہیں۔ یہ مخصوص دروازے ان لوگوں کے لیے ہیں جو فرائض کی کماحقہ' پابندی کے ساتھ ساتھ نوافل کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے ہوں' جو شخص جس نفل کی ادائیگی میں ممتاز ہوگا' وہ اس کے مخصوص دروازے سے داخل ہوگا۔

عَلٰى مَنْ دُعِيَ...... (حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس عرضداشت کا مطلب یہ ہے کہ مقصود جنت میں داخلہ ہے۔ اگر کوئی کسی ایک دروازے سے بلالیا جائے تو اسے دوسرے دروازے کی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ اس کا مقصود حاصل ہوگیا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ضرورۃ کے معنی ضرر کے لیے جائیں۔ اب مطلب یہ ہوگا: اس میں کوئی نقصان اور حرج نہیں۔

يدعى من تلك الابواب كلها

یعنی کیا کوئی ایسا ہے جو فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ تمام نوافل کی ادائیگی میں اتنا شغف رکھتا ہے کہ وہ سب میں ممتاز ہو۔ اور وہ سب دروازوں پر پکارا جائے۔ فرمایا: ایسے لوگ بھی ہیں اور تم ان میں سے ہو۔ حدیث میں وارد ہے: ''وارجو'' میں اُمید کرتا ہوں کہ تم ان میں سے ہو۔ اور ہر اُمید کا پورا ہونا ضروری نہیں' مگر یہ ہماری اور آپ کی اُمید کے بارے میں ہے۔ اس سے قبل گزر چکا کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رجا (اُمید) تحقیق کے لیے ہوتی ہے۔

بَابٌ هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ اَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ وَمَنْ رَّاٰى كُلَّهُ وَاسِعًا (ص ۲۵۵)

کیا رمضان یا شہرِ رمضان کہا جائے؟ اور جو سب کو جائز جانے

توضیح

اسلاف میں حضرت امام عطاء اور امام مجاہد صرف رمضان کہنے کو ناپسند کرتے تھے۔ شہر رمضان' شہر کی اضافت ضروری جانتے تھے۔ اس سلسلے میں کامل ابن عدی کی ایک حدیث بھی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمضان نہ کہو کیونکہ رمضان اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ہے' ہاں شہر رمضان کہو' مگر وہ ضعیف ہے۔ جمہور محققین کا مسلک یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ شہر کی اضافت کے بغیر صرف رمضان کہا جائے۔ خود امام بخاری کا اپنا مسلک کیا ہے' حسبِ عادت اکثری اس کو ظاہر نہیں فرمایا' مگر جو احادیث لائے ہیں' ان سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دونوں جائز جانتے ہیں۔

افادہ (شہر کی اضافت صرف تین مہینوں کی طرف درست ہے)

شہر کی اضافت صرف تین مہینوں کی طرف صحیح ہے: ربیع الاوّل' ربیع الآخر اور رمضان' جیسا کہ علامہ ابن حاجب نے تصریح کی ہے اس کے علاوہ دوسرے مہینوں کی جانب شہر کی اضافت جائز نہیں۔

رمضان [کا معنی]

رمض' کا مصدر ہے یہ رمضاء سے ہے' اس کے معنی جلنے کے ہیں۔ جب رمضان کا نام رکھ رہے تھے تو شدت کی گرمی پڑ رہی

تھی۔

[مہینوں کے پہلے نام]

پہلے مہینوں کے نام یہ تھے: محرم کا نام مؤکر' صفر کا ناجر' ربیع الاوّل کا خوان' ربیع الآخر کا ویصان' جمادی الاولیٰ کا ربیٰ' جمادی الآخرہ کا حنین' رجب کا اصم' شعبان کا عاذل' رمضان کا ناتق' شوال کا وعل' ذوالقعدہ کا ورنہ' ذوالحجہ کا برک۔

محکم میں ہے کہ شہر کے اصل معنی چاند کے ہیں' چاند کو شہر اس کی شہرت کی وجہ سے کہتے ہیں۔

۱۱۱۱- ح: إِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ

[جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں]

۱۱۱۱- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

۱۱۱۲- ح: غُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ

[جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے]

۱۱۱۲- اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آ جاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

(ایضاً۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة ابليس ص ۴۶۳ 'مسلم' نسائی۔ کتاب الصیام)

ابن ابی انس مولی التیمیین

ابو انس سے مراد مالک بن ابو عامر ہیں۔ یہ حضرت امام مالک صاحب مذہب کے چچا تھے۔ ابن ابی انس سے مراد ان کے صاحبزادے ابو سہیل ہیں۔ ابو عامر مکہ معظمہ آئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی عثمان بن طلحہ کے حلیف بن گئے' اس لیے مولی التیمیین کہلانے لگے۔ حضرت امام مالک کہا کرتے تھے: ہم آل تیم کے موالی نہیں' ہم قبیلہ اصبح کے عرب ہیں' مگر ہمارے دادا آل تیم کے حلیف بن گئے تھے' اس لیے ہم کو لوگ مولی آل تیم کہنے لگے۔ ابو سہیل نافع عمر میں حضرت امام زہری سے کم ہیں۔ اسی وجہ سے امام زہری کے تلامذہ نے بھی ان کا زمانہ پایا۔ یہ امام زہری سے پہلے وفات بھی پا گئے۔ ۱۰۰ھ یا ۱۱۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے اور امام زہری کا وصال ۱۲۴ھ میں ہوا ہے۔

فتحت ابواب الجنّة' السّماء...... [رمضان میں جنت کے دروازے کھلنے سے مراد]

اس سے کوئی مانع نہیں کہ دروازہ کھولنے سے اس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ رمضان میں شب و روز مسلمان اعمال صالحہ بہ کثرت کرتے ہیں' تو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ انہیں عروج اور درجہ قبول تک پہنچنے میں ادنیٰ سی رکاوٹ نہ ہو۔ نیز یہ کہ جب جنت اور آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں تو رحمت و برکت کا تسلسل کے ساتھ نزول ہوتا رہے گا۔ اسی طرح جہنم کے

دروازوں کا بند ہونا اور شیاطین کا زنجیروں میں جکڑنا بھی حقیقی معنوں میں ہے۔

بَابُ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ (ص ۲۵۵) — چاند دیکھنے کا بیان

۱۱۱۳- اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاَفْطِرُوْا فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ وَقَالَ غَيْرُهٗ عَنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ وَّ يُوْنُسُ لِهِلَالِ رَمَضَانَ.

(ایضاً۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ ص ۲۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھ لو تو روزہ چھوڑو اور اگر (۲۹ کو) چاند نظر نہ آئے تو چاند کے لیے اندازہ کرلو اور یحییٰ بن بکیر کے علاوہ ایک شخص نے لیث سے روایت کرتے ہوئے کہا: مجھ سے عقیل اور یونس نے حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ہے: رمضان کا ہلال۔

اذا رأیتموہ..... (رویت ہی پر مدار ہے ایک کا لاجواب استنباط)

اس حدیث میں ضمیر منصوب متصل کا مرجع ہلال ہے جو سب کو معلوم اور متعین ہے جیسے آیہ کریمہ "وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ" (النساء:۱۱) میں "وَلِاَبَوَيْهِ" کی ضمیر مجرور متصل کا مرجع لفظاً یا معناً مذکور نہیں، مگر سیاق کلام سے معلوم اور متعین ہے۔

یہ حدیث اور اس کے ہم معنی دوسری احادیث اس پر نص ہیں کہ رمضان اور اسی کے مثل اور مہینوں کی ابتداء اور انتہا کا مدار رؤیت پر ہے اس لیے اہل نجوم اور ہیئت کا حساب شرعاً غیر معتبر اسی کی تاکید اکیداً آگے کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: "فَاِنْ غم علیکم فاقدروا له" اور اگر چاند چھپ جائے تو مقدار پوری کرو۔ "غُمَّ" "غَمَّ" کا ماضی مجہول ہے "غَمٌّ" کے معنی چھپنے کے ہیں، ڈھانک لینے کے ہیں بولتے ہیں: "غَمَمْتُ الشَّيْءَ غَطَّيْتُهٗ" میں نے اس کو چھپالیا ڈھانک لیا اس لیے "فان غم علیکم" کے معنی شارحین نے یہ لکھے: "ای سُتر الهلال علیکم" یعنی تم سے چاند چھپالیا جائے۔ اس کی تائید ابوداؤد[1] اور نسائی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں بجائے "غم علیکم" کے یہ ہے: "فان حال دونه غمامة (وفی روایة سحابة. وفی روایة ظلمة" ہے یعنی اگر بادل یا تاریکی حائل ہو جائے اس کا قطعی مطلب یہ ہوا کہ چاند اُفق سے اتنی اوپر ہے کہ اگر بادل، گرد و غبار دھواں، کہر نہ ہوتا تو نظر آ جاتا، مگر بدلی وغیرہ سے ڈھک جانے کی وجہ سے نظر نہیں آیا، تو حکم یہ ہے کہ مہینہ باقی ہے تیس کی تعداد پوری کرو۔ نجوم اور ہیئت کے حساب سے یہی نہ معلوم ہوگا کہ چاند مطلع پر اتنی اونچائی پر آ گیا ہے کہ اگر کوئی چیز حائل نہ ہو تو نظر آ جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیر معتبر ٹھہرایا اور مدار رؤیت پر رکھا اس لیے اہل ہیئت لاکھ کہیں کہ چاند اتنی سطح پر پہنچ چکا ہے کہ اگر بدلی وغیرہ نہ ہوتی تو ضرور نظر آتا، مگر معتبر نہیں۔

ہیئت کا عجز

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ "درء القبح عن درک وقت الصبح" میں فرمایا:

پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جن کا مدار صرف رؤیت پر رہا، وہ ہلال ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ امده برؤيته"[2] بے شک اللہ نے اس کی مدت رؤیت پر رکھی۔ اس کے ظہور و خفا کے وہ اسباب کثیرہ نا منضبط ہیں جن کے لیے آج تک کوئی قاعدہ منضبط نہ ہو سکا لہٰذا بطلیموس نے مجسطی میں بہ آنکہ متحیرہ خمسہ و کواکب ثوابت کے ظہور و خفا کے لیے باب وضع کیے، مگر رؤیت ہلال سے اصلاً بحث نہ کی۔ وہ جانتا تھا

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۱۸۔ کتاب الصیام۔ باب: من قال فان غم علیکم فصوموا ثلاثین، نسائی۔ ج ۱ ص ۳۰۲۔ باب: اکمال ثلاثین اذا کان غیم

[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۴۹۔ کتاب الصیام۔ باب: اول

کہ یہ قابو کی چیز نہیں۔ اس کا میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں دے سکتا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے تجارب کی بناء پر اگرچہ بلحاظ درجۂ ارتفاع، یا بعد سوا، یا بعد معدل، وقوس تعدیل الغروب وغیر ذالک کچھ باتیں بیان کیں، مگر وہ خود ان میں بشدت مختلف ہیں۔ اور باوصف اختلاف کوئی اپنی قرارداد پر جازم بھی نہیں۔ جیسا کہ واقفِ فن پر ظاہر ہے۔ اسی لیے اہل ہیئتِ جدیدہ باآنکہ محض فضول باتوں میں نہایت تدقیق وتعمق کرتے ہیں اور سالانہ المنک میں ہر روز کے لیے قمر کے ایک ایک گھنٹہ کا میل ومطالع قمر اور ہر مہینے میں آفتاب کے ساتھ اس کے جملہ انظار، اجتماع واستقبال وتربیع ایمن وایسر کے وقت دیتے ہیں اور ہر ہر تاریخ پر متحیرات وثوابت کے ساتھ اس کے قرانات بیان کرتے ہیں، مگر رویت ہلال کا وقت نہیں دیتے، وہ بھی سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے بوتے کا نہیں۔ ولہٰذا ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ اس بارے میں قول اہل توقیت پر نظر نہ ہوگی۔ درمختار[1] میں رہبانیہ سے ہے: "وقولُ اولی التوقیتِ لیس بموجب"[2] اہل توقیت کا قول موجب نہیں۔

اقول: مگر یہ چوراسی سال پہلے کی بات ہے، اس مدت میں مختلف تجربے اور جدید خودکار آلاتِ رصدیہ اور حساب میں کمپیوٹر کی مدد سے رویتِ ہلال بھی دینے لگے ہیں جو سالہاسال کے تجربے سے صحیح بھی اترے ہیں، تو جس طرح اوقاتِ صلوٰۃ کے جاننے کا بھی مدار رویت تھی، مگر سالہاسال کے تجربات سے قواعد منضبط ہوئے، جو تجربے ہی سے صحیح ثابت ہوئے تو اس پر اعتماد باجماع مسلمین ہو رہا ہے۔ مجدد اعظم اسی رسالے[3] میں لکھتے ہیں:

"حساب تو قطعی تھا ہی جتنی بات کی طرف اسے راہ نہ تھی وہ مکرر رویت نے براہِ تجربہ بتادی۔ اور اب تجربہ وحساب دو قطعیوں سے مل کر حکم قطعی ہمارے ہاتھ آگیا"۔

اس لیے کوئی کہہ سکتا ہے کہ عہد رسالت میں بلکہ ۱۳۲۶ھ تک چونکہ رویت کے قواعد منضبط نہ تھے، اس لیے اس کا اعتبار نہ ہوا اور اب جبکہ اوقاتِ صلوٰۃ کی طرح اس کے قواعد بھی منضبط ہو گئے ہیں تو اعتبار ہونا چاہیے۔ یہ علماء کرام خصوصاً مفتیانِ عظام کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ رویت پر مدار رکھنے کی وجہ سے ہر سال رمضان، عیدالفطر، عیدالضحیٰ کے مواقع پر پورے ملک میں انتہائی شورش اور جھگڑا لڑائی ہو جایا کرتی ہے، حتیٰ کہ عوام علماء کے قابو میں نہیں رہتے۔ روزہ الگ چھوڑتے اور توڑتے ہیں۔ عید کی نماز تک قبل از وقت پڑھ لیتے ہیں، عوام کے ایمان کی سلامتی کے لیے کیوں نہ اوقاتِ نماز کی طرح رویت ہلال میں بھی موجودہ قواعد رویت کا اعتبار کرلیا جائے۔

رویت میں آسانی ہے

رویت پر مدار کار رکھنے میں آسانی ہے، علم توقیت کے ذریعہ معلومات میں کتنی دشواریاں ہیں، وہ اہل ہیئت ہی جانتے ہیں۔ جدید علم ہیئت سے کام لینے میں جدید آلاتِ رصدیہ اور کمپیوٹر وغیرہ کی فراہمی اس سے کام لینے والے ماہرین وہ بھی دیانتدار کتنے ناپید ہیں، یہ کس سے پوشیدہ ہے۔ اس کے بالمقابل رویت میں کتنی آسانی ہے، وہ بتانے کی بات نہیں۔ اور نہ شریعت نے ہمیں اس کا مکلف فرمایا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک دن سے روزہ رکھنا شروع کریں اور ایک دن چھوڑیں۔ ایک ہی دن عیدین پڑھیں، قربانی کریں، پھر وہ کیا شرعی یا عقلی وجہ ہوسکتی ہے کہ ہم توقیت وہیئت رصدگاہوں، آلاتِ رصدیہ اور کمپیوٹر کی بھول بھلیوں میں پھنسیں۔ صاف صریح حکم ہے، جس جگہ والوں کے لیے جیسی رویت ہو یا ثابت ہو، اسی کے مطابق عمل کریں۔ کاش کہ ہر مسلمان اس نقطہ کو سمجھ لیتا تو نہ شورش ہوتی نہ ہنگامہ، نہ لڑائی نہ جھگڑا، مگر عوام کم جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس پر مصر ہے کہ پورے ہندوستان میں ایک ہی دن عید ہو۔ اسی شوق نے سارے

---

[1] درمختار۔ ج ۲ ص ۹۲۔ کتاب الصوم۔ برحاشیہ ردالمحتار نعمانیہ [2] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴ ص ۶۴۴ [3] ایضاً

ہنگامے کھڑے کر دیے ہیں' یہ شوق یقیناً غلط ہے۔ اس لیے اس پر مبنی سارے الزامات ہی غلط' مگر علماء کو بھی بشرطِ گنجائش اس پر غور کرنا لازم ہے۔

اختلاف مطالع معتبر نہیں:

اس سلسلے میں ایک بہت اہم بحث اختلاف مطالع کی آتی ہے کہ یہ معتبر ہے یا نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے یہاں معتبر ہے۔ ائمہ احناف میں حضرت امام ابوجعفر طحاوی' امام زیلعی' امام ملک العلماء کاسانی صاحب فیض کے نزدیک معتبر ہے' مگر ہمارے نزدیک صحیح و مختار یہی ہے کہ معتبر نہیں' یہی ظاہر مذہب ہے' اس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

واقعہ یہی ہے کہ اختلاف مطالع سے رؤیت مختلف ہوتی ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ہندوستان میں چاند جمعرات کو نظر نہ آئے' مگر حجازِ مقدس میں نظر آ جائے بلکہ خود ہندوستان میں ممکن' مثلاً یہ ہو سکتا ہے کہ کلکتہ میں جمعرات کو چاند نظر نہ آئے اور دہلی یا بمبئی میں نظر آ جائے۔ اس لیے واقعہ کے مطابق حکم یہی ہونا چاہیے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے' مگر ہمارے علماء اسے دو وجہ سے غیر معتبر فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ ارشاد ہے: ''صُومُوا لِرُؤيَتِهِ وَاَفطِرُوا لِرُؤيَتِهِ'' اور یہ خطاب دنیا کے تمام مسلمانوں سے ہے اور قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں سے۔ اس لیے جب کہیں بھی رؤیت ہوگی تو جہاں جہاں کے مسلمانوں کو بہ طریقۂ شرعی ثبوت مل جائے اس پر عمل واجب۔ دوسرے اختلافِ مطالع کتنی مسافت پر ہوگا؟ اس کی تعیین میں خود اہل توقیت سرگرداں ہیں۔ اخیر قرارداد یہ ہے کہ بہتر میل پر اختلافِ مطالع ہوتا ہے' مگر یہ اس وقت ہے کہ مکان اعتبار اور مکان رؤیت مطلع بخط مستقیم مشرق ہوں۔ اور اگر جانب شمال و جنوب ہٹے ہوئے ہیں تو فاصلہ کچھ اور ہوگا جیسا کہ واقفِ فن پر مخفی نہیں ہے۔ ان پیچ در پیچ دشواریوں کی وجہ سے شریعت نے رؤیت ہلال کے سلسلے میں حساب کو غیر معتبر فرما دیا۔ ''لا نکتب و لا نحسب'' ''ہم نہ حساب کرتے ہیں نہ کتاب۔

فَاقدِرُوا لَهُ

یہ نصر ینصر اور ضرب یضرب دونوں سے آتا ہے۔ زیادہ استعمال ضرب یضرب سے ہے' حتیٰ کہ مُغرب میں ہے کہ ضمۂ عین غلط ہے۔ اس کا مصدر ''قَـدْرٌ'' ہے' اندازہ کرنے کے معنی میں اور یہاں بہ طریق شرعی اندازہ کرنا مراد ہے اور مہینوں کے لیے شرعی اندازہ یہی ہے کہ مہینہ انتیس کا نہیں تو تیس کا ہوتا ہے' اس لیے اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔ اس کی تائید خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو نافع سے' ابوداؤد میں مروی ہے کہ فرمایا: ''فَـاقـدِرُوا لَـهُ ثَلٰثِينَ'' اور بخاری' مسلم میں حضرت عبداللہ بن دینار سے ان الفاظ میں مروی ہے: ''فَاكمِلُوا العِدَّةَ ثَلٰثِينَ'' ''تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

یہی ہمارا اور حضرت امام شافعی اور امام مالک اور جمہور کا مذہب ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے بادل کے نیچے ہے۔ اب اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر انتیس شعبان کو چاند نظر نہ آئے اور مطلع صاف نہ ہو تو دوسرے دن روزہ رکھو۔ ابن شریح' مطرف بن عبداللہ اور قتیبہ نے کہا: ''فَاقدِرُوا لَهُ'' کے معنی یہ ہیں کہ نجوم اور منازلِ قمر سے حساب لگا کر اندازہ کرو۔ یعنی اگر علم نجوم کی رو سے انتیس کی رؤیت قطعی تھی مگر مطلع ناصاف ہونے کی وجہ سے چاند دکھائی نہیں دیا تو مہینہ پورا ہو گیا' دوسرے دن سے رمضان شروع ہو گیا۔ بعض کبار تابعین کا بھی یہی مذہب تھا۔ ابن شریح نے حضرت امام شافعی کا بھی ایک قول یہی نقل کیا ہے۔ احناف میں سے ابن مقاتل نے بھی کہا ہے کہ اہلِ نجوم کے قول پر اعتماد میں کوئی حرج نہیں' جبکہ اس پر ان کی ایک جماعت کا اتفاق ہو' مگر یہ روایت شاذ اور مرجوح ہے۔ ہمارا مذہب صحیح و مختار وہی ہے کہ اس بارے میں حساب کا اعتبار نہیں۔ اولاً: اس لیے کہ حدیث میں نص ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور روزہ چھوڑو۔ مدار رؤیت پر رکھا۔ ثانیاً: اس بارے میں حساب و کتاب کو لغو قرار دیا۔

فرمایا: "نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب" ہم اُمت امیہ ہیں، لکھتے پڑھتے نہیں۔ ثالثاً: اس میں حرج عظیم ہے جیسا کہ گزر چکا۔ رابعاً: جب خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث میں "فاقدروا ثلثين" ہے "فاكملوا العدة ثلثين" ہے، تو "فاقدروا" کا پہلا معنی بنص حدیث متعین ہو گیا۔ حدیث کی تفسیر جب حدیث میں ہے تو اپنی رائے سے اس کا کوئی اور معنی بتانا غیر معتبر۔

وقال غیرہ

یعنی اس حدیث کے راوی یحییٰ بن بکیر کے علاوہ دوسرے صاحب نے امام لیث ہی سے اسی طریقے سے یہ حدیث روایت کی، اس میں "لهلال رمضان" ہے، یہ رمضان کے ہلال کے بارے میں فرمایا، یہ دوسرے صاحب ابو صالح، عبداللہ بن صالح کاتب لیث ہیں۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فِي الصَّوْمِ (ص۲۵۵)

جس نے روزے میں بُری بات اور بُرا عمل نہیں چھوڑا

١١١٤ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص (روزے میں) بُری بات اور بُرا عمل نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: قول الله واجتنبوا قول الزور ص۸۹۵، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کلہم فی کتاب الصوم)

قول الزور

زور کے معنی جھوٹ اور حق سے ہٹنا اور باطل پر عمل کرنا اور تہمت ہے۔ اسی لیے میں نے عام مترجمین سے ہٹ کر اس کا ترجمہ بُری بات کیا ہے جو سب کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے سنن کبریٰ میں، اور ابن ماجہ نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے، اس میں غیبت کا بھی اضافہ ہے، حالانکہ غیبت میں جھوٹی بات نہیں ہوتی، غیبت اسے کہتے ہیں کہ انسان میں جو عیب واقعی ہے، اسے بیان کیا جائے، جس کا بیان کرنا اسے تکلیف دِہ ہو۔ اور اگر جو عیب اس میں نہیں اسے بیان کیا تو یہ غیبت نہیں، بہتان ہے۔[1] اب اگر قول زور کے معنی جھوٹ کے لیں گے تو غیبت اس میں داخل نہ ہوگی اور جب بُری بات کے لیں گے تو غیبت بھی اس میں داخل ہوگی۔

کتاب الادب نیز نسائی وغیرہ کی روایات میں "والعمل به" کے بعد "والجهل" بھی ہے، یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر ناپسندیدہ بات جس کے مرتکب کو عرف میں جاہل کہا جائے۔ اس روایت میں "في الصوم" نہیں اس لیے مناسب تعمیم ہے۔ یعنی جو گناہوں کا عادی ہے اسے روزے سے نفع نہیں ہوگا، اس کا روزہ مقبول نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جو خاص روزہ رکھنے کی حالت میں معاصی نہ چھوڑے اس کا روزہ مقبول نہ ہوگا۔ اس کی تائید نسائی کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں "في الصوم" زائد ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاعت اس وقت نافع ہوگی جبکہ معاصی سے اجتناب کیا جائے۔ معاصی کا ارتکاب طاعات کو بے

[1] ج ۲ ص ۱۵۔ کتاب البر۔ باب: الغیبة

نور کر دیتا ہے اس لیے کہا گیا ہے: نیکی کے کام نیک اور بد دونوں کرتے ہیں اور معاصی سے صرف صدیق بچتا ہے۔

بَابُ هَلْ يَقُوْلُ اِنِّىْ صَائِمٌ اِذَا شُتِمَ (ص ۲۵۵)

جب روزے دار کو گالی دی جائے تو کیا وہ یہ کہے: میں روزے دار ہوں؟

۱۱۱۵- ح: لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ

[روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں]

۱۱۱۵- عَنْ اَبِىْ صَالِحِ الزَّيَّاتِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِىَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزے دار کے لیے خوش ہونے کے دو موقعے ہیں جس وقت وہ خوش ہوگا، جب افطار کرے گا خوش ہوگا اور جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے پر خوش ہوگا۔

یہ حدیث: ۱۱۱۴، کا اخیر حصہ ہے جس کے الفاظ یہاں یہ ہیں:

واذا كان يوم صوم احدكم فلا يرفث ولا يصخب فان سابه احد او قاتله فليقل انى امرء صائم.

اور جب تمہارے روزے کا دن ہو تو بے ہودہ نہ بکے، نہ چلّائے، اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

اسی سے باب کا اثبات ہے۔

للصائم فرحتان

افطار کے وقت عوام کی خوشی کھانے پینے کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ خوشی فطری، طبعی ہے۔ اس خوشی پر کوئی اجر نہیں اور خواص کی خوشی اس لیے ہوتی ہے کہ انہیں روزہ جیسی نفس پر شاق مگر محبوب عبادت کی تکمیل کی توفیق ملی اور ہماری طاعات میں ایک روزے کا اضافہ ہوا۔ یہ خوشی ایسی ہے کہ موجب اجر ہے۔ دوسری خوشی یوم جزا ہوگی جب اللہ عزوجل روزے دار کو اپنے دست خاص سے جزاء عطا فرمائے گا۔ اس وقت کی خوشی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ عاشقانِ سوختہ جگر سے پوچھو اگر اللہ عزوجل جزاء کچھ نہ دے۔ مواجہہ قدس میں باریاب کر کے اپنی رضا ظاہر فرمادے تو یہ کونین کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے ۔۔۔ اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

بَابُ الصَّوْمِ لِمَنْ خَافَ عَلٰى نَفْسِهِ الْعُزُوْبَةَ (ص ۲۵۵)

اس کے لیے روزے کا حکم جسے نا کتخدا ہونے کی وجہ سے گناہ کا اندیشہ ہو

۱۱۱۶- ح: مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ

[تم میں جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے]

۱۱۱۶- عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَمْشِىْ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ

علقمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے ہم راہ جا رہا تھا کہ انہوں نے فرمایا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، وہ نکاح کر لے کیونکہ وہ نظر نیچے کرنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت

فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَاءَةُ النِّكَاحُ.

کرنے والی ہے اور جو نکاح کی استطاعت نہ رکھے وہ روزے رکھے اس لیے کہ روزہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: الباءۃ' نکاح ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ص۷۵۸' باب: من لم یستطع الباءۃ فلیصم ص۷۵۸' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب الصوم۔ کتاب النکاح' ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

تکمیل

بخاری' کتاب النکاح میں اس سے پہلے یہ زائد ہے: علقمہ کہتے ہیں: ہم عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' ان سے حضرت عثمان نے منٰی میں ملاقات کی اور فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! مجھے تم سے کچھ ضرورت ہے۔ اس پر وہ دونوں تنہائی میں چلے گئے۔ حضرت عثمان نے ان سے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری شادی کسی کنواری عورت سے کردوں؟

حضرت ابن مسعود نے جب دیکھا کہ انہیں حاجت نہیں تو انہوں نے میری طرف اشارہ کیا تو انہوں نے مجھے بلایا' میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ کہنے لگے: سنو! اگر میں نے یہ کہا ہے تو حیرت کی بات نہیں' ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جوانو! تم میں جو نکاح کی استطاعت رکھے وہ شادی کرے' الحدیث۔

اس کے بعد والے باب میں یہ ہے: عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ میں علقمہ اور اسود کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ جوان اور بالکل نادار تھے' ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جوانو!

العزوبۃ

باب میں ''العزوبۃ'' کا لفظ آیا ہے' اس کا مادہ ''عَزَبَ'' ہے' ''عزوبۃ'' اس کا مصدر ہے۔ اس کے علاوہ ''عُزَابَۃٌ' عَزُوْبٌ'' بھی مصدر آتا ہے۔ ''عَزِبٌ' أَعْزَبُ'' مرد کے لیے اور ''عَزِبَۃٌ'' عورت کے لیے آتا ہے' غیر شادی شدہ مجرد۔ اس کا اصل معنی دور ہونا ہے۔ ''نَصَرَ'' اور ''ضَرَبَ'' سے اس کے معنی دور ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے: ''عزب عنی فلان ای بعد'' اور خاص نفر سے اس کے معنی مجرد رہنا' اور بے بیوی' شوہر کے رہنا ہے۔ باب تفعیل میں جا کر اس کا معنی یہ ہو جاتا ہے: مدت تک مجرد رہا' پھر گھر بسایا۔ یہاں ''عزوبۃ'' سے مراد مجرد رہنا ہے۔ باب کا مطلب یہ ہوا: مجرد رہنے کی وجہ سے جو بدکاری کا خطرہ محسوس کرے' وہ روزہ رکھ کر شہوت کا زور توڑ دے۔

البَاءۃ

امام بخاری نے فرمایا کہ ''الباءۃ'' کے معنی نکاح کے ہیں' اس میں چار لغات ہیں۔ اوّل: مد اور باء کے ساتھ ''الباءۃ'' یہی سب سے زیادہ مشہور اور فصیح ہے۔ دوسرے: بغیر مد کے ''الباۃ''۔ تیسرے: مد کے ساتھ بغیر باء کے ''الباء''۔ چوتھے: بغیر مد کے دو ہاء کے ساتھ ''الباھۃ''۔ بر بنائے مشہور یہ اجوف واوی مہموز اللام ہے۔ اس کا مادہ ''بَوْءٌ'' ہے' لوٹنے کے معنی میں۔ اسی سے ''تبوّء الدّار'' ہے' چونکہ نکاح کے بعد انسان کو کوئی نہ کوئی گھر بنانا پڑتا ہے' جہاں وہ لوٹتا ہے۔ اسی علاقہ سے ''الباءۃ'' عرف میں بہ معنی نکاح ہے۔ ''وِجَاءٌ'' ناقص یائی ہے۔ ''سَمِعَ'' سے آتا ہے' خصیوں یا رگوں کو کوٹ کر اس طرح بیکار کر دینا کہ قوت جماع ختم ہو جائے۔ یہاں شہوت کی تیزی ختم کرنا مراد ہے۔

احکام

(۱) اعتدال کی حالت میں یعنی جبکہ نہ شہوت کا غلبہ ہو اور نہ نامرد ہو اور مہر نان ونفقہ پر قادر ہو تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اس وقت نکاح نہ کرنے پر اڑا رہنے والا گنہگار ہے اور اگر اس قصد سے نکاح کرے کہ حرام سے محفوظ رہے سنت کی ادائیگی ہو اور تعمیل حکم ہو تو ثواب کا بھی مستحق ہے۔ اور اگر محض لذت اندوزی اور قضاء شہوت کی غرض سے ہو تو ثواب کا مستحق نہیں صرف مباح ہے۔

(۲) اور اگر شہوت کا اتنا غلبہ ہو کہ اس کا قوی اندیشہ ہو کہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو بدکاری میں مبتلا ہو جائے گا اور کوئی غیر فطری کام کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور مہر نان ونفقہ پر قدرت بھی ہو تو واجب ہے۔

(۳) اور اگر یقین ہو کہ اس صورت میں نکاح نہ کرنے پر بدکاری میں مبتلا ہو جائے گا تو فرض ہے۔

(۴) اور اگر اس کا اندیشہ ہو کہ نان ونفقہ نہ دے سکے یا اور جو ضروری حقوق ہیں وہ ادا نہ کر پائے گا تو مکروہ ہے اور اس کا یقین ہو تو حرام لیکن اگر کرے گا تو صحیح ہو جائے گا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا (ص۲۵۵)

نبی ﷺ کا ارشاد: جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو روزہ چھوڑو

ت۳۳۳ - وَقَالَ صِلَةُ عَنْ عَمَّارٍ مَّنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور صلہ نے کہا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے یوم شک میں روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔

باب کا عنوان بلفظہ مسلم[۱] کی ایک حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے اخیر میں یہ بھی ہے:

فان غم عليكم فصوموا ثلثين يوماً. اور اگر چاند تم سے چھپا لیا جائے تو تیس دن روزے رکھو۔

اس تعلیق کو اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے[۲] ان سب میں ابتداء میں یہ ہے کہ راوی صلہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھے کوئی صاحب بھنی ہوئی بکری لائے۔ حضرت عمار نے فرمایا: کھاؤ! تو ایک صاحب الگ ہو گئے اور کہا: میں روزے سے ہوں۔ اس پر حضرت عمار نے وہ فرمایا۔

صلہ

اس اثر کے راوی صلہ بن زفر عبسی کوفی ہیں ان کی کنیت ابوبکر یا ابوالعلاء ہے۔ یہ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں داخل بحق ہوئے۔ یہ کبار تابعین میں سے ہیں یہ بہ ظاہر موقوف ہے۔ یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ کیا چیز حضور اقدس ﷺ کی نافرمانی ہے یہ شارع سے جب تک نہ سنا گیا ہو عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی پھر نافرمانی کا لفظ بتا

---

[۱] مسلم ج۱ ص۳۴۷۔ کتاب الصیام۔ باب: اول

[۲] ابوداؤد ص۳۱۹۔ کتاب الصیام۔ باب: کراهية صوم يوم الشك ترمذی ص۸۷۔ کتاب الصوم۔ باب: کراهية يوم الشك نسائی ج۱ ص۳۰۲۔ کتاب الصیام۔ باب: صيام يوم الشك ابن ماجہ ص۱۳۰۔ کتاب الصیام۔ باب: صيام يوم الشك

رہا ہے کہ اس سلسلے میں شارع کا کوئی فرمان حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے علم میں تھا کہ آپ نے منع فرمایا' ورنہ نافرمانی کیسے متصور ہوگی۔

احکام

(۱) شک کے معنی ہیں: اثبات ونفی دونوں برابر ہوں۔ یوم شک سے مراد شعبان کی وہ تیس تاریخ ہے' جس کے بارے میں نہ یہ یقین ہو کہ یہ شعبان ہے' نہ یہ یقین ہو کہ رمضان ہے' مثلاً انتیس شعبان کو مطلع ناصاف تھا' چاند نظر نہیں آیا' یا ایک یا دو فاسقوں نے خبر دی یا گواہی دی' جو قبول نہ ہوئی' یا انتیس رجب کو مطلع ناصاف تھا۔ تیس کی گنتی پوری کر کے شعبان کا مہینہ گزرا۔ اس حساب سے انتیس شعبان کو پھر مطلع ناصاف رہا اور چاند نظر نہیں آیا تو دوسرا دن یوم شک ہے۔ شک ہے کہ یہ تیس شعبان ہے یا یکم رمضان لیکن اگر انتیس شعبان کو مطلع صاف ہوا اور چاند نظر نہ آئے یا بہ قدر ثبوت جماعت عظیم چاند نہ دیکھے تو اب دوسرا دن یوم شک نہیں۔ اگر بالفرض اس دن کے رمضان ہونے کا شبہہ بھی ہو تو بہت کمزور ہوگا' جس کی وجہ سے شک کا تحقق نہ ہوگا۔

(۲) یوم شک کا روزہ رکھنے کی پانچ صورتیں ہیں' اوّل: خاص نفل کی نیت سے روزہ رکھا' یہ خواص کے لیے مستحب ہے' عوام کے لیے ممنوع۔ یہاں خواص سے علماء ہی مراد نہیں بلکہ ہر وہ شخص یہاں خواص میں داخل ہے' جو یہ جانتا ہو کہ یوم شک کا اس طرح روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ دوم: خالص رمضان کی نیت سے روزہ رکھا۔ یہ عوام وخواص سب کے لیے ممنوع ہے۔ سوم: اگر یہ شعبان کا دن ہے تو نفل ورنہ رمضان کا روزہ ہے' یہ بھی دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر یہ رمضان کا دن ہوگا تو یہ روزہ رمضان کا ہو جائے گا' اگرچہ دوسری اور تیسری صورتوں میں کراہت کا ارتکاب ہوگا۔ چہارم: اگر یہ دن رمضان کا ہے تو روزہ ورنہ روزہ نہیں۔ یہ بھی سب کے لیے ممنوع اور روزہ نہ ہوگا' اگرچہ یہ دن رمضان کا ہو۔ پنجم: کسی اور واجب کی نیت سے روزہ رکھا' مثلاً کسی کفارے یا رمضان کے قضا' یا منت کا۔ یہ بھی سب کے لیے مکروہ' مگر اس کی کراہت پہلے سے کم ہے۔ اب اگر یہ ظاہر ہوا کہ یہ دن شعبان کا ہے' تو جس روزے کی نیت کی تھی وہ ہو گیا' یہی صحیح ہے۔ ششم: یہ نیت کی اگر کل رمضان ہے تو رمضان کا روزہ اور اگر رمضان نہیں تو فلاں واجب' تو یہ بھی سب کے لیے مکروہ۔ اخیر کی دونوں صورتوں میں اگر یہ ظاہر ہوا کہ یہ دن رمضان کا ہے تو رمضان کا ہوگا۔

(۳) یہ حکم مقیم کے لیے ہے' مسافر نے جس روزے کی نیت کی تھی' وہی ہوا۔

(۴) جن صورتوں میں رمضان کی نیت ہو' ان صورتوں میں مقیم کے لیے مکروہ تنزیہی اور مسافر کے لیے تحریمی۔

(۵) یوم شک کو افضل یہ ہے کہ ضحوۂ کبریٰ تک کچھ نہ کھایا پیا جائے' اگر ضحوۂ کبریٰ تک رمضان ہونے کا ثبوت مل جائے' روزے کی نیت کر لے' ورنہ کھا پی لے۔

۱۱۱۷- ح: اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَيْلَةً

[مہینہ انتیس رات کا ہوتا ہے]

۱۱۱۷- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس رات کا ہوتا ہے تو جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو' پس اگر چھپ جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔

۱۱۱۸- ح: اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا

[مہینہ ایسے ہے' اور ایسے ہے]

۱۱۱۸- عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ

جبلہ بن سحیم نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے

رضی اللّٰہ عنہما یقول قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الشہر ھکذا وھکذا وخنس الابہام فی الثالثۃ۔

ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مہینہ ایسے ہے ایسے ہے، اور تیسری بار انگوٹھا سمیٹ لیا۔

(مسلم، نسائی۔ کتاب الصیام)

مسلم میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی کل انگلیوں کو پھیلا کر دوبارہ اشارہ فرمایا، یعنی اوپر سے نیچے لائے۔ اور تیسری بار ایک ہاتھ کا انگوٹھا موڑ لیا۔ دونوں ہاتھوں کی دس انگلیاں ہیں، دوبار کل انگلیوں کو پھیلا کر اشارے سے بیس ہوئے۔ اور تیسری بار ایک انگوٹھا سمیٹ کر اشارہ کیا تو نو ہوئے، مجموعہ انتیس ہوئے۔ نسائی میں بھی یہی تفصیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔ مسلم ہی میں حضرت ابن عمر ہی کی حدیث میں جو سعید بن عمرو بن سعید سے مروی ہے، اس کے بعد ہے:

والشہر ھکذا وھکذا وھکذا یعنی تمام الثلثین۔

اور مہینہ ایسا ہے اور ایسا ہے اور ایسا ہے، یعنی پورے تیس دن کا۔

مطلب یہ ہے کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے کبھی تیس دن کا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بحوالہ تحفہ شامیہ امام قطب الدین شیرازی اور زیج الغ بیگی لکھا ہے کہ تیس کے چار مہینے مسلسل ہو سکتے ہیں اور انتیس کے تین۔

۱۱۱۹- ح: صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ

[(چاند کو) دیکھ کر روزہ رکھو اور (چاند کو) دیکھ کر روزہ چھوڑو]

۱۱۱۹- حدثنا محمد بن زیاد قال سمعت ابا ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ یقول قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم او قال ابو القاسم صلی اللّٰہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین۔ (مسلم، نسائی۔ کتاب الصیام)

محمد بن زیاد نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کہا: یا ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو، پس اگر چاند چھپا لیا جائے تو شعبان کی تیس کی تعداد پوری کرو۔

۱۱۲۰- ح: الٰی من نسائہ شہرا

[آپ (ﷺ) ایک مہینہ اپنی ازواج کے پاس نہیں گئے]

۱۱۲۰- عن ام سلمۃ رضی اللّٰہ عنہا ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الٰی من نسائہ شہرا فلما مضٰی تسعۃ وعشرون یوما غدا او راح فقیل لہ انک حلفت ان لا تدخل شہرا فقال ان الشہر یکون تسعۃ وعشرین یوما۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ قسم کھائی کہ ایک مہینہ اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے، جب انتیس دن گزر گئے تو صبح یا شام کو (ازواج مطہرات) کے پاس تشریف لے آئے۔ حضور سے عرض کیا گیا کہ حضور نے ایک مہینہ کے لیے قسم کھائی تھی، تو فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

(ایضاً ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: ھجرۃ النبی ﷺ نساءہ فی غیر بیوتہن ص ۷۸۳، مسلم۔ کتاب الصوم، نسائی۔ باب: عشرۃ النساء، ابن ماجہ۔ کتاب الطلاق)

ایلاء

''ایلاء'' کا مادہ ''اَلْوٌ'' ہے' مجرد کا مصدر ''اَلِیَّۃٌ'' آتا ہے' یہ مہموز فا ناقص واوی ہے' اس کے معنی کوتاہی' کمی کرنے کے ہیں۔ ایلاء باب افعال سے قسم کھانے کے معنی میں ہے' یہ واقعہ ۹ھ میں ہوا تھا۔ اس پر مفصل کلام ج ۲ ص ۹۱' رقم: ۲۶۳ میں ہو چکا ہے۔ عرض کرنے والی کہ حضور نے یہ قسم کھائی تھی کہ ایک مہینے تک نہیں آئیں گے اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ مدت پوری ہونے کے بعد سب سے آپ پہلے انہیں کے پاس تشریف لے گئے تھے' انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ یہ دن میں نے گن گن کر کاٹے ہیں۔

۱۱۲۱- ح: شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَان

[عید کے دو مہینے ناقص نہیں ہوتے]

۱۱۲۱- حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَهْرَانِ لَا يَنْقُصَانِ شَهْرَا عِيْدٍ رَمَضَانُ وَذُو الْحَجَّةِ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ دو مہینے ناقص نہیں ہوتے: دو عید کے مہینے' رمضان اور ذوالحجہ۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنْ نَّقَصَ رَمَضَانُ تَمَّ ذُو الْحِجَّةِ وَاِنْ نَّقَصَ ذُو الْحِجَّةِ تَمَّ رَمَضَانُ. وَقَالَ اَبُو الْحَسَنِ كَانَ اِسْحٰقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ يَقُوْلُ لَا يَنْقُصَانِ فِی الْفَضِيْلَةِ اِنْ كَانَ تِسْعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَوْ ثَلٰثِيْنَ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: اور حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اگر رمضان ناقص ہوگا تو ذوالحجہ پورا ہوگا' اور اگر ذوالحجہ ناقص ہوگا تو رمضان پورا ہوگا۔ اور ابوالحسن نے کہا: اسحٰق بن راہویہ کہتے تھے: فضیلت میں کم نہ ہوں گے' خواہ انتیس کے ہوں خواہ تیس کے۔

(مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۴۸-۵۱)

اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ایک سال میں رمضان اور ذوالحجہ دونوں مہینے انتیس کے نہ ہوں گے' ان میں ایک ضرور تیس کا ہوگا۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بہ طریق زید بن عقبہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

شهرا عيد لا يكون ثمانية و خمسون يومًا. عید کے دونوں مہینے اٹھاون دن کے نہیں ہوتے۔

(فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴ ص ۵۸۴)

اور یہی امام ابن سیرین[1] اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے' جیسا کہ بخاری ہی میں ہے۔ اس تقدیر پر یہ حکم بہ اعتبار اغلب و اکثر ہے ورنہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ رمضان اور ذوالحجہ دونوں مہینے انتیس کے ہوتے ہیں۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ میں نے کئی سال ایسا پایا ہے۔ علماء نے اس کے متعدد بہت عمدہ عمدہ معانی بیان فرمائے ہیں' سب سے اعلیٰ اور عمدہ یہ ہے کہ فضیلت اور ثواب میں ناقص نہیں ہوتے اگرچہ عدد میں دونوں ناقص ہوں' یعنی انتیس کے ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر دن روزے کی ایک مستقل فضیلت ہے' مثلاً دو دن روزہ رکھنا بہ نسبت ایک دن کے زیادہ موجب ثواب ہے' تو بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر انتیس کا رمضان ہوا تو بہ نسبت تیس کے اس کے ثواب میں کمی ہے' اس کے ازالے کے لیے فرمایا: رمضان اور ذوالحجہ خواہ انتیس کا ہو خواہ تیس کا' دونوں کا ثواب برابر ہے۔ انتیس دن کا رمضان ہو تو ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

رہ گئی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث' صحیح بھی ہے' یہ معلوم نہیں' اور اگر صحیح ہے تو اس کا احتمال ہے کہ یہ روایت بالمعنیٰ کا کرشمہ ہے۔ کسی راوی نے اصل حدیث کے ظاہر سے جو سمجھا اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔

[1] دہلی کی مطبوعہ بخاری میں نہیں' مگر علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے جو متن لیا ہے اس میں اور مصری مطبوعہ میں ہے۔

کامل ابن عدی میں ابوشیبہ عبدالرحمن بن اسحٰق بن ابی بکرۃ عن ابیہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر شہر حرام تام ہے، تیس دن اور تیس راتیں کا۔ مگر عبدالرحمن بن اسحٰق ضعیف ہیں، جیسا کہ امام احمد، یحییٰ، بخاری، نسائی نے فرمایا اور علامہ ابن عبدالبر نے تمہید میں فرمایا: یہ قابل احتجاج نہیں۔ اس کا مدار عبدالرحمن بن اسحٰق پر ہے اور وہ ضعیف ہیں۔

مگر علامہ عینی نے اپنے شیخ سے نقل فرمایا کہ اس کا مدار صرف عبدالرحمن بن اسحٰق پر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں بہ طریق خالد الحذاء بھی روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عبدالرحمن بن اسحٰق کی وجہ سے جو ضعف تھا وہ بہ طریق خالد ختم ہو گیا۔ اور اب روایت ضعیف نہ رہی بلکہ حسن ہو گئی۔

اقول: مگر علت قادحہ یہ ہے کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ بداہتِ حس اس کی تکذیب کر رہی ہے، اس لیے یہ معلول رہی۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ (ص ۲۵۶)

نبی ﷺ کا ارشاد: ہم نہ لکھیں، نہ حساب کریں

۱۱۲۲- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِيْنَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہم امی اُمت ہیں، نہ لکھیں نہ حساب کریں، مہینہ ایسا ہے اور ایسا ہے یعنی کبھی انتیس کا، کبھی تیس کا۔

(مسلم، ابوداود۔ کتاب الصیام، نسائی۔ کتاب الصیام۔ کتاب العلم، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۴۳-۵۲)

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ رؤیت ہلال کے سلسلے میں اہل توقیت و نجوم کا قول بالکلیہ ساقط ہے اور اعتبار رؤیت کا ہے، یا تیس کی گنتی پوری ہونے کا۔ ہم پہلے اس پر مفصل بحث کر آئے، اور بتا آئے کہ اسی میں اُمت کے لیے آسانی ہے، اس لیے اس پر عمل واجب ہے۔

بَابُ لَا يَتَقَدَّمُ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَّلَا يَوْمَيْنِ (ص ۲۵۶)

رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے

۱۱۲۳- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ. (بخاری، الخمسۃ۔ کتاب الصوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: رمضان سے ایک یا دو دن پہلے کوئی روزہ نہ رکھے، ہاں اگر اس دن کوئی روزہ رکھتا تھا تو رکھ لے۔

نصاریٰ کی عادت تھی کہ فرائض پر زیادتی کر دیا کرتے تھے اور ہمیں ان کی مخالفت کا حکم ہے، اس سے اُمت کو بچانے کے لیے رمضان سے دو ایک دن پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمایا، اگر لوگ اسے پابندی سے رکھنے لگیں گے تو ہو سکتا ہے کہ لوگ سمجھنے لگیں کہ رمضان سے پہلے ایک دو دن کے یہ روزے بھی فرض ہیں۔

کان یصوم صومہ

مثلاً دوشنبہ کو روزہ رکھنے کا عادی تھا اور رمضان کی تیس کو یا انتیس کو دوشنبہ پڑ گیا، یا کفارہ کا روزہ رکھنا شروع کیا تھا، ایک دو دن رہ

گئے تھے تو پورے کر لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوافل اور مستحباب پر پابندی اتنی محبوب ہے کہ ممانعت شرعی کے باوجود اجازت دے دی' اس لیے میلاد فاتحہ' عرس وغیرہ پر بھی پابندی محبوب ہے' نہ کہ پابندی کرنے کی وجہ سے حرام و گناہ ہو جائیں گے۔ احادیث میں پندرہ شعبان کے بعد بھی روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہے۔ اس کا سبب شفقت ہے' کہ طویل عرصہ تک روزہ رکھنے کی وجہ سے ضعف و نقاہت پیدا ہو جائے گی اور رمضان کے روزوں میں نشاط نہیں رہے گا۔

بَابٌ

[البقرہ:۱۸۷ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان]

قَوْلِ اللّٰهِ ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۸۷) (ص ۲۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روزے کی رات میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے' عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے' اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے' اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف فرما دیا (اب روزے کی رات میں) ان سے ہم بستری کرو اور اللہ نے جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا' اسے تلاش کرو۔

۱۱۲۴- ح: اِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَنَامَ قَبْلَ اَنْ يُّفْطِرَ لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ

[جب کوئی (روزہ دار) شخص افطار سے قبل سو جاتا تو اس رات کچھ نہ کھاتا]

۱۱۲۴- عَنِ الْبَرَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَصْحٰبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَحَضَرَ الْاِفْطَارُ فَنَامَ قَبْلَ اَنْ يُّفْطِرَ لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ وَلَا يَوْمَهُ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا فَلَمَّا حَضَرَ الْاِفْطَارُ اَتَى امْرَاَتَهُ فَقَالَ لَهَا اَعِنْدَكِ طَعَامٌ قَالَتْ لَا وَلٰكِنْ اَنْطَلِقُ وَاَطْلُبُ لَكَ وَكَانَ يَوْمَهُ يَعْمَلُ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَجَآءَتْ اِمْرَاَتُهُ فَلَمَّا رَاَتْهُ قَالَتْ خَيْبَةً لَّكَ فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ (البقرہ:۱۸۷) فَفَرِحُوْا بِهَا فَرَحًا شَدِيْدًا وَّنَزَلَتْ ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرہ:۱۸۷).

(ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الصوم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صحابہ میں جب کوئی روزہ دار ہوتا اور افطار کے وقت افطار کیے بغیر سو جاتا تو اس رات اور دن کو نہ کھاتا' جب تک کہ شام نہ ہو جائے۔ اور قیس بن صرمہ انصاری کا روزہ سے تھے' جب افطار کا وقت ہوا تو اپنی عورت کے پاس آئے اور پوچھا: کیا تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں لیکن میں جاتی ہوں اور کہیں سے تمہارے لیے لاتی ہوں' وہ دن میں کام کرتے تھے' اس لیے ان کی آنکھ ان پر غالب آ گئی۔ اب ان کی عورت آئی اور جب انہیں دیکھا تو کہا: تیرے لیے محرومی ہے۔ جب دوپہر ہوئی تو ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: روزے کی رات میں تم کو اپنی عورتوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ اس پر لوگ بہت خوش ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی: جب تک فجر کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگہ سے ظاہر نہ ہو جائے کھاؤ پیو۔

ابن حزم[1] نے بہ طریق سدی روایت کیا ہے کہ اہل کتاب پر یہ فرض تھا کہ روزے میں غروب آفتاب کے بعد سونے سے پہلے

[1] ابن حزم۔ ج ا ص ۳۱۷۔ کتاب الصیام۔ باب: اوّل

پہلے جو چاہیں کھا پی لیں۔ سونے کے بعد کھانا پینا منع ہے۔ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو بھی یہی حکم تھا' یہاں تک کہ ایک انصاری آئے' پھر قیس بن صرمہ کا پورا قصہ بیان کیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ عشاء پڑھنے تک کھانے پینے کی اجازت تھی' اس کے بعد منع تھا۔ دونوں میں منافات نہیں[۱] عادت یہی تھی کہ لوگ عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے' بلکہ حضور اقدس ﷺ نے عشاء سے پہلے سونے سے منع بھی فرمایا۔ اصل حکم یہی تھا کہ جب تک سوئے نہیں کھا پی سکتا تھا' اس کے بعد نہیں۔

تفسیر طبری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رمضان میں روزہ دار اگر رات میں سو جاتا تو اس پر کھانا' پینا اور عورتیں حرام ہو جاتیں[۲] حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بات کرتے رہ گئے' جب گھر آئے تو ان کی اہلیہ سو گئی تھیں۔ حضرت عمر نے یہ خیال فرما کر کہ میں تو نہیں سویا ہوں' ہم بستری کر لی اور حضرت کعب بن مالک نے بھی یہی کیا۔ صبح کو حضرت عمر نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ سنایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رمضان کی پوری راتوں میں صبح صادق تک کھانا' پینا اور جماع کی اجازت ہو گئی۔

قیس بن صرمہ

ترمذی' بیہقی' ابن حبان وغیرہ میں یہی ہے' حتیٰ کہ امام ابو نعیم کے دونوں مستخرج میں بھی یہی ہے' مگر خود امام ابو نعیم ہی نے کتاب الصحابہ میں کہا ہے کہ یہ صرمہ بن ابو انس ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ صرمہ بن قیس ہیں جن کی کنیت ابو قیس ہے۔ ابوداؤد میں صرمہ بن قیس ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا: یہ صرمہ بن ابو انس بن قیس بن مالک بن عدی بخاری ہیں' ان کی کنیت ابو قیس ہے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ صرمہ بن مالک ہیں جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں' صحیح ''صِرمَہ بِنْ اَبو انَسْ'' ہے۔

کان یومہ یعمل

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ اپنی زمین میں دن کو کام کرتے تھے اور مرسل سدی میں ہے کہ وہ مدینہ کے باغوں میں مزدوری پر کام کرتے تھے' ان کی اہلیہ کھجور لائیں تو انہوں نے کہا کہ کھجور نے میرے پیٹ میں سوزش پیدا کر دی ہے' اسے بدل کر آٹا لاؤ' اور پکاؤ۔ اس کا ''سَخِیْن'' (اس زمانے کا ایک قسم کا کھانا جو آٹا ڈال کر بنایا جاتا تھا) بناؤ۔ اتنے میں وہ سو گئے' ان کی اہلیہ نے انہیں جگایا' انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اللہ کی نافرمانی نہیں کی' ان کی اہلیہ نے یہ بھی کہا کہ آپ سوئے نہیں ہیں' مگر انہوں نے نہیں کھایا اور بھوکے رہ گئے۔

یہ آیت کریمہ پوری ''کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ'' (البقرۃ:۱۸۷) ایک ساتھ حضرت عمر اور حضرت صرمہ کے واقعہ پر نازل ہوئی ہے' البتہ ''من الفجر'' بعد میں نازل ہوئی ہے' جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: جب تک صبح صادق کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگہ سے ظاہر نہ ہو جائے' کھاؤ پیو' پھر روزے کو رات تک پورا کرو' اس کے بعد ہے

فِيْهِ الْبَرَاءُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مطلب یہ ہے کہ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے

---

۱ عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۸۹ ۲ عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۲۸۹

میں) حضرت براء رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے (مذکورہ بالا حدیث) ہے (یعنی ابھی جو گزری ہے)۔

۱۱۲۵ - عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرہ:۱۸۷) عَمَدْتُّ اِلٰى عِقَالٍ اَسْوَدَ وَاِلٰى عِقَالٍ اَبْيَضَ فَجَعَلْتُهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِي فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ فِي اللَّيْلِ فَلَا يَسْتَبِينُ لِيْ فَغَدَوْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: یہاں تک کہ سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ظاہر ہو جائے؛ تو میں نے ایک کالی رسّی اور ایک سفید رسّی لی اور انہیں اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا اور رات میں دیکھتا رہا؛ مگر وہ دونوں ممتاز نظر نہ آئیں؛ تو میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ البقرہ۔ باب: قولہ تعالٰی وکلوا واشربوا ص ۶۴۷، مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب الصوم، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۷۷)

بخاری کتاب التفسیر میں یہ زائد ہے:

"قال ان وسادتك اذ العريض "فرمایا: جب تو تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے۔

یہ رات کی تاریکی اور دن کا اجالا ہے۔ وہیں دوسری روایت میں ہے: حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یہ سفید دھاگہ، سیاہ دھاگہ کیا ہے؟ کیا یہ دھاگے ہیں؟ فرمایا: تو چوڑی گدی والا ہے کہ دونوں دھاگوں کو دیکھ لیا، پھر فرمایا: یہ رات کی تاریکی اور دن کا اجالا ہے۔

قِفا

گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں، چوڑی گدی موٹے بدن والے کی ہوتی ہے اور موٹا آدمی عموماً بیوقوف ہوتا ہے۔ اس طرح یہ کنایہ ہوا بیوقوف سے، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کنایہ ہے، بیوقوفی، کم فہمی سے، اس لیے کہ گدی کا چوڑا ہونا اور سر کا بہت بڑا ہونا اس کی علامت ہے، جیسا کہ سر کا معتدل ہونا ذہانت اور عالی ہمت ہونے کی نشانی ہے۔ علامہ قرطبی نے اس توجیہ کو ناپسند فرمایا، کیونکہ اس میں مذمت ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ طنزاً فرمایا کہ پھر تو تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے کہ اس کے نیچے صبح صادق کا مطلع سما گیا۔ یہ دھاگے رات کی تاریکی اور دن کا اجالا ہیں۔ اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے کہ فرمایا: جب تو تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ (ج ۱۔ کتاب الصیام۔ باب: وقت السحور ص ۳۲۱)

شبہہ اور ازالہ

روزہ ۲ھ کے دس شعبان کو فرض ہوا ہے[1] اسی وقت آیۂ مذکورہ نازل ہوئی تھی اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں[2] پھر ان کا یہ کہنا کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو میں نے دو رسیاں سفید و سیاہ لیں، کیسے درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب مجھے اس آیت کریمہ کے نزول کا علم ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علم ایمان لانے کے بعد ہی ہوا۔

---

[1] درمختار۔ ج ۲ ص ۸۰

[2] نزہۃ القاری۔ ج ۱ ص ۶۴۷، رقم: ۱۳۱ پر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے ایمان سے مشرف ہونے کا ۷ھ اکمال پر اعتماد کر کے لکھا گیا ہے مگر صحیح ۹ھ یا ۱۰ھ ہے، جیسا کہ اصابہ وغیرہ میں ہے، کیونکہ مکہ ۸ھ میں فتح ہوا ہے اور ان کا ایمان لانا بہر حال فتح مکہ کے بعد ہے۔

ہوا۔ اس کی تائید مسند امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ[1] کی اس روایت سے ہوتی ہے جو بہ طریق مجالد مروی ہے' حضرت عدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نماز اور روزہ سکھایا اور فرمایا: ایسے نماز پڑھ' اور ایسے روزہ رکھ' جب سورج ڈوب جائے تو کھا' یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے جدا ظاہر ہونے لگے' تو میں نے سفید اور سیاہ دھاگے لیے' الحدیث۔

اقول وباللہ التوفیق: مگر یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ جبکہ ''مِنَ الْفَجْرِ'' نازل ہو چکا تھا' تو آیت کے معنی سمجھنے میں کسی کو بھی دشواری نہیں ہونی چاہیے تھی۔ چہ جائیکہ حضرت عدی جیسے ذہین اور سمجھدار انسان کو۔ اس خادم کے نزدیک صحیح توجیہ یہ ہے کہ حضرت عدی کا واقعہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے متعلق ہے' جو ابھی مسند امام احمد کے حوالہ سے گزرا۔ یہ کسی راوی کی مہربانی ہے کہ انہوں نے اسے آیت سے متعلق کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۱۱۲۶- ح: اُنْزِلَتْ ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾

[(یہ آیت) نازل ہوئی: اور کھاؤ اور پیو]

۱۱۲۶- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُنْزِلَتْ ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ وَلَمْ يَنْزِلْ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا اَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ اَحَدُهُمْ فِيْ رِجْلِهِ الْخَيْطَ الْاَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْاَسْوَدَ وَلَمْ يَزَلْ يَاْكُلُ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهٗ رُؤْيَتُهُمَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ بَعْدُ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرہ:۱۸۷) فَعَلِمُوْا اَنَّمَا يَعْنِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی: اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے' اور ''من الفجر'' نازل نہیں ہوئی تھی تو لوگ جب روزہ رکھنا چاہتے تو اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگہ باندھ لیتے اور کھاتے رہتے' یہاں تک کہ دونوں جدا جدا نظر آنے لگتے' اس پر اللہ تعالیٰ نے ''مِنَ الْفَجْرِ'' نازل فرمایا' اب لوگوں نے جانا کہ اس سے مراد رات اور دن ہیں۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قولہ تعالیٰ و کلوا و اشربوا ص ۶۴۷' مسلم' نسائی۔ کتاب الصیام)

مسلم کی روایت میں ہے کہ سفید اور سیاہ دھاگے لے کر تکیے کے نیچے رکھ لیتے۔ دونوں میں منافات نہیں' کچھ لوگ یہ کرتے تھے اور کچھ لوگ پاؤں میں باندھ لیتے تھے۔

رؤیتھما

یہ رؤیت' رؤیت بصری ہے' آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں' رؤیت قلبی نہیں کہ افعال قلوب سے ہو۔ اس لیے ایک مفعول پر اقتصار جائز ہے۔ نسفی کی روایت میں ''رِئْيُهُمَا'' ہے۔ را کو کسرہ' ہمزہ ساکن' یا مضموم۔ یہ منظر کے معنی میں ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا۝ (مریم:۷۴) جو سر و سامان اور نمائش میں ان سے کہیں اچھے تھے۝

''رِءْيٌ'' کے معنی منظر کے ہیں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے ظاہر سے متبادر ہے کہ ''مِنَ الْفَجْرِ'' کا نزول کچھ ابتداء ہی میں ہوا ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اور متعدد احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے' اس لیے بعض بزرگوں کا یہ فرمانا کہ ''من الفجر'' حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بعد نازل ہوا' درست نہیں۔

توضیح باب

یعنی سحری کھانا واجب نہیں' البتہ اس کے کھانے میں برکت ہے' اس لیے یہ مستحب ہے۔ امام بخاری نے اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال رکھا اور درمیان میں سحری کھانے کا کہیں تذکرہ نہیں۔ اگر سحری واجب ہوتی تو

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۷۷

حضور اقدس ﷺ اور صحابہ ضرور کھاتے' پھر اس کا تذکرہ بھی ہوتا اور احادیث میں مذکور بھی ہوتا۔

اقول وباللہ التوفیق: صومِ وصال میں صحابہ کرام سحری نہیں کھاتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ صحابہ پر شاق ہوا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا تھا۔ اگر صحابہ سحری کھاتے رہتے تو یہ حال کبھی نہ ہوتا' پھر صحابہ کرام کی عرض پر حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد:

اِنی اَبیتُ عِندَ رَبی یطعمنی ویسقینی. میں اپنے رب کے حضور رہتا ہوں' وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

اس پر نص ہے کہ آپ صومِ وصال کے اثناء دنیوی غذا نوش جاں نہیں فرماتے تھے۔

بَابُ بَرَكَةِ السَّحُورِ مِنْ غَيْرِ اِيجَابٍ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ وَاصَلُوا وَلَمْ يَذْكُرِ السَّحُورَ (ص۲۵۷)

بغیر وجوب کے سحری کی برکت' کیونکہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے صوم وصال رکھے اور سحری کا ذکر نہیں کیا

۱۱۲۷- عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاصَلَ فَوَاصَلَ النَّاسُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَنَهَاهُمْ قَالُوا اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّيْ اَظَلُّ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى. (ایضاً۔باب: الوصال ص ۲۶۳' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصیام' مسند امام احمد ص ۲۱ وغیرہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صوم وصال رکھا تو اور لوگوں نے بھی رکھا' اور یہ لوگوں پر شاق ہوا' اس وجہ سے انہیں منع فرمایا' لوگوں نے عرض کیا: حضور صومِ وصال رکھتے ہیں' فرمایا: میں تم جیسا نہیں ہوں' مجھے کھلایا' پلایا جاتا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ یہ صومِ وصال رمضان میں تھا۔ صومِ وصال کا مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھ کر نہ افطار کرے نہ سحری کھائے' نہ اور کسی وقت کچھ کھائے پیئے' حتیٰ کہ پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ لے اور پھر دوسرے دن روزہ رکھے۔ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔[1] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پندرہ دن تک صومِ وصال رکھتے تھے۔ امام طبری نے فرمایا کہ بعض صحابہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک کھانا' پینا چھوڑ دیتے تھے' مگر اس سے ان کے معتاد کاموں میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ یہ اس بناء پر تھا کہ انہیں کھانے پینے کی حاجت نہ تھی' اس سے مستغنی تھے۔ اپنا کھانا حاجت مند اور فاقہ کش افراد کو دے دیتے تھے۔ حضرت ابراہیم تیمی کبھی کبھی ایک ایک مہینہ اور کبھی کبھی دو دو مہینے بے کھائے' پئے رہ جاتے تھے۔ کراہت وضع کرنے کے لیے ایک گھونٹ نبیذ پی لیتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ کے لیے مشائخ سالکین کو صومِ وصال رکھنے کا حکم دیتے ہیں' مگر کراہت دفع کرنے کے لیے ایک گھونٹ پانی یا اور کوئی چیز بہت قلیل مقدار میں کھانے کی اجازت دیتے ہیں' مثلاً کشمش کے چند دانے' سوکھی روٹی کے ٹکڑے' وغیرہ وغیرہ۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایک بار چالیس پینتالیس دن تک' چوبیس گھنٹے میں ایک گھونٹ پانی کے سوا اور کچھ نہیں کھایا' پیا۔ اس کے باوجود تصنیف' تالیف' فتویٰ نویسی' مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت' ارشاد و تلقین' واردین وصادرین سے ملاقاتیں وغیرہ وغیرہ' معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا اور نہ ضعف ونقاہت کے آثار ظاہر ہوئے۔

"لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ" کی توضیح

علامہ عینی نے فرمایا: کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہاں ہیئت زائدہ ہے۔ معنی یہ ہے: میں تمہارے جیسا نہیں۔

[1] بہار شریعت۔ حصہ ۵ ص ۹۹

اقول: ہیئت کو زائدنہ مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میرا حال تمہارے حال جیسا نہیں۔ اس سے صفات میں امتیاز اور عدم شرکت ظاہر ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ میری صفات میں سے کسی صفت میں تم میرے شریک نہیں' اس لیے کہ نفی کا مقتضیٰ استغراق ہے اور وجو تشبیہ کے لیے کسی وصف میں ادنیٰ سی شرکت کافی۔ جب حالت میں نفی مماثلت ہوئی تو اس کا صدق بغیر استغراق کے نہ ہوگا' اس لیے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ میرے کسی وصف میں تم لوگ شریک نہیں' اور جب صحابہ شریک نہیں تو غیر صحابہ کی شرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی کو علامہ بوصیری قدس سرہٗ نے قصیدہ بردہ میں فرمایا ہے:

منزه عن شريك في محاسنه　　　فجوهر الحسن فيه غير منقسم

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوبیوں میں شریک سے منزہ ہیں' حضور کی ذات میں حسن کا جوہر غیر منقسم ہے''۔

یہ حقیقت میں حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے' انہوں نے عرض کیا ہے:

واحسن منك لم ترقط عيني　　　واجمل منك لم تلد النساء

''حضور سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا' حضور سے زیادہ جمیل عورتوں نے پیدا ہی نہیں کیا''۔

اور جن صاحب نے فرمایا کہ لفظ ہیئت زائد ہے' ان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت باب الوصال میں ان الفاظ میں ہے: ''انی لَستُ مِثلکُم'' اور خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''لَستُ کَأَحَدٍ مِّنکُم'' یہ ارشاد مماثلت ذات کی نفی کرتا ہے' یعنی میری ذات تمہاری ذات کے مثل نہیں' اور یہی واقعہ بھی ہے' جس پر بعد کا ارشاد دلیل ہے: ''اَظَلُّ اُطعَمُ وَاُسقٰی یُطعِمُنِی رَبِّی وَیَسقِینِی'' میں کھلایا پلایا جاتا ہوں' مجھے میرا پروردگار کھلاتا' پلاتا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا:

يا ابا بكر لا يعرفني حقيقة غير ربي.　　　اے ابوبکر! میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں جانا۔

(مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص۱۲۹)

اس کا حاصل یہ نکلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں بھی شریک سے منزہ ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ انبیاء کرام اللہ عزوجل کے اسماء ذاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق سے ہیں' الفاظ کریمہ یہ ہیں:

ورسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق است از ذات عزوجل ظہور حق در وے بالذات است ازیں جہت منفرد است وی بجمیع کمالات زیرا کہ صفات راجع بذات اند۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کا ظہور آپ کی ذات میں بالذات ہے۔ اسی لیے وہ تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے میں منفرد ہیں' کیونکہ صفات ذات کی طرف راجع ہیں۔

(مدارج النبوۃ۔ ج ۲ ص ۶۱۵)

اَظَلُّ اُطعَمُ وَاُسقٰی

یہ اپنے ظاہر پر بھی محمول ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل جنت کے کھانوں سے واقعی کھلاتا پلاتا ہو' اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ عزوجل اپنے مشاہدۂ جمال میں ایسے مستغرق فرمادیتا ہو کہ غذا کی حاجت ہی نہ رہتی ہو' یا ایسا افاضہ فرمادیتا ہو کہ پانی اور غذا کے قائم مقام ہو جاتا ہو' جس کی وجہ سے نہ ضعف پیدا ہوتا ہو نہ قویٰ میں اضمحلال' جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

وذكرك للمشتاق خير شراب　　　وكل شراب دونه كسراب

"تر اذکر مشاق کے لیے شراب سے بڑھ کر ہے' اور ہر شراب اس کے مقابل سراب ہے"۔

۱۱۲۸- ح: تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً

[سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری میں برکت ہے]

۱۱۲۸- حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً.

(مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب الصوم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھاؤ' اس لیے کہ سحری میں برکت ہے۔

سحور

سین کے فتحہ کے ساتھ بھی اور ضمہ کے ساتھ بھی' فتحہ کے ساتھ وہ کھانا جو اس وقت کھایا جائے' ضمہ کے ساتھ یہ فعل ہے۔ "بـر کة" کے اصل معنی زیادتی کے ہیں اور یہاں دنیوی برکت بھی مراد ہے اور اُخروی بھی۔ دنیوی برکت ظاہر ہے کہ اس سے قوت ملتی ہے۔ اُخروی برکت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس کے لیے احادیث میں طرح طرح سے ترغیب آئی ہے بلکہ تاکید بھی' یہاں تک فرمایا کہ سحری کھاؤ' اگر چہ ایک گھونٹ پانی ہی سہی۔ نیز نصاریٰ سحری نہیں کھاتے تھے' اس میں ان کی مخالفت ہے' یہ بھی موجب اجر ہے۔ نیز اس میں تجدید نیت بھی ہے' جس کی وجہ سے روزہ بالاتفاق صحیح ہوگا۔ نیز یہ کہ اس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ذکر الٰہی ہو جائے گا' یا اللہ عزوجل کی طرف توجہ ضرور ہوگی اور جسے توفیق ملے وہ دیگر اذکار اور تہجد وغیرہ پڑھ لے گا۔

بَابٌ اِذَا نَوٰى بِالنَّهَارِ صَوْمًا (ص ۲۵۷)

جب دن میں روزے کی نیت کرے

توضیح باب

روزے کا وقت صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ اس پورے وقت میں روزے سے رہنا ضروری ہے اور بغیر نیت عبادت کا وجود ہی نہ ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی نے صبح صادق سے پہلے یا صبح صادق کے وقت روزے کی نیت نہیں کی اور دن نکل آیا۔ روزے کے وقت کا کچھ حصہ بغیر روزے کے گزرا' اب روزے کی نیت کی توصیح ہے یا نہیں؟ قیاس یہ چاہتا ہے کہ صحیح نہ ہو' مگر صحابہ کرام کے عمل اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح ہے' اسی لیے عہد سلف میں اس میں اختلاف رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے یہ باب باندھا اور حسبِ عادت اپنی کوئی رائے تحریر نہیں فرمائی۔

ہمارے نزدیک رمضان' نفل' نذر معین کے روزوں میں دن کی نیت کافی ہے' اس کی تائید آگے آ رہی ہے۔

ت ۳۳۴- وَقَالَتْ اُمُّ الدَّرْدَاءِ كَانَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ عِنْدَكُمْ طَعَامٌ فَاِنْ قُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّيْ صَائِمٌ يَوْمِيْ هٰذَا وَفَعَلَهٗ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَحُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

اور اُم الدرداء نے کہا کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پوچھتے: تمہارے پاس کھانا ہے؟ اگر ہم یہ کہتے: نہیں! تو کہتے: میں آج کے دن روزے سے ہوں اور ایسا حضرت ابوطلحہ اور ابوہریرہ اور ابن عباس اور حذیفہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہے۔

اُم الدرداء کے اثر کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیہقی میں ہے۔ حضرت ابن عباس کے

اثر کو امام طحاوی نے' اور حضرت حذیفہ کے بارے میں امام عبدالرزاق اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے قتادہ کا قول ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ نے بھی ایسا کیا ہے۔

ضحوۂ کبریٰ سے پہلے روزے کی نیت درست ہے

ان آثار سے ظاہر ہے کہ اگر کسی نے رات میں نیت نہیں کی تو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد روزے کی نیت کر سکتا ہے' اور اس کا روزہ صحیح ہے' مگر ہمارے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ضحوۂ کبریٰ نصف النہار شرعی سے پہلے پہلے نیت کر لے' اور یہ صرف رمضان' نذر معین اور نفلی روزوں کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ اور روزوں کے لیے ضروری ہے کہ صبح صادق سے پہلے نیت کرے' جیسے کہ کفارے اور نذر غیر معین کے روزے میں ضحوۂ کبریٰ ہو جانے کے بعد نیت کی تو روزہ نہ ہوگا۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ صبح صادق سے لے کر نیت کرتے وقت تک نہ کچھ کھایا ہو' نہ پیا ہو اور نہ جماع کیا ہو۔

۱۱۲۹- عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا يُنَادِيْ فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اِنَّ مَنْ اَكَلَ فَلْيُتِمَّ اَوْ فَلْيَصُمْ وَمَنْ لَّمْ يَاْكُلْ فَلَا يَاْكُلْ.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن ایک شخص کو بھیجا کہ یہ منادی کر دے کہ جس نے کھا لیا ہو' وہ پورا کر لے یا روزہ رکھے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ (اب سے) نہ کھائے۔

(ایضاً۔ باب: صیام یوم عاشوراء' ج ۲۔ کتاب الاحاد۔ باب: ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیعة الامراء ص ۱۰۸۹' مسلم' نسائی۔ کتاب الصوم)

"باب صیام یوم عاشوراء" اور کتاب اخبار احاد میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کے دن قبیلہ اسلم کے ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دیں۔ اخبار احاد میں تردید کے ساتھ ہے کہ اپنی قوم میں منادی کرنے کا حکم دیا تھا یا لوگوں میں۔ یہاں "فلیتم او فلیصم" شک کے ساتھ ہے اور صیام عاشوراء میں بلاشک یہ ہے کہ بقیہ دن روزے سے رہے' اس لیے کہ آج عاشورے کا دن ہے اور اخبار احاد میں ہے کہ بقیہ دن پورا کر لے' مطلب یہ ہوا کہ جس نے کھا لیا ہو' وہ بقیہ دن بے کھائے پیے روزے دار کی طرح رہے اور جس نے اب تک کچھ نہیں کھایا پیا ہے' وہ روزے کی نیت کر لے' اور واقعی روزہ رکھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دن میں روزے کی نیت درست ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جس دن روزہ واجب ہو' اس دن کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا یا فاسد ہو گیا تو بھی بقیہ دن روزے دار کی طرح کھانے پینے اور مفسدات صوم سے بچنا واجب ہے۔

صیام یوم عاشوراء میں یہ حدیث مکی بن ابراہیم تلمیذ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور بخاری کی ثلاثیات میں سے چھٹی ہے۔

جنہیں منادی کرنے کا حکم دیا تھا' ان کا نام ہند بن اسماء بن حارثہ اسلمی ہے' جیسا کہ مسند امام احمد[۱] میں انہیں سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قوم اسلم میں منادی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

صحیح یہی ہے کہ رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے پہلے عاشورے کا روزہ فرض تھا اور یہ خود اسی حدیث سے ثابت ہے' کیونکہ اگر فرض نہ ہوتا تو کھانے پینے کے بعد بقیہ دن روزے دار کی طرح رہنے کا حکم کیوں ارشاد فرماتے۔ علاوہ ازیں احادیث کی نص صریح سے یہ ثابت ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورے کا روزہ رکھتے تھے اور حضور بھی

۱- مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۴۸۴

رکھتے تھے (مدینہ طیبہ آئے تو بھی رکھا) اور لوگوں کو رکھنے کا حکم دیا' جب رمضان کا روزہ فرض ہو گیا تو فرمایا: جو چاہے رکھے' جو چاہے چھوڑ دے۔ (بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصوم۔ باب؛ وجوب صوم رمضان ص ۲۵۴)

ابن شداد نے اپنے احکام میں اُم المؤمنین حضرت صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے پہلے عاشورے کا روزہ فرض تھا' جب رمضان فرض ہو گیا تو فرمایا: جو چاہے رکھے' جو چاہے نہ رکھے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اردگرد انصار کی بستیوں میں آدمی بھیج کر کہلوایا: جس نے روزے کی حالت میں صبح کی' وہ روزہ پورا کر لے۔ اور جس نے صبح اس حال میں کی ہے کہ کچھ کھا پی لیا ہے' وہ بقیہ دن روزے دار کی طرح رہے اور جس نے کچھ نہیں کھایا' پیا وہ روزہ رکھے۔ (یہ سب عمدۃ القاری۔ ج ۱۰ ص ۳۰۴ سے لی گئی ہیں)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر کسی معین دن کا روزہ واجب ہو تو اسے دن میں نیت کرنا درست ہے۔

جو لوگ روزہ صحیح ہونے کے لیے صبح صادق سے پہلے نیت کو ضروری قرار دیتے ہیں' وہ ابوداؤد[1] ترمذی[2] اور نسائی[3] کی اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی' اس کا روزہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً یہ حدیث ضعیف ہے' جیسا کہ علامہ عینی نے پوری تفصیل اور تحقیق سے ثابت فرمایا ہے۔ ثانیاً اس حدیث پر عمل کرنے سے کتاب اللہ کا نسخ خبر واحد سے لازم آئے گا۔ وہ اس طرح کہ پہلے ارشاد ہوا:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ. (البقرہ:۱۸۷) جب تک فجر کا سفید دھاگا رات کے سیاہ دھاگے سے ظاہر نہ ہو جائے' کھاؤ پیو۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ. (البقرہ:۱۸۷) پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔

اور "ثُمَّ" تراخی کے لیے ہے' شرعی دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی شروع ہو گیا۔ روزے کے حکم کا مطلب روزے کی نیت کرنا ہے' کیونکہ بغیر نیت عبادت کا وجود ہی نہیں۔ اب ثابت کہ دن کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد بھی روزے کی نیت صحیح ہے۔ یہ مضمون "ثُمَّ" سے ثابت ہے' جو لفظ خاص ہے' وضع کیا گیا ہے تعقیب مع التراخی کے لیے' اس لیے یہ کہنا کہ جب تک فجر سے پہلے نیت نہیں کرے گا روزہ درست نہ ہو گا' اس حکم خاص کو خبر واحد سے منسوخ کرنا ہوا اور یہ جائز نہیں۔ نیز اس ارشاد نے کہ فرمایا: روزہ پورا کرو۔ یہ بتاتا ہے کہ جو دن روزے کے لیے معین ہے' اس میں دن کی ابتداء میں امساک مخصوص روزہ ہو گا' اگرچہ اس وقت نیت نہ ہو' کیونکہ اتمام شی ء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ پہلے سے پائی جائے اور مکمل نہ ہو۔ اس میں سرّ یہ ہے کہ جب یہ ایام روزے کے لیے متعین ہیں خواہ منجانب اللہ' خواہ منجانب عبد' تو ان دنوں کو روزے کے لیے متعین کرنے کی کوئی حاجت نہیں' جیسے رمضان کے روزے اور نذر معین کے روزے۔ بہ خلاف اور دنوں کے کہ وہ روزے کے لیے متعین نہیں' اس لیے اس دن کو روزے کے لیے معین کرنے کے لیے رات ہی سے نیت ضروری ہے۔ رہ گیا نفل تو اس کی دلیل آگے آ رہی ہے۔ ثالثاً اس کا بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں نفی سے نفی کمال مراد ہے جیسے "لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد" میں ہے۔

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۳۳۔ کتاب الصیام۔ باب: النیۃ فی الصوم [2] ترمذی۔ ج ۱ ص ۹۱۔ کتاب الصوم۔ باب: الصیام لمن لم یعزم من اللیل

[3] نسائی۔ ج ۱ ص ۳۲۰۔ کتاب الصیام۔ باب: النیۃ فی الصوم

نفل روزے کی نیت دن میں صحیح ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسے اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے امام مسلم[1] امام ابوداؤد[2] امام ترمذی[3] اور امام نسائی[4] نے روایت کیا' وہ فرماتی ہیں: ایک دن مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے عرض کیا: کچھ نہیں! فرمایا: میں روزے سے ہوں۔

بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا (ص ۲۵۷) — روزہ دار نے جب حالت جنابت میں صبح کی

۱۱۳۰- عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ جِئْتُ أَنَا وَأَبِي حِينَ دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ ح عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ أَبَاهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَ مَرْوَانَ أَنَّ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِّنْ أَهْلِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ وَقَالَ مَرْوَانُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَتُقَرِّعَنَّ بِهَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَمَرْوَانُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فَكَرِهَ ذٰلِكَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ قُدِّرَ لَنَا أَنْ نَجْتَمِعَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ وَكَانَتْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ هُنَالِكَ أَرْضٌ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنِّي ذَاكِرٌ لَكَ أَمْرًا وَلَوْلَا مَرْوَانُ أَقْسَمَ عَلَيَّ فِيهِ لَمْ أَذْكُرْهُ لَكَ فَذَكَرَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ كَذٰلِكَ حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ أَعْلَمُ۔

(مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ باب: باختلاف فی الصوم)

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ نے کہا: میں اور میرے والد عبدالرحمٰن' اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوسری سند سے بہ طریق زہری مروی ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبدالرحمٰن نے مروان کو خبر دی کہ حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہل کے ساتھ قربت کی وجہ سے فجر کے وقت جنبی ہوتے' اس کے بعد غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔ اور مروان نے حضرت عبدالرحمٰن بن حارث سے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں' یہ بتا کر ابوہریرہ کو گھبراہٹ میں ضرور ڈالنا اور اس وقت مروان مدینہ کا حاکم تھا۔ ابوبکر نے کہا: حضرت عبدالرحمٰن نے اسے ناپسند کیا' پھر ایسا اتفاق ہوا کہ ہم ذوالحلیفہ میں اکٹھے ہو گئے' اور وہاں حضرت ابوہریرہ کی زمین تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہ سے کہا: میں آپ سے ایک بات ذکر کر رہا ہوں' اور اگر مروان نے قسم نہ دلائی ہوتی تو میں ذکر نہ کرتا' اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ کی بات ذکر کی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے فضل بن عباس نے ایسے ہی حدیث بیان کی' اور وہ خوب جانتے ہیں۔

مسلم[5] میں یہ حدیث اس طرح ہے: ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کو یہ بیان کرتے سنا: جو شخص فجر کے وقت جنبی ہو وہ روزہ نہ رکھے۔ میں نے اپنے والد عبدالرحمٰن بن حارث سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اب حضرت

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۶۴۔ کتاب الصیام۔ باب: جواز صوم النفل بنیة من النهار

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۳۳۔ کتاب الصیام۔ باب: فی الرخصة

[3] ترمذی۔ ج ۱ ص ۹۲۔ کتاب الصوم۔ باب: فی افطار الصائم المتطوع

[4] نسائی۔ ج ۱ ص ۳۱۹۔ کتاب الصیام۔ باب: النیة فی الصوم

[5] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۵۳۔ کتاب الصیام۔ باب: صحة صوم من طلع علیه الفجر وهو جنب

عبدالرحمٰن اور میں دونوں چلے اور حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عبدالرحمٰن نے ان دونوں سے دریافت کیا تو ان دونوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر احتلام کے صبح کو جنبی ہوتے' پھر روزہ رکھتے' اس کے بعد ہم لوگ مروان کے پاس گئے اور اس سے حضرت عبدالرحمٰن نے ذکر کیا تو مروان نے کہا: میں تم کو قطعی طور پر حکم دیتا ہوں کہ تم ابو ہریرہ کے پاس جاؤ' اور وہ جو کہتے ہیں اس کا رد کرو۔ اب ہم حضرت ابو ہریرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت عبدالرحمٰن نے (دونوں) اُم المؤمنین کے ارشاد کو ذکر کیا تو حضرت ابو ہریرہ نے پوچھا: کیا ان دونوں نے تم سے یہ بیان کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: ہاں! تو فرمایا: وہ دونوں زیادہ جاننے والی ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ جو کچھ فرماتے تھے' اسے فضل بن عباس کی طرف لوٹایا اور حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: میں نے یہ فضل سے سنا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ جو کہتے تھے' اس سے رجوع کرلیا۔ (ابن جریج نے) کہا: میں نے عبدالملک بن ابوبکر بن عبدالرحمٰن (اس حدیث کے راوی) سے پوچھا: کیا دونوں اُمہات المؤمنین نے رمضان کے بارے میں کہا تھا؟ انہوں نے کہا: ایسا ہی ہے کہ حضور بغیر احتلام کے صبح کے وقت جنبی ہوتے' پھر روزہ رکھتے۔

اختلافِ روایات

بخاری کی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ "من ادركه الصبح جنبا فلا صوم له" حضور کا ارشاد ہے یا نہیں؟ مگر مسلم[1] کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے خود حضور سے نہیں سنا ہے' مگر احتمال ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے سنا ہو۔ امام عبدالرزاق[2] نے روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ یہ حضرت فضل سے سنا ہو۔ اور حضرت فضل نے حضرت ابو ہریرہ سے بیان کیا ہو' اب بھی "قال رسول الله" کہنا درست ہے۔

میرے خیال میں ان سب روایتوں میں تطبیق کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بذاتِ خود حضور سے نہیں سنا ہے' انہوں نے حضرت فضل بن عباس سے سنا ہے' اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔

حضرت فضل بن عباس

بخاری' مسلم کی روایت میں فضل بن عباس کا نام ہے' مگر نسائی[3] کی ایک روایت میں حضرت اسامہ بن زید کا نام ہے کہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا' ہوسکتا ہے دونوں سے سنا ہو۔

وهو اعلم

مسلم اور ابن حبان[4] کی روایت میں ہے: "هُمَا أعلمُ" حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ زیادہ جاننے والی ہیں' اور امام نسائی کی ایک روایت میں ہے: "هن اعلم" اور یہی مصنف عبدالرزاق[5] میں بھی ہے۔ نسائی[6] کی ایک روایت میں یہ ہے کہ صرف حضرت عائشہ سے ملاقات کی اور انہوں نے وہ روایت کیا' حضرت اُم سلمہ کا ذکر نہیں۔ اس میں یہ ہے: "وهي اعلم" ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ دونوں کو یا صرف ایک حضرت عائشہ کو "اعلم" کہا اور واقعہ کے ساتھ اسی کو زیادہ مطابقت بھی ہے۔ اب بخاری کی اس روایت کا کہ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت فضل کو "اعلم" کہا۔ مطلب یہ متعین ہے کہ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ فضل بن عباس نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی اور وہ خود جانتے ہیں' یعنی اس روایت کی حقیقت کو۔ یہ مطلب نہیں کہ خاص اس معاملہ میں فضل بن عباس ازواجِ مطہرات سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ نہ تو واقعہ کے لحاظ سے درست ہے اور

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۵۳۔ باب: صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب [2] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۳
[3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً

حضرت ابو ہریرہ جیسے بزرگ صحابی یہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ہمارے عرب میں یہ ہے کہ جب کسی ثقہ کی کوئی بات خلاف واقعہ ثابت ہو جاتی ہے تو وہ کہتا ہے: میں نے فلاں سے سنا تھا' وہ جانے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ جو بیان کرتے تھے' جب ان کی صداقت حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ کے ارشاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہوگئی تو معذرت کے طور پر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: مجھ سے فضل بن عباس نے بیان کیا تھا' وہ جانیں۔ وہی اسے اچھی طرح جانتے ہیں کہ کیسے انہوں نے اسے بیان کیا۔

بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے: ابوبکر اور ان کے والد عبدالرحمٰن نے بالمشافہ حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ سے گفتگو کی تھی' مگر نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ سے ان کے غلام ذکوان کے واسطے سے اور حضرت اُم سلمہ سے انؓ کے غلام نافع کے ذریعہ گفتگو ہوئی تھی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۳)

علامہ عینی نے پہلے کو اکثر اور اصح کہا' ان کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ بہ اعتبار سند کے اکثر اور اصح ہے' مگر میرے خیال میں واقعے کے اعتبار سے بھی ارجح ہے کہ غلاموں کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ اور یہ محاورہ شائع ذائع ہے کہ بڑوں سے بواسطہ خدام جو گفتگو ہوتی ہے' خصوصاً مستورات سے اسے اس طرح بیان کرتے ہیں' گویا بلا واسطہ گفتگو ہوئی۔

یہاں امام بخاری نے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا ہے' اس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سندوں کا متن ایک ہے' حالانکہ ایسا نہیں۔ پہلی سند جو بہ طریق عبداللہ بن مسلمہ عن مالک ہے' اس کے متن میں نہ مروان کا تذکرہ ہے نہ حضرت ابو ہریرہ کا۔ اس کا متن صرف اتنا ہے کہ ہم حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان دونوں نے وہ بیان کیا۔

دوسری سند جو بہ طریق ابوالیمان عن الزہری ہے' اس کا متن وہ ہے جو بخاری میں یہاں مذکور ہے۔

علامہ خطابی[1] اور ابن منذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فتوے اور روایت کے بارے میں یہ توجیہ کی ہے کہ ابتداء میں سونے کے بعد کھانا' پینا اور جماع روزے دار کو ممنوع تھا۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ جو صبح تک جنبی رہے' وہ روزہ نہ رکھے' مگر جب سونے کے بعد بھی صبح صادق تک کھانا' پینا' جماع مباح ہو گیا تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں تھا' اس لیے وہ وہی فتویٰ دیتے رہے۔ اور حضرت فضل بن عباس سے جو سنا تھا' روایت کرتے رہے' مگر جب حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ کی روایت سے علم ہو گیا تو رجوع فرمالیا۔

جنابت کی حالت میں روزہ

اگر کوئی جنابت کی حالت میں صبح صادق کے بعد تک رہے تو اس کا روزہ صحیح ہے یا نہیں؟ جمہور اور ائمۂ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ اس کا روزہ صحیح ہے' جیسا کہ حدیث مذکور سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ روزہ صحیح ہونے کے لیے طہارت شرط نہیں' نہ حقیقی نہ حکمی' البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس پر فرض ہے کہ دن نکلنے سے اتنا پہلے نہا لے کہ فجر کی نماز پڑھ سکے۔ یہ سب پر فرض ہے' خواہ روزے دار ہو یا غیر روزے دار۔ اگر اس وقت تک غسل نہ کیا تو گنہگار ہوا اور اب روزے میں بھی کراہت ہوگی۔ یہی محمل ہے' اس کا جو بعض کتب فتاویٰ میں ہے کہ جنابت کی حالت میں روزہ مکروہ ہے۔

نیز اس سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوئے:

---

[1] ایضاً ص ۴

(۱) جب کسی حکم شرعی میں خلجان اور تشویش ہو تو علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر تحقیق کرنی لازم ہے۔ ارشاد ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ اگر تمہیں علم نہیں تو جاننے والوں سے پوچھو۝

(الانبیاء:۷)

(۲) اگر علماء میں اختلاف ہو جائے تو ترجیح اس کے قول کو ہوگی جو اعلم ہو (۳) حدیث کی روایت میں عورتیں مردوں کے مثل ہیں (۴) زن و شوہر کے مخصوص تعلقات کے سلسلے میں ازواج مطہرات کی روایت سب پر راجح ہے (۵) اکابر سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو ان کی خدمت میں اسے عرض کرنا لازم ہے (۶) اکابر کی لغزش عرض کرنے میں پاس ادب کا لحاظ ضروری ہے (۷) حدیث کی روایت میں گواہی کی ضرورت نہیں (۸) خبر واحد حجت ہے۔

ت۳۳۵ - وَقَالَ هَمَّامٌ وَّابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالْفِطْرِ وَالْاَوَّلُ اَسْنَدُ.

اور ہمام اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ اور پہلی حدیث بہ اعتبار سند زیادہ قوی ہے۔

هَمَّام

''هَـمَّـام'' سے مراد ہمام بن منبہ صنعانی ہیں۔ ابن عبداللہ بن عمر سے کون صاحب مراد ہیں، یہ متعین نہیں ہو سکا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ یہ سالم ہیں، اس لیے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، مگر علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں، ہو سکتا ہے عبیداللہ ہوں، ہو سکتا ہے عبداللہ ہوں۔ اسی لیے امام بخاری نے نام نہیں لیا، صرف ابن عبداللہ بن عمر فرمایا۔

ہمام بن منبہ کی تعلیق کو امام احمد نے اپنی مسند[1] میں اور امام حبان نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: جب صبح کی نماز کے لیے اذان کہی جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو روزہ نہ رکھے۔ ابن عبداللہ بن عمر کی تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور امام نسائی نے اور امام طبرانی نے مسند الشامیین میں روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر یا عبیداللہ بن عمر نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے تھے جب کوئی صبح کو جنبی رہے۔

والاوّل اسند

یہ حضرت امام بخاری کا ارشاد ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امہات المومنین کی حدیث حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔ علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ اکثر طرق میں دونوں کی سندیں ایک ہی ہیں، پھر ایک کو اصح کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں خود اختلاف ہے۔ کسی میں ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فضل بن عباس سے سنا، کسی میں ہے کہ حضرت اسامہ بن زید سے سنا، کسی میں ہے کہ ایک شخص سے سنا، فلاں سے سنا۔ بہ خلاف امہات المومنین کی حدیث کے کہ اس کی ہر روایت میں یہ ہے کہ امہات المومنین نے خود بیان فرمایا۔ اب ''اســـنـد'' کا مطلب یہ ہوا کہ امہات المومنین کی حدیث اس معنی کو قوی ہے کہ اس کے مرفوع ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، یا اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اتصال زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔ بہ خلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے کہ اس کا مرفوع ہونا مشکوک ہے۔

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ (ص ۲۵۸) روزہ دار کا مباشرت کرنا

ت۳۳۶ - وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَحْرُمُ

اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: روزہ دار پر

[1] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۱۴

عَلَيْهِ فَرْجُهَا. عورت کی شرمگاہ حرام ہے۔

اس تعلیق کو امام ابوجعفر طحاوی[1] نے موصولاً روایت کیا ہے۔ حکیم بن عقال نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: روزے کی حالت میں مجھ پر میری بیوی سے کیا حرام ہے؟ فرمایا: اس کی شرمگاہ۔ ابن حزم نے محلیٰ میں بھی اس کے مثل روایت کیا ہے۔

۱۱۳۱- ح: يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ

[حالت روزہ میں بوسہ لیتے اور مباشرت کرتے]

۱۱۳۱- عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿مَآرِبُ﴾ (طٰہٰ:۱۸) حَاجَةٌ. قَالَ طَاوُسٌ ﴿غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ﴾ (النور:۳۱) الْاَحْمَقُ لَا حَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَآءِ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے تھے اور مباشرت یعنی جسم سے جسم کو چپکاتے تھے اور وہ اپنی حاجت پر تم سب سے زیادہ قابو رکھنے والے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اِرْبٌ'' کے معنی حاجت کے ہیں۔ امام طاؤس نے ''غیر اولی الاربۃ'' کے معنی یہ بتائے: وہ احمق جسے عورتوں کی حاجت نہ ہو۔

مباشرت کا مادہ ''بَشَــرٌ'' ہے یہ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: دو آدمیوں کا جسم سے جسم چپکانا۔ جماع اس کے معنی میں داخل نہیں' البتہ کبھی جماع کے معنی میں بولا جاتا ہے' جماع کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور رمضان کے روزوں میں اس پر قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی ہے۔ مباشرت اور بوسہ کے بعد نفس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ جماع کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اس لیے روزے کی حالت میں دونوں ممنوع ہیں' ان سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ اگر انزال ہونے یا جماع میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات پر پورے طور پر قابو تھا' اس لیے حضور کو ممنوع نہیں۔

غیر اولی الاربۃ

سورۂ نور میں ہے: ''اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش ظاہر نہ کریں' مگر جو خود ہی ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں' سوائے اپنے شوہر اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور شوہر کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی ہی جیسی عورتوں اور اپنی لونڈیوں اور غلاموں اور ان خادموں کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں' یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ چیزوں کی خبر نہ رکھتے ہوں' کسی کے سامنے اپنی آرائش ظاہر نہ کریں۔

اس آیت میں یہ تھا:

اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ. (النور:۳۱) یا نوکر جو شہوت والے مرد نہ ہوں۔

اس میں ''اَلْاِرْبَۃ'' ہے امام بخاری حسب عادت اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی حاجت کے ہیں۔ اور امام طاؤس نے فرمایا: ''غیر اولی الاربۃ'' سے مراد وہ احمق ہے' جسے عورتوں کی حاجت نہ ہو۔

بَابُ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ (ص ۲۵۸) روزے دار کا بوسہ لینا

ت ۳۲۷- وَقَالَ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِنْ اور حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عورت کو دیکھا اور

[1] شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۲۹۲، کتاب الصیام، باب: القبلۃ للصائم

نَظَرَ فَاَمْنٰی یُتِمُّ صَوْمَہٗ. منی نکل آئی تو بھی روزہ پورا کرلے۔

اس اثر کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے اور حکم یہی ہے کہ اگر عورت کو دیکھا اور انزال ہو گیا تو روزہ فاسد نہ ہوا' البتہ اگر بوسہ لیا یا گلے لگایا یا جسم چھوا' اگر چہ کپڑا حائل ہو اور انزال ہو گیا تو روزہ فاسد ہو گیا' بلکہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ انزال ہو جائے گا یا جماع میں مبتلا ہو جائے گا تو مکروہ ہے' البتہ زبان یا ہونٹ چوسنا اور مباشرت فاحشہ مطلقاً مکروہ ہے۔ خواہ انزال اور جماع کا اندیشہ ہو' خواہ نہ ہو۔ مباشرت فاحشہ یہ ہے کہ مرد اپنا آلہ عورت یا مرد کی شرمگاہ سے' یا عورت عورت کی شرمگاہ سے شہوت کی حالت میں بغیر کسی حائل کے مَس کرے۔ مرد میں شہوت یہ ہے کہ آلے میں تندی ہو' اور عورت میں یہ ہے کہ ہیجان اور جوش ہو۔

۱۱۳۲- ح: لَيُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ وَهُوَ صَائِمٌ

[اور حالت روزہ میں اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے]

۱۱۳۲- عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ ضَحِكَتْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے۔ اس کے بعد وہ ہنسیں۔

(نسائی الصیام)

بعض ازواج سے خود اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو مراد لیا۔ بعد میں ہنسنے سے یہ متعین ہو گیا۔ اس سے یہ روایت اور قطعی ہو گئی۔ اس کے بعد اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ۲۱۲ ذکر فرمائی' جو نزہۃ القاری' ج ا ص ۶۴۱ پر گزر چکی ہے' اس میں یہاں یہ زائد ہے:

كَانَتْ هِيَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ.

یہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن میں سے غسل کرتے تھے اور حضور روزہ دار ہوتے ہوئے ان کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

بَابُ اغْتِسَالِ الصَّائِمِ (ص ۲۵۸)

روزہ دار کا غسل کرنا

مقصد باب

بظاہر اس باب کی کوئی ضرورت نہیں تھی' مگر چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مصنف عبدالرزاق[1] میں ہے کہ انہوں نے روزہ دار کو حمام میں جانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس کو واضح کر دیا جائے۔ روایت مذکور ضعیف ہے لائق حجت نہیں۔ ہمارے نزدیک بھی راجح اور مختار یہی ہے کہ روزہ دار کو نہانے' حمام میں جانے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح سر پر پانی ڈالنے' کپڑا تر کر کے جسم پر رکھنے میں بھی۔

ابوداؤد[2] میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے بعض صحابہ سے روایت کیا' انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرج میں دیکھا کہ روزہ دار تھے اور سر اقدس پر گرمی یا پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی ڈالا جا رہا تھا۔

ت ۳۳۸- وَبَلَّ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ثَوْبًا فَاُلْقِيَ عَلَيْهِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کپڑا بھگویا اور ان پر ڈالا گیا۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۱۱ [2] ایضاً

اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے موصول کیا۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ جس نہانے میں بدن پر پانی پڑتا ہے اور مسامات کے ذریعہ جسم کے اندر پہنچتا ہے ویسے ہی بھیگا کپڑا ڈالنے سے بھی پانی کو جسم جذب کرتا ہے۔ جسم پر بھیگا کپڑا رکھنے میں حرج نہیں تو نہانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہونی چاہیے۔

ت۳۳۹ - **وَدَخَلَ الشَّعْبِيُّ الْحَمَّامَ وَهُوَ صَائِمٌ.** اور امام شعبی (تابعی) روزہ رکھتے ہوئے حمام میں گئے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام شعبی کا نام "عامر بن شراحیل" تھا۔

ت۳۴۰ - **وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا بَأْسَ أَنْ يَتَطَعَّمَ الْقِدْرَ أَوِ الشَّيْءَ.** اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ روزہ دار ہانڈی یا کوئی اور چیز چکھے۔

اس تعلیق کو بھی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔ "ان یتطعم" کا مادہ "طعم" ہے، سمع یسمع سے۔ اس کے معنی چکھنے کے آتے ہیں۔ "تطعم" کے معنی مزہ چکھنے کے لیے منہ میں ڈالنا۔ مطلب یہ ہے کہ شوربہ وغیرہ کو منہ میں اس لیے ڈالنا کہ اس کا مزہ معلوم ہو جائے، پھر تھوک دینا، روزہ میں ممنوع نہیں۔ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر بلاضرورت مکروہ ہے۔ ہاں اگر شوہر بد خلق ہے تو چکھنے کی اجازت ہے، مکروہ بھی نہیں۔ اسی طرح چھوٹے بچے کے کھانے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے کھلانے کے لیے روٹی وغیرہ چبانے میں کوئی حرج نہیں۔

ت۳۴۱ - **وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالتَّبَرُّدِ لِلصَّائِمِ.** اور امام حسن بصری نے فرمایا: کلی کرنے اور پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس تعلیق کو معناً امام عبدالرزاق نے موصول کیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ ظاہر نہیں ہو سکا، بلکہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے ان سے اس کے برعکس روایت کیا ہے کہ امام حسن بصری نے فرمایا کہ افطار کے وقت اور پانی پینے کے وقت کلی کرنا مکروہ ہے۔ ان دونوں تعلیقات کا باب سے یہ تعلق ہے کہ جب منہ میں کھانا اور پانی لے جانا مفسد صوم نہیں تو غسل بہ درجہ اولیٰ نہیں۔

ت۳۴۲ - **وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلْيُصْبِحْ دَهِيناً مُتَرَجِّلًا.** اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تمہارا روزہ ہو تو صبح کو تیل لگائے ہوئے اور کنگھا کیے ہوئے رہو۔

"فلیصبح" کا مطلب یہ ہے کہ رات ہی میں تیل لگائے، کنگھا کر لے۔ مقصود یہ ہے کہ روزہ عبادت ہے، جب تک کوئی روزہ رکھے ہوئے ہے، عبادت کی حالت میں ہے اور عبادت گزار حقیقت میں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اچھی، عمدہ ہیئت بنائے رکھے۔

باب سے مناسبت ظاہر ہے کہ صبح کو جب بالوں میں تیل موجود ہوگا تو جذب ہو کر دماغ میں پہنچے گا، جب اس میں کوئی حرج نہیں تو غسل میں بھی کوئی حرج نہیں۔ نیز غسل سے بھی مقصود نظافت ہے اور بالوں میں تیل ڈالنے اور کنگھا کرنے میں بھی نظافت ہے، اس جامع معنی کی وجہ سے ذکر فرمایا۔

اس سے لزوماً ثابت ہوا کہ دن میں روزے کی حالت میں سر یا بدن پر تیل کی مالش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ت۳۴۳ - **وَقَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنَّ لِيْ أَبْزَنَ أَتَقَحَّمُ فِيْهِ وَأَنَا صَائِمٌ.** اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس پانی کا ایک برتن ہے، جس میں روزے کی حالت میں داخل ہوتا ہوں۔

اس تعلیق کو قاسم بن ثابت نے غریب الحدیث میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ ''اَبْـزَنْ'' آب زن کا معرب ہے' پتھر یا دھات وغیرہ کا بڑا گھرا برتن جس میں آدمی کم از کم بیٹھ سکے' جیسے آج کل نہانے کے لیے ٹب ہوتا ہے' غسل میں پانی جسم پر پڑ کر بہہ جاتا ہے اور اگر برتن میں پانی جمع ہو اور انسان اس میں بیٹھے تو پانی جسم کے اردگرد دیر تک رہنے کی وجہ سے اندر زیادہ جذب ہوگا' جب اس میں حرج نہیں تو نہانے میں بہ درجۂ اولیٰ کوئی حرج نہیں۔

ت ٣٤٤ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْتَاكُ أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دن کے اوّل اور آخری دونوں حصوں میں مسواک کرتے تھے۔

اس اثر کے اخیر جزء کے ہم معنی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب ظہر کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو مسواک کرتے۔ باب سے مناسبت کی وہی سابق تقریر ہے کہ مسواک کے دانتوں سے رگڑنے کی وجہ سے اس کا جرم تھوک میں شامل ہو کر زبان اور تالو میں جذب ہوتا ہے' مگر یہ روزے کو فاسد نہیں کرتا تو غسل بہ درجۂ اولیٰ فاسد نہیں کرے گا۔

ت ٣٤٥ - وَقَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ لَا بَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ قِيْلَ لَهُ طَعْمٌ قَالَ وَالْمَآءُ لَهُ طَعْمٌ وَّأَنْتَ تُمَضْمِضُ بِهِ. اور ابن سیرین نے کہا: گیلی مسواک میں کوئی حرج نہیں عرض کیا گیا: اس کے لیے مزہ ہے؟ فرمایا: پانی کے لیے بھی مزہ ہے حالانکہ تم اس سے کلی کرتے ہو۔

اس تعلیق کو بھی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت ٣٤٦ - وَلَمْ يَرَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَّالْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيْمُ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا. اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی روزے دار کو سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

حضرت انس کی اس تعلیق کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن[1] میں موصولاً روایت کیا۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ یہ مشاہدہ ہے کہ سرمہ مسامات کے ذریعہ دماغ تک پہنچتا ہے اور بسا اوقات حلق کے نیچے چلا جاتا ہے۔ جب یہ روزے میں مخل نہیں تو غسل میں کس طرح مخل ہوسکتا ہے[2] امام حسن بصری کی تعلیق کو امام عبدالرزاق نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابراہیم نخعی کی تعلیق کو امام سعید بن منصور اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے[3] امام ابن ابی شیبہ نے ان سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ روزے دار کو سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں' اگر اس کا مزہ محسوس نہ کرے۔

مسائل

روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کے بارے میں ہمارا اور حضرت امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں' خواہ سرمہ کا مزہ محسوس ہو خواہ محسوس نہ ہو۔ حضرت امام مالک کے دونوں قول ہیں' مدوّنہ میں ہے: اگر حلق تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ حضرت امام احمد نے فرمایا کہ روزہ دار کو سرمہ لگانا مکروہ ہے' اگر سرمے کا مزہ حلق میں محسوس کرلے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ہماری دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے: اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا۔

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۳۔ کتاب الصیام۔ باب: فی الکحل عند النوم

[2] لله دَرّ الشارح حيث اخرج المطابقة بين التعليق والباب والحال۔ قال العيني. مسئلة الكحل وقع استطرادًا فلا تطلب فيها المطابقة وسكت عنه العلامة العسقلاني۔ وكم له في هذا الشرح من الفوائد الجيدة۔ من ناسخه زاهد سلامي.

[3] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۴۔ کتاب الصیام۔ باب: فی الکحل عند النوم

(ابن ماجہ۔ کتاب الصیام۔ باب: فی السواك و الكحل للصائم ص ۱۲۲)

نیز ابوعاصم کی کتاب الصیام[1] میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں روزے کی حالت میں باہر تشریف لائے اور حضور کی آنکھیں اثمد سے بھری ہوئی تھیں۔

نیز طبرانی نے اوسط میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا' وہ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ روزہ رکھے ہوئے سرمہ لگا رہے تھے۔

اس باب کے ضمن میں حضرت امام بخاری وہی ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں جو بھی ''باب: الصائم یصبح جنبا'' میں مذکور ہو چکی ہے۔ وہاں ''وھو جنب من اھلہ'' ہے اور رمضان کا ذکر نہیں' اور یہاں ''فی رمضان من غیر حلم'' ہے' یعنی فجر کے وقت تک بغیر احتلام کے حالت جنابت میں رہتے' پھر غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔ ہندوستانی نسخے میں ''جنبا'' نہیں' مگر فتح الباری' عمدۃ القاری' ارشاد الساری تینوں شرحوں کے متن میں ہے' اسی لیے میں نے وہ ترجمہ کیا:

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اِذَا اَفْطَرَ يُكَفِّرُ مِثْلُ الْمُجَامِعِ قَالَ لَا اَ لَا تَرَى الْاَحَادِيْثَ لَمْ يَقْضِهٖ وَاِنْ صَامَ الدَّهْرَ.

ابوجعفر نے کہا: میں نے ابوعبداللہ (امام بخاری) سے پوچھا: اگر روزہ توڑ دے تو کیا جماع کرنے والے کے مثل کفارہ دے؟ فرمایا: نہیں! کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ حدیثوں میں ہے: اگر کوئی ایک روزہ چھوڑ دے تو زمانے بھر کا روزہ اس کا عوض نہیں ہو سکتا۔

بَابُ الصَّائِمِ اِذَا اَكَلَ اَوْ شَرِبَ نَاسِيًا (ص ۲۵۹)

روزہ دار جب بھول کر کھا پی لے

توضیح

یہ ابوجعفر امام بخاری کے وراق ہیں۔ ان کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی کھا پی کر روزہ توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ حضرت امام بخاری نے فرمایا کہ اس پر کفارہ واجب نہیں۔ استشہاد میں جو کچھ فرمایا' اس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس پر قضا بھی نہیں۔ استشہاد کا حاصل یہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ جس نے رمضان کا ایک روزہ توڑ دیا' وہ زمانہ بھر روزہ رکھے تو اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا اور جب بدلہ نہیں ہو سکتا تو قضا بے کار ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جماع کرنے والے پر بھی صرف کفارہ ہے' قضا نہیں' مگر ''باب اذا جامع فی رمضان'' میں جو آثار لائے ہیں' ان سے جماع کرنے والے کے بارے میں دونوں باتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ پہلے اور دوسرے اثر سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قضا نہیں' مگر تیسرے اثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضا ہے۔

اس عبارت میں جو کچھ مذکور ہے وہ جماعت کے علاوہ اور کسی وجہ سے روزہ توڑنے والے کے بارے میں ہے کہ اس پر کفارہ نہیں' قضا ہے یا نہیں؟ عبارت دونوں کی محتمل ہے' ایک یہ کہ اس پر قضا نہیں' دوسرے یہ کہ قضا روزہ رکھے بھی تو وہ اصل روزے کے قائم مقام نہیں۔ یہ عبارت صرف ہندوستانی نسخے میں ہے' بقیہ نسخوں میں نہیں۔ بہ ظاہر یہ عبارت یہاں بے تکی بھی لگ رہی ہے۔ روزہ دار کے غسل کے بیان سے اس کا کیا تعلق۔

ت ۲۴۷ - وَقَالَ عَطَاءٌ اِنِ اسْتَنْثَرَ فَدَخَلَ الْمَاءُ فِيْ — اور امام عطاء نے فرمایا: اگر ناک میں پانی چڑھایا اور حلق

[1] عمدۃ القاری' ج ۱۱' ص ۱۵

حَلْقِهٖ لَا بَأْسَ لَمْ يَمْلِكْ رَدَّهٗ. میں داخل ہو گیا تو کوئی حرج نہیں کہ اسے لوٹا نہیں سکتا۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔ "اِسْتِنْثَار" کے معنی ناک صاف کرنے کے ہیں' مگر کبھی ناک میں پانی ڈالنے کے معنی میں بھی آتا ہے' یہاں یہی مراد ہے۔ یہ امام عطاء کا اپنا فتویٰ ہے' ہمارے نزدیک یہ ہے کہ یہ شخص دن بھر روزہ دار کی طرح رہے اور اس روزے کی قضا کرے' البتہ کفارہ یا گناہ نہیں' کیونکہ اس کا یہ فعل اس کے اختیار سے نہیں' مگر جب حلق میں پانی پہنچ گیا تو امساک عن الشرب نہ رہا' اس لیے روزہ نہ رہا' قضا واجب ہے۔ اس تعلیق سے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ نسیان کے حکم میں خطا بھی ہے۔ ورنہ یہاں کوئی مناسبت نہیں۔ نسیان میں روزہ یاد نہیں رہتا اور کھانا پینا بالقصد اور اختیار سے ہوتا ہے اور خطا میں روزہ یاد رہتا ہے مگر حلق تک پانی کا چلا جانا بلاقصد ہے۔

لَمْ يَمْلِكْ

یہ بہ منزلہ تعلیل ہے' یعنی حلق تک پانی اس کے قصد و اختیار سے نہیں گیا ہے اور یہ مجبور بھی ہے کہ اب پانی لوٹا نہیں سکتا۔ دوسرے نسخوں میں "ان لم يملك" ہے۔ اب یہ بہ منزلہ شرط کے ہے' یعنی حرج اس وقت نہیں جب یہ پانی لوٹا نہ سکے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر لوٹا سکے تو حرج ہے' یعنی لوٹا سکتا تھا اور لوٹایا نہیں تو روزہ فاسد ہو گیا' لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ حلق تک پانی پہنچنے کے بعد لوٹانا ممکن نہیں' اس لیے اسے شرط ٹھہرانا خلاف ظاہر ہے۔ یہی حکم اس کا بھی ہے کہ کلی کرنے میں پانی حلق تک چلا جائے۔

ت۳۴۸ - وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ دَخَلَ حَلْقَهُ الذُّبَابُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. اور امام حسن بصری نے فرمایا: اگر اس کے حلق میں مکھی چلی جائے تو اس پر کچھ نہیں۔

اس اثر کو بھی امام ابوبکر بن شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو دوا یا غذا نہ ہو اور بلاقصد و اختیار حلق میں چلی جائے' جیسے دھواں' غبار وغیرہ' البتہ بالقصد دھواں وغیرہ نگلنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا' جیسے حقہ' سگریٹ' بیڑی وغیرہ پینا اس میں قضا بھی ہے اور کفارہ بھی۔

ت۳۴۹ - وَقَالَ الْحَسَنُ وَمُجَاهِدٌ اِنْ جَامَعَ نَاسِيًا فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. اور امام حسن بصری اور امام مجاہد نے فرمایا: اگر بھول کر جماع کرے تو اس پر کچھ نہیں۔

ان دونوں تعلیقات کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے' حدیث میں صرف بھول کر کھانے پینے کا حکم مذکور ہے' جماع کا نہیں' اس لیے امام بخاری نے افادہ تامہ کے لیے اس تعلیق کو ذکر فرمایا' نیز بھول کر کھانا پینا اکثر ہو جاتا ہے' مگر بھول کر جماع ہو جائے' یہ مشکل ہے' اس لیے اسے مستقلاً ذکر کی حاجت تھی۔

۱۱۳۳ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَسِيَ فَاَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے' اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا حنث ناسیا فی الایمان ص ۹۸۶' ج ۵۔ کتاب الصوم)

فلیتم صومہ

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا روزہ فاسد نہ ہوا۔ "اتمام" بقیہ چیز کے پورا کرنے کو کہتے ہیں' اگر بالفرض روزہ فاسد ہو جاتا تو روزے کا اتمام نہ ہوتا اور جب روزہ پورا ہو گیا تو نہ اس پر کفارہ ہے اور نہ اس کی قضا ہے۔

علاوہ ازیں ابن حبان[1] کی روایت میں صاف تصریح ہے کہ اس پر نہ قضا ہے نہ کفارہ۔ فرمایا: جس نے رمضان میں بھول کر روزے کے منافی کوئی کام کرلیا تو اس پر نہ قضا ہے نہ کفارہ۔ یہی روایت اس پر بھی نص ہے کہ اس معاملے میں فرض اور نفل سب کا ایک حکم ہے۔

بَابُ سِوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ (ص۲۵۹)

روزہ دار کا گیلی اور سوکھی مسواک کرنا

ت ۳۵۰ - وَيُذْكَرُ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ وَهُوَ صَائِمٌ مَّا لَا أُحْصِي أَوْ أَعُدُّ.

اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے اتنی بار دیکھا ہے کہ شمار نہیں ہوسکتا۔

اس تعلیق کو امام ابوداؤد[2] اور امام ترمذی[3] نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو صیغہ تمریض کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اس کے ایک راوی عاصم بن عبید اللہ مطعون ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا' لیکن اس کا مدار عاصم بن عبید اللہ پر ہے' جمہور نے اسے ضعیف بتایا' ہوسکتا ہے اسے کسی اور طریقے سے قوت مل گئی ہو۔ امام مزی نے کہا: عاصم بن عبید اللہ کے بارے میں سب سے اچھی بات وہ ہے جو عجلی نے کہی کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ ابن عدی نے کہا: اس کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

روزے کی حالت میں مسواک کرنے کے بارے میں ان صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ' حضرت انس' حضرت حبان بن منذر' حضرت خباب بن ارت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم۔

احکام

روزے کی حالت میں مسواک بہرحال مسنون ہے' مسواک تر ہو یا سوکھی' دوپہر سے پہلے کریں' یا دوپہر بعد' ہر وقت مسنون ہے۔

ت ۳۵۱ - وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ وَيُرْوٰى نَحْوُهُ عَنْ جَابِرٍ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَخُصَّ الصَّائِمَ مِنْ غَيْرِهِ.

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا: اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا اور اسی کے مثل حضرت جابر اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے' حضور نے روزے دار کو غیر روزے دار سے خاص نہیں فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سند متصل کے ساتھ امام مالک نے موطا[4] میں اور امام احمد نے اپنی مسند[5] میں' امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں' دارقطنی نے غرائب مالک میں اور امام حاکم نے مستدرک میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

---

1. عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۱۷
2. ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۲۔ کتاب الصیام۔ باب: السواک للصائم
3. ترمذی۔ ج ۱ ص ۹۱۔ کتاب الصوم۔ باب: السواک للصائم
4. موطا امام مالک۔ ص ۲۴۔ باب: السواک

(حوالہ نمبر ۵ اگلے صفحہ پر)

اور حضرت جابر کی حدیث کو امام ابونعیم نے روایت کیا ہے[1] اور حضرت زید بن خالد کی حدیث کو ان کے علاوہ ابوداؤد[2] نے بھی سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے' البتہ ان دونوں کی روایتوں میں "عند کل صلٰوۃ" ہے۔ اس لفظ کے ساتھ خود امام بخاری[3] نے کتاب الجمعہ میں روایت کیا' اور صرف "بالسواك" بغیر عند کل صلٰوۃ کے کتاب التمنی[4] میں۔ نیز بقیہ اصحاب صحاح ستہ' دارمی اور امام احمد نے بھی "عند کل صلٰوۃ" کے ساتھ روایت کیا ہے۔

وَلَمْ يَخُصَّ

امام بخاری یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جب ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم ہے' اس میں روزے دار کا استثناء نہیں تو اس کے عموم میں روزے دار بھی داخل ہیں' اس لیے یہ حکم اسے بھی عام ہوا' روزے دار کو اس حکم سے خاص کرنا درست نہیں' تو ثابت ہوا کہ روزے کی حالت میں مسواک مسنون ہے اور یہی تقریر "عند کل صلٰوۃ" میں بھی ہوگی۔

اسی طرح اس میں خشک اور تر کی نہ تخصیص ہے نہ استثناء' تو دونوں مسنون ہوئیں۔

ت ۳۵۲ - وَقَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ. اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ فرمایا: مسواک منہ صاف کرنے والی ہے اور رب کو راضی کرنے والی ہے۔

اس تعلیق کو امام احمد نے مسند[5] میں اور امام نسائی[6] نے سنن میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' مسواک کے یہ فضائل بھی کسی وقت اور دن کے ساتھ خاص نہیں' یہ اپنے عموم سے روزے کی حالت کو بھی شامل ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ روزے میں مسواک پسندیدہ ہے۔

ت ۳۵۳ - وَقَالَ عَطَآءٌ وَّقَتَادَةُ يَبْتَلِعُ رِيقَهُ. اور امام عطاء اور قتادہ نے کہا: روزے دار اپنا تھوک نگل سکتا ہے۔

امام عطاء کے اثر کو امام سعید بن منصور اور امام عبدالرزاق نے' اور قتادہ کے اثر کو امام عبد بن حمید نے موصولاً روایت کیا ہے۔

اثبات باب

اس باب کے ضمن میں امام بخاری حدیث: ۱۷۱۱ لائے ہیں' جو حمران مولیٰ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ حدیث[7] پر مذکور ہے' جس میں وضو کی تفصیل ہے' اس میں مسواک کا ذکر نہیں اور نہ روزے کا' اس لیے اب یہ سوال ہے کہ اس کو باب سے کیا مناسبت ہے؟

مناسبت کی تقریر یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بیان ہے' اخیر میں ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے' اس لیے پابند سنت مسلمان روزے کی حالت میں بھی اسی طرح وضو کرے گا' اس میں کلی کرنے کا بھی ذکر ہے اور کلی کرنے سے پانی منہ میں جاتا ہے' تو جب پانی منہ میں لے جانا روزے میں کوئی خلل نہیں ڈالتا تو مسواک بدرجہ اولیٰ

(سابقہ صفحہ کا حوالہ) ۵ مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۵۰۔ ۴۳۳ | ۱ عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۱۹

۲ ابوداؤد۔ ص ۷۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: السواک | ۳ بخاری۔ ج ۱ ص ۱۲۲۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: السواک یوم الجمعۃ

۴ بخاری۔ ج ۲ ص ۱۰۷۵۔ کتاب التمنی۔ باب: ما یجوز من اللو ضوء | ۵ مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۴۷

۶ نسائی۔ ج ۱ ص ۵۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الترغیب فی السواک | ۷ بخاری۔ ج ۱ ص ۲۸۹

نہیں ڈالے گی، یہی حضرت امام ابن سیرین کا استنباط ہے جیسا کہ گزر چکا۔
نیز یہ کہ اس میں وضو سے وضو کامل مراد ہے اور وضو کامل بے مسواک نہ ہوگا تو اسے لازم ہے کہ مسواک بھی ضرور کرے، خواہ روزے دار ہو خواہ نہ ہو۔ اس طرح اس حدیث سے روزے کی حالت میں مسواک کرنا ثابت ہو گیا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ الْمَاءَ (ص٢٥٩)

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جب وضو کرو تو اپنے نتھنے میں پانی ڈالو

توضیح باب

امام بخاری اس باب سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ناک اور منہ کے اندرونی حصے کی دو حیثیتیں ہے: داخلی اور خارجی۔ خارجی حیثیت یہ ہے کہ اگر منہ میں پانی یا کھانا جائے اور حلق تک نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوا۔ اس اعتبار سے منہ جوف سے خارج ہے، جوف کی ابتداء حلق سے ہے، لیکن اگر رینٹھ یا تھوک نگل گیا تو روزہ نہ گیا۔ یہ ناک اور منہ کی داخلی حیثیت ہے۔ اس اعتبار سے ناک اور منہ گویا جوف ہی کا جز ہے۔ اس توضیح کے بعد اس باب میں جتنی تعلیقات مذکور ہیں، سب کو باب سے مناسبت ہو جائے گی۔

''قول النبی ﷺ'' اس حدیث کو امام مسلم[1] نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ مِنَ الْمَاءِ ثُمَّ لِيَنْثِرْ.　جب وضو کرو تو ناک میں پانی ڈالو، پھر چھینک لو۔

باب پر استدلال میں امام بخاری نے خود فرمایا: ''لم یمیز بین الصائم وغیرہ'' روزے دار اور غیر روزے دار کے مابین حضور نے امتیاز نہیں فرمایا، یعنی ایسا نہیں کیا کہ یہ حکم صرف غیر روزے دار کو دیا ہو، روزے دار کو مستثنیٰ فرما دیا ہو، بلکہ عام حکم ہے، جس میں روزے دار بھی داخل ہے۔ اس لیے روزے دار بھی روزے کی حالت میں ناک میں پانی ڈالے۔

ت٣٥٤ - وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ بِالسَّعُوْطِ لِلصَّائِمِ إِنْ لَّمْ يَصِلْ إِلَى حَلْقِهِ وَيَكْتَحِلُ.　اور امام حسن بصری نے فرمایا: روزے دار کو ناک میں دوا سڑکنے میں کوئی حرج نہیں، اگر حلق تک نہ پہنچے اور سرمہ لگائے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حکم عام ہے، خواہ دوا خشک ہو خواہ رقیق۔ ناک کے ذریعے جو دوا اور غذا حلق تک پہنچے گی، روزہ فاسد کر دے گی۔

ت٣٥٥ - وَقَالَ عَطَاءٌ إِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ أَفْرَغَ مَا فِيْ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ لَا يَضِيْرُهُ إِنْ لَّمْ يَزْدَرِدْ رِيْقَهُ وَمَا بَقِيَ فِيْ فِيْهِ وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَإِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَا أَقُوْلُ إِنَّهُ يُفْطِرُ وَلٰكِنْ يُنْهٰى عَنْهُ.　اور امام عطاء نے فرمایا: اگر کلی کی، پھر منہ کا پانی تھوک دیا تو اگر تھوک اور منہ میں جو پانی رہ گیا ہے اسے نگل لے تو کوئی ضرر نہیں دے گا اور گوند نہ چبائے، پس اگر گوند کا تھوک نگل گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ یہ روزہ توڑ دے گا، لیکن اس سے منع کیا جائے گا۔

اس تعلیق کے دو حصے ہیں، ایک ''یکتحل'' تک، دوسرا اس کے بعد کا، پہلے حصہ کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اور دوسرے کو امام عبدالرزاق نے موصولاً روایت کیا ہے۔

ما بقی

اس روایت میں ''ما'' کلمہ موصولہ ہے اور ایک روایت ''ماذا بقی فی فیہ'' ہے، اس روایت میں ''ما'' استفہامیہ ہے، یعنی

[1] مسلم ج اص ۱۲۳، کتاب الطہارۃ، باب: الایتار فی الاستنشاق

جب کلی کر کے پانی تھوک دیا تو اب منہ میں کیا باقی ہے۔

العلك

اس سے مراد مصطگی کے مثل سخت گوند ہے۔ نرم گوند جو منہ میں ڈالنے سے پگھل جائے' مراد نہیں۔ اس باب میں امام بخاری نے کوئی حدیث مسند نہیں ذکر کی۔

بَابٌ اِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ (ص۲۵۹) جس نے رمضان میں جماع کیا

توضیح باب

مطلب یہ ہے کہ جس نے رمضان میں روزہ رکھ کر ہم بستری کر لی' اس پر کیا واجب ہے؟ صرف کفارہ یا صرف قضا یا دونوں؟ حسب عادت امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں ذکر فرمایا' اس کے ضمن میں جو آثار لائے ہیں' ان میں دو پہلے والوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر قضا نہیں۔ تیسرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضا ہے اور حدیث سے صرف کفارہ کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔

ت۳۵٦ - وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَّمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَاِنْ صَامَهُ وَبِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی جاتی ہے کہ (فرمایا:) جس نے رمضان میں ایک دن بغیر عذر اور بیماری کے روزہ نہیں رکھا تو عمر بھر کا روزہ اس کا بدل نہیں ہو سکتا' اگرچہ کوئی عمر بھر روزہ رکھے۔ اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا ہے۔

اس تعلیق کو اصحاب سنن اربعہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے صیغۂ تمریض سے ذکر کیا ہے' اس لیے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ وجہ ضعف علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے تفصیل سے بیان کر دی ہے' مگر چونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے اور اس کی مؤید اور بھی احادیث ہیں' اس لیے لا اقل حسن لغیرہ ضرور ہے۔

من افطر

یہ دونوں صورتوں کو عام ہے' روزہ رکھ کر توڑ دے' یا روزہ رکھے ہی نہیں۔ اور توڑنے کی تین صورتیں ہیں: کچھ کھالے' کچھ پی لے یا جماع کر لے۔ اخیر صورت کو باب سے مناسبت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی امام بیہقی نے دو طرح تخریج کی ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے اور انہیں پر موقوف ہے۔

ت۳۵۷ - وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ وَابْنُ جُبَيْرٍ وَّاِبْرَاهِيْمُ وَقَتَادَةُ وَحَمَّادٌ يَقْضِيْ يَوْمًا مَّكَانَهُ.

اور سعید بن مسیب اور شعبی اور ابن جبیر اور ابراہیم اور قتادہ اور حماد نے کہا: اس کی جگہ ایک دن قضا رکھے۔

سعید بن مسیب کے قول کو مسدد نے' اور امام شعبی' امام سعید بن جبیر شہید اور امام ابراہیم نخعی کے اقوال کو ابن شیبہ نے' اور امام قتادہ اور امام حماد کے قول کو امام عبدالرزاق نے موصولاً ذکر کیا ہے۔

ان حضرات کے ارشادات کا بہ ظاہر یہ مطلب ہے کہ جو رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دے اس پر صرف قضا ہے کفارہ نہیں' مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس پر قضا و کفارہ دونوں ہیں۔

۱۱۳٤ - ح: اِنَّ رَجُلًا قَالَ اِنَّهُ اِحْتَرَقَ

[ایک شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی میں خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا: وہ جل گیا]

١١٣٤ - عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُوْلُ اِنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُ اِحْتَرَقَ قَالَ مَا لَكَ قَالَ اَصَبْتُ اَهْلِيْ فِيْ رَمَضَانَ فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِكْتَلٍ يُدْعَى الْعَرَقَ فَقَالَ اَيْنَ الْمُحْتَرِقُ قَالَ اَنَا قَالَ تَصَدَّقْ بِهٰذَا.

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ وہ جل گیا' فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: رمضان میں اپنی اہلیہ سے ہم بستری کر لی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک زنبیل لائی گئی جسے عرق کہا جاتا ہے' فرمایا: کہاں ہے جل جانے والا؟ عرض کیا: میں ہوں! فرمایا: اسے صدقہ کر دے۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب المحاربین۔ باب: اصاب ذنبا دون الحد و اخبر الامام ص ١٠٠٧' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصوم)

تکمیل

کتاب المحاربہ میں یہ حدیث مفصل یوں ہے: حضرت اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ ایک صاحب مسجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں جل گیا۔ دریافت فرمایا: کس چیز سے؟ عرض کیا: رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے' تو آپ نے اس سے فرمایا: صدقہ کرو' انہوں نے عرض کیا: میرے پاس کچھ نہیں' اور بیٹھ گئے۔ اور ایک صاحب گدھا ہانکتے ہوئے آئے' ان کے ساتھ کھانا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے۔ راوئ حدیث عبدالرحمٰن نے کہا: میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے؟ اب حضور نے فرمایا: جل جانے والا کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: حضور! یہ میں ہوں' فرمایا: اسے لے اور صدقہ کر دے۔ انہوں نے عرض کیا: اپنے سے زیادہ محتاج پر نہ؟ میرے اہل وعیال کے لیے کھانا نہیں' فرمایا: تمہیں لوگ کھالو۔

احترق

ان صاحب نے یہ تصور کر کے کہ میں نے رمضان اور روزے کی خود بھی بے حرمتی کی اور اپنی اہلیہ کو بھی مرتکب کرایا' یہ یقین کر بیٹھے تھے کہ اب میرا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس یقین کو صیغہ ماضی کے ساتھ عرض کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ صاحب تھپڑ مارتے ہوئے' سینہ پیٹتے ہوئے' بال نوچتے ہوئے' سر پر خاک ڈالتے ہوئے' یہ کہتے ہوئے: خرابی ہو' میں ہلاک ہو گیا' حاضر ہوئے۔

بمکتل

مکتل بڑی ٹوکری کو کہتے ہیں۔ "عرق" بھی بڑی ٹوکری کو کہتے ہیں۔ حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے کہ مکتل عام ہے اور عرق خاص قسم کی بڑی ٹوکری کو کہتے ہیں۔ مسلم[1] کی ایک روایت میں ہے کہ دو عرق تھا' ایک عرق میں کم از کم پندرہ صاع آتا ہے' تو یہ طعام کم از کم تیس صاع تھا۔ اس حدیث سے متعلق دوسرے مباحث اس کے بعد والے باب میں آرہے ہیں۔

بَابٌ اِذَا جَامَعَ فِيْ رَمَضَانَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ فَلْيُكَفِّرْ (ص ٢٥٩)

جب کوئی رمضان میں جماع کرے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو' اور اسے صدقہ دیا جائے تو کفارہ ادا کر دے

١١٣٥ - ح: اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلَكْتُ

[ایک شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا' کہا: میں ہلاک ہو گیا]

[1] مسلم ج ١ ص ٣٥٥۔ کتاب الصیام۔ باب: تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان

۱۱۳۵ - اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى امْرَاَتِي وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ فَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهَا تَمْرٌ وَّالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ فَقَالَ اَنَا قَالَ خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اَعَلٰى اَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا' فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کی: روزے کی حالت میں اپنی اہلیہ سے ہم بستری کر لی ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے پاس غلام ہے جسے آزاد کر دے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: تو کیا دو مہینے مسلسل روزے رکھنے کی استطاعت رکھتا ہے؟ تو اس نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت ہے؟ عرض کیا: نہیں! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی دیر یوں ہی رہے' ہم لوگ اسی طرح رہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑی زنبیل پیش کی گئی جس میں کھجوریں تھیں' عرق بڑی زنبیل ہے' فرمایا: سائل کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں ہوں' فرمایا: اسے لے اور صدقہ کر دے' اس پر انہوں نے عرض کیا: اپنے سے زیادہ محتاج پر نا؟ یارسول اللہ! بخدا! ان دونوں سنگستانوں یعنی دونوں حرہ کے درمیان کوئی گھر والا میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج نہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب ہنسے یہاں تک کہ آپ کے نوکیلے دانت ظاہر ہو گئے' پھر فرمایا: اپنے اہل و عیال کو کھلا دے۔

(ایضاً۔ باب: المجامع فی رمضان هل يطعم اهله من الكفارة ص۲۶۰' کتاب الہبۃ۔ باب: اذا وهب هبة فقبضها الاخر ص۳۵۴' کتاب النفقات۔ باب: نفقة المعسر على اهله ص۸۰۸' ج۲۔ کتاب الادب۔ باب: التبسم و الضحك ص۸۹۱' کتاب الایمان والنذور۔ باب: قوله قد فرض اللّٰه تحلة ايمانكم ص۹۹۲' باب: من اعان المعسر فی الكفارة ص۹۹۳' باب: يعطى فی الكفارة عشرة مساكين ص۹۹۳' المحاربین۔ باب: من اصاب ذنبا دون الحد ص۱۰۰۷' بقیۃ الخمسۃ کتاب الصیام)

اس حدیث کو امام زہری سے قریب قریب چالیس راویوں نے روایت کیا ہے اور بخاری میں میرے ناقص تتبع کی بناء پر نو طریقے سے مروی ہے۔

احکام

ان دونوں حدیثوں کے ظاہر سے دلیل لاتے ہوئے بہت سے ائمہ نے فرمایا کہ روزہ رکھ کر توڑنے پر کفارہ نہیں۔ حسب استطاعت یا کم از کم پندرہ صاع کھجور صدقہ ہے' لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نہایت واضح غیر مبہم طور پر بتا رہی ہے کہ اس میں کفارۂ ظہار ہے۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے اور کفارہ ساقط نہیں ہوتا' اگر ارتکاب جرم کے وقت ادا کی قوت نہ ہو تو استطاعت ہونے پر ادائیگی واجب ہے۔ رہ گیا ان صاحب کا معاملہ یہ ان پر خصوصی کرم تھا کہ انہیں اکٹھے دو احکام سے مستثنیٰ فرمایا۔ اول: روزے پر قدرت ہوتے ہوئے اطعام کی اجازت دی۔ دوم: کفارہ صدقہ واجب ہے' یہ اپنے اوپر یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرنے سے ادا نہ ہوگا' مگر انہیں خود کھانے اور اپنے اہل و عیال کو کھلانے کی اجازت دے دی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شارع ہیں' وہ جسے چاہیں جس حکم سے

چاہیں مستثنیٰ فرمادیں' اس کی تحقیق بازغ دیکھنی ہو تو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ "منبہ اللبیب بان التشریع بید الحبیب" کا مطالعہ کریں اور بالاختصار معلومات حاصل کرنی چاہیں تو "مقالات امجدی" کا مطالعہ کریں' اور جب ان صاحب کے ساتھ خصوصی مراعات تھی تو اس سے ان حضرات کا بھی استدلال ساقط ہو گیا' جو یہ کہتے تھے کہ روزہ توڑنے میں کفارہ نہیں ورنہ ان کو لازم ہوگا کہ یہ قول بھی کریں کہ کفارے کا کھانا خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلا سکتا ہے۔

کفارے کی مقدار

ہمارے نزدیک فی روزہ ایک صاع کھجور وغیرہ ہے اور نصف صاع گیہوں۔ امام دار قطنی[1] نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی' انہوں نے فرمایا: ہر دن ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں دے۔ علاوہ ازیں مسلم[2] میں حضرت ام المومنین کی حدیث میں ہے: "فجاءہ عرقان فیهما طعام" حضور کی خدمت میں دو عرق آئے جن میں طعام تھا۔ اور ایک عرق میں پندرہ سے لے کر بیس صاع تک ہوتا ہے۔ اقل پندرہ رکھئے تو دو عرق کے تیس صاع ہوئے' تو جب ساٹھ مسکینوں کے لیے تیس صاع ہوا تو ایک مسکین کے لیے نصف صاع۔ خود علامہ نووی نے تصریح کی ہے کہ طعام اہل مدینہ کے عرف میں گیہوں کو کہتے ہیں' جیسا کہ صدقۂ فطر میں گزر چکا ہے' تو ثابت ہوا کہ ایک روزے کا کفارہ نصف صاع گیہوں ہے۔

موطوءہ پر کفارہ

اس حدیث میں عورت پر کفارے کا حکم نہیں' حالانکہ موقع ایسا تھا کہ اگر عورت پر بھی کفارہ واجب ہوتا تو اس کا بھی حکم ارشاد فرماتے۔ اس سے اہل ظاہر نے کہا کہ جماع سے مرد اور عورت پر صرف ایک ہی کفارہ ہے۔ ہمارے نزدیک تفصیل ہے: اگر عورت جماع پر راضی ہو تو اس پر بھی کفارہ واجب ہے اور مرد پر بھی۔ بات بالکل ظاہر ہے کہ جماع کی وجہ سے مرد کی طرح عورت بھی روزے کی بے حرمتی کی مرتکب ہے' پھر اس پر کفارہ کیوں نہیں واجب ہوگا؟ رہ گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو کفارے کا حکم نہیں دیا' اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ عورت اس حال میں رہی ہو کہ اس دن اس پر روزہ فرض نہ رہا ہو' مثلاً اسی دن صبح صادق کے بعد حیض سے پاک ہوئی ہو۔ نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ فرمالیا کہ یہ صاحب اتنے مفلوک الحال ہیں کہ اپنا کفارہ ادا نہیں کر سکتے' ترس کھا کر حضور نے اپنے خصوصی اختیار سے ان کا کفارہ معاف فرمادیا' تو ان کی اہلیہ کے بارے میں بھی اندازہ ہو گیا کہ ان کا بھی یہی حال ہوگا' تو ان کی اہلیہ پر کفارے کا تذکرہ ہی نہیں فرمایا کہ ہوگا یہی کہ بالآخر معاف کرنا پڑے گا۔

اطعام ستین

اس میں یہ بھی جائز ہے کہ ایک دن ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے یا ساٹھ مسکینوں کو تیس صاع گیہوں یا ساٹھ صاع کھجور دیدے' یا ایک مسکین کو ساٹھ دن دونوں وقت کھلا دے' یا روزانہ نصف صاع گیہوں دیدے۔

ترتیب

دار قطنی[3] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جس نے رمضان میں روزہ توڑ دیا تھا' ظہار کے کفارے کا حکم دیا اور ظہار کے کفارے میں ترتیب ہے' نیز اس حدیث کا سیاق بھی اس پر نص ہے۔ سب سے پہلے غلام آزاد کرنا' یہ غلام مرد ہو یا باندی' مسلمان ہو یا کافر' بچہ ہو یا بوڑھا۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے' اس کی بھی استطاعت

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۲۷ [2] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۵۵۔ کتاب الصیام۔ باب: تغلیظ تحریم الجمع فی نهار رمضان

[3] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۲۸

نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

حیلہ شرعیہ

بہ وقت ضرورت حیلہ شرعیہ جائز ہے۔ اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں یہ عطیہ عنایت فرما کر صدقہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

حضور اقدس ﷺ شارع ہیں

شریعت کا حکم یہی ہے کہ روزے کے کفارے میں جو غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو وہ مسلسل دو مہینے روزے رکھے۔ روزے پر قدرت ہوتے ہوئے اگر کوئی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو کفارہ ادا نہ ہوگا' جہاں تک ان صاحب کا ظاہر حال شاہد ہے' وہ ساٹھ روزے رکھ سکتے تھے' اس لیے کہ وہ صاحب رمضان کا روزہ رکھ رہے تھے' جو ایک مہینے کا ہے اور روزے کی حالت میں ہم بستری کی۔ یہ قرینہ ہے کہ وہ جیسے ایک مہینہ کے روزے رکھ سکتے تھے' دو مہینے کے بھی رکھ سکتے تھے' مگر حضور اقدس ﷺ نے پھر بھی کھانا کھلانے کو دریافت فرمایا اور پھر عطیہ دے کر اسے صدقہ کرنے کا حکم دیا' پھر اسے خود کھالینے اور اہل وعیال کو کھلا دینے کا حکم دیا۔ یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔ یہ اختیار دو طرح ثابت ہو رہا ہے' ایک یہ کہ روزے سے مستثنیٰ فرما کر کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ دوسرے مسکینوں کو کھلانے کے بجائے خود کھانے اور اپنے اہل وعیال کو کھلانے کا حکم دیا۔ رہ گیا ان صاحب کا یہ کہنا کہ میں دو مہینے روزے نہیں رکھ سکتا' یہ اس بناء پر ہو کہ وہ مزدور پیشہ آدمی رہے ہوں' دن میں مزدوری کرتے ہوں' اسی پر ان کی' ان کے بال بچوں کی گزر اوقات ہو رہی ہو اور روزہ رکھ کر دن بھر کام کرنا بہت مشکل قریب قریب محال ہے۔ اس کے پیش نظر عرض کیا ہو کہ میرے حالات ایسے ہیں کہ دو مہینے لگاتار روزے نہیں رکھ سکتا۔ یہ ان کی مراد نہیں تھی کہ مجھے یہ قوت نہیں کہ دو مہینے پے در پے روزے نہیں رکھ سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

العرق المكتل

اس میں کتنا کھانا تھا؟ کسی میں ہے کہ پندرہ صاع تھا' کسی میں ہے کہ بیس صاع تھا۔ اور مسلم کی روایت گزری کہ دو عرق تھا' ایک عرق میں کم سے کم پندرہ صاع آتا ہے تو کم از کم تیس صاع تھا اور معاملہ کفارہ کا ہے' جس میں احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے' اس لیے احناف نے تیس صاع کو اختیار کیا۔

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا:

(۱) اگر کوئی شخص گناہ کر کے عالم کی خدمت میں دریافت کرنے آئے کہ اب کیا کروں؟ تو عالم اسے سرزنش نہ کرے' شفقت کے ساتھ اسے حکم شرعی بتا دے' اس پر کفارہ ہو تو کفارہ' توبہ ہو تو توبہ کا حکم کرے۔

(۲) جو شخص کفارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو' اس کی مدد کرنی مسنون ہے۔

(۳) کفارے کے سب سے زیادہ مستحق اپنے اقرباء ہیں' بشرطیکہ اتنے قریب نہ ہوں کہ صدقۂ واجب انہیں دینے سے ادا نہ ہوتا ہو۔

(۴) تعجب کے وقت مبالغے کے ساتھ ہنسنا سنت ہے۔

(۵) غلبہ ظن پر قسم کھانا درست ہے' انہوں نے قسم کھا کر عرض کیا: مدینہ میں مجھ سے زیادہ محتاج اور کوئی نہیں۔ یہ غلبہ ظن ہی کی بنا پر

تھا ورنہ اس وقت مدینہ طیبہ محتاجوں کی بستی تھی۔ اغلب ہے کہ بہت سے ان سے بھی زیادہ محتاج رہے ہوں۔

(۶) ہبہ اور صدقے میں لفظاً قبول شرط نہیں۔ موہوب اور معطی پر قبضہ کافی ہے، جمہور اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ روزے میں جماع سے کفارہ واجب ہے، روزے میں کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ واجب ہے، اس لیے کہ جیسے جماع مفسد صوم ہے، اسی طرح کھانا پینا بھی مفسد ہے۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں: کھانے پینے پر کفارہ نہیں، اس لیے کہ کفارے کا وجوب تعزیراً ہے اور حدود کی طرح تعزیر بھی غیر قیاسی چیز ہے، اس لیے وہ اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوگی۔ نیز یہ کہ کھانا پینا اخف ہے اور جماع اغلظ۔ اخف کا اغلظ پر قیاس درست نہیں۔ اس کے جواب میں ہماری طرف سے یہ گزارش ہے: کھانے پینے پر کفارہ کا وجوب قیاس سے نہیں، اس کی بنیاد تنقیح مناط پر ہے۔ حضرت امام شافعی وغیرہ نے اس کی مناط جماع کو ٹھہرایا ہے اور ہمارے نزدیک کفارے کا مناط روزے کا توڑنا ہے، جس سے روزے کی بے حرمتی ہوئی اور مفطر ہونے میں کھانا پینا اور جماع ایک درجے کے ہیں۔ اس لیے جماع کی طرح کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہے۔ تنقیح مناط اور چیز ہے اور قیاس اور چیز، جیسا کہ اپنی جگہ محقق ہے۔

بَابُ الْحِجَامَةِ وَالْقَيْءِ لِلصَّائِمِ (ص ۲۶۰) روزہ دار کا پچھنے لگوانا اور قے کرنا

توضیح باب

قے اور سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں خود صحابہ کرام کے مابین اختلاف تھا۔ اور بعض احادیث اس کی اپنے ظاہر معنی کے لحاظ سے مؤید تھیں کہ قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر خود بہ خود آ جائے اور حجامت سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے ان دونوں مسئلوں کی تنقیح کے لیے امام بخاری نے یہ باب قائم کیا۔

۱۱۳۶ - عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا قَاءَ فَلَا يُفْطِرُ إِنَّمَا يُخْرِجُ وَلَا يُولِجُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی قے کرے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، قے نکلتی ہے، اندر داخل نہیں ہوتی۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، یعنی یہ ان کا اپنا فتویٰ ہے، جس کی بنیاد اس پر ہے: روزہ توڑنے والی وہ چیز ہے جو اندر جائے، اندر سے نکلنے والی چیز نہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے تلمیذ حضرت عکرمہ کا یہی فتویٰ ہے، اس پر علامہ عینی نے یہ معارضہ پیش فرمایا کہ یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں، ملحقات اور توابع جماع سے اگر منی خارج ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اقول وباللہ التوفیق: یہ معارضہ ان حضرات پر یوں وارد نہیں کہ ان کی مراد غذا اور دوا ہے، یعنی دوا یا غذا مفسد صوم اس وقت ہے جب اندر جائے، اور اگر اندر سے کھائی ہوئی غذا، پانی، دوا باہر آئے تو وہ مفسد صوم نہیں۔ اس کو یوں کہہ لیجیے کہ مفسد صوم دوا، غذا کا کھانا، پانی پینا ہے اور قے نہ کھانا ہے نہ پینا ہے، اس لیے وہ مفسد صوم نہیں۔ رہ گیا خروج منی کا مفسد صوم ہونا، وہ ایک الگ نوع ہے، جماع مفسد ہے اور ملحقات جماع اور دواعی جماع انزال کے بعد جماع کے حکم میں ہیں، اس لیے مفسد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے ساتھ ہم بستری میں بہ قدر حشفہ دخول سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔

ثم اقول: اس لیے ان حضرات سے یوں گزارش مناسب ہے کہ مفسد صوم "ما لایدرك الا بالسماع" ہے، چونکہ احادیث صحیحہ سے قے کا بعض صورتوں میں مفسد صوم ہونا ثابت ہے، اس لیے اس خاص صورت میں قے روزہ فاسد کر دے گی۔

كما سيجيئ آنفا

ت٣٥٨ - وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ يُفْطِرُ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ.

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا کہ قے روزہ توڑ دے گی۔ (امام بخاری نے فرمایا:) پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کو حازمی نے "عن بعضهم" کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دونوں فتووں میں تعارض ہے۔ حضرت امام بخاری نے اپنا فیصلہ یہ دیا کہ پہلا فتویٰ سند کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے' مطلب یہ ہے کہ وہی لائق عمل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ہمارا مذہب

اس خصوص میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر روزہ یاد ہوتے ہوئے منہ بھر قصداً قے کی تو روزہ فاسد ہو گیا' اور اگر از خود قے ہوئی تو روزہ فاسد نہ ہوا' اگر چہ منہ بھر ہو۔ ہاں! اگر بلا اختیار منہ بھر قے ہوئی اور اس نے لوٹائی' یہاں تک کہ اس کا کچھ حصہ' چنے برابر یا اس سے زائد حلق کے نیچے چلا گیا تو بھی روزہ ٹوٹ گیا' ورنہ نہیں۔ یہ حکم اس وقت ہے جب قے میں کھانا' پت یا خون آیا' اور اگر بلغم آیا تو روزہ نہ ٹوٹا' اگر چہ یہ قصداً ہوا' اگر چہ منہ بھر ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دونوں فتووں کو دو محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے فتوے سے مراد یہ ہے کہ قصداً منہ بھر قے کی ہو اور پہلے فتوے سے مراد یہ ہے کہ قصداً نہ کی ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو خود انہیں سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ذرعه القيء فليس عليه قضاء و من استقاء عمدا فليقض.

جسے خود بہ خود قے ہو جائے اس پر قضا نہیں اور جو قصداً قے کرے' وہ روزے کی قضا کرے۔

اس حدیث پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے' مگر اس کے باوجود امام ترمذی نے فرمایا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ت٣٥٩ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَّعِكْرِمَةُ الصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے کہا: روزہ اس سے ٹوٹتا ہے جو اندر جائے اور اس سے نہیں ٹوٹتا جو باہر نکلے۔

ان دونوں تعلیقوں کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا ہے' اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے روزے کی حالت میں پچھنا لگوانے کے بارے میں یہ فرمایا۔

ت٣٦٠ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهُ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روزے کی حالت میں سینگی لگوایا کرتے تھے' پھر چھوڑ دیا اور رات میں لگواتے تھے۔

اس تعلیق کو امام مالک نے موطا[1] میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز امام ابن ابی شیبہ نے بھی۔ انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نافع نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انہوں نے کیوں چھوڑا؟ اسے ناپسند فرمایا' یا اس وجہ سے کہ کمزور ہو گئے تھے۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ سالم نے کہا: حضرت ابن عمر بہت محتاط تھے' اس لیے اسے چھوڑ دیا۔

ت٣٦١ - وَاحْتَجَمَ اَبُو مُوْسٰى لَيْلًا.

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رات میں سینگی لگوائی۔

---

[1] موطا امام مالک' ص ٩٧' کتاب الصیام- باب: حجامة الصائم

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس تعلیق کو موصولاً یوں روایت کیا ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا: جب حضرت ابوموسیٰ اشعری بصرہ کے امیر تھے، میں ان کے پاس رات میں گیا تو دیکھا کہ کھجور اور سرکے کی چٹنی کھا رہے تھے اور سینگی لگوائی تھی۔ میں نے کہا کہ دن میں کیوں نہیں لگوائی؟ تو کہا: کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ روزہ رکھتے ہوئے اپنا خون بہاؤں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں سینگی لگوانے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اسے مفسد صوم جانتے رہے ہوں۔

ت ۳۶۲ - وَيُذْكَرُ عَنْ سَعْدٍ وَّزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ وَاُمِّ سَلَمَةَ احْتَجَمُوْا صِيَامًا.

حضرت سعد، حضرت زید بن ارقم اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں منقول ہے کہ ان لوگوں نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی۔

سعد سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران مراد ہیں، ان کی تعلیق کو حضرت امام مالک نے موطا[1] میں موصولاً روایت کیا ہے، البتہ اس کی سند منقطع ہے۔ امام زہری، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ امام زہری کی حضرت سعد سے ملاقات نہیں، مگر اسی کو ابوعمر نے دوسری سند کے ساتھ ذکر کیا ہے[2] جس میں امام زہری اور حضرت سعد کے مابین ان کے صاحبزادے عامر ہیں، اب سند متصل ہوگئی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے۔ ان آثار سے ثابت ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک سینگی لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ مکروہ بھی نہیں۔

ت ۳۶۳ - وَقَالَ بُكَيْرٌ عَنْ اُمِّ عَلْقَمَةَ كُنَّا نَحْتَجِمُ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَلَا نُنْهٰى.

اور بکیر نے اُم علقمہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ اُم علقمہ نے کہا: ہم اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سینگی لگواتے اور ہمیں منع نہیں کیا جاتا۔

اس اثر کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر فرمایا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سینگی کو مفسد صوم نہیں جانتی تھیں۔

ت ۳۶۴ - وَيُرْوٰى عَنِ الْحَسَنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مَّرْفُوْعًا اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ وَقَالَ لِيْ عَيَّاشٌ حَدَّثَنَا عَبْدُالْاَعْلٰى حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ مِثْلَهٗ قِيْلَ لَهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

امام حسن بصری سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے ایک سے زائد راویوں سے مرفوعاً روایت کیا ہے: سینگی لگانے والا اور لگوانے والا دونوں کے روزے ٹوٹ گئے اور بہ طریق عیاش ایک اور سند سے اسی کے مثل مروی ہے۔ امام حسن بصری سے کہا گیا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! پھر کہا: اللہ خوب جانتا ہے۔

حدیث "افطر الحاجم والمحجوم" "سینگی لگانے والا اور جسے لگائی گئی، دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا" کو امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے متعدد صحابہ کرام سے روایت کی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: وہ صحابہ یہ ہیں: حضرت ابوہریرہ، حضرت ثوبان، حضرت معقل بن یسار، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت اسامہ بن زید، حضرت سمرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام نسائی نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے اور حضرت ثوبان کی حدیث کو امام ابوداؤد، امام

---

[1] موطا امام مالک، ص ۲۹۷۔ کتاب الصیام۔ باب: حجامة الصائم [2] عمدة القاری۔ ج ۱۱ ص ۴۷

نسائی اور امام حاکم نے۔ اور حضرت معقل بن یسار اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کی احادیث کو امام نسائی نے۔ علامہ عینی نے ان چھ صحابہ کے علاوہ مزید ان گیارہ صحابہ سے بھی اس کی تخریج کی۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ' اسے امام ترمذی' امام حاکم اور امام بزار نے ذکر کیا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ' اسے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' اسے امام نسائی نے ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' اسے بھی امام نسائی نے روایت کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' اسے بھی امام نسائی ہی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ' اسے بھی امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' اس کی ابن عدی نے تخریج کی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' ان کی حدیث عقیلی نے ضعفاء میں روایت کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ' اسے بزار نے روایت کیا۔ حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ' ان کی حدیث کو ابن عدی نے ذکر کیا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ' اسے نسائی نے روایت کیا۔ یہ کل ملا کر سترہ صحابہ ہوئے۔ امام ابوجعفر طحاوی نے اس حدیث کے راویوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھی نام نامی ذکر کیا ہے' اس طرح کل اٹھارہ ہو گئے۔

وقال لی عیاش

اس حصے کو امام بخاری نے تاریخ میں اور امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث بہ طریق عیاش بن ولید' حضرت امام حسن بصری سے مروی ہے' مگر اس میں یہ تغیر ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' تو فرمایا: ہاں! یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہا: اللہ خوب جانتا ہے۔ ان کا یہ قول بہ طور تبرک بھی ہوسکتا ہے' جیسا کہ سلف سے عادت ہے کہ ایک مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تردد اور شبہے کی بناء پر کہا ہو' اور یہ شک اور تردد اپنی یادداشت پر کماحقہ' اعتماد نہ ہونے کی بناء پر ہو' یا اس وجہ سے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد میں بہر حال شبہے کی گنجائش ہے' اس لیے کہ خبر واحد مفید یقین نہیں' مفید ظن ہے۔

۱۱۳۷- ح: اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَّاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے احرام کی حالت میں اور روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی]

۱۱۳۷- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَّاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ. (ابوداؤد' نسائی' ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی اور روزے کی حالت میں لگوائی۔

اس حدیث کے اخیر جز کو امام بخاری نے مزید ایک اور طریقے سے روایت کیا۔ علاوہ امام بخاری کے ابوداؤد' ترمذی' نسائی نے متعدد طرق سے اور امام طحاوی نے دس طریقے سے روایت کیا۔ علاوہ ازیں اس مضمون کی احادیث حضرت ابوسعید' حضرت جابر' حضرت انس' حضرت ابن عمر' حضرت اُم المؤمنین عائشہ' حضرت معاذ' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' جو نسائی' دارقطنی' کامل ابن عدی' کتاب العلل لابی حاتم' کتاب الضعفاء لابن حبان' مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہیں۔

ان دو متعارض احادیث کی توجیہ میں بہت سی باتیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے قوی یہ ہے کہ حدیث ''افطر الحاجم والمحجوم'' منسوخ ہے' اس لیے کہ حضرت شداد بن اوس کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام الفتح میں یہ فرمایا تھا اور مکہ ۸ھ میں فتح ہوا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجۃ الوداع کے موقع کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں' اس لیے سوائے حجۃ الوداع کے اور کسی سفر میں حضرت ابن عباس' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ نہیں تھے۔

نیز دار قطنی[1] نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ ''افطر الحاجم والمحجوم'' فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی۔ اس کے علاوہ علماء نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں۔ اوّل: یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے روزے کا ثواب نہ ہوگا، جیسے مروی ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت بات کرنے والے کے بارے میں بعض صحابہ نے کہا: ''لا جمعة لك'' تیرا جمعہ نہ ہوا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ ثانی: یہ کہ مراد یہ ہے کہ وہ قریب ہے کہ روزہ توڑ بیٹھے، سینگی لگانے والا تو اس طرح کہ اس کا اندیشہ قوی یہ ہے کہ منہ میں خون کھینچے اور حلق میں چلا جائے اور محجوم یوں کہ سینگی لگوانے سے کمزوری پیدا ہوگی۔ اس کی تاب نہ لا کر وہ روزہ توڑ دے، جیسے جو ہلاکت کے قریب ہوا سے کہتے ہیں: ''ھلك'' وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے قریب قریب حضرت ابو سعید، حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ فرمایا: ہم سینگی لگوانے کو ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے، اب اس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ اس نے اپنے روزے کو توڑنے کی حد تک پہنچا دیا، جیسے حدیث میں ہے: جس کو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا، حالانکہ وہ ذبح نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کر دیا۔ وغیر ذلك!

۱۱۳۸- ح: اَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ؟

[کیا تم لوگ روزہ دار کے لیے سینگی کو ناپسند کرتے تھے؟]

۱۱۳۸- سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضَّعْفِ وَزَادَ شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ثابت بنانی نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ لوگ روزے دار کے لیے سینگی کو ناپسند کرتے تھے، تو انہوں نے فرمایا: نہیں! ہاں ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔ اور شبابہ نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے یہ زیادہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں۔

شبابہ کی اس زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ سوال یہ تھا کہ آپ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سینگی کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ سائل خود ثابت بنانی تھے، جیسا کہ ابوالوقت اور ابن مندہ کی روایت میں تصریح ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ ''افطر الحاجم والمحجوم'' سے مراد یہ ہے کہ سینگی لگوانے سے ضعف پیدا ہوگا، جو مفضی الی الفطر ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ گویا روزہ ٹوٹ گیا۔

بَابُ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَالْاِفْطَارِ (ص ۲۶۰)

سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑنا

۱۱۳۹- ح: فَقَالَ لِرَجُلٍ اِنْزِلْ فَاجْدَحْ

[ایک شخص سے فرمایا: اترو اور میرے لیے ستو گھولو]

۱۱۳۹- عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ سَمِعَ ابْنَ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَالَ لِرَجُلٍ اِنْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الشَّمْسُ قَالَ اِنْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الشَّمْسُ قَالَ اِنْزِلْ فَاجْدَحْ لِيْ فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهٗ فَشَرِبَ ثُمَّ رَمٰى بِيَدِهٖ هٰهُنَا ثُمَّ قَالَ

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب سے فرمایا: سواری سے اترو اور میرے لیے ستو گھولو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سورج ہے، فرمایا: اترو اور میرے لیے ستو گھولو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! سورج ہے، فرمایا: اترو اور میرے لیے ستو گھولو۔ اب وہ اترے اور حضور کے لیے ستو گھولا، جسے حضور

[1] عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۴۱

اِذَا رَاَيْتُمُ اللَّيْلَ اَقْبَلَ مِنْ هَا هُنَا فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ. نے پیا' پھر اس (یعنی مشرق کی) طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا: جب تم دیکھو کہ رات ادھر سے سامنے آ رہی ہے تو افطار کا وقت ہو گیا۔

(ایضاً۔ باب: متی یحل فطر الصائم ص ۲۶۲' باب: یفطر بما تیسر بالماء وغیرہ ص ۲۶۲' باب: تعجیل الفطر ص ۲۶۳' ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: الاشارة بالطلاق ص ۹۹۸' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصوم' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۸۰-۳۸۱)

مسلم[1] کی روایت میں ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے مہینے میں ایک سفر میں تھے' یہ سفر غزوۂ فتح کا تھا' اس لیے کہ رمضان میں حضور اقدس ﷺ نے صرف دو سفر کیے ہیں: ایک غزوۂ بدر کے لیے' دوسرا فتح مکہ کے لیے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی غزوۂ بدر میں بہ وجہ کم سنی شریک نہ تھے' پہلا غزوہ جس میں انہوں نے شرکت کی' حدیبیہ ہے۔ (اکمال) اس لیے متعین ہے کہ یہ فتح مکہ کا سفر تھا۔

"قال لرجل" اور "فلمّا غربت الشمس وغابت الشمس"

"قال لرجل" خود بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے۔

"فلمّا غربت الشمس وغابت الشمس" جب سورج ڈوب گیا' غائب ہو گیا۔

یہ صاحب جن سے ستو گھولنے کے لیے فرمایا تھا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے' جیسا کہ ابوداؤد[2] میں ہے۔

الشمس

اس کا رفع اس بناء پر ہے کہ یہ مبتداء محذوف "هذا" کی خبر ہے یا اس کا عکس' اور نصب اس بناء پر کہ یہ فعل محذوف "انظر" کا مفعول بہ ہے۔ بخاری ہی کی بعض روایتوں میں ہے: "لَو اَمْسَيْتَ" شام ہونے دیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ دوسری بار یہ عرض کیا: "ان علیك نهارا" ابھی دن باقی ہے۔ کبھی کبھی بعض موسم میں سورج ڈوبنے کے بعد مغرب میں ایسی روشنی ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دھوپ ہے' جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ سورج ابھی نہیں ڈوبا' جس کی وجہ سے حضرت بلال نے وہ عرض کیا' اگرچہ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے بعد انہیں تاخیر نہ کرنی چاہیے تھی اور نہ کچھ عذر' مگر انہوں نے وقت افطار کی اطمینان بخش حد تک تسلی کرنے کے لیے وہ عرض کیا۔

ثم رمٰی بیده

دوسری روایت میں ہے کہ اپنی انگلی سے مشرق کی جانب اشارہ فرمایا: کہ جب رات ادھر سے آگے بڑھے' یعنی مشرق سے تاریکی اُٹھنے لگے' یہ سورج ڈوبنے کی علامت کے طور پر ارشاد فرمایا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے' جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے رکھا' ہاں اگر روزہ رکھنے سے ضعف و نقاہت کا اندیشہ ہو کہ تحمل نہ ہو سکے اور روزہ چھوڑنا پڑے تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ روزے کے افطار میں جلدی مستحب ہے' اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے اتنی جلدی روزہ کھولنے کا ارادہ فرمایا اور کھولا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شبہہ تھا کہ سورج ابھی نہیں ڈوبا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغرب کی نماز صلوٰۃ اللیل ہے' اس طرح کہ روزے کے بارے میں فرمایا: جب رات ادھر (مشرق) سے آگے بڑھے تو روزہ دار روزہ توڑ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افطار کا وقت رات آنے کے بعد ہے' اور یہی مغرب کے

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۵۱۔ کتاب الصیام۔ باب: بیان وقت القضاء الصوم [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۱۔ کتاب الصیام۔ باب: وقت فطر الصائم

...وقت کی ابتداء ہے۔

۱۱۴۰- ح: اِنِّیْ اَسْرُدُ الصَّوْمَ

[میں مسلسل روزے رکھتا ہوں]

۱۱۴۰- عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو اَلْاَسْلَمِیَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَسْرُدُ الصَّوْمَ ح عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو اَلْاَسْلَمِیَّ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَاَصُوْمُ فِی السَّفَرِ وَکَانَ کَثِیْرَ الصِّیَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں مسلسل روزے رکھتا ہوں۔ دوسری سند کے ساتھ یوں ہے: اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں سفر میں روزے رکھتا ہوں اور یہ بہت روزے رکھتے تھے، تو حضور نے فرمایا: اگر تو چاہے تو رکھ اور اگر تو چاہے تو نہ رکھ۔

(مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الصیام، مسند امام احمد۔ ج۶ ص۴۶)

اَسْرُدُ

"اَسْرُدُ"، "سَرْدٌ" کے معنی ہیں: مسلسل بلاوقفہ کوئی کام کرنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسے قوت ہو اسے صوم دہر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار ہے، مگر جسے قوت ہو اسے روزہ رکھنا افضل ہے۔ ایک تو اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، دوسرے یہ کہ عبادت کو اپنے وقت میں ادا کرنا ہے۔ ابھی حدیث گزری کہ جو شخص ایک روزہ چھوڑ دے تو اس کا بدلہ صوم دہر نہیں ہوسکتا۔

بَابٌ اِذَا صَامَ اَیَّامًا مِّنْ رَّمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ (ص۲۶۰)

جب رمضان کے کچھ دنوں میں روزہ رکھا، پھر سفر کیا

۱۱۴۱- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰی مَکَّةَ فِیْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ الْکَدِیْدَ اَفْطَرَ فَاَفْطَرَ النَّاسُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مکہ چلے اور روزہ رکھا، جب کدید پہنچے تو افطار کردیا اور لوگوں نے بھی افطار کردیا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: الخروج فی رمضان ص۴۱۵، ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الفتح فی رمضان ص۳۔ ۶۱۲، دوطریقے سے مسلم، نسائی۔ کتاب الصوم)

تکمیل

کتاب المغازی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے رمضان میں نکلے اور حضور کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے اور یہ مدینہ تشریف لانے کے آٹھ سال اور نصف سال پر۔ عینی میں ہے کہ جب صلصل پہنچے جو ذوالحلیفہ کے پاس ایک پہاڑ ہے تو اعلان فرمادیا: جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ کدید پہنچ کر بعد عصر سواری پر بیٹھے بیٹھے افطار فرمایا کہ لوگ دیکھ لیں۔ اس سے پہلے والی روایت میں ہے کہ کدید کے بعد روزہ نہیں رکھا، یہاں تک کہ مہینہ گزر گیا۔ یہ قصہ غزوۂ فتح کا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دس رمضان بدھ کے دن عصر کے بعد مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اور انیس کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے۔

کدید کے بارے میں امام بخاری نے بتایا کہ عُسفان اور قُدَید کے درمیان ہے۔ مغازی میں خود حدیث میں ہے اور یہ زائد ہے کہ یہ ایک چشمہ ہے۔ عینی میں ہے کہ بہت سرسبز جگہ ہے، یہاں کھجور کے باغات ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے کس جگہ روزہ رکھنا چھوڑا تھا؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابھی خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت اسی بخاری میں آ رہی ہے کہ یہ جگہ عسفان تھی۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ یہ کراع الغمیم ہے۔ اور نسائی میں ہے کہ جب کدید پہنچے تو ایک پیالہ دودھ لایا گیا تو آپ نے اسے پیا۔ بات یہ ہے کہ یہ تینوں جگہیں قریب قریب ہیں، اور یہ سب عسفان کے ملحقات میں سے ہیں، اس لیے کبھی کسی کا نام لیا کبھی کسی کا۔ کدید کا فاصلہ مکہ معظمہ سے دو منزل ہے اور عسفان کا چار برید۔ کدید اور عسفان میں صرف چھ میل کا فاصلہ ہے۔ ابن قرقول نے کہا کہ کدید مکہ سے بیالیس میل کی دوری پر ہے۔

۱۱۴۲- ح: خَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ

[ہم (نبی ﷺ کے ساتھ) ایک سفر میں نکلے]

۱۱۴۲- عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ حَتّٰى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِهٖ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَمَا فِيْنَا صَائِمٌ اِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنِ رَوَاحَةَ. (مسلم، ابوداؤد۔ کتاب الصوم)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سخت گرمی میں ایک دن نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، دھوپ اتنی تیز تھی کہ آدمی اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھتا تھا اور ہم میں نبی ﷺ اور ابن رواحہ کے سوا کوئی روزے سے نہیں تھا۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم رمضان کے مہینے میں سخت گرمی میں نکلے، یہ غزوۂ فتح کا سفر نہیں تھا کیونکہ اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جبکہ وہ غزوۂ موتہ میں شہید ہو چکے تھے جو فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا۔ صاحب تلویح نے فرمایا: اس کا احتمال ہے کہ یہ غزوۂ بدر کا سفر رہا ہو، اس لیے کہ ترمذی[1] میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں بدر اور فتح مکہ کا جہاد کیا ہے اور ان دونوں میں ہم نے روزہ نہیں رکھا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ رمضان میں اور کوئی غزوہ نہیں ہوا ہے، اور جب یہ فتح مکہ کا سفر نہیں تو متعین کہ بدر کا تھا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ (ص۲۶۱)

نبی ﷺ کا ارشاد اس شخص کے بارے میں جس پر سایہ کیا گیا تھا اور گرمی سخت تھی: سفر میں روزہ عبادت نہیں

۱۱۴۳- سَمِعْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَّرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا فَقَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ. (مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الصیام)

محمد بن عمرو بن حسن بن علی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے تو بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو دیکھا کہ ان پر سایہ کیا گیا ہے تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: روزہ دار ہے، فرمایا: سفر میں روزہ عبادت نہیں۔

علامہ عینی نے لکھا کہ ترمذی کی روایت سے یہ ظاہر ہے کہ یہ سفر غزوۂ فتح کا تھا۔ یہ علامہ عینی کا اندازہ ہے۔ ترمذی کی اس روایت

---

[1] ترمذی۔ ج۱ ص۸۹۔ کتاب الصیام۔ باب: فی الرخصۃ للمحارب فی الافطار

میں یہ قصہ مذکور نہیں کہ کس پر سایہ کیا گیا؟ یہ ضرور ہے کہ روزہ رکھنا لوگوں پر شاق ہو گیا تھا' چونکہ دونوں کے راوی حضرت جابر ہی ہیں' اس لیے علامہ عینی نے وہ اندازہ لگایا۔ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن میں سفر میں روزے کی اجازت بلکہ بعض میں فضائل مذکور ہیں تطبیق گزر چکی کہ جسے قوت نہ ہو' روزہ رکھنے کی وجہ سے خود بھی مشقت میں پڑنے کا صحیح اندیشہ ہو اور ساتھیوں کو بھی زحمت میں پڑنے کا خطرہ' اسے روزہ نہیں رکھنا چاہیے' بلکہ اگر جان جانے یا بیمار پڑ جانے کا اندیشہ صحیح ہو تو اسے روزہ رکھنا جائز نہیں' گناہ ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی حضرت جابر والی حدیث میں ہے کہ روزہ رکھنے والوں کو فرمایا: ''اولئك العصاة'' یہ لوگ نافرمان یا گنہگار ہیں اور جسے قوت ہو' کوئی اندیشہ نہ ہو' اسے روزہ رکھنا افضل ہے' مگر نہ رکھنے پر کوئی گناہ نہیں۔

آج کل ریل گاڑی' ہوائی جہاز وغیرہ کے سفر میں جبکہ موسم ٹھنڈا یا معتدل ہو' روزہ رکھنے میں کوئی دشواری نہیں' اس لیے بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھا جائے' نہ رکھنے پر گناہ نہیں' مگر غیر مسلموں کی نظر میں رمضان کی ہتک عزت ضرور ہے۔ ایک باریش بزرگ ایک اسٹیشن پر رمضان کے مہینے میں چائے کی دوکان پر جا کر نمکین لے کر کھا رہے تھے' اور چائے کا آرڈر دے چکے تھے' اتنے میں ایک ہندو آیا اور چائے والے سے کہا کہ مجھ کو بھی چائے دو' میں بھی روزہ کھول لوں۔ ان صاحب نے اس ہندو کو بتایا کہ میں سفر میں ہوں' سفر میں روزہ رکھنا ضروری نہیں۔ اس ہندو نے کہا کہ میں آپ کو کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں تو ان سے یعنی چائے والے سے دل لگی کر رہا ہوں۔

بَابٌ لَمْ يَعِبْ اَصْحٰبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الصَّوْمِ وَالْاِفْطَارِ (ص۲۶۱)

نبی ﷺ کے اصحاب نے ایک دوسرے کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے پر عیب نہیں لگایا

۱۱۴۴- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ.

(مسلم۔ کتاب الصوم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے تو روزہ دار روزہ نہ رکھنے والے کو اور روزہ نہ رکھنے والا روزہ دار کو عیب نہیں لگاتا تھا۔

بَابُ مَنْ اَفْطَرَ فِي السَّفَرِ لِيَرَاهُ النَّاسُ (ص۲۶۱)

جس نے سفر میں اس لیے روزہ افطار کیا کہ لوگ دیکھیں

۱۱۴۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ اِلٰى يَدَيْهِ لِيُرِيَهُ النَّاسَ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ چلے تو روزہ رکھا' جب عسفان پہنچے تو پانی مانگا اور اسے اپنے ہاتھ سے اٹھایا تاکہ لوگ دیکھ لیں اور روزہ توڑا' یہاں تک کہ مکہ آئے اور یہ واقعہ رمضان میں ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ (سفر میں) رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا اور نہیں بھی رکھا' جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الفتح فی رمضان ص ۶۱۳، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الصوم)

ترمذی[1] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح مکہ چلے تو روزہ رکھا، یہاں تک کہ کراع الغمیم پہنچے حضور کے ساتھ لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ عرض کیا گیا کہ لوگوں پر روزہ شاق ہے اور لوگ حضور کا انتظار کر رہے ہیں کہ حضور کیا کرتے ہیں، تو آپ نے ایک پیالہ پانی بعد عصر منگایا اور پیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور کچھ لوگوں نے رکھا۔ جب حضور کو یہ خبر ملی تو فرمایا: یہ لوگ یعنی روزہ رکھنے والے نافرمان ہیں۔

روزہ رکھنے والوں پر عتاب اس لیے فرمایا کہ یہ جہاد کا موقع تھا اور دشمن کی سرزمین سے قریب تھے، روزے سے بہر حال جسمانی نقاہت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے ان لوگوں کو روزہ توڑ دینا ہی مناسب تھا۔ خصوصاً جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑ دیا تھا اور وہ بھی بعد عصر، جبکہ روزہ پورا ہونے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بہر حال مقدم ہے۔

اس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی کہ سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار ہے، جو لوگ کمزور ہوں اور انہیں اس کا اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے میں دوسرے کاموں میں دشواری ہوگی، ان کے لیے افضل یہی ہے کہ روزہ نہ رکھیں، اور جو لوگ قوی ہوں ان کے لیے افضل یہ ہے کہ روزہ رکھیں۔

بَابٌ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

(البقرۃ: ۱۸٤) (ص ۲۶۱)

اس آیت کی تفسیر کہ فرمایا: اور ان لوگوں پر جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں، ایک مسکین کا کھانا فدیہ دینا ہے

ت ۳٦٥ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَسَلَمَةُ بْنُ الْاَكْوَعِ نَسَخَتْهَا ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ اِلٰى قَوْلِهٖ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)۔

اور حضرت ابن عمر اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا (کہ فرمایا:) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اترا جو لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنما اور واضح فیصل ہے، تم میں سے جو یہ مہینہ پائے، ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ پوری آیت "تشکرون" تک۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تعلیق کو امام بخاری نے اسی باب کے آخر میں اور تفسیر سورۂ بقرہ میں ذکر کیا ہے اور حضرت سلمہ بن اکوع کی تعلیق کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ان دونوں تعلیقات اور اس باب میں مذکور مزید ایک تعلیق اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ابتداء میں ہر شخص کو اختیار تھا کہ چاہے تو روزہ رکھے، چاہے تو فدیہ دے، اگرچہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت ہو، پھر اسے بعد کی آیت کریمہ نے منسوخ کر دیا۔ یہ حکم ہوا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ (البقرۃ: ۱۸۵) تم میں جو یہ مہینہ پائے وہ ضرور روزہ رکھے۔

البتہ شیخ فانی کے لیے جو روزہ رکھنے کی قوت نہ رکھتا ہو اور اس کی بھی امید نہ ہو کہ آئندہ اسے اتنی قوت آجائے گی کہ روزہ رکھ سکے گا، اس کے لیے فدیہ کا حکم باقی ہے، البتہ اگر بعد میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو جائے تو اس پر قضا واجب ہے۔ مگر محققین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ "یطیقونہ" باب افعال کا صیغہ ہے، اس کی خاصیت سلب ماخذ ہے، اس لیے اس کا ترجمہ یہ ہوا: اور

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۸۹۔ کتاب الصیام۔ باب: فی الرخصۃ للمحارب فی الافطار

جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ روزے کے بدلے مسکین کو کھانا دیں۔ قرآن مجید کے اسلوب اور سیاق کے مناسب یہی معنی ہے اس لیے کہ ابتداء میں فرمایا: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس کے بعد مریض اور مسافر کے لیے اس آسانی کا ذکر ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں قضا رکھیں' پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو نہ اب روزے کی قوت رکھتے ہیں اور نہ آئندہ اُمید ہے' تو ان سے روزے ساقط اور ان پر روزے کے بدلے فدیہ ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ آیت کا ابتدائی حصہ تو روزوں کی قطعی فرضیت پر نص ہے اور جب ''یطیقونہ'' کے معنی یہ لیں گے: جنہیں روزے کی قوت ہو' تو اس کی فرضیت ہی ساقط ہو جائے گی' کیونکہ اس کا صریح مفاد یہ ہے کہ روزہ فرض نہیں۔ دو باتوں میں سے ایک فرض ہے: روزہ رکھیں یا فدیہ دیں۔ نیز یہ بھی استحالہ لازم آئے گا کہ شیخ فانی کے لیے فدیے کا ثبوت اس آیت سے کسی طرح نہیں ہو سکے گا کیونکہ شیخ فانی روزہ رکھنے کی قوت ہی نہیں رکھتا' اس لیے وہ اس میں داخل ہی نہیں' پھر اس کے حق میں فدیے کا حکم باقی رکھنے کے کیا معنی۔

ت۳۶۶ - وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ (اِلٰى اَنْ قَالَ) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ لَيْلٰى حَدَّثَنَا اَصْحٰبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ رَمَضَانُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَكَانَ مَنْ اَطْعَمَ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا تَرَكَ الصَّوْمَ مِمَّنْ يُطِيْقُهُ وَرُخِّصَ لَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ فَنَسَخَتْهَا ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ فَاُمِرُوْا بِالصَّوْمِ (البقرة:۱۸۴).

ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہم سے محمد ﷺ کے کئی صحابہ نے یہ بیان کیا: رمضان (کا روزہ) اترا تو ان پر شاق ہوا' روزے کی طاقت رکھنے والوں میں سے جو ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دے وہ روزہ نہ رکھتا' اس بارے میں انہیں اجازت تھی' اسے اس آیت نے منسوخ کیا کہ فرمایا: اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے' اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ روزہ ہی رکھیں۔

اس تعلیق کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' پوری حدیث یوں ہے: نبی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ ہر مہینے تین دن روزہ رکھتے تھے' جب رمضان کا روزہ اترا تو لوگوں نے اسے بہت جانا اور ان پر شاق ہوا تو انہیں اجازت دے دی گئی کہ جسے روزہ کی طاقت نہ ہو وہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اور روزہ نہ رکھے' پھر اسے آیت کریمہ ''اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ'' نے منسوخ کر دیا' اس کے بعد لوگوں کو روزے کا حکم دیا گیا۔

فنسختها

''فنسختها''، ''ها'' کا مرجع اطعام ہے' جس پر اطعم دلالت کرتا ہے۔ مصدر کی طرف ضمیر مؤنث کا لوٹنا درست ہے۔

سدی نے کہا: حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب یہ آیہ کریمہ ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' (البقرة:۱۸۴) نازل ہوئی تو جس کا جی چاہتا روزہ رکھتا جس کا جی چاہتا روزہ نہ رکھتا۔ اور اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا' جو زیادہ دے' یعنی دوسرے مسکین کو بھی کھلا دے تو بہتر ہے۔ اور روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ لوگ اسی طرح رہے' یہاں تک کہ آیہ کریمہ ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' نے اسے منسوخ کر دیا' اس کا حاصل یہ نکلا کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت میں حذف واختصار ہے۔ فافهم

۱۱۴۶- ح: قَرَاَ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ﴾ [''فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ'' (آیت کو) پڑھا]

۱۱۴۶- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَرَاَ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ﴾ قَالَ هِيَ مَنْسُوْخَةٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ''فدية طعام مساكين'' پڑھا' فرمایا: یہ منسوخ ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البقرۃ۔ باب: قوله فمن شهد منكم الشهر فليصمه ص ۶۴۷)

یعنی قراءت متواتر تو ''فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' ہے، مگر حضرت ابن عمر کی قراءت ''مساكين'' ہے، صیغۂ جمع کے ساتھ۔ اس روایت میں یہ تو ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، اس کی ناسخ کیا ہے؟ یہ مذکور نہیں، مگر طبری[1] میں یہ روایت مفصل یوں ہے کہ اس آیت یعنی ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' کو اس کے بعد والی آیت یعنی ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' نے منسوخ کر دیا۔

بَابٌ مَتٰى يُقْضٰى قَضَاءُ رَمَضَانَ (ص۲۶۱)

رمضان کے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضاء کب کرے؟

توضیح باب...... [رمضان کی قضاء کے بارے میں علماء کا اختلاف]

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رمضان کی قضا مسلسل لگاتار رکھنا ضروری ہے یا متفرق طور پر بھی درست ہے؟ اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ متابعت واجب ہے۔ چاروں ائمہ مذاہب اور جمہور کا قول یہ ہے کہ متابعت واجب نہیں، متفرق طور پر بھی قضا درست ہے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر رمضان کے روزے نہیں رکھے اور قضا بھی نہیں رکھے، یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو اب قضا ساقط ہے اور فدیہ واجب ہے، یا بعد رمضان اس کی قضا واجب ہو گی؟ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ پھر بھی قضا واجب ہے، فدیہ کافی نہیں۔ حضرت امام سعید بن جبیر شہید اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اب قضا ساقط اور فدیہ واجب ہے۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ گنہگار ہے اور اس پر قضا بھی واجب ہے، اور فدیہ بھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رمضان کی قضا علی الفور واجب ہے، تاخیر گناہ ہے۔ اگر سفر کے اختتام اور صحت وقوت کے بعد تاخیر کرے گا، گنہگار ہو گا، اگرچہ رمضان ثانی آنے سے پہلے پہلے ادا کر لے، مگر صحیح یہ ہے کہ فی الفور قضا واجب نہیں اور تاخیر گناہ نہیں، جیسا کہ ابھی حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث آ رہی ہے۔

اس لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا اور چونکہ دلائل متعارض ہیں، اس لیے اپنا کوئی فیصلہ ارشاد نہیں فرمایا، البتہ جو آثار اس باب میں لائے ہیں، ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تتابع شرط نہیں۔

دلائل

اللہ عز وجل نے مطلقاً ارشاد فرمایا: ''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ'' (البقرہ:۱۸۵) اس میں تتابع کی قید نہیں، اس کا اطلاق اس کا مقتضی ہے کہ تتابع کے بغیر بھی قضا درست ہو۔ اس کے بالمقابل قیاس یہ چاہتا ہے کہ تتابع ضروری ہے۔ اس لیے کہ قضا کو ادا کے مثل ہونا ضروری ہے اور ادا میں تتابع ہے تو قضا میں بھی تتابع ضروری ہونا چاہیے، مگر چونکہ قیاس سے کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں۔ اس لیے جمہور نے قیاس ترک کر کے کتاب اللہ پر عمل فرمایا۔

ت ۳۶۷ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا بَأْسَ اَنْ يُّفَرَّقَ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرہ: ۱۸۵).

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ متفرق طور پر قضا رکھے، کیونکہ اللہ عز وجل نے فرمایا: اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔

اس تعلیق کو امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے کہ آیۂ کریمہ سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ مطلقاً فرمایا: ''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ'' (البقرہ:۱۸۵) اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ یہ قید مذکور نہیں کہ رمضان ثانی آنے سے پہلے رکھے۔ اس

[1] فتح الباری۔ ج ۴ ص ۱۶۴

لیے بعد رمضان ثانی بھی قضا کا وقت ہے اور قضا واجب ہوگی۔

ت۳۶۸ - وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِي صَوْمِ الْعَشْرِ لَا يَصْلُحُ حَتَّى يَبْدَأَ بِرَمَضَانَ.

اور حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا: جس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہو اسے عشرہ ذوالحجہ کا روزہ رکھنا مناسب نہیں جب تک کہ رمضان کے فوت شدہ (روزے) نہ رکھ لے۔

اس تعلیق سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رمضان کے فوت شدہ روزے رکھے بغیر عشرۂ ذوالحجہ کے روزے صحیح نہیں۔ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ پہلے فوت شدہ رکھے اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ اس کی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ سعید (بن مسیّب) عشرہ ذوالحجہ میں رمضان کی قضا میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عشرۂ ذوالحجہ میں اگر نفلی روزے رکھے تو ممنوع نہیں۔

ت۳۶۹ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ إِذَا فَرَّطَ حَتَّى جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ يَصُومُهُمَا وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ طَعَامًا.

اور ابراہیم نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے رمضان کی قضا میں کوتاہی کی یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو دونوں کے روزے رکھے اور اس پر کھانا کھلانا واجب نہیں جانتے تھے۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے الفاظ یہ ہیں: امام حسن بصری اور امام نخعی نے فرمایا: جب مسلسل اس پر دو رمضان آ جائیں تو دونوں کے روزے رکھے اگر ان کے بیچ میں تندرست ہو گیا اور پہلے کی قضا نہیں ادا کی تو اس نے برا کیا اللہ سے استغفار کرے اور روزہ رکھے۔ مراد یہ ہے کہ فوت شدہ فرائض کی ادا میں جتنی ہو سکے جلدی کرنی لازم ہے۔ موت کا وقت معلوم نہیں بغیر ادا اگر مر گیا تو فرائض ذمہ رہ جائیں گے۔

ت۳۷۰ - وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُرْسَلًا وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ يُطْعِمُ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهُ الْإِطْعَامَ إِنَّمَا قَالَ ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرہ:۱۸۵).

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ وہ کھانا کھلائے اور اللہ عزوجل نے کھلانے کو ذکر نہیں فرمایا اس نے صرف یہ فرمایا: یہ روزے دوسرے دنوں میں رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سند متصل کے ساتھ موقوفاً اور امام دار قطنی نے مرفوعاً روایت کیا ہے مگر دار قطنی کی روایت میں ہے کہ مجاہد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔ اور مجاہد کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں اس لیے امام بخاری نے اسے مرسل کہا۔ نیز اس کے دو راوی: ابراہیم بن نافع اور عمرو بن موسیٰ بن وجیہ ضعیف ہیں اس لیے اسے صیغۂ تمریض سے ذکر کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق کو امام سعید بن منصور اور امام دار قطنی نے موصولاً روایت کیا ہے۔

ولم یذکر..... (امام بخاری کا صحابہ کرام کے فتویٰ کو رد کرنا)

یہ حضرت امام بخاری کا ارشاد ہے جو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے ارشاد کے خلاف فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے مریض اور مسافر کے لیے صرف یہ فرمایا کہ یہ روزے دوسرے دنوں میں رکھے۔ فدیہ نہیں ذکر فرمایا ہے اس لیے رمضان ثانی آنے کے بعد صرف قضا واجب ہوگی فدیہ واجب نہ ہوگا اور نہ قضا ساقط ہوگی اور نہ فدیہ کافی ہوگا۔

۱۱۴۷ - ح: يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ فَمَا أَسْتَطِيعُ

[میرے ذمہ (رمضان کا) روزہ ہوتا (اور میں اسے شعبان سے پہلے ادا) نہ کر پاتی]

۱۱۴۷- عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا تَقُوْلُ کَانَ یَکُوْنُ عَلَیَّ الصَّوْمُ مِنْ رَّمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَقْضِیَ اِلَّا فِیْ شَعْبَانَ قَالَ یَحْیٰی اَلشُّغْلُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

ابوسلمہ نے کہا: میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا' وہ فرماتی ہیں: میرا رمضان کا روزہ فوت ہو جایا کرتا اور میں انہیں شعبان سے پہلے ادا نہ کر پاتی۔ یحیٰی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے تاخیر ہوتی تھی۔

قال یحیٰی[۱]

یہ یحیٰی بن سعید انصاری ہیں' جیسا کہ حافظ مزی نے اس حدیث کے ذکر کے وقت نص فرمادی ہے۔ "کان یکون" کان ماضی اور یکون مستقبل کو ساتھ ساتھ ذکر کرنے سے واقعہ کی تحقیق اور تعظیم اور استمرار و تکرار مقصود ہے' یعنی ایسا بار بار ہوتا تھا یا ہمیشہ ہوتا تھا۔ حافظ مزی کے اطراف میں "اَن کان یکون" ہے۔ یہ "اَنَّ" مثقلہ سے مخفف ہے' یعنی حرف مشبہ بالفعل "اَنَّ" کا مخفف ہے جیسے "عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ" میں ہے' یہ مزید تحقیق کے لیے ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کی قضا علی الفور واجب نہیں اور تاخیر میں گناہ نہیں۔ عارضہ نسوانی کی وجہ سے حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کا روزہ چھوٹ جاتا تھا اور گیارہ ماہ تک انہیں موقعہ نہیں ملتا تھا' شعبان میں چونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کافی روزے رکھتے تھے' اس لیے حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو بھی روزہ رکھنے کا موقع مل جاتا۔

بَابُ الْحَائِضِ تَتْرُكُ الصَّوْمَ وَالصَّلٰوةَ (ص۲۶۱)

حائضہ نہ روزہ رکھے' نہ نماز پڑھے

ت ۳۷۱- وَقَالَ اَبُو الزِّنَادِ اِنَّ السُّنَنَ وَوُجُوْہَ الْحَقِّ لَتَأْتِیْ کَثِیْرًا عَلٰی خِلَافِ الرَّأْیِ فَمَا یَجِدُ الْمُسْلِمُوْنَ بُدًّا مِّنِ اتِّبَاعِھَا مِنْ ذٰلِكَ اَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِی الصِّیَامَ وَلَا تَقْضِی الصَّلٰوةَ.

اور ابوالزناد نے کہا: سنتیں اور حق باتیں بسا اوقات رائے کے خلاف ہوتی ہیں' پھر بھی مسلمانوں پر ان کی اتباع ضروری ہے' انہیں میں یہ بھی ہے کہ حیض والی پر روزے کی قضا ہے' نماز کی قضا نہیں۔

یہ ابوالزناد' عبداللہ بن ذکوان القرشی ابوعبدالرحمٰن مدنی ہیں' ان کا وصال ۱۳۰ھ میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں ہوا ہے۔ امام ابن معین نے فرمایا: یہ ثقہ اور حجت ہیں۔ سفیان کہا کرتے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

ان کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر حکم شرعی کی بنیاد کسی نہ کسی حکمت پر ہے' مگر یہ ضروری نہیں کہ ہم اس حکمت کو جان بھی لیں۔ ایک انسان اپنے سے زیادہ ذہین و چالاک انسان کے اقوال و افعال کے رموز نہیں جان پاتا' تو پھر وہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکامات کے حکم و رموز بھی ضرور جان لے' یہ ضروری نہیں۔ اس لیے بہت سے احکام ہمیں اپنی عقل اپنے قیاس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں' ہم اس کے اسرار و رموز پر واقفیت حاصل نہیں کر پاتے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ احکام و ارشادات خلاف عقل ہیں اور حکمت سے خالی ہیں۔ ہم پر بلاچون و چرا ہر حکم شرعی کی تعمیل واجب ہے۔ رموز و اسرار و حکم کو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں۔

شیطان پہلے انسان کو کیوں اور کیسے کا چسکا ڈالتا ہے؟ جس کی وجہ سے انسان ہر چیز کو اپنی ناقص عقل کے ترازو سے تولنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا خوگر ہو جاتا ہے کہ جو بات اس کی سمجھ میں آئے اسے تسلیم کرتا ہے اور جو سمجھ میں نہ آئے تو نہیں تسلیم کرتا۔

آخر کار گمراہ ہو جاتا ہے' آج اکثر گمراہیوں کی بنیاد یہی ہے۔ اسی قبیل سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ حیض کی حالت میں نہ روزہ درست ہے نہ نماز' مگر روزے کی قضا ہے نماز کی نہیں' حالانکہ دونوں فرض ہیں' بلکہ نماز کئی وجہ سے روزے سے اہم ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ نماز کی بھی قضا واجب ہو' مگر حضور اقدس ﷺ نے روزے کی قضا واجب کی ہے نماز کی نہیں۔ اس لیے ہمیں سوائے تسلیم کے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ فقہاء نے اسے عقل سے قریب کرنے کی کوشش کی ہے کہ حائضہ سے روزے سال میں زیادہ سے زیادہ دس چھوٹیں گے' جن کی قضا میں کوئی خاص دشواری نہیں' بہ خلاف نماز کے کہ وہ اگر ہر مہینے دس دن کی رہ جائے تو ہر مہینے میں پچاس وقت کی قضا کرنی ہوگی' جو یقیناً بہت دشوار ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت نے مکلف کی آسانی کو ملحوظ رکھا' اگر چہ نماز کی حیثیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ اس کی بھی قضا واجب ہوتی۔

بَابُ مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ (ص ۲۶۱) جو مر جائے اور اس پر روزہ ہو تو کیا کیا جائے؟

توضیح باب...... [مرنے والے کے ذمہ فرض یا واجب روزہ ہو تو کیا کیا جائے؟]

اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمے فرض یا واجب روزہ ہو تو کیا کیا جائے؟ اس بارے میں کئی مذہب ہیں' اوّل احناف کا ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو پیٹ بھر کھانا کھلائے یا نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جَو صدقہ کرے' اس کی طرف سے روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا۔ احناف کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مر گیا اور اس پر ایک مہینے کے روزے ہیں تو ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے[1] علامہ قرطبی نے شرح مؤطا میں کہا: اس کی اسناد حسن ہے' اس حدیث پر جو جرحیں کی گئی ہیں ان سب کے جوابات علامہ بدر الدین محمود عینی نے عمدۃ القاری میں تحریر کر دیئے ہیں۔ حدیث دوم: امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے' البتہ ہر دن کے عوض ایک مد کھانا کھلائے[2] امام شافعی کا قولِ جدید بھی یہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ مقدار ایک مد گیہوں بتاتے ہیں۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ ولی پر فدیہ اس وقت واجب ہے جبکہ میت وصیت کر گیا ہو' اور اگر وصیت نہیں کر گیا تو ولی پر فدیہ دینا واجب نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اگر ولی فدیہ ادا کرے تو امید قبول ہے اور یہی حکم نماز کا بھی ہے۔

دوم: یہ کہ ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے' یہ امام شافعی کا قولِ قدیم ہے' یہی داؤد ظاہری اور ابن حزم وغیرہ کا مذہب ہے۔

سوم: اگر یہ روزہ رمضان کا ہے تو ہر روزے کے بدلے ایک مد گیہوں دے اور اگر نذر یا کفارہ کا ہے تو اس کی طرف سے اس کا ولی رکھے۔ یہ امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے' اس بارے میں اور بھی مذاہب ہیں جن کا کوئی متبع نہیں۔

ت ۳۷۲- وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ صَامَ عَنْهُ ثَلَاثُوْنَ رَجُلًا يَوْمًا وَّاحِدًا جَازَ. اور امام حسن بصری نے فرمایا: اگر اس کی طرف سے تیس آدمی ایک دن روزہ رکھ لیں تو کافی ہے۔

اس اثر کو دار قطنی نے کتاب المذبح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس اثر سے دو باتوں کا افادہ ہوا: ایک یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ میت کا ولی ہی میت کی طرف سے روزہ رکھے' دوسرا کوئی بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ضروری نہیں کہ ایک شخص تمام فوت شدہ کو رکھے' چند آدمی مل کر چاہیں تو ایک دن سب رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قضا شدہ نمازوں اور روزوں کی قضا دوسرا کوئی نہیں رکھ سکتا ہے اس لیے اس سے میت بری الذمہ نہ ہوگی۔

۱۱۴۸- ح- مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ [میت کے ذمہ (اگر) روزہ ہو تو اس کا ولی

[1] ترمذی ج ۱ ص ۵۰- کتاب الصوم- باب ما جاء فی الکفارۃ [2] عمدۃ القاری- ج ۱۱ ص ۶۲

صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ

اس کی طرف سے روزہ رکھے]

١١٤٨- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ. (مسلم، نسائی۔ کتاب الصیام)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کے ذمے اگر روزہ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔

١١٤٩- ح: اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ

[میری ماں فوت ہو گئی اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے (رہ گئے) ہیں]

١١٤٩- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ فَاَقْضِيْهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ اَنْ يُّقْضٰى قَالَ سُلَيْمَانُ فَقَالَ الْحَكَمُ وَسَلَمَةُ وَنَحْنُ جَمِيْعًا جُلُوْسٌ حِيْنَ حَدَّثَ مُسْلِمٌ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَا سَمِعْنَا مُجَاهِدًا يَّذْكُرُ هٰذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. (الخمسۃ۔ کتاب الصیام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک صاحب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور ان کے ذمہ ایک ماہ کے روزے رہ گئے ہیں' کیا میں انہیں ادا کر دوں؟ فرمایا: ادا کر دو! اللہ کا دین ادا کرنے کے زیادہ لائق ہے۔ سلیمان اعمش نے کہا: پس حکم اور سلمہ نے کہا: اور ہم سب بیٹھے ہوئے تھے' جب مسلم نے یہ حدیث بیان کی تھی' ان دونوں نے کہا: ہم نے مجاہد سے سنا' وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے۔

یعنی سند مذکور کے ساتھ یہ بھی ہے کہ سلیمان اعمش مشہور محدث اور اس حدیث کے راوی نے کہا کہ جب مسلم بن عمران بطین نے یہ حدیث بیان کی تو ہم اور حکم بن عتیبہ اور سلمہ بن کہیل ان کی مجلس میں بیٹھے تھے اور اسی مجلس میں مزید حکم بن عتیبہ اور سلمہ بن کہیل سے بھی سنا۔ "قالا" کی ضمیر تثنیہ کا مرجع یہی دونوں ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ سلیمان اعمش نے یہ حدیث ایک مجلس میں تین بزرگوں سے سنی ہے: ایک مسلم بطین سے اور وہ سعید بن جبیر سے' وہ حضرت ابن عباس سے۔ دوسرے تیسرے حکم بن عتیبہ اور سلمہ بن کہیل سے۔ یہ دونوں مجاہد سے' وہ حضرت ابن عباس سے۔

ت٣٧٣- وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِيْ خَالِدٍ الْاَحْمَرِ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْحَكَمِ وَمُسْلِمٍ الْبُطِيْنِ وَسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَّعَطَآءٍ وَّمُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَتِ امْرَاَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُخْتِيْ مَاتَتْ وَقَالَ يَحْيٰى وَاَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ مُّسْلِمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَاَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ.

ابو خالد احمر سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم سے حکم اور مسلم بطین اور سلمہ بن کہیل سے روایت کرتے ہوئے اعمش نے حدیث بیان کی۔ یہ تینوں سعید بن جبیر اور عطاء اور مجاہد سے اور یہ تینوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: میری بہن مر گئی ہے۔ اور یحییٰ اور ابو معاویہ نے کہا: ہم سے اعمش نے عن مسلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس حدیث بیان کی کہ ایک خاتون نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میری ماں مر گئی۔

اس تعلیق کو امام ترمذی[1] نے اور ابن ماجہ[2] نے ایک سند میں متصل کے ساتھ روایت کیا ہے مگر اس میں حکم بن عتیبہ کا ذکر نہیں۔

[1] ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: الصوم عن المیت۔ [2] ابن ماجہ۔ ص ۱۲۷۔ کتاب الصیام۔ باب: من مات وعلیہ صیام من نذر۔

امام مسلم نے اسی ترمذی والی سند سے حکم بن عتیبہ کی زیادتی کے ساتھ اس متن کو ذکر کیا ہے[1] جو اوپر مذکور ہے۔ یعنی ''جاء رجل'' امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے اور سند میں بھی' جو ادنیٰ سی سمجھ رکھنے والے پر واضح ہے۔

توضیح

یحییٰ بن سعید اور ابو معاویہ نے سلیمان اعمش ہی سے جو روایت کی' اس میں مسلم بن بطین کا شیخ سعید بن جبیر کو تسلیم کیا' مگر متن بدل دیا۔

ت ۳۷۴ - وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِيْ اُنَيْسَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَاَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَتْ اُمِّي وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ.

اور عبید اللہ نے عن زید بن ابی انیسہ عن الحکم بن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کہ ایک خاتون نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور ان پر منت کا روزہ ہے۔

اس کو امام مسلم[2] نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' اس روایت میں یہ تعیین ہے کہ مرنے والی پر منت کا روزہ تھا۔

ت ۳۷۵ - وَقَالَ اَبُوْ حَرِيْزٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَاَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَتْ اُمِّي وَعَلَيْهَا صَوْمُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا.

اور ابو حریز نے کہا: مجھ سے عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی کہ ایک خاتون نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور ان پر پندرہ دن کا روزہ ہے۔

اس تعلیق کو امام بیہقی نے موصولاً ذکر کیا ہے' اس میں روزوں کی تعداد مذکور ہے۔

حل اشکال

حضرت اُم المومنین کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عبید اللہ بن جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے' نیز خود اُم المومنین کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ امام طحاوی نے عمرہ بنت عبد الرحمٰن سے روایت کیا' وہ کہتی ہیں: میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا: میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور ان کے ذمے رمضان کا روزہ ہے' کیا یہ درست ہے کہ میں اس کی قضا رکھ دوں؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ہر دن کے عوض اس کی طرف سے صدقہ دے' یہ تیرے روزے سے بہتر ہے۔

ہم ثابت کر آئے ہیں کہ راوی جب اپنی مروی حدیث کے خلاف فتویٰ دے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ نے حدیث کے خلاف بالقصد فتویٰ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے علامہ قرطبی نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ اوّل: یہ کہ اس پر اہل مدینہ کا عمل نہیں' اس لیے امام مالک نے اسے نہیں لیا۔ ثانی: اس حدیث کی اسناد اور متن میں شدید اختلاف ہے۔ ثالث: بزار نے جو روایت کی' اس کے اخیر میں ہے: ''لمن شاء'' جو چاہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واجب نہیں۔ رابع: یہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث کے معارض ہے جسے امام نسائی نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے' ہاں ہر دن کے عوض ایک مُد غلہ دے۔ خامس: ارشاد خداوندی ہے: ''لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى'' (فاطر: ۱۸) کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے

[1] مسلم - ج ۱ ص ۳۶۲ - کتاب الصیام - باب: قضاء الصوم عن المیت

[2] مسلم - ج ۱ ص ۳۶۲ - کتاب الصوم - باب: قضاء الصوم عن المیت

گا۔ اور اس قول میں ایک کا بوجھ دوسرے پر لادنا ہے۔ سادس: قیاس جلی کے معارض ہے' اس لیے کہ روزہ عبادت بدنیہ ہے اور عبادت بدنیہ میں نیابت اور وکالت درست نہیں' ورنہ مال داروں کو چھٹی مل جائے' نماز اور روزے ادا کرنے کے لیے مزدور رکھ لیا کریں۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ نیز یہ کہ شیخ فانی جب روزے پر قادر نہیں تو روزے کے حق میں مثل میت ہے' مگر اس کی طرف سے دوسرے کا روزہ کافی نہیں' فدیہ واجب ہے۔ اسی طرح میت کی طرف سے بھی۔ نیز نماز کے بارے میں اجماع ہے کہ دوسرے کی طرف سے ادا درست نہیں' روزہ اور نماز عبادت بدنیہ ہونے میں شریک ہیں تو نماز کی طرح روزے میں بھی یہ جائز نہیں کہ دوسرا رکھے۔ جب ایک بات مختلف فیہ ہو جاتی ہے تو ضروری ہے کہ اسے متفق علیہ کی طرف راجع کیا جائے۔

توضیح

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں چھ طریقوں سے روایت کیا ہے' چار بہ طریق حضرت سلیمان ابن اعمش اور ایک بہ طریق زید بن ابی انیسہ اور ایک بہ طریق ابو حریز۔ نیز یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے چار تلامذہ حضرت سعید بن جبیر' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت عطاء سے روایت کی ہے' مگر ان روایتوں میں مندرجہ ذیل تخالف ہے۔ اوّل: پہلے دو طریقوں کا متن یہ ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری والدہ قضا کر گئی ہیں اور ان پر ایک مہینے کا روزہ ہے۔ یہ روایت حضرت ابن عباس کے دو تلمیذ سعید بن جبیر اور مجاہد سے ہے۔ ان دونوں طریقوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے طریقے میں اعمش کے شیخ مسلم بطین ہیں اور راوی سعید بن جبیر اور دوسرے طریقے میں مسلم بطین کے ساتھ ان کے شیخ حکم بن عتیبہ اور سلمہ بن کہیل بھی ہیں۔ مسلم بطین تو سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں اور حکم اور سلمہ مجاہد سے۔ ثانی: تیسرے طریقے میں اعمش کے مشائخ حکم' مسلم بطین' سلمہ بن کہیل تینوں ہیں' اور یہ تینوں سعید بن جبیر' عطاء اور مجاہد' حضرت ابن عباس کے تین تلامذہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کا متن یہ ہے کہ ایک خاتون خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: میری بہن فوت ہو گئی ہے۔ بخاری میں اتنا ہی ہے' مگر ترمذی اور ابن ماجہ میں آگے یہ ہے: اور اس پر دو مہینے کا مسلسل روزہ ہے۔ ان دونوں متنوں میں چار تخالف ہوئے۔

اوّل: پہلے میں "رجل" ہے اور اس میں "امرأۃ" ہے۔ ثانی: پہلے میں "امی" ہے اور اس میں "اختی"۔ ثالث: پہلے میں "صوم شھر" ہے اور اس میں "شھرین" ہے۔ پہلے میں متتابعاً کی قید نہیں اور اس میں ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ مسلم میں اسی سند کے ساتھ پہلا متن ہے۔ اب پانچ اضطراب ہوئے۔

ثالث: بہ طریق یحییٰ اور معاویہ اعمش ہی کی جو روایت سعید بن جبیر سے ہے' اس میں یہ ہے کہ ایک خاتون نے خدمت اقدس میں عرض کیا: میری والدہ قضا کر گئی ہیں۔ بخاری میں آگے کچھ نہیں اور اس کی دوسری تخریج کا بھی پتہ نہیں چل سکا۔ علامہ عینی نے ابوداؤد کا اور علامہ ابن حجر نے نسائی کا حوالہ دیا ہے' مگر مجھے دونوں میں یہ روایت نہیں ملی۔ یہ روایت پہلی کے "رجل" میں مخالف ہے اور دوسری کے "اختی" کے۔

رابع: عبیداللہ کی روایت بہ طریق زید بن ابی انیسہ عن الحکم عن سعید میں یہ ہے کہ ایک خاتون نے خدمت اقدس میں عرض کیا: میری ماں قضا کر گئی ہیں اور ان پر منت کا روزہ ہے۔ یہ روایات پہلی کے "رجل" کے مخالف ہے اور دوسری کے "اختی" میں۔ رہ گیا صوم نذر' یہ سابقہ روایات کے معارض نہیں۔

خامس: ابو حریز کی عکرمہ سے جو روایت ہے' اس میں یہ ہے: میری ماں مر گئی اور ان پر پندرہ دن کا روزہ ہے۔ یہ روایت پہلی

کے "رجل" کے اور صوم شہر کے خلاف ہے اور دوسری کے "اختی" کے شہرین کے نیز متتابعین کے۔
یہ چودہ اضطراب صرف متن میں ہیں' اسناد کا اضطراب مزید براں ہے۔ پہلی' دوسری' تیسری' چھٹی سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزہ متوفیہ پر رمضان کا تھا یا منت کا۔ ان میں دونوں کا احتمال ہے' مگر دوسری اور پانچویں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منت کا روزہ تھا۔ پانچویں میں صوم نذر کی تصریح ہے اور دوسری میں "شهرين متتابعين" قرینہ ہے کہ منت ہی کا روزہ تھا۔

بَابُ مَتٰى يَحِلُّ فِطْرُ الصَّائِمِ (ص ۲۶۲) روزے دار کو روزہ کھولنا کب جائز ہے؟

ت۳۷۶ - وَاَفْطَرَ اَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ.

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورج ڈوبتے ہی روزہ کھول دیا۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ سورج ڈوبتے ہی روزہ پورا ہو گیا۔ روزہ کی تکمیل کے لیے رات کے کسی حصہ تک روزہ رکھنا ضروری نہیں۔

۱۱۵۰- ح: اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا [جب رات یہاں سے آگے بڑھے]

۱۱۵۰ - سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب رات یہاں سے آگے بڑھے اور دن یہاں سے پیچھے چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار روزہ افطار کر لے۔

(مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ کتاب الصیام' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۸)

[غروب آفتاب کا معنی]

غروب آفتاب کے دو معنی ہیں: ایک حقیقی یعنی سورج کا پورا جرم اُفق کے نیچے چلا جائے۔ دوسرا شرعی یعنی سورج کا پورا جرم اُفق کے اتنا نیچے چلا جائے کہ نظر نہ آئے۔ غروب حقیقی کے بعد بھی سورج اُفق کے اوپر نظر آتا رہتا ہے' اس لیے غروب شرعی غروب حقیقی کے بعد ہوتا ہے۔ سورج کے ڈوبنے سے بہت پہلے مشرق سے سیاہی اُٹھنی شروع ہو جاتی ہے' اس کے بعد روشنی غائب ہوتی ہے اور سورج ابھی اُفق کے اوپر نظر آتا رہتا ہے' بعد میں ڈوبتا ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اقبال لیل ذکر فرمایا' پھر ادبار نہار' پھر غروب شمس کو۔ مشرق سے سیاہی اُٹھتے ہی سورج نہیں ڈوبتا اور نہ روشنی غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورج ڈوب گیا' روشنی غائب ہونے کے بعد بھی سورج اُفق کے اوپر رہتا ہے۔ اس حدیث میں لیل سے مراد تاریکی اور نہار سے روشنی ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الْاِفْطَارِ (ص ۲۶۳) افطار میں جلدی کرنا

۱۱۵۱ - عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے' جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔

ابوداؤد[1] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے۔

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۱۔ کتاب الصیام۔ باب: ما يستحب من تعجيل الفطر

''لان اليهود والنصارى يوخرون'' اس لیے کہ یہود ونصاریٰ دیر سے افطار کرتے ہیں' یہ لوگ ستاروں کے ظاہر ہونے تک تاخیر کرتے ہیں اور انہیں کی طرح روافض بھی کرتے ہیں۔ تعجیل سے مراد یہ ہے کہ جب سورج کے غروب کا ظن غالب ہو جائے تو ذرا بھی دیر نہ کرے اور یہ سوچ کر کہ تھوڑی دیر اور رک جائیں' کیا حرج ہے؟ اس ارشاد کے منافی ہے' بلکہ اس حدیث میں نظر دقیق ڈالنے سے ظاہر ہوگا کہ اس پر ایک طرح کی وعید بھی جھلک رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ فرمایا: جب تک افطار میں جلدی کریں گے' بھلائی میں رہیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر تاخیر کریں گے تو خیر سے محروم رہیں گے۔ حضور اقدس ﷺ کی عادتِ کریمہ تھی کہ پہلے روزہ افطار کرتے' پھر نماز پڑھتے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ[1] نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے روزہ افطار کیے بغیر مغرب پڑھی ہو' اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہی سے۔

ضروری تنبیہ...... [مسجد میں افطاری کا طریقہ]

ہمارے پورے ہندوستان میں یہ رواج عام پڑ گیا ہے کہ رمضان مبارک میں افطاری کے لیے طرح طرح کی چیزیں لے کر لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں' سورج ڈوبتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اذان ہوتی رہتی ہے اور لوگ کھاتے رہتے ہیں' اذان کا جواب بھی نہیں دیتے۔ اذان ختم ہونے کے بعد بھی دیر تک کھاتے رہتے ہیں' جس کی وجہ سے جماعت میں تاخیر ہو جاتی ہے' بلکہ اگر کوئی خدا ترس امام اذان کے بعد جماعت شروع کر دے تو اس پر طعن بھی کرتے ہیں' حالانکہ رمضان میں بھی دو رکعت کی مقدار مغرب کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے' اس میں تین شرعی نقص ہے۔ اذان کا جواب واجب ہے اسے ترک کرتے ہیں' مغرب کی نماز میں تاخیر کر کے کراہت کا ارتکاب کرتے اور اعتکاف کی نیت کیے بغیر مسجد میں کھاتے ہیں' اور کھانوں سے مسجد کو آلودہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے بچیں۔ افضل یہی ہے کہ چند کھجوریں کھا کر پانی پی لیں یا مختصر سی چیز کھا لیں اور اذان ختم ہوتے ہی جماعت قائم کر لیں۔ اور جب تک اذان ہوتی رہے' نہ کچھ کھائیں نہ پئیں۔ اذان کا جواب دیں' مسجد میں داخل ہوتے ہی نفلی اعتکاف کی نیت کر لیں۔ اس کا پورا خیال رکھیں کہ مسجد' کھانے اور شربت وغیرہ سے آلودہ نہ ہو۔

بَابُ اِذَا اَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ (ص ۲۶۳)

جب رمضان میں افطار کرے' پھر سورج دکھائی دے

۱۱۵۲- عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ اَفْطَرْنَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ غَيْمٍ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ قِيْلَ لِهِشَامٍ فَاُمِرُوْا بِالْقَضَاءِ قَالَ بُدٌّ مِنْ قَضَاءٍ وَّقَالَ مَعْمَرٌ سَمِعْتُ هِشَامًا لَّا اَدْرِيْ اَقَضَوْا اَمْ لَا. (مسلم' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کے زمانے میں بدلی کے دن روزہ کھول دیا' اس کے بعد سورج دکھائی دیا' ہشام سے کہا گیا: اس کے بعد لوگوں کو قضا کا حکم دیا گیا' فرمایا: قضا ضروری ہے۔ اور معمر نے کہا کہ میں نے ہشام سے سنا: میں نہیں جانتا کہ لوگوں نے قضا کی یا نہیں۔

کسی نے اس گمان پر کہ سورج غروب ہو گیا ہے' افطار کر لیا' پھر معلوم ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا ہے تو اس پر واجب ہے کہ بقیہ دن روزے دار کی طرح رہے اور اس روزے کی قضا کرے۔ یہی امام اعظم' امام مالک' امام شافعی' امام احمد کا مذہب ہے' اس پر کفارہ نہیں' البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر جماع کر لیا تو کفارہ بھی واجب ہے۔ امام مجاہد' امام عطاء' امام عروہ بن زبیر یہ کہتے ہیں کہ اس پر قضا بھی نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے بھول کر کھا لیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جو روایت آئی ہے' وہ یہی ہے کہ

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۶۷

ان پر قضا ہے۔ وہ روایت کہ اس پر قضا نہیں، صحیح نہیں۔ امام بیہقی نے زید بن وہب سے روایت کی کہ ہم مسجد نبوی میں رمضان میں بیٹھے تھے اور آسمان ابر آلود تھا، سورج نظر نہیں آ رہا تھا، شام ہو گئی تھی۔ اُم المؤمنین حضرت حفصہ کے گھر سے دودھ آیا، ہم نے پی لیا، اس کے بعد بادل ہٹ گیا اور سورج دکھائی دیا۔ ہم نے آپس میں کہا کہ اس کے عوض ایک دن قضا کر لیں گے۔ اسے حضرت عمر نے سنا تو فرمایا: ہم قضا نہیں کریں گے، ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، مگر اس روایت کو محدثین نے غلط کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری اور بہت سی روایتیں آئی ہیں، جن میں انہوں نے قضا کا حکم دیا ہے۔ یہ روایت اس کے مخالف ہے اور اس روایت میں ارسال بھی ہے۔

افطار کی طرح سحری میں بھی اختلاف ہے، اگر سحری کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ صبح صادق طلوع کر آئی تھی، تو چاروں ائمہ اور جمہور کے یہاں یہی حکم ہے کہ پورا دن روزے دار کی طرح رہے اور اس کے عوض ایک روزہ رکھے، البتہ امام اسحٰق نے کہا کہ قضا واجب نہیں، البتہ پسندیدہ ہے۔

قال معمر

یہ معمر بن راشد ازدی حرانی بصری ہیں۔ اس تعلیق کو امام عبد بن حمید نے موصولاً روایت کیا ہے۔

بَابُ صَوْمِ الصِّبْيَانِ (ص ۲۶۳) — بچوں کا روزہ رکھنا

ت ۳۷۷ - وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِنَشْوَانٍ فِيْ رَمَضَانَ وَيْلَكَ وَصِبْيَانُنَا صِيَامٌ فَضَرَبَهُ.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں ایک نشہ والے سے فرمایا: تیرے لیے خرابی ہو اور ہمارے بچے روزے سے ہیں، پھر اسے مارا۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور، امام بغوی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پوری تعلیق یہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی لی۔ جب اسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا تو پھسل گیا، اس پر حضرت عمر نے فرمایا: تیرے لیے خرابی ہو! اور ہمارے بچے روزے سے ہیں، پھر اس کو اسّی کوڑے مارے اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

۱۱۵۳ - ح: أَرْسَلَ غَدَاةَ عَاشُوْرَاءَ — [آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عاشوراء کے دن (خبر) بھیجی]

۱۱۵۳ - عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ عَاشُوْرَاءَ إِلٰى قُرَى الْأَنْصَارِ مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيَصُمْ قَالَتْ فَكُنَّا نَصُوْمُهُ بَعْدُ وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا وَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ فَإِذَا بَكٰى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهُ ذَالِكَ حَتّٰى يَكُوْنَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْعِهْنُ الصُّوْفُ. (مسلم۔ کتاب الصیام)

حضرت ربیع بنت معوذ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کے دن انصار کی آبادیوں میں خبر بھیجی: جس نے صبح اس حالت میں کی ہے کہ وہ روزہ دار نہیں تو بقیہ دن روزہ دار کی طرح رہے، اور جس نے صبح اس حال میں کی ہے کہ وہ روزہ دار ہے تو وہ روزہ سے رہے۔ حضرت ربیع کہتی ہیں: اس کے بعد ہم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور بچوں سے رکھواتے تھے اور ان کے لیے اُون کا کھلونا بنا دیتے، جب کوئی کھانے کے لیے روتا تو وہ کھلونا اسے دے دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔ ابو عبداللہ بخاری نے فرمایا: ''عھن'' اُون ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے ابتداء میں عاشورے کا روزہ فرض تھا۔ بچے جب روزہ رکھنے کے لائق ہو جائیں تو ان کو روزہ رکھنے کا حکم دینا چاہیے، تاکہ مشق رہے۔ بچوں کا دل بہلانے کے لیے انہیں کھلونے دینا جائز اور

اسی طرح بنانا بھی، بشرطیکہ کسی جان دار کی تصویر نہ ہو۔

بَابُ الْوِصَالِ وَمَنْ قَالَ لَيْسَ فِي اللَّيْلِ صِيَامٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ (البقرہ:۱۸۷) (ص ۲۶۳)

صوم وصال اور اس کا بیان کہ رات میں روزہ نہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: پھر تم لوگ رات تک روزے پورے کرو

توضیح

صوم وصال پر گفتگو ہو چکی ہے، روزے کا وقت صرف دن ہے، رات میں روزہ نہیں، اس لیے کہ اس آیت کریمہ میں "الی اللیل" امتدادِ حکم کے لیے ہے، اور اس صورت میں غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ غایت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اسقاط کے لیے، دوسرے امتداد کے لیے۔ اسقاط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر غایت مذکور نہ ہوتی تو حکم اور آگے تک کو شامل ہوتا، جیسے آیت وضو میں "الی المرافق" ہے۔ اگر یہ مذکور نہ ہوتا تو کندھوں تک ہاتھ دھونا فرض ہوتا، اس لیے کہ "ید" ہاتھ بہ اعتبار لغت اسے شامل ہے، مگر "الی المرافق" فرمانے نے دھونے کے حکم سے کہنیوں کے اوپر کے حصے کو ساقط کر دیا۔ غایت اسقاط میں غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے۔

غایت امتداد کا مطلب یہ ہے کہ اگر غایت مذکور نہ ہوتی تو حکم وہاں تک دراز نہ ہوتا، جیسے یہ روزے کی آیت ہے، کیونکہ صوم کے معنی لغت میں کھانے پینے جماع سے مطلقاً رُکنے کے ہیں، جو تھوڑی دیر رکنے پر بھی صادق ہے۔ اس لیے اگر "الی اللیل" نہ فرمایا گیا ہوتا تو پورے دن کا روزہ فرض نہ ہوتا۔ "الی اللیل" فرمانے سے حکم ممتد ہو کر پورے دن کو شامل ہو گیا۔ غایت امتداد میں غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے رات میں روزہ نہیں، اس کی اور بھی تقریریں ہیں جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

ت۳۷۸ - وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ رَحْمَةً لَهُمْ وَاِبْقَاءً عَلَيْهِمْ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ.

اور نبی ﷺ نے لوگوں پر مہربانی اور انہیں باقی رکھنے کے لیے صومِ وصال سے منع فرمایا، اور تعمق ناپسند ہے۔

یہ بھی باب ہی کے اجزاء ہیں، پہلا حصہ حدیث سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صوم وصال سے لوگوں پر مہربانی کی وجہ سے انہیں منع فرمایا۔ نیز ابوداؤد[1] میں ہے کہ نبی ﷺ نے سینگی لگوانے اور مواصلت یعنی صومِ وصال سے منع فرمایا۔ اور ان دونوں کو صرف اس وجہ سے حرام فرمایا کہ صحابہ کی قوت باقی رہے۔

دوسرا حصہ بھی حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ بخاری[2] ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مہینہ اور دراز ہو جاتا تو بھی صوم وصال رکھتا، اتنا کہ تعمق کرنے والے اپنا تعمق چھوڑ دیتے۔ تعمق سے مراد یہ ہے کہ انسان جس کا مکلف نہیں، اس کو بہ تکلف و بہ مشقت کرے۔

۱۱۵۴- ح: لَا تُوَاصِلُوْا قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ

[تم صوم وصال مت رکھو، عرض کیا: آپ (ﷺ) رکھتے ہیں]

۱۱۵۴- عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُوَاصِلُوْا قَالُوْا اِنَّكَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: صوم وصال مت رکھو۔ لوگوں نے عرض کیا: حضور آپ

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۳۔ کتاب الصیام۔ باب: فی الرخصۃ
[2] بخاری۔ ج ۲ ص ۱۰۷۵۔ کتاب التمنی۔ باب: ما یجوز من اللو

تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ قَالَ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی اَوْ اِنِّیْ اَبِیْتُ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی۔

رکھتے ہیں تو فرمایا: میں تم میں سے کسی کے مثل نہیں، مجھے کھلایا جاتا ہے پلایا جاتا ہے یا یہ فرمایا: میں رات گزارتا ہوں، مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔

(بخاری۔ج۲۔کتاب التمنی۔باب: ما یجوز من اللوص ۱۰۷۵، مسلم۔کتاب الصیام۔ص ۲۵۱)

تکمیل

یہی حدیث بخاری، جلد ۲، کتاب التمنی میں مفصل یوں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر مہینے میں صوم وصال رکھا اور لوگوں نے بھی رکھا۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر مہینہ دراز ہو جاتا تو میں اتنا صوم وصال رکھتا کہ متعمقین اپنے تعمق کو چھوڑ دیتے، میں تم جیسا نہیں ہوں مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

۱۱۵۵- ح: لَا تُوَاصِلُوْا

[صوم وصال مت رکھو]

۱۱۵۵- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُوَاصِلُوْا فَاَیُّكُمْ اَرَادَ اَنْ یُّوَاصِلَ فَلْیُوَاصِلْ حَتَّی السَّحَرِ قَالُوْا فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ كَهَیْئَتِكُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ یُّطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یَسْقِیْنِیْ۔

(ایضاً باب: الوصال الی السحر ص ۲۶۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: صوم وصال مت رکھو اور جو صوم وصال رکھنا چاہے وہ سحری تک رکھے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور خود صوم وصال رکھتے ہیں، ارشاد فرمایا: میں تمہارے مثل نہیں ہوں، میں رات گزارتا ہوں، میرے لیے کھلانے والا ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا ہے جو مجھے پلاتا ہے۔

۱۱۵۶- ح: نَهٰی عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَّهُمْ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان پر اپنی رحمت (مہربانی) کی بنا پر صوم وصال سے منع فرمایا]

۱۱۵۶- عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَّهُمْ فَقَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ كَهَیْئَتِكُمْ اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔

(مسلم۔ج۱ص ۲۵۶۔کتاب الصیام)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر مہربانی کی بناء پر انہیں صوم وصال سے منع فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: حضور آپ خود صوم وصال رکھتے ہیں، فرمایا: میں تمہارے جیسا نہیں، مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

بَابُ التَّنْكِیْلِ لِمَنْ اَكْثَرَ الْوِصَالَ (ص ۲۶۳)

صوم وصال رکھنے والے پر تنبیہ

۱۱۵۷- ح: نَهٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صوم وصال سے منع فرما دیا]

۱۱۵۷- اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے تو مسلمانوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور آپ خود صوم وصال رکھتے ہیں؟ اس

اللّٰهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِي اِنِّي اَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي فَلَمَّا اَبَوْا اَنْ يَّنْتَهُوْا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَاَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَاَخَّرَ لَزِدْتُّكُمْ كَالتَّنْكِيلِ لَهُمْ حِيْنَ اَبَوْا اَنْ يَّنْتَهُوْا.

پر ارشاد فرمایا: تم میں کون میرے مثل ہے؟ میں اس حالت میں رات بسر کرتا ہوں کہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اب لوگ جب صومِ وصال سے باز نہیں آئے تو ان کے ساتھ دو دن صومِ وصال رکھا' پھر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو فرمایا: اگر مہینہ اور ہوتا تو میں مزید صومِ وصال رکھتا' یہ ارشاد ان پر عتاب کے لیے تھا کہ وہ صومِ وصال سے باز نہ رہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: کم التعزیر والادب ص ۱۰۱۲' کتاب التمنی۔ باب: ما یجوز من اللو ص ۱۰۷۵' کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکرہ من التعمق ص ۱۰۸۴' مسلم۔ کتاب الصیام۔ ص ۳۵۲' مؤطا امام مالک۔ کتاب الصیام۔ ص ۹۸)

۱۱۵۸- ح: اِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ مَرَّتَيْنِ

[دو بار (فرمایا:) صوم وصال سے بچو]

۱۱۵۸- عَنْ هَمَّامٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ مَرَّتَيْنِ قِيْلَ اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّي اَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي فَاكْلَفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ.

ہمام سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دو بار فرمایا: صومِ وصال سے بچو! عرض کیا گیا: حضور خود صومِ وصال رکھتے ہیں' فرمایا: میں اس حالت میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے' اتنے ہی اعمال کی مشقت اُٹھاؤ جتنے کی تم میں طاقت ہو۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو مسند امام احمد میں ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ اَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي'' میں ہرگز تمہارے مثل نہیں ہوں' میں اس حالت میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ یہ حدیث بخاری میں ان صحابہ کرام سے مروی ہے: حضرت اُم المؤمنین عائشہ' حضرت ابن عمر' حضرت انس' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم۔ ان احادیث میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے: ''لست مثلکم'' حضرت انس کی حدیث میں ہے: ''لست کاحد منکم'' حضرت ابوسعید اور حضرت اُم المؤمنین کی حدیث میں ہے: ''لست کھیئتکم'' اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ''وایکم مثلی'' ہے یعنی میں تمہارے مثل نہیں' تم میں سے کسی کے مثل نہیں' تمہاری طرح نہیں' تم میں کون میرے مثل ہے۔ یہ سب احادیث اس پر نص ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی بے مثل و بے نظیر ہیں' ماوشا کس گنتی میں ہیں' صحابہ کرام میں بھی کوئی حضور جیسا نہیں اور نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے یا ہمارے مثل ہیں۔ دونوں طرف سے مثلیت کی نفی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام آیات کی تفسیر میں جن میں یہ فرمایا گیا ہے: ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' تمام مفسرین نے فرمایا کہ اس ارشاد کا حکم بہ طور تواضع دیا گیا ہے۔ اور وہ بھی صرف ظاہر صورت کے اعتبار سے' یا صرف نوع بشر کا فرد ہونے کے اعتبار سے۔ ورنہ حقیقت وہ ہے جو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یا ابا بکر لم یعلمنی حقیقۃ غیر ربی''[1] اے ابوبکر! میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں جانا۔

---

[1] مطالع المسرات

حتی السحر

اس کا مطلب یہ ہے کہ افطار کے وقت کچھ کھا لے یا پی لے' پھر رات بھر کچھ نہ کھائے پیئے یہاں تک کہ سحری کا وقت ہو جائے' اس وقت کچھ کھا پی لے جیسا کہ ریاضت ومجاہدے میں سالکین کرتے ہیں کہ افطار کے وقت ایک گھونٹ پانی پی لیتے ہیں اور اسی طرح سحری کے وقت بھی۔

صوم وصال کے بارے میں پوری گفتگو باب ''برکۃ السحور'' میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح ''یطعمنی ویسقینی'' پر بھی۔

بَابُ مَنْ اَقْسَمَ عَلٰی اَخِیْهِ لِیُفْطِرَ فِی التَّطَوُّعِ وَلَمْ یَرَ عَلَیْهِ قَضَاءً اِذَا کَانَ اَوْفَقَ لَهٗ (ص ۲۶۴)

جس نے نفل روزے میں اپنے بھائی کو قسم دلائی کہ توڑ دے جبکہ یہ اس کے حال کے زیادہ لائق ہو اور اس صورت میں اس پر قضاء بھی واجب نہیں جانتا

توضیح باب

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص نفل روزہ رکھے ہوئے ہے' پھر کسی نے اسے قسم دلائی کہ روزہ توڑ دے اور روزہ توڑنا اس کے حال کے لائق ہو تو وہ روزہ توڑ دے اور اس پر قضا بھی نہیں' مثلاً وہ کمزور ہے' روزے سے مزید ضعف کا اندیشہ ہے' رہ گیا یہ کہ واقعی اس پر قضا ہے یا نہیں اس پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے' ایک روایت میں ''اوفق'' کے بجائے ''ارفق'' ہے' دونوں صحیح ہیں۔

۱۱۵۹- ح: اٰخَی بَیْنَ سَلْمَانَ وَاَبِی الدَّرْدَاءِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء (رضی اللہ عنہما) کے درمیان اخوت قائم کی]

۱۱۵۹- عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اٰخَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ سَلْمَانَ وَاَبِی الدَّرْدَاءِ فَزَارَ سَلْمَانُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَاٰی اُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا مَا شَاْنُكِ قَالَتْ اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَاءِ لَیْسَ لَهٗ حَاجَةٌ فِی الدُّنْیَا فَجَاءَ اَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ قَالَ فَاِنِّیْ صَائِمٌ قَالَ مَا اَنَا بِاٰكِلٍ حَتّٰی تَاْكُلَ قَالَ فَاَكَلَ فَلَمَّا كَانَ اللَّیْلُ ذَهَبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ یَقُوْمُ قَالَ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ یَقُوْمُ فَقَالَ نَمْ فَلَمَّا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْاٰنَ فَصَلَّیَا فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَلِاَهْلِكَ عَلَیْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ قائم فرمایا' حضرت سلمان ایک بار ابوالدرداء سے ملاقات کے لیے آئے تو اُمِ الدرداء کو خستہ حالت میں دیکھ کر پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: تمہارے بھائی کو دنیا کی کوئی رغبت نہیں۔ حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے سلمان کے لیے کھانا تیار کیا' تو حضرت سلمان سے کہا: کھاؤ! میں روزے سے ہوں' حضرت سلمان نے کہا: جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا' تو حضرت ابوالدرداء نے کھایا' جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نے چاہا کہ نماز پڑھوں تو حضرت سلمان نے کہا: سو جاؤ! تو وہ سو گئے' اس کے بعد پھر چاہا کہ نماز پڑھیں' حضرت سلمان نے کہا: سو جاؤ! جب رات کا آخری حصہ ہوا تو حضرت سلمان نے کہا: اب نماز پڑھو!

صَدَقَ سَلْمَانُ.

(ایضاً۔ج ۲۔کتاب الادب۔باب:الاخاء والحلف تعلیقا الجزء الاول ص۸۹۸' باب:صنع الطعام والتکلف للضیف ص۹۰۶' ترمذی۔ج ۲۔کتاب الزہد۔ص ۶۴)

اس کے بعد دونوں نے نماز پڑھی' حضرت سلمان نے ان سے کہا: بے شک تمہارے رب کا تم پر حق ہے' تمہارے نفس کا تم پر حق ہے تمہارے اہل کا تم پر حق ہے' ہر حق والے کو اس کا حق دو۔ اس کے بعد حضرت ابوالدرداء' نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سب بیان کیا تو آپ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔

مطابقت

باب میں یہ ہے: جو اپنے بھائی کو قسم دلائے۔ اس حدیث میں قسم دلانے کا تذکرہ نہیں' علامہ ابن حجر نے یہ تعقب فرمایا: علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ بزار' ابن خزیمہ' دار قطنی' طبرانی میں ابن حبان نے امام بخاری کے شیخ محمد بن بشار ہی سے اس حدیث کی جو روایت کی ہے' اس میں یہ قسم ہے۔ الفاظِ کریمہ یہ ہیں: ''اقسمت علیك لتفطر معی'' میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرے ساتھ روزہ کھول دو۔ اور امام بخاری کی یہ عادت معلوم ہے کہ وہ کبھی کبھی باب کے ضمن میں حدیث کا وہ متن ذکر کرتے ہیں' جس سے باب کا کوئی تعلق نہیں ہوتا' مگر وہی حدیث دوسرے طرق سے ایسے متن کے ساتھ مروی ہوئی ہے جس سے باب ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ یہاں قسم محذوف ہو' جیسے آیہ کریمہ ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا'' میں ہے' اس پر قرینہ عقلیہ یہ ہے کہ ایسے عبادت کے شوقین صحابی آسانی سے روزہ نہیں توڑ سکتے تھے' جب تک ان پر ایسا دباؤ نہ پڑا ہو' جس سے وہ مجبور ہو گئے ہوں۔

کل فانی صائم

بخاری کی اس روایت کا حاصل یہ نکلا کہ حضرت ابوالدرداء نے حضرت سلمان سے کہا: کھاؤ! میں روزے سے ہوں۔ اور یہی ترمذی میں بھی ہے' مگر ابوذر کی روایت یہ ہے: ''فقال کل فانی صائم'' سلمان نے ابوالدرداء سے کہا: کھاؤ! تو ابوالدرداء نے کہا: میں روزے سے ہوں۔

اخر اللیل

ترمذی میں ہے: ''عند الصبح'' یعنی جب صبح قریب ہو گئی' تو فرمایا: اب اٹھو اور نماز پڑھو۔ ترمذی میں یہ بھی زائد ہے: ''لضیفك علیك حق'' تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ دار قطنی میں یہ بھی ہے: ''فَصُمْ وَافطر وصل وَنَمْ وَاِئتِ اھلك'' روزہ رکھو اور بے روزہ بھی رہو' نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور اپنی اہل کے پاس جاؤ بھی۔

نفل روزہ رکھ کر اگر توڑ دے تو قضاء ہے یا نہیں؟

نفل روزہ رکھ کر اگر توڑ دے تو قضا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے' ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس پر بہر حال اس کی قضا واجب ہے۔ ہماری دلیل یہ آیہ کریمہ ہے کہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ. (محمد:۳۳) اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

کوئی بھی عمل شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہے' اور اسے نامکمل چھوڑنا چونکہ اس کے برباد کرنے کے مترادف ہے اس لیے نامکمل چھوڑنا گناہ ہوا' مگر عذر رافع اثم ہے' لیکن جو نامکمل چھوڑا ہے' اس کی تکمیل عذر ختم ہونے کے بعد ضروری ہے اور یہی قضا ہے۔ اس بارے میں متعدد احادیث بھی وارد ہیں۔ امام ترمذی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ میں اور حفصہ دونوں روزے سے تھیں' ہمیں کھانا پیش کیا گیا ہمیں اس کی اشتہاء بھی تھی' ہم نے اسے کھالیا۔ جب رسول اللہ ﷺ اندر

تشریف لائے تو حفصہ نے مجھ پر سبقت کی، وہ اپنے باپ کی بیٹی تھی، اور قصہ عرض کر دیا تو حضور نے فرمایا: اس کی جگہ دوسرا روزہ قضا رکھو۔ امام ترمذی نے فرمایا: امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔[1] نیز ابوداؤد[2] اور نسائی میں بھی یہ حدیث تھوڑے سے تغیر کے ساتھ مروی ہے۔[3] اس حدیث پر امام ترمذی اور امام بخاری نے جو جرحیں کی ہیں، ان سب کے جوابات علامہ بدرالدین عینی نے دیئے ہیں۔ یہ حدیث متصل اور کم از کم حسن ضرور ہے۔

اس حدیث پر ایک طعن یہ تھا کہ یہ منقطع ہے۔ امام زہری نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، بیچ کے راوی کا نام نہیں لیا۔ علامہ عینی نے فرمایا: کچھ طرق میں ایسا ہی ہے، مگر بہت سے طرق میں یہ متصل ہے، چنانچہ امام زہری سے جعفر بن برقان، سفیان بن حسین، محمد بن حفصہ، صالح بن ابی الاخضر، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، صالح بن کیسان اور حجاج بن ارطاۃ، ان کے ساتھ ان کے تلامذہ نے "عن عروة عن عائشة رضى الله عنها" اسے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام طحاوی نے بہ طریق عائشہ بنت طلحہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے۔

اُم المومنین فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے حضور کے لیے حیس چھپا کر رکھا ہے۔ حضور نے فرمایا: میں نے روزے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اسے قریب لاؤ، میں عنقریب اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھوں گا۔ (شرح معانی الآثار۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: يدخل فى الصيام تطوعا ثم يفطر ص ۳۰۰)

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کے پاس اندر تشریف لائے، وہ دونوں روزے سے تھیں، پھر باہر تشریف لے گئے، دوبارہ اندر آئے تو دونوں کھا رہی تھیں، فرمایا: کیا تم دونوں روزے سے نہیں تھیں؟ دونوں نے عرض کیا: تھیں، لیکن ہمارے پاس کھانا ہدیہ میں آیا اور ہمیں پسند آیا تو ہم نے اس میں سے کھالیا، فرمایا: اس کی جگہ ایک اور روزہ رکھ لینا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۷۸)

امام عقیلی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کے لیے ہدیہ آیا، وہ روزے سے تھیں، پھر اس میں سے کھالیا اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: اس کی جگہ ایک دن قضاء رکھنا۔ (ایضاً ص ۷۸)

امام دارقطنی نے اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک دن نفل روزہ رکھا، پھر توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ایک دن اس کی جگہ قضاء رکھیں۔ (ایضاً ص ۷۸۔ ۷۹)

نیز امام دارقطنی نے حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک صحابی نے کھانا تیار کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو مدعو کیا، جب کھانا لایا گیا تو ان میں سے ایک صاحب کنارے ہٹ گئے، ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں روزے سے ہوں، تو فرمایا: تیرے بھائی نے تیرے لیے تکلف کر کے کھانا تیار کیا اور تو کہتا ہے کہ میں روزے سے ہوں، کھا اور اس کی جگہ ایک روزہ رکھ لینا۔ (ایضاً ص ۷۹)

ان احادیث پر کچھ جرحیں کی گئی ہیں، جن کے مدلل جوابات علامہ بدرالدین محمود عینی نے دیئے ہیں۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام میں سے حضرت فاروق اعظم، حضرت ابن عباس، حضرت صدیق اکبر، حضرت علی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ کرام کا مذہب یہی تھا کہ نفلی روزہ رکھنے کے بعد

---

[1] ترمذی۔ ج ا ص ۹۲۔ کتاب الصوم۔ باب: ما جاء فی ایجاب القضاء علیہ

[2] ابوداؤد۔ ج ا ص ۳۳۳۔ کتاب الصوم۔ باب: من رأى عليه القضاء [3] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۷۷

توڑ دینے پر قضا ہے۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ امام بخاری و مسلم نے انس بن سیرین سے روایت کیا کہ وہ عرفہ کے دن روزے سے تھے' انہیں شدید پیاس لگی تو روزہ توڑ دیا' پھر انہوں نے متعدد صحابہ کرام سے فتویٰ پوچھا تو سب نے انہیں حکم دیا کہ اس کی جگہ ایک دن روزہ قضا رکھیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۷۹)

بَابُ صَوْمِ شَعْبَانَ (ص ۲۶۴)

شعبان کے روزے کا بیان

۱۱۶۰- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ اَكْثَرَ صِيَامًا مِّنْهُ فِيْ شَعْبَانَ.

(مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصوم' ترمذی۔ کتاب الشمائل)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ رکھتے' یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب روزہ نہیں چھوڑیں گے اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے' یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں پورے مہینہ روزہ رکھتے اور شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔

اس باب سے امام بخاری نفل روزوں کا بیان شروع فرماتے ہیں' رمضان کے ساتھ اتصال کی وجہ سے سب سے پہلے شعبان کے روزوں کا تذکرہ فرمایا' یوں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے مہینوں میں بھی بہ کثرت روزے رکھتے تھے' مگر بہ نسبت اور مہینوں کے شعبان میں زیادہ روزے رکھتے تھے' یہاں تک کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی روایت آئی ہے کہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھتے تھے۔

ابوداؤد میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سال کے کسی مہینے میں پورا مہینہ روزہ نہیں رکھتے' سوائے شعبان کے جسے رمضان سے ملاتے۔ (ج ۱۔ کتاب الصوم۔ باب: من یصل شعبان برمضان ص ۳۱۹' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۲۱)

نیز انہیں سے مروی ہے' فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سوائے شعبان و رمضان کے دو مہینے مسلسل روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب الصوم۔ باب: وصال شعبان برمضان ص ۹۲' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۲۱)

بہ ظاہر یہ حدیثیں بخاری کی اس حدیث کے معارض ہیں' شارحین نے اس کی توجیہ میں فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ شعبان میں اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ اسے تغلیباً کل سے تعبیر کر دیا' جیسے کہتے ہیں: فلاں نے پوری رات عبادت کی' جبکہ اس رات میں کھانا بھی کھایا ہو اور ضروریات سے فراغت بھی کی ہو۔ یہاں تغلیباً اکثر کو کل کہہ دیا' اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں اکثر کو کل سے تعبیر کر دیا۔ اس کی مؤید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعبان میں روزہ رکھتے تھے مگر تھوڑے نہیں بلکہ پورے شعبان میں روزہ رکھتے تھے۔

شعبان میں کثرت صوم کے اسباب

(۱) اس ماہ میں اعمال اللہ عزوجل کے روبرو پیش ہوتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ پسند فرماتے تھے کہ حضور کے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ وہ روزے دار ہوں۔ امام نسائی نے حضرت اسامہ سے روایت کی کہ میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! میں

حضور کو دیکھ رہا ہوں کہ کسی مہینے میں اتنے روزے نہیں رکھتے جتنے شعبان میں رکھتے ہیں' فرمایا: یہ وہ مہینہ ہے جس میں اعمال رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں' میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزے سے ہوں۔

(نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۲۲)

(۲) اس مہینے میں سال کے اندر مرنے والوں کے نام ملک الموت لکھ لیا کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ میری وفات اس حال میں لکھی جائے کہ میں روزے کی حالت میں رہوں' جیسا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضور! کیا بات ہے کہ آپ اس مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہیں؟ فرمایا: اے عائشہ! یہ وہ مہینہ ہے جس میں ملک الموت ان لوگوں کے نام لکھتے ہیں جو وفات پانے والے ہیں' اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرا نام اس حال میں لکھا جائے کہ میں روزے سے ہوں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۸۳)

(۳) رمضان کی تعظیم کے لیے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا: شعبان کا رمضان کی تعظیم کے لیے۔

(ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: فضل الصدقۃ ص ۸۴)

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے' جیسا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا ہے' مگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے بعض مہینوں میں نہ رکھ پاتے تو ان سب کو شعبان میں رکھتے تھے۔

(۵) ان خصوصیات کے باوجود عوام اس سے غافل تھے' کثرت سے روزہ رکھنے سے مقصود یہ تھا کہ لوگ آگاہ ہو جائیں۔

شب براءت

اسی مبارک مہینے کی پندرھویں شب' شب براءت ہے' اس رات اللہ عزوجل دنیا والوں پر تجلی خاص فرماتا ہے اور بندوں کو خطاب فرماتا ہے' انہیں منہ مانگی مرادیں دیتا ہے' اس رات کے فضائل احادیث میں بہ کثرت آئے ہیں۔

حدیث اوّل: امام ترمذی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی' وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور کو بستر پر نہیں پایا تو تلاش کے لیے نکلی' حضور کو بقیع میں پایا' فرمایا: کیا تجھے یہ اندیشہ تھا کہ تجھ پر اللہ اور اس کے رسول ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے گمان کیا کہ حضور اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں' فرمایا: اللہ عزوجل شعبان کی پندرھویں شب میں آسمانِ دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور بنی کلب کی بھیڑوں اور بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

(ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: لیلۃ النصف من شعبان ص ۹۲)

حدیث دوم: امام نسائی اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتی ہیں: میری باری کی رات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ بیٹھے اور اپنی نعلین اپنے پاؤں کے پاس رکھی اور اپنی چادر کے کنارے کو اپنے بچھونے پر پھیلا دیا' اتنی دیر کے کہ گمان فرمایا کہ میں سو گئی' اس کے بعد اپنی نعلین کو آہستگی سے پہنا اور اپنی چادر کو آہستگی سے لیا' پھر دروازے کو آہستگی سے کھولا اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور میں نے اپنا کرتا پہنا اور اوڑھنی اوڑھ لی اور حضور کے پیچھے چلی' یہاں تک کہ حضور بقیع میں تشریف لائے تو اپنے ہاتھ کو تین بار اٹھایا اور دیر تک وہاں ٹھہرے' اس کے بعد مڑے تو میں بھی مڑی۔ حضور تیزی سے چلے تو میں بھی تیزی سے چلی' پھر حضور دوڑے پھر اس کے بعد پوری قوت سے دوڑنے میں بھی پوری قوت سے دوڑی اور حضور سے آگے آ گئی اور حجرے کے اندر چلی گئی' میں لیٹی ہی تھی کہ حضور بھی اندر تشریف لائے اور فرمایا: کیا بات ہے عائشہ! کہ ہانپ رہی ہو۔ میں نے کہا: کوئی بات نہیں'

فرمایا: تو نے مجھے نہیں بتایا تو لطیف وخبیر مجھے ضرور بتائے گا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان! اس کے بعد میں نے حضور کو پورا واقعہ سنایا' ارشاد فرمایا: تو ہی وہ شخص تھی جس کو میں نے اپنے آگے دیکھا' میں نے عرض کیا: جی! حضور نے میرے سینے پر ہتھیلی سے ایسا مارا کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی' پھر فرمایا: تو نے یہ گمان کیا کہ تجھ پر اللہ اور اس کے رسول ظلم کریں گے۔ میں نے عرض کیا: کہاں تک لوگ چھپائیں گے' بے شک اسے اللہ نے جان لیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میری خدمت میں حاضر ہوئے' جب تو نے دیکھا تھا' اور اندر نہیں آئے کیونکہ تم اپنے کپڑے اتار چکی تھیں' انہوں نے مجھے پکارا اور تجھ سے چھپایا' میں نے ان کو جواب دیا اور تجھ سے چھپایا' میں نے گمان کیا کہ تم سو چکی ہو اور تجھے جگانا پسند نہیں کیا۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تو وحشت میں پڑے گی۔ جبریل نے مجھے حکم دیا کہ میں بقیع جاؤں اور ان کے لیے استغفار کروں۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا کہوں؟ فرمایا: یوں کہہ ''السلام علی اهل الديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون''۔[1] ابن ماجہ[2] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں رات آجائے تو اس رات کو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کیونکہ رب تبارک وتعالیٰ غروبِ آفتاب سے آسمانِ دنیا پر آپ تجلی فرماتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ اسے بخش دوں' ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ اسے روزی دوں' ہے کوئی مبتلا کہ اسے عافیت دوں' ہے کوئی ایسا' ہے کوئی ایسا۔ یہ اس وقت تک فرماتا ہے کہ فجر طلوع ہو جائے۔ امام بیہقی نے کتاب الادعیہ میں حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کیا' وہ کہتی ہیں کہ حضور نے مجھ سے پوچھا: کچھ جانتی ہو! اس رات میں کیا ہے؟ اُم المومنین نے عرض کیا: کیا ہے اس میں؟ یارسول اللہ! فرمایا: اس رات میں یہ ہے کہ اس سال جتنے بچے پیدا ہونے والے ہوتے ہیں' وہ لکھے جاتے ہیں اور اس سال جتنے مرنے والے ہوتے ہیں' وہ لکھے جاتے ہیں اور اس میں ان کے اعمال اوپر اُٹھائے جاتے ہیں' اسی رات میں ان کی روزیاں اترتی ہیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۹۳۔ ۹۴)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ شب براءت ایک مقدس اور بابرکت رات ہے' یہ رات عبادت میں گزارنی چاہیے اور اس کے دن میں روزہ رکھنا چاہیے' اور رات میں زیارتِ قبور کرنی چاہیے اور اللہ عزوجل سے اپنی نیک وجائز مرادیں مانگنی چاہئیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے بیہقی میں یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور کہا: یہ شعبان کی پندرھویں رات ہے' اس میں اللہ تعالیٰ جہنم سے اتنوں کو آزاد فرماتا ہے' جتنے بنی کلب کی بکریوں اور بھیڑوں کے بال ہیں' مگر کافر اور مسلمان سے عداوت رکھنے والے اور رشتہ کاٹنے والے اور کپڑا لٹکانے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے اور شراب پینے کی عادت رکھنے والے کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا۔ امام احمد[3] نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے' اس میں قاتل کا ذکر ہے۔ (بہارِ شریعت۔ حصہ ۵ ص ۱۸۳)

یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ شب براءت کو اور اسی طرح عید اور جمعہ اور عاشورہ کے دن مردوں کی روحیں اپنے گھروں کے دروازوں پر آکر کھڑی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے' ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے' ہے کوئی کہ ہماری غربت کو یاد دلائے۔ (فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴ ص ۲۳۳۔ بحوالہ خزانۃ الروایات وکنز العباد وکشف الغطاء)

---

[1] نسائی۔ ج ۱ ص ۲۸۶۔۲۸۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: الامر بالاستغفار للمؤمنين

[2] ابن ماجہ۔ ص ۱۰۰۔ کتاب الصلاۃ۔ باب: فی ليلة النصف من شعبان

[3] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۷۶

حلوائے شب براءت

مسلمانوں میں قدیم سے یہ رواج ہے کہ شب براءت کو حلوہ بناتے ہیں، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے، دو وجہ سے،
اوّل یہ کہ یہ ایک خاص برکت والی رات ہے جو اللہ کی نعمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ فرما دو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔
(یونس:۵۸)

خوشی منانے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ عمدہ عمدہ کھانے کھائیں اور کھلائے جائیں اور میٹھی غذا حضور اقدس ﷺ کو محبوب تھی۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب العسل والحلوى. رسول اللہ ﷺ شہد اور میٹھی چیز پسند فرماتے تھے۔

(بخاری۔ ج۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الحلوی والعسل ص۸۱۷)

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابھی گزرا: مردوں کی روحیں شب براءت کو دروازوں پر آکر سوال کرتی ہیں، ان کے ایصال ثواب کے لیے فقراء و مساکین کو حلوہ کھلانے میں زیادہ ثواب ہے، کیونکہ کھانا جتنا لذیذ اور عمدہ ہوگا، ثواب اتنا ہی زیادہ ملے گا۔

شب براءت کی روشنی

مسلمانوں میں یہ بھی رواج ہے کہ شب براءت اور دوسری مقدس راتوں میں چراغاں کرتے ہیں، یہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس رحمت والی رات کے ملنے پر خوشی منانے کی نشانی ہے۔ دوسرے اس رات کی عظمت کا اظہار ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ. (الحج:۳۰) اور جو اللہ کی محترم بنائی ہوئی چیزوں کی تعظیم کرے، وہ اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔

احادیث پہلے گزر چکیں کہ شب براءت بہت محترم و مقدس رات ہے، اس کے لیے روشنی کرنا اس کی تعظیم ہے، اس لیے یہ اللہ کے حضور بہتر ہے۔

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شعبان میں جسے قوت ہو وہ زیادہ سے زیادہ روزے رکھے، البتہ جو کمزور ہو وہ روزے نہ رکھے کیونکہ اس سے رمضان کے روزوں پر اثر پڑے گا۔ یہی محمل ہے ان احادیث کا جن میں فرمایا گیا کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھو۔

۱۱۶۱- ح: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا [نبی ﷺ کبھی کسی مہینے میں (شعبان سے زیادہ) روزے نہیں رکھتے تھے]

۱۱۶۱- عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا اَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ فَاِنَّهٗ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی ﷺ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ روزہ نہیں رکھتے تھے، حضور پورے شعبان میں روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے: اتنا عمل اختیار کرو جتنے کی

وَكَانَ يَقُوْلُ خُذُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَاَحَبُّ الصَّلٰوةِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا دِيْمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّتْ وَكَانَ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً دَاوَمَ عَلَيْهَا. (مسلم نسائی۔ الصوم)

طاقت رکھتے ہو' اس لیے کہ اللہ اُکتا نہیں سکتا' ہاں! تم لوگ تھک جاؤ گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ وہ نماز پسند تھی جس پر مداومت ہو' اگرچہ تھوڑی ہو اور آپ جب نماز پڑھتے تو ناغہ نہیں فرماتے تھے۔

[لغات]

''کله'' سابقاً گزر چکا کہ اس سے مراد اکثر مہینہ ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی وارد ہے: ''کان یصوم شعبان او عامة شعبان'' اور بعض میں یہ لفظ وارد ہے: ''کان یصومه کله الا قلیلا'' یعنی شعبان یا اکثر شعبان میں روزہ رکھتے۔ پورے شعبان میں روزہ رکھتے' مگر تھوڑے دن۔

''یَمَلّ'' اس کا مصدر ''ملال'' ہے' جس کے معنی اُکتانے کے ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات پر یہ محال ہے۔ یہاں اس کے لازمی معنی مراد ہیں۔ اُکتانے والا کام چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل کا ثواب روکے گا نہیں' نہ اس کے خزانے میں کمی ہے اور نہ وہ عاجز ہے اور نہ بخیل۔ ''ما دیم علیه'' یعنی یہ زیادہ پسند نہیں کہ کبھی کبھار خوب نمازیں پڑھی جائیں' پھر چھوڑ دی جائیں یا اس میں کمی کر دی جائے' بلکہ چاہیے یہ کہ انسان اپنی طاقت بھر اور مصروفیات کا لحاظ کر کے نفل نماز اور روزہ یا کوئی بھی کارِ خیر' ذکر' ورد' وظیفہ اتنی مقدار میں کرے جسے بلا ناغہ پابندی کے ساتھ ادا کر سکے' اس سے معلوم ہوا کہ نفلی کام پر پابندی اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے' اسی سے وہابیوں کے اس زعم فاسد کا رد ہو گیا' جو وہ کہتے ہیں کہ میلاد' فاتحہ وغیرہ چونکہ بلا ناغہ لوگ پابندی سے کرتے ہیں' اس لیے وہ حرام و گناہ' البتہ کسی مستحب کام کو واجب سمجھنا جائز نہیں' یہ ایک الگ بات ہے' کوئی مسلمان میلاد' قیام' نیاز' فاتحہ' عرس وغیرہ کو واجب نہیں جانتا۔ سب مسلمان اسے مستحب اور مستحسن جانتے ہیں' البتہ کرتے ہیں پابندی کے ساتھ' جو شارع کو پسند ہے۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِفْطَارِهِ (ص ۲۶۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں جو ذکر کیا جاتا ہے

۱۱٦۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَا صَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا قَطُّ غَيْرَ رَمَضَانَ وَيَصُوْمُ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ لَا وَاللّٰهِ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ لَا وَاللّٰهِ لَا يَصُوْمُ.

(مسلم۔ کتاب الصوم ترمذی۔ کتاب الشمائل' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں پورے مہینے روزہ نہیں رکھا اور روزہ رکھتے اتنا کہ کہنے والا کہتا: بخدا! نہیں چھوڑیں گے اور روزہ چھوڑ دیتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: بخدا! اب روزہ نہیں رکھیں گے۔

۱۱٦۳- ح: مَا كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَرَاهُ مِنَ الشَّهْرِ صَائِمًا

[مہینہ میں جب میں چاہتا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو روزہ دار دیکھوں]

۱۱٦۳- أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ صِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَرَاهُ مِنَ الشَّهْرِ صَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ وَلَا

حمید نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مہینہ میں جب میں چاہتا کہ حضور کو روزہ دار دیکھوں تو روزے دار دیکھتا اور جب

مُفْطِرًا اِلَّا رَاَيْتُهٗ وَلَا مِنَ اللَّيْلِ قَائِمًا اِلَّا رَاَيْتُهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتُهٗ وَلَا مَسِسْتُ خَزَّةً وَّلَا حَرِيْرَةً اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَةً وَّلَا عَنْبَرَةً اَطْيَبَ رَائِحَةً مِّنْ رَّائِحَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

بے روزے کے دیکھنا چاہتا تو بے روزے کے دیکھتا اور رات میں جب نماز پڑھتے دیکھنا چاہتا تو نماز پڑھتے دیکھتا اور سوتے ہوئے دیکھنا چاہتا تو سوئے ہوئے دیکھتا' اور میں نے کسی ریشم یا کسی ریشمی کپڑے کو نہیں چھوا جو حضور کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کسی مشک یا عنبر کو نہیں سونگھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوشبودار ہو۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب التہجد۔ باب: قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص ۱۵۳)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں روزے بھی رکھتے اور بغیر روزے کے بھی رہتے' اسی طرح رات میں سوتے بھی تھے اور تہجد بھی پڑھتے تھے۔ نہ یہ کرتے کہ مسلسل پورا مہینہ روزے سے رہتے یا کسی مہینے بالکل روزہ نہ رکھتے' یا پوری رات سوتے یا پوری رات جاگتے۔ حضور اقدس ﷺ نے نہ کبھی صوم دہر رکھا اور نہ رات رات بھر عبادت کی' تاکہ اُمت کے لیے آسانی ہو' اگرچہ حضور اقدس ﷺ اتنی قوت رکھتے تھے کہ اگر مدۃ العمر روزہ رکھتے اور مدۃ العمر پوری پوری رات شب بیداری کرتے تو بھی حضور کے قویٰ پر کوئی اثر نہ پڑتا۔

بَابُ حَقِّ الْجِسْمِ فِي الصَّوْمِ (ص ۲۶۵)

روزے میں جسم کا حق

۱۱۶۴ - ثَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ بِحَسْبِكَ اَنْ تَصُوْمَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ اَمْثَالِهَا فَاِذًا ذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ فَصُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللّٰهِ دَاوٗدَ وَلَا تَزِدْ عَلَيْهِ قُلْتُ مَا كَانَ صِيَامُ نَبِيِّ اللّٰهِ دَاوٗدَ قَالَ نِصْفُ الدَّهْرِ قَالَ فَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ يَقُوْلُ بَعْدَ مَا كَبِرَ يَا لَيْتَنِيْ قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ایضاً۔ باب: صوم الدہر ص ۲۶۵)

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا: مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم (ہمیشہ) دن میں روزے رکھتے ہو اور رات میں قیام کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ! فرمایا: اب ایسا مت کر' روزہ رکھ اور بے روزہ رہ' رات کو قیام بھی کر اور سو بھی' بے شک تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور بے شک تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے اور بے شک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے اور بے شک تیرے ملاقاتیوں کا تجھ پر حق ہے اور تجھے یہ کافی ہے کہ ہر مہینے تین دن روزہ رکھ لے' کیونکہ ہر نیکی دس گنا تک ہے' یہ صیام دھر ہو گیا' میں نے حضور سے سختی چاہی تو مجھ پر سختی کی گئی' میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں قوت پاتا ہوں' فرمایا: اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھ اور اس پر زیادہ مت کر' میں نے عرض کیا: اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا تھا؟ فرمایا: آدھے زمانے کا۔ راویٔ حدیث نے کہا: حضرت عبداللہ معمر ہونے کے بعد کہا کرتے تھے: اے کاش کہ میں نے نبی ﷺ کی رخصت قبول کر لی ہوتی۔

اس کے بعد والی روایت میں ہر مہینے میں تین دن روزے کا حکم دینے کے بعد ہے کہ ایک دن روزہ رکھ اور دو دن مت رکھ۔

زور

اصل میں مصدر تھا' اسم کی جگہ استعمال کیا جانے لگا' یہ واحد' تثنیہ' جمع' مذکر' مؤنث' سب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہی راجح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زائر کی جمع ہے جیسے تاجر کی تجر۔ اس سے مراد خاص مہمان ہے یا ہر ملاقاتی' یعنی اگر کوئی مہمان آئے تو اس کے شایانِ شان اس کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی ملاقات کے لیے آئے تو اس سے بھی خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنی چاہیے اور اچھا برتاؤ کرنا چاہیے' جسم کا حق یہ ہے کہ اسے حسب ضرورت بدل ما یتحلل کے لیے غذا دی جائے اور اسے آرام پہنچایا جائے' اور آنکھ کا حق یہ ہے کہ اسے بہ قدرِ ضرورت سونے کا موقع دیا جائے' اور بیوی کا حق یہ ہے کہ نان نفقہ کے ساتھ ساتھ اس کی جنسی خواہشات کا خیال رکھا جائے اور اسے پورا کیا جائے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مہینے کے تین روزے رکھنا ایسا ہے کہ عمر بھر روزے دار رہا' اس لیے کہ ایک نیکی اللہ عزوجل کے ہاں دس گنا ہے' تو تین روزے ایک مہینے کے برابر ہو گئے۔ ان تین روزوں سے یا تو ایامِ بیض کے روزے مراد ہیں' یا مطلقاً بلا تعیین کسی بھی تاریخ کے تین روزے مراد ہیں۔

جیسا کہ مسلم[1] میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ معاذہ عدویہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا: ہاں! پھر میں نے ان سے پوچھا: مہینے کے کن دنوں میں؟ فرمایا: اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کن دنوں میں روزہ رکھتے۔

اس بارے میں علماء کے دس اقوال ہیں' دو یہ' تیسرے بارہ' تیرہ چودہ۔ چوتھے: ابتدائی تین تاریخوں کے روزے۔ پانچویں: مہینہ کے پہلے شنبہ' یک شنبہ' دوشنبہ' پھر دوسرے مہینے میں پہلے سہ شنبہ' چہار شنبہ' پنج شنبہ کے روزے۔ چھٹے: ہر مہینہ کی آخری تاریخوں کے روزے' یعنی ستائیس' اٹھائیس' انتیس۔ ساتویں: دوشنبہ' پنج شنبہ پھر دوشنبہ کے روزے۔ آٹھویں: ہر مہینہ کی پہلی' دسویں' بیسویں کے روزے۔ نویں: پہلی' گیارھویں' بیسویں کے روزے۔ دسویں: ایامِ بیض کے روزے تو رکھے ہی' ان کے علاوہ کسی بھی دن تین اور روزے رکھے۔

امام مسلم نے بہ طریق حسین معلم' "وان لزورك عليك حقا" کے بجائے "وان لولدك عليك حقا" یعنی تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے' روایت کیا' نسائی میں اخیر میں یہ زیادہ ہے: اور یقیناً تیری عمر زیادہ ہوگی۔

یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ تم معمر اور مسن ہو گے' اس وقت پچھتاؤ گے' جیسا کہ اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بوڑھے ہو گئے تو حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے: اے کاش! کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رخصت منظور کر لی ہوتی۔ اس کے بعد بہ طریق ابو العباس شاعر جو روایت ہے' اس میں اخیر میں یہ زیادہ ہے:

قَالَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا وَّكَانَ لَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى قَالَ مَنْ لِّيْ بِهٰذِهٖ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ عَطَاءٌ لَّا أَدْرِيْ كَيْفَ ذَكَرَ صِيَامَ الْأَبَدِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ مَرَّتَيْنِ.

حضور نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے' اور جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو بھاگتے نہیں تھے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میرے لیے اس عادت کا کون کفیل ہوگا؟ اے اللہ کے نبی! امام عطاء نے کہا: یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ اس موقع پر صیام ابد کا ذکر کیسے آیا' مگر یہ یاد ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۶۷۔ کتاب الصوم۔ باب: استحباب صيام ثلثة ايام من كل شهر

نے ہمیشہ روزہ رکھا' اس نے روزہ نہیں رکھا' دوبار فرمایا۔

(ایضاً۔ باب: صوم الدھر۔ باب: حق الاھل فی الصوم ص ۲۶۵' باب: صوم داؤد علیه السلام ص ۲۶۶' ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: ان لزوجك علیك حقا ص ۷۸۳' کتاب الادب۔ باب: حق الضیف ص ۹۰۵' مسلم' نسائی۔ کتاب الصوم)

اس حدیث کے ایک راوی عباس مکی شاعر تھے' شعراء چونکہ عام طور پر مبالغہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں' اس لیے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ان کی روایت معتبر نہ ہو' اس کے ازالے کے لیے راوی نے یہ بھی کہا: ''وکان لایتھم فی الحدیث'' اور وہ حدیث میں متہم نہیں تھے۔

وکان لا یفر

یعنی اس کے باوجود ایک دن کے ناغے کے بعد مسلسل روزہ رکھتے تھے' حضور داؤد علیہ السلام میں کوئی ضعف نہیں پیدا ہوا۔

من لی بھذہ

یعنی میں اگر اس طرح روزہ رکھوں اور میرے اندر اتنا ضعف نہ پیدا ہو اور اتنی قوت باقی رہے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت ٹھہر سکوں' اس کی ضمانت کون لے گا؟

قال عطاء

امام عطاء یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ تو مجھے یاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: جس نے ہمیشہ روزہ رکھا' اس نے روزہ نہیں رکھا' مگر اس کا تذکرہ کیسے آیا یہ مجھے یاد نہیں۔ یہ ان کی حدیث کی روایت میں غایت احتیاط ہے۔

صیام ابد

اسی کو صیام دھر بھی کہتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ سال بھر تک بلاناغہ لگا تار روزے رکھے جائیں اور رات میں کھایا پیا جائے۔ اور صوم وصال سے مراد یہ ہے کہ رات میں بھی کچھ کھایا پیا نہ جائے' اگرچہ دو چار روز ہی ہو۔ یہ جو ارشاد فرمایا: جس نے صوم ابد رکھا' اس نے روزہ نہیں رکھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ لگا تار روزے رکھے گا تو اس کی طبیعت روزے کی عادی ہو جائے گی' دن میں کھانے پینے کی خواہش نہ ہوگی' روزے میں جو مشقت ہوتی ہے وہ نہ ہوگی' تو وہ ایسا ہے گویا اس نے روزہ ہی نہ رکھا۔ یہ خبر ہے اور اگر اس خبر کو نہی کے معنی میں مانیں تو یہ ارشاد ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ اتنے کمزور ہو جائیں گے کہ جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کو ادا نہیں کر پائیں گے' خواہ وہ حقوق دینی ہوں یا دنیوی' مثلاً نماز' جہاد' بچوں کی پرورش کے لیے کمائی' اور اگر مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ حقوق واجبہ تو کما حقہ ادا کر لیں گے' مگر حقوق غیر واجبہ ادا کرنے کی قوت نہیں رہے گی' ان کے لیے روزہ مکروہ یا خلاف اولیٰ ہے اور جنہیں اس کا ظن غالب ہو کہ صوم دھر رکھنے کے باوجود تمام حقوق واجبہ' مسنونہ' مستحبہ کما حقہ ادا کر لیں گے' ان کے لیے کراہت بھی نہیں۔

بعض صحابہ کرام جیسے حضرت ابو طلحہ انصاری اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم صوم دھر رکھتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح بہت سے تابعین اور اولیاء کرام سے بھی صوم دھر رکھنا منقول ہے۔ (اشعۃ اللمعات۔ ج ۲ ص ۱۰۰)

بَابُ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (ص ۲۶۵) حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ

۱۱۶۵- اَخْبَرَنِیْ اَبُو الْمَلِیحِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْكَ ابو الملیح نے مجھے خبر دی کہ میں تمہارے والد کے ساتھ حضرت

عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَحَدَّثَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي فَدَخَلَ عَلَيَّ فَاَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَجَلَسَ عَلَى الْاَرْضِ وَصَارَتِ الْوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَقَالَ اَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خَمْسًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سَبْعًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تِسْعًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِحْدٰى عَشْرَةَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَطْرَ الدَّهْرِ صُمْ يَوْمًا وَّاَفْطِرْ يَوْمًا.

(بخاری۔ج ۲۔کتاب الاستیذان۔باب: من القی له وسادة ص ۹۲۸، مسلم، نسائی۔کتاب الصوم)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ہم سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے روزے کا ذکر کیا گیا تو حضور میرے پاس تشریف لائے، میں نے حضور کی خدمت میں چمڑے کا گدا پیش کیا، جس کی بھرن کھجور کی چھالوں کی تھی حضور زمین پر بیٹھ گئے اور گدا میرے اور حضور کے درمیان ہو گیا۔ حضور نے فرمایا: کیا ہر مہینے میں تین روزے تجھے کافی نہیں! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمایا: پانچ دن روزہ سے رہو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمایا: سات دن، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمایا: نو دن، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمایا: گیارہ دن اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صوم داؤد علیہ السلام کے اوپر کوئی روزہ نہیں، آدھے زمانے کا، ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن چھوڑ دے۔

مع ابیك

یہ خطاب ابوقلابہ راوی حدیث سے ہے، ان کے والد کا نام زید تھا، جیسا کہ کتاب الاستیذان کی روایت میں تصریح ہے "مع ابیك زید"۔ اس حدیث میں تفصیل ہے، اس مضمون کی دوسری حدیثوں میں اختصار ہے کہ پہلے ارشاد فرمایا کہ ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھ اور اس کے بعد فرمایا: صوم داؤد رکھ۔ اور اس حدیث میں یہ ہے کہ بالترتیب پانچ سات نو اور گیارہ دن روزہ رکھنے کی اجازت دی، پھر ان کا شوق زیادہ دیکھ کر صوم داؤد کی اجازت دی۔ اس حدیث میں بھی ایک شق رہ گئی، جو باب صوم الدھر میں مذکور ہے کہ ایک دن روزہ رکھ اور دو دن ناغہ کر۔ اس حدیث میں "یا رسول اللّٰه" کے پہلے "لا یکفینی" محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مجھے کافی نہیں، یارسول اللہ! اس حدیث میں "صم" امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ ندب کے لیے ہے، جس پر حدیث کا سیاق قرینہ ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلسل بلا ناغہ روزہ رکھنے سے افضل صوم داؤد ہے کہ صاف صاف ارشاد ہے: "لا صوم فوق صوم داؤد" صوم داؤد سے اوپر کوئی روزہ نہیں، یعنی اس سے افضل نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے اعمال صالحہ ایسے شخص کو بتانا جائز ہے جو اس کا خیر خواہ ہو، مثلاً استاذ یا پیر ہو۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نوافل میں اتنا تعمق اور اتنی سختی اور اتنی کثرت جس کا نبھانا مشکل ہو پسندیدہ نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کوئی دینی مقتدا اپنے گھر آئے تو اس کے شایان شان اس کی آؤ بھگت کرنی چاہیے اعزاز و اکرام کرنا چاہیے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کرام اس عہد میں کتنی عسرت اور تنگ دستی میں تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضور کے لیے کھجور کی چھالوں سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا پیش کیا، اگر ان کے پاس اس سے عمدہ بستر ہوتا تو ضرور اسی کو پیش کرتے۔

بَابُ صِيَامِ اَيَّامِ الْبِيضِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ (ص ۲۶۶)

ایام بیض تیرہ، چودہ، پندرہ کے روزے

۱۱۶۶- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَوْصَانِي خَلِيلِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے: ہر مہینے میں دن

من کل شھر و رکعتی الضحی و ان اوتر قبل ان انام. (بخاری۔ کتاب الصوم۔ باب: صیام ایام البیض ثلاث عشرۃ) دن کے روزے کی اور چاشت کی دو رکعتوں کی اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔

البیض

"البیض"، "ابیض" کی جمع ہے، جس کے معنی سفید کے ہیں، یعنی وہ ایام جن کے دن اور رات دونوں روشن ہوں یا جن کی راتیں روشن ہیں۔ ان تین تاریخوں میں رات بھر چاندنی رہتی ہے، اس لیے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ان کے دن اور رات دونوں منور ہیں۔

یہ حدیث نزہۃ القاری، ج ۲ ص ۵۷۸، رقم: ۸۰۷ میں گزر چکی ہے، وہاں یہ زائد ہے: میں ان کو مرتے دم تک نہ چھوڑوں گا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نوافل پر بھی مداومت اور پابندی شرعاً محبوب ہے۔

مطابقت باب

یہاں باب کا عنوان ہے: ایامِ بیض تیرہ چودہ پندرہ کے روزے۔ حدیث میں نہ ایامِ بیض کا ذکر ہے، نہ ان تاریخوں کا۔ صرف یہ مذکور ہے کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ مطابقت کی تقریر یہ ہے کہ اس حدیث میں یہاں جو روایت ہے اس میں نہ ایامِ بیض مذکور ہے نہ یہ تاریخیں مگر دوسری احادیث میں دونوں باتیں مذکور ہیں۔

قاضی یوسف بن اسماعیل نے "کتاب الصوم" میں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوذر، عمار، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کیا تم لوگوں کو وہ دن یاد ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں فلاں جگہ تھے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص خرگوش لایا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کے ساتھ خون دیکھا ہے (اسے حیض آیا ہے)، حضور نے ہمیں کھانے کی اجازت دی، ہم نے کھایا اور حضور نے نہیں تناول فرمایا۔ ان لوگوں نے عرض کیا: ہاں! یاد ہے، پھر حضور نے اس شخص سے کہا: اس کے قریب ہو اور کھا! تو اس نے عرض کیا: میں روزے سے ہوں، پوچھا: کون سا روزہ؟ کہا: ہر مہینے کا تین دن والا روزہ۔ شروع کا یا آخر کا یا بیچ کا آسان ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کا ہے کا حکم دیا؟ ان لوگوں نے عرض کیا: ہاں! تیرہ، چودہ پندرہ کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۹۵)

اصل حدیث نسائی[1] میں بھی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوم القاحہ ہمارے ساتھ کون تھا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خرگوش لایا گیا، جو صاحب لائے تھے انہوں نے عرض کیا: میں نے دیکھا ہے کہ اسے خون (حیض) آتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول نہیں فرمایا، پھر حضور نے حاضرین سے فرمایا: کھاؤ! تو ایک صاحب نے کہا: میں روزے سے ہوں۔ حضور نے دریافت فرمایا: اور تیرا روزہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہر مہینے تین دن۔ فرمایا: تو کہاں ہے تین سفید روشن دنوں سے تیرہ، چودہ، پندرہ۔ قاحہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔

نیز نسائی[2] میں حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مہینے میں تین دن کا روزہ صیام دھر ہے اور ایامِ بیض تیرہ، چودہ، پندرہ ہیں۔ ایک روایت میں ایام البیض بغیر واؤ کے ہے۔ اور ایک روایت میں "ایام البیض صبیحۃ ثلث عشرۃ (الخ)" ہے[3]۔ ان دونوں روایتوں کی بناء پر ایام البیض صیام ثلثہ ایام سے بدل ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایامِ بیض تیرہ، چودہ، پندرہ کی تاریخیں ہیں۔

---

[1] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۹۷۔ کتاب الصید۔ باب: الارنب [2] نسائی۔ ج ۱ ص ۲۸۳۔ کتاب الصیام۔ باب: کیف یصوم ثلثۃ ایام
[3] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۹۵

عبدالملک بن منہال اپنے والد سے' وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ایامِ بیض تیرہ' چودہ' پندرہ تاریخ کے روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے: یہ صومِ دھر کے مثل ہے۔[1] نیز نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "ان کنت صائما فصم الغر"[2] اگر تجھ کو روزہ رکھنا ہے تو روشن دنوں کا روزہ رکھ۔ "الغر" "اغر" کی جمع ہے' اس کا موصوف "الایام" محذوف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ روشن دنوں کا روزہ رکھ' یہ ایامِ بیض کی دوسری تاویل ہے۔ چنانچہ موسیٰ بن طلحہ کی حدیث کے ایک طریقے میں یہ وارد ہے: "بالغر البیض ثلث عشرة الخ" اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ غرہ بیض کے معنی میں ہے۔ اور امام بخاری کی عادت معلوم ہے کہ اگر کوئی حدیث مختلف طرق سے مروی ہو اور اس کے کچھ طرق ضعیف یا متکلم فیہ ہوں یا امام بخاری کی شرط پر صحیح نہ ہوں لیکن اگر وہ حدیث یا اس کے کچھ اجزاء کسی ایسے طریقے سے مذکور ہوں جو امام بخاری کی شرط پر صحیح ہوں تو امام بخاری اپنے متروک طریقہ کو سامنے رکھ کر باب قائم کر دیتے ہیں۔ اور اس باب کے ضمن میں اس حدیث کا وہ حصہ ذکر کر دیتے ہیں' جو ان کی شرط پر صحیح ہو۔ وہی طریقہ یہاں بھی برتا ہے۔

مسئلہ: ہماری ذکر کردہ حدیثوں سے ثابت ہوا کہ وہ جو بعض کی حدیثوں میں مذکور ہے: ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھو۔ اس سے ایامِ بیض ہی کے روزے مراد ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے اور یہی راجح ہے۔

بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَمْ يُفْطِرْ عِنْدَهُمْ (ص۲۶٦)

جو کسی قوم کی زیارت کے لیے گیا اور وہاں روزہ نہیں توڑا

۱۱٦۷- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَّسَمْنٍ فَقَالَ اَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهِ وَتَمْرَكُمْ فِيْ وِعَاءِهٖ فَاِنِّيْ صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَيْمٍ وَّاَهْلِ بَيْتِهَا فَقَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ خُوَيْصَّةً قَالَ مَا هِيَ قَالَتْ خَادِمُكَ اَنَسٌ فَمَا تَرَكَ خَيْرَ اٰخِرَةٍ وَّلَا دُنْيَا اِلَّا دَعَا لِيْ بِهٖ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَّوَلَدًا وَّبَارِكْ لَهٗ فَاِنِّيْ لَمِنْ اَكْثَرِ الْاَنْصَارِ مَالًا وَّحَدَّثَتْنِيْ ابْنَتِيْ اُمَيْنَةُ اَنَّهٗ دُفِنَ لِصُلْبِيْ مَقْدَمَ الْحَجَّاجِ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَّعِشْرُوْنَ وَمِائَةٌ۔

(مسند امام احمد۔ ج٦ ص۱۰۸۔ ۱۸۸۔ ۲۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ اُم سلیم کے یہاں تشریف لائے' اُم سلیم نے حضور کی خدمت میں چھوہارے اور گھی پیش کیا تو حضور نے فرمایا: گھی کو اس کے مشک میں اور چھوہاروں کو اس کے برتن میں لوٹا دو' اس لیے کہ میں روزے سے ہوں' اس کے بعد حضور گھر کے ایک گوشے میں کھڑے ہوئے اور نفل نماز پڑھی اور اُم سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد اُم سلیم نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا ایک خاص بچہ ہے' دریافت فرمایا: کون ہے وہ؟ عرض کیا: آپ کا خادم انس۔ اب حضور نے آخرت اور دنیا کی ہر خیر کی میرے لیے دعا فرمائی۔ (یہ دعا فرمائی:) اے اللہ! اسے مال اور اولاد دے اور اسے برکت عطاء فرما۔ (حضرت انس کہتے ہیں:) میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں اور میری بیٹی امینہ نے مجھ سے بیان کیا کہ بصرہ میں حجاج کے آنے کے وقت تک میرے صلب کے ایک سو بیس سے زیادہ

---

[1] ابوداؤد۔ ج۱ ص۳۳۲۔ باب: فی صوم ثلث فی کل شھر' نسائی۔ ج۱ ص۳۲۹۔ کتاب الصیام۔ باب: کیف یصوم ثلثة ایام' ابن ماجہ ص۱۲۳۔ کتاب الصوم۔ باب: ما جاء فی صیام ثلثة ایام من کل شھر

[2] نسائی۔ ج۲ ص۱۹۷۔ کتاب الصید۔ باب: الارنب' کتاب الصیام۔ ج۱ ص۳۲۸۔ باب: کیف یصوم ثلثة ایام من کل شھر

اشخاص دفن کیے جا چکے ہیں۔

یہ حدیث افراد بخاری سے ہے۔ اُم سلیم' عام شراح نے یہ لکھا ہے کہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں' اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں نیز ان کی بہن اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے' مگر علامہ عینی نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عورت کے گھر تشریف نہیں لے جایا کرتے تھے' یعنی خاص اس سے ملاقات کے لیے سوائے اُم سلیم کے۔ حضور سے اس بارے میں سوال ہوا' تو آپ نے فرمایا: ان پر یہ مہربانی اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے بھائی حرام (رضی اللہ عنہ) شہید ہو چکے ہیں۔[1] اگر واقعی اُم سلیم حضور کی خالہ ہوتیں تو اوّلاً کوئی سوال ہی کیوں کرتا اور اگر کوئی سوال کرتا تو ارشاد فرمادیتے کہ وہ میری خالہ ہیں۔ یہ نہ فرماتے کہ ان کے بھائی شہید ہو گئے ہیں' اس لیے ان پر مہربانی کرتا ہوں۔ بہ وقت حاجت بیان نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حجاب کے حکم سے پہلے کا معاملہ ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں' اس لیے حضور کے لیے جائز تھا اور عام عورتوں کے یہاں نہ جانا اس احتیاط کے پیش نظر تھا کہ اور لوگ اس کو سنت نہ بنالیں یا منافقین کو غلط پروپیگنڈے کا موقع نہ ملے۔

فانی صائم

اس سے معلوم ہوا کہ میزبان کی خوشنودی کے لیے نفل روزہ بھی مہمان کو توڑ دینا واجب نہیں' بلکہ بلا عذر توڑ دینا ممنوع ہے۔ پوری بحث گزر چکی ہے۔

خادمك انس

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس کی والدہ حضرت اُم سلیم نے انہیں لا کر خدمت اقدس میں پیش کیا کہ خدمت کرے گا۔ دس سال تک انہوں نے خدمت کی' ان کی کنیت ابوحمزہ ہے۔ حمزہ ایک قسم کا ساگ ہوتا ہے جس کو عربی میں جرجیر بھی کہتے ہیں' جسے ہمارے نزدیک چنسر کہا جاتا ہے اور فارسی میں تیرہ تیزک۔ حضرت انس کو یہ بہت پسند تھا' اسے چن چن کر لاتے تھے' اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کنیت ابوحمزہ رکھی۔ یہاں ابتداء میں ہے کہ دنیا اور آخرت کے ہر خیر کی میرے لیے دعا کی لیکن دعا کے جو الفاظ مذکور ہیں' اس میں آخرت کے لیے کوئی لفظ نہیں' یہاں اختصار ہے۔ ابن سعد نے جعد سے اسناد صحیح کے ساتھ جو روایت کی' اس کے الفاظ یہ ہیں:

اللهم اكثر ماله وولده واطل عمره واغفر ذنبه (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۹۹)

اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو کثیر کر اور اس کی عمر کو دراز کر' اور اس کے گناہ کو بخش دے۔

جعد ہی سے مسلم[2] کی روایت میں یوں ہے: حضور نے میرے لیے تین دعائیں کیں' میں نے ان میں سے دو کو دنیا میں دیکھا اور تیسرے کی آخرت میں اُمید کرتا ہوں۔ یہ تیسری وہی دعائے مغفرت ہے جسے ابن سعد نے روایت کیا۔ ترمذی[3] میں ہے کہ ابو العالیہ نے کہا کہ حضرت انس کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا اور اس میں ایک پھول تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی۔ ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت انس نے کہا: میری زمین سال میں دو مرتبہ پھلتی ہے اور شہر میں کوئی درخت ایسا نہیں جو دو مرتبہ پھلتا ہو۔

۱۔ عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۹۹ ۲۔ مسلم۔ ج ۲ ص ۲۹۸۔ باب: فضائل الصحابۃ۔ باب: فضائل انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۳۔ ترمذی۔ ج ۲ ص ۲۲۲۔ کتاب المناقب

اُمَیْنَه

یہ آمنہ کی تصغیر ہے' یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں' یہاں یہ خاص بات ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سے روایت کی' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خود حضرت انس کو یاد نہیں تھا کہ میری کتنی اولاد فوت ہو چکی ہے۔ بخاری کی اس روایت میں ہے کہ ایک سوبیس سے کچھ اوپر۔ ''بضع'' کا لفظ تین سے نو تک آتا ہے' یہاں روایتیں مختلف ہیں۔ بیہقی کی ایک روایت ایک سوانتیس ہے۔ اور خطیب کی روایت ''الآباء عن الاولاد'' میں اسی طریقے سے ایک سوتیس ہے اور حفصہ بنت سیرین کی روایت میں ایک سوپچیس ہے۔ ان میں سے کوئی پوتا یا نواسہ نہیں تھا' سب ان کے بیٹے یا بیٹیاں تھیں' یہ تو وہ تھے جو فوت ہو گئے تھے۔ وہ بھی ۷۵ھ تک' جس سال حجاج بصرہ کا والی بن کر آیا تھا' جو زندہ تھے ان کے بارے میں خود حضرت انس فرماتے ہیں: میری اولاد اور اولاد کی اولاد سو سے زیادہ ہیں۔ (مسلم۔ ج ۲۔ باب:فضائل الصحابة' باب فضائل انس بن مالك ص ۲۹۸)

یہ اولاد میں برکت تھی' عمر میں برکت یہ تھی کہ سو سال سے زائد عمر پائی۔ خود فرمایا کرتے کہ میں زندگی سے اکتا گیا ہوں' ہجرت کے وقت ان کی عمر دس سال تھی' ۹۳ھ میں وصال فرمایا۔ یہاں بخاری کی روایت میں ہے کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں' مگر مسند امام احمد میں یہ ہے کہ وہ سوائے اپنی انگوٹھی کے سونے اور چاندی کے مالک نہیں تھے۔ (ج ۳ ص ۱۰۸-۲۴۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ نقد ان کے پاس نہیں تھا' باغات وغیرہ تھے۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل متخرج ہوئے:

(۱) جب کوئی شخص ملاقات کے لیے آئے' حسب مقدور اس کو کھلانا پلانا چاہیے۔ اہل عرب کا مقولہ ہے: ''من زار احدا ولم یاکل عندہ شیئا فکانما زار میتا'' جو کسی کی ملاقات کے لیے گیا اور اس کے یہاں کچھ کھایا نہیں' گویا وہ مردے کی ملاقات کے لیے گیا۔

(۲) میزبان کی خوشنودی کے لیے بلا عذر شرعی مہمان کو نفل روزہ بھی توڑنا جائز نہیں۔

(۳) دعا سے پہلے کم از کم دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیے' اس سے قبول ہونے کی زیادہ امید ہے (۴) بزرگوں کو چاہیے کہ اپنے خدام کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔

اس حدیث سے حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی شفقت مادری کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے لیے دعا کے واسطے نہیں عرض کیا اپنے صاحبزادے کے واسطے عرض کیا' اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ جو دعا فرمائی حرف بحرف پوری ہوئی۔ یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ دوسرا ہے جو پہلے گزر چکا ہے' جس میں مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم سلیم کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں کھانا تناول فرمایا اور ایک پرانی چٹائی پر نماز پڑھی' اس لیے کہ یہاں اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور نے وہاں کچھ تناول نہیں فرمایا روزے سے تھے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ کھانا تناول فرمایا۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور کے پیچھے میں اور یتیم کھڑے تھے اور میرے پیچھے بوڑھی۔ اور یہاں مسلم کی روایت میں ہے کہ اُم حرام اور اُم سلیم کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا اور مجھے اپنے دائیں طرف۔ (مسلم۔ ج ۱۔ باب:المساجد' باب: جواز الجماعة فی النافلة ص ۲۳۴)

بَابُ الصَّوْمِ مِنْ اٰخِرِ الشَّهْرِ (ص ۲۶۶) آخر مہینے کا روزہ

۱۱۶۸- عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَاَلَهُ اَوْ سَاَلَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران سے پوچھا یا کسی اور صاحب سے پوچھا

رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ قَالَ اَظُنُّهُ قَالَ يَعْنِي رَمَضَانَ قَالَ الرَّجُلُ لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ لَمْ يَقُلِ الصَّلْتُ اَظُنُّهُ يَعْنِي رَمَضَانَ وَقَالَ ثَابِتٌ عَنْ مُّطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَشَعْبَانُ اَصَحُّ.

(مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الصوم)

اور عمران سن رہے تھے، پس فرمایا: اے فلاں! کیا تو نے اس مہینے کے سرر کا روزہ نہیں رکھا؟ ابونعمان نے کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ حضور نے فرمایا تھا: یعنی رمضان کے۔ ان صاحب نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ! فرمایا: جب تو نے یہ روزہ نہیں رکھا تو دو دن روزہ رکھ۔ صلت نے یہ نہیں کہا: اظنہ یعنی رمضان۔ اور ثابت نے عن مطرف عن عمران عن النبی ﷺ "من سرر شعبان" کہا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: اور شعبان اصح ہے۔

انه سأل

یہ شک مطرف اور ثابت دونوں سے ہوا ہے۔ مسلم میں بھی ایسے ہی ہے[1] امام مسلم نے دوسرے دو طریقوں سے مطرف ہی سے بغیر شک کے ابہام کے ساتھ روایت کیا ہے[2] "انہ قال لرجل" ابوعوانہ نے اپنی مستخرج میں[3] اور امام احمد نے اپنی مسند[4] میں بہ طریق سلیمان تیمی مطرف ہی سے بغیر شک کے یہ روایت کیا: "قال لعمران" اس کے علاوہ صفحہ ۴۲۸۔ ۴۴۲۔ ۴۴۴ پر ابہام کے ساتھ "لرجل" ہے اور صفحہ ۴۳۹۔ ۴۴۳۔ ۴۴۹ پر تردید اور شک کے ساتھ ہے۔

سرر هذا الشهر

اس کے معنی چھپانے کے ہیں، یا چھپائے ہوئے کے۔ جمہور نے کہا: اس مہینے کا آخری دن مراد ہے کیونکہ اس دن چاند چھپا رہتا ہے، رات کو بھی نظر نہیں آتا۔ امام ابوداؤد نے امام اوزاعی سے روایت کیا کہ اس سے مراد مہینے کا پہلا دن ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مہینے کا بیچ والا دن ہے، اس لیے کہ سرر کے معنی بیچ کے بھی آتے ہیں اور یہ ایام بیض ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے: مہینے کا آخری روزہ۔ اس سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک سرر سے مراد آخری دن ہے۔

ان صاحب کو یہ روزہ رکھنے کا حکم کیوں فرمایا: علامہ خطابی نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس کی منت مانی ہو یا انہیں اس کی عادت رہی ہو۔ اس خادم کی رائے یہ ہے کہ کوئی خاص بات رہی ہوگی جس کی بناء پر انہیں یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

قال ابو عبد الله

اس روایت میں "یعنی رمضان" ہے، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ رمضان کا روزہ فرض تھا۔ کسی صحابی سے مستبعد ہے کہ وہ رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑتا، پھر خصوصیت سے رمضان کے آخری دن یہ روزے کے پوچھنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اس لیے امام بخاری نے تنبیہ فرمائی کہ اس روایت میں "یعنی رمضان"، راوی کا وہم ہے اور صحیح شعبان ہے، اس کی مؤید دوسری کثیر روایتیں ہیں۔

ذا اصح (الخ)

یہ جملہ ابوذر اور ابوالوقت کے نسخوں میں ہے، دوسرے نسخوں میں نہیں ہے۔ اس میں یہ شبہہ کیا گیا ہے کہ امام بخاری کا خود اپنے کلام کی تفسیر میں "یعنی" لکھنا درست نہیں۔ انہیں "اعنی" کہنا چاہیے تھا، اس لیے علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ زیادتی فربری یا کسی اور راوی نے کی ہے۔ نسفی کے نسخے میں یہ نہیں۔ علامہ عینی نے اس کا رد فرمایا اور اسے امام بخاری ہی کا قول ہونے کی صورت میں

---

1. مسلم، ج اول، ص ۳۶۵۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم سرر شعبان
2. ایضاً
3. عمدۃ القاری، ج ۱۱، ص ۱۰۱
4. مسند امام احمد، ج ۴، ص ۴۴۲

اسے بہ طریق تجرید صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے ہٹ کر یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر چہ یعنی غائب کا صیغہ ہے مگر یہ اپنے حقیقی معنی سے ہٹ کر مطلقاً تفسیر کے لیے بھی شائع وذائع ہے۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ (ص۲۶۶) — جمعہ کے دن کا روزہ

۱۱۶۸م - وَإِذَا أَصْبَحَ صَائِمًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَعَلَيْهِ أَنْ يُفْطِرَ يَعْنِي إِذَا لَمْ يَصُمْ قَبْلَهُ وَلَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ بَعْدَهُ.

اور جب جمعہ کے دن روزے دار ہو تو اس پر واجب ہے کہ روزہ توڑ دے جبکہ اس کے ایک دن پہلے روزہ نہ رکھا ہو اور نہ بعد میں رکھنے کا ارادہ ہو۔

توضیح باب

امام بخاری باب سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی جمعہ کو روزہ رکھ لے تو اس پر واجب ہے کہ اسے توڑ دے، وہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو جائز نہیں جانتے، اس لیے کہ حدیث میں اس سے ممانعت ہے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف جمعہ کو روزہ رکھنا گناہ ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی خاص جمعہ کو روزہ رکھے لیکن اگر کسی نے پنجشنبہ کو روزہ رکھا تو جمعہ کو روزہ رکھ سکتا ہے، یا اس کا ارادہ یہ ہو کہ ہفتہ کو بھی روزہ رکھے گا، تو بھی کوئی حرج نہیں، یا یہ کہ کوئی ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو یا آخیر تاریخ کو روزہ رکھنے کا عادی تھا اور یہ تاریخیں جمعہ کو پڑ گئیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۱۱۶۹- ح: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

[نبی ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا]

۱۱۶۹- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ نَعَمْ زَادَ غَيْرُ أَبِي عَاصِمٍ يَعْنِي أَنْ يَتَفَرَّدَ بِصَوْمِهِ. (مسلم، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

محمد بن عباد نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا نبی ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! ابو عاصم کے علاوہ اوروں نے یہ زیادہ کیا کہ تنہا جمعہ کو روزہ رکھے۔

مسلم[1] میں یوں ہے کہ محمد بن عباد کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ حضرت جابر نے جواب دیا: ہاں! رب کعبہ کی قسم!

زاد غیر ابی عاصم

اس سے مراد یہ ہے کہ عاصم کے علاوہ امام بخاری کے اور مشائخ میں سے کچھ نے اس حدیث میں یہ جملہ بھی روایت کیا ہے۔ ''ان یتفرد بصومہ'' کہ صرف جمعہ ہی کو روزہ رکھے۔ یہ یحییٰ بن سعید قطان ہیں، ویسے امام نسائی نے اس حدیث کو مذکورہ بالا اضافے کے ساتھ مندرجہ ذیل حضرات سے روایت کیا ہے: عمرو بن علی، نضر بن شمیل، حفص بن غیاث۔

اسی سے باب ثابت ہو رہا ہے کہ ممنوع یہ ہے کہ صرف جمعہ کو روزہ رکھا جائے، لیکن اگر ایک دن پہلے یا ایک دن بعد رکھا جائے تو ممنوع نہیں۔

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۶۰۔ کتاب الصوم۔ باب: كراهة افراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته، نسائی۔ ج ۱ ص ۳۲۳۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم النبی ﷺ

ایک اشکال اور اس کا جواب

امام ترمذی[1] نے اپنی ... میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تین روزہ رکھتے تھے اور کم ایسا ہوتا کہ جمعہ کے دن روزہ چھوڑتے تھے۔ نیز امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے روایت کی' دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم نے کبھی حضور کو جمعہ کے دن بغیر روزے کے نہیں دیکھا[2] یہ حدیثیں زیر بحث حدیث کے معارض ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے منع کریں اور خود اس کو کریں' جب تک کہ دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے۔ اور یہاں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنا حضور کے خصائص سے ہو' اس لیے لامحالہ کہنا پڑے گا کہ جمعہ کے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی ضرور روزہ رکھتے تھے تا کہ قول و فعل میں اختلاف باقی نہ رہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے پنج شنبہ اور ہفتہ کو روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

١١٧٠- ح: لَا يَصُوْمَنَّ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[جمعہ کے دن تم ہرگز روزہ نہ رکھو]

١١٧٠- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَصُوْمَنَّ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ اَوْ بَعْدَهُ.

(مسلم۔ ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے: جمعہ کے دن تم ہرگز روزہ نہ رکھو مگر یہ کہ ایک دن پہلے بھی رکھو یا ایک دن بعد بھی۔

١١٧١- ح: دَخَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِىَ صَائِمَةٌ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے پاس تشریف لائے اور وہ روزہ سے تھیں]

١١٧١- عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهِىَ صَائِمَةٌ فَقَالَ اَصُمْتِ اَمْسِ قَالَتْ لَا قَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَصُوْمِىْ غَدًا قَالَتْ لَا قَالَ فَاَفْطِرِىْ[3] وَقَالَ حَمَّادُ بْنُ الْجَعْدِ سَمِعَ قَتَادَةَ حَدَّثَنِىْ اَبُوْ اَيُّوْبَ اَنَّ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَتْهُ فَاَمَرَهَا فَاَفْطَرَتْ.

(ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصوم)

اُم المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس جمعہ کے دن تشریف لائے' اور وہ روزے سے تھیں' فرمایا: کیا کل تو نے روزہ رکھا تھا؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: تو روزہ توڑ دو۔ اور حماد بن جعد نے کہا کہ انہوں نے قتادہ سے سنا' انہوں نے کہا: مجھ سے ابوایوب نے حدیث بیان کی کہ اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ان سے حدیث بیان کی کہ حضور نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے روزہ توڑ دیا۔

قال حماد

یہ تعلیق ہے اس کو امام بغوی نے ''جَمْعُ حَدِيْثِ هُدْبَةَ بْنِ خَالِدٍ'' میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

---

[1] ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: صوم یوم الجمعۃ [2] عمدۃ القاری۔ ج ١١ ص ١٠۴

[3] مسلم' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم

اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

اُم المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، بنی مصطلق کے سردار حارث کی صاحبزادی تھیں۔ ۵ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی مصطلق پر چڑھائی کی، جس میں اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا گرفتار ہوئیں۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔ حضرت قیس نے ایک خطیر رقم کے عوض ان کو مکاتب بنا دیا تھا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بدل کتابت کے لیے اعانت کا سوال کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارا بدل کتابت بھی ادا کروں گا اور اس سے بہتر سلوک کروں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا پورا بدل کتابت ادا فرمایا، پھر ان کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمایا۔ جب صحابہ کرام کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا کہ جس قبیلہ میں حضور کا رشتہ ہو گا، اس قبیلہ والوں کو غلام نہیں رکھیں گے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جویریہ سے زیادہ بابرکت خاتون میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اُم المؤمنین حضرت جویریہ نے فرمایا کہ میں نے پہلے خواب دیکھا کہ یثرب کی طرف سے ایک چاند میری گود میں آ گیا، میں نے اس خواب کو کسی سے بیان نہیں کیا۔

یہ بہت حسینہ جمیلہ، شیریں کلام تھیں۔ ۵۶ھ میں واصل بحق ہوئیں۔

بَابٌ هَلْ يَخُصُّ شَيْئًا مِّنَ الْاَيَّامِ (ص ۲۶۷) — کیا روزے کے لیے کچھ دن خاص کرے؟

۱۱۷۲- عَنْ عَلْقَمَةَ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْتَصُّ مِنَ الْاَيَّامِ شَيْئًا قَالَتْ لَا كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً وَّاَيُّكُمْ يُطِيقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيقُ.

علقمہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دن کو روزے کے ساتھ خاص کرتے تھے؟ فرمایا: نہیں! حضور کا عمل پابندی کے ساتھ ہوتا تھا، حضور جتنی طاقت رکھتے تھے، اتنی تم میں سے کون رکھتا ہے؟

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: القصد والمداومة علی العمل ص ۹۵۷، مسلم۔ کتاب الصیام، ابوداود۔ کتاب الصلوٰۃ، ترمذی۔ کتاب شمائل)

یعنی ایسا نہیں تھا کہ آپ نے مہینے کی کچھ تاریخیں روزے کے لیے یا کسی بھی عمل کے لیے خاص کر لی ہوں کہ ان تاریخوں میں اس کو ضرور کریں۔ اس میں راز یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی پابندی اس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہوتی ہے، اس لیے کچھ دنوں میں یا کچھ تاریخوں میں غالب اکثریت کے ساتھ روزے رکھتے، مگر کبھی کبھار چھوڑ بھی دیتے تاکہ وجوب کا شبہ نہ ہو۔ ورنہ گزر چکا کہ شعبان میں پابندی کے ساتھ بہ کثرت روزے رکھتے۔ یوں ہی دوشنبہ اور پنجشنبہ کو بھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمت پر شفقت کی وجہ سے اپنی طاقت بھر عبادت بالقصد نہیں کیا کرتے تھے۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ (ص ۲۶۷) — عرفہ کے دن کا روزہ

۱۱۷۳- عَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ النَّاسَ شَكُّوْا فِيْ صِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِحِلَابٍ وَّهُوَ وَاقِفٌ فِي الْمَوْقِفِ فَشَرِبَ مِنْهُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ. (مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصیام)

اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزے میں شک کیا تو میں نے حضور کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا اور حضور موقف میں وقوف کیے ہوئے تھے، حضور نے اس میں سے پیا اور لوگ دیکھ رہے تھے۔

عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ایک حدیث[1] میں فرمایا کہ عرفہ کے دن کے روزے سے "میں گمان کرتا ہوں"

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۶۷۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم یوم عرفة، ابن ماجہ۔ باب: صوم یوم عرفة

کہ اللہ تعالیٰ ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹا دے گا' اس لیے صحابہ کرام کو یہ شک ہوا کہ شاید حضور اقدس ﷺ آج حجۃ الوداع کے موقع پر عرفے کو روزے سے ہوں۔ اس حدیث کے مطابق حکم یہ ہے کہ عرفہ کے دن حاجی کو مستحب یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ اس کی دلیل ابوداؤد[1] کی یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عرفہ کے دن عرفہ میں روزے سے منع فرمایا ہے۔ امام الائمہ ابن خزیمہ اور حاکم نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۱۱ص۱۰۹)

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ (ص۲۶۷)

عید الفطر کا روزہ

۱۱۷۴- عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ هٰذَانِ يَوْمَانِ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْيَوْمُ الْآخَرُ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ۔

ابوعبید ابن ازہر کے آزاد شدہ غلام نے کہا کہ میں عید میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا' تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے' تمہاری عید الفطر کے دن اور دوسرے اس دن جس میں تم اپنی قربانی کھاتے ہو۔

(بخاری۔ ج۲۔ کتاب الاضاحی۔ باب: ما يوكل من لحوم الاضاحی ص۸۳۵' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

کتاب الاضاحی کی روایت میں یہ ہے: ابوعبید کہتے ہیں کہ میں یوم الاضحیٰ کی عید کو حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ حاضر ہوا۔ انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی' اس کے بعد لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں عیدوں کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے' الحدیث' پھر میں حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ حاضر ہوا اور یہ جمعہ کا دن تھا' انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی' اس کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اس دن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دو عیدیں جمع فرما دی ہیں' تو اہل عوالی میں سے جسے پسند ہو کہ جمعہ کا انتظار کرے' اسے چاہیے کہ انتظار کرے اور جو لوٹنا چاہے' اس کو میں نے اجازت دے دی۔

ابوعبید نے کہا: پھر میں حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ حاضر ہوا تو انہوں نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی' اس کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے تم کو منع کیا ہے کہ اپنی قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھاؤ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو روزہ رکھنا منع ہے۔

ابتدائے اسلام میں چونکہ بہت عسرت اور تنگدستی تھی' اس لیے اس کی اجازت تھی کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھا جائے' بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

۱۱۷۵- ح: نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ

[آپ (ﷺ) نے عید الفطر اور یوم نحر کے روزوں سے منع فرمایا]

۱۱۷۵- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَعَنِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَعَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم فطر اور یوم نحر کے روزے اور صماء سے اور اس طرح کپڑا لپیٹنے سے کہ اس کی شرمگاہ پر کچھ نہ ہو' اور صبح اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

یہ حدیث نزہۃ القاری' ج۲ص۱۰۲' رقم: ۲۵۴ میں گزر چکی ہے' وہیں صماء اور احتباء کی تشریح کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف باب

[1] ابوداؤد۔ ج۱ص۳۳۰۔ کتاب الصوم۔ باب: صوم عرفة بعرفة

کی مناسبت سے کہ فرمایا: نبی ﷺ نے یوم الفطر اور یوم النحر کے روزے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث ذکر کی گئی ہے۔ نہی کا اصل موجب تحریم ہے اور چونکہ یہ خبرِ واحد ہے' اس لیے اس سے حرام قطعی کا ثبوت نہ ہوگا' البتہ یہ ضرور ثابت ہوگا کہ ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے' جس کا ارتکاب گناہ ہے۔ وہیں اس حدیث کی تخریجات بھی مذکور ہیں۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ النَّحْرِ (ص۲۶۷) — یومِ نحر کے روزے کا بیان

۱۱۷۶- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يُنْهٰى عَنْ صِيَامَيْنِ وَبَيْعَتَيْنِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: دو روزوں اور دو بیع سے منع کیا گیا ہے: عید الفطر کے دن' یومِ نحر کے دن اور (بیع) ملامسہ اور منابذہ سے۔

یہ حدیث بھی نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۲۷' رقم: ۲۵۴ میں گزر چکی ہے' یہاں باب کی مناسبت سے دوبارہ ذکر کی گئی ہے۔ بیع ملامسہ اور منابذہ کی تفسیر وہیں مذکور ہے اور تخریجات بھی۔

۱۱۷۷- ح: رَجُلٌ نَذَرَ اَنْ يَّصُوْمَ يَوْمًا — [ایک شخص نے منت مانی کہ ایک دن روزہ رکھے گا]

۱۱۷۷- عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ رَجُلٌ نَذَرَ اَنْ يَّصُوْمَ يَوْمًا اَظُنُّهُ قَالَ الِاثْنَيْنِ فَوَافَقَ يَوْمَ عِيْدٍ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَمَرَ اللّٰهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ هٰذَا الْيَوْمِ. (مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۶۰)

زیاد بن جبیر نے کہا: ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ کہا: ایک شخص نے منت مانی تھی کہ ایک دن روزہ رکھے گا' میں گمان کرتا ہوں کہ دوشنبہ' یہ عید کے دن پڑ گیا' تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا اور نبی ﷺ نے اس دن کے روزہ سے منع فرمایا ہے۔

بخاری کی اس روایت میں "یوم عید" ہے' اس میں ابہام ہے' یہ عید الفطر بھی ہو سکتی ہے اور عید الاضحیٰ بھی۔ مسند امام احمد کی روایت میں تحدید کے ساتھ دونوں مذکور ہیں' لیکن بخاری[1] کتاب الایمان والنذور میں زیاد بن جبیر ہی سے ایک روایت یہ ہے کہ سائل نے یہ عرض کیا تھا کہ میں نے منت مانی ہے کہ جب تک جیوں گا ہر سہ شنبہ یا چہار شنبہ کو روزہ رکھوں گا۔ یہ دن یوم النحر کو پڑ گیا' تو حضرت ابن عمر نے وہ جواب دیا۔ اخیر میں یہ زائد ہے کہ سائل نے پھر سوال لوٹایا' تو حضرت ابن عمر نے اسی کے مثل فرمایا' کچھ زیادہ نہیں فرمایا۔

سائل یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ میں روزہ رکھوں یا نہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جواب سے چونکہ یہ بات واضح نہیں ہوئی۔ اس نے دوٹوک حکم معلوم کرنے کے لیے دوبارہ سوال کیا' پھر بھی حضرت ابن عمر نے وہی جواب دیا' یہ ان کی احتیاط تھی کہ اس وقت مسئلہ کا حکم ان کے ذہن میں منقح طور پر نہیں آیا تو بیان نہیں فرمایا۔ یہی علماء ربانیین کی شان ہے۔ اسی کو حدیث میں فرمایا گیا: "ان من العلم ان تقول لا اعلم" یہ علم کی بات ہے کہ جو نہ جانتا ہو اس کے بارے میں کہہ دے: میں نہیں جانتا۔

لیکن بخاری[2] ہی میں حضرت عبد اللہ بن عمر ہی کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ ہر دن روزہ رکھے گا' تو یوم اضحیٰ اور یوم فطر کیا کرے گا؟ فرمایا: تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے۔ حضور یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کو روزہ نہیں رکھتے تھے' اور نہ جائز سمجھتے تھے۔ بخاری کی اس روایت میں تعیین ہے کہ یہ دن یوم النحر تھا۔ گیا ان کی منت دوشنبہ یا سہ شنبہ یا چہار شنبہ کی تھی' یہ متعین نہ ہو سکا۔ وہاں "اظنہ" ہے اور یہاں بغیر "اظنہ" کے "یوم الثلاثاء یا

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۹۹۲۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: من نذر ان یصوم ایام فوافق النحر والفطر۔ [2] ایضاً۔ ص ۹۹۱-۹۹۲

"اربعاء" ہے۔ بخاری کی یہاں کی روایت میں آنے والے سائل کا قول ہے: "رجل نذر" اس سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ منت ماننے والے کوئی اور صاحب تھے، مگر بخاری کتاب الایمان کی اور مسلم[1] کی روایت میں ہے: "نذرت" میں نے منت مانی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منت ماننے والے ہی سائل تھے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم ارشاد فرمایا، اگرچہ اشارۃً ہی سہی کہ وہ روزہ نہ رکھے، مگر سوال اب یہ رہ جاتا ہے کہ پھر دوسرے دنوں میں روزہ رکھے یا نہیں؟ ہمارا مذہب یہ ہے کہ دوسرے دنوں میں ضرور رکھے، کیونکہ اس کی منت صحیح ہے اور جب بہ وجہ ممانعت اس دن نہیں رکھا تو دوسرے دنوں میں اس کی قضا واجب ہے۔

البتہ امام زفر، امام شافعی، امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منت ہی صحیح نہیں۔ اس لیے قضا کا کوئی سوال ہی نہیں۔ پوری بحث کتب فقہ میں اور اصول فقہ میں ہے۔

بَابُ صِيَامِ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ (ص ۲۶۸)

ایامِ تشریق کے روزے

۱۱۷۸- عَنْ هِشَامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَصُوْمُ اَيَّامَ مِنًى وَّكَانَ اَبُوْهَا يَصُوْمُهَا.

ہشام سے روایت ہے کہ مجھے میرے والد (عروہ) نے خبر دی کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منیٰ کے دنوں میں روزہ رکھتی تھیں اور ان کے والد (رضی اللہ عنہ) بھی رکھتے تھے۔

امام بخاری نے بجائے "عن" یا "اخبرنی" یا "حدثنی" کے اس حدیث کی سند کے ابتداء میں فرمایا: "قال لی محمد بن المثنی" ایسا اس لیے کیا کہ یہ حدیث انہوں نے محمد بن مثنیٰ سے مذاکرۃً سنی تھی۔ اور یہ ان کی عادت ہے کہ جو حدیث مذاکرۃً سنتے ہیں، اسے قال سے بیان کرتے ہیں۔

یہ حدیث اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے۔ "وكان ابوها" یہ کریمہ کی روایت ہے، ان کے علاوہ دوسروں کی روایت "وكان ابوه" ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ حضرت عروہ ایامِ تشریق کا روزہ رکھتے تھے۔ حضرت عروہ تابعی ہیں، صحابی نہیں۔ پہلی روایت کی بناء پر اس کے قائل عروہ ہیں اور دوسری روایت کی بناء پر اس کے قائل یحییٰ القطان ہیں۔

۱۱۷۹- ح: لَمْ يُرَخَّصْ فِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ اَنْ يُّصَمْنَ

[ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی]

۱۱۷۹- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا لَمْ يُرَخَّصْ فِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ اَنْ يُّصَمْنَ اِلَّا لِمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْهَدْيَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، سوائے اس شخص کے جو ہدی نہ پائے۔

اس حدیث میں "لم یرخص" ہے یعنی ایام منیٰ میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی، کس نے اجازت نہیں دی؟ یہ مذکور نہیں، مگر ظاہر ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جیسا کہ دارقطنی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متمتع کو اجازت دی کہ ایامِ تشریق میں روزہ رکھے جب ہدی نہ پائے۔ طحاوی[2] میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متمتع کو اس بات کی اجازت دی کہ ایامِ تشریق میں روزہ رکھے جب ہدی نہ پائے اور ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں روزہ نہ رکھ سکا ہو اور یہی امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا مذہب

---

[1] مسلم - ج ۱ ص ۳۶۰ - کتاب الصوم - باب: تحریم الصوم یوم العیدین [2] عمدۃ القاری - ج ۱۱ ص ۱۱۴

[3] شرح معانی الآثار - ج ۱ ص ۳۶۳ - کتاب الصیام - باب: المتمتع الذی لا یجد هدیا

ہے' مگر یہ حدیث ضعیف ہے' اس کے دو راوی یحیٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف ہیں۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ کسی کو بھی یوم نحر اور ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں' اگر چہ وہ متمتع اور قارن ہو اور اسے ہدی کی وسعت نہ ہو' اور یوم نحر سے پہلے روزہ نہ رکھ سکا ہو' بلکہ اگر یوم نحر سے پہلے تین روزے نہیں رکھے تھے تو اب بہر حال ان دونوں پر قربانی واجب ہے۔ اگر قربانی نہیں کی اور سر منڈوا کر احرام سے باہر ہو گیا تو اس پر دو دَم واجب ہو گئے۔ ایک جرمانہ کا' دوسرا وہی شکرانہ کا۔

ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق میں یہ منادی کرائی تھی کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔ بعض حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ ان دنوں میں روزہ نہیں۔ اور بعض حدیثوں میں مطلقاً یہ ہے کہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھیں۔ منٰی کے اندر ان دنوں میں منادی کرانے سے ظاہر ہے کہ یہ حکم سب کے لیے عام ہے' خواہ وہ قارن ہو یا متمتع یا مفرد۔ اسے قربانی کی وسعت ہو یا نہ ہو' اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں۔ ان میں سے کچھ حدیثیں نسائی[1] اور ابن ماجہ[2] اور موطا امام مالک[3] میں بھی مذکور ہیں۔ یہ سولہ احادیث ہیں جو ان صحابہ کرام سے مروی ہیں: حضرت علی' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ' حضرت عمرو بن العاص' حضرت عبداللہ بن حذافہ' حضرت ابو ہریرہ' حضرت بشر بن سُحیم' حضرت انس بن مالک' حضرت اُم الفضل' اُم عمر بن خالد زرقی وغیرہ۔

۱۱۸۰- ح: اَلصِّیَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ

[روزہ اس کے لیے ہے جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا]

۱۱۸۰- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ اَلصِّیَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ اِلٰی یَوْمِ عَرَفَةَ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ هَدْیًا وَّلَمْ یَصُمْ صَامَ اَیَّامَ مِنًی.

(موطا امام مالک۔ کتاب الحج۔ باب: صیام المتمتع ص ۱۷۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ روزہ اس کے لیے ہے جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع حاصل کیا' عرفہ کے دن' پس اگر ہدی نہ پائے اور یوم عرفہ تک روزہ نہیں رکھا تو منٰی کے دنوں میں روزہ رکھے۔

امام بخاری نے باب میں حسب عادت اپنا مذہب واضح نہیں فرمایا ہے' لیکن باب کے ضمن میں جو حدیثیں لائے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مذہب یہی ہے کہ متمتع اور قارن اگر یوم عرفہ تک روزہ نہیں رکھ سکے اور انہیں قربانی کی بھی وسعت نہیں تو وہ منٰی کے دنوں میں تین روزے رکھیں۔

لیکن امام بخاری جتنی حدیثیں لائے ہیں' وہ سب موقوف ہیں۔ اور اس کے برخلاف بہ قول علامہ عینی تیس صحابہ کرام سے وہ حدیثیں مروی ہیں' جن میں ایام تشریق کے روزوں سے ممانعت وارد ہے' ان میں بہت سی احادیث وہ ہیں جن میں یہ تصریح ہے: خاص ایام منٰی میں یہ فرمایا اور اس کی منادی کرائی' اس لیے ہمارا مذہب بحیثیت دلیل قوی ہے۔

ت ۳۷۹- عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا مِثْلَهٗ.

(ایضاً۔ ص ۱۷۴۔ ۱۷۵)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔

بَابُ صِیَامِ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ (ص ۲۶۸)

عاشوراء کے دن کے روزے

---

[1] نسائی۔ ج ۲ ص ۴۳۔ کتاب المناسک۔ باب: النھی عن صوم یوم عرفۃ

[2] ابن ماجہ۔ ص ۱۲۴۔ کتاب الصیام۔ باب: فی النھی عن صیام ایام التشریق

[3] موطا امام مالک۔ ص ۱۵۵۔ کتاب الحج۔ باب: فی صیام ایام المنی

۱۱۸۱- عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اِنْ شَآءَ صَامَ. (مسلم، نسائی۔ کتاب الصوم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عاشوراء کے دن اگر چاہے تو روزہ رکھے۔

۱۱۸۲- ح: فَمَنْ شَآءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيُفْطِرْ

[جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے]

۱۱۸۲- عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ عَامَ حَجَّ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هٰذَا يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ وَلَمْ يُكْتَبِ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَاَنَا صَائِمٌ فَمَنْ شَآءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيُفْطِرْ.

حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے سنا' جس سال انہوں نے حج کیا' عاشوراء کے دن منبر پر یہ کہتے ہوئے: اے مدینہ والو! کہاں ہیں تمہارے علماء! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' فرماتے ہیں: یہ عاشوراء کا دن ہے' اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں فرمایا' میں روزہ سے ہوں' جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم یوم عاشوراء ص ۲۵۸)

عام حج

حضرت معاویہ نے خلیفہ ہونے کے بعد پہلا حج ۴۴ھ میں کیا تھا اور آخری حج ۵۷ھ میں کیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس سے مراد اخیر کا ۵۷ھ والا حج ہے۔ علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے' کوئی بھی حج ہو سکتا ہے۔ مسلم[1] میں یہ حدیث یوں ہے: حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن سفیان سے سنا اور وہ مدینہ میں خطبہ دے رہے تھے' اپنی کسی بھی آمد کے موقعہ پر انہوں نے عاشوراء کے دن خطبہ دیا تھا۔

این علماء کم

امام نووی نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ یہ انہوں نے اس بناء پر فرمایا ہو کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہو کہ کچھ لوگ اسے فرض کہتے ہیں یا حرام بتاتے ہیں یا مکروہ جانتے ہیں' تو انہوں نے یہ چاہا کہ مجمع عام میں یہ اعلان ہو جائے کہ عاشوراء کا روزہ نہ واجب ہے' نہ حرام و مکروہ بلکہ مستحب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس معاملہ میں علماء کی موافقت مقصود ہو یا اس کی تبلیغ۔

۱۱۸۳- ح: فَرَاَى الْيَهُوْدَ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ

[یہود کو دیکھا کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے]

۱۱۸۳- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَرَاَى الْيَهُوْدَ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهٗ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں' تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اچھا دن ہے' یہ وہ دن جس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۵۸۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم یوم عاشوراء

مُوْسٰی قَالَ فَاَنَا اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْکُمْ فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ.

دن روزہ رکھا۔ فرمایا: میں موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرنے میں بہ نسبت تمہارے زیادہ حق دار ہوں' تو حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(ایضاً۔کتاب ذکر الانبیاء۔باب: قول اللّٰہ عزوجل هل اتٰك حديث موسٰی و کلم اللّٰہ موسٰی تکلیما ص ۴۸۱' ج ۲۔کتاب التفسیر۔سورۃ طٰہٰ۔باب: قوله واوحينا الٰی موسٰی ان اسر بعبادی فاضرب لهم طريقا فی البحر يبسًا ص ۶۹۲' ج ۲۔کتاب التفسیر۔سورۂ یونس۔باب: وجاوزنا ببنی اسرائيل البحر ص ۶۷۷' کتاب بیان الکعبۃ۔باب: اتیان الیهود النبی ﷺ ص ۵۶۲' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

فصامه

اس جلد کے صفحہ ۱۰۵' رقم: ۹۴۶ پر اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی کہ قریش جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور حضور اقدس ﷺ بھی ابتداء اسلام میں رکھا کرتے تھے' جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو فرمایا: جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عاشوراء کا روزہ اوائل اسلام ہی سے مسلسل چلا آ رہا ہے' مگر اس حدیث میں عاشورے کے روزے کی ابتداء کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہود نے جب یہ بتایا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریے میں اس دن روزہ رکھا۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت میں خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔

اقول وبالله التوفيق: دونوں میں منافات نہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ پہلے یہ روزہ قریش کی عادت کے مطابق حضور بھی رکھتے تھے کہ یہ فی نفسہٖ ایک عبادت ہے۔ جب مدینہ طیبہ آئے اور یہ علم ہوا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے روزہ رکھا تھا اور یہ ان کی سنت ہے' تو حضرت موسیٰ کی موافقت سے اس روزے کی فضیلت مزید معلوم ہوئی' تو اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا اور اہتمام کے ساتھ اس کا حکم دیا۔

۱۱۸۴- ح: كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ تَعُدُّهُ الْيَهُوْدُ عِيْدًا

[عاشوراء کے دن کو یہود عید شمار کرتے]

۱۱۸۴- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ تَعُدُّهُ الْيَهُوْدُ عِيْدًا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصُوْمُوْهُ اَنْتُمْ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوم عاشوراء کو یہود عید کا دن شمار کرتے تھے' نبی ﷺ نے فرمایا: اس دن تم لوگ بھی روزہ رکھو۔

(بخاری۔کتاب بنیان الکعبۃ۔باب: اتیان الیهود النبی ﷺ ص ۵۶۲' مسلم۔کتاب الصوم)

۱۱۸۵- ح: مَا يَتَحَرّٰی صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰی غَيْرِهٖ

[عاشوراء کے روزے میں (آپ ﷺ کی) رغبت]

۱۱۸۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَا رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰی صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰی غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اس دن یعنی عاشوراء اور اس مہینے کے علاوہ کسی دن کے روزے کی ایسی رغبت نہیں دیکھی جسے آپ نے دوسروں پر فضیلت دی ہو۔

الشہر۔ (مسلم، نسائی، کتاب الصوم)

ھذا الشھر

''ھـذا الشـھـر'' سے مراد رمضان ہے اس کے روزوں کی فضیلت تمام روزوں پر ظاہر ہے کیونکہ یہ فرض اور بقیہ نفل۔ فرض بہر حال نفل سے افضل ہے رہ گیا عاشورے کا روزہ تو اس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ ابوداؤد[1] میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے مہینے کے بعد تمام روزوں سے افضل اللہ کے مہینے محرم کا روزہ ہے اگرچہ اس کا احتمال ہے کہ اس سے مراد محرم کا پورا مہینہ ہو بلکہ ترمذی[2] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور میں وہاں پر بیٹھا ہوا تھا: یا رسول اللہ! رمضان کے بعد کس مہینے کے روزے کا مجھ کو حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: اگر رمضان کے بعد کسی مہینے میں روزہ رکھنا چاہتا ہے تو محرم کا رکھ اس لیے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اس مہینے میں ایک دن ایسا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور اس دن آئندہ دوسروں کی توبہ قبول فرمائے گا' مگر حدیث زیر بحث میں جو یہ فرمایا کہ حضور کو جتنی طلب و جستجو اور رغبت عاشورے کے روزے کی تھی کسی اور نفلی روزے کی نہیں تھی۔ یہ بتا رہا ہے کہ عاشورے کا روزہ تمام نفلی روزوں سے افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

عاشوراء......(لفظ ''عاشوراء'' کی تحقیق)

''عاشوراء'' مؤنث کا صیغہ ''فاعولاء'' کے وزن پر ''عشر'' بہ معنی دس سے مشتق ہے۔ یہ ''عاشرة'' سے معدول ہے۔ یہ اصل میں ''الـلیلة'' کی صفت ہے۔ یوم کی اس کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے: ''یـوم الـلیلة العاشوراء'' لیکن جب اس کو معنی صفت سے نقل کر کے معنی اسمیت کی طرف لائے تو ''الـلیلة'' کو حذف کر دیا اور یوم عاشوراء کہنے لگے تخفیفاً ایسا کیا گیا۔

''فاعولاء'' کے وزن پر چند ہی کلمات آتے ہیں: ''ضارورة'' بہ معنی ''ضراء''۔ ''سارورة'' بہ معنی ''سرآء''۔ ''والولة'' بہ معنی ''والة''۔ ''خابورة'' ایک جگہ کا نام ہے۔ ''عاشوراء'' مد کے ساتھ اور ''عاشورا'' بغیر ہمزہ کے دونوں طرح آیا ہے۔ خلیل نے کہا کہ عاشوراء عبرانی زبان کا لفظ ہے' مگر جمہور نے کہا کہ یہ خالص عربی اور اسلامی لفظ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ مستعمل نہیں تھا لیکن اسے اسلامی کہنا صحیح نہیں۔ احادیث میں وارد ہے کہ قریش جاہلیت میں عاشوراء کو روزہ رکھتے تھے۔

عاشوراء کون سا دن ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ عاشوراء کون سا دن ہے: نو محرم یا دس محرم یا گیارہ محرم؟ راجح اور مشہور یہی ہے کہ یہ دس محرم ہے۔ اسی پر اشتقاق بھی دلالت کرتا ہے۔ یہی جمہور اور عامہ صحابہ اور تابعین کا مذہب ہے۔ صحابہ کرام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ عاشوراء محرم کی نویں تاریخ ہے جیسا کہ مسلم[3] ابوداؤد[4] اور ترمذی[5] میں ہے: حکم بن اعرج نے کہا کہ میں حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ زمزم سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے' میں نے عرض کیا: مجھے بتائیے یوم عاشوراء کون سا دن ہے؟ فرمایا کہ جب تو محرم کا چاند دیکھے تو دنوں کو گن' جب نویں تاریخ کو تو صبح کرے تو روزہ رکھ۔ میں نے عرض کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی روزہ رکھتے

---

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۳۳۰۔ کتاب الصیام۔ باب: فی صوم المحرم' ترمذی۔ ج ا ص ۹۳۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم المحرم

[2] ترمذی۔ ج ا ص ۹۳۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم المحرم　[3] مسلم۔ ج ا ص ۳۵۸۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم یوم عاشوراء

[4] ابوداؤد۔ ج ا ص ۳۳۲۔ کتاب الصیام۔ باب: صوم یوم عاشوراء　[5] ترمذی۔ ج ا ص ۹۴۔ کتاب صوم۔ باب: عاشوراء ایّ یوم ھو

تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! لیکن ان کا یہ قول عاشوراء کے روزے کے بارے میں وارد عام احادیث کے معارض ہے۔ عام احادیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ عاشورے کو روزہ رکھتے تھے۔ اخیر عمر شریف میں فرمایا کہ میں آئندہ سے نو کو بھی روزہ رکھوں گا' یہود کی مخالفت کروں گا' مگر اسی سال حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ نے نو کا روزہ نہیں رکھا۔

علامہ عینی نے یہ توجیہ کی کہ چونکہ حضور اقدس ﷺ نے عزم فرمالیا تھا کہ سال آئندہ نو کو بھی روزہ رکھوں گا' اسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ امام قاضی عیاض نے یہ توجیہ کی: مراد یہ ہے کہ نو اور دس کو ساتھ ساتھ روزہ رکھا۔

محب طبری نے تفسیر فقیہ ابو اللیث سمرقندی سے نقل کیا کہ عاشورہ گیارھویں تاریخ ہے' عاشوراء کا روزہ مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ نو اور دس دونوں کو روزہ رکھے۔ اس میں ایک تو یہود کی مخالفت ہے' دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دونوں دن روزہ رکھنے میں واقع میں عاشوراء کا دن ملنا نسبتاً متیقن ہے۔ اسی بناء پر ابو اسحٰق نے فرمایا کہ گیارہ کو بھی روزہ رکھے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ صرف دس تاریخ کو روزہ رکھنا تشبہ بالیہود کی وجہ سے مکروہ ہے' جیسا کہ محیط اور بدائع میں ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں' اس لیے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے عاشورے کا روزہ رکھا ہے اور عاشوراء کا دن شرعاً بافضیلت ہے۔

وجہ تسمیہ

دسویں محرم کو عاشوراء کیوں کہتے ہیں؟ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ یہ محرم کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں' اور نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دن کو عاشورہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے دس انبیاء کرام پر خاص اکرام فرمایا ہے۔ اوّل: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ تعالیٰ نے اس دن مدد فرمائی' ان کے لیے بحر قلزم پھاڑ کر راستہ بنا دیا اور فرعون کو ڈبو دیا۔ ثانی: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی تاریخ میں جودی پر ٹھہری تھی۔ ثالث: حضرت یونس علیہ السلام کو اسی تاریخ میں مچھلی کے پیٹ سے نکالا تھا۔ رابع: اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ خامس: اسی تاریخ کو حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا تھا۔ سادس: اسی تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی تاریخ کو آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔ سابع: اسی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ ثامن: حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی تاریخ کو پیدا ہوئے۔ تاسع: حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی اسی تاریخ میں واپس کی گئی۔ عاشر: اسی تاریخ کو ہمارے حضور اقدس ﷺ سے وعدہ ہوا کہ آپ کے تمام خاص لوگوں کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے' مگر یہ وجہ تسمیہ صحیح نہیں' اس لیے کہ یہ انحصار درست نہیں۔ دوسرے انبیاء کرام پر بھی اسی تاریخ میں خصوصی نوازش ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اسی تاریخ میں حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھایا گیا۔ اسی تاریخ میں حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش مکمل ہوئی اور وہ شفایاب ہوئے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی تاریخ میں ملک دیا گیا۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عاشوراء کا روزہ واجب نہیں' البتہ اختلاف ہے کہ رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ واجب تھا یا سنت؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واجب تھا۔ اور اصحاب شافعی کے اس میں دو قول ہیں' مشہور قول یہ ہے کہ اس وقت بھی سنت ہی تھا جیسا کہ اب ہے' کبھی واجب نہیں تھا' البتہ پہلے مؤکد تھا' جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو تاکد جاتا رہا اور مستحب ہو گیا۔ دوسرا قول اصحاب شافعیہ کا یہ ہے کہ پہلے واجب تھا' اب سنت ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اب بھی فرض ہے' مگر یہ قول ساقط الاعتبار ہے' اب اس پر اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ مستحب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۳۱- [كِتَابُ صَلٰوةِ التَّرَاوِيحِ]

[نمازِ تراویح کا بیان]

بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ (ص۲۶۹)

۱۱۸۶ تا۱۱۸۸ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِالْقَارِيِّ أَنَّهٗ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّيْ أَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً أُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهٗ.

رمضان میں قیام کرنے والے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رمضان میں ایمان اور ثواب کی اُمید پر قیام کرے (نماز پڑھے) اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا گئے اور عمل درآمد اسی پر رہا، پھر حضرت ابوبکر کی خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور میں ایسا ہوتا رہا۔ اور ابن شہاب ہی سے مروی ہے، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے کہا: میں رمضان میں ایک رات حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ متفرق الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی تنہا پڑھ رہا ہے، کچھ لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے ہیں، اس پر حضرت عمر نے کہا: میں مناسب جانتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو بہتر ہو، پھر پختہ ارادہ کر لیا اور انہیں حضرت ابی بن کعب پر جمع کر دیا، اس کے بعد ان کے ساتھ دوسری رات نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے، جسے چھوڑ کر تم لوگ سو جاتے تھے، وہ اس سے افضل ہے، جسے تم لوگ ادا کرتے رہو، ان کی مراد آخر رات کی نماز تھی اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں نماز ادا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب۔ تطوع قیام رمضان من الایمان ص۱۰، باب: صیام من صام رمضان ایمانا واحتسابا ص۲۵۵، باب:

فضل لیلۃ القدر ص ۲۷۰،مسلم۔کتاب صلوۃ المسافرین،ابوداود۔کتاب الرمضان،ترمذی۔کتاب الصوم،نسائی۔کتاب الصیام۔کتاب الایمان،دارمی۔کتاب الصوم،مسند امام احمد۔ج ۲ ص ۲۸۱،موطا امام مالک۔فی قیام رمضان ص ۴۳)

مستملی کی روایت میں یہاں باب سے پہلے "کتاب التراویح" زائد ہے،اوروں کی روایت میں نہیں۔قیام رمضان کے معنی رمضان کی رات میں نماز پڑھنا۔علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہاں قیام رمضان سے مراد "تراویح" ہے۔تراویح پر پورا کلام پہلے کیا جاچکا ہے،اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

فیصلی بصلاته

یعنی کچھ لوگ تنہا تنہا تراویح پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ جماعت سے پڑھ رہے تھے چونکہ اس میں انتشار تھا،اس لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کر کے سب کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا،جسے تمام صحابہ کرام نے پسند فرمایا۔تراویح اصل میں باجماعت مشروع ہوئی تھی،جیسا کہ گزر چکا۔بخاری میں اس کے بعد والی حدیث میں تصریح ہے کہ تین دن تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو تراویح پڑھائی۔چوتھے دن باہر تشریف نہیں لائے اور صبح کو ارشاد فرمایا: میں اس لیے تشریف نہیں لایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے،پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز رہو۔اس کے بعد صحابہ کرام اپنی صوابدید پر الگ الگ تنہا تنہا یا باجماعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔جب حضرت فاروق اعظم کے عہد میں یہ اندیشہ ختم ہو گیا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے تو انہوں نے سب کو باجماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا،جس پر تمام صحابہ کرام نے سکوت فرمایا،اس لیے بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا،نیز اس سے لزوماً یہ ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس ہی رکعت تراویح پڑھی تھی،ورنہ صحابہ کرام ضرور اختلاف کرتے۔صحابہ کرام سے یہ مستبعد ہے کہ دین میں اس قسم کا اضافہ برداشت کر سکیں،بلکہ اس سلسلے میں صریح روایت بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس رکعت تراویح پڑھی،جیسا کہ گزر چکا۔

نعم البدعة هذه

اصل تراویح مشروع ہے،تین دن تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تراویح باجماعت پڑھی،اس کے بعد اکیلے پڑھی اور صحابہ کرام اکیلے اکیلے بھی پڑھتے تھے اور جماعت کے ساتھ بھی۔اس سے ثابت ہوا کہ تراویح کے لیے جماعت کی قید نہیں۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کی پابندی کر دی۔اس سے ثابت ہوا کہ کسی امر مشروع مطلق کو کسی ہیئت خاص کے ساتھ مخصوص کرنا حرام و گناہ بدعت سیئہ نہیں،جیسے ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کا حکم مطلق دیا گیا ہے۔اُمت نے اسے خاص ہیئت کے ساتھ میلاد شریف کے نام سے رواج دیا۔اسی طرح ہم کو مطلق صلوٰۃ وسلام کا حکم ہے۔پوری اُمت نے اسے اخیر مجلس میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے رواج دیا۔یونہی ہمیں مطلق ایصال ثواب کا حکم ہے۔پوری اُمت نے اسے تیسرے دن یا دسویں دن یا چالیسویں دن یا سال پورا ہونے پر رواج دیا۔تخصیصات بھی حرام و گناہ و بدعت سیئہ نہیں،بلکہ تمام صحابہ کرام اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

بدعت کی تعریف اور اقسام

علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں تحریر فرمایا اور بالاختصار شرح مسلم[1] میں بھی،بدعت کے لغوی معنی یہ ہیں: ہر وہ چیز جس

[1] شرح مسلم۔ج ۱ ص ۲۸۵۔کتاب الجمعہ

کی پہلے سے مثال نہ ہو یعنی نئی چیز ایجاد کرنا اور شریعت میں ایسا کام ایجاد کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ رہا ہو۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کتاب القواعد کے آخر میں کہا: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجب' حرام' مستحب' مباح اور مکروہ۔ امام شافعی نے فرمایا کہ ایسی نئی چیز ایجاد کرنا جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے مخالف ہو ضلالت ہے اور ایسی اچھی بات ایجاد کرنا جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو مذموم نہیں[1] اور حضرت عمر نے تراویح کے بارے میں فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے' اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من اجورهم شيئ ومن سن في الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من اوزارهم شيئ. (مسند امام احمد' ج ۵ ص ۳۵۷' مسلم۔ کتاب الزکاۃ ص ۳۲۷' ج ۲۔ کتاب العلم ص ۳۴۱' نسائی۔ کتاب الزکاۃ ص ۳۵۶' مشکوٰۃ ص ۳۳)

جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے گا' اسے اس کا ثواب ملے گا اور جتنے لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اسے ثواب ملے گے' بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے اور جو اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا' اس پر اس کا گناہ ہوگا اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اس پر گناہ ہوگا' بغیر اس کے کہ ان کے گناہ میں کوئی کمی کی جائے۔

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: حسنہ اور سیئہ۔ اس پر اُمت کا اتفاق ہے کہ حدیث "كل بدعة ضلالة" میں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے۔

خود اس حدیث میں حضرت فاروق اعظم کا ارشاد "نعم البدعة هذه" اس پر نص ہے کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے' اسی قبیل سے ایک مسجد میں ایک امام کے پیچھے باجماعت تراویح پڑھنا بھی ہے۔

والتي تنامون عنها

عام مترجمین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ رات کا وہ حصہ جس میں تم لوگ سو جاتے ہو اس سے بہتر ہے کہ جس میں نماز پڑھتے ہو اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں نماز پڑھتے تھے لیکن اس خادم کے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس نماز کو چھوڑ کر تم لوگ سو جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس کو تم لوگ ادا کرتے ہو۔ "عـــن" مجاوزت کے لیے آتا ہے' جس کے لیے ترک لازم ہے' جس کا مطلب یہ ہوگا کہ نمازِ تہجد تراویح سے افضل ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ تراویح الگ نماز ہے اور تہجد الگ' ایسا نہیں کہ دونوں ایک ہی ہوں جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کہتے ہیں۔

رہ گیا حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ حضور اقدس ﷺ رمضان یا اس کے علاوہ اور دنوں میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے' یہ تہجد کے لیے ہے' تراویح سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ ج ۴ ص ۳۶۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۳۲- [کِتَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ]

[لیلۃ القدر کی فضیلت کا بیان]

بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (ص۲۷۰)

لیلۃ القدر کی فضیلت کا بیان

ت ۳۸۰ - وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ ﴿وَمَا أَدْرَاكَ﴾ (القدر:۲) فَقَدْ أَعْلَمَهُ وَمَا قَالَ ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾ فَإِنَّهُ لَمْ يُعْلِمْهُ.

سفیان بن عیینہ نے فرمایا: قرآن میں جس چیز کے بارے میں ''وما ادرك'' ہو تو اسے اللہ نے حضور کو بتا دیا، اور جس کے بارے میں فرمایا: ''وما يدريك'' اسے (اس وقت تک) نہیں بتایا۔

اس تعلیق کو محمد بن یحییٰ بن ابی عمر نے کتاب الایمان میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ فرمایا گیا: ''وما ادرك'' اور تم نے کیا جانا، جیسے فرمایا گیا: ''وما ادرك ما القارعة'' (القارعۃ:۳) اور تو نے کیا جانا کیا ہے دہلانے والی، تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی خبر حضور کو اس آیت کے نزول سے پہلے دی ہے۔ ''اعلم'' ماضی کا صیغہ ہے جو زمانہ گزشتہ میں وقوع پر دلالت کرتا ہے اور جن چیزوں کے بارے میں فرمایا: ''وما يدريك'' انہیں اس آیت کے نزول کے وقت تک اس کی خبر نہیں دی، جیسے فرمایا: ''وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا○'' (الاحزاب:۶۳) اور تم کیا جانو شاید قیامت پاس ہی ہو○ لیکن ''مَا يُدْرِيكَ'' پر انہوں نے جو کچھ فرمایا، وہ آیت کریمہ ''وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى○'' (سورہ عبس:۳) سے منقوض ہے، کیونکہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں جان لیا تھا کہ یہ کفر و شرک سے پاک ہوں گے اور انہیں نصیحت نفع دے گی۔

اقول وبالله التوفيق: اس نقض کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی، علامہ احمد خطیب قسطلانی، تینوں شارحین نے ذکر فرمایا۔ اس خادم کا خیال ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی، ہو سکتا ہے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتایا گیا ہو کہ یہ مؤمن مخلص ہو گئے، بعد میں بتایا گیا ہو، جیسا کہ پہلی آیت میں قیام ساعت کے وقت کے بارے میں ارشاد ہوا: ''وَمَا يُدْرِيكَ''۔ مگر علماء نے تصریح کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچوں باتوں کا علم عطا نہ فرما دیا، جن میں قیام ساعت کا علم بھی ہے۔ (شرح قصیدہ بردہ علامہ ابراہیم بیجوری ص ۷۴، صاوی ج ۳ ص ۲۶۰)

اس تعلیق کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ شب قدر کون سی رات میں ہے۔

بَابُ الْتَمِسُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي

اخیر کی سات راتوں میں

اَلسَّبْعِ الْاَوَاخِرِ (ص ۲۷۰)

شبِ قدر تلاش کرو

۱۱۸۹- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحٰبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا اللَّيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَاَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ صحابہ کو لیلۃ القدر خواب میں اخیر کے سات دنوں میں دکھائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں کو دیکھنا اخیر کے سات دنوں میں ایک دوسرے کے مطابق ہے، تو جو اس کو تلاش کرنا چاہے تو وہ اخیر کی سات راتوں میں تلاش کرے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التعبیر۔ باب: التواطؤ علی الرؤیا ص ۱۰۳۵، مسلم۔ کتاب الصیام، ابوداؤد۔ کتاب صوم، ترمذی۔ کتاب صوم، موطا امام مالک۔ کتاب الاعتکاف، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۶۔ ۸)

کتاب التعبیر میں بہ طریق زہری عن سالم جو روایت ہے اس کے اخیر میں یہ بھی ہے: اور کچھ لوگوں کو دکھایا گیا کہ لیلۃ القدر عشرہ اخیرہ میں ہے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اخیر کی سات راتوں میں دیکھو۔ مسند امام احمد کی روایت میں ''فی الوتر'' بھی ہے، یعنی طاق راتوں میں۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کچھ لوگوں کو اخیر کی سات راتوں میں دکھائی گئی اور کچھ لوگوں کو اخیر کی دس راتوں میں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تخصیص کیوں فرمائی کہ اخیر کی سات راتوں میں تلاش کرو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اخیر کی سات راتوں میں دکھایا جانا اس کے معارض نہیں کہ خیر کی دس راتوں میں دکھائی گئی۔ ہوسکتا ہے، مراد یہی ہو کہ عشرہ کی سات راتوں میں سے کسی ایک میں دکھائی گئی، اب بھی یہ کہنا درست ہے کہ اخیر کے عشرہ میں دکھائی گئی یا یوں کہئے کہ دونوں اقوال پر اخیر کی سات راتیں من وجہ متفق علیہ ہیں، اس لیے انہیں میں تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔

شب قدر کب ہے؟

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ کی کسی طاق رات میں ہے مگر اس کی تعیین نہیں کہ کس رات میں ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ رمضان کی پہلی رات میں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ سترھویں رات میں ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اٹھارھویں رات میں ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ انیسویں رات میں ہے، پانچواں قول یہ ہے کہ اکیسویں رات میں ہے، چھٹا قول یہ ہے کہ تیسویں رات میں ہے، ساتواں قول یہ ہے کہ پچیسویں رات میں ہے، آٹھواں قول یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں ہے، نواں قول یہ ہے کہ انتیسویں رات میں ہے، دسواں قول یہ ہے کہ رمضان کی اخیر شب میں ہے، گیارھواں قول یہ ہے کہ ان کی شفعہ راتوں میں، بارھواں قول یہ ہے کہ پورے سال میں کوئی ایک رات ہے، تیرھواں قول یہ ہے کہ پورے رمضان کی راتیں، چودھواں قول یہ ہے کہ عشرہ کی راتوں میں بدلتی رہتی ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ شب قدر رمضان ہی میں ہے، آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے۔ اور امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک رمضان ہی میں ہے، مگر آگے پیچھے نہیں ہوتی، لیکن تعیین معلوم نہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک رمضان کے نصف اخیر میں ہے۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک رمضان کے عشرۂ اخیر میں ہے، اس سے منتقل نہیں ہوتی، اسی میں قیامت تک رہے گی۔ امام ابوبکر رازی نے فرمایا کہ یہ کسی مہینے کے ساتھ خاص نہیں، احناف نے یہی کہا۔ فتاویٰ قاضی خاں میں

ہے کہ حضرت امام اعظم کا مذہب مشہور یہ ہے کہ وہ سال بھر میں گھومتی ہے، کبھی رمضان میں ہوتی ہے کبھی دوسرے مہینوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور عکرمہ وغیرہ سے بروایت صحیحہ یہ ثابت ہے۔

اس قول پر علامہ مہلب نے ناگوار لہجے میں تنقید کی ہے، انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ مہینہ انتیس دن کا ہونے کی وجہ سے زمانہ بدلتا رہتا ہے، حالانکہ شریعت میں اس کا اعتبار نہیں۔ علامہ عینی نے بہت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی ہے۔ اس کا مہلب نے خیال نہیں کیا، واقعی بہت افسوس کی بات ہے۔ عصبیت میں کسی کے بھی سر ایسی ضعیف بات غلط منسوب کرنا سخت ناپسندیدہ بات ہے۔ قائل جب اپنی دلیل میں ان دو منتخب صحابہ کرام کا قول پیش کرتا ہے، تو پھر ایک بے تکی دلیل گڑھ کر اس کی طرف منسوب کرنا کبھی بھی پسندیدہ بات نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ شب قدر کب ہے؟ یہ قیاس اور عقل سے نہیں جانی جاسکتی اور اصول حدیث میں یہ مسلم ہے کہ صحابی کا قول جو شارع سے سنے بغیر نہ جانا جاسکے، حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس لیے یہ بات طے ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے جو فرمایا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرمایا ہے، اس لیے اس پر تنقید کرتے وقت ذہن میں یہ رکھنا ضروری ہے کہ بات کہاں تک پہنچ سکتی ہے، اس کے برخلاف جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے زر بن حبیش نے یہ شکایت کی کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود یہ کہتے ہیں کہ جو سال بھر قیام لیل کرے گا، وہ شب قدر پائے گا، تو حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے! انہوں نے یہ چاہا کہ لوگ (صرف چند دنوں پر) بھروسہ نہ کرلیں (کہ صرف انہی چند دنوں میں شب بیداری کریں اور دنوں میں چھوڑ دیں) وہ خوب جانتے ہیں کہ شب قدر رمضان میں ہے اور عشرہ اواخر میں ہے، اور ستائیسویں شب میں ہے، پھر حضرت ابی بن کعب نے بغیر استثناء کے قسم کھا کر کہا کہ یہ ستائیسویں رات ہے۔ (مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصیام۔ باب: فضل لیلۃ القدر ص ۳۷۰)

ایک صحابی کا دوسرے صحابی کے ساتھ یہ حسن ادب! پھر ہمیں کب یہ جائز کہ صحابہ کرام کے بارے میں کوئی ایسی بات کہیں جو ناپسندیدہ ہو۔

یہ سترہ اقوال ہم نے نقل کردیئے، اس کے علاوہ مزید اور بھی اقوال ہیں۔ ان میں راجح اور مختار یہ ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیرہ کی کسی طاق رات میں ہوتی ہے۔ زیادہ روایتیں اس کی مؤید ہیں کہ یہ ستائیسویں شب میں ہے۔

شب قدر کی علامات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل فرمایا ہے کہ شب قدر کی کچھ علامتیں اور نشانیاں ہیں جو احادیث اور آثار اور اہل کشف کے تجربوں سے اخذ کی گئی ہیں۔ امام غزالی نے فرمایا کہ ہر شخص کے حق میں وہ شب، شب قدر ہے جس میں اس پر عالم ملکوت سے کچھ کشف کیا جائے۔ طبری نے کچھ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ شب قدر میں درخت زمین پر گر کر سجدہ کرتے ہیں، پھر اپنی جگہ کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس رات ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ امام بیہقی نے فضائل اوقات میں بہ طریق امام اوزاعی عبدہ بن ابی لبابہ سے روایت کیا ہے کہ اس رات کھارا پانی میٹھا ہوجاتا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے بہ طریق زہری بن معبد اس کے مثل روایت کیا ہے۔ اس شب میں انوار بلند ہوتے ہیں حتی کہ اندھیری اور تاریک جگہوں میں بھی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۱۲)

اس خادم نے بعض بزرگوں سے یہ سنا تھا کہ اگر عشرہ اواخر کی طاق راتوں میں بارش ہوجائے تو یہ اس کے شب قدر ہونے کی خاص علامت ہے، جو حدیث صحیح سے مستخرج بھی ہے۔ میں نے اس کا تجربہ کیا، اسے حق پایا اور اس شب کا پانی آب شفاء ہے، اس کا بھی میں نے تجربہ کیا ہے۔

علامتیں شمار کرنے کے بعد حضرت شیخ نے تحریر فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ان علامتوں کو ہر شخص دیکھ لے یا معلوم کر لے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ دو شخص اکٹھے عبادت میں مشغول ہوں ایک شخص کو علامتیں محسوس ہوں اور دوسرے کو نہ ہوں۔

تنبیہ

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ شب قدر میں ایک شب کی عبادت ہزار مہینے کی عبادتوں سے بہتر ہے۔ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے' مگر یہ اسی وقت ہے کہ شب بیداری کی وجہ سے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔ بہت سے ریا کار جاہلوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ رات بھر جاگتے ہیں اور اوّل وقت فجر کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں' فجر کی جماعت چھوڑ دیتے ہیں' کچھ کچھ ایسے بھی ہیں جو فجر کی نماز بھی نہیں پڑھتے اور قریب یہی حال ظہر کی نماز کا ہوتا ہے' یا تو سوتے رہ جائیں گے' ظہر کی نماز نہیں پڑھیں گے' یا جماعت چھوڑ بیٹھیں گے' یہ بہت بڑی محرومی ہے' ایسے لوگوں کو شب بیداری جائز ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

بَابُ تَحَرِّی لَیْلَةِ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ (ص۲۷۰)

عشرۂ اخیرہ کی وتر راتوں میں شب قدر کی تلاش

۱۱۹۰- عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے اخیر کے دس دنوں کی طاق راتوں میں شب قدر تلاش کرو۔

(ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: فی لیلۃ القدر' موطا امام مالک۔ باب: لیلۃ القدر' مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۷۳)

۱۱۹۱- ح: یُجَاوِرُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ

[رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے]

۱۱۹۱- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُجَاوِرُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ وَیَقُوْلُ تَحَرَّوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔

۱۱۹۲- ح: فِیْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ سَابِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ خَامِسَةٍ تَبْقٰی

[(شب قدر) باقی رہنے والی ہے نویں یا ساتویں یا پانچویں رات میں]

۱۱۹۲- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِیْ رَمَضَانَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِیْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ سَابِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ خَامِسَةٍ تَبْقٰی. تَابَعَهٗ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ اَیُّوْبَ وَعَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلْتَمِسُوْا فِیْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِیْنَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے رمضان کے عشرہ اخیرہ میں تلاش کرو' شب قدر باقی رہنے والی نویں یا ساتویں یا پانچویں رات ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس ہی سے مروی ہے کہ فرمایا: چوبیسویں رات میں تلاش کرو۔

چوبیسویں شب بھی طاق رات ہے، جب اخیر مہینے سے یعنی تیس تاریخ سے تنزیلاً شمار کریں تو یہ ساتویں شب ہوگی۔
عشرہ اخیرہ کی وتر راتوں کا حساب دو طرح ہوتا ہے: ایک مہینے کی پہلی تاریخ کے حساب سے، اس طرح وتر راتیں اس طرح پڑیں گی: اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں۔ اور دوسرا حساب تیس تاریخ سے لیا جائے گا تو اب طاق راتیں یہ ہوں گی: تیسویں، اٹھائیسویں، چھبیسویں، چوبیسویں، بائیسویں۔ اسی دوسرے حساب کے مطابق ایک حدیث میں یہ فرمایا: شب قدر کو رمضان کے اخیر کے دس دنوں میں تلاش کرو، نویں شب میں جو باقی رہ جائے، ساتویں میں جو باقی رہ جائے، پانچویں میں جو باقی رہ جائے۔
اس دوسری صورت میں اگر رمضان کا چاند انتیس کا ہو جائے تو یہ پہلے کے مطابق ہو جائے گا۔

۱۱۹۳- ح: هِيَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ هِيَ فِي تِسْعٍ يَمْضِينَ

[یہ عشرۂ اخیرہ میں ہے یا گزری ہوئی نویں رات میں ہے]

۱۱۹۳- عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ وَعِكْرِمَةَ قَالَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ هِيَ فِي تِسْعٍ يَمْضِينَ أَوْ فِي سَبْعٍ يَبْقَيْنَ يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ.

ابومجلز اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ یعنی شب قدر، عشرہ اخیرہ میں ہے۔ گزری ہوئی نویں رات میں یا باقی رہنے والی ساتویں رات میں۔

في تسع يمضين

"فی تسع یمضین" کے معنی تو معین ہیں کہ یہ انتیسویں رات ہے، البتہ "فی سبع یبقین" میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ چوبیسویں رات ہے، جبکہ مہینہ تیس کا ہو۔ دوسرے یہ کہ تیئیسویں شب ہو جب کہ مہینہ انتیس کا ہو۔ اور یہ دونوں احتمال حدیث: ۱۱۹۲ میں بھی ہیں۔ مہینہ جب کامل تیس کا ہوگا تو باقی رہنے والی نویں، ساتویں، پانچویں رات، چھبیسویں، چوبیسویں، بائیسویں ہوں گی۔ اور انتیس کا ہوگا تو پچیسویں، تیئیسویں، اکیسویں ہوں گی۔ دوسری تقدیر پر طاق راتیں وہی ہوں گی جو عام اکثر مشہور روایتوں کے مطابق ہیں۔ اور پہلی تقدیر پر پہلی تاریخ کے حساب سے یہ راتیں طاق نہ ہوں گی، مگر اخیر مہینے سے تنزیلاً شمار کرنے کے اعتبار سے انہیں طاق کہا گیا ہے۔

بَابُ رَفْعِ مَعْرِفَةِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ لِتَلَاحِي النَّاسِ (ص۲۷۱)

لوگوں کی لڑائی کی وجہ سے شب قدر کی پہچان اٹھالی گئی

۱۱۹۴- عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارادہ فرما کر باہر تشریف لائے کہ شب قدر کے (وقت) کے بارے میں بتا دیں۔ دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے، اس پر ارشاد فرمایا: میں شب قدر کا وقت بتانے کے لیے باہر تشریف لایا تھا، فلاں فلاں لڑ پڑے، تو اٹھالی گئی، امید ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہوا۔ نویں، ساتویں، پانچویں میں تلاش کرو۔

(بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب: خوف المؤمن ان یحبط عمله ص ۱۲، ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما ینهی عن السباب واللعن)

ص ۸۹۳' دارمی۔ کتاب الصوم۔ ص ۵۶' موطا امام مالک۔ کتاب الاعتکاف' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۱۲۔۳۱۹)

اس حدیث کی اخیر کی سند میں یہاں یہ ہے: ''حَدَّثَنَا اَنَسُ عَن عبادۃ بن الصّامت رضی اللّٰہ عنہما'' اور کتاب الایمان میں ہے: ''عن انس اخبرنی عبادۃ الصامت رضی اللّٰہ عنہ'' ان دونوں سندوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبادہ کی ہے' مگر موطا امام مالک[1] میں حضرت عبادہ کا واسطہ نہیں' اس تقدیر پر یہ مسند انس ہوئی۔ ابوعمرو نے کہا: صحیح یہ ہے کہ حضرت عبادہ بیچ میں ہیں اور یہ مسند حضرت عبادہ ہے۔

فتلاحٰی

مسلم[2] میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: دو شخص آئے اور ایک دوسرے سے اپنا حق مانگنے لگے' کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ لڑنے والے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما تھے' چونکہ حضرت ابی بن کعب کا قرض حضرت عبداللہ بن حدرد پر تھا' انہوں نے مسجد میں تقاضا شروع کر دیا' دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اشارہ فرمایا کہ آدھا معاف کر دو۔ انہوں نے قبول کر لیا تو حضرت عبداللہ بن ابی حدرد سے فرمایا: اب ادا کر دو[3] جیسا کہ نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۱۵۸' رقم: ۳۱۷ پر گزر چکا ہے۔

فرفعت

اس کی توجیہات علماء نے کئی کی ہیں' اوّل: میں لڑنے والوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور بھول گیا کہ وہ کون سی رات تھی' یعنی اس کی تعیین اٹھالی گئی۔ ثانی: اس سال اس کی برکت اٹھالی گئی۔ ثالث: ''رفعت'' کی ضمیر مرفوع متصل کا مرجع ''ملٰئکۃ'' ہے ''اللیلۃ'' نہیں۔ رابع: علامہ طیبی نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اس کی تعیین کی معرفت یعنی پہچان اٹھالی گئی۔ امام بخاری نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے' یہ اس کے مطابق ہے۔

اس حدیث کی پہلی توجیہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت شب قدر کی تعیین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک سے اٹھالی گئی' تو اب سوال یہ ہے کہ بعد میں اسے بتایا گیا یا نہیں؟ علامہ بدرالدین محمود عینی قدس سرہٗ نے امام سفیان بن عیینہ سے نقل کیا کہ بعد میں اس کو بتا دیا گیا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۱۳۸)

عسٰی ان یکون خیرا لکم

یہ اس وجہ سے کہ اگر تعیین لوگوں کو بتا دی جاتی تو لوگ صرف اسی رات میں شب بیداری کرتے اور جب تعیین معلوم نہیں تو لوگ شب قدر کی فضیلت پانے کے شوق میں ہر محتمل رات میں عبادت کریں گے' یہ سبب ہے کثرتِ عبادت کا۔

فالتمسوھا

یہاں صرف نویں' ساتویں' پانچویں کا ذکر ہے' مگر مفہوم عدد معتبر نہیں' اس لیے مذکورہ بالا روایات کے منافی نہیں۔ ان تاریخوں میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ پہلی تاریخ کے اعتبار سے عشرہ اخیرہ کی نویں' ساتویں' پانچویں یا اخیر رمضان سے تنزیلاً نویں' ساتویں' پانچویں۔

[1] موطا امام مالک۔ ص ۱۰۲۔ باب: لیلۃ القدر [2] مسلم۔ ص ۳۶۸۔ کتاب الصیام۔ باب: فضل لیلۃ القدر

[3] بخاری۔ ج ۱ ص ۶۵۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: التقاضی والملازمۃ

بَابُ الْعَمَلِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ (ص ۲۷۱)

رمضان کے عشرہ اخیرہ میں عمل کا بیان

۱۱۹۵ - عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيَا لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب (رمضان) کے اخیر دس دن آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستعد ہو جاتے اور شب بیداری فرماتے اور اپنے اہل کو جگاتے۔

(مسلم ۔ کتاب الصوم' ابوداؤد ۔ کتاب الصلوۃ' نسائی ۔ کتاب الصلوۃ ۔ کتاب الاعتکاف' ابن ماجہ ۔ کتاب الصوم)

العشر

''العشر'' سے مراد رمضان کے اخیر دس دن ہیں۔ ''شد مئزرہ'' کے معنی مجازی مراد ہیں' یعنی عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے' خوب جدوجہد کرتے' جماع وغیرہ سے پرہیز کرتے۔ احیاء لیل سے مراد راتوں کو جاگ کر عبادت میں گزارنا ہے۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ پوری رات مکمل عبادت میں بسر کرتے' دو ایک یا معدودے چند راتیں پوری کی پوری عبادت میں بسر کرنے میں کوئی حرج نہیں' یا یہ مراد ہے کہ رات کے اکثر حصوں میں مشغول عبادت رہتے۔

ایقظ اھلہ

اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے اہل کو ان راتوں میں شب بیداری کا حکم دیتے۔ یہ حکم یا تو مسجد میں تشریف رکھتے ہوئے دیتے تھے' اس طرح کہ مسجد کریم کی طرف جو دروازہ تھا' اس سے آواز دیتے یا جب قضاء حاجت کے لیے اندر تشریف لے جاتے تو انہیں جگا دیتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۳- اَبْوَابُ [كِتَابُ] الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کا بیان

بَابُ الْاِعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْاِعْتِكَافِ فِي الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا (ص۲۷۱)

رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف اور ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے

[اعتکاف کا معنی، شرائط اور اقسام]

اعتکاف کا مادہ علف ہے، اس کے معنی کہیں ٹھہرنے کے ہیں۔ اسی سے فرمایا گیا: ''وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا'' (الفتح:۲۴) ''اور ہدی کو جو رکی ہوئی تھی''۔ عرف عام میں بہ نیت عبادت کہیں ٹھہرے رہنا ہے۔ اسی سے قرآن مجید میں ہے: ''يَعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَّهُمْ'' (الاعراف:۱۳۸) ''یہ لوگ اپنے بتوں کے پاس عبادت کے لیے بیٹھے رہتے''۔ اصطلاحِ شریعت میں تقرب الی اللہ کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ''وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ'' (البقرہ:۱۸۷) ''اور جب مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو''۔ اعتکاف کو کبھی مجاورت سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''وكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يجاور فى العشر التى فى وسط الشهر''[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرۂ وسطیٰ میں مجاورۃ یعنی اعتکاف کرتے تھے۔

اعتکاف کی شرط یہ ہے کہ جو اعتکاف کرنا چاہے وہ مسلمان، عاقل، حیض ونفاس، جنابت سے پاک ہو۔ بالغ، آزاد، مرد ہونا شرط نہیں۔ اعتکاف ہر مسجد میں صحیح ہے اور یہی مختار ہے۔ جامع مسجد یا مسجد جماعت شرط نہیں۔ سب سے افضل مسجد حرام، پھر مسجد نبوی، پھر مسجد اقصیٰ میں، پھر مقامی اس بڑی مسجد میں جس میں سب سے بڑی جماعت ہوتی ہو۔

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: نفل، سنت مؤکدہ کفایہ، واجب۔

نفل: کسی بھی وقت بہ نیت اعتکاف اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لیے مسجد میں جائے، اس کے لیے روزہ شرط نہیں۔

سنت مؤکدہ کفایہ: رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف۔

واجب: اعتکاف کی منت مانی، ان دونوں کے لیے روزہ شرط ہے۔

۱۱۹۶- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے۔

[۱] بخاری۔ ج۱ ص۲۷۰۔ کتاب لیلۃ القدر۔ باب: تحری لیلۃ القدر

الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَّمَضَانَ.

(مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

۱۱۹۷- ح: يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَّمَضَانَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے]

۱۱۹۷- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَّمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقۂ حیات سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اُٹھالیا' پھر ان کے بعد ان کی ازواج اعتکاف میں بیٹھتی تھیں۔

(مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصوم)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشرہ اخیرہ کے اعتکاف پر ایسی پابندی کہ کبھی ترک نہیں فرمایا' اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور چونکہ صحابہ کرام نے اسے پابندی سے نہیں کیا' بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک نے نہیں کیا۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ کفایہ ہے۔ ورنہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اسے کبھی ترک نہ فرماتے۔

بَابٌ اَلْمُعْتَكِفُ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةٍ (ص ۲۷۱)

معتکف گھر میں داخل نہیں ہوگا مگر حاجت کے لیے

۱۱۹۸- عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَاِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَاُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةٍ اِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا.

عروہ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے ہوئے اپنا سر اقدس میری طرف کر دیتے' میں کنگھا کر دیتی اور جب معتکف ہوتے تو گھر میں سوائے ضروری حاجت کے تشریف نہ لاتے۔

(مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الصوم' نسائی۔ کتاب الاعتکاف' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

لحاجة

مسلم کی روایت میں ہے: ''لحاجة الانسان''۔ امام زہری نے اس کی پیشاب پاخانے سے تفسیر کی' مگر انہیں دونوں کی تخصیص نہیں۔ اگر مسجد میں اس طرح وضو کرنا ممکن نہ ہو کہ وضو کے غسالے سے مسجد آلودہ نہ ہو تو وضو کے لیے باہر جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر غسل واجب ہوجائے تو اس کے لیے بھی۔ یوں ہی نماز جمعہ کے لیے بھی' البتہ تنظیف وتبرید کی خاطر غسل کرنے' بیمار پرسی کرنے' نماز جنازہ وغیرہ کے لیے نہیں جاسکتا' اگر باہر جائے گا اعتکاف باطل ہوجائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں رہتے ہوئے اپنے دو ایک اعضاء کو مسجد کے باہر کر دے تو کوئی حرج نہیں' عورت کا چھونا مفسد اعتکاف نہیں۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ لَيْلًا (ص ۲۷۲)

رات میں اعتکاف کا بیان

۱۱۹۹- اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَنْ اَعْتَکِفَ لَیْلَۃً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِکَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں، فرمایا: اپنی منت پوری کر۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاعتکاف۔ باب: من لم یر علی المعتکف صوما۔ باب: اذا نذر فی الجاھلیۃ ان یعتکف ثم اسلم ص ۲۷۴، کتاب الجہاد۔ باب: ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المولفۃ قلوبھم ص ۴۴۴، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ص ۶۱۸، ج ۲۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا نذرا وحلف لا یکلم انسانا فی الجاھلیۃ ثم اسلم ص ۹۹۱، مسلم۔ کتاب الایمان والنذور، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ کتاب الایمان والنذور، ابن ماجہ۔ کتاب الصیام۔ کتاب بالکفارات، مسند امام احمد۔ ج ا ص ۳۷)

ان عمر

یہ حدیث حضرت عمر کی مسانید میں ہے، یا ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمر کی مسانید میں، دونوں طرح مروی ہے۔ بخاری کے تمام طرق میں مسند ابن عمر ہے۔ امام مسلم[1] نے دونوں طرح تخریج کی ہے۔ ابوداؤد[2] اور نسائی[3] کی ایک روایت کے مطابق مسند عمر ہے۔ طائف سے واپسی کے بعد جعرانہ میں حضرت عمر نے یہ سوال کیا تھا، جیسا کہ مسلم[4] میں ہے۔ بخاری کی مغازی کی روایت میں یہ ہے: جب ہم حنین سے واپس ہوئے۔ بخاری کی تمام روایتوں میں ''لیلۃ'' ہے، یعنی رات میں اعتکاف کی منت مانی تھی۔ اس سے علامہ کرمانی نے یہ استدلال فرمایا کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں۔ علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا: مسلم میں بہ طریق شعبہ عن عبید اللہ جو روایت ہے، اس میں ''لیلۃ'' کے بجائے ''یوما'' ہے، اسی طرح نسائی کی بعض روایتوں میں ہے، بلکہ خود بخاری میں کتاب الجہاد کی روایت میں ''اعتکاف یوم'' ہے۔

ابن حبان نے دونوں میں یہ تطبیق دی کہ حضرت عمر کی منت پورے دن ورات کی تھی۔ ''لیلۃ'' یا ''یوما'' بول کر پورا دن رات مراد لینا شائع ذائع ہے۔ رات اگرچہ روزے کا ظرف نہیں مگر دن تو ہے۔ علامہ کرمانی کے اس استنباط کے خلاف نسائی کی ایک روایت ہے کہ ''فامرہ ان یعتکف ویصوم'' انہیں حکم فرمایا کہ اعتکاف کریں اور روزہ رکھیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۱۴۶)

اس روایت کی سند پر کچھ کلام کیا گیا ہے، مگر وہ بے وزن ہے جیسا کہ علامہ عینی نے اس موقع پر ثابت فرمایا۔

علاوہ ازیں ابوداؤد[5] میں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اعتکف وصم'' اعتکاف کرو اور روزہ رکھو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس منت کے پوری کرنے کا حکم بہ طور استحباب دیا تھا۔ ورنہ زمانۂ کفر کی مانی ہوئی منت کو پورا کرنا نہیں، اس لیے کہ وجوب کے لیے ایمان شرط ہے، ایمان نہیں تو کچھ واجب نہیں۔ ورنہ لازم کہ نومسلموں پر قبول اسلام کے بعد زمانۂ بلوغ سے لے کر قبول اسلام تک نمازوں، روزوں کی قضا واجب ہو۔

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۵۰۔ کتاب الایمان النذور۔ باب: نذر الکافر وما یفعل فیہ اذا اسلم

[2] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۱۴۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: نذر الجاھلیۃ ثم ادرک الاسلام

[3] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۴۷۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا نذر ثم اسلم قبل ان یفی

[4] مسلم۔ ج ۲ ص ۵۰۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: نذر الکافر وما یفعل فیہ اذا اسلم

[5] ابوداؤد۔ ج ا ص ۳۳۵۔ کتاب الصیام۔ باب: المعتکف یعود مریضا

بَابُ اعْتِكَافِ النِّسَآءِ (ص ۲۷۲)

عورتوں کے اعتکاف کا بیان۔

۱۲۰۰- عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ فَكُنْتُ اَضْرِبُ لَهٗ خِبَاءً فَيُصَلِّي الصُّبْحَ ثُمَّ يَدْخُلُهٗ فَاسْتَأْذَنَتْ حَفْصَةُ عَآئِشَةَ اَنْ تَضْرِبَ خِبَاءً فَاَذِنَتْ لَهَا فَضَرَبَتْ خِبَاءً فَلَمَّا رَاَتْهُ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ ضَرَبَتْ خِبَاءً اٰخَرَ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَى الْاَخْبِيَةَ فَقَالَ مَا هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبِرَّ تُرَوْنَ بِهِنَّ فَتَرَكَ الْاِعْتِكَافَ ذٰلِكَ الشَّهْرَ ثُمَّ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِّنْ شَوَّالٍ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ میں حضور کے لیے خیمہ تان دیتی صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اس میں تشریف لے جاتے۔ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے خیمہ تاننے کی اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دے دی اور انہوں نے ایک خیمہ تان لیا۔ حضرت زینب بنت جحش نے جب اسے دیکھا تو ایک اور خیمہ تان لیا۔ صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خیموں کو دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ حضور کو بتایا گیا، فرمایا: کیا تم لوگ ان کے ساتھ اعتکاف کرنے کو نیکی گمان کرتے ہو! اس مہینے اعتکاف چھوڑ دیا، پھر شوال میں دس دن اعتکاف فرمایا۔

(بخاری۔ باب: الاخبية في المسجد ص ۲۷۲، باب: الاعتكاف في شوال ص ۲۷۳، باب: من بدا له ان يعتكف ثم بدا له ان يخرج ص ۲۷۴، مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب الصوم، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الاعتکاف، ابن ماجہ۔ کتاب الصوم، مسند امام احمد)

خبأ

اونٹ کے بال یا اون کا وہ چھوٹا خیمہ جو صرف دو یا تین طنابوں پر ہو، مگر باب الاعتکاف فی شوال میں ''قبـة'' وارد ہے، قبہ گول خیمہ کو کہتے ہیں۔

فيصلي الصبح

یعنی صبح کی نماز پڑھ کر اس خیمے میں تشریف لے جاتے جو اعتکاف کے لیے تانا گیا ہوتا۔ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی ابتداء نماز صبح کے بعد سے ہے، مگر ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف کی ابتداء بیسویں کے سورج کے غروب کے وقت سے ہے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ پہلے ہی سے اپنے معتکف میں چلا جائے۔ اس حدیث کا محمل یہ ہے: اعتکاف کے لیے بیسویں کے غروب ہی کے وقت مسجد میں تشریف لے جاتے۔ رات کو مسجد کے اور حصوں میں مصروف عبادت رہتے۔ صبح کو نماز فجر کے بعد آرام اور خلوت کے لیے خیمہ اقدس میں رونق افروز ہوتے۔

فاستاذنت عائشة

یعنی اُم المومنین حضرت حفصہ نے اُم المومنین حضرت صدیقہ سے اجازت طلب کی، لیکن امام اوزاعی کی روایت ''بـاب من اراد ان يعتكف ثم بـدا له ان يخرج'' میں یہ ہے کہ اُم المومنین حضرت حفصہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ حضور اقدس سے ان کے لیے اجازت طلب کریں تو انہوں نے کی، اور یہی صحیح ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ کو اجازت دینے کا حق ہی نہیں تھا۔ یہ روایت اسی پر محمول ہے کہ حضرت عائشہ سے اجازت لینے کے لیے کہا، یا ان کے واسطے سے اجازت طلب کی۔

اس روایت میں اُم المومنین حضرت عائشہ کے خیمے کا تذکرہ کیا، یہ اختصار ہے۔ امام اوزاعی کی مذکورہ بالا روایت میں یہ ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ نے حضور سے اجازت لی تو حضور نے اجازت دے دی، بلکہ باب الاعتکاف فی شوال میں محمد بن فضیل بن

غزوان کی روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ نے اعتکاف کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دے دی اور انہوں نے مسجد میں کل خیمہ تانا۔ البتہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے بارے میں کسی روایت میں نہیں کہ انہوں نے اجازت لے کر خیمہ لگایا اسی لیے خفگی زیادہ ہوئی۔

لاخبية

محمد بن فضیل بن غزوان کی روایت میں ''اربع قباب'' کی تصریح ہے یعنی چار خیمے ملاحظہ فرمائیے۔

البر ترون بهن

''البر ترون'' کا مفعول بہ ہے اور ہمزہ استخبار یا انکار کے لیے ہے۔ ''بھن'' کا متعلق اعتکاف محذوف ہے۔ ''ترون'' تظنون'' کے معنی میں ہے اور خطاب حاضرین سے ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوا: کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ ان کے ساتھ اعتکاف نیکی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے: ''بھنّ ملتبسًا'' محذوف کا متعلق ہے۔ اور ''ترون'' کا مفعول ثانی ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوا: کیا تم لوگ گمان کرتے ہو کہ یہ نیکی کے ساتھ متلبس ہیں یعنی ان عورتوں کا مسجد میں آکر اعتکاف کرنا نیکی ہے، یہ مسجد میں آکر اعتکاف کر کے نیکی کر رہی ہیں۔

امام مالک کی روایت میں ''تقولون'' ہے اور یہ ''تظنون'' کے معنی میں ہے۔ قول بہ معنی ظن بھی آتا ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

اما الرحيل فدون بعد غد فمتى تقول الدار تجمعنا

''کوچ قریب ہے کل کے بعد ہے وہ کہتی ہیں: کب گھر ہم دونوں کو اکٹھا کرے گا''۔

امام اوزاعی کی روایت میں ''البر اردن بھذا'' ہے یعنی کیا انہوں نے اس سے نیکی کا ارادہ کیا ہے۔

فترك الاعتكاف

ابن فضیل کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حکم دیا: ان خیموں کو اکھاڑ دو، تو اکھاڑ دیئے گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے شوال کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا ممنوع ہے، وہ اپنے گھر میں اعتکاف کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو شوہروں کی اجازت کے بغیر اعتکاف ممنوع ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں خیمہ گاڑنا جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دفع شر جلب منافع پر مقدم ہے، یعنی کسی کار خیر کرنے میں کسی فساد کا اندیشہ صحیحہ ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

بَابٌ هَلْ يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ لِحَوَائِجِهِ إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ (ص ۲۷۲)

اپنی ضرورتوں کے لیے معتکف مسجد کے دروازہ تک جا سکتا ہے؟

۱۲۰۱- أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُوْرُهُ فِي اعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ

حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے خبر دی کہ نبی ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہ، نبی ﷺ کی زیارت کے لیے آئیں اور حضور رمضان کے اخیر عشرہ میں مسجد میں معتکف تھے، انہوں نے حضور سے تھوڑی دیر تک بات چیت کی، پھر اٹھیں اور

الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهٗ سَاعَةً ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا یَقْلِبُهَا حَتّٰى اِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ اُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رِسْلِكُمَا اِنَّمَا هِیَ صَفِیَّةُ بِنْتُ حُیَیٍّ فَقَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَبُرَ عَلَیْهِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَبْلُغُ مِنَ الْاِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ وَاِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یَقْذِفَ فِیْ قُلُوْبِكُمَا شَیْئًا۔

واپس ہونے لگیں، تو نبی ﷺ بھی انہیں واپس کرنے کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہوئے، وہ جب مسجد کے اس دروازے پر پہنچیں جو حضرت اُم سلمہ کے حجرے کے دروازے کے پاس ہے تو انصار کے دو صاحب گزرے اور نبی ﷺ کو سلام کیا، ان دونوں سے نبی ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو! (اور فرمایا:) یہ صفیہ بنت حیی ہے، ان دونوں صاحبان نے عرض کیا: سبحان اللہ! یا رسول اللہ! اور ان پر حضور کا یہ ارشاد شاق گزرا، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: انسان کے بدن میں جہاں جہاں خون پہنچتا ہے شیطان بھی پہنچ جاتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ (بدگمانی) نہ ڈال دے۔

(ایضاً۔ باب: زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ۔ باب: ھل یدرأ المعتکف عن نفسہ ص ۲۷۳، کتاب الجہاد۔ باب: بیوت ازواج النبی ﷺ ص ۴۳۷، کتاب بدء الخلق۔ باب: صفۃ ابلیس وجنودہ ص ۴۶۴، کتاب الادب۔ باب: التکبیر والتسبیح عند التعجب ص ۹۱۸، کتاب الاحکام۔ باب: موعظۃ الامام للخصوم ص ۱۰۶۳، مسلم۔ کتاب الاستیذان، ابوداؤد۔ کتاب الصوم۔ کتاب الادب، نسائی۔ کتاب الاعتکاف، ابن ماجہ۔ کتاب الصوم، مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۳۳۷)

بخاری بدأ الخلق اور مسند امام احمد میں یہ بھی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت صفیہ رات میں حاضر ہوئی تھیں۔

باب ''زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ'' میں یہ زائد ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں تھے اور حضور کی خدمت میں حضور کی ازواج حاضر تھیں، سب چلی گئیں۔ حضور نے حضرت صفیہ سے فرمایا: جانے میں جلدی مت کرنا، میں تم کو پہنچا دوں گا اور ان کا گھر دار اسامہ میں تھا۔ عہد نبوی میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی گھر ہی نہ تھا، مگر اُم المؤمنین حضرت صفیہ جس گھر میں رہتی تھیں، ان کے وصال کے بعد حضرت اسامہ اس میں رہنے لگے تھے اور حضرت امام زین العابدین اپنے زمانے کی بات کر رہے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرت صفیہ کو ان کے حجرے تک پہنچا دیا۔ یہ حجرہ وہاں تھا، جو دار اسامہ کے نام سے مشہور ہے۔

فسلما

جو انصار ملے تھے، ان کے بارے میں آگے ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا اور آگے بڑھ گئے، تو حضور نے وہ فرمایا۔ یہاں بعض روایتوں میں ''تعالیا'' ہے، اس سے بھی مراد یہی ہے کہ ٹھہر جاؤ۔ مسند امام احمد اور بخاری بدأ الخلق میں ہے کہ ''اسرعا'' یعنی تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ اخیر میں یہاں ''شیئا'' ہے۔ مسند امام احمد میں ''سوء ا'' ہے اور بخاری بدأ الخلق میں ''شرا'' ہے حاصل سب کا ایک ہے۔ مراد یہ ہے کہ رات میں ایک عورت کو مسجد سے نکلتے اور مجھے دروازے پر کھڑا دیکھ کر کہیں شیطان تمہارے دلوں میں میری طرف سے کوئی برا خیال نہ ڈال دے، اسے بہکانے میں دیر نہیں لگتی۔ اس لیے میں نے تمہیں بتایا ہے کہ یہ صفیہ بنت حیی ہے۔ دونوں صاحبان حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر تھے۔

علی رسلکما

اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے ہو ویسے ہی رہو، حاصل یہ کہ ٹھہر جاؤ۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معتکف کو جائز ہے کہ مباح کام میں مصروف رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ملاقاتیوں سے ملے اور باتیں کرے، معتکف سے ملاقات کے لیے اس کی زوجہ مسجد میں جا سکتی ہے، عورتوں کو رات میں بہ ضرورت نکلنا جائز ہے۔

شیطان کا انسان پر تسلط

حدیث کا اس جملے سے کہ فرمایا: ''ان الشیطان یبلغ من الانسان مبلغ الدم'' انسان کے جسم میں جہاں جہاں خون پہنچتا ہے شیطان بھی پہنچ جاتا ہے، بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کو بے قابو کر کے مسلط ہو سکتا ہے، جیسا کہ آسیب زدہ افراد میں مشاہدہ ہے اور یہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ فرمایا: ''یَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ'' (البقرہ:۲۷۵) جسے چھو کر شیطان دیوانہ بنا دیتا ہے۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْاَوْسَطِ مِنْ رَّمَضَانَ (ص ۲۷۴)

رمضان کے عشرۂ وسطیٰ میں اعتکاف

۱۲۰- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کرتے تھے اور جس سال وصال ہوا بیس دن اعتکاف فرمایا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: ما کان جبریل یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۷۴۸، ابوداؤد۔ کتاب الصوم نسائی۔ کتاب فضائل القرآن۔ کتاب الاعتکاف ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

ظاہر ہے کہ یہ اعتکاف مسلسل تھا، اسے لازم کہ عشرۂ وسطیٰ میں بھی کیا ہو۔ بیس دن اعتکاف کرنے کی حکمت کیا تھی؟ اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں۔ فضائل قرآن کی روایت یہ ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید ایک بار رمضان شریف میں پیش کیا جاتا تھا، مگر جس سال وصال فرمایا، دو بار پیش کیا گیا۔ ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال وصال فرمایا بیس دن اعتکاف فرمایا۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ اخذ کیا کہ دو بار قرآن کے دور کی وجہ سے بیس دن اعتکاف فرمایا، مگر یہ اس وقت صحیح ہوگا جب یہ طے ہو کہ قرآن کا دور صرف اعتکاف ہی کی حالت میں ہوتا ہو، حالانکہ ایسا نہیں۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں تصریح ہے کہ رمضان کی ہر رات میں جبرئیل قرآن کا دورہ کرتے تھے[1] مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو بار قرآن کے دور کی خوشی میں دُگنا اعتکاف فرمایا، دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ابھی حدیث گزری کہ ازواج مطہرات کے مسجد میں اعتکاف کے لیے خیموں کے لگانے پر رمضان کا اعتکاف ترک فرمایا، اور شوال میں کیا، اس کا احتمال ہے کہ رمضان ہی میں اس کی تلافی کے لیے دس روز مزید اعتکاف کیا۔

تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سال گزشتہ سفر کی وجہ سے رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف نہ کر سکے تو اس کی تلافی کے لیے بیس دن کیا جیسا کہ ابوداؤد[2] اور نسائی[3] میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف کیا

[1] بخاری۔ ج ا ص ۳۔ کتاب بدء الوحی کتاب فضائل القرآن۔ ج ۲ ص ۷۴۸

[2] ابوداؤد۔ ج ا ص ۳۳۳۔ کتاب الصیام۔ باب: الاعتکاف

[3] فتح الباری۔ ج ۴ ص ۲۴۲

کرتے تھے۔ایک سال سفر کی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے تو سال آئندہ بیس دن کیا۔

اقول: یہ سفر فتح مکہ کا تھا۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ حیات ظاہری کا اخیر سال تھا' ارادہ فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ طاعات کے ساتھ اپنے رب سے ملاقات کریں اس میں اُمت کو تلقین ہے کہ بڑھاپے میں جہاں تک ہو سکے' طاعات وعبادات میں کوشش کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٣٤- كِتَابُ الْبُيُوْعِ (ص ٢٧٤)

خرید وفروخت کا بیان

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ وَتَبَارَكَ تَعَالٰى (ص ٢٧٤)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں جو مروی ہے کہ فرمایا

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (الجمعۃ: ١٠-١١) وَقَوْلِهٖ ﴿لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء: ٢٩)۔

جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرو تا کہ کامیابی حاصل کرو اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا تو اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا' فرمادو: اللہ کے حضور جو کچھ ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ کا رزق سب سے اچھا ہے۔ (الجمعۃ: ١٠-١١) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: نہ کھاؤ تم آپس میں اپنے مال ناحق سوائے اس کے کہ جب تم آپس میں راضی خوشی تجارت کرو۔ (النساء: ٢٩)

حسن ترتیب

اُمورِ دین کی پانچ قسمیں ہیں: اعتقادیات' عبادات' معاملات' زواجر' آداب۔ ان میں سب سے اہم ''اعتقادات'' ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب کی بنیاد ہیں' اس لیے ان کو سب سے پہلے بیان فرمایا' پھر عبادات کو' اس لیے کہ یہ بہ نسبت معاملات کے بہت اہم ہیں' پھر معاملات کو اور معاملات میں سب سے مقدم بیوع کو رکھا' اس لیے کہ اس کی احتیاج سب سے زیادہ ہے' بلکہ غور کیجئے تو یہ مدارِ حیات ہے۔

بیع کے معنی

بیوع' بیع کی جمع ہے اس کے لغوی معنی بیچنے کے بھی ہیں اور خریدنے کے بھی ہیں۔ فقہ میں اس کے معنی ہیں: ''مبادلة المال بالمال بالتراضی'' مال کو مال سے بہ خوشی بدلنا' اس کی متعدد قسموں پر نظر کرتے ہوئے جمع لائے۔ بیع کی یہ قسمیں ہیں: (١) اگر عین سامان کو ثمن کے عوض بیچیں تو یہ مطلق بیع ہے (٢) اور اگر عین عین کے عوض ہو تو مقائضہ ہے (٣) اور اگر دین کو عین کے بدلے بیچیں تو بیع سلم ہے (٤) اور اگر ثمن کو ثمن کے بدلے بیچیں تو یہ بیع صرف ہے (٥) اور اگر کسی چیز کو اس کی قیمت بتا کر کچھ زائد لے کر بیچیں تو

مرابحہ ہے (٦) اور اگر اصل قیمت پر بیچیں تو تولیہ ہے (٧) اور اگر کچھ قیمت کم کر کے بیچیں تو وضیعہ ہے (٨) اور اگر بیع تام ہے اس میں کوئی خیار نہیں تو لازم ہے (٩) اور اگر خیار ہے تو غیر لازم ہے' یہ نو قسمیں ہوئیں' پھر ان سب کی چار قسمیں ہیں۔ صحیح اگر اس کے تمام ارکان اور شرائط پائے جائیں' باطل: اگر کوئی رکن مفقود ہو' فاسد: اگر کوئی شرط مفقود ہو' مکروہ: اگر کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو' اب کل چھتیس قسمیں ہوئیں۔

ارکان وشرائط

اس کے ارکان ایجاب وقبول ہیں' اس کا محل مال متقوم' اور شرط متعاقدین کا اہل ہونا۔ علاوہ ازیں ہر نوع کے مخصوص شرائط الگ الگ ہیں' جو کتب فقہ میں بالتصریح مذکور ہیں۔ اس کے فوائد یہ ہیں: (١) انسان زندہ رہنے کے لیے جن اشیاء کا محتاج ہے' ان میں توسیع ہے (٢) جھگڑے لڑائی' لوٹ کھسوٹ' چوری ڈاکے وغیرہ کا سد باب (٣) عالم کی بقاء اور اس کے نظام کی استواری۔

١٢٠٣- ح: فَأُقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِي

[میں آپ کو اپنا آدھا مال دیتا ہوں]

١٢٠٣- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ اٰخٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ فَقَالَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ اِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا فَأُقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِي وَانْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ هَوِيتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا فَاِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْ ذٰلِكَ هَلْ مِنْ سُوْقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ قَالَ سُوْقُ قَيْنُقَاعٍ قَالَ فَغَدَا اِلَيْهِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَأَتٰى بِأَقِطٍ وَّسَمْنٍ قَالَ ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجْتَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَمَنْ قَالَ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَ كَمْ سُقْتَ قَالَ زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ نَوَاةً ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ہم مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا' تو سعد بن ربیع نے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں' میں آپ کو آدھا مال دیتا ہوں اور میری دونوں بیویوں کو دیکھو' جو تمہیں پسند ہو' اسے طلاق دے دوں اور جب عدت گزارنے کے بعد حلال ہو جائے تو اس سے شادی کر لو۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اس کی مجھے ضرورت نہیں' ایسا کوئی بازار ہے جس میں تجارت ہو؟ سعد نے بتایا: قینقاع کا بازار ہے' عبدالرحمٰن صبح وہاں گئے اور پنیر اور گھی لائے' پھر مسلسل صبح کو جاتے رہے' کچھ دنوں کے بعد عبدالرحمٰن آئے اور ان پر زردی کا نشان تھا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم نے شادی کر لی ہے؟ عرض کیا: جی! پوچھا: کس سے؟ عرض کیا: ایک انصاری عورت سے دریافت فرمایا: کتنا مہر دیا؟ عرض کیا: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔ فرمایا: ولیمہ کرو' اگرچہ ایک بکری ہی سے۔

(ایضاً۔ اسی باب میں اسی کے متصل کتاب الکفالۃ۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل والذین عاقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم ص ٣٠٦' کتاب المناقب الانصار۔ باب: اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ٥٣٣' باب: کیف اخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ٥٦١' ج ٢۔ کتاب النکاح۔ باب: الصفرۃ للمتزوج ص ٧٧٤' باب: الولیمۃ ولو بشاۃ ص ٧٧٧' کتاب الادب۔ باب: الاخاء والحلف ص ٨٩٨' مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ' ترمذی۔ کتاب البر' مسند امام احمد۔ ج ٣ ص ١٩٠)

یہ روایت خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسی باب میں اسی کے متصل یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی تھوڑے سے تغیر کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت سعد بن ربیع نے مذکورہ بالا پیش کش کی

تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا: اللہ تمہارے مال اور اہل میں برکت دے! کسی بازار کا راستہ بتاؤ۔ جب لوٹے تو نفع میں پنیر اور گھی لائے۔ تخریج میں جو حوالے ہیں وہ دونوں کے ہیں۔

توضیح سند

اس حدیث کی سند میں یہ ہے:

"حدثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن جده قال قال عبد الرحمٰن بن عوف" ابراہیم کا شجرۂ نسب یہ ہے: ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس سند میں یہ متعین ہے کہ "ابیـــــه" کی ضمیر مجرور متصل کا مرجع ابراہیم بن سعد ہی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ابراہیم اپنے والد سعد سے روایت کرتے ہیں، اس میں کوئی خلل نہیں، البتہ "عن جده" کی ضمیر مجرور متصل کے مرجع کے بارے میں دو احتمال ہیں اور دونوں مخدوش ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع ابراہیم بن سعد ہوں، یعنی ابراہیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے دادا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فرزند ابراہیم ہیں۔ ابراہیم بن سعد رشتۂ مواخات قائم ہوتے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ ان کا وصال ۹۰ھ پچھتر سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ ان کی ولادت ۱۵ھ میں ہوئی تھی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "جـــــده" کی ضمیر کا مرجع سعد بن ابراہیم کو بنائیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ سعد بن ابراہیم نے اپنے دادا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے، حالانکہ سعد نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے، اس لیے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا وصال ۳۲ھ میں ہوا ہے۔ اور سعد بن ابراہیم کی ولادت ۵۳ھ میں ہوئی ہے، کیونکہ ان کا وصال ۱۲۶ھ میں تہتر سال کی عمر میں ہوا ہے۔

دونوں تقدیروں پر یہ حدیث مرسل ہوئی۔

اقول: یہ تنقید دوسری سند پر ہے جو مناقب الانصار، باب اخاء النبی ﷺ میں مذکور ہے، جس میں یہ ہے: "عن جده قال لما قدموا المدينة. الحديث" یہاں اس کی گنجائش ہی نہیں، یہاں پہلی شق متعین ہے، یعنی "جده" کی ضمیر کا مرجع ابراہیم بن سعد ہیں، اور جد سے مراد ابراہیم بن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ یہ اگرچہ عقد مواخات کے وقت موجود نہیں تھے، مگر وہ کہتے ہیں: "قـــال عبد الرحمٰن بن عوف" وہ اپنے والد سے سن کر روایت کرتے ہیں، اس لیے اس میں ارسال کی گنجائش نہیں۔

آخی رسول اللہ ﷺ

مہاجرین، اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی رضا کے لیے اپنا گھر بار، مال و متاع چھوڑ کر تن بتقدیر خالی ہاتھ مدینہ طیبہ آئے تھے۔ ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا، جس سے وہ گزر بسر کرتے، رہنے سہنے کے لیے گھر بار بناتے، اس لیے حضور اقدس ﷺ نے ان کا یہ انتظام فرمایا کہ مہاجرین کی حیثیت کا لحاظ کر کے انصار کرام سے ان کا رشتۂ مواخات، بھائی چارگی کا رشتہ قائم فرمایا۔ سیر چشم انصار کرام نے اسے بسر و چشم قبول فرمایا اور حقیقی بھائی سے بڑھ کر اس کا لحاظ رکھا۔

ادھر مہاجرین بھی انصار پر بار نہ رہے، وہ بہت جلد اپنی محنت اور صلاحیت کی بدولت اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے، جس کی ایک نظیر اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس مواخات کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، یہاں تک کہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ. رشتے والے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

(الانفال: ۷۵)

تو ریث کا حق منسوخ ہو گیا، ایک روایت کے مطابق مواخات غزوۂ بدر تک رہی۔

علیه اثر صفرة

زفاف کے وقت زرد رنگ کی خوشبو استعمال کرتے تھے' اسی کا اثر تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''وَضَرٌ مِّن صفرة'' ہے' وہ زرد رنگ سے رنگین تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ زعفران کا رنگ تھا۔ مراد یہ ہے کہ شب عروسی میں دولہن نے جو خوشبودار رنگ استعمال کیا تھا' وہ ان کے کپڑوں میں لگ گیا تھا' اسے دیکھ کر رسول اللہ نے دریافت فرمایا۔ جن خاتون سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تھی' وہ ابوالبسر انس بن رافع کی صاحبزادی تھیں' جن سے قاسم اور ابوعثمان عبداللہ تولد ہوئے۔ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''مَهْيَمْ'' یہ یمن کی لغت کا لفظ ہے' اس کے معنی ہیں: ''ما هٰذا'' یہ کیا ہے؟

زنة نواة من ذهب

''نواة'' کے لغوی معنی کھجور کی گٹھلی کے ہوتے ہیں' یہ چھوٹی بڑی ہوتی ہے' اس لیے اس میں اختلاف ہے کہ مروجہ وزن سے یہ کتنا ہوا۔ ابوعبید نے کہا کہ پانچ درہم ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: تین درہم۔ ترمذی میں حضرت امام احمد ہی سے مروی ہے کہ ۳ ۱/۳ درہم۔ ایک قول یہ ہے کہ ۱/۴ دینار ہے۔

ایک درہم شرعی تین ماشے ۱ ۱/۵ رتی ہے' تو پانچ درہم کے پندرہ ماشے ہوئے۔ ''قس علٰی هٰذا'' دینار ساڑھے چار ماشے کا' ربع دینار ایک ماشہ ۱/۸ رتی کا ہوا۔

اولِمْ

اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ سنت ہے' زیادہ کی استطاعت نہ ہو تو جتنا ہو سکے اتنا ہی کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے عقد کے وقت ستو اور کھجور سے ولیمہ کیا تھا' اس کا وقت زفاف کی صبح ہے۔ رخصتی سے پہلے یا بعد رخصتی جو دعوت کی' یہ ولیمہ نہیں۔ ریا اور نام آوری کے قصد سے ہو تو حرام اور جہاں اسے قرض سمجھتے ہیں وہاں قرض اتارنے کی نیت میں حرج نہیں' مگر یہ نیت محمود نہیں کہ اب یہ دعوتِ ولیمہ نہیں ہے' ایک قرض کی ادائیگی ہوئی۔ اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے: (۱) معزز اور شریف افراد کو بازاروں میں خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں (۲) اپنی معاشی حالت خوشگوار بنانے میں محنت و مشقت محمود ہے (۳) حرفت و صنعت تجارت بلکہ ملازمت کر کے گزارہ افضل ہے' بہ نسبت اس کے کہ لوگوں کے عطیے اور صدقات وغیرہ پر بسر اوقات کی جائے۔

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

یہ انصار کرام کے بنی خزرج کے سربرآوردہ اور ممتاز افراد میں سے تھے۔ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے اور بارہ نقباء میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بَابُ تَفْسِيْرِ الْمُشَبَّهَاتِ (ص ۲۷۴) مشبہات کی تفسیر

بعض نسخوں میں ''مشابهات'' ہے' اور بعض میں ''الشبهات'' ہے' ''شبه'' کی جمع' اس سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں جو مجتہد کی نظر میں بعض وجوہ سے حلال کے مشابہ ہوں اور بعض وجوہ سے حرام کے۔

ت ۱۳۸۱ - وَقَالَ حَسَّانُ بْنُ اَبِىْ سِنَانٍ مَّا رَاَيْتُ شَيْئًا اَهْوَنَ مِنَ الْوَرَعِ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ.

اور حسان بن ابی سنان نے فرمایا: میں نے ورع سے آسان کوئی چیز نہیں دیکھی' جس میں شک ہو' اسے چھوڑ دے اور وہ اختیار

کرے جس میں شک نہ ہو۔

اس تعلیق کو امام ابو نعیم نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: یونس بن عبید اور حسان بن ابی سنان عابد بصرہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ یونس نے کہا: میں نے ورع سے سخت کوئی عمل نہیں پایا تو حسان نے کہا: ورع سے آسان میں نے کوئی چیز نہیں پائی۔ یونس نے کہا: کیسے؟ تو بتایا: جس چیز نے مجھے شک میں ڈالا اسے چھوڑ کر وہ اختیار کیا جس میں کوئی شک نہیں تھا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جس کی آمدنی مشتبہ ہے، وہ حلال کاروبار بھی کرتا ہے اور حرام بھی۔ اس نے کوئی ہدیہ پیش کیا، اس شبہہ سے کہ کہیں اس نے مال حرام سے نہ دیا ہو، یہ شک ہوا، مگر کسی کے ہدیہ قبول نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں، تو ورع یہ ہے کہ ہدیہ قبول نہ کرے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ایمان کیا ہے؟ فرمایا: جب کسی نیکی پر تو خوش ہو اور برائی پر تجھے اذیت ہو، تو تو مومن ہے، پوچھا: گناہ کیا ہے؟ فرمایا: جو تجھے کھٹکے اسے چھوڑ دے۔ (مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۵۲)

ورع

ورع کے لغوی معنی: بچنے کے ہیں، شریعت میں ورع یہ ہے کہ آدمی ہر اس چیز سے بچے جو شرعاً ناپسندیدہ ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں: فرض: ہر حرام قطعی سے بچنا، واجب مشابہات سے بچنا۔ مکروہ: شرعاً جن چیزوں سے بچنے کی کوئی وجہ نہیں، ان سے بھی پرہیز کرنا۔ امام غزالی نے ورع کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں: اوّل: ورع الصدیقین، عبادت کی نیت کے بغیر کوئی چیز نہ کھائے۔ ثانی: ورع المتقین، جو چیز مشتبہ نہیں مگر اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں حرام تک نہ کھینچ لے جائے، اسے بھی چھوڑنا۔ ثالث: ورع الصالحین، جس میں احتمال ناشی عن دلیل ہو کہ کہیں یہ حرام تو نہیں۔ رابع: ورع الموسوسین، بغیر دلیل شبہہ کر کے چھوڑنا۔ خامس: ورع الشہود، ایسی جائز باتوں کو چھوڑنا جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہو، جیسے صرف تہبند پہن کر باہر نکلنا اور بازاروں میں کھانا پینا۔

۱۲۰۴- ح: اَنَّ امْرَاَةً سَوْدَاءَ جَاءَتْ. فَزَعَمَتْ اَنَّهَا اَرْضَعَتْهُمَا [ایک حبشن عورت کا آنا اور کہنا کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے]

۱۲۰۴- عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ امْرَاَةً سَوْدَاءَ جَائَتْ فَزَعَمَتْ اَنَّهَا اَرْضَعَتْهُمَا فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ وَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ وَقَدْ كَانَتْ تَحْتَهُ ابْنَةُ اَبِي اِهَابٍ التَّمِيْمِيِّ.

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک حبشیہ خاتون آئیں اور انہوں نے کہا کہ ان دونوں کو میں نے دودھ پلایا ہے، اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو حضور نے منہ پھیر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، ارشاد فرمایا: کیسے، حالانکہ کہا گیا ہے اور ان کے نکاح میں ابواہاب تمیمی کی بیٹی تھیں۔

(بخاری۔ کتاب العلم۔ باب: الرحلة فى المسئلة النازلة ص ۱۹، کتاب الشہادات۔ باب: اذا شهد شاهد او شهود بشىء ص ۳۶۰، باب: شهادة الاماء والعبيد، باب: شهادة المرضعة ص ۳۶۳، ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: شهادة المرضعة ص ۷۶۴، ترمذی۔ کتاب الرضاع، نسائی۔ کتاب النکاح، دارمی۔ کتاب النکاح، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۸۴)

یہ حدیث کتاب العلم میں مفصل اس طرح ہے، حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ابواہاب کی بیٹی سے شادی کی تو ان کے پاس ایک عورت آئیں اور انہوں نے کہا: میں نے عقبہ کو اور جس عورت سے انہوں نے شادی کی، دودھ پلایا ہے۔ اس پر عقبہ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے، اور نہ تو نے مجھے (پہلے) بتایا۔ اب وہ سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر

ہوئے اور حضور سے پوچھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیسے؟ حالانکہ کہا گیا' تو عقبہ نے ان سے جدائی اختیار کر لی اور انہوں نے ان خاتون کے علاوہ کسی اور سے نکاح کر لیا۔

ارضعتهما

اس حبشی عورت نے یہ کہا کہ میں نے عقبہ کو بھی دودھ پلایا ہے اور ابواہاب کی اس بیٹی کو بھی جس سے انہوں نے نکاح کیا۔ ان کا نام غنیّۃ بنت ابواہاب تھا' اور کنیت اُم یحییٰ۔

فذكر للنبی ﷺ

حضرت عقبہ بن حارث قریشی صحابی ہیں' فتح مکہ کے موقع پر ایمان سے مشرف ہوئے اور مکہ ہی میں رہتے تھے۔ اس حبشی عورت نے جب وہ کہا تو مدینہ طیبہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضور نے یہ سن کر منہ پھیر لیا۔ مسند امام احمد[1] ترمذی[2] میں ہے کہ انہوں نے یہ عرض کیا کہ میں نے فلانہ بنت فلاں سے شادی کی تو ایک حبشی عورت نے آ کر یہ بتایا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے حالانکہ وہ جھوٹی ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے منہ پھیر لیا تو وہ حضور کے سامنے آئے اور پھر وہی عرض کیا تو پھر فرمایا: کیسے اسے اپنی زوجیت میں رکھو گے حالانکہ وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے' اسے چھوڑ دو۔ بخاری' کتاب العلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کا محمل یہ ہے کہ انہوں نے اسے طلاق دے دی۔

اسی حدیث کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے مرضعہ کی شہادت کافی ہے' مگر احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بہ قدر نصاب شہادت گواہ ضروری ہیں۔ اور حضرت عقبہ کو جو حکم دیا تھا وہ بر بنائے احتیاط تھا۔ اسی تقدیر پر اس حدیث کو باب سے مطابقت ہے۔ ایک طرف یہ ہے کہ اگر یہ عورت سچی ہو تو نکاح باطل محض ہوگا' قربت زنا ہوگی۔ اور کسی بھی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا فرض نہیں' اور طلاق دینا گناہ نہیں' تو تقاضائے ورع یہی ہے کہ اسے علیحدہ کر دیا جائے۔

فاعرض عنه

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اگر صرف مرضعہ کی شہادت رضاعت کے لیے کافی ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کو صرف حضرت عقبہ کے سوال پر اعراض نہیں فرمانا چاہیے تھا' وہ اتنی دور سے حکم معلوم کرنے حاضر ہوئے تھے۔ مناسب یہ تھا کہ فوراً بلا تاخیر فرما دیتے کہ اسے علیحدہ کر دو! وہ تم پر حرام ہے۔ اعراض اور پھر تبسم سے اشارہ مل رہا ہے کہ تم اس کو مجھ سے نہ عرض کرتے۔ رکھے رہتے تو کوئی حرج نہیں تھا' مگر جب مجھ سے بیان کر دیا تو میں تمہاری شان کے لائق جو حکم ہے' وہ بیان فرما دیتا ہوں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے چھوڑ دو۔

١٢٠٥- ح: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ

[بیٹا بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں]

١٢٠٥- عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلٰى اَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّيْ فَاقْبِضْهُ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: عتبہ بن ابووقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابووقاص کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ میرے نطفے سے ہے' اسے لے لینا' فتح مکہ کے موقع پر سعد بن

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۸۴

[2] ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۳۷۔ کتاب الرضاع۔ باب: شهادة المرأة الواحدة في الرضاع

قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ اَخَذَهُ سَعْدُ بْنُ اَبِي وَقَّاصٍ وَقَالَ ابْنُ اَخِي قَدْ عَهِدَ اِلَيَّ فِيهِ فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ اَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ اَبِي وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ فَتَسَاوَقَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْنُ اَخِي كَانَ قَدْ عَهِدَ اِلَيَّ فِيهِ فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ اَبِي وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبِي لِمَا رَاٰى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ فَمَا رَاٰهَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.

ابو وقاص نے اسے لے لیا اور کہا کہ میرے بھائی کا بیٹا ہے' میرے بھائی نے مجھے اس کے بارے میں وصیت کی تھی' تو عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے اور کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے والد کی باندی کا بیٹا' جو اس کے بچھونے پر پیدا ہوا ہے۔ اب دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے جس کے بارے میں وہ مجھے وصیت کر گئے تھے۔ اس پر عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے والد کی لونڈی کا بیٹا' جو میرے والد کے بچھونے پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تیرے لیے ہے' اے عبد بن زمعہ! پھر نبی ﷺ فرمایا: بچہ بچھونے والے کا ہے' اور زانی کے لیے پتھر ہے۔ اس کے بعد اُم المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ زوجہ نبی ﷺ سے فرمایا کہ اس سے پردہ کرنا' کیونکہ اس بچے کو عتبہ کے مشابہ دیکھا' اس نے حضرت سودہ کو زندگی بھر نہیں دیکھا حتیٰ کہ اللہ عزوجل سے جا ملے۔

(ایضاً۔ شری المملوک من الحربی ص ۲۹۵' کتاب الخصومات ص ۳۲۶' کتاب الوصایا۔ باب: قول الموصی لوصیه تعاهد ولدی ص ۳۸۳' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب ص ۶۱۶' کتاب الفرائض۔ باب: الولد للفراش ص ۹۹۹' کتاب الحدود۔ باب: للعاهر الحجر ص ۱۰۰۷' کتاب الاحکام۔ باب: من قضی له بحق اخیه فلا یاخذه ص ۱۰۶۵' مسلم۔ کتاب النکاح' ابوداؤد۔ کتاب الطلاق' نسائی۔ کتاب الطلاق' ابن ماجہ۔ کتاب النکاح' ترمذی۔ کتاب النکاح' موطا امام مالک۔ کتاب الاقضیة' مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۷۳ وغیرہ)

عتبہ بن ابی وقاص

یہی وہ بدبخت ہے جس نے غزوۂ اُحد میں حضور اقدس ﷺ کے سر اقدس کو زخمی کیا تھا اور دندان مبارک شہید کیے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کے حق میں یہ دعا کی تھی: اے اللہ! یہ ایک سال کے اندر اندر کافر ہونے کی حالت میں مرے۔ اور ایسا ہی ہوا' جن لوگوں نے اسے صحابہ میں شمار کیا وہ خطاء پر ہیں۔ یہ حضرت سعد کا علاتی بھائی تھا۔ اس کی ماں کا نام ہند بنت وہب بن الحارث بن زہرہ ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حمنہ ہے۔

زمعہ

یہ اُم المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں' حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ ان کے بھائی ہیں۔ بہت شریف اور سادات صحابہ میں سے ہیں' جس کے بارے میں تنازع ہوا تھا' اس بچے کا نام عبدالرحمٰن ہے' یہ بھی صحابی ہیں۔ ولیدہ کے معنی چھوٹی بچی کے ہیں اور لونڈی کے بھی۔ یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔

فاقبضه

زمانہ جاہلیت میں عام دستور تھا کہ رؤسا اپنی لونڈیوں کے ذریعہ زنا کا کاروبار کرتے' اسی بے حیائی کو بند کرنے کے لیے ارشاد

ہوا: ''وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ'' (النور: ۱۲) ''اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو'' ایسی لونڈیوں کے جب حمل رہ جاتا اب اگر اس لونڈی کا آقا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میری اولاد ہے' تو اسی کی اولاد مان لیا جاتا' اور اگر وہ یہ دعویٰ نہ کرتا ہو اور لونڈی کے آشناؤں میں سے کوئی دعویدار ہوتا تو اس کی اولاد مان لیا جاتا۔ اور اگر اس لونڈی کا مالک کچھ دعویٰ کیے بغیر مر جاتا اور اس کے ورثہ میں سے کوئی دعویدار ہوتا تو اسے مل جاتا۔ اسی رسوا کن دستور کے مطابق عتبہ بن ابووقاص کا تعلق زمعہ کی لونڈی سے تھا' وہ حاملہ ہوئی۔ زمعہ نے اس کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا اور مر گیا۔ عتبہ نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص سے وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا ہے' وہ میرا ہے' تم اس کو لے لینا' چونکہ اس جاہلی دستور کے خلاف کوئی حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے حضرت سعد نے اس بچے کو لے لیا اور عبد بن زمعہ نے مزاحمت کی' تو حضور اقدس ﷺ نے ایک ایسا قانون ارشاد فرمایا جس کی بدولت قیامت تک کروڑوں بے گناہوں کی زندگی سنور ہی نہیں گئی بلکہ انہیں سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل ہو گیا۔

الولد للفراش

فراش کے معنی بستر کے ہیں' یہاں صاحب فراش مراد ہے' یعنی جسے اس عورت کے ساتھ ہم بستری حلال ہو' خواہ یہ ذریعہ نکاح خواہ بہ ذریعہ ملکِ یمین۔ ''وللعاهر الحجر'' اور زانی کے لیے پتھر ہے یعنی کچھ نہیں' سنگسار کرنا مراد نہیں' اس لیے کہ ہر زانی کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں' بلکہ اس کے لیے زانی کا محصن ہونا شرط ہے۔

هو لك

بخاری' مغازی میں ہے: ''هو لك هو اخوك يا عبد بن زمعة'' یہ تیرے لیے ہے' یہ تیرا بھائی ہے' اے عبد بن زمعہ! اس سے ظاہر ہے کہ ''هو لك'' سے مراد یہ ہے کہ تم اسے لے جاؤ' اپنے قبیلہ میں بہ حیثیت چھوٹے بھائی کے اس کی پرورش کرو۔ اس کا نسب تمہارے باپ سے ثابت ہے۔ یہ مراد نہیں کہ یہ تمہاری ملک ہے' تمہارا غلام ہے' جیسا کہ دستور تھا کہ لونڈی کی جو اولاد آقا سے نہ ہو' وہ غلام مانی جاتی تھی۔ اس مراد کے باطل ہونے پر خود ''الولد للفراش'' دلیل ہے' اور مغازی کی مذکورہ بالا عبارت کہ یہ تیرا بھائی ہے' اس پر نص جلی ہے۔

احتجبی

مسند امام احمد[1] اور نسائی[2] میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی حدیث میں یہ بھی ہے: ''فانه ليس لك باخ'' وہ تمہارا بھائی نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جب یہ فیصلہ فرما دیا کہ زمعہ کا بیٹا ہے' تو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ ایک جواب تو ظاہر ہے کہ یہ حکم بہ طور ورع تھا اور اسی سے باب کے ساتھ مطابقت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ حق حاصل ہے کہ باطنی طور پر واقعے کے مطابق جو بات ہو' اس پر عمل کرنے کا کسی کو حکم دے دیں۔ حضور اقدس ﷺ ماکان وما یکون کے عالم ہیں' اپنے علم سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ بچہ عتبہ کے نطفے سے ہے' پھر اس کی عتبہ کے ساتھ مشابہت اس پر قرینہ بھی ہے' اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

فائدہ جلیلہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس ارشاد ''احتجبی منه'' سے استدلال فرمایا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے' اگر کسی نے کسی عورت کے ساتھ بدکاری کی تو یہ عورت زانی کے اصول و فروع پر حرام ہو جاتی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس کے باوجود

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۵ [2] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۱۰۔ کتاب الطلاق۔ باب: الحاق الولد بالفراش

کہ فیصلہ یہ فرمایا کہ یہ بچہ زمعہ کا ہے۔ اس تقدیر پر یہ اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا، مگر بہ نظر باطن چونکہ یہ عتبہ کے نطفے سے تھا اس لیے اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ اگر زنا ثبوت حرمت میں مؤثر نہ ہوتا تو پردہ کے حکم کی کوئی وجہ نہ تھی۔

فائدہ ثانیہ

حدیث ''الولد للفراش وللعاهر الحجر'' گیارہ صحابہ کرام سے مروی ہے: اُم المومنین حضرت عائشہ، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوامامہ، امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عمر بن خارجہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت براء بن عازب، حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔

بَابُ مَا يُتَنَزَّهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ (ص٢٧٦) — مشتبہ چیزوں سے بچا جائے

١٢٠٦ - عَنْ طَلْحَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ مَّسْقُوطَةٍ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ تَكُوْنَ مِنْ صَدَقَةٍ لَأَكَلْتُهَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے اور ایک کھجور گری ہوئی تھی۔ فرمایا: اگر اس کا شبہہ نہ ہوتا کہ صدقہ ہو تو میں کھا لیتا۔

ت ٣٨٢ - وَقَالَ هَمَّامٌ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِيْ.

ہمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں۔ الحدیث

(بخاری۔ کتاب اللقطۃ۔ باب: اذا وجد تمرة في الطريق ص٣٢٨، مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ، ابوداؤد۔ کتاب الزکوٰۃ)

''وقال همام'' یہ تعلیق ہے، اسے کتاب اللقطہ میں سند متصل کے ساتھ مفصل یوں ذکر فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے اہل میں لوٹ کر آتا ہوں تو کبھی بچھونے پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں، اسے کھانے کی نیت سے اُٹھاتا ہوں، پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ نہ ہو تو پھینک دیتا ہوں۔ یہ ہمام بن منبہ، وہب بن منبہ کے بھائی ہیں۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ (ص٢٧٦) — وسوسے وغیرہ مشتبہ چیزوں میں داخل نہیں

افادہ باب

وسوسہ اور شبہہ میں ایک حد تک تشابہ ہے، اس لیے ضروری تھا کہ دونوں کے مابین فرق واضح کر دیا جائے۔ اس کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: انسان کے دل میں جو بے بنیاد باتیں آئیں وہ وسوسہ ہے۔ اس میں شیطانی مداخلت ہوتی ہے، اس سے احتراز کا حکم ہے۔ مشتبہ بات وہ ہے کہ اس کی کوئی بنیاد ہو۔ اس فرق کو واضح کرنے کے لیے امام بخاری پہلے عباد بن تمیم کی وہ حدیث لائے جسے وہ اپنے چچا (عبداللہ بن زید) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ شکایت کی گئی کہ ایک شخص نماز میں (ریح) محسوس کرتا ہے، کیا وہ نماز توڑ دے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ سونگھ لے۔ یہ حدیث نزہۃ القاری، ج ١ ص ٤١١، رقم: ٩٩ پر گزر چکی ہے۔ وہاں میں نے ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد ہوا خارج ہونے کا یقین ہے، اگر چہ نہ آواز پیدا ہو نہ بدبو محسوس ہو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کبھی کبھی ہوا بلا آواز خارج ہوتی ہے اور اس کا خارج ہونا بلا کسی شک و شبہہ کے محسوس ہوتا ہے اور اس میں بدبو بھی نہیں ہوتی، مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہونے کا شبہہ ہوتا ہے، حالانکہ خارج نہیں ہوتی، اسی اخیر صورت کے بارے میں وہ

فرمایا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا' یہ بے بنیاد ہونے کی وجہ سے وسوسہ ہے' شیطان کا مقصود اس سے وقت ضائع کرنا ہے' اس پر دھیان نہ دو۔ اسی سے معلوم ہوا کہ وسوسہ وہ ہے جو بے بنیاد ہو' اور اس پر دھیان نہیں دینا چاہیے۔

ت ٣٨٣ - وَقَالَ ابْنُ اَبِي حَفْصَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ لَا وُضُوْءَ اِلَّا فِيمَا وَجَدْتَّ الرِّيْحَ اَوْ سَمِعْتَ الصَّوْتَ۔

امام زہری نے فرمایا: وضو اس صورت میں ہے کہ بو محسوس کرے یا آواز سنے۔

اس تعلیق کی بھی توجیہ وہی ہے جو عباد بن تمیم کی حدیث کی ہے' اس حدیث کے راوی امام زہری ہیں۔ انہوں نے حدیث کے کلمات طیبہ میں اپنا مدعا بیان فرمایا: مقصود وہی یقین ہے' وسوسہ ساقط الاعتبار ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''ان اللّٰہ تجاوز عن امتی ما حدثت به انفسها ما لم تعمل به او تتکلم''[1] بے شک اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے جی میں جو باتیں آئیں' ان سے درگزر فرما دیا' جب تک اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے نہ کہے۔ یہ حکم نماز کی حالت کے ساتھ خاص ہے۔ شک میں نماز قطع کرنے میں نقصان یہ ہے کہ مثلاً جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے اور توڑ دی تو جماعت سے محروم رہے گا اور اگر مفرد ہے تو وقت ضائع ہوگا' ورنہ وضو ہوتے ہوئے وضو کرنا نور علیٰ نور ہے' تو شک کی حالت میں یہ درجہ اولیٰ افضل ہوگا۔

١٢٠٧ - ح: اِنَّ قَوْمًا يَّاْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ [کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں]

١٢٠٧ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ قَوْمًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمًا يَّاْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِيْ اَذَكَرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَمْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَكُلُوْهُ۔

حضرت اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں' ہم نہیں جانتے کہ اس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہے' یا نہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پر بسم اللہ پڑھ لو اور کھاؤ۔

ياتوننا باللحم

ظاہر ہے کہ یہ لانے والے مسلمان تھے' مگر چونکہ احکام شرع سے بخوبی واقف نہیں تھے' اس لیے شبہہ ہوا کہ کہیں بسم اللہ پڑھے بغیر تو ذبح نہیں کیا ہے' جواب کا حاصل ہے کہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا لازم ہے۔ اس لیے کہ اصل یہی ہے کہ جب لانے والے مسلمان ہیں تو انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہوگا۔ اخیر میں جو فرمایا: ''سموا اللّٰہ وکلوہ'' اس سے کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم مقصود ہے' یہ مراد نہیں کہ اگر بالقصد بسم اللہ پڑھے بغیر ذبح کیا ہو اور کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لیں تو وہ حلال ہے۔ یہاں بھی شبہہ بے بنیاد تھا' اس لیے اس کا اعتبار نہیں فرمایا' ساقط فرما دیا۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يُبَالِ مِنْ حَيْثُ كَسَبَ الْمَالَ (ص٢٧٦)

جسے اس کی پرواہ نہ ہو کہ کہاں سے مال کمایا

١٢٠٨ - حَدَّثَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ کس طرح کا مال لیا ہے' حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے۔

---

[1] بخاری۔ ج ٢ ص ٧٩٤

لْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ.

(ایضاً۔باب: قول اللّٰہ تعالٰی:یا ایها الذین 'امنوا لا تأکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ ص۲۷۹ 'نسائی۔کتاب البیوع)

دنیا کی لذات میں انہماک کا نتیجہ نکلتا ہے ناخدا ترسی اور دین میں مداہنت اور سستی اور زراندوزی کی ہوس' اس وقت انسان یہ نہیں دیکھتا کہ میری آمدنی حلال ذریعے سے ہو رہی ہے یا حرام۔ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود سے کوئی نہیں بچے گا' کچھ نہیں تو اس کے غبار ہی سے آلود ہوگا[1] مال حرام کی بہت بڑی نحوست یہ ہے کہ مالِ حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''اجعلنی مستجاب الدعوۃ'' مجھے مستجاب الدعا بنادیں۔فرمایا: اے انس! اپنی کمائی پاک کر' تیری دعا قبول کی جائے گی' اگر کوئی حرام کا ایک لقمہ اپنے منہ میں ڈال لیتا ہے تو چالیس دن تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔(عمدۃ القاری۔ج۱۱ص۱۷۴)

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَزِّ وَغَيْرِهِ (ص۲۷۷) کپڑے وغیرہ میں تجارت کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور:۳۷)

اور اللہ کے اس ارشاد کا ہے کہ وہ لوگ جنہیں سود اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

یہاں تین روایتیں ہیں: ''البز وغیرہ'' اور دوسری ''البَرّ'' بہ معنی خشکی' تیسرے ''البُرّ'' بہ معنی گیہوں۔حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو ان تینوں میں سے کسی پر خصوصیت کے ساتھ دلالت کرے۔ان تینوں پر حدیث کے عموم ہی سے استدلال ہو سکتا ہے۔علامہ عینی نے فرمایا: اقرب یہ ہے کہ یہ لفظ ''البَرّ'' بہ معنی خشکی ہو' کیونکہ اس کے بعد بحر بہ معنی دریا کا باب باندھا ہے۔مجدد اعظم اعلٰی حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے حواشی بخاری میں اسی کو ترجیح دی ہے۔اکثر نسخوں میں ''وغیرہ'' نہیں' صرف اسماعیلی اور کریمہ کے نسخے میں ہے۔''وغیرہ'' ہونے کی صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ''البزّ'' زائے معجمہ کے ساتھ ہو۔

ت۳۸۴- وَقَالَ قَتَادَةُ كَانَ الْقَوْمُ يَتَبَايَعُوْنَ وَيَتَّجِرُوْنَ وَلٰكِنَّهُمْ إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِّنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يُؤَدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ.

اور قتادہ نے کہا: لوگ خرید و فروخت کرتے' تجارت کرتے' لیکن جب اللہ کے حقوق میں سے کوئی حق سامنے آجاتا تو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے انہیں غافل نہ کرتی' یہاں تک کہ اسے اللہ کے حضور ادا کر لیتے۔

اس تعلیق میں قوم سے مراد صحابہ کرام ہیں' ان کا حال یہ تھا کہ خرید و فروخت میں ہوتے' جب اذان سنتے تو تیزی سے حق اللہ کی ادائیگی کے لیے چل دیتے۔امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ بازار میں تھے کہ نماز قائم ہوئی' لوگوں نے دوکانوں میں تالے لگائے اور مسجد چلے گئے۔انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔علامہ ابن بطال نے کہا: میں نے اس آیت کی تفسیر میں دیکھا ہے کہ لوہار ہتھوڑا اٹھا چکا ہوتا اور اذان سنتا تو اس کو گراتا نہیں' پھینک کر نماز کے لیے چل دیتا۔موچی ستالی سے سوراخ کرتا اذان سنتا تو اسی طرح چھوڑ کر مسجد چل دیتا۔اس سے باب کے دونوں جز ثابت ہو گئے' صحابہ کرام تجارت' خرید و فروخت کیا کرتے تھے اور اس میں کسی خاص تجارت کی تخصیص نہ تھی' نیز انہیں تجارت میں کاروبار میں مصروفیت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی تھی۔

۱۲۰۹- ح- كُنْتُ أَتَّجِرُ فِي الصَّرْفِ [میں صرف کی تجارت کرتا]

[1] مستدرک للحاکم۔ج۲ص۱۱

١٢٠٩ - اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ عَنْ اَبِی الْمِنْهَالِ قَالَ كُنْتُ اَتَّجِرُ فِی الصَّرْفِ فَسَاَلْتُ زَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ح اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ وَّعَامِرُ بْنُ مُصْعَبٍ اَنَّهُمَا سَمِعَا اَبَا الْمِنْهَالِ یَقُوْلُ سَاَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَّزَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَا كُنَّا تَاجِرَیْنِ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ اِنْ كَانَ یَدًا بِیَدٍ فَلَا بَاْسَ وَاِنْ كَانَ نَسَاءً فَلَا یَصْلُحُ.

ابوالمنہال سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں صرف کی تجارت کرتا تھا' میں نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ عمرو بن دینار اور عامر بن مصعب نے خبر دی کہ ان دونوں صاحبان نے ابوالمنہال سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم سے صرف کے بارے میں پوچھا تو ان دونوں صاحبوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تاجر تھے' ہم نے رسول اللہ ﷺ سے صرف کے بارے میں پوچھا' تو آپ نے فرمایا: اگر ہاتھوں ہاتھ ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر اُدھار ہو تو درست نہیں۔

(ایضاً۔ باب: بیع الورق بالذهب نسیئة ص٢٩١' کتاب الشرکۃ۔ باب: الاشتراک فی الذهب والفضة ص٣٤٠' باب: هجرة النبی ﷺ ص٥٦١' مسلم' نسائی۔ کتاب البیوع)

ہجرۃ النبی ﷺ میں یہ حدیث یوں مفصل ہے: ابوالمنہال عبدالرحمٰن بن مطعم بنانی نے کہا کہ میرے ایک شریک نے بازار میں کچھ درہم ادھار بیچے تو میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا یہ درست ہے؟ تو اس نے کہا: سبحان اللہ! میں نے بازار میں بیچے تو کسی نے عیب نہیں سمجھا۔ اب میں نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا' تو انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ (مدینہ) تشریف لائے اور ہم یہ بیع کرتے تھے' تو آپ نے فرمایا: یہ ہاتھوں ہاتھ ہو' اس میں کوئی حرج نہیں اور جو ادھار ہو تو درست نہیں۔ اور تم حضرت زید بن ارقم سے ملو اور پوچھو' کیونکہ وہ ہم سے بڑے تاجر تھے۔ میں نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا: تو انہوں نے اسی کے مثل فرمایا۔ اس حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ کبھی یوں روایت کرتے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا کہ نبی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور ہم حج کے موسم تک کے وعدے پر ادھار بیع کرتے تھے۔

''بَابُ بَیْعِ الْوَرَقِ بِالذَّهَبِ نَسِیْئَةً'' میں یہ زائد ہے: ''فكل واحد منهما یقول هذا خیر منی'' حضرت براء اور حضرت زید بن ارقم میں سے ہر بزرگ یہ کہتا تھا: یہ یعنی دوسرے صاحب مجھ سے بہتر ہیں۔

بیع صرف

ثمن کو ثمن کے عوض بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں' مثلاً چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کے عوض۔ ثمن کی دو قسمیں ہیں: خلقی' اصطلاحی ثمن خلقی' سونا اور چاندی ہے۔ ثمن اصطلاحی وہ چیزیں جو ثمنیت کے لیے مخلوق نہیں' مگر لوگ اس سے ثمن کا کام لیتے ہیں' ثمن کی جگہ استعمال کرتے ہیں' جیسے سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے روپے' ریزگاریاں' نوٹ۔ ثمن خلقی' ہر حال میں ثمن ہی رہے گا' اگر چہ ڈھلا ہوا سکہ نہ ہو' سل ہو' زیورات ہوں' برتن وغیرہ ہوں۔ ثمن خلقی کو ثمن خلقی کے عوض بیچیں یا اصطلاحی کے عوض یا بالعکس یا ثمن اصطلاحی کے عوض بیچیں' یہ سب بیع صرف ہے۔ بیع صرف کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں' اوّل: ادھار نہ ہو نقد ہو یعنی جس مجلس میں خرید و فروخت ہوئی' اسی مجلس میں بائع ثمن' اور مشتری مبیع اپنے قبضے میں کر لے۔ دوم: اگر مبیع اور ثمن ایک ہی جنس کے ہوں تو دونوں کا وزن میں برابر ہونا ضروری ہے' یعنی بائع اور مشتری اسی مجلس میں جان لیں کہ دونوں برابر ہیں۔ کمی بیشی سود ہے یعنی اگر چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض بیچا تو وزن میں برابری بھی شرط ہے اور مجلس عقد میں قبضہ بھی اور اگر جنس

دونوں تو وزن میں کمی بیشی جائز، مگر مجلس میں قبضہ اب بھی ضروری ہے، ورنہ یہ بھی سود۔ مثلاً آج چاندی کا بھاؤ طے کر کے سونے کے عوض بیچا اور قیمت کے لیے میعاد مقرر کی تو یہ بھی حرام اور سود ہے۔

بَابُ الْخُرُوْجِ فِي التِّجَارَةِ

تجارت کے لیے نکلنا

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعۃ: ١٠) (ص ٢٧٧)

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ فرمایا: اب زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

١٢١٠- ح: اَنَّ اَبَا مُوْسٰى الْاَشْعَرِيَّ اسْتَأْذَنَ

[حضرت موسیٰ اشعری نے حاضری کے لیے اجازت طلب کی]

١٢١٠- عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّ اَبَا مُوْسٰى الْاَشْعَرِيَّ اسْتَأْذَنَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَكَاَنَّهٗ كَانَ مَشْغُوْلًا فَرَجَعَ اَبُوْ مُوْسٰى فَفَزِعَ عُمَرُ فَقَالَ اَلَمْ اَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ائْذَنُوْا لَهٗ قِيْلَ قَدْ رَجَعَ فَدَعَاهُ فَقَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِذٰلِكَ فَقَالَ تَأْتِيْنِيْ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْبَيِّنَةِ فَانْطَلَقَ اِلٰى مَجْلِسِ الْاَنْصَارِ فَسَاَلَهُمْ فَقَالُوْا لَا يَشْهَدُ لَكَ عَلٰى هٰذَا اِلَّا اَصْغَرُنَا اَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ فَذَهَبَ بِاَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فَقَالَ عُمَرُ اَخَفِيَ هٰذَا عَلَيَّ مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْهَانِيْ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ يَعْنِي الْخُرُوْجَ اِلٰى تِجَارَةٍ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں حاضری کے لیے اذن طلب کیا تو انہیں اجازت نہیں ملی، شاید وہ مشغول تھے۔ حضرت ابوموسیٰ لوٹ گئے، اس پر حضرت عمر گھبرائے اور فرمایا: کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی تھی، انہیں اندر آنے کا اذن دو۔ عرض کیا گیا: وہ لوٹ گئے، تو انہیں بلوایا، حضرت ابوموسیٰ نے کہا: ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا: ثبوت لاؤ! اب حضرت ابوموسیٰ انصار کی مجلس میں گئے اور ان سے پوچھا، انہوں نے کہا: اس پر آپ کے لیے ہم میں جو سب سے چھوٹا ہے وہ شہادت دے گا، یعنی ابوسعید خدری۔ یہ ابوسعید خدری کو لے کر حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مجھ سے پوشیدہ رہا، مجھے بازاروں میں خرید و فروخت نے محروم رکھا، یعنی تجارت میں مشغولیت کی وجہ سے دربار سے غیر حاضری رہی۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الاعتصام۔ باب: الحجة على من قال ان احكام النبی صلی اللہ علیہ وسلم كانت ظاهرة ص ١٠٩٣، مسلم۔ کتاب الاستیذان، ابوداؤد۔ کتاب الادب، مسند امام احمد۔ ج ٤ ص ٤٠٠)

استاذن

مسند امام احمد اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تین بار اجازت طلب کی تھی۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ یوں عرض کیا تھا: ''السلام عليكم هذا عبد الله بن قيس. السلام عليكم هذا ابو موسٰى الاشعرى'' مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا: میں مشغول تھا۔

نؤمر بذالك

کتاب الاستیذان[1] میں یہی واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے: میں انصار کی ایک مجلس میں تھا کہ حضرت

[1] بخاری۔ ج ٢ ص ٩٢٣۔ کتاب الاستیذان۔ باب: التسليم والاستيذان ثلثا

ابوموسیٰ آئے' وہ گھبرائے ہوئے معلوم ہو رہے تھے اور کہا: میں نے حضرت عمر سے تین بار اذن مانگا' مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تو میں لوٹ آیا' انہوں نے بلا کر پوچھا: کس چیز نے تم کو منع کیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے تین مرتبہ اذن طلب کیا اور جب اجازت نہیں ملی تو لوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب کوئی تین بار اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے۔

تاتني على ذالك بالبينة

کتاب الاعتصام اور مسلم میں یہ بھی ہے: ورنہ تمہارے ساتھ یہ کروں گا تمہیں سزا دوں گا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ خبر واحد مقبول نہیں بلکہ چونکہ خود حضرت عمر بارگاہِ رسالت کے حاضر باش تھے اور اسے نہ سنا تھا' تو حیرت ہوئی۔ اور مزید توثیق کے لیے یہ فرمایا۔ مؤطا میں ہے: ''لا اتهمك'' میں تمہیں جھوٹا نہیں جانتا۔ اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ خبر واحد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں' مگر اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اجلہ صحابہ کرام اور خصوصی معتمدین میں سے تھے۔ خود حضرت عمر نے انہیں عامل بنایا' حضور اقدس ﷺ نے انہیں صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا' پھر حضرت عمر نے ان کی بات پر اعتماد کیوں نہیں فرمایا' بلکہ اس کی تائید نہ لانے کی صورت میں سزا کی بھی دھمکی دی۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت حضرت عمر کی خدمت میں کچھ نومسلم دوسرے بلاد کے رہے ہوں' انہیں متنبہ کرنا مقصود رہا ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت اتنی آسان نہیں کہ جو چاہے کہہ دے اور مان لی جائے' تاکہ ان میں جو دل کے بیمار ہوں انہیں جرأت نہ ہو۔

فقالوا

کتاب الاستیذان میں ہے کہ یہ کہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے' انہوں نے جو فرمایا کہ اس کی گواہی ہم میں جو سب سے چھوٹا ہے' وہ دے گا' یہ اظہارِ حیرت کے لیے ہے کہ یہ حدیث بہت مشہور و معروف ہے۔ تقریباً ہر شخص کو معلوم ہے' یہاں تک کہ ہمارے چھوٹے بچوں کو بھی اور حضرت عمر اسے نہیں جانتے' حالانکہ حضرت عمر کے علم کا عالم یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عمر کا علم ایک پلڑے میں اور پوری زمین کے زندہ افراد کا علم دوسرے پلڑے میں ہو تو حضرت عمر کا علم بڑھ جائے گا۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ (ص ٢٧٧)

دریا میں تجارت کا بیان

ت ٣٨٥ - وَقَالَ مَطَرٌ لَا بَأْسَ بِهِ وَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْاٰنِ اِلَّا بِحَقٍّ ثُمَّ تَلَا ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ﴾ (النحل: ١٤) وَالْفُلْكُ السُّفُنُ الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ سَوَاءٌ.

اور مطر نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں' اور قرآن میں اللہ عزوجل نے حق ہی ذکر فرمایا ہے' پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: اور تم اس (دریا) میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی چیرتی ہیں تاکہ تم اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ ''فلك'' کے معنی کشتیاں ہیں' واحد اور جمع برابر ہے۔

یہ مطر وراق البصری کے ساتھ مشہور ہیں' ان کا نام ابو مطر بن طہمان ابو رجا خراسانی ہے' بصرہ میں آ بسے تھے' اس لیے بصری مشہور ہوئے۔ مصحف شریف لکھا کرتے تھے' اس لیے وراق کہلائے۔ حضرت انس سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ارسال کیا کرتے تھے۔ امام عطاء سے ان کی روایت کو یحییٰ بن سعید نے ضعیف بتایا۔ ابن معین سے بھی یہی مروی ہے' مگر ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الافعال میں ان سے روایت کی اور باقی اصحاب صحاح ستہ نے بھی۔ علامہ کرمانی نے فرمایا: یہ امام بخاری کے استاذ مطر بن الفضل مروزی ہیں' مزی اور شیخ قطب الدین حلبی وغیرہ نے انہیں بھی وراق کہا ہے۔

فائدہ باب

چونکہ دریا کا سفر خطرناک ہے' اس لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تجارت اور دنیوی کاروبار کے لیے دریا کے سفر کی مشقت اُٹھا کر خطرہ مول لیا جائے یا نہیں۔ اس کے ازالہ کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

والفلك

ظاہر ہے کہ امام بخاری کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ''فلك'' ان چند الفاظ میں سے ہے' جو واحد بھی ہیں اور جمع بھی۔

ت ۳۸٦ - وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَمْخَرُ السُّفُنُ مِنَ الرِّيْحِ وَلَا تَمْخَرُ الرِّيْحُ مِنَ السُّفُنِ اِلَّا الْفُلْكُ الْعِظَامُ.

اور امام مجاہد نے فرمایا: کشتیاں ہوا سے پھٹتی ہیں اور ہوا کشتیوں سے نہیں پھٹتی' مگر یہ کہ کشتیاں بڑی ہوں۔

امام مجاہد کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو فرمایا: ''وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ'' (فاطر:۱۲) اور تم سمندر میں کشتیوں کو پھاڑتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اس سے مراد بڑی کشتیاں ہیں اور مراد ہوا کا پھاڑنا ہے۔ اس لیے کہ چھوٹی کشتیاں ہوا کا مقابلہ نہیں کرسکتیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ ''فلك'' عام ہے' چھوٹی بڑی سبھی کشتیاں مراد ہیں اور مواخر سے مراد یہ ہے کہ پانی کو چیرتی ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (البقرہ:۲٦۷) (ص ۲۷۷)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: اپنی پاک کمائیوں سے خرچ کرو (البقرہ:۲٦۷)

۱۲۱۱ - عَنْ هَمَّامٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا: جب عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو اسے آدھا ثواب ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النفقات۔ باب: نفقة المرأة اذا غاب عنها زوجها ص ۸۰۰' مسلم' ابوداود۔ کتاب الزکوۃ)

یہاں یہ ہے کہ اس صورت میں زوجہ کو آدھا اجر ہے اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: ''لَا يَنْقُصُ بعضهم اجر بعض شيئًا'' ان میں سے کوئی کسی کے اجر کو کچھ کم نہیں کرے گا۔

اقول: اس کا جواب خود حضرت اُم المؤمنین کی حدیث میں موجود ہے کہ فرمایا: ''كَانَ لها اجرها بما انفقت ولزوجها بما كسب'' بیوی کو خرچ کرنے کا ثواب اور شوہر کو کمانے کا' یعنی اس صدقہ پر جو کل ثواب مرتب ہوگا' اس کا آدھا شوہر کا ہوگا' اس لیے کہ اس نے کمایا ہے اور آدھا زوجہ کو صدقہ کرنے پر۔

بَابُ مَنْ اَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ (ص ۲۷۷)

جو روزی میں وسعت پسند کرے

۱۲۱۲ - قَالَ مُحَمَّدٌ هُوَ الزُّهْرِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ رِزْقُهٗ اَوْ يُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے: جو رزق میں کشادگی یا عمر میں درازی چاہتا ہو' وہ صلہ رحمی کرے۔

(مسلم۔ کتاب الادب' ابوداود' کتاب الزکوۃ)

يُنْسَأُ

''يُنْسَأُ'' اس کا مادہ ''نَسْأٌ'' ہے' باب افعال سے ''انساء'' مصدر سے مضارع مجہول ہے' اس کے معنی تاخیر کے ہیں۔ اثر کے معنی یہاں بقیہ عمر کے ہیں۔ ''يُنْسَأُ فِي اَثَره'' کے معنی ہیں: ''يوخر في بقية عمره'' اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسے پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو جائے۔ عمر کی درازی سے مراد یہاں برکت ہے' یعنی تھوڑی عمر میں وہ اتنے اہم اور کثیر کام کر جائے جو زیادہ عمر والے نہ کر پائیں۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: اس سے مراد ذکر خیر کا باقی رہنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

فليصل رحمه

''رَحِمَ'' کے معنی رشتے کے ہیں' صلہ رحمی سے مراد رشتہ کا لحاظ کرنا ہے' ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ صلہ رحمی فی الجملہ واجب ہے اور قطع رحم حرام و گناہ کبیرہ ہے' اس قدر پر اتفاق ہے' البتہ صلہ رحمی اور قطع رحمی کے درجات مختلف ہیں صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ ملنا جلنا بات چیت کرنا ہے اور قطع رحمی اس کا چھوڑ دینا۔ صلہ رحمی کے فضائل احادیث میں بہ کثرت وارد ہیں اور قطع رحمی پر وعیدیں بھی وارد ہیں' جو اپنے باب میں مذکور ہوں گی۔ یہاں باب سے مناسبت یہ ہے کہ رزق حاصل کرنے کے لیے خرید و فروخت مشروع ہے' مگر رزق میں برکت اللہ عزوجل کی دین ہے' اور اس کا ایک ظاہری سبب صلہ رحمی ہے۔

بَابُ شِرَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّسِيْئَةِ (ص۲۷۷)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُدھار خریدنا

١٢١٣- حَدَّثَنِي الْاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَرٰى طَعَامًا مِّنْ يَّهُوْدِيٍّ اِلٰى اَجَلٍ وَّرَهَنَهٗ دِرْعًا مِّنْ حَدِيْدٍ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مدت تک کے لیے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھی۔

(بخاری۔ باب: شرى الامام الحوائج بنفسه ص۲۸۱' باب: شرى الطعام الى اجل ص۲۹۳' کتاب الاستقراض۔ باب: في الاستقراض ص۳۲۱' کتاب السلم۔ باب: الكفيل في السلم۔ باب: الرهن في السلم ص۳۰۰' کتاب الرہن۔ باب: من رهن درعه باب: الرهن عند يهودى ص۳۴۱' کتاب الجهاد۔ باب: ما قيل في درع النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص۴۰۹' ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: ص۶۴۱' مسلم' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

دوسرے ابواب میں ابتداء میں یہ زائد ہے: امام اعمش نے کہا: ہم نے حضرت ابراہیم نخعی کے یہاں سلم یعنی ادھار خریدنے کے بارے میں رہن کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: اس میں ہرج نہیں' ہم سے اسود نے یہ حدیث بیان کی۔ الجہاد اور المغازی میں زائد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ حضور کی زرہ تیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے یہاں رہن تھی' مگر اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں بیس صاع آیا ہے۔ ترمذی میں بھی بہ طریق ابن عباس بیس ہی صاع ہے۔ مسند بزار میں انہیں کے طریقے سے چالیس صاع ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ایک وسق ہے۔ نسائی کی روایت میں تین صاع ہے۔ اس یہودی کا نام ابوشحمہ یا ابوشحم ہے۔ درع کے معنی کرتے کے بھی ہیں' اس لیے ''من حديد'' سے اس کی تفسیر کر دی' یہ عجیب و غریب ہے۔ درع بہ معنی زرہ مؤنث ہے اور بہ معنی قمیص مذکر۔ یہ زرہ جو رہن رکھی تھی' اس کا نام ''ذات الفضول'' تھا۔ دوسری روایتوں میں ''سلم'' کا لفظ آیا ہے' اس سے بیع سلم مراد نہیں' جس میں ثمن فوری دیا جاتا ہے اور مبیع کے لیے میعاد مقرر ہوتی ہے بلکہ ادھار خریدنا مراد

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصلی کفار سے خرید و فروخت جائز ہے' اگر چہ ان کے اموال مشتبہ ہوں' جب تک خریدی ہوئی چیز کے بارے میں قطعی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مال حرام ہے اور یہی حکم مسلمانوں سے بھی خرید و فروخت کا ہے۔ اگر کوئی مسلمان حرام اور حلال دونوں کاروبار کرتا ہو تو اس سے لین دین جائز ہے' جب تک خریدی یا بیچی ہوئی چیز کے بارے میں قطعی طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ مال حرام ہے' رہن رکھنا جائز ہے' اگر چہ آدمی اپنے گھر ہو' ادھار خرید و فروخت جائز ہے' عند الضرورت قرض لینا جائز ہے۔

۱۲۱۴- ح: مَشٰی بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَّاِهَالَةٍ سَنِخَةٍ

[وہ جو کی روٹی اور بد بودار چربی لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے]

۱۲۱۴- حَدَّثَنَا قَتَادَةُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ مَشٰی اِلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَّاِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَّلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَّهٗ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ وَّاَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لِاَهْلِهٖ وَلَقَدْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَا اَمْسٰی عِنْدَ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ بُرٍّ وَّلَا صَاعُ حَبٍّ وَّاِنَّ عِنْدَهٗ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ۔

(بخاری۔ کتاب الرہن۔ باب: الرهن في الحضر ص ۳۴۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (انہوں نے بیان کیا) کہ وہ جو کی روٹی اور بودار چربی لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی تھی' اور اس سے اپنے اہل کے لیے جو لیے تھے اور میں نے ان سے سنا ہے' کہتے تھے کہ آل محمد نے کوئی شام ایسی نہیں کی کہ ان کے پاس ایک صاع گیہوں یا اناج رہا ہو' حالانکہ حضور کی نو بیبیاں تھیں۔

لغات

''اھالۃ'' دنبے کی چکی' اس کی پگھلائی ہوئی چربی' مطلقاً ہر پگھلائی ہوئی چربی' ہر چربی اور تیل جو سالن کے کام میں آئے۔

''سنخۃ'' زیادہ دن ہو جانے کی وجہ سے جس میں کچھ بو پیدا ہو جائے۔

لقد سمعتہ

ظاہر اور راجح یہی ہے کہ یہ قتادہ کا قول ہے' وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے حضرت انس کو یہ کہتے ہوئے سنا' اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے' کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ حضرت علامہ ابن حجر نے اسی کو ترجیح دی۔

بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهٖ بِيَدِهٖ (ص ۲۷۸)

انسان کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام یا عمل کرنا

۱۲۱۵- حَدَّثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَئُوْنَةِ اَهْلِيْ وَشُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَيَاْكُلُ اٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب ابوبکر صدیق خلیفہ بنائے گئے' فرمایا: میری قوم جانتی ہے' میرا پیشہ میرے اہل کے اخراجات کے بار اٹھانے سے عاجز نہیں تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغولیت کی وجہ سے اپنا کاروبار نہیں کر سکتا' اب آل ابوبکر اس مال سے کھائے گی اور ابوبکر مسلمانوں کے لیے

کام کرے گا۔

حرفتی......(بحیرہ راہب کے واقعہ کی توثیق)

''حرفتی''،''حرفۃ'' کے معنی کام کرنے کے ہیں' کوئی بھی کام ہو۔ یہ اپنے عموم کے لحاظ سے تجارت' صنعت وغیرہ کو بھی عام ہے۔ اب عرف میں اس کے معنی پیشے کے ہیں' مثلاً بُننا' سینا' رنگنا وغیرہ۔ حضرت صدیق اکبر قبل اسلام بھی اور زمانۂ اسلام میں بھی تجارت کرتے تھے۔ مسند امام احمد[1] ابن ماجہ[2] وغیرہ میں اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے ایک سال پہلے بُصریٰ تجارت کے لیے گئے۔ ترمذی[3] اور امام حاکم کی مستدرک[4] میں ہے کہ جب اعلانِ نبوت سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام تجارت کے لیے جا رہے تھے اور بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔

تنبیہ

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا اور امام حاکم نے اسے علیٰ شرط الشیخین کہا' اس پر شبلی صاحب نے سیرۃ النبی[5] میں یہ اعتراض کیا کہ حضرت ابوبکر اس وقت بچے تھے۔ اس لیے ان کا ساتھ ہونا مستبعد ہے اور حضرت بلال ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی نے فرمایا کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت بلال ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے' اس لیے کہ وہ حضرت ابوبکر کے ہم عمر تھے۔ رہ گیا حضرت ابوبکر کا بچہ ہونا' اس کے منافی نہیں کہ وہ ساتھ رہے ہوں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بارہ سال کے تھے جیسا کہ خود علامہ مذکور نے لکھا' ہوسکتا ہے جس طرح ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے لیا ہو' حضرت ابوبکر کے والد ماجد یا اور کوئی بزرگ اس قافلے میں ہوں اور انہوں نے انہیں ہم راہ لے لیا ہو۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ حضرت بلال کا آقا بھی اس قافلے میں رہا ہو اور انہیں ساتھ لے لیا ہو اور جب حضور واپس ہونے لگے تو حضرت بلال کو ساتھ کر دیا ہو۔

رہ گیا اس حدیث کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس کا مرسل ہونا تو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق حدیث صحیح اور متصل کے حکم میں ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن غزوان کی وجہ سے اسے مجروح ٹھہرانا اس لیے باطل ہے کہ یہ رواۃ بخاری سے ہیں۔ وللتفصیل موضع اٰخر

مدینہ طیبہ کے نواحی علاقہ' عوالی منازل بنی حارث بن خزرج' سُخ میں حضرت ابوبکر کا ایک کپڑے کا کارخانہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت یہیں تھے' صبح کو نمازِ فجر پڑھا کر چلے گئے تھے۔

فسیاکل

ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے کہ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد دوسرے دن کپڑے سر پر رکھے ہوئے حضرت صدیق اکبر بازار جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت عمر' حضرت ابوعبیدہ بن جراح ملے اور کہا: آپ تجارت کیسے کر پائیں گے اور آپ مسلمانوں کے والی ہیں۔ فرمایا: پھر میں اپنے اہل وعیال کو کیا کھلاؤں گا؟ ان حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے آدھی بکری مقرر کر دی۔ اسی میں ایک روایت ہے کہ صحابہ نے تین ہزار درہم سالانہ مقرر کر دیا تھا' جب وصال کا وقت قریب آیا تو وصیت فرما گئے کہ میں نے اب تک بیت المال سے سات ہزار روپے لیے ہیں' میری زمین چھوڑ کر میرے بقیہ مال سے یہ سات ہزار بیت المال میں داخل کر دیے جائیں۔

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۳۱۶ [2] ابن ماجہ۔ ص ۲۷۲۔ باب: المزاح [3] ترمذی۔ ج ۲ ص ۲۰۲۔ باب: فی بدء نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[4] المستدرک للحاکم۔ ج ۲ ص ۶۱۵ [5] سیرۃ النبی۔ ج ۱ ص ۱۷۹۔۱۸۰

مسائل ..... (تجارت، زراعت اور صنعت میں کیا افضل ہے)

اصول کسب تین ہیں: تجارت، زراعت، صنعت۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سا افضل ہے؟ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجارت افضل ہے، مگر ماوردی نے فرمایا کہ زراعت اطیب ہے، اس لیے کہ اس میں توکل زیادہ ہے۔ امام ازدی نے فرمایا کہ بخاری کی حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ زراعت اور صنعت راجح ہے، اس لیے کہ ان دونوں میں ہاتھ سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ انسان سب سے پاک جو کھاتا ہے وہ اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی کی آمدنی ہے۔ ان دونوں میں زراعت افضل ہے، کیونکہ اس کا نفع عام ہے، حتیٰ کہ انسان کے علاوہ جانوروں کو بھی پہنچتا ہے اور اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ سلطان اسلام کو اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت بھر بیت المال سے اخراجات لے لے۔ اسی سے دوسرے حکام اور قضاۃ وغیرہ کے لیے بھی جواز ثابت ہوا، البتہ یہ خود نہیں لیں گے ان کے اوپر جو حاکم ہے وہ مقرر کر کے دے۔

۱۲۱۶- ح: كَانَ أَصْحٰبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَّالَ اَنْفُسِهِمْ

[رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اپنا کام خود کرتے]

۱۲۱۶- عَنْ عُرْوَةَ قَالَ قَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ أَصْحٰبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَّالَ اَنْفُسِهِمْ فَكَانَ يَكُوْنُ لَهُمْ اَرْوَاحٌ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خود اپنا کام کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے جسم میں بو پیدا ہو جاتی تھی تو ان سے کہا گیا: کاش! تم لوگ غسل کر لیتے۔

یہ حدیث بہ روایت عروہ، کتاب الجمعہ، نزہۃ القاری، ج۲ ص۷۴۳، رقم: ۵۶۷ پر بہ اختلاف الفاظ گزر چکی ہے۔

۱۲۱۷- ح: مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا

[کسی کا کھانا (اپنے ہاتھ کی کمائی سے) بہتر نہیں]

۱۲۱۷- عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنِ الْمِقْدَامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ.

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: کسی نے کوئی غذا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں کھائی اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

۱۲۱۸- ح: اَنَّ دَاوٗدَ كَانَ لَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ

[حضرت داؤد (علیہ السلام) اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے]

۱۲۱۸- عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَنَّ دَاوٗدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ داؤد نبی ﷺ اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔

پہلی حدیث کے راوی مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان سے خالد بن معدان کا سماع ثابت نہیں، اس لیے حدیث منقطع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث متصل کتاب الانبیاء میں آئے گی۔ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ اور ظاہری حکومت کے بھی مالک تھے، وہ بیت المال سے کھا سکتے تھے، اس کے باوجود اپنے ہاتھ سے زرہ بنا کر اس کی آمدنی پر گزر بسر کرتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں

ہے اس لیے خصوصیت سے ان کا تذکرہ فرمایا۔

بَابُ السُّهُولَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ (ص ٢٧٨)

خرید و فروخت میں نرمی اور سہولت برتنا اور جو حق طلب کرے اس سے سختی سے پرہیز کرنا چاہیے

١٢١٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور تقاضے میں سیر چشم ہو۔

(ترمذی۔ کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

رحم اللّٰہ

اس میں اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ خبر ہو اب معنی یہ ہوں گے: اللہ نے ایسے شخص پر رحم فرمایا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ دعا ہو۔

بَابُ مَنْ اَنْظَرَ مُوْسِرًا (ص ٢٧٨)

جو مال دار کو مہلت دے

١٢٢٠ - اَنَّ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ حَدَّثَهُ اَنَّ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّتِ الْمَلَائِكَةُ رُوْحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَالُوْا اَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا قَالَ كُنْتُ اٰمُرُ فِتْيَانِي اَنْ يُّنْظِرُوْا وَيَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُوْسِرِ قَالَ قَالَ فَتَجَاوَزُوْا عَنْهُ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے ایک شخص کی روح سے فرشتوں نے ملاقات کی اور پوچھا: کیا تو نے کچھ نیکی کی ہے؟ تو اس نے کہا: میں اپنے خادموں کو حکم دیتا تھا کہ مال دار کو مہلت دیں اور درگزر کر دیں، تو فرشتوں نے اس سے درگزر کیا۔

(ایضاً۔ کتاب الاستقراض۔ باب: حسن التقاضی ص ٣٢٠، کتاب الانبیاء۔ باب: ما ذکر عن بنی اسرائیل ص ٤٩١، مسلم۔ کتاب البیوع ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

کتاب الانبیاء میں بہ طریق عبدالملک ابتداء میں یوں ہے کہ عقبہ بن عامر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے، کیا ہم سے بیان نہیں کریں گے، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے پہلے دجال کی حدیث مختصر بیان کی، پھر یہ بیان کیا: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم سے پہلے ایک شخص تھا جس کے پاس ملک الموت روح قبض کرنے آئے تو اس سے کہا گیا: کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے؟

عن الموسر

یہ ابوذر اور نسفی کی روایت ہے اور اسی سے باب کی مطابقت ہے۔ بخاری کی بقیہ روایتوں میں "ان ینظر والمعسر ویتجاوزوا عن الموسر" ہے امام مسلم نے امام بخاری کے شیخ احمد بن یونس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اب یہ حدیث باب کے مطابق نہیں علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اسی حدیث کو تین طریقوں سے تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔

ت ۳۸۷ - وَقَالَ اَبُوْ مَالِكٍ عَنْ رِبْعِيٍّ كُنْتُ اُيَسِّرُ عَلَى الْمُوْسِرِ وَاُنْظِرُ الْمُعْسِرَ.

اور اسی حدیث کو ابو مالک نے ربعی بن حراش سے یوں روایت کیا ہے کہ میں مال دار کو آسانی دیتا تھا اور تنگدست کو مہلت۔

ت ۳۸۸ - وَقَالَ اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ اُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ.

اور ابوعوانہ نے بہ طریق عبدالملک ربعی ہی سے یوں روایت کیا: میں مال دار کو مہلت دیتا تھا اور تنگ دست کو معاف کر دیتا تھا۔

ت ۳۸۹ - وَقَالَ نُعَيْمُ بْنُ اَبِىْ هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيٍّ فَاَقْبَلُ مِنَ الْمُوْسِرِ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ.

اور نعیم بن ابی ہند نے حضرت ربعی ہی سے یوں روایت کیا: میں مال دار کا عذر قبول کرتا تھا اور تنگدست سے درگزر کرتا تھا۔

وقال ابو مالك

اس تعلیق کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کے بندوں میں سے ایک ایسے بندے کو لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطاء فرمایا تھا۔ اللہ عزوجل اس سے دریافت فرمائے گا: دنیا میں تو نے کیا عمل کیا؟ بندہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو نے اپنا مال مجھے دیا' میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا' میری عادت درگزر کی تھی' مال دار کو آسانی دیتا تھا اور تنگ دست کو مہلت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں' اے فرشتو! میرے بندے سے درگزر کرو۔

وقال شعبة عن عبدالملك

یعنی شعبہ نے ابو مالک کی' عبدالملک سے روایت کرنے میں' اس جزء ''وانظر المعسر'' متابعت کی ہے' اس متابعت کو امام بخاری نے کتاب الاستقراض میں ذکر فرمایا ہے۔

وقال ابو عوانة

اس تعلیق کو امام بخاری نے ذکر بنی اسرائیل میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔

وقال نعيم بن ابى هند

اس تعلیق کو امام مسلم نے موصولاً ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حذیفہ اور ابن مسعود ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو حضرت حذیفہ نے حدیث مذکور بیان کی' اسے سننے کے بعد حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ایسے ہی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

بَابُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا (ص ۲۷۹) جس نے تنگ دست کو مہلت دی

۱۲۲۱ - عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَاِذَا رَاٰى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهٖ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک تاجر تھا جو لوگوں کو قرض دیتا تھا' جب کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے خادموں سے کہتا: اس سے درگزر کر دو۔ اس اُمید پر کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے' تو اللہ نے اس سے درگزر فرمادیا۔

(ایضاً۔ کتاب الانبیاء۔ باب: ص ۴۹۵' مسلم' نسائی۔ کتاب البیوع)

امام نسائی نے جو روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ اپنے قاصد سے کہتا: جو اس سے ہو سکے لے لینا اور جو نہ ہو سکے اسے چھوڑ دینا اور درگزر کرنا۔ امام مسلم نے بہ طریق حسین ابن علی حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تنگ

دست کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے عرش کے سایہ میں رکھے گا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور آج کل ایسا ہی ہے کہ لوگ قرض کی ادائیگی کو تاوان سمجھتے ہیں۔ قدرت' وسعت ہوتے ہوئے قرض ادا نہیں کرتے۔ اس سے بسا اوقات قرض خواہ کو نقصان بھی ہو جاتا ہے' اس کے ازالے کے لیے فرمایا: "مَطْلُ الغنی ظلم" مال داروں کا ادائیگی میں دیر کرنا ظلم ہے۔

بَابُ اِذَا بَيَّنَ الْبَيِّعَانِ وَلَمْ يَكْتُمَا وَنَصَحَا (ص ٢٧٩)

جب مشتری اور بائع ظاہر کریں اور اس کا عیب نہ چھپائیں اور خیر خواہی اختیار کریں

ت ٣٩٠ - **وَيُذْكَرُ** عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ كَتَبَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَا اشْتَرٰى مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنَ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا غَائِلَةَ.

حضرت عداء بن خالد سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: میرے لیے نبی ﷺ نے لکھا' یہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ (ﷺ) نے عداء بن خالد سے خریدا: مسلمان کی مسلمان سے بیع ہے جس میں نہ کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی عیب اور نہ فسق و فجور۔

حضرت عداء بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ

یہ صحابی ہیں' ان سے بہت کم حدیثیں مروی ہیں۔ یہ دیہات کے باشندے تھے۔ ان سے حضور اقدس ﷺ نے کوئی غلام یا باندی خریدا تھا' اس وقت ایک سند لکھوائی تھی۔ اسی کا اس حدیث میں تذکرہ ہے۔ ترمذی[1] میں یوں ہے: عبدالمجید بن وہب کہتے ہیں کہ مجھ سے عداء بن خالد بن ہوذہ نے کہا: کیا میں وہ تحریر تمہیں پڑھ کر سناؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے لکھی تھی؟ میں نے کہا: ضرور! تو انہوں نے ایک تحریر نکالی۔ یہ اس بات کی سند ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے حضرت محمد ﷺ سے ایک غلام یا باندی خریدا' جس میں کوئی عیب اور برائی نہیں اور نہ دھوکا ہے' مسلمان سے مسلمان کی بیع کی طرح۔ بخاری کی تعلیق سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ خریدار حضور اقدس ﷺ تھے' مگر ترمذی کی روایت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بائع تھے' ترمذی کی ہی روایت کے مطابق ابن ماجہ[2] میں بھی ہے' واقعہ کیا ہے' اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ بخاری میں یہ روایت صیغہ تمریض کے ساتھ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت راجح ہے۔

ت ٣٩١ - **وَقَالَ** قَتَادَةُ الْغَائِلَةُ الزِّنَا وَالسَّرِقَةُ وَالْإِبَاقُ.

اور قتادہ نے کہا: الغائلہ سے مراد زنا اور چوری اور بھاگنے کی عادت ہے۔

الغائلة

"الغائلة" کے معنی شر اور برائی کے ہیں' وہ برائیاں جو عام طور پر لونڈی اور غلام میں پائی جاتی ہیں' یہی تین ہیں۔ اس لیے امام قتادہ نے انہیں تینوں کے ساتھ اس کی تفسیر کی۔ مطالع میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ قتادہ کی یہ تفسیر حقیقت میں "خبثة" اور "غائلة" دونوں کی ہے۔ اس تعلیق کو ابن مندہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت ٣٩٢ - **وَقِيْلَ** لِاِبْرَاهِيْمَ اِنَّ بَعْضَ النَّخَّاسِيْنَ يُسَمِّيْ اٰرِيَّ خُرَاسَانَ وَسِجِسْتَانَ فَيَقُوْلُ جَاءَ اَمْسِ

حضرت ابراہیم نخعی سے کہا گیا کہ کچھ نخاس (جانوروں کے تھان) کا نام آری خراسان آری بجستان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

[1] ترمذی۔ ج ا ص ۱۴۳۔ کتاب البیوع۔ باب: کتابة الشروط
[2] ابن ماجہ۔ ص ۱۶۴۔ کتاب التجارات۔ باب: شراء الرقیق

مِنْ خُرَاسَانَ وَجَاءَ الْيَوْمَ مِنْ سِجِسْتَانَ فَكَرِهَهُ كَرَاهِيَةً شَدِيْدَةً
کل خراسان سے آیا ہے اور آج بجستان سے آیا ہے' انہوں نے اسے سخت ناپسند فرمایا۔

نخاس

اس کا مادہ نخس ہے' جانور کو پہلو یا پچھلے حصہ پر لکڑی وغیرہ چبھو کر اُکسانا' چونکہ جانور بیچنے والے خریدار کو دکھانے کے لیے اسی طرح اُکسا کر اُٹھاتے ہیں' اس لیے جانور بیچنے والے کو نخاس کہا جانے لگا' پھر اس میں تعمیم ہوئی اور لونڈی بیچنے والے کو بھی کہا جانے لگا۔

اری

اس کے تین معنی اصحابِ لغت نے لکھے ہیں: جہاں جانور کو چارہ کھلایا جائے' جہاں باندھ کر رکھا جائے جسے تھان کہتے ہیں' وہ رسّی جسے زمین میں گاڑ کر جانور کو باندھا جائے۔ یہاں سب سے مناسب تھان ہے۔

خراسان' مشہور ملک ہے جو کبھی ایران کا جز تھا' اب روس کا جز ہے' خراسان صدیوں علماء ومشائخ کا مرکز رہ چکا ہے۔

بجستان' ایران کا ایک صوبہ جو ہندوستان موجودہ پاکستان کی سرحد سے ملا ہوا ہے۔

فیقول

جس طرح مارکیٹ میں ہر نئی چیز کی طرف زیادہ رغبت ہوتی ہے' پرانی چیزوں کی طرف رجحان کم۔ اسی طرح جانوروں اور غلاموں میں بھی ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے یہ گھوڑا ابھی بالکل نیا ہے' یہ کہا کرتے ہیں کہ کل خراسان سے آیا ہے اور آج بجستان سے آیا ہے' جس میں خریداروں کو رغبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں ایک طرح کا فریب اور دھوکہ تھا' نیز جھوٹ بھی بولنا تھا' اس لیے حضرت امام نخعی نے اسے سخت ناپسند فرمایا۔

ت۳۹۳ - وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يَبِيعُ سِلْعَةً يَعْلَمُ اَنَّ بِهَا دَاءً اِلَّا اَخْبَرَهُ.
اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ جانتے ہوئے کہ سامان میں عیب ہے' اسے بغیر بتائے بیچنا کسی کو جائز نہیں۔

اس تعلیق کو ابن ماجہ[1] نے موصول ذکر کیا ہے۔ ابتداء میں یہ ہے: ان سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' کسی مسلمان کو یہ حلال نہیں کہ عیب دار چیز کا عیب بتائے بغیر مسلمان کے ہاتھ بیچے۔

سامان میں نقص اور عیب ہوتے ہوئے مشتری کو بتائے بغیر بیچنا دھوکہ اور فریب ہے' اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ابن ماجہ[2] ہی میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے کچھ بیچا اور اس کا عیب بیان نہیں کیا' تو وہ ہمیشہ اللہ کے عذاب میں رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

یہ صحابی ہیں اور شام کی فتوحات میں شریک ہوئے۔ دمشق کی فتح کی بشارت' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہی لے کر آئے تھے۔ سات دن میں دمشق سے مدینہ طیبہ پہنچے تھے' واپسی پر حضور اقدس ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر طی ارض' یعنی زمین سمٹ جانے کی کہ لمبا راستہ جلد طے ہو جائے' دعا مانگی تو اڑھائی دن میں دمشق پہنچ گئے۔

---

[1] ابن ماجہ ص ۱۶۳۔ کتاب التجارات۔ باب: من باع عیبا فلیبینہ [2] ایضاً ص ۱۶۳

۱۲۲۲- ح: اَلْبَيِّعَان بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا [بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں]

۱۲۲۲- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ رَفَعَهُ اِلٰى حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ قَالَ حَتّٰى يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِىْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں' یا یہ فرمایا: یہاں تک کہ جدا ہو جائیں' اب اگر سچ بولیں اور جو عیب ہو اسے بتا دیں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو برکت مٹادی جائے گی۔

(ایضاً۔باب: ما يمحق الكذب والكتمان في البيع ص ۲۷۹'باب: كم يجوز الخيار. باب: اذا لم يوقت الخيار ص ۲۸۳'باب: اذا كان البائع بخيار هل يجوز البيع ص ۲۸۴'مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔کتاب البیوع' نسائی۔کتاب البیوع۔کتاب الشروط)

''باب اذا كان البائع بالخيار هل يجوز البيع''میں یہ بھی ہے کہ ہمام نے کہا: میں نے اپنی کتاب میں یہ پایا: ''يختار ثلث مرار''یعنی''بالخيار''کی جگہ''يختار''ہے اور''ثلث مرار''زائد ہے۔یعنی''يختار''تین بار اور بعض روایتوں میں ''بخيار''نکرہ بغیر الف لام کے ہے' یعنی''بخيار''تین بار ہے۔بتانا یہ چاہتے ہیں کہ حافظے میں محفوظ وہ ہے جو میں نے روایت کی' یعنی''بالخيار''اور''ثلث مرار''نہیں ہے' مگر میری کتاب میں ہے: ابن تین نے کہا کہ ہمام نے جو کہا وہ محفوظ نہیں۔روایت اس کے خلاف ہے اور جب کوئی راوی تمام رُواۃ کے خلاف روایت کرے تو وہ مقبول نہیں' خصوصاً جبکہ وہ اس روایت کو صرف اپنی کتاب میں پائے اور اسے خود اس کے خلاف یاد ہو۔

اَلْبَيِّعَان

''بَيِّعٌ''ثلاثی مجرد معتل العین کے چند کلمات میں سے ہے' جو خلاف قیاس''فَيْعِلٌ''کے وزن پر اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہیں جیسے''طَيِّبٌ. مَيِّتٌ. كَيِّسٌ. رَيِّضٌ. لَيِّنٌ. هَيِّنٌ''بعض روایتوں میں''المتبايعان''آیا ہے' اس کے باوجود کہ بائع کا لفظ عرف میں زیادہ مشہور ہے' مگر کسی روایت میں وارد نہیں۔

ما لم يتفرقا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو ایجاب وقبول کے بعد بھی خیار مجلس حاصل رہتا ہے' جب تک مجلس نہ بدلے دونوں کو اختیار رہتا ہے کہ چاہیں تو بیع رد کر دیں۔ان کی دلیل اس حدیث کا ظاہر مفہوم ہے کیونکہ تفرق سے عرف میں تفرق ابدان متبادر ہے۔

ہمارے نزدیک ایجاب وقبول کے بعد بائع یا مشتری میں سے کسی کو خیار نہیں' کیونکہ ایجاب وقبول سے بیع تام ہوگئی۔مبیع مشتری کی اور ثمن بائع کی ملک ہوگئی۔اب کسی کو خیار کا حق دینا' دوسرے کے حق کو باطل کرنا ہے اور تفرق کا اطلاق تفرق بالاقوال پر قرآن مجید میں وارد ہے۔ارشاد ہے:''وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ''۔(البینۃ:۴)''اور اہل کتاب میں پھوٹ نہ پڑی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آئی''۔''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ''(آل عمران:۱۰۵)''ان کی طرح نہ ہونا جن میں پھوٹ پڑی اور آپس میں اختلاف کر بیٹھے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آئیں''۔اس قسم کی متعدد آیتیں ہیں جن میں تفرق سے مراد اعتقاد کا اختلاف ہے۔

اس لیے اس حدیث میں تفرق سے مراد تفرق اقوال مراد لینا ہی راجح ہے' تا کہ حق غیر کا ابطال لازم نہ آئے۔اس کو یوں سمجھئے

بائع اور مشتری کا اطلاق کسی پر تین طرح کیا جاتا ہے: عقد کرنے سے پہلے بہ اعتبار مایؤل عقد کے بعد بہ اعتبار ما کان اور حالت عقد میں۔ پہلے دونوں معنی مجازی ہیں اور تیسرا حقیقی، کیونکہ بائع اور مشتری اسم فاعل کے صیغے ہیں اور اسم فاعل کی دلالت زمانہ حال پر حقیقی ہے اور یہ طے ہے کہ جہاں معنی مجازی اور حقیقی دونوں کا احتمال ہو تو راجح معنی حقیقی ہے اور حالت عقد ایجاب سے شروع ہو کر قبول ہی تک ہے۔ قبول کے بعد بیع مکمل ہو گئی، اب بیع و شراء کی حالت نہ رہی، اب حقیقی معنی کے اعتبار سے نہ بائع، بائع ہے اور نہ مشتری، مشتری۔ ان پر ان دونوں الفاظ کا اطلاق مجازاً بہ اعتبار ما کان ہے اور بہ حکم حدیث خیار بائع اور مشتری کو ہے اور جب بائع، بائع نہ رہا اور مشتری، مشتری نہ رہا تو اسے خیار بھی نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

فان بينا

یعنی اگر بائع نے مبیع کا عیب مشتری کو اور مشتری نے ثمن کا عیب بائع کو بتا دیا تو اس بیع میں اللہ عزوجل برکت دے گا، اگرچہ اس کا امکان ہے کہ عیب جاننے کے بعد سودا نہ بکے یا کم قیمت پر بکے، جو بہ ظاہر نقصان ہے، مگر اللہ عزوجل کی برکت اس سے بہت عظیم ہے اور اگر یہ سوچ کر کہ اگر عیب بتا دوں گا تو قیمت کم ملے گی یا چیز نہیں بکے گی، عیب چھپائے رکھا، نہیں بتایا تو اللہ تعالیٰ برکت ختم کر دے گا۔

اللہ عزوجل کا برکت دینا اور برکت ختم کر دینا باطنی چیز ہے، مگر تجربہ شاہد ہے کہ جو دوکاندار عیبی چیزیں دھوکہ دے کر بیچتا ہے، اس کی بکری کم ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ دوکان ختم ہو جاتی ہے اور جو سچائی کے ساتھ سامان دیتا ہے، اس کی دوکان خوب چلتی ہے اور بکری خوب ہوتی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْخِلْطِ مِنَ التَّمْرِ (ص٢٧٩) — ملی جلی کھجور بیچنا

١٢٢٣- عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ وَكُنَّا نَبِيعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَاعَيْنِ بِصَاعٍ وَّلَا دِرْهَمَيْنِ بِدِرْهَمٍ. (مسلم، نسائی۔ البیوع، ابن ماجہ۔ التجارات)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں ملی جلی کھجوریں ملتیں جن میں اچھی خراب معمولی اعلیٰ سبھی رہتیں، ہم ایک صاع (اچھی کھجور کے عوض) دو صاع بیچ دیتے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک صاع کے عوض دو صاع اور ایک درہم کے عوض دو درہم نہ بیچو۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اچھی اور خراب اعلیٰ معمولی ملی جلی کھجوریں ملتیں، تو ہم چنی ہوئی اچھی کھجور کے عوض بیچ لیتے، اس طرح کہ ایک صاع کھجور لے کر دو صاع کھجور دے دیتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس سے منع فرما دیا کیونکہ یہ سود ہے، پوری بحث آگے آرہی ہے۔

بَابُ مَا قِيلَ فِي اللَّحَّامِ وَالْجَزَّارِ (ص٢٧٩) — گوشت فروش اور قصاب کے بارے میں کیا کہا گیا؟

١٢٢٤- حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ فَقَالَ لِغُلَامٍ لَهُ قَصَّابٌ اجْعَلْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً فَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَدْعُوَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَإِنِّي قَدْ عَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْجُوعَ فَدَعَاهُمْ

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انصار کے ایک صاحب آئے جن کی کنیت ابوشعیب تھی، انہوں نے اپنے غلام سے کہا، جو قصاب تھا: میرے واسطے پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر، کیونکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پانچ آدمیوں کو مدعو کرنا چاہتا ہوں، میں نے حضور کے چہرۂ انور میں بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ انہوں نے حضور کو

فَجَآءَ مَعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ فَأْذَنْ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ يَّرْجِعَ رَجَعَ فَقَالَ لَا بَلْ قَدْ أَذِنْتُ لَهُ.

مدعو کیا اور حضور کے ساتھ ایک صاحب اور آ گئے' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ہمارے پیچھے آ گیا ہے' اگر تم چاہو تو اسے اجازت دو اور اگر چاہتے ہو کہ لوٹ جائے تو لوٹ جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا: نہیں! بلکہ میں نے اجازت دی۔

(ایضاً۔ کتاب المظالم۔ باب: اذا اذن انسان لاخر شيئا جاز ص ٣٣٢' ج ٢۔ کتاب الاطعمۃ۔ باب: الرجل يدعى الى الطعام فيقول هذا معی ص ٨٢١' مسلم۔ کتاب الاطعمۃ' ترمذی۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب الولیمۃ)

لَحَّام

''لَحَّام'' گوشت بیچنے والے کو اور ''جَزَّار'' اونٹ نحر کرنے والے کو۔ اور ''قَصَّاب'' گائے بکری ذبح کرنے والے کو کہتے ہیں۔ قصاب کا مادہ قصب ہے' جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ''قصب القصاب الشاة'' یعنی اسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

فائدہ باب

قصاب کا پیشہ ایسا ہے کہ ضرورت تھی کہ اس کو واضح کر دیا جائے کہ اس میں کوئی حرج نہیں' اس کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کتنا ہی معظم ہو' اگر اس کے ساتھ دعوت میں کوئی لگ جائے' مالک کی اجازت کے بغیر طفیلی کو کھانا جائز نہیں' مگر یہ کہ داعی اور طفیلی میں اتنا انبساط اور تعلق ہو کہ وہ اس کے کھانے کو بہ خوشی گوارا کر لے' یا یہ کہ مدعو ایسا ہو جس کے بارے میں یہ عرف ہو کہ اس کے ساتھ جو آتا ہے' داعی بہ خوشی اسے گوارا کر لیتا ہے۔

بغیر دعوت کے کہیں کھانے کے لیے جانے اور کھانے کی مذمت احادیث میں وارد ہے۔ امام ابو داود طیالسی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بغیر بلائے کسی دعوت میں گیا تو وہ فاسق ہونے کی حالت میں گیا' حرام کھایا' چور بن کر داخل ہوا' لٹیرا ہو کر باہر آیا۔

امام بیہقی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بن بلائے جو کسی کے یہاں کھانے کے لیے گیا اور کھایا تو فاسق ہو کر داخل ہوا اور جو حلال نہیں تھا وہ کھایا۔

بَابُ مُوْكِلِ الرِّبَا (ص ٢٨٠)

سود کھلانے والے کا بیان

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو' اگر تم مؤمن ہو۝ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور رسول سے لڑائی کا یقین کر لو اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو' نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو۝ اور اگر قرض دار تنگ دست ہے تو جب تک اسے کشائش ہو مہلت دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے اور بہتر ہے' اگر جانو تو۝ اور اس دن سے ڈرو جس میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گے' پھر ہر شخص

تُظْلَمُوْنَ○﴾ (البقرۃ: ٢٧٨-٢٨١). | کو اس کی کرنی پر پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا○

ت ٣٩٤ - قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هٰذِهٖ اٰخِرُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آخری آیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

سب سے اخیر میں کون سی آیت نازل ہوئی؟

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سی آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی؟ اس تعلیق سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چاروں آیتیں سب سے اخیر میں نازل ہوئیں' مگر خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی بخاری کی کتاب التفسیر میں جو روایت ہے' وہ یہ ہے کہ سب سے اخیر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابن تین نے داؤدی سے روایت کیا' وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: سب سے اخیر میں یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ:٢٨١)۔

اقول: ان میں منافات نہیں' مذکورہ بالا چاروں آیتوں میں بہ ظاہر صرف پہلی آیت میں سود کا تذکرہ ہے' مگر بہ نظر دقیق چاروں آیتیں حقیقت میں سود سے ایک اہم تعلق رکھتی ہیں۔ سود کے لیے قرض لینا لازم ہے' پہلے ارشاد فرمایا: اب سود لینا بند کر دو۔ دوسری میں فرمایا: اگر نہیں بند کرو گے تو اللہ اور رسول سے لڑائی کا یقین کر لو' البتہ اصل مال کے حق دار ہو' اسے وصول کر سکتے ہو۔ تیسری آیت میں فرمایا: اگر قرض دار تنگ دست ہے تو اسے مہلت دو۔ چوتھی میں فرمایا: اس دن سے ڈرو جب اللہ عزوجل کے حضور حاضر ہو گے اور ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا' اس تنذیر عام میں سود کا لینا بھی ہے کہ ہر حرام کام کی طرح اس پر بھی بھرپور سزا ملے گی۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ اگر ان چاروں آیتوں کو آیت ربا کہہ دیں تو بجا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چاروں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہوں' چونکہ ان میں سب سے آخر ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ'' ہے' اس لیے یہ کہنا بھی درست ہے کہ سب کے آخر میں یہ نازل ہوئی۔

کہا گیا ہے کہ آیہ کریمہ ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ'' حجۃ الوداع کے موقع پر یوم نحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو منیٰ میں نازل ہوئی۔ امام ثوری نے بہ طریق کلبی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی' اس کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اکتیس دن کے بعد وصال فرمایا۔ ابن جریج نے کہا: لوگ کہتے تھے کہ آپ کا وصال سے نو دن پہلے نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا کہ سات دن پہلے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

''يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ'' (النساء:١٧٦) ''اے محبوب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں' فرما دو: کلالہ کے بارے میں اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے'' الآیہ۔

سید القراء حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں سورۂ توبہ کی یہ آخری آیت نازل ہوئی ہے:

''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ'' (التوبہ:١٢٨) بے شک تمہارے پاس ایک رسول تمہیں میں سے تشریف لائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

١٢٢٥- ح. نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الدَّمِ | [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کتے اور خون کی قیمت سے منع فرمایا]

١٢٢٥ - عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ اَبِي اشْتَرٰى عَبْدًا حَجَّامًا فَاَمَرَ بِمَحَاجِمِهٖ فَكُسِرَتْ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الدَّمِ وَنَهٰى عَنِ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُومَةِ وَ اٰكِلِ الرِّبَا وَمُوْكِلِهٖ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ.

عون بن ابی جحیفہ نے کہا: میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ انہوں نے پچھنا لگانے والے ایک غلام کو خریدا تو اس کے سینگی لگانے کے اوزار کو تڑوا دیا۔ میں نے پوچھا تو فرمایا: نبی ﷺ نے کتے اور خون کی قیمت سے منع فرمایا ہے اور گودنے اور گودوانے اور سود کھانے اور کھلانے سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔

(ایضاً۔ باب: ثمن الكلب ص۲۹۸، ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: مهر البغی ص۸۰۵، کتاب اللباس۔ باب: الواشمة ص۸۷۹، باب: من لعن المصور ص۸۸۱)

"باب ثمن الكلب" میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت اور کتے کی قیمت اور لونڈی کی کمائی سے منع فرمایا۔ اور گودنے والی اور گودوانے والی اور سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔

فسالته

عون کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ اس کے آلاتِ حجامت آپ نے کیوں توڑ دیئے؟ تو وہ فرمایا۔

ثمن الكلب

یعنی کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت تھا جبکہ کتوں کے مار ڈالنے کا حکم تھا، مگر جب انہیں گھر اور مویشیوں کی حفاظت کے لیے پالنے اور شکاری کتوں کے رکھنے کی اجازت مل گئی تو ان کی خرید و فروخت کی اجازت بھی ہو گئی۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے مال نہ تھے اور اب مال ہو گئے۔

ثمن الدم

یہاں ثمن سے مراد اُجرت ہے، یعنی سینگی لگا کر خون نکالنے کی اُجرت سے منع فرمایا، مگر بخاری ہی میں اسی کتاب البیوع میں باب ذکر الحجام میں حدیث آ رہی ہے کہ ابوطیبہ نے رسول اللہ ﷺ کو سینگی لگائی تو حضور نے انہیں ایک صاع کھجو عطاء فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہ حرام ہوتا تو حضور کیوں دیتے۔ نیز یہ کہ ان پر ان کے مالک نے جو یومیہ مقرر کر رکھا تھا اس میں صرف تخفیف نہ فرماتے، بلکہ ان کے مالک کو حکم دیتے کہ یہ آمدنی حرام ہے، اس سے کچھ نہ لو۔

امام طحاوی نے یہاں یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ نہی کی حدیث منسوخ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ ممانعت بکروہ تنزیہی کی حد تک ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے حجام (سینگی لگانے والے) کی کمائی کے بارے میں پوچھا تو اسے کھانے سے منع فرما دیا۔ انہوں نے بار بار سوال کیا، ہر بار منع فرمایا، اخیر میں فرمایا: اس سے اپنے جانور کو چارہ کھلا دے یا غلاموں کو کھلا دو۔[1] اگر حرام ہوتا تو جانور کو چارہ دینے اور غلاموں کو کھلانے کی بھی اجازت نہ دیتے۔ مال حرام سے نہ جانور کو چارہ دینا جائز ہے نہ غلام کو خوراک دینی درست، مگر بار بار ممانعت سے اس کی کراہت ظاہر ہے۔

اكل الربا

اس ارشاد میں حذف ہے، عبارت پوری یوں ہے: "آكل الربو عن اكله وموكله عن اطعامه" سود خوار کو سود کھانے سے

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۳۴۳

سود دینے والے کو سود کھلانے سے منع فرمایا۔ یہ ممانعت اتنی شدید ہے کہ اسی حدیث کے دوسرے طرق میں ہے کہ ان دونوں پر لعنت فرمائی۔ سود دینے والے پر لعنت کی وجہ یہ ہے کہ یہ سبب ہے' سود کھانے کا اور سبب گناہ بھی گناہ ہے۔

ولعن المصور

تصویر بنانے کا کتنا سخت گناہ ہے' اس کا اس ارشاد سے اندازہ کریں کہ اس پر لعنت فرمائی' مگر آج کل کے مسلمان حتیٰ کہ علماء و مشائخ بننے والے شوق سے تصویر کھنچواتے ہیں اور اس میں جیسے کوئی حرج نہیں جانتے' حالانکہ یہ کھچوانا سبب ہے تصویر سازی کا اور سبب گناہ' گناہ ہے۔ تصویر بنوانے والوں کو سوچنا چاہیے کہ جیسے سود دینے والے پر اس وجہ سے لعنت فرمائی کہ یہ سبب ہے' سود کھانے کا اسی طرح اس کا قوی اندیشہ ہے کہ تصویر بنوانے والے افراد بھی کہیں مستحق لعنت نہ ہوں۔

ایک مغالطے کا رد

کچھ لوگ کیمرہ سے بنی ہوئی تصویر کے جواز کے لیے یہ بہانہ بناتے ہیں کہ یہ تصویر نہیں' عکس ہے۔ ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ عکس پائیدار اور برقرار نہیں رہتا اور یہ برقرار رہتی ہے۔ اس لیے یہ عکس نہیں تصویر ہی ہے' پوری تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

باب ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ۝﴾ (البقرہ:۲۷۶) (ص ۲۸۰)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ فرمایا: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بدکردار کو پسند نہیں کرتا۝

۱۲۲۶- ح: اَلْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِّلسِّلْعَةِ

[قسم مال فروخت کرنے والی ہے]

۱۲۲۶- قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلْفُ مُنَفِّقَةٌ لِّلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِّلْبَرَكَةِ.

(مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب البیوع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قسم مال فروخت کرنے والی ہے اور برکت مٹانے والی ہے۔

حدیث کو باب سے کوئی مناسبت نہیں' مگر شارحین نے کسی نہ کسی طرح مناسبت نکال لی ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا: جھوٹی قسم کھانی حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کے ذریعہ جو مال لیا جائے' اس میں برکت نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: آیت میں ارشاد تھا کہ اللہ سود کو مٹاتا ہے' حالانکہ ربٰو کے معنی زیادتی کے ہیں' زیادتی اور نقص متضاد ہیں' اکٹھے نہیں ہو سکتے' تو امام بخاری یہ حدیث لا کر واضح فرما رہے ہیں کہ اس آیت میں محق' مٹانے سے مراد برکت اٹھا دینا ہے' جیسے اس حدیث میں ہے کہ قسم سے سودا تو خوب بکتا ہے مگر برکت ختم ہو جاتی ہے۔

باب مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ (ص ۲۸۰)

بیع میں قسم کھانا مکروہ ہے

۱۲۲۷- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَقَامَ سِلْعَةً وَهُوَ فِي السُّوْقِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اَعْطٰى بِهَا مَا لَمْ يُعْطَ لِيُوْقِعَ فِيْهَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَنَزَلَتْ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بازار میں سامان لگایا اور یہ قسم کھائی کہ اس کی اتنی قیمت لگائی گئی ہے' حالانکہ اتنی قیمت لگائی نہیں گئی تھی' اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی مسلمان کو پھانس لے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: جو لوگ اللہ کے

قَلِيْلًا﴾ (آل عمران: ۷۷) اَلْاٰيَةَ.

عہد اور اپنی قسموں کے عوض حقیر قیمت لیتے ہیں' ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

(ایضاً۔ کتاب الشہادات۔ باب: قول اللّٰه تعالٰی ان الذین یشترون بعهد اللّٰه و ایمانهم ثمنا قلیلا ص ۳۶۷' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب قوله إن الذین یشترون الایة ص ۲۵۲)

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں' اوّل: یہ کہ یہ آیت حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے ایک معاملہ میں نازل ہوئی۔ امام احمد نے اپنی مسند[1] میں روایت کیا: شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کا مال ناحق لے گا' جب اللہ عزوجل سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ اشعث بن قیس آئے تو کہا: یہ حدیث خاص میرے معاملہ میں وارد ہے۔ ایک ایسے کنویں کے بارے میں جس میں ایک چچازاد بھائی سے میرا جھگڑا ہوا' جو میرا تھا مگر قبضے میں اس کے تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں معاملہ لے گیا' اس نے میری ملکیت سے انکار کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ثبوت پیش کرو' ورنہ اس پر قسم ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کی قسم پر اگر رکھتے ہیں تو وہ میرا مال لے جائے گا' میرا خصم فاجر انسان ہے' تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فرمایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

تفسیر طبری میں ہے کہ یہ آیت رؤساء یہود' ابورافع' کنانہ بن ابوالحقیق اور حُیی بن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زمخشری نے کہا کہ توریت کی تحریف کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: کعب بن الاشرف اور ابن صوریا' رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔

بعهد الله

یعنی اللہ عزوجل کے ساتھ جو انہوں نے پیمان باندھا تھا کہ ایمان لائیں گے اور اس کی ربوبیت اور وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ "ایمانهم" سے مراد جھوٹی قسمیں ہیں۔

لا یکلمهم الله

یعنی مہربانی اور رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا' ورنہ زجر و توبیخ کے ساتھ تو کلام فرمائے گا۔

و لا ینظر الیهم

یعنی نظر رحمت نہیں فرمائے گا' یعنی ان پر کوئی کرم اور عنایت نہیں فرمائے گا' ورنہ اللہ تعالیٰ نظر سے پاک ہے۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِي الصَّوَّاغِ

جو کچھ سناروں کے بارے میں کہا گیا

۱۲۲۸- اَخْبَرَنِىْ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ اَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ عَلِيًّا قَالَ كَانَتْ لِيْ شَارِفٌ مِّنْ نَصِيْبِيْ مِنَ الْمَغْنَمِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَانِيْ شَارِفًا مِّنَ الْخُمُسِ فَلَمَّا اَرَدْتُّ اَنْ اَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری ایک بڑی اونٹنی تھی جو مالِ غنیمت سے میرے حصہ میں ملی تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس میں سے ایک بڑی اونٹنی دی تھی' جب میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ زفاف کروں تو بنی قینقاع کے ایک سنار کے ساتھ معاملہ طے کر لیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور

[1] مسند امام احمد۔ ج۵ ص۲۱۲

وَسَلَّمَ وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِّنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ اَنْ يَّرْتَحِلَ مَعِيَ فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ اَرَدْتُّ اَنْ اَبِيعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِينَ وَاَسْتَعِينُ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرُسِي.

ہم اذخر لائیں کہ اسے سناروں کے ہاتھ بیچ کر اپنی شادی کے ولیمے میں مدد لوں۔

(بخاری۔ کتاب المساقات۔ باب: بیع الحطب والکلا ص ۳۱۹، کتاب الجہاد۔ باب: فرض الخمس ص ۴۳۸، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: ص ۵۷۰، مسلم۔ کتاب الاشربہ، ابوداود۔ کتاب الخراج، مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۱۲)

الصَّوَّاغ

صاد کے فتحہ کے ساتھ فعّال کے وزن پر سنار کے معنی میں ہے، یعنی جو صیاغت کا کام کرتا ہو۔ "الصُّوَّاغ" صاد کے ضمہ کے ساتھ "صائغ" کی جمع ہے۔ "شارف" کے معنی سن رسیدہ اونٹنی کے ہیں۔ اس کا ترجمہ عام مترجمین نے بوڑھی اونٹنی کیا ہے، مگر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے حواشی بخاری میں اس کی تفسیر "ناقة عظيمة" فرمائی ہے اور یہی یہاں انسب ہے، اس لیے میں نے اس کا ترجمہ ایک بڑی اونٹنی کیا ہے۔

یہ ایک لمبی حدیث کا ابتدائی حصہ ہے، جو کتاب المساقات میں آئے گی۔ یہاں صرف "من المغنم" ہے، دوسرے ابواب میں "من البدر" کا اضافہ بھی ہے، یعنی بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ایک بڑی اونٹنی حصے میں ملی تھی اور اس سے پہلے خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑی اونٹنی دی تھی، بقیہ حدیث اپنی جگہ آئے گی، وہیں مفصل کلام ہوگا۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے زفاف غزوۂ بدر کے بعد کیا تھا اور صحیح یہ ہے کہ آپ کا عقد بھی بدر کے بعد ہی ہوا تھا۔

بَابُ ذِكْرِ الْقَيْنِ وَالْحَدَّادِ (ص ۲۸۰) لوہار کا ذکر

ابن درید نے کہا کہ قین کے اصلی معنی لوہار کے ہیں، پھر عرف میں ہر صائغ کو کہنے لگے۔ زجاج نے کہا: قین نیزہ بنانے والے کو کہتے ہیں اور لوہار کو بھی۔ علامہ عینی نے فرمایا: قین لفظ مشترک ہے، قین لوہار کو بھی کہتے ہیں اور غلام کو بھی، لونڈی کو "قینہ" نیز مشاطہ کو بھی قینہ کہتے ہیں۔ امام بخاری نے "والحداد" کا عطف کر کے اس کی تفسیر کر دی۔ اسی سے "تقین" تزیین کے معنی میں آتا ہے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "اَنَا قَيَّنْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا" میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا سنگھار کیا تھا۔

مقصد باب

یہاں سے امام بخاری چند پیشہ وروں کے بارے میں باب باندھ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ سب پیشے جائز ہیں، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پیشوں کا علم تھا اور آپ نے منع نہیں فرمایا۔ اس حدیث سے باب کی مطابقت یوں ہے کہ اگر سنار کا پیشہ جائز نہ ہوتا تو اس کے ساتھ کام میں اشتراک جائز نہ ہوتا اور اس کے ہاتھ اذخر بیچنا جائز نہ ہوتا۔

تا۔ فَقَالَ عِكْرِمَةُ هَلْ تَدْرِي مَا يُنَفِّرُ صَيْدُهَا هُوَ اَنْ تُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ وَتَنْزِلَ مَكَانَهُ.

عکرمہ نے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ شکار بھڑکانے کا کیا معنی ہے؟ یہ ہے کہ سایے سے اسے بھگا کر اس کی جگہ خود بیٹھے۔

کتاب المناسک میں گزری ہوئی حدیث میں تھا: "وَلَا يُنَفَّرُ صيدها" اور اس کے شکار کو نہ بھڑکایا جائے۔ اس کی تفسیر حضرت عکرمہ نے یہ کی، مگر یہ اس کا ایک معنی ہے، ورنہ یہ ارشاد اپنے عموم پر ہے، کسی طرح بھڑکانا جائز نہیں، یہ بھڑکانے کی سب سے ہلکی صورت ہے اس لیے امام عکرمہ نے اسے ذکر فرمایا۔

١٢٢٩- ح: كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ

[میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا]

١٢٢٩ - عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِيْ عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ فَاَتَيْتُهٗ اَتَقَاضَاهُ قَالَ لَا اُعْطِيكَ حَتّٰى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ فَقُلْتُ لَا اَكْفُرُ حَتّٰى يُمِيْتَكَ اللّٰهُ ثُمَّ تُبْعَثَ قَالَ دَعْنِيْ حَتّٰى اَمُوْتَ وَاُبْعَثَ فَسَاُوْتٰى مَالًا وَّوَلَدًا فَاَقْضِيكَ فَنَزَلَتْ ﴿اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا O﴾ (مريم:٧٧).

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا اور میرا عاص بن وائل پر قرض تھا، میں اس کے پاس تقاضا کرنے گیا تو اس نے کہا: جب تک محمد کا انکار نہیں کرو گے نہیں دوں گا۔ میں نے کہا: ان کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تجھے مار دے اور پھر زندہ ہو کر اُٹھے، تو اس نے کہا: رہنے دے کہ میں مروں پھر زندہ ہو کر اُٹھوں اور مجھے مال اور اولاد دی جائے تو میں تجھے ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا: مجھے مال اور اولاد ضرور دی جائے گی O

(بخاری۔ کتاب الاجارات۔ باب: هل يواجر الرجل نفسه من مشرك في ارض حرب ص ٣٠٤، ج ٢۔ کتاب التفسیر۔ سورہ کہیعص۔ باب: قوله افرأيت الذي كفر بآيتنا الآية ص ٦٩١، باب: قوله اطلع الغيب ام اتخذ عند الرحمٰن عهدًا ص ٦٩١، باب: قوله كلا سنكتب ما يقول ونمد له مدا ص ٦٩٢، باب: قوله و نرثه ما يقول و ياتينا فردا ص ٦٩٢، مسلم۔ کتاب المنافقین، ترمذی، نسائی۔ کتاب التفسیر)

تفسیر میں بہ طریق محمد بن کثیر جو روایت ہے، اس میں یہ ہے: میں نے عاص بن وائل کے لیے تلوار بنائی تھی اور آیت کریمہ میں ''عَهْدًا'' کے بعد ''مَوْثِقًا'' بھی مروی ہے، کتاب الاجارات اور تفسیر کی بعض روایتوں میں یہ زائد ہے کہ عاص بن وائل نے کہا: (کیا) میں مروں گا، پھر زندہ ہو کر اُٹھوں گا۔ حضرت خباب نے فرمایا: ہاں! تو اس نے وہ جواب دیا۔

فَسَاُوْتٰی

یعنی تمہارے اعتقاد کے مطابق جب میں زندہ ہو کر اُٹھوں گا اور جنت میں مجھے مال و اولاد ملے گی تو ادا کر دوں گا، اس نے یہ بطور تمسخر یہ کہا تھا۔

ایک اشکال اور اس کا حل

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے کافر ہونے کے لیے میعاد مقرر کی تو وہ فوراً کافر ہو گیا، مثلاً یہ کہا کہ سال بھر کے بعد کافر ہو جاؤں گا تو وہ ابھی کافر ہو گیا، پھر ایسے راسخ الایمان، جلیل القدر صحابی نے وہ کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خباب نے عاص بن وائل کے اعتقاد کے مطابق اسے غیظ دلانے کے لیے ایسا کہا کہ جیسے تیرا اعتقاد ہے کہ مرنے کے بعد کبھی نہیں اُٹھے گا، اسی طرح میں کبھی حضور اقدس ﷺ کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ کافر ہونے کے لیے میعاد مقرر کرنی نہیں، بلکہ ابلغ وجوہ کے بالکلیہ کفر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انکار کرنا ہے۔

اس موقعہ پر یہ چار آیتیں نازل ہوئی تھیں:

کیا تو نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا، اور کہتا ہے: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی O کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے O ہر گز نہیں! جو کچھ وہ کہتا ہے اس کو ہم لکھ رکھیں گے اور ہم اسے بہت لمبا عذاب دیں گے O اور وہ جو کہتا ہے اس کے ہمیں وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا O

عاص بن وائل

زمانہ جاہلیت کے ملحدین زندیقین دہریوں میں سے ایک تھا۔ انہیں میں عقبہ بن ابومعیط' ولید بن مغیرہ اور ابی بن خلف بھی ہے۔ عاص بن وائل اسلام اور حضور اقدس ﷺ کے سربرآوردہ دشمنوں میں سے تھا۔ اس موت کا عجیب عبرت ناک واقعہ ہے۔ یہ آخر عمر میں سفر میں گیا' تکان کے باعث ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ جبریل امین بہ حکم رب العالمین تشریف لائے اور اس کا سر پکڑ کر درخت سے مارنا شروع کیا' وہ چلاتا تھا: ارے! کون میرے سر کو درخت سے ٹکرا رہا ہے' اس کے ساتھی کہتے تھے' ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا' یہاں تک کہ جہنم واصل ہوا۔ (الملفوظ۔ ج۱ ص۹۰)

بَابُ ذِكْرِ الْخَيَّاطِ (ص۲۸۱)

ایک درزی کا ذکر

۱۲۲۰- عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا وَّمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَّقَدِيْدٌ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ قَالَ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کے لیے مدعو کیا' جسے اس نے تیار کیا تھا۔ حضرت انس بن مالک نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس دعوت میں گیا' اس نے رسول اللہ ﷺ کو روٹی اور شوربا پیش کیا' جس میں کدو اور گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ کدو کو پیالہ کے کنارے سے تلاش کرتے تھے۔ حضرت انس نے کہا: اس دن سے میں کدو پسند کرنے لگا۔

(بخاری۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الدباء۔ باب: المرق۔ باب: القدید۔ باب: من اضاف رجلا علی طعام ص۸۱۰' مسلم۔ کتاب الاطعمہ' نسائی' ابوداود۔ کتاب الولیمہ' ترمذی۔ کتاب الولیمہ' شمائل)

کتاب الاطعمہ میں بہ طریق عبداللہ بن منیر یوں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک غلام کے پاس گئے جو درزی تھا' آگے ہے: رسول اللہ ﷺ کدو تلاش کرنے لگے' جب میں نے یہ دیکھا تو حضور کے سامنے کدو جمع کرنے لگا اور غلام اپنے کام میں لگ گیا' اسی میں بہ طریق عبداللہ بن مسلمہ یہ ہے کہ اس نے جو کی روٹی پیش کی۔ قدید کے معنی کٹا ہوا گوشت یا سکھایا ہوا گوشت ہے۔ یہاں زیادہ مناسب پہلا معنی ہے' اس لیے میں نے اس کا ترجمہ "گوشت کی بوٹیاں" کیا ہے۔

سلائی میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ جائز نہ ہو' اس لیے کہ اس میں اجارہ اور بیع' دو عقد اکٹھے ہیں۔ سلائی اجارہ ہے' اور درزی نے اپنی طرف سے جو دھاگہ لگایا بیع ہے۔ سلائی کی اُجرت' دھاگے کی قیمت ایک دوسرے سے متمائز نہیں۔ اُجرت ایک ہی طے ہوتی ہے' ایسا نہیں ہوتا کہ سلائی کی الگ اُجرت مقرر ہو اور دھاگے کی قیمت الگ' مگر یہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک سے رائج ہے' اس لیے بلا کراہت جائز ہے۔ اسی طرح کپڑے کی رنگائی' جوتے کی سلائی' چمڑے کی پکائی وغیرہ بھی ہے۔ اس لیے امام بخاری نے اس کا مستقل باب باندھا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو کدو بہت پسند تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو کدو پسند تھی اور دوسرے نے کہا: مجھے کدو پسند نہیں' تو اس پر اندیشہ کفر ہے۔

بَابُ النَّجَّارِ (ص۲۸۱)

بڑھئی کا بیان

۱۲۲۱- حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار

جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَاِنَّ لِيْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ قَالَ فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِيْ صُنِعَ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِيْ كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَكَتْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ.

کی ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ کیا میں حضور کے لیے کوئی ایسی چیز نہ بنادوں جس پر حضور بیٹھیں میرا ایک غلام بڑھئی ہے۔ فرمایا: اگر تو چاہے (تو بنا دے)۔ ان خاتون نے آپ کے لیے منبر بنایا' جب جمعہ کا دن آیا اور نبی ﷺ اس منبر پر بیٹھے جو بنایا گیا تھا تو وہ کھجور کا تنا چیخ پڑا جس کے پاس حضور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے' یہاں تک کہ معلوم ہوتا تھا کہ پھٹ جائے گا۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ منبر سے اترے اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا لیا' تو وہ اس بچے کی طرح سسکیاں لینے لگا جسے چپ کرایا جاتا ہے' یہاں تک کہ اسے سکون ہو گیا۔ انہوں نے کہا: یہ تنا اس پر رویا تھا کہ ذکر سنتا تھا۔

اس حدیث کا آخری حصہ نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۷۴۴' رقم: ۵۷۵ پر گزر چکا ہے۔ وہیں منبر اقدس کے بارے میں پوری تفصیل درج ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نباتات جمادات میں یک گونہ حیات ہے' انہیں شعور بھی ہے' ادراک بھی ہے اور ان میں کلام کرنے کی قدرت بھی ہے۔

بَابُ شِرَاءِ الدَّوَابِّ وَالْحُمُرِ وَاِذَا اشْتَرٰى دَابَّةً اَوْ جَمَلًا وَّهُوَ عَلَيْهِ هَلْ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَبْضًا قَبْلَ اَنْ يَّنْزِلَ (ص ۲۸۱)

چوپایوں اور گدھوں کا خریدنا اور جب کوئی چوپایہ یا اونٹ خریدے اور وہ اسی پر سوار رہے' اُترے نہیں تو یہ قبضہ ہوگا؟

توضیح باب

حمیر' حمار کی جمع ہے' نیز اس کی جمع "حُمُرٌ" اور "اَحْمِرَةٌ" بھی آتی ہے۔ دابہ' ہر چوپائے کو کہتے ہیں' اس میں گدھا بھی داخل ہے' پھر خصوصیت کے ساتھ اس کے ذکر کی کیا وجہ ہے؟ اس باب کے ضمن میں امام بخاری نے ایک تعلیق ذکر فرمائی ہے' جس میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تند خو اونٹ خریدا۔ دوسری حضرت جابر کی حدیث جس میں اونٹ خریدنے کا تذکرہ ہے۔ اونٹ حلال جانور ہے' اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ خرید و فروخت کا جواز حلال جانوروں کے ساتھ خاص ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حرام جانوروں کی خرید و فروخت ممنوع ہو۔ امام بخاری نے باب کا عنوان دواب سے قائم کر کے یہ افادہ فرمایا کہ یہ جواز ہر چوپایے کو عام ہے۔ اور حمیر کا اضافہ کر کے مزید تعمیم فرمائی کہ حرام جانوروں کی بھی خرید و فروخت جائز ہے اگر اس میں کوئی منفعت ہو' اس سے جواز کی علت کی جانب اشارہ فرمایا کہ وہ منفعت ہے' جس جانور میں کوئی منفعت ہو' اس کی بیع و شرا جائز ہے۔

١٢٣٢- ح: فَاَبْطَاَ بِيْ جَمَلِيْ وَاَعْيَا [میرے اونٹ نے مجھے پیچھے کر دیا اور تھک گیا]

١٢٣٢- عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَبْطَاَ بِيْ جَمَلِيْ وَاَعْيَا فَاَتٰى عَلَيَّ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں تھا' میرے اونٹ نے مجھے پیچھے کر دیا اور تھک گیا تھا' میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: جابر!

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا شَأْنُكَ قُلْتُ اَبْطَأَ عَلَيَّ جَمَلِيْ وَاَعْيَا فَتَخَلَّفْتُ فَنَزَلَ يَحْجُنُهُ بِمِحْجَنَةٍ ثُمَّ قَالَ ارْكَبْ فَرَكِبْتُ فَلَقَدْ رَاَيْتُهُ اَكُفُّهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكْرًا اَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا قَالَ اَفَلَا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قُلْتُ اِنَّ لِيْ اَخَوَاتٍ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَ امْرَاَةً تَجْمَعُهُنَّ وَتَمْشُطُهُنَّ وَتَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ قَالَ اَمَّا اِنَّكَ قَادِمٌ فَاِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ ثُمَّ قَالَ اَتَبِيْعُ جَمَلَكَ قُلْتُ نَعَمْ فَاشْتَرَاهُ مِنِّيْ بِاُوْقِيَّةٍ ثُمَّ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلِيْ وَقَدِمْتُ بِالْغَدَاةِ فَجِئْنَا اِلَى الْمَسْجِدِ فَوَجَدْتُهُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ قَالَ الْاٰنَ قَدِمْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَدَعْ جَمَلَكَ وَادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ فَدَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَزِنَ لَهُ اُوْقِيَّةً فَوَزَنَ لِيْ بِلَالٌ فَاَرْجَحَ لِيْ فِي الْمِيْزَانِ فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى وَلَّيْتُ فَقَالَ ادْعُ لِيْ جَابِرًا قُلْتُ الْاٰنَ يَرُدُّ عَلَيَّ الْجَمَلَ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْهُ قَالَ خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُهُ.

میں نے عرض کیا: جی حضور! فرمایا: تیرا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: میرے اونٹ نے دیر لگادی' وہ تھک گیا ہے' اس لیے میں پیچھے رہ گیا' تو حضور اُترے اور اپنے عصا سے اسے مارنے لگے' پھر فرمایا: سوار ہو جا! میں سوار ہو گیا' اب وہ اتنا تیز چلنے لگا کہ میں اس کو روکتا تھا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کے برابر نہ ہو جائے۔ حضور نے دریافت فرمایا: تم نے شادی کر لی؟ میں نے عرض کیا: جی حضور! پوچھا: کنواری سے کہ شوہر دیدہ سے؟ میں نے عرض کیا: شوہر دیدہ سے' فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں کی؟ جو تم سے کھیلتی تم اس سے کھیلتے۔ میں نے عرض کیا: میری بہنیں ہیں' میں نے یہ پسند کیا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جو انہیں اکٹھا رکھے اور انہیں کنگھا کرے اور ان کی نگہبانی کرے۔ فرمایا: سنو! تم پہنچنے والے ہو' جب پہنچ جانا تو خوب سمجھ داری سے کام لینا' پھر فرمایا: کیا اپنا اونٹ بیچو گے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو حضور نے اسے ایک اوقیہ میں خرید لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مجھ سے پہلے پہنچ گئے اور میں دوسرے دن صبح کو پہنچا اور مسجد میں حاضر ہوا۔ میں نے حضور کو مسجد کے دروازے پر تشریف فرما پایا' آپ نے دریافت فرمایا: اب تم آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اپنا اونٹ چھوڑ جاؤ اور اندر جا کر دو رکعت نماز پڑھ لو۔ میں اندر گیا اور نماز پڑھی' اب حضور نے بلال کو حکم دیا: اس کے لیے اوقیہ تول دے۔ بلال نے تول دی اور بڑھا کر تولی' میں چلا' جب مڑ گیا تو فرمایا: جابر کو بلاؤ! میں نے جی میں کہا: اب حضور اونٹ کو لوٹائیں گے اور اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں تھی' آپ نے فرمایا: اپنا اونٹ لے اور قیمت بھی لے جا۔

(بخاری- کتاب الصلوۃ- باب: الصلوة اذا قدم من سفر ص ٦٣' کتاب الاستقراض- باب: من اشترى بالدين وليس عنده ثمنه ص ٣٢١' باب: هل يعطى اكبر من سنه ص ٣٢٢' باب: الشفاعة فی وضع الدين ص ٣٢٣' باب: حسن القضاء ص ٣٥٥' کتاب الہبۃ- باب: هبة المقبوضة وغير المقبوضة ص ٣٥٥' دو طریقے سے- باب: اذا اشترط البائع ظهر الدابة الى مكان مسمى جاز ص ٣٧٥' باب: من ضرب دابة غيره في الغزو ص ٤٠١' باب: استئذان الرجل الامام ص ٤١٦' باب: من غزا وهو حديث احد بعرس ص ٤١٦' باب: الصلوة اذا قدم من سفر ص ٤٣٣ ج ٢- کتاب المغازی- باب: همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما الخ ص ٥٨٠' کتاب النکاح- باب: الثيبات' دو طریقے سے ص ٧٦٠' باب: طلب الولد تین طریقے سے ص ٧٨٩' کتاب النفقات- باب: عون المراة زوجها في ولده ص ٨٠٨' کتاب الدعوات-

باب: الدعـاء للزوج ص ۹۴۵' مسلم۔ کتاب المسافرین۔ کتاب المساقات۔ کتاب الرضا' ابوداؤد۔ کتاب النکاح۔ کتاب الجہاد' ترمذی۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب النکاح' دارمی۔ کتاب النکاح' موطا امام مالک۔ کتاب الحدود' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۲۹۴۔ ۳۰۲ وغیرہ)

امام بخاری نے اس حدیث کو اکیس طریقے سے مسنداً روایت کیا ہے اور صفحہ ۳۷۵ پر چودہ طریقے سے تعلیقاً ہے' اس کا ایک حصہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ پر گزر چکا ہے' مگر وہاں حدیث مختصر تھی' یہاں مفصل ہے' جس سے کئی مسائل متخرج ہوتے ہیں۔

في غزاة

علامہ ابن حجر نے تحریر فرمایا کہ یہ غزوہ ذات الرقاع میں ہوا تھا' مگر خود بخاری' کتاب الشروط میں صفحہ ۳۷۵ پر تعلیقاً بہ طریق داؤد بن قیس بن عبیداللہ بن مقسم تصریح ہے کہ تبوک کے راستے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

ان لي اخوات

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ میرے والد عبداللہ شہید ہو گئے اور انہوں نے نو یا سات بیٹیاں چھوڑی ہیں' میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ انہیں کے مثل سے شادی کروں جو نہ ان کی تربیت کر سکے اور نہ دیکھ بھال کر سکے۔ اس لیے میں نے شوہر دیدہ سے شادی کی' جو ان کی دیکھ بھال کرے اور ان کو اچھا طور طریقہ سکھائے' تو حضور نے فرمایا: اللہ تجھے برکت دے!

فالكيس الكيس

اس کے پہلے تھا: ''فـاذا قدمت'' یہ اسی کی جزا ہے اور یہ فعل محذوف کا مفعول یہ ہے' یعنی ''فـالـزم الكيس'' کیس کے معنی عقل اور سمجھ کے ہیں۔ یہ ارشاد اس بناء پر ہے کہ حضرت جابر کنوارے تھے' انہیں ازدواجی زندگی کا کوئی تجربہ نہیں تھا' اس لیے تنبیہ فرمائی۔

باوقية

حضور اقدس ﷺ نے حضرت جابر سے ان کا اونٹ کتنے میں لیا تھا؟ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔ بخاری' کتاب الشروط صفحہ ۳۷۵ پر اس حدیث کی جو تعلیقیں ذکر کی ہیں' اس میں ایک روایت میں ''بـوَقِـيَـةٍ'' ہے۔ یہ اُوقیہ ہی کی ایک لغت ہے ایک روایت میں چار دینار ہے' ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے' اس حساب سے ایک دینار دس درہم کا ہوا۔ وہیں ایک روایت میں چار اُوقیہ ہے۔ اور ایک روایت میں بیس دینار ہے۔ یہاں امام بخاری نے فرمایا کہ امام شعبی نے جو فرمایا کہ ایک اوقیہ میں لیا' یہی اکثر ہے۔ عام روایتوں میں صرف اوقیہ وارد ہے' یہ تصریح نہیں کہ ایک اوقیہ سونے کے عوض یا چاندی کے عوض' مگر ایک روایت میں ''اوقیۃ ذهـب'' آیا ہے' اوقیہ چاندی کا وزن ہے' یہ چالیس درہم ہوتا ہے' سونے کا وزن نہیں۔ اس کی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک اوقیہ چاندی کے عوض اُس عہد میں جتنا سونا ملتا ہو' اس کے عوض بیچا۔ ہو سکتا ہے کہ اس عہد میں ایک دینار کی قیمت دس درہم ہو۔ اب چار دینار والی روایت اور ایک اوقیہ والی روایت' دونوں کا حاصل ایک ہوا۔ اور جن روایتوں میں بیس دینار آیا ہے' اس سے مراد چھوٹے دینار ہیں۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اوقیہ والی روایت راوی کا سہو ہے۔

اقول وبالله التوفيق: اس عہد مبارک میں مختلف ممالک کے سکے مدینہ طیبہ میں رائج تھے۔ راویوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق اس کی مختلف تعبیریں کی ہیں۔ نیز حدیث سے ظاہر ہے کہ جو قیمت طے ہوئی تھی' حضور اقدس ﷺ نے اس سے زیادہ دیا' کتنا زیادہ دیا؟ اس کی تصریح کسی روایت میں نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اکثر راویوں نے قیمت کی وہ مقدار بتائی جو طے ہوئی تھی' ہو سکتا ہے کچھ لوگوں نے وہ قیمت ذکر کی ہو جو ادا کی گئی۔ اس کا بھی امکان ہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس کو ذکر کیا' کبھی اس کو ذکر کیا

واللہ تعالیٰ اعلم!

بیع میں شرط

کتاب الشروط کی روایت میں ہے: ''فاستثنیت حملانه الی اهلی'' میں نے اپنے اہل تک جانے کا استثناء کرلیا۔ دوسری روایتوں میں بھی اس کے ہم معنی الفاظ آئے ہیں۔

بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں عاقدین میں سے کسی کا ایسا فائدہ جو مقتضائے عقد نہ ہو، فاسد ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے، جمہور کی دلیل حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت بریرہ کے خریدنے کا ذکر ہے۔ ان کے مالکوں نے اُم المؤمنین کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ آپ خرید کر آزاد کر دیں، مگر حق ولاء ہمیں حاصل ہوگا۔ حضرت اُم المؤمنین نے خدمت اقدس میں عرض کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا: تم خرید لو اور آزاد کر دو، ولاء اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے گا۔ اور فرمایا: کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، ہر ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہیں، باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں[1] اور یہی مقتضائے روایت بھی ہے، اس لیے اسی کو ترجیح ہے۔ علاوہ ازیں حضرت جابر کی اس حدیث کے الفاظ مختلف آئے ہیں۔ بعض راویوں نے شرط کے طور پر ذکر کیا ہے اور بعض راویوں نے ایسے الفاظ ذکر کیے ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ ترحم ان کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ علاوہ ازیں خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا۔

فصل رکعتین

یہ سفر سے واپسی کی نماز تھی، مگر بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ یہ چاشت کا وقت تھا، اس لیے کچھ نے کہا کہ یہ نمازِ چاشت تھی، مگر یہ صحیح نہیں۔

فارجح فی المیزان

دوسری روایتوں میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو اس کا حکم دیا تھا کہ کچھ زیادہ تولنا۔ کتاب الجہاد، باب ''من ضرب دابة غيره'' میں ہے: ''فبعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باواقی من ذهب'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی اوقیہ سونا بھیجا۔ جبکہ مسلم کی ایک روایت کے اخیر میں ہے: ''خذ جملك ودراهمك'' اپنا اونٹ اور اپنے دراہم لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیمت میں دراہم دیئے تھے، توجیہ وہی ہے کہ کبھی طے شدہ کو ذکر کیا، کبھی ادا شدہ کو، کبھی اس نوع کو ذکر کیا جو قیمت میں دی تھی اور کبھی اس کی اس قیمت کو جو دوسری نوع سے ہوئی تھی۔

بَابُ شِرَاءِ الْاِبِلِ الْهِيْمِ اَوِ الْاَجْرَبِ	استسقاء اور خارش کے مریض اونٹ کا خریدنا،
اَلْهَائِمُ الْمُخَالِفُ لِلْقَصْدِ فِيْ	ھائم کے معنی ہیں: ہر چیز میں اعتدال
كُلِّ شَيْءٍ (ص ۲۸۲)	سے آگے بڑھنے والا

توضیح باب

''ھیم''، ''اھیم'' کی جمع ہے جسے ''ھُیام'' یعنی استسقاء کی بیماری ہو، یہ ''ھائم'' کی جمع نہیں، ''ھائم'' کے معنی ہیں: دیوانگی کی

---

[1] بخاری، ج ۱، ص ۳۲۸، کتاب المکاتب

حد تک حیران، جو کوئی کام صحیح طور سے نہ کر سکے، عشق میں پاگل۔ اس کی جمع ''هُيَّمٌ'' ، ''هُيَّامٌ'' آتی ہے''۔ ''اهيم'' صفت مشبہ اور ''هائم'' اسم فاعل ہے۔

''هـائم'' کے معنی بتا کر امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ دونوں کا مادہ ایک ہے، مگر صفت مشبہ اور اسم فاعل کے معنی میں یہ فرق ہے: ''اهیم'' استسقاء کی بیماری والے کے معنی میں ہے اور ''هـائم'' حیران و سرگرداں کے معنی میں ہے، یا یہ کہ ''اَهْيَم'' کے معنی لغوی کے ساتھ مناسبت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ''اَهْيَـم'' کے لغوی معنی سخت حیران و سرگشتہ ہیں اور استسقاء کی بیماری والا بھی پیاس کی شدت کی وجہ سے مخبوط الحواس رہتا ہے۔

١٢٣٣ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ عَمْرٌو كَانَ هَا هُنَا رَجُلٌ اِسْمُهُ نَوَّاسٌ وَّكَانَتْ عِنْدَهُ اِبِلٌ هِيْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاشْتَرٰى تِلْكَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِيكٍ لَهُ فَجَآءَ اِلَيْهِ شَرِيكُهُ فَقَالَ بِعْنَا تِلْكَ الْاِبِلَ فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا قَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَآئَهُ فَقَالَ اِنَّ شَرِيكِي بَاعَكَ اِبِلًا هِيْمًا وَّلَمْ يَعْرِفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا فَقَالَ دَعْهَا رَضِينَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى.

عمرو بن دینار نے کہا: یہاں ایک شخص تھا جس کا نام نواس تھا اور اس کے ساتھ استسقاء زدہ اونٹ تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما گئے اور ان اونٹوں کو اس کے شریک سے خرید لیا، ان کے بعد اس کا شریک آیا تو اسے بتایا کہ ہم نے ان اونٹوں کو بیچ دیا ہے، اس نے پوچھا: کس کے ہاتھ بیچا ہے؟ تو اس نے بتایا: اس حلیے کے ایک بزرگ کے ہاتھ۔ اس نے کہا: تجھے خرابی ہو! بخدا! وہ حضرت ابن عمر ہیں۔ اب یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے شریک نے آپ کو پہچانا نہیں اور استسقا زدہ اونٹوں کو آپ کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ فرمایا: تو ہانک لے جا! جب وہ ہانکنے گئے تو فرمایا: رہنے دے! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی ہیں کہ آپ نے فرمایا: بیماری میں چھوت نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیب دار چیز بیچنا ممنوع ہے، مگر یہ کہ مشتری کو عیب پر مطلع کر دیا جائے اور وہ راضی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تابعین صحابہ کرام کا کتنا لحاظ اور پاس کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کتنا اطمینان اور وثوق تھا۔ نیز معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے، باطل ہے۔

بَابُ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي الْفِتْنَةِ وَغَيْرِهَا (ص ٢٨٢)

فتنے اور امن میں ہتھیار کا بیچنا

ت٣٩٥ - وَكَرِهَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَيْعَهُ فِي الْفِتْنَةِ.

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فتنے کے ایام میں ہتھیار کی بیع کو ناپسند فرمایا۔

اس تعلیق کو ابن عدی نے کامل میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں مرفوعا روایت کیا ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ صحیح اور مختار یہی ہے کہ فتنے کے دنوں میں ہتھیار بیچنا ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ دو حال سے خالی نہیں، اگر مسلمانوں کے ہاتھ بیچا تو خود بلا ہتھیار رہنا اچھا نہیں اور اگر دشمنوں کے ہاتھ بیچا تو دوسری خرابی یہ ہوئی کہ دشمن کو قوت پہنچی۔

١٢٣٤ - ح: خَرَجْنَا عَامَ حُنَيْنٍ فَاَعْطَاهُ يَعْنِي الدِّرْعَ

[ہم حنین کے سال نکلے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زرہ (مجھے) عطا فرمائی]

۱۲۳۴- عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ مَّوْلٰی اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَیْنٍ فَاَعْطَاهُ یَعْنِیْ دِرْعًا فَبِعْتُ الدِّرْعَ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِیْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَاِنَّهٗ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهٗ فِی الْاِسْلَامِ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حنین کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ نکلے تو حضور نے وہ یعنی زرہ مجھے عنایت فرمائی، میں نے اس زرہ کو بیچ کر بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا، یہ پہلا مال تھا جسے میں نے اسلام لانے کے بعد جمع کیا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: من لم یخمس الاسلاب ص ۴۴۴، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی یوم حنین ص ۶۱۰، کتاب الاحکام۔ باب: الشهادة تكون عند الحكم ص ۱۰۶۳، مسلم، ابوداؤد، موطا امام مالک کلھم فی کتاب الجہاد)

یہ ایک طویل حدیث کا اخیر جز ہے۔ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا: حنین کے موقع پر جب مڈبھیڑ ہوئی تو مسلمانوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر چڑھا ہوا ہے، میں گھوم کر اس کے پیچھے سے آیا اور اس کے کاندھے کے پٹھے پر تلوار ماری۔ مشرک نے جھپٹ کر مجھے اتنے زور سے دبوچ لیا کہ میں سمجھا کہ اب گیا مگر ہوا یہ کہ وہ خود مر گیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا، اور پوچھا: لوگوں کا کیا حال ہے؟ فرمایا: اللہ کی مرضی! اس کے بعد لوگ لوٹے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

جنگ کے اختتام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور فرمایا: جس نے کسی کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس ثبوت ہو تو اس کا سامان قاتل کا ہے۔ میں نے کہا: میرے لیے کون گواہی دے گا؟ پھر میں بیٹھ گیا، دوبارہ حضور نے وہی فرمایا تو میں کھڑا ہوا کہ کون میرے لیے گواہی دیتا ہے؟ پھر بیٹھ گیا، اب پھر حضور نے وہی ارشاد فرمایا، اس پر میں پھر کھڑا ہو گیا، تو دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ اے ابوقتادہ! میں نے واقعہ عرض کیا تو ایک مسلمان نے کہا: انہوں نے سچ کہا ہے اور اس کا چھینا ہوا سامان میرے پاس ہے، حضور انہیں راضی فرما دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس قریش کے بجو کو نہ دیں، اسے نہیں ملے گا، اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر اللہ اور اس کے رسول کی حمایت میں لڑے اور مقتول کا سامان تجھے دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر نے سچ کہا۔ ابوقتادہ کو سامان دے دے، انہوں نے لا کر خدمت اقدس میں حاضر کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرما دیا، وہ زرہ تھی جسے میں نے بیچ کر بنی سلمہ کے محلے میں ایک باغ خریدا، مسلمان ہونے کے بعد یہ پہلا ایسا مال تھا جسے میں نے جمع کیا، یعنی پہلے جو مال حاصل ہوا تھا، وہ خرچ ہو گیا، مگر اس سے میں نے باغ خرید لیا۔

حنین

مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک میدان ہے، جہاں ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ثقیف، ہوازن اور اہل طائف سے زبردست معرکہ ہوا تھا، جس میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا کہ جنگل کا جنگل مویشیوں سے بھرا پڑا تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ کسی کسی کو سو سو اونٹ کسی کسی کو چالیس چالیس اوقیہ چاندی عنایت فرمائی۔

تاثلتہ

اس کا مادہ "اثل" ہے اس کے معنی اصل، بنیاد ہے۔ باب تفعل میں تکلف کا افادہ کرتا ہے یعنی اسے بتکلف آمدنی کے لیے بنیاد بنالیا۔

مطابقت

باب کے دو جز تھے: فتنے کے دنوں میں ہتھیار بیچنا۔ یہ تعلیق سے ثابت ہوا کہ ممنوع ہے۔ دوسرا جز امن کے دنوں میں ہتھیار بیچنا۔ یہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث سے ثابت ہوا۔ اس حدیث پر امام بخاری نے دو باب اور قائم فرمائے ہیں: جس نے مال غنیمت سے خمس نہیں دیا۔ حکم یہ ہے کہ جنگ میں جتنا مال غنیمت اکٹھا ہو' اس میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نکال کر حکومت کے حوالے کیا جائے' بقیہ مجاہدین میں تقسیم کیا جائے۔ واقعے سے ظاہر ہے کہ اس کافر کے سامان سے خمس نہیں نکالا گیا' اور پورا حضرت ابوقتادہ کو دے دیا گیا۔

تیسرا باب یہ باندھا ہے: شہادت کا حاکم کے روبرو اس کی مجلس قضا میں ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ جن کے پاس سامان تھا' انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے روبرو حضرت ابوقتادہ کی تصدیق کی۔

بَابٌ فِي الْعَطَّارِ وَبَيْعِ الْمِسْكِ (ص ۲۸۲)

عطار کا اور مشک بیچنے کا بیان

۱۲۳۵- حَدَّثَنَا اَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بُرْدَةَ بْنَ اَبِيْ مُوْسٰى عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ تَشْتَرِيَهُ اَوْ تَجِدُ رِيْحَهُ وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ اَوْ ثَوْبَكَ اَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیک ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال مشک والے اور لوہار کی بھٹی کی ہے' مشک والے سے تو محروم نہیں رہے گا' یا خریدے گا یا اس کی خوشبو سونگھے گا اور لوہار کی بھٹی تیرا بدن یا تیرا گھر جلادے گی یا کپڑا' یا تو اس سے بدبو پائے گا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الذبائح۔ باب: المسک ص ۸۳۰' مسلم۔ کتاب البر' ابوداؤد۔ کتاب الادب' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۴۰۸)

مشک ایک خاص قسم کے ہرن کی ناف میں خون جمع ہو کر بنتا ہے' جب مشک تیار ہو جاتا ہے' تو ہرن کو کھجلی اٹھتی ہے۔ اور بے چین ہو کر پتھروں پر ناف رگڑتا ہے تو وہ جھڑ جاتا ہے' یہی نافہ ہے' جس کے اندر مشک ہوتا ہے' چونکہ زندہ جانور کے جسم سے جو حصہ جدا کیا جائے' وہ حرام اور ناپاک ہے۔ اسی وجہ سے اسلاف میں کچھ بزرگوں کا مذہب یہ تھا کہ مشک ناپاک ہے۔ اور جب یہ ناپاک ہے تو اس کا کاروبار حرام ہوگا' مگر جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ پاک اور طیب ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ نے اسے استعمال فرمایا ہے' وہ بھی احرام کے وقت۔ نیز فرمایا ہے: ''المسك اطيب الطيب'' مشک سب سے عمدہ خوشبو ہے[۱]' بعد میں مشک کی طہارت اور حلت پر اجماع ہو گیا ہے۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ زندہ کے جسم کا وہ عضو ناپاک اور حرام ہے' جس میں خون ہو اور نافے سے جب مشک تیار ہو جاتا ہے تو وہ سرے سے خون رہتا ہی نہیں' جو خون پہلے جمع ہوا تھا' اس کی ماہیت بدل گئی ہے' اور اب یہ دوسری چیز بن گئی۔ رنگ' بو' مزہ' قوام' خاصیت سب کچھ بدل گیا ہے۔

امام بخاری یہ باب باندھ کر یہی افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ مشک پاک اور طیب و حلال ہے' اس کی خرید و فروخت سب جائز ہے۔

' اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ صحبت مؤثر ہے' اچھوں کی صحبت میں بیٹھنے سے انسان میں اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں اور بروں کی صحبت میں انسان بگڑ جاتا ہے۔

---

[۱] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۹۳۔ کتاب الالفاظ۔ باب: المسک' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۶۸

بَابُ ذِكْرِ الْحَجَّامِ (ص ۲۸۳) سینگی لگانے والے کا ذکر

توضیح باب

"باب موکل الربٰو" میں جو حدیث مذکور ہے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سینگی لگانے کی اُجرت جائز نہیں' اس لیے یہ طور استدراک یہ باب باندھا' توجیہ گزر چکی کہ ممانعت کراہۃ تنزیہہ پر محمول ہے۔

١٢٣٦ - عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَجَمَ اَبُوْ طَيْبَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَّاَمَرَ اَهْلَهٗ اَنْ يُّخَفِّفُوْا مِنْ خَرَاجِهٖ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوطیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی تو حضور نے اسے ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا اور اس کے آقاؤں کو حکم دیا کہ اس کے محصول کو کم کریں۔

(ایضاً۔باب: من اجری امر الامصار علی ما یتعارفوہ ص ۲۹۲' کتاب الاجارات۔باب: ضریبۃ العبد ص ۳۰۴' باب: من کلم موالی العبد ان یخففوا عنہ ص ۳۰۴' ج ۲۔کتاب الطب۔باب: الحجامۃ من الداء ص ۸۴۹' مسلم۔کتاب المساقات' ابوداؤد' ترمذی' دارمی۔کتاب البیوع' موطا امام مالک۔کتاب الاستیذان' مسند امام احمد۔ج ۳ ص ۱۰۰ وغیرہ)

کتاب الاجارہ "باب ضریبۃ العبد" میں "بصاع او صاعین" ہے اور باب "من کلم موالی العبد" میں "بصاع او صاعین" اور "مُدًّا او مدین" ہے۔ابوطیبہ کا نام دینار یا نافع یا میسرہ تھا اور ان کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود انصاری تھا' انہیں بہت لمبی عمر ملی۔ایک سو تینتالیس سال کے ہو کر واصل بحق ہوئے' یہ ابوطیبہ بنی بیاضہ کے غلام تھے۔

عن خراجہ

اس عہد میں دستور تھا کہ غلاموں اور لونڈیوں پر یومیہ یا ماہانہ محصول لگا دیئے کہ تم اتنا کما لاؤ' چنانچہ ابوطیبہ پر سات صاع محصول تھا۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آقا محیصہ کو بلا کر ایک صاع کم کرا دیا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سینگی لگوانا جائز ہے۔اس کی اُجرت بھی مباح ہے' غلام اور لونڈی پر محصول لگانا جائز ہے۔کسی سے کام لیا جائے' اگرچہ مزدوری پر کیوں نہ ہو' اس پر شفقت اور مہربانی پسندیدہ ہے۔

١٢٣٧ - ح: اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی]

١٢٣٧ - عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَعْطَى الَّذِيْ حَجَمَهٗ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَّمْ يُعْطِهٖ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی اور سینگی لگانے والے کو کچھ دیا' اگر اس کی اُجرت حرام ہوتی تو نہ دیتے۔

(بخاری۔کتاب الاجارات۔باب: خراج الحجام ص ۳۰۴' دو طریقے سے' مسلم۔کتاب المساقات' ابوداؤد۔کتاب البیوع' ابن ماجہ۔کتاب التجارات' مسند امام احمد' ج ۱ ص ۲۵۰-۳۲۴)

مسند امام احمد میں بہ طریق شعبی جو روایت ہے' اس میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں اخدع اور دونوں

شانوں کے درمیان سینگی لگواتے۔ آپ نے بنی بیاضہ کے ایک غلام کو بلایا اور سینگی لگوائی۔ اسی کی بعض روایتوں میں نام بھی مذکور ہے کہ یہ ابوطیبہ تھے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ وہی قصہ ہے جو حضرت انس کی حدیث میں مذکور ہے' البتہ اس کی اُجرت اور محصول کی مقدار میں جزوی اختلاف ہے۔ اس میں یہ ہے کہ اُجرت ڈیڑھ مُد دی اور ان پر محصول یومیہ ڈیڑھ مد تھا۔ حضور نے سفارش کر کے نصف مُد کم کرا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اختلاف صاع اور مُد کے اختلاف پر مبنی ہو۔ اس لیے کہ اس عہد میں خود مدینہ طیبہ میں مختلف مقدار کے صاع اور مُد رائج تھے۔ اخدع: دو باریک رگیں ہیں' جو دونوں پہلوؤں سے گزرتی ہیں۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِيمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ (ص ۲۸۳)

اس کی تجارت کا بیان' جس کا استعمال مردوں اور عورتوں دونوں کو مکروہ ہے

توضیح باب

یہاں ''لُبْسُهٗ'' سے مراد استعمال کرنا ہے' صرف پہننا مراد نہیں' ورنہ باب سے مطابقت نہیں ہو پائے گی' اس لیے کہ امام بخاری اس کے ضمن میں جو حدیثیں لائے ہیں۔ ان میں کسی میں پہننے کا ذکر نہیں' دوسرے طریقے سے استعمال کا تذکرہ ہے۔ امام بخاری نے حسب عادت یہاں بھی اپنا کوئی فیصلہ تحریر نہیں فرمایا' مگر اس کے ضمن میں جو احادیث لائے ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔

۱۲۳۸- ح: اَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عُمَرَ سِيَرَاءَ

[نبی ﷺ نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو ریشمی (حلہ) بھیجا]

۱۲۳۸- عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ بِحُلَّةِ حَرِيْرًا اَوْ سِيَرَاءَ فَرَاٰهَا عَلَيْهِ فَقَالَ اِنِّیْ لَمْ اُرْسِلْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ اِنَّمَا بَعَثْتُ اِلَيْكَ لِتَسْتَمْتِعَ بِهَا يَعْنِیْ تَبِيْعَهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر کے پاس ریشمیں حلہ بھیجا۔ (حضرت عمر نے اسے پہن لیا) جب اسے حضور نے دیکھا تو فرمایا: میں نے تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تم اسے پہنو' اسے وہی پہنتا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں' میں نے اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس سے نفع حاصل کرو یعنی اسے بیچ دو۔

یہ حدیث مفصل تھوڑے تغیر کے ساتھ نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۴۲۶' رقم: ۵۵۶ پر گزر چکی ہے' وہاں اس کا تذکرہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حلے کو پہنا۔ وہاں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر ریشمی جوڑا دیکھا' تو خدمت اقدس میں عرض کیا: اگر حضور اسے خرید لیں' جمعہ کے دن اور وفد کے لیے پہنا کریں۔ فرمایا: اسے وہی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اس کے بعد خدمت اقدس میں کچھ جوڑے آئے تو حضور نے حضرت عمر کو ایک جوڑا عنایت فرمایا۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کیا: حضور! مجھے یہ پہننے کے لیے دے رہے ہیں اور عطارد کے جوڑے کے بارے میں وہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: میں نے تم کو پہننے کے لیے نہیں دیا' تو حضرت عمر نے یہ جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا۔

۱۲۳۹- ح: اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ

[انہوں نے ایک قالین خریدا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں]

۱۲۳۹- عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحٰبَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُعَذَّبُوْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں (قاسم بن محمد) کو خبر دی کہ انہوں نے ایک ایسا قالین خریدا جس میں تصویریں تھیں' جب اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ دروازے پر رک گئے' اندر تشریف نہیں لائے' میں نے چہرۂ مبارک میں ناپسندیدگی دیکھی تو عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ اور رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں' میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قالین کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس لیے خریدا ہے کہ حضور اس پر بیٹھیں اور ٹیک لگائیں' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا' ان سے کہا جائے گا: جو تم نے بنایا ہے' اس میں جان ڈالو۔ اور فرمایا: جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں' اس میں فرشتے نہیں آتے۔

(بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: اذا قال احدکم آمین ص۴۵۸' ج۲۔ کتاب النکاح۔ باب: ھل یرجع اذا رأی منکرا فی الدعوۃ ص۷۷۸' کتاب اللباس۔ باب: من کرہ القعود علی الصور ص۸۸۱' باب: من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ ص۸۸۱' مسلم۔ کتاب اللباس)

بدء الخلق میں بجائے "اِشْتَرَيْتُ" کے "حَشَوْتُ" ہے' یعنی میں نے بھرا تھا' غالباً کپڑا خرید کر خود اس میں کچھ بھر کر گدا بنایا تھا۔ آگے ہے: "وجعل يتغير وجهه" حضور کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا' پھر "لتقعد" کی جگہ "لتضطجع" ہے' تاکہ حضور اس پر لیٹیں۔

نمرقه

ابن السکیت نے کہا کہ نمرقہ' نون اور راء کو ضمہ' نیز نون اور راء کے کسرے اور بغیر یاء کے بھی ہے۔ ابن تین نے کہا: ہم نے اسے نون کے فتحہ اور راء کے ضمے کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ معنی چھوٹا تکیہ' فرش' قالین وغیرہ ہیں۔ میرے خیال میں یہاں سب سے موزوں قالین یا فرش ہے' جس پر "لتقعد" اور "لتضطجع" قرینہ واضحہ ہے۔

کپڑا جس میں تصویریں ہوں

باب کے اثبات میں امام بخاری دو حدیثیں لائے ہیں' ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ریشمیں کپڑا دیا' اور فرمایا کہ میں نے اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کو بیچ لو۔ یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ جن کپڑوں کا پہننا ممنوع ہے' ان کی بیع جائز ہے۔ دوسری حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مسطور یہ بھی بہ نظر دقیق جواز بیع کی دلیل ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُم المومنین کو بیع فسخ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ علاوہ ازیں صفحہ ۲۵۷-۲۵۹ پر گزری ہوئی خود اُم المومنین کی حدیث نسائی میں یوں ہے کہ اس پردے کو پھاڑ کر اُم المومنین نے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک پر حضور نے ٹیک لگائی' اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں' ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے' اور اس طرح استعمال کرنا کہ اس میں اس کی تذلیل و توہین ہو' جائز ہے مثلاً بیٹھنا یا ٹیک لگانا۔

رہ گئی یہ بات کہ اس قالین کو اُم المؤمنین نے بیٹھنے اور لیٹنے کے لیے ہی خریدا تھا' پھر کیوں خفگی کا اظہار فرمایا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پہلا موقعہ رہا ہو۔ تصاویر کے استعمال عام کو روکنے کے لیے ابتداءً یہ شدت برتی' جیسا کہ حَنتم' دُباء' مُزَفّت اور نَقیر کے بارے میں ابتداءً بالکلیہ ممانعت فرمائی۔

لا تدخله الملئكة

اس سے مراد مطلقاً ملائکہ نہیں' صرف ملائکہ رحمت و استغفار ہیں' رہ گئے دوسرے ملائکہ مثلاً کراماً کاتبین' انسان کی حفاظت کرنے والے یا حضرت ملک الموت' یہ ہر جگہ جاتے ہیں' ان گھروں میں جاتے ہیں جہاں تصویریں ہوتی ہیں۔ اس سے مراد ذی روح کی تصویر ہے' جس میں چہرہ ہو' غیر ذی روح کی تصویر مثلاً درخت' مکان' دریا' جنگل وغیرہ کی بلاشبہ جائز ہیں۔ اسی طرح انسان کی تصویر جس میں چہرہ نہ ہو' جائز ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اہانت و تذلیل کی جگہ نہ ہو اور اگر ایسی جگہ پر ہو تو بھی حرام نہیں' مثلاً بچھونے' فرش وغیرہ پر تصویریں بنی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ[1] نے میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا: جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ سے حاضری کی اجازت طلب کی' فرمایا: آؤ! عرض کیا: کیسے آؤں؟ آپ کے گھر میں پردہ ہے جس میں گھوڑے اور مردوں کی تصویریں ہیں' یا تو ان کے سروں کو کاٹ دیں یا اس کا بچھونا بنالیں۔ ہم فرشتے ان گھروں میں نہیں جاتے جن میں تصویریں ہوں۔ مسلم[2] میں سعید بن ابوالحسن سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کیا: میں یہ تصویریں بناتا ہوں' اس بارے میں فتویٰ دیجیے' تو فرمایا: مجھ سے قریب ہو' مجھ سے قریب ہو۔ وہ قریب ہوا' یہاں تک کہ انہوں نے اپنا دست مبارک اس کے سر پر رکھا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے' وہ بتاتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر تصویر بنانے والا جہنم میں ہے' ہر تصویر جاندار کردی جائے گی اور وہ اسے سزا دے گی اور اگر بغیر اس کے چارہ نہیں تو درخت وغیرہ ایسی چیزوں کی بنا' جن میں روح نہ ہو۔

بَابٌ كَمْ يَجُوْزُ الْخِيَارُ (ص ۲۸۳) — کتنے دن تک خیار جائز ہے؟

١٢٤٠ - سَمِعْتُ نَافِعًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ فِيْ بَيْعِهِمَا مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَكُوْنُ الْبَيْعُ خِيَارًا قَالَ نَافِعٌ وَّكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اشْتَرٰى شَيْئًا يُعْجِبُهٗ فَارَقَ صَاحِبَهٗ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بائع اور مشتری کو اپنی بیع میں اختیار ہے' جب تک متفرق نہ ہوں یا بیع خیار کے ساتھ ہو۔ نافع نے کہا: حضرت ابن عمر کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی چیز خریدتے اور انہیں پسند آجاتی تو خریدار سے الگ ہوجاتے۔

(ایضاً۔ باب: اذا لم يوقت الخيار هل يجوز البيع' دو طریقے سے' ص ۲۸۳' باب: اذا خير احدهما صاحبه بعد البيع ص ۲۸۴' باب: اذا كان البائع بالخيار هل يجوز البيع ص ۲۸۴' مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب البیوع)

اس حدیث کو امام بخاری نے اس کے بعد مسلسل تین ابواب میں مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے' سب کے معانی ایک ہی ہیں۔ اس حدیث کا مفاد بھی وہی ہے' جو حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث: ۱۲۲۵ کا ہے۔ حضرت امام شافعی' "ما لم يتفرقا" سے

---

1. شرح معانی الآثار۔ ج ۲ ص ۴۵۵۔ کتاب الکراھیۃ۔ باب: الصور تكون فی الثیاب
2. مسلم۔ ج ۲ ص ۲۰۲۔ کتاب اللباس۔ باب: تحریم التصویر

خیار مجلس مراد لیتے ہیں اور ہمارے نزدیک اس سے مراد خیار قبول ہے۔ اور ''یتفرقا'' سے تفرق بالاقوال مراد ہے' پوری بحث وہاں ہو چکی ہے۔

او يكون البيع خيارا

اس سے مراد خیار شرط ہے' یعنی بائع اور مشتری یہ شرط کرلیں کہ مجلس بدلنے کے بعد بھی' ہمیں خیار ہوگا' چاہیں گے تو بیع کو ختم کر دیں گے۔ ہمارے نزدیک اس کی مدت تین دن ہے اور بلا میعاد خیار باطل ہے۔ امام بخاری نے باب کا عنوان رکھا ہے: کتنے دنوں تک خیار جائز ہے' مگر اس کے تحت جتنی احادیث لائے ہیں' کسی میں یہ مذکور نہیں کہ خیار شرط کتنے دنوں تک رہے گا۔

قال نافع

اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ''ما لم یتفرقا'' سے تفرق بالابدان مراد لیتے تھے اور خیار مجلس کے قائل تھے' اسی لیے وہ قیمت طے ہوتے ہی مجلس بدل دیتے تھے تا کہ بائع بیع فسخ نہ کر دے۔

ان المتبايعان

اکثر کی روایت اصل کے مطابق ''ان المتابعین'' یاء ساکن ماقبل فتحہ کے ساتھ ہے' مگر ابن تین نے قابسی کی روایت ''ان المتبایعان'' الف کے ساتھ نقل کی ہے۔ یہ حارث بن کعب کی لغت ہے' یہ تثنیہ کو ہر حال میں الف سے پڑھتے ہیں۔

بَابُ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا (ص ٢٨٣)

بائع اور مشتری کو خیار حاصل ہے' جب تک ان میں تفریق نہ ہو جائے

توضیح باب...... [خیار کی اقسام]

خیار کی تین قسمیں ہیں' اول: خیار مجلس' ایجاب وقبول کے بعد جب تک مجلس نہ بدل جائے' بائع اور مشتری دونوں کو ردّ وقبول کا اختیار ہے' ہمارے نزدیک خیار مجلس کوئی چیز نہیں۔ دوسرے: خیار شرط' ایجاب وقبول کے بعد بائع اور مشتری یہ طے کرلیں کہ ہمیں اختیار حاصل ہوگا کہ یہ بیع ختم کر دیں' یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی میعاد تین دن تک ہے' اس سے زیادہ نہیں۔ تیسرے: خیار رویت' مشتری نے مبیع دیکھی نہیں ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ دیکھنے کے بعد بیع فسخ کر دے۔ چوتھے: خیار عیب' مبیع میں کوئی عیب ہے جس پر بیع کے بعد مشتری مطلع ہوا تو اسے بیع فسخ کرنے کا حق ہے۔

یہ تینوں خیار بالاتفاق صحیح ہیں' اسلاف میں بہت سے اکابر خیار مجلس کے قائل تھے۔ انہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

ت٣٩٦- وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَشُرَيْحٌ وَالشَّعْبِيُّ وَطَاوُسٌ وَعَطَاءٌ وَابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور شریح اور شعبی اور طاؤس اور عطاء اور ابن ابی ملیکہ' خیار مجلس کے قائل تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ابھی گزرا۔ قاضی شریح کے قول کو امام سعید بن منصور نے اور امام شعبی اور امام عطاء اور عبداللہ بن ملیکہ کے قول کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ امام طاؤس کے قول کی تخریج نہیں ملی' البتہ حضرت امام شافعی نے الام میں ان سے مرفوعاً ایک حدیث ذکر کی ہے۔

بَابُ إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا فَوَهَبَ مِنْ سَاعَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا وَلَمْ يُنْكِرِ الْبَائِعُ عَلَى

جب کچھ خرید کر متفرق ہونے سے پہلے فوراً ہبہ کر دے اور بائع مشتری پر انکار نہ

الْمُشْتَرِي اَوِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَاَعْتَقَهٗ (ص ٢٨٣)

کرے یا غلام خرید کر آزاد کردے

توضیح باب

صرف تخلیے سے قبضہ تام ہوجاتا ہے یا نہیں، یعنی بائع اگر اپنا قبضہ اٹھالے تو یہ مشتری کا قبضہ ہوا یا نہیں۔ اس بارے میں احناف اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کی چیزوں میں صرف تخلیہ کافی ہے، خواہ وہ منقولات ہوں خواہ غیر منقولات۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ مکان اور زمین غیر منقولات میں کافی ہے، منقولات میں نہیں۔ امام بخاری نے یہاں بھی حسب عادت اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا، سوال کر کے چھوڑ دیا ہے۔

اس باب سے دوسرا یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ بیع کے بعد اسی مجلس میں مشتری نے مبیع میں کوئی تصرف کردیا اور بائع خاموش رہا تو خیار مجلس جاتا رہا۔

ت ٣٩٧ - وَقَالَ طَاوٗسٌ فِيْمَنْ يَّشْتَرِي السِّلْعَةَ عَلَى الرِّضَا ثُمَّ بَاعَهَا وَجَبَتْ لَهٗ وَالرِّبْحُ لَهٗ.

اور امام طاؤس نے کہا: اگر کسی نے رضامندی کی شرط پر سامان خریدا اور بیچ دیا تو بیع واجب ہوگئی اور نفع مشتری کا ہے۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور اور امام عبد الرزاق نے موصولاً روایت کیا ہے۔ امام عبد الرزاق کی روایت میں یہ بھی زائد ہے کہ امام ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب تو کچھ بیچے رضامندی کی شرط پر تو بائع اور مشتری دونوں کو خیار ہے، جب تک کہ متفرق نہ ہوجائیں۔

١٢٤١ - ح: كُنَّا فِيْ سَفَرٍ فَكُنْتُ عَلٰى بَكْرٍ صَعْبٍ

[ہم حالت سفر میں تھے اور میں ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا]

١٢٤١ - وَقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَكُنْتُ عَلٰى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ فَكَانَ يَغْلِبُنِيْ فَيَتَقَدَّمُ اَمَامَ الْقَوْمِ فَيَزْجُرُهٗ عُمَرُ وَيَرُدُّهٗ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيَزْجُرُهٗ عُمَرُ وَيَرُدُّهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ بِعْنِيْهِ فَقَالَ هُوَ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيْهِ فَبَاعَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ تَصْنَعُ بِهٖ مَا شِئْتَ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم لوگ ایک سفر میں تھے، میں حضرت عمر کے ایک نئے سرکش اونٹ پر سوار تھا جو میرے قابو سے نکل کر سب سے آگے بڑھ جاتا تھا۔ اس پر حضرت عمر اسے ڈانٹ ڈانٹ کر لوٹاتے، پھر وہ آگے بڑھ جاتا اور حضرت عمر اسے ڈانٹ کر پیچھے کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر حضرت عمر سے فرمایا: اسے مجھے بیچ دے! حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ آپ کی نذر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بیچ دو! تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارا ہے اے عبد اللہ بن عمر! جو چاہو کرو۔

(بخاری۔ کتاب الہبۃ۔ باب: كيف يقبض العبد والمتاع ص ٣٥٢، باب: اذا وهب بعير الرجل وهو راكب ص ٣٥٦، کتاب الہبۃ باب: من اهدى له هدية وعنده جلساؤه ص ٢٥٥)

وقال لنا الحمیدی

''قال لنا'' کا صیغہ اس وقت استعمال کرتے ہیں جبکہ حدیث بہ طور مذاکرہ سنی ہو؛ اس تقدیر پر یہ حدیث مسند ہوئی، مگر عام روایات میں ''قال الحمیدی'' ہے بغیر ''لنا'' کے؛ اس تقدیر پر یہ تعلیق ہے۔ اس حدیث کے کچھ حصے کو کتاب الھبہ، باب من اھدی لہ ھدیۃ میں بہ طریق عبداللہ بن محمد، سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

علی بکر صعب

بکر وہ اونٹ کا نر بچہ جس پر پہلی بار سواری کی جا رہی ہو، مادہ کو بکرۃ کہتے ہیں۔ صعب، سخت، وہ اونٹ جو سوار کے قابو میں نہ آتا ہو۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مبیع پر قبضہ کرنے اور قیمت دینے سے پہلے ہبہ کرنا صحیح ہے۔ یوں ہی صدقہ کرنا، رہن رکھنا بھی۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ تفرق بالابدان سے پہلے بھی بیع تام ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ ملکیت ثابت ہونے سے پہلے ہی حضور اقدس ﷺ نے تصرف فرمایا حالانکہ یہ جائز نہیں، لیکن اس استدلال پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہبہ فضولی ہونے کی وجہ سے موقوف تھا، جب تفرق ابدان کے بعد بیع تام ہو گئی تو ہبہ نافذ ہو گیا۔

ت٣٩٨ - عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بِعْتُ مِنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ مَالًا بِالْوَادِيْ بِمَالٍ لَهُ بِخَيْبَرَ فَلَمَّا تَبَايَعْنَا رَجَعْتُ عَلٰى عَقِبِيْ حَتّٰى خَرَجْتُ مِنْ بَيْتِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يُّرَادَّنِي الْبَيْعَ وَكَانَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَا قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَلَمَّا وَجَبَ بَيْعِيْ وَبَيْعُهٗ رَاَيْتُ اَنِّيْ قَدْ غَبَنْتُهٗ بِاَنِّيْ سُقْتُهٗ اِلٰى اَرْضِ ثَمُوْدَ بِثَلَاثِ لَيَالٍ وَّسَاقَنِيْ اِلَى الْمَدِيْنَةِ بِثَلَاثِ لَيَالٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: امیر المؤمنین عثمان بن عفان کو میں نے اپنی وہ زمین جو وادی میں تھی، اس کے عوض بیچی جو خیبر میں ان کی تھی، جب بیع ہو چکی تو میں پلٹا، یہاں تک کہ ان کے گھر سے باہر ہو گیا، اس اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں بیع رد نہ کرا لیں اور طریقہ یہ تھا کہ بائع اور مشتری کو خیار حاصل رہتا، جب تک متفرق نہ ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا: جب بیع قطعی ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ نقصان میں رہے کیونکہ میں نے ان کو تین رات کی مسافت کی مقدار سرزمین ثمود سے قریب کر دیا ہے اور انہوں نے مجھے تین راتوں کی مسافت کی مقدار مدینہ سے قریب کر دیا ہے۔

اس تعلیق کو اسماعیلی نے موصولاً روایت کیا ہے۔ ''مالا بالوادی'' علامہ ابن حجر کی رائے ہے کہ اس سے مراد وادی القریٰ ہے۔ علامہ کرمانی کی رائے ہے کہ یہ کوئی مخصوص وادی تھی، جسے اس وقت الوادی کہتے تھے۔ علامہ عینی اسی کے مؤید ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ وادی القریٰ مدینہ کے لواحق میں سے ہے۔

قد غبنته

غبن کے معنی ہیں: خرید و فروخت میں نقصان پہنچانا۔ مدینہ طیبہ ان دونوں حضرات کا وطن تھا، جائیداد کا وطن سے قریب ہونا ایک فائدہ ہے اور دور ہونا ایک نقصان۔ نیز ایسی سرزمین کا قرب بھی ایک نقصان ہے جہاں عذاب نازل ہو چکا ہو، چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ زمین خیبر سے تین دن کی مسافت کی مقدار دور ہو گئے اور ارض ثمود سے قریب ہو گئے۔

ثبوت باب

ایجاب و قبول کے بعد، قبل اس کے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنی زمین سے اور حضرت عثمان اپنی زمین سے اپنا اپنا قبضہ اُٹھائیں، صرف تفرق ابدان کے بعد، حضرت ابن عمر نے فرمایا: ''وجب بیعی و بیعه'' بیع واجب اور قطعی ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ

تام ہونے کے لیے تخلیہ ضروری نہیں جبکہ مبیع گھر زمین غیر منقول ہو۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبَيْعِ (ص ٢٨٤)

بیع میں دھوکہ ناپسندیدہ ہے

١٢٤٢ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے بیع میں دھوکہ دیا جاتا ہے، فرمایا: جب بیع کرو تو کہہ دیا کرو، دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔

(بخاری۔ کتاب الاستقراض۔ باب: ما ينهى من اضاعة المال ص ٣٢٤، کتاب الخصومات۔ باب: من رد وامر السفيه والضعيف ص ٣٢٥، ج ٢۔ کتاب الحیل۔ باب: ما ينهى من الخداع في البيوع ص ١٠٣٠، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، موطا امام مالک۔ کتاب البیوع، مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ٨٠ وغیرہ)

ان صاحب کا نام حبان بن منقذ تھا، یہ انصاری مازنی صحابی بن صحابی ہیں۔ سب سے پہلے جس غزوے میں شریک ہوئے وہ اُحد تھا۔ اس کے بعد تمام مشاہد میں حاضر رہے۔ ایک سو تیس سال کی طویل عمر پائی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واصل بحق ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم راہی میں جہاد کرتے ہوئے کسی قلعے سے ایک پتھر ان کے سر پر آ کر لگا، جس سے ان کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی اور سمجھ میں بھی کچھ فتور پیدا ہو گیا، اگرچہ تمیز و شعور باقی رہا، ان کو تجارت کا بہت شوق تھا، حتیٰ کہ اخیر میں ان کی آنکھیں بھی سفید ہو گئی تھیں، اس وقت بھی تھا کہ لوگ عموماً انہیں دھوکہ دے دیتے۔ بالآخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب وہ یہ کہہ دیا کرتے: ''لا خلابة'' جب خلابۃ کہتے تو تلفظ صحیح نہ ہوتا'' لا حذابة'' نکلتا تھا، خاء معجمہ کی جگہ حاء حطی اور لام کی جگہ ذال۔

غبن کے معنی ہیں: قیمت میں کمی یا زیادتی کے۔ ہمارے نزدیک تراضی طرفین سے جو قیمت طے ہو جائے وہ لازم ہے اور اسی کے مطابق بیع نافذ، اگرچہ وہ بازاری بھاؤ سے کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، ورنہ ہر وقت فساد و فتنہ برپا رہے گا اور یہ ارشاد خاص ان کے لیے تھا اور انہیں کے لیے مخصوص ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْاَسْوَاقِ (ص ٢٨٤)

بازاروں کے متعلق جو کچھ مذکور ہے

١٢٤٣- ح: يَغْزُوْ جَيْشُ الْكَعْبَةَ

[ایک لشکر کعبہ پر حملہ کرے گا]

١٢٤٣ - عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ جَيْشٌ الْكَعْبَةَ فَاِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ وَفِيْهِمْ اَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لشکر کعبہ پر حملہ کرے گا، جب وہ سرزمین بیداء پہنچے گا تو ان کے اگلے پچھلے سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ اُم المؤمنین نے کہا: میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان کے اگلے پچھلے سب کیسے دھنسا دیے جائیں گے حالانکہ ان میں ان کے بازار ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو ان میں نہ ہوں گے۔ فرمایا: اگلے پچھلے سب دھنسا دیے جائیں گے، پھر اپنی اپنی نیتوں پر اُٹھائے جائیں گے۔

بیداء

بیداء کے لغوی معنی وہ میدان ہے جس میں درخت‘ ٹیلہ وغیرہ کچھ نہ ہو اور مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک جگہ کا نام بھی ہے‘ جو ذوالحلیفہ کے بعد اس سے قریب ہے۔ اس حدیث میں بھی ہے جیسا کہ مسلم کی اس روایت میں جو بہ طریق حضرت امام باقر[1] اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ”بیداء المدینة“ کی تصریح ہے۔ مسلم ہی میں اسی صفحہ پر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح حرکت دی جیسے کچھ پکڑ رہے ہیں‘ یا کسی کو دھکا دے رہے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور نے خواب میں اس وقت ایسا کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا ہے۔ فرمایا: عجیب بات ہے! میری اُمت کے کچھ لوگ‘ قریش کے ایک شخص کی وجہ سے جس نے بیت اللہ میں پناہ لی ہے‘ بیت اللہ پر حملے کے ارادے سے جا رہے ہیں۔ جب یہ لوگ بیداء میں پہنچے تو ان سب کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! راستہ سب کو جمع کر دیتا ہے۔ فرمایا: ہاں! ان میں جان بوجھ کر شریک ہونے والے بھی ہیں اور مجبور بھی اور مسافر بھی۔ فرمایا: سب ایک ساتھ ہلاک ہوں گے اور الگ الگ اپنی اپنی نیت کے مطابق اُٹھائے جائیں گے۔ اسی میں حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ سوائے بھگوڑے کے اور کوئی نہیں بچے گا‘ جو ان کی خبر دے گا۔

نیز انہیں اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے: یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانے میں ہوا۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ ابوالولید کنانی نے کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ ہی کے عہد میں وصال فرما چکی تھیں۔ ابن زبیر کا عہد خلافت ان کو نہیں ملا مگر علامہ ابوعمر بن عبدالبر اور ابوبکر بن ابی خیثمہ نے فرمایا کہ یہ یزید کے زمانے میں واصل بحق ہوئی ہیں۔ اور یہ طے ہے کہ حضرت ابن زبیر نے یزید کے اعلانِ خلافت کے بعد ہی اس کے بالمقابل اپنی خلافت کا اعلان فرما دیا تھا‘ اس لیے حضرت ابن زبیر کے ایامِ خلافت کے ابتدائی دور میں وہ باحیات تھیں۔

اقول وبالله التوفيق: اس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ امام ترمذی[2] نے میں ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ‘ سلمیٰ سے روایت کیا کہ میں اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رو رہی تھیں‘ میں نے دریافت کیا: کیوں رو رہی ہیں؟ تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ حضور کے سر اقدس اور ریش مبارک پر دھول ہے‘ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: ابھی حسین کے مقتل میں گیا تھا۔ نیز انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امام عالی مقام کے مقتل کربلا کی خاک دی تھی‘ جو شہادت کے وقت خون ہو گئی تھی[3] یہ دلیل ہے کہ وہ اس وقت تک باحیات تھیں۔ ابونعیم نے کہا کہ ان کا وصال ٦٢ھ میں ہوا ہے۔ ازواجِ مطہرات میں سب کے بعد ان کا وصال ہوا۔

وفیھم اسواقھم

اس زمانے میں دستور تھا کہ بڑے لشکر کے ساتھ ضرورت کی چیزیں لے کر تاجر بھی رہا کرتے تھے‘ جو صرف اپنے کاروبار کے لیے جاتے تھے‘ ان کا مقصد لڑنا نہیں ہوتا تھا۔ ”اسواقھم“ سے مراد یہی لوگ ہیں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ ظالمین اور اہل معاصی کے ساتھ رہنا خطرناک ہے۔ عذاب ان ناخدا ترسوں پر آیا تھا مگر جو لوگ ان کے ساتھ تھے‘ وہ بھی ہلاک ہوئے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

[1] بخاری ص ٣٨٨- کتاب الفتن- باب: اشراط الساعة

[2] ترمذی ج ٢ ص ٢١٨- کتاب المناقب- باب: مناقب ابی محمد الحسن والحسین رضی اللہ عنہما

[3] الصواعق المحرقہ ص ١١٥- بحوالہ زیادۃ المسند لابن امام احمد بن حنبل

۱۲۴۴- ح: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ

[نبی ﷺ بازار میں تھے]

۱۲۴۴- عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ بازار میں تھے۔ ایک (یہودی) نے کہا: اے ابوالقاسم! تو نبی ﷺ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: میں نے اسے بلایا تھا' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: میرے نام پر نام رکھو' میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔

(اس کے بعد۔ مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۷۵' ابن ماجہ۔ کتاب الادب)

اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بقیع میں تھے کہ ایک شخص نے پکارا: اے ابوالقاسم! تو اس کی طرف نبی ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا: آپ مراد نہیں! اس پر فرمایا: میرے نام پر نام رکھو' میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔

اس پر نزہۃ القاری' ج ا ص ۴۷۲' ۴۷۳' رقم: ۸۰ پر مکمل بحث ہو چکی ہے کہ یہ حکم حیاتِ ظاہری تک محدود تھا' بعد وصال بلاتردد جائز ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور سے اجازت لے کر اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔

بہت سے صحابہ کرام نے اپنے صاحبزادوں کا نام حصول برکت کے لیے محمد رکھا اور کنیت ابوالقاسم۔ علامہ عینی نے ایسے بہت سے نام گنائے ہیں۔ اوّل: محمد بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہما یہ جب پیدا ہوئے تو ان کے والد ماجد انہیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضور اقدس ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کا نام محمد رکھا' ان کی کنیت ابوالقاسم تھی' ان کا لقب سجاد تھا' عبادت کے ساتھ بہت شغف تھا' ۶۳ھ میں واقعہ جمل میں اپنے والد ماجد کے ساتھ شہید ہوئے' یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں تھے۔ حضرت علی نے ان کے بارے میں فرمایا: ''قتلہ بر ابیہ'' اسے باپ کی اطاعت نے قتل کیا۔ دوسرے: محمد بن اشعث بن قیس کندی' ان کے بارے میں روایات مختلف ہیں' ایک قول یہ ہے کہ عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور امام ابونعیم نے کہا کہ ان کا صحابی ہونا صحیح نہیں۔

اقول: ان دونوں میں منافات نہیں' یہ یمن کے باشندے تھے' اس لیے عہد مبارک میں پیدا ہونے کے باوجود زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ تیسرے صاحب محمد بن حذیفہ بن عتبہ ہیں۔ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے' یہ حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے ماموں کے صاحبزادے ہیں۔ جب ان کے والد ابوحذیفہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے' تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش کی' پھر یہ مصر چلے گئے۔ وہاں حضرت عثمان کے مخالف ہو گئے' وہ بھی شدید ترین مخالف' حضرت عثمان کو شہید کرنے کے لیے جو لوگ اندر گئے تھے' ان میں یہ بھی تھے۔ جب حضرت معاویہ نے مصر پر قبضہ کر لیا تو انہیں پکڑ کر قید کر دیا۔ یہ جیل خانے سے بھاگے' حضرت معاویہ کے غلام کے لڑکے رشید نے پکڑ کر انہیں قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ ممتاز صحابہ کرام کے مندرجہ ذیل صاحبزادگان کا بھی محمد نام اور ابوالقاسم کنیت تھی:

محمد بن جعفر بن ابوطالب' محمد بن سعید بن ابووقاص' محمد بن حاطب' محمد بن منتشر۔

لا تکنوا

اس کو تین طرح پڑھا گیا ہے: ''تَكَنَّوْا. تُكْنُوْا. تَكْنُوْا'' اس کا مادہ ''کنی'' ہے' مجرد کا مصدر ''كُنْيَةً'' اور ''كِنَايَةً'' آتا ہے

مجرد کے علاوہ افعال، تفعل، تفعیل سے بھی آتا ہے۔

١٢٤٥- ح: حَتّٰى اَتٰى سُوْقَ بَنِىْ قَيْنُقَاعَ [حتیٰ کہ بنی قینقاع کے بازار تشریف لے گئے]

١٢٤٥- عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ الدَّوْسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ طَائِفَةِ النَّهَارِ لَا يُكَلِّمُنِىْ وَلَا اُكَلِّمُهٗ حَتّٰى اَتٰى سُوْقَ بَنِىْ قَيْنُقَاعَ فَجَلَسَ بِفِنَاءِ بَيْتِ فَاطِمَةَ فَقَالَ اَثَمَّ لُكَعُ اَثَمَّ لُكَعُ فَحَبَسَتْهُ شَيْئًا فَظَنَنْتُ اَنَّهَا تُلْبِسُهٗ سِخَابًا اَوْ تُغَسِّلُهٗ فَجَاءَ يَشْتَدُّ حَتّٰى عَانَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ قَالَ سُفْيَانُ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ اَخْبَرَنِىْ اَنَّهٗ رَاٰى نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ.

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: السخاب للصبیان ص ٨٧٤، مسلم۔ کتاب الفضائل)

حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے ایک حصے میں نکلے نہ حضور مجھ سے بولے اور نہ میں حضور سے بولا، یہاں تک کہ بنی قینقاع کے بازار میں تشریف لائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے صحن میں بیٹھے، فرمایا: کیا یہاں بچہ ہے؟ کیا یہاں بچہ ہے؟ حضرت فاطمہ نے انہیں تھوڑی دیر روک رکھا، میں نے گمان کیا کہ انہیں ہار پہنا رہی ہیں یا نہلا رہی ہیں۔ اتنے میں وہ (امام حسن مجتبیٰ) دوڑتے ہوئے آئے، حضور نے انہیں گلے سے چمٹالیا اور بوسہ دیا اور کہا: اے اللہ! تو اسے محبوب بنالے اور جو اس سے محبت کرے اس سے محبت فرما۔ عبید اللہ نے خبر دی کہ انہوں نے نافع بن جبیر کو دیکھا کہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

یہاں یہ حدیث تھوڑے سے اختصار کے ساتھ ہے۔ مفصل کتاب اللباس میں یوں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ کے بازاروں میں سے ایک بازار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، حضور واپس ہوئے، میں بھی واپس ہوا۔ تین بار فرمایا: بچہ کہاں ہے؟ حسن بن علی کو بلاؤ، تو وہ کھڑے ہوئے اور حاضر ہوئے اور ان کے گلے میں ہار تھا، تو حضور نے اپنا ہاتھ یوں دیا کہ انہوں نے بھی ویسے ہی کیا، یعنی پھیلا دیا۔ حضور نے انہیں اپنے ساتھ چمٹالیا اور یہ دعا کی: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ارشاد کے بعد حسن بن علی سے زیادہ مجھے کوئی پیارا نہیں رہا۔

فجلس

اس سے پہلے حذف ہے، جو کتاب اللباس کی روایت میں مصرح ہے کہ وہاں سے واپس ہوئے اور حضرت سیدہ فاطمہ کے دولت کدے کے صحن میں بیٹھے۔

سخاب

لونگ وغیرہ خوشبودار چیزوں سے بنا ہوا ہار۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بچوں کو اس قسم کے ہار پہنایا کرتے تھے۔

قال سفیان

سند میں یہ تھا: "عن عبید اللّٰه بن ابی یزید عن نافع بن جبیر" یہ سند معنعن تھی، اس پر یہ احتمال تھا کہ عبید اللہ نے نافع بن جبیر سے حدیث سنی ہے یا نہیں؟ سفیان بن عیینہ کا یہ قول ذکر کر کے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ عبید اللہ کی نافع سے لقا ثابت ہے اور یہ مدلس نہیں، تو سماع ثابت ہے، کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ جس کی ملاقات شیخ سے ثابت ہو اور وہ مدلس نہ ہو تو اس کا سماع ثابت ہے۔ البتہ جو مدلس ہو یا جس کی لقا ثابت نہ ہو، اس کے عنعنہ میں تدلیس کا احتمال رہتا ہے۔

١٢٤٦- ح: يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَان
[لوگ سواروں سے غلہ خریدتے]

١٢٤٦- عَنْ نَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمْ كَانُوْا يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَبْعَثُ عَلَيْهِمْ مَنْ يَّمْنَعُهُمْ أَنْ يَّبِيْعُوْهُ حَيْثُ اشْتَرَوْهُ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ حَيْثُ يُبَاعُ الطَّعَامُ قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّبَاعَ الطَّعَامُ إِذَا اشْتَرَاهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ سواروں سے غلہ خرید لیتے تھے' اس لیے حضور ان کے پاس آدمی بھیجتے تھے کہ جہاں خریدا ہے وہیں غلہ بیچنے سے روک دیں' جب تک وہاں نہ منتقل ہو جائے جہاں فروخت ہوتا ہے' اور نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

رُکْبَان

''رُکْبَان''، ''راکب'' کی جمع ہے' یہ اصل میں اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں' پھر اس کے معنی کو وسیع کر کے ہر سوار کو کہنے لگے۔ اس پر اتفاق ہے کہ خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں اور جہاں خریدا ہے' وہیں بیچنے میں اس کا احتمال رہتا ہے کہ ہو سکتا ہے قبضہ سے پہلے بیچ دیا جائے' اس لیے یہ پابندی لگا دی کہ جب تک وہاں سے منتقل ہو کر منڈی میں نہ آ جائے' بیچا نہ جائے۔ نیز اس میں ضرورت مند کے لیے آسانی بھی ہے' اس لیے یہ حکم ارشاد فرما دیا۔

مطابقت باب

اس حدیث میں کہیں بازار کا ذکر نہیں' مگر عام طور پر غلے بازاروں میں ہی بکتے ہیں' اس لیے ''حیث یباع الطعام'' بازار سے کنایہ ہے' بلکہ یوں کہیے کہ بازار اسی کو کہتے ہیں جہاں خرید و فروخت ہو تو جہاں غلہ بکتا ہو' وہ بازار ہے۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّخَبِ فِي السُّوْقِ (ص ٢٨٥)
بازار میں شور و غل کا ناپسندیدہ ہونا

١٢٤٧- ح: أَخْبِرْنِيْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
[مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بتائیے]

١٢٤٧- عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قُلْتُ أَخْبِرْنِيْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ قَالَ أَجَلْ وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوْفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (الاحزاب:٤٥) وَحِرْزًا لِّلْأُمِّيِّيْنَ أَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات کر کے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو وصف توریت میں ہے اسے بیان کیجیے تو انہوں نے فرمایا: ہاں! بخدا! قرآن میں جو اوصاف حضور کے مذکور ہیں' ان میں کچھ توریت میں بھی مذکور ہیں اے نبی! ہم نے تم کو حاضر ناظر بشارت دینے والا' ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور امیوں کی پناہ بنا کر' تم میرے بندے اور رسول ہو' میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے' نہ تو تم بدخلق ہو اور نہ سنگدل اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی

وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَتُفْتَحُ بِهَا اَعْيُنٌ عُمْيٌ وَّاٰذَانٌ صُمٌّ وَّقُلُوْبٌ غُلْفٌ.

(بخاری۔ ج۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الفتح۔ ص۷۱۷، مسند امام احمد۔ ص۱۷۴)

کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، ہاں! معاف اور درگزر کر دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو نہیں اٹھائے گا جب تک کہ ٹیڑھے مذہب کو سیدھا نہ کرلیں کہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں اور اس سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور پردے پڑے ہوئے دلوں کو کھول نہ لے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے توراۃ پڑھی تھی۔ بزار میں وہب سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے خواب دیکھا کہ ان کے ایک ہاتھ میں شہد ہے اور دوسرے میں گھی، اور وہ دونوں چاٹ رہے ہیں، صبح کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم توراۃ اور قرآن دونوں کتابیں پڑھتے ہو۔ یہ دونوں کتابیں پڑھتے تھے۔

مسند امام احمد میں یہ زائد ہے کہ اس کے بعد میں نے کعب احبار سے ملاقات کر کے پوچھا تو انہوں نے بعینہ یہی بیان کیا، کہیں خلاف نہیں کیا، البتہ کعب نے اپنی زبان میں "اعينا عموى اذا ناصموى قلوبا غلوفى" کہا، یہ صحیح ہے کہ توراۃ و انجیل وغیرہ اہل کتب سماویہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف اس وضاحت اور تفصیل سے مذکور ہیں کہ ان کی روشنی میں اہل کتاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کسی شک وشبہہ کے یقینی طور پر پہچانتے تھے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ. (البقرہ:۱۴۶)

اہل کتاب انہیں ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

اسی بناء پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لقد عرفته حين رايته كما اعرف ابنى ومعرفتى لمحمد اشد. (جلالین۔ ص۲۱۔ بحوالہ بخاری)

میں نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا جیسے اپنی کو اولاد پہچانتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اجل

یہ حرف ایجاب ہے "نَعَمْ" کے مثل ہے، یہ مخبر کی تصدیق اور مستخبر کے اعلام اور طالب سے وعدے کے لیے آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہاں چار تاکیدیں جمع فرمادیں ہیں۔ اوّل: قسم، دوم: جملہ اسمیہ، سوم: "اِنَّ" چہارم: لام کی تاکید۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ احزاب کی آیت:۴۵ تلاوت فرمائی ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پانچ اوصاف مذکور ہیں: نبی، رسول، شاہد، مبشر، نذیر۔ نبی کے لغوی معنی غیب کی خبر دینے والے کے ہیں، یہاں تک کہ عربی کی بہت مشہور و معروف جدید لغت کی کتاب المنجد میں لکھا ہے:

نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غیب کی خبر دیتا ہے، غیب کی خبر دینا نبی کے خواص لازمہ میں سے ہے، جیسا کہ پہلی جلد میں حضرت امام غزالی کا ارشاد گزرا۔ اسی لیے مجدد اعظم امام احمد قدس سرہٗ نے اس کا یہ ترجمہ فرمایا: اے غیب کی خبر دینے والے! "ارسلنا" کے معنی ہیں: کسی کو پیغام پہنچانے کے لیے کہیں بھیجنا۔ یہاں بہ معنی شرعی رسول بنانا مراد ہے۔ شاہد کے اصل معنی حاضر کے ہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے:

فليبلغ الشاهد الغائب — حاضر غائب کو پہنچادے۔

اسی لیے کنز الایمان میں اس کا ترجمہ حاضر ناظر فرمایا ہے۔ شاہد کے معنی گواہ کے بھی ہیں، اور یہاں یہ بھی مراد ہوسکتا ہے، اس

لیے کہ قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ تمام انبیاء کرام کے گواہ ہوں گے۔ مبشر کے معنی بشارت دینے والا' یعنی مؤمنین کو جنت کی اللہ کی لقاء اللہ کی رضا کی بشارت دینے والا۔ نذیر کے معنی جو نافرمانی کریں' انہیں اللہ کے غضب اور جہنم سے ڈرانے والے ہیں۔

حرزا للامیین

حرز کے معنی پناہ گاہ کے ہیں۔ عمدۃ القاری' فتح الباری میں ہے: "واللفظ للاوّل. الحرز فی الاصل الموضع الحصین" اصل میں حرز کے معنی محفوظ جگہ کے ہیں۔ اسی لیے قسطلانی میں اس کی تفسیر "حصنا" کی ہے' اور میں نے پناہ ترجمہ کیا ہے' لیکن دونوں شرحوں میں تفسیر کی ہے: "حافظا" اور ظاہر ہے کہ دونوں باتیں حضور اقدس ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔

المتوکل

یعنی ہر معاملے میں اللہ عزوجل پر اعتماد فرمانے والے خواہ روزی ہو یا اور کوئی نعمت' کوئی مصیبت تکلیف ہو' ہر معاملے میں اللہ پر بھروسہ کرنے والے۔ "فظ" کے معنی بدخو' غلیظ کے معنی سخت بات کہنے والا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: "انت افظ واغلظ من رسول اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم" اس حدیث میں "افظ" اور "اغلظ" تفضیل کے معنی میں نہیں' بلکہ یہاں افعل صفت مشبہ ہے' جیسے "احمر' اسود' اعرج' اصم" وغیرہ' اس لیے کہ بدخلقی' سخت کلامی عیب ہے اور اسم تفضیل لون و عیب سے نہیں آتا' اس لیے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ خوش خلق' شیریں کلام تھے اور تم بدخلق اور سخت کلام ہو۔

ولا سخاب

سین اور صاد دونوں کے ساتھ آتا ہے' اس کے معنی شور مچانے والے کے ہیں۔ یہ وصف نہیں کہ بازار نہیں جاتے' اس لیے کہ بازار میں بہ ضرورت رہنا معیوب نہیں بلکہ بقائے حیات کے لیے ضروری ہے۔ معیوب یہ ہے کہ بازار جا کر وہاں بلاضرورت شور مچایا جائے۔ سودے کی تعریف اور جھوٹی قسموں سے آسمان سر پر اٹھالیا جائے۔ بازار جا کر وقار و اطمینان کے ساتھ رہا جائے' تو یہ عیب نہیں اس لیے حضور اقدس ﷺ کا وصف کریم یہ بیان فرمایا کہ آپ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں۔

یقیم بہ الملۃ العوجاء

ملت سے ملت عرب مراد ہے کہ انہوں نے ملت ابراہیمی میں کفر و شرک اور اوہام و خرافات کی آمیزش کر کے اسے بگاڑ دیا ہے اس کو سیدھا کرنے سے مراد کفر و شرک' اوہام و خرافات کی آمیزش سے پاک وصاف کرنا ہے۔ "اعینٌ عمیٌ" اس روایت پر عمی' عمیاء کی جمع ہے' یعنی اندھی آنکھ۔ دوسری روایت میں "اعینُ عمیٍ" اضافت کے ساتھ ہے' اس روایت کی بناء پر یہ اعمٰی کی جمع ہے اور یہی تفصیل "اذا ناصمًا" میں بھی ہے۔ صفت اور اضافت دونوں کے ساتھ روایت ہے۔ پہلی تقدیر پر صماء کی جمع اور دوسری تقدیر پر اصم کی جمع ہے۔ "قلوبا غلفا" میں صفت مانیں یا اضافت' غلف' اغلف کی جمع ہے' اس میں وصف ہونا زیادہ واضح ہے' مراد یہ ہے کہ جو لوگ حق دیکھنے سننے قبول کرنے سے محروم تھے' ان کو حق پرست بنادے گا۔ "حرز اللامیین" سے لے کر "قلوبنا غلف" تک یہ دس اوصاف ہوئے' ان میں کچھ قرآن کریم میں بھی ہیں اور بقیہ توریت شریف میں ہیں۔

"وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ هِلَالٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ" امام بخاری کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام عطاء نے دو صحابہ سے اخذ کیا ہے۔ ایک حضرت عبداللہ بن عمرو سے' دوسرے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے۔ چنانچہ ترمذی اور طبرانی' دارمی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن سلام ہی سے روایت کیا ہے۔

"غلف کل شیء فی غلاف وسیف اغلف و قوس غلفاء ورجل اغلف اذا لم یکن مختونا. قالہ ابو عبید

اللہ '' جو چیز کسی غلاف میں ہو اس کو غلف کہتے ہیں۔ سیف اغلف میان میں رکھی ہوئی تلوار اور قوس غلفاء کسی غلاف میں رکھی ہوئی کمان۔ '' رجل اغلف '' وہ شخص جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو۔ اسے ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا۔ '' قلوب غلف '' وہ دل جس پر پردہ پڑا ہوا ہو جو نہ حق قبول کرے نہ یاد رکھے۔

بَابُ الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ وَالْمُعْطِي (ص ٢٨٥)

ناپنا بائع اور دینے والے پر ہے

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَإِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (المطففین:٣) يَعْنِي كَالُوْا لَهُمْ اَوْ وَزَنُوْا لَهُمْ كَقَوْلِهِ ﴿يَسْمَعُوْنَكُمْ﴾ (الشعراء:٧٢) يَسْمَعُوْنَ لَكُمْ.

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیں تو کم کر دیں، یعنی لوگوں کو ناپ یا تول کر دینا، جیسے '' یسمعونکم '' سے مراد '' یسمعون لکم '' ہے۔

امام بخاری اپنے اس قول سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ '' كَالُوْا '' اور '' وَزَنُوْا '' دونوں طرح مستعمل ہے۔ لام کے صلے کے ساتھ بھی اور بغیر صلے کے بھی، جیسے '' يَسْمَعُ '' ہے کہ یہ بھی دونوں طرح مستعمل ہے۔

توضیح باب

مبیع کا تولنا یا ناپنا بائع کے ذمے ہے، کیونکہ بیع کے بعد اس پر واجب ہے کہ وہ مبیع کو غیر مبیع سے متمیز کر کے مشتری کے سپرد کر دے اور یہ ناپ اور تول ہی کے بعد ہوگی۔ اس پر اللہ عزوجل کا ارشاد بھی دلیل ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے '' کالوھم او وزنوھم '' فرمایا۔ کیل اور وزن بائع کا فعل بتایا تو معلوم ہوا کہ ناپنا اور تولنا بائع کے ذمے ہے۔ عیسیٰ بن عمر '' کالوا '' اور '' وزنوا '' پر وقف کرتے۔ اور '' ھم '' کو '' یخسرون '' سے ملا کر پڑھتے، مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں جگہ '' ھم '' ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ ہمام، قتادہ اور محمد بن ثور نے معمر سے روایت کی کہ یہ آیت مکی ہے اور سدی نے کہا کہ مدنی ہے۔ کلبی نے کہا کہ یہ آپ کے مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے راستے میں نازل ہوئی۔ ابوالعباس نے مقامات التنزیل میں کہا کہ سورۃ کا اوّل مدنی ہے اور آخر مکی ہے۔ سدی نے روایت کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، وہاں ایک شخص ابوجہینہ تھا جس کے پاس دو صاع تھے، ایک لینے کے لیے اور ایک دینے کے لیے تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

ت ٣٩٩ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتَالُوْا حَتّٰى تَسْتَوْفُوْا.

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ناپ کر لو تا کہ پورا لو۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے طارق بن عبداللہ محاسبی کی حدیث میں سند صحیح متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، اپنے لینے کے لیے ناپنے کو اکتیال کہتے ہیں اور کیل اس سے عام ہے، خواہ اپنے لیے ہو یا دوسرے کے لیے۔

ت ٤٠٠ - وَيُذْكَرُ عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ اِذَا بِعْتَ فَكِلْ وَاِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ.

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: جب خریدو تو ناپ کر لے اور جب بیچ تو ناپ کر دے۔

اس تعلیق کو دارقطنی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کچھ بیچو تو ناپ کر پورا دو اور جب خریدو تو ناپ کر پورا لو۔ علامہ عینی نے فرمایا: اس کا یہ معنی بھی درست ہے، مگر دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ جب بیچو تو خود تولو۔ اس سے باب کو مطابقت ہے کہ مبیع کا تولنا بائع کے ذمے ہے اس لیے کہ ایک دوسری حدیث میں جسے امام لیث نے روایت کیا،

یہ ہے کہ حضرت عثمان یہ کہتے ہیں کہ میں بازار قینقاع سے کھجوریں خرید کر مدینہ لاتا اور لوگوں کے آگے ڈال دیتا اور بتا دیتا کہ یہ اتنی ہے یعنی اتنے صاع یا وسق ہے، جتنے نفع پر راضی ہوتا لوگ خرید لیتے۔ اس کی خبر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: جب بیچو تو ناپو۔ اس کا سیاق اس پر واضح دلیل ہے کہ کم زیادہ لینا مراد نہیں، بلکہ مطلب یہی ہے کہ تم جب بائع ہو تو مبیع کا ناپنا تمہارے ذمے ہے۔

١٢٤٨- ح: تُوُفِّيَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَّعَلَيْهِ دَيْنٌ

[حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام (رضی اللہ عنہما) وفات پا گئے اور ان پر قرض تھا]

١٢٤٨- عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حِرَامٍ وَّعَلَيْهِ دَيْنٌ فَاسْتَعَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى غُرَمَائِهٖ اَنْ يَّضَعُوْا مِنْ دَيْنِهٖ فَطَلَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوْا فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ اَصْنَافًا الْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ وَّعَذْقَ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلَيَّ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَرْسَلْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَ فَجَلَسَ عَلٰى اَعْلَاهُ اَوْ فِيْ وَسَطِهٖ ثُمَّ قَالَ كِلْ لِلْقَوْمِ فَكِلْتُهُمْ حَتّٰى اَوْفَيْتُهُمُ الَّذِيْ لَهُمْ وَبَقِيَ تَمْرِيْ كَاَنَّهٗ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّقَالَ فِرَاسٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ حَدَّثَنِيْ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى اَدّٰى وَقَالَ هِشَامٌ عَنْ وَهْبٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُذَّ لَهٗ فَاَوْفِ لَهٗ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: (میرے والد) عبداللہ بن عمرو بن حرام کی وفات ہو گئی اور ان پر قرض تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے قرض خواہوں کے بارے میں مدد طلب کی کہ وہ ان کے قرض کو کچھ معاف کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا، مگر انہوں نے کم نہیں کیا۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جاؤ اور اپنی کھجوروں کو الگ الگ کرو، عجوہ کو الگ اور عذق زید کو الگ، پھر میرے پاس خبر بھیجنا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خبر بھیجی تو آپ تشریف لائے اور اس کے اوپر یا اس کے بیچ میں بیٹھے، پھر فرمایا: ناپ کر ان لوگوں کو دو! میں نے انہیں ناپ کر دیا، یہاں تک کہ میں نے جتنا ان کا مطالبہ تھا پورا دے دیا اور میری کھجوروں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ ایک روایت میں یہ ہے: وہ ناپ ناپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ پورا پورا ادا کر دیا۔ ایک روایت میں یہ ہے: قرض خواہ کے لیے کھجور کاٹ اور پورا دے۔

(بخاری۔ کتاب الاستقراض۔ باب: الشفاعة في وضع الدين ص ٣٢٤، باب: اذا قضى دون حقه او حلله فهو جائز ص ٣٢٢، باب: اذا قاص او جازفه في الدين ص ٣٢٢، باب: من اخر الغريم الى الغد ص ٣٢٣، باب: قضاء الوصي ديون الميت بغير محضر الورثة ص ٣٩٠، باب: علامات النبوت ص ٥٠٥، ج ٢۔ کتاب المغازی۔ باب: واذ همت طائفتان ص ٥٨٠، نسائی۔ کتاب الوصایا)

یہ حدیث بخاری میں مختلف الفاظ اور اختصار و تفصیل کے ساتھ سات جگہ مذکور ہے۔ ان سب کو اکٹھا کرنے پر پوری تفصیل یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، چھ بیٹیاں اور قرض چھوڑ گئے اور سوائے کھجوروں کے باغ کے اور کچھ مال نہیں چھوڑا۔ قرض اتنا تھا کہ کھجوروں کی سالہا سال کی پیداوار بھی کافی نہ ہوتی، جب کھجور کاٹنے کا وقت آیا تو میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قرض خواہوں سے سفارش کر دیں۔ حضور نے سفارش کی مگر وہ چونکہ یہودی تھے اس لیے کچھ بھی کم کرنے پر راضی نہ ہوئے تو فرمایا: اچھا! ان سے کہہ دو کہ کل صبح کو آئیں اور مجھے حکم دیا کہ کھجور کی مختلف قسموں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ، عجوہ کا علیحدہ، عذق زید کا علیحدہ، لینہ کا علیحدہ۔ میں نے ایسا ہی کیا، اور پھر حسب الحکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے دن صبح کو اطلاع بھیجی۔ حضور تشریف لائے، میں نے سوچا تھا کہ حضور کو دیکھ کر قرض خواہ کچھ نرمی برتیں گے مگر حضور کو دیکھ کر وہ اور غرانے لگے۔

حضور نے کچھ دعا کی پھر سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار چکر لگایا اور مجھے حکم دیا: اس میں سے ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دو۔ میں نے دینا شروع کیا' سب قرض خواہوں کو ان کا پورا پورا مطالبہ دے دیا' میں تو اس پر راضی تھا کہ قرض ادا ہو جائے' چاہے اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور نہ بچے' مگر ہوا یہ کہ بقیہ ڈھیر تو بچ ہی گئے تھے' جس ڈھیر سے میں نے قرض ادا کیا تھا' اس سے بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ اخیر میں فرمایا: ابن خطاب کو بتادو! یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عمر بھی حضور کے ساتھ گئے تھے۔ حضرت جابر تو وہاں قرض خواہوں کی کھجوریں ناپتے رہے اور یہ لوگ چلے آئے۔ حضرت جابر عصر کے وقت سب قرض ادا کر کے واپس ہوئے۔

مطابقت

باب کا دوسرا جزیہ تھا: کیل معطی پر ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ قرض خواہوں کو دے رہے تھے' ان سے فرمایا: "کِلْ لَهُم" اسے ناپ کر دے۔

عذق زید

کتاب الاستقراض میں عذق ابن زید ہے اور لین کا اضافہ ہے' یہاں مطبع احمدی میرٹھ نور محمد اور رشیدیہ کے نسخوں میں' نیز قسطلانی' عمدۃ القاری کے ساتھ جو متن چھپا ہے' نیز التجرید الصریح میں عذق زید ہی ہے' مگر فتح الباری کے ساتھ جو متن ہے اس میں عذق ابن زید ہے۔ کتاب الاستقراض میں علامہ عینی اور قسطلانی دونوں نے تحریر کیا ہے کہ توضیح میں دمیاطی کے خط سے' عذق زید ہے۔ یعنی کتاب الاستقراض میں بھی عذق زید ہی ہے۔ کھجوروں کی بہت قسمیں ہیں۔ ابو محمد جوینی نے الفروق میں لکھا ہے کہ ایک بار مدینہ طیبہ کے امیر کے یہاں کالی کھجوروں کی اقسام کو اکٹھا کیا گیا تو ساٹھ تک پہنچ گئیں اور سرخ کھجوروں کی اقسام اس سے زائد ہیں۔ مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سب سے عمدہ عجوہ ہے۔ اس کے فضائل بھی احادیث میں وارد ہیں' جو کتاب الطب میں مذکور ہیں۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْكَيْلِ (ص٢٨٦) — ناپنے کا مستحب ہونا

١٢٤٩- عَنْ جَابِرِ بْنِ مَعْدَانَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ.

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اپنے غلے کو ناپ لو تمہیں برکت دی جائے گی۔

یعنی غلہ جب رکھو تو ناپ کر رکھو اور جب خرچ کرنے کے لیے نکالو تو ناپ کر نکالو۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ اس میں راز یہ ہے کہ ناپ کر رکھے گا تو اسے معلوم رہے گا کہ یہ اتنی مدت تک کے لیے کافی ہوگا۔ اسی حساب سے ناپ ناپ کر نکالے گا تو کم نہ ہوگا پورا ہو جائے گا' اندازے سے نکالنے میں زیادہ نکل سکتا ہے۔ اس صورت میں کمی پڑ سکتی ہے۔ نیز ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہمارے گھر کا یہ صرفہ ہے' ناپ کر نکالے گا تو کھانا فاضل نہ ہوگا اور اس میں برکت محسوس ہوگی۔ ان عقلی توجیہوں سے ہٹ کر ایمان کی بات یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ اس میں برکت ہے تو اس میں ضرور برکت ہوگی' بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ برکت ہوتی ہے۔

بَابُ بَرَكَةِ صَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُدِّهِ (ص٢٨٦) — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع اور مُد کی برکت

١٢٥٠- عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ — حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا

بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَّ اِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لَهَا وَحَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ وَدَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا مِثْلَ مَا دَعَا اِبْرَاهِيمُ لِمَكَّةَ. (بخاری۔ کتاب المناسک)

کہ آپ نے فرمایا: بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کے لیے دعا کی اور میں نے مدینہ کو حرم بنایا جیسے ابراہیم نے مکہ کو بنایا تھا اور میں نے مدینہ کے لیے اس کے مُد اور صاع میں برکت کی دعا کی جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے کی تھی۔

۱۲۵۱- ح: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ

[اے اللہ! ان کے پیمانے میں برکت دے]

۱۲۵۱- عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ يَعْنِي اَهْلَ الْمَدِينَةِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ان کے پیمانے میں برکت دے! ان کے صاع میں برکت دے! ان کے مُد میں برکت دے! یعنی مدینہ والوں کے۔

(ج ۲۔ باب: صاع المدینۃ ص ۹۳۳، کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۹۰، مسلم، نسائی۔ کتاب المناسک)

مدینہ کے حرم ہونے کی بحث نزہۃ القاری، ج ۳ ص ۲۳۵ پر گزر چکی ہے اور صاع اور مُد کی تحقیق ج ۱ ص ۵۱۸، رقم: ۱۴۶ پر گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي بَيْعِ الطَّعَامِ وَالْحُكْرَةِ (ص ۲۸۶)

غلہ بیچنے اور روکنے کا بیان

"حکرہ" کے معنی ہیں: سامان روکنا، ذخیرہ اندوزی کرنا، تاکہ جب بازار میں کمی ہو جائے اور مہنگا ہو جائے، تب بیچے۔ اسی سے احتکار آتا ہے۔ یہ اس وقت ممنوع ہے، خصوصاً غلے وغیرہ خوراک کی اشیاء میں جب یہ بازار میں نہ ملتا ہو۔

۱۲۵۲- ح: رَاَيْتُ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ الطَّعَامَ

[میں نے لوگوں کو دیکھا جو (اندازے سے) غلہ خریدتے]

۱۲۵۲- عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيعُوهُ حَتّٰى يُؤْوُوهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان لوگوں کو مار کھاتے دیکھا ہے جو اندازے سے غلہ خریدتے، اپنے ٹھکانے لانے سے پہلے بیچ دیتے۔

(ایضاً۔ باب: من رای اذا اشتری طعاما جزافا ص ۲۸۶، ج ۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: کم التعزیر والادب ص ۱۰۱۳، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب البیوع)

کسی بھی چیز کی، ناپے تولے بغیر اندازے سے بیع جائز ہے جبکہ مبیع اور ثمن دو مختلف جنس ہوں، البتہ جب تک مشتری اس پر قبضہ نہ کر لے اسے بیچنا جائز نہیں۔ یہ تشدد غالباً اس وجہ سے تھا کہ یہ لوگ قبضہ کیے بغیر بیچ دیتے تھے اور بہ ظاہر قبضہ غیر ضروری بھی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں کبھی نزاع بھی ہو سکتا ہے، مثلاً بائع متعدد ڈھیر لگائے ہوئے ہے، اس میں سے ایک بیچا اور اشارے سے بتایا کہ یہ ڈھیر، پھر مشتری نے اسے بیچ دیا اور دوسرا مشتری اٹھانے لگا، تو اس کا امکان ہے کہ اختلاف ہو جائے کہ کون سا ڈھیر ہے اور یہ اختلاف

بھول چوک سے بھی ہوسکتا ہے اور بددیانتی کی وجہ سے بھی' اس لیے مشتری اول کو پابند کر دیا گیا کہ مبیع پر قبضہ کیے بغیر نہ بیچے۔

حتی یؤووہ

اس سے مراد قبضہ ہے' جہاں خریدا ہے وہیں بیچنے میں اس کا خطرہ ہے کہ سستی اور آسانی کے لیے بے قبضہ کیے' بیچ دے' اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ اپنے گھر اپنی دوکان پر لا کر بیچے۔ وہ ابتدائی دور تھا' اس لیے اتنی شدت برتی گئی۔

١٢٥٣- ح: نَهٰى اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ طَعَامًا حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ

[(آپ ﷺ نے) قبضہ کرنے سے پہلے اپنا غلہ فروخت کرنے سے منع فرمایا]

١٢٥٣- عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ طَعَامًا حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ ذَاكَ قَالَ ذَاكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ وَالطَّعَامُ مُرْجَاٌ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُرْجَوْنَ مُؤَخَّرُوْنَ.

(مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب البیوع)

امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی قبضہ کرنے سے پہلے اپنا غلہ بیچے۔ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: یہ کیسے؟ تو فرمایا کہ یہ درہم کو درہم کے عوض بیچنا ہوا' غلہ تو بعد میں ہے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: مرجون' موخرون کے معنی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کی صورت یہ ہے کہ کسی نے کسی سے دس روپے کا ادھار غلہ خریدا کہ مثلاً ایک ہفتے بعد دینا۔ اس نے قبضہ کرنے سے پہلے اسی کے ہاتھ یا کسی اور کے ہاتھ مثلاً بیس روپے میں بیچ دیا' تو یہ حقیقت میں دس درہم کی بیع بیس درہم کے عوض ہوئی' اس لیے کہ غلہ تو ابھی غائب ہے اور یہ سود ہوا۔

قال ابو عبد الله

اس حدیث میں ''مُرْجًا'' کا لفظ آیا تھا' اسی کے جمع کا صیغہ ''مُرْجَوْنَ'' قرآن کریم میں ہے:

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ. (التوبہ:١٠٦)

اور کچھ لوگوں کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف ہے (ابھی فیصلہ نہیں ہوا یا نہیں کیا گیا) یا تو انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔

یہ آیت غزوۂ تبوک میں بلاعذر شریک نہ ہونے والوں میں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے' جنہوں نے معذرت اور توبہ میں تاخیر کی تھی۔ حسب عادت امام بخاری نے اس کی لفظی تفسیر فرما دی کہ یہ موخرون کے معنی میں ہے' یعنی ان لوگوں کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے' بعد میں ہوگا۔ ''مرجا'' کا مادہ ''رجاءٌ'' ہے' یہ ناقص واوی بھی ہے اور مہموز لام بھی' اس کے معنی موخر کرنے کے ہیں۔ رجا کا معنی اُمید' اسی وجہ سے ہے کہ وہ موخر ہوتی ہے۔ ''مرجا'' باب افعال سے مہموز لام کا اسم مفعول ہے۔ ''مُرْجَوْنَ'' ناقص واوی اسم مفعول کا صیغہ جمع مذکر ہے۔

١٢٥٤- ح: مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ صَرْفٌ

[جس کے پاس بھنانے کے لیے درہم یا دینار ہے]

١٢٥٤- عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ عِنْدَهٗ صَرْفٌ فَقَالَ طَلْحَةُ اَنَا حَتّٰى

حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے ایک بار کہا: کون ہے جس کے پاس بھنانے کے لیے درہم یا دینار ہے؟ تو حضرت طلحہ نے کہا:

يَجِيءَ خَازِنُنَا مِنَ الْغَابَةِ قَالَ سُفْيَانُ هُوَ الَّذِي حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ ابْنِ الْحَدَثَانِ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُخْبِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ.

میں ہوں' یہاں تک کہ ہمارا خازن غابہ سے آجائے۔ سفیان نے کہا: یہی ہم نے زہری سے یاد کیا ہے' اس میں زیادتی نہیں۔ زہری نے کہا کہ مجھے مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کے عوض سونا سود ہے مگر یہ کہ نقد ہو اور گیہوں کے عوض گیہوں سود ہے' مگر یہ کہ نقد ہو اور کھجور کے عوض کھجور سود ہے مگر یہ کہ نقد ہو اور جو کے عوض جو سود ہے مگر یہ کہ نقد ہو۔

(ایضاً۔باب:بیع التمر بالتمر. باب: بیع الشعیر بالشعیر ص ۲۹۰ مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب البیوع)

یہ حدیث باب "بیع الشعیر بالشعیر" میں یوں ہے: مالک بن اوس نے کہا کہ انہوں نے سو دینار کے بدلے درہم تلاش کرنا شروع کیا تو انہیں حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے بلایا' ہم نے بھاؤ طے کر لیا اور وہ سونا میرے ہاتھ سے لے کر الٹنے پلٹنے لگے' پھر فرمایا: ٹھہرو! یہاں تک کہ میرا خزانچی غابہ سے آجائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن رہے تھے۔ فرمایا: بخدا! اس سے جدا نہ ہونا' جب تک اس سے لے نہ لینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کے بدلے سونا۔ الحدیث

من كان عنده صرف

یعنی کوئی ایسا ہے جو بیع صرف یعنی ثمن کے عوض ثمن بیچنے اور خریدنے کا کاروبار کرتا ہے۔

غابه

غابہ کے معنی گھنے جنگل کے ہیں' لیکن اس سے مراد غابۃ المدینہ ہے جو عوالی مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے' جہاں اہل مدینہ کی اراضی تھیں۔ اسی غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر اقدس بنا تھا۔

قال سفيان

یعنی سفیان بن عیینہ نے کہا کہ اس اسناد یعنی بواسطہ عمرو بن دینار زہری سے ہمیں اتنا ہی یاد ہے' اس سے زائد نہیں۔ یعنی بعد والا واقعہ جو حضرت عمر نے فرمایا' البتہ امام زہری سے ان کے دوسرے تلامذہ مثلاً حضرت امام مالک نے پورا قصہ یاد رکھا ہے' اور وہ یہ ہے کہ مالک بن اوس نے کہا کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب سے سنا' جیسا کہ گزرا۔

الذهب بالورق

دوسری روایتوں میں "ورق" کی جگہ "الذهب" ہے' اس لیے "ورق" سے سونا مراد لینا متعین ہے۔

هاء وهاء

اسم فعل بہ معنی "خــذ" ہے' یہ کنایہ ہے تقابض بدلین سے' مطلب یہ ہوا کہ بائع ثمن پر اور مشتری مبیع پر اسی مجلس میں قبضہ کر لے۔ اس میں دو لغتیں ہیں: "ھا" بغیر مد کے "ھاء" ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ اور کسرہ بھی آیا ہے۔

بَابُ إِذَا اشْتَرَى مَتَاعًا أَوْ دَابَّةً فَوَضَعَهُ عِنْدَ الْبَائِعِ فَبَاعَ أَوْ

جب کوئی سامان یا چوپایہ خریدے اور بائع کے پاس رکھ دے پھر قبضہ کرنے سے پہلے

مَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّقْبَضَ (ص ۲۸۷) اسے بیچے یا مر جائے

توضیح

یعنی کسی نے کوئی چیز خریدی اور قبضہ کیے بغیر بائع کے پاس رہنے دی، پھر اس کو بیچ دیا تو یہ دوسری بیع صحیح ہوئی یا نہیں؟ یا مشتری مر گیا تو وہ چیز کس کی ملک قرار پائے گی، بائع کی یا مشتری کی؟ اور اگر وہ ضائع ہو گئی تو بائع پر تاوان ہے یا نہیں؟ حضرت امام بخاری نے حسب عادت ان سوالوں کے جوابات نہیں دیئے کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔

ہمارے مذہب کے مطابق جواب یہ ہے کہ یہ دوسری بیع فاسد ہوئی اور وہ چیز ہلاک ہو گئی تو بائع پر تاوان ہے، مشتری جب مر گیا تو بائع پر واجب ہے کہ مشتری کے وارثین کو وہ چیز دے اور اگر بائع مر گیا تو اس کے وارثین پر واجب ہے کہ مشتری کو وہ چیز دے، بعض قدیم نسخوں میں "فباع" کی جگہ "ضاع" ہے اور یہی بہتر ہے۔

ت ۴۰۱ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَا اَدْرَكَتِ الصَّفْقَةُ حَيًّا مَجْمُوْعًا فَهُوَ مِنَ الْمُبْتَاعِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو چیز ایجاب وقبول کے وقت زندہ سلامت تھی اور اسی حالت پر رہ گئی، وہ مشتری کی ہے۔

اس اثر کو امام ابو جعفر طحاوی اور دار قطنی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، مگر ان میں مجموعاً کا لفظ ہے، مجموعاً سے مراد یہ ہے کہ جس حالت پر عقد ہوا تھا، اسی حالت پر قبضے کے وقت تک رہی، اس میں کوئی تغیر نہ ہوا ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ بیع ایجاب وقبول پر تام ہو جاتی ہے۔ تمامیت بیع کے لیے تفرق ابدان شرط نہیں، کیونکہ انہوں نے محض عقد یعنی ایجاب وقبول پر مشتری کی ملک کو ثابت فرمایا۔ اور یہ قول ہے جو فعل پر راجح ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اگر مبیع بائع کے پاس مشتری کے قبضے سے پہلے ہلاک ہو گئی تو بائع پر تاوان نہیں۔ اس طرح یہ تعلیق باب کے مناسب ہے، فیہ مافیہ۔

۱۲۵۵- ح: فَلَمَّا اُذِنَ لَهٗ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

[جب آپ کو مدینہ جانے کا اِذن مل گیا]

۱۲۵۵ - عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَقَلَّ يَوْمٌ كَانَ يَاْتِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا يَاْتِيْ فِيْهِ بَيْتَ اَبِيْ بَكْرٍ اَحَدَ طَرَفَيِ النَّهَارِ فَلَمَّا اُذِنَ لَهٗ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَمْ يَرُعْنَا اِلَّا وَقَدْ اَتَانَا ظُهْرًا فَخُبِّرَ بِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اَخْرِجْ مَا عِنْدَكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هُمَا ابْنَتَايَ يَعْنِيْ عَائِشَةَ وَاَسْمَاءَ قَالَ اَشَعَرْتَ اَنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لِيْ فِي الْخُرُوْجِ قَالَ الصُّحْبَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الصُّحْبَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ عِنْدِيْ نَاقَتَيْنِ اَعْدَدْتُهُمَا لِلْخُرُوْجِ فَخُذْ اِحْدَاهُمَا فَقَالَ قَدْ

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کم ایسا دن ہوتا کہ صبح یا شام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے گھر نہ آتے ہوں، جب مدینہ جانے کا اذن مل گیا تو ہمیں اس بات نے گھبراہٹ میں ڈال دیا کہ آپ دوپہر کے وقت تشریف لائے، حضرت ابوبکر کو خبر کی گئی تو انہوں نے کہا: اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی حادثے کی وجہ سے ہوا ہے، جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا: سب کو اپنے پاس سے نکال دو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میری بیٹیاں ہی تو ہیں، یعنی عائشہ اور اسماء، فرمایا: تم جان گئے ہو گے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ انہوں نے عرض کیا: میں ساتھ رہوں گا، یارسول اللہ! فرمایا کہ ساتھ رہو گے، عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں جن کو میں نے ہجرت کے لیے تیار کر

اَخَذْتُهَا بِالثَّمَنِ. لیا ہے ایک حضور لے لیں فرمایا: قیمت پر میں نے اسے لیا۔

یہ ایک حدیث کا ابتدائی حصہ ہے جو باب ہجرت میں مفصل مذکور ہے۔ یہاں باب کے مناسب یہ ہے کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹنی خرید کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے دی۔ قبضہ تو بڑی چیز ہے اسے دیکھا بھی نہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بیع صرف ایجاب وقبول سے تام ہو جاتی ہے جس سے بائع کی ملک سے خروج اور مشتری کی ملک میں دخول مرتب ہے تفرق ابدان ضروری نہیں کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اس کو قیمت کے عوض لیا لینا اس وقت صحیح ہے جب وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملک سے خارج ہو جائے اور یہ اس وقت فرمایا جب دونوں حضرات اسی مجلس میں تھے۔

بَابُ لَا يَبِيعُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَسُوْمُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ حَتّٰى يَأْذَنَ لَهُ اَوْ يَتْرُكَ (ص٢٨٧)

اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے نہ اس کے مول پر مول کرے جب تک وہ اجازت نہ دیدے یا چھوڑ نہ دے

توضیح

پہلی صورت یہ ہے کہ بائع یا مشتری یا دونوں کو خیار حاصل تھا اب کوئی بائع سے کہے کہ بیع فسخ کر دو میں زیادہ قیمت دوں گا یا مشتری سے کہے: بیع فسخ کر دو میں اس سے سستے میں دوں گا۔ دوسری کی صورت یہ ہے کہ کسی چیز کا دام طے ہو گیا ابھی ایجاب وقبول نہ ہوا تھا کہ تیسرے نے کہا: میں اتنا زیادہ دوں گا میرے ہاتھ بیچ دو یا مشتری سے کہا: میں اسے کم میں دوں گا مجھ سے خرید لو۔ یہ حرام وگناہ ہے لیکن دام طے ہونے سے پہلے جو چاہے دام لگائے۔ اسے نیلام کہتے ہیں یہ جائز ہے جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

١٢٥٦- عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

(ایضاً۔باب: النهي عن تلقي الركبان ص٢٨٩، ج٢۔ کتاب النکاح۔باب: لا يخطب على خطبة اخيه ص٧٧٢، مسلم، ابوداؤد، نسائی کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

١٢٥٧- ح: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے منع فرمانا کہ شہری دیہاتی کے ہاتھ بیچے]

١٢٥٧- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ وَّلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِيْعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا تَسْاَلُ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَكْفَاَ مَا فِيْ اِنَائِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ شہری دیہاتی کے ہاتھ بیچے یا خریدنا مقصود نہ ہو اور بولی بولے اور کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ جو کچھ اس کے برتن میں ہے اسے انڈیلے۔

(ایضاً۔باب: لا يشترى حاضر لباد بالسمسرة ص٢٨٩، کتاب الشروط۔باب: مالا يجوز من الشروط ص٣٧٦، ج٢ کتاب النکاح۔ باب: لا يخطب على خطبة اخيه ص٧٧٢، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب البیوع۔ کتاب النکاح، ترمذی، نسائی۔ کتاب النکاح، ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

التجارات)

شہری کا دیہاتی سے خریدنا اس وقت ممنوع ہے جبکہ روزہ مرہ کی اہم ضروریات کی شہر میں قلت ہو اور اس نیت سے خریدی جائے کہ خوب مہنگی کر کے بیچی جائے' ورنہ عام حالات میں ممنوع نہیں۔

لا تناجشوا

اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ سودا بیچنے والے دلال کھڑا کر دیتے ہیں جو بڑھا بڑھا کر دام بولتا ہے' وہ خریدنا نہیں چاہتا صرف دام بڑھانا چاہتا ہے۔ اس میں چونکہ فریب ہے' اس لیے یہ ممنوع ہے۔ یہ نیلام سے مختلف ہے' نیلام میں یہ ہوتا ہے کہ چند خریدنے کا ارادہ رکھنے والے اپنی صوابدید سے خریدنے کے لیے بولی بولتے ہیں' یہ جائز ہے اور خود حضور ﷺ سے منقول ہے جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

ولا یخطب

منگنی پر منگنی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب رشتہ طے ہو جائے تو پیغام نکاح نہ دیا جائے۔

مطابقت باب

باب کا پہلا جز یہ ہے: اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔ اس کے مطابق تو دونوں حدیثوں کا متن ہے۔ دوسرا جز یہ ہے: بھائی کے مول پر مول نہ کرے۔ اس کے مطابق دونوں حدیثوں میں کوئی لفظ نہیں۔ شارحین نے یہ جواب دیا کہ کتاب الشروط میں بہ طریق محمد بن عرعرہ عن ابی حازم' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے' اس میں یہ زائد ہے: "وان یستام الرجل علی سوم اخیہ" اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے' البتہ "حتی یاذن او یترک" بخاری کی کسی روایت میں نہیں۔

اقول وباللہ التوفیق: خطبہ منگنی کے بارے میں خود بخاری' کتاب النکاح میں دونوں بزرگوں حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ہی سے جو روایت ہے۔ اس میں ہے: حضرت ابن عمر کی حدیث کے آخر میں ہے: "حتی یترک الخاطب قبلہ او یاذن لہ الخاطب" اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں "حتی ینکح او یترک" رہ گیا' بیع اور سوم میں تو قیاس سے ثابت ہے۔ غالباً امام بخاری نے اسی افادے کے لیے باب کے دونوں اجزاء کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ اگرچہ حدیث میں یہ حد صرف خطبہ منگنی کے لیے مذکور ہے مگر بیع اور سوم میں بھی یہ حد ملحوظ ہے۔ ظاہر ہے کہ محض بیع یا بھاؤ طے ہو جانے کے بعد اگر دوسرے کو خریدنا ممنوع ہو جائے' اگرچہ طے کرنے والا انکار کر دے' دوسرے کو اجازت دے دے تو اس میں نقصان عظیم ہے۔ جس کا جی چاہے کسی بھی بائع کو پھنسا سکتا ہے۔ اس لیے اگر کسی حدیث میں یہ قید مذکور نہ بھی ہوتی تو عقلاً ضروری ہے' جبکہ مسلم[1] کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں صراحۃً یہ قید مذکور ہے: "الا ان یاذن لہ" حضرت امام بخاری کی عادت معلوم ہے کہ وہ کبھی کبھی باب میں ایسی شرط بڑھا دیتے ہیں جو ان کی مرویات میں نہیں ہوتی مگر دوسرے محدثین کی مرویات میں ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کا منشاء یہی ہو۔

بَابُ بَیْعِ الْمُزَایَدَةِ (ص۲۸۷)　نیلام کا بیان

مزایدۃ

"مزایدۃ" کا مادہ زیادۃ ہے' اس سے یہاں مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ اشخاص کسی چیز کو خریدنا چاہتے ہوں اور وہ لوگ اس

[1] مسلم ج ۲ ص ۳ کتاب البیوع

کی قیمت ایک دوسرے سے زیادہ لگائیں جسے ہمارے عرف میں نیلام کہتے ہیں' اس میں کوئی حرج نہیں۔

ت ٤٠٢ - وَقَالَ عَطَآءٌ اَدْرَكْتُ النَّاسَ لَا يَرَوْنَ بَأْسًا بِبَيْعِ الْمَغَانِمِ فِيمَنْ يَزِيْدُ.

اور امام عطاء نے فرمایا: میں نے لوگوں کا اس پر عمل درآمد پایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ اموالِ غنیمت اس کے ہاتھ بیچیں جو زیادہ قیمت دے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' مگر اس میں مغانم کی تخصیص مذکور نہیں' عام ہے۔ فرمایا: جو زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھ بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بخاری میں جو مذکور ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس پر صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں تعامل تھا۔ اور امام ابوبکر نے جو روایت کیا ہے وہ ان کا اپنا فتویٰ ہے' اسی میں امام مجاہد کا بھی یہی قول مذکور ہے۔

١٢٥٨ - ح: اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ غُلَامًا لَهٗ عَنْ دُبُرٍ

[ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنے مرنے کے بعد آزاد کر دیا]

١٢٥٨ - عَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ غُلَامًا لَهٗ عَنْ دُبُرٍ فَاحْتَاجَ فَاَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْهِ مِنِّيْ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِكَذَا وَكَذَا فَدَفَعَهٗ اِلَيْهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو' پھر انہیں اس غلام کے فروخت کرنے کی احتیاج ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے لیا اور فرمایا: اسے میرے ہاتھ سے کون خریدتا ہے؟ اس پر نعیم بن عبداللہ نے اتنے اور اتنے میں خریدا تو حضور نے انہیں دے دیا۔

(بخاری۔ کتاب الاستقراض۔ باب: من باع مال المفلس او المعدوم ص ٣٢٣' کتاب الخصومات۔ باب: من رد امر السفيه والضعيف ص ٣٢٥' کتاب العتق۔ باب: بيع المدبر ص ٣٤٤' ج ٢۔ کتاب الاحکام۔ باب: بيع الامام على الناس اموالهم ص ١٠٦٥' کتاب الایمان والنذور۔ باب: عتق المدبر وام الولد والمكاتب في الكفارة ص ٩٤٤' کتاب الاکراہ۔ باب: اذا اكره حتى وهب عبدا اوباعه لم يجز ص ١٠٢٧' مسند امام احمد۔ ج ٣ ص ٢٠٥)

وہ صاحب جن کے غلام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کیا تھا' ان کی کنیت ابومذکور ہے' یہ انصار کرام میں سے بنی عذرہ کے فرد تھے' وہ غلام جس کو انہوں نے مدبر بنایا' یعقوب نام کے تھے[1] ابونعیم بن عبداللہ نحام رضی اللہ عنہ نے اسے آٹھ سو[2] یا سات سو یا نو سو درہم میں خریدا تھا۔ (ابوداؤد۔ ج ٢۔ باب: بيع المدبر ص ١٩٥)

نعیم بن عبداللہ نحام رضی اللہ عنہ

قریشی' عدوی' صحابی ہیں۔ یہ قدیم الاسلام بزرگوں میں ہیں' انہوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنا چاہی تو ان کے قبیلے والوں نے انہیں ہجرت نہیں کرنے دی' کیونکہ یہ بہت مخیر اور شریف انسان تھے' اپنی قوم پر بے دریغ خرچ کرتے تھے' انہوں نے کہا کہ آپ مکہ ہی

[1] مسلم۔ ج ١ ص ٣٢٢۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الابتداء في النفقة بالنفس

[2] بخاری۔ ج ٢ ص ٩٩٤۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: عتق المدبر في الكفارة' کتاب الاحکام۔ ص ١٠٦٥۔ باب: بيع الامام على الناس اموالهم' کتاب الاکراہ۔ ص ١٠٢٧۔ باب: اذا اكره حتى وهب او باع عبدا

میں رہیں، جس دین پر چاہیں رہیں۔ فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے انہیں گلے سے لگالیا اور انہیں بوسہ دیا۔ نحام کے معنی بہت کھانسنے والے کے ہیں ان کا یہ لقب اس لیے پڑا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں نعیم کا نحمہ یعنی کھانسی سنی۔ یہ ۱۵ھ کے تاریخی معرکے یرموک میں شہید ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں رومیوں سے ہوئی تھی۔

مُدَبَّر

اس غلام کو کہتے ہیں جس کے آقا نے اس سے یہ کہہ دیا ہو کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ آقا کے مرنے کے بعد تہائی مال سے آزاد ہو جائے گا، مگر جب تک آقا زندہ ہے وہ اپنے آقا کی ملک میں رہے گا اور یہ ملک تام ہوگی، مگر شرف زوال پر اس لیے مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں، ہماری دلیل دار قطنی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مدبر کو نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے یہ تہائی مال سے آزاد ہے اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے۔

بَابُ النَّجْشِ وَمَنْ قَالَ لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ الْبَيْعُ (ص ۲۸۷)

بولی دینے کا بیان اور جس نے کہا کہ یہ بیع جائز نہیں

توضیح

نجش کے معنی شکار بھڑکانے کے ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ کچھ عیار سودا بیچنے والے دو ایک آدمیوں کو رکھتے ہیں، جب کوئی گاہک دام لگاتا ہے تو وہ آجاتا ہے اور بڑھ کر بولی بولتا ہے، تاکہ گاہک بھی مزید دام بڑھا دے چونکہ یہ دھوکہ دہی ہے اس لیے حرام ہے۔

ت ۴۰۳- وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَدِيْعَةُ فِي النَّارِ. — اور نبی ﷺ نے فرمایا: دھوکہ جہنم میں ہے۔

ت ۴۰۴- وَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ. — اور جس نے وہ کام کیا جو ہمارے حکم کے خلاف ہے، وہ قابل ردّ ہے۔

حضرت امام بخاری نے باب کے اثبات کے لیے پہلے حضرت عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ ناجش، سود خوار خائن ہے، پھر فرمایا کہ نجش دھوکہ ہے، باطل ہے، حلال نہیں۔ اس کے بعد دلیل میں یہ حدیث ذکر کی۔ اسے ابن عدی نے کامل میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ما لیس علیہ امرنا

اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے: جس پر ہمارا امر یعنی دین نہیں، مگر مراد وہ نو ایجاد چیزیں ہیں جو دین کے مخالف اور اسے بدلنے والی ہوں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات[1] میں لکھا ہے:

مراد چیزے ہست کہ مخالف و مغیران باشد۔ — مراد وہ چیز ہے جو دین کے مخالف اور اس کو بدلنے والی ہو۔ یہ اسی وقت ہوگا جبکہ شریعت میں کوئی حکم وارد ہو اس کے بالمقابل اس کی ضد کوئی طریقہ کوئی عقیدہ نکالا جائے۔ رہ گئیں وہ باتیں جن کی حکم شرعی کے معارض اور مخالف نہیں وہ اباحت اصلیہ پر باقی رہیں گی۔ خود حدیث میں فرمایا:

[1] اشعۃ اللمعات ج ا ص ۱۲۵

وما سكت فهو مما عفى عنه. اور جس سے سکوت فرمایا' وہ معاف ہے (یعنی مباح ہے)۔

(ترمذی۔ج ا۔کتاب اللباس۔ص ۲۰۶)

اس تعلیق کو خود امام بخاری نے کتاب الصلح میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

١٢٥٩- ح: نَهٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ

[آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا]

١٢٥٩- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا۔

(بخاری۔ج ۲۔کتاب الحیل۔باب: ما يكره من التناجش ص ۱۰۳۰' مسلم' نسائی۔کتاب البیوع' ابن ماجہ۔کتاب التجارات)

بَابُ بَيْعِ الْغَرَرِ وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ (ص ۲۸۷)

دھوکے کی بیع اور حمل کے حمل کی بیع

١٢٦٠- عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا' اہل جاہلیت یہ بیع کرتے تھے۔ ایک شخص اس شرط پر اونٹنی خریدتا کہ اس کی قیمت اس وقت دے گا' جب اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے' وہ بچہ جنے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث مروی ہے' وہ ''حبل الحبلة'' تک ہے' اس کے آگے جو تفسیر ہے' امام نافع کا قول ہے: ''حبلة الحبلة'' کا مطلب یہ ہے: کسی حاملہ اونٹنی کے بارے میں یہ عقد کرے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے' وہ پیدا ہونے کے بعد جوان ہو کر بچہ دے گی' اس کو خریدا' یہ بیع باطل ہے کہ معدوم کی بیع ہے اور اس میں دھوکہ بھی ہے۔ کیا پتہ یہ اونٹنی حاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کسی مرض کی وجہ سے حاملہ جیسی لگ رہی ہو' حمل ہے بھی تو کیا پتہ نر ہے یا مادہ؟ اور اگر مادہ ہی ہے تو کیا پتہ جوان ہونے سے پہلے ہی مر جائے' جوان بھی ہو جائے تو کیا معلوم' بانجھ ہو یا بانجھ نہ بھی ہو اور حاملہ ہو بھی جائے تو ہو سکتا ہے حمل خام ہی گر جائے' بچہ پیدا ہو مگر مردہ۔

امام نافع کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کی قیمت دینے کی میعاد یہ طے ہوئی کہ اس اونٹنی کا جو بچہ پیدا ہوا اور جوان ہو کر بچہ دے اس وقت قیمت دی جائے گی۔ یہ بھی بیع بوجوہ مذکورہ فاسد ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد' مسلم' ترمذی' نسائی میں بطرق مختلفہ نافع ہی سے اس تفسیر کے بغیر مروی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ (ص ۲۸۷)

بیع ملامست کا بیان

١٢٦١- أَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُنَابَذَةِ وَهِيَ طَرْحُ الرَّجُلِ ثَوْبَهُ بِالْبَيْعِ إِلَى الرَّجُلِ قَبْلَ أَنْ يُقَلِّبَهُ أَوْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ وَنَهٰى عَنِ الْمُلَامَسَةِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منابذت سے منع فرمایا ہے' اس کی صورت یہ تھی کہ بائع اپنا کپڑا خریدار کی طرف پھینک دیتا' قبل اس کے کہ وہ اسے الٹ پلٹ لے یا دیکھ لے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملامست سے منع فرمایا' اس

وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الثَّوْبِ لَا يَنْظُرُ إِلَيْهِ. کی صورت یہ تھی کہ مشتری کپڑا دیکھے بغیر اسے چھو دے۔

(بخاری۔ باب: بیع المنابذۃ ص ۲۸۸، ج ۲۔ کتاب اللباس ص ۸۶۵، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کلہم فی کتاب البیوع)

کتاب اللباس میں بیع ملامست اور منابذت کی اس سے واضح تفسیر یہ ہے کہ ملامست کا طریقہ یہ تھا کہ بائع مشتری ایک دوسرے کے کپڑے کو خواہ دن میں، خواہ رات میں بغیر دیکھے بھالے بیع کی نیت سے چھو دیں تو اسے بیع تام مانتے تھے۔ ایک دوسرے کو خیار نہیں ہوتا تھا، منابذت کی صورت یہ تھی کہ بائع مشتری اپنے اپنے کپڑے دوسرے کی طرف بغیر دیکھے بھالے پھینک دیں، تو اسے بیع مکمل مانتے تھے۔ اسے ختم کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں تھا۔ ان دونوں بیوع میں دھوکے کا بھی امکان ہے اور جبر بھی ہے، اس لیے اس سے منع فرمایا۔

بَابُ النَّهْيِ لِلْبَائِعِ أَنْ لَا يُحَفِّلَ الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَكُلَّ مُحَفَّلَةٍ (ص ۲۸۸)

اس بات سے ممانعت کہ بائع اونٹ اور گائے اور بکری اور کسی بھی دودھ والے جانور کا دودھ نہ دوہے تاکہ خریدار یہ سمجھے کہ بہت دودھ دینے والا جانور ہے

توضیح

جاہلیت میں دستور تھا اور اب بھی کہیں کہیں ہے کہ جب جانور کو بیچنا ہوتا تو اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیتے، تاکہ جانور کا تھن چڑھ جائے اور خریدار یہ سمجھے کہ یہ بہت دودھ دینے والا جانور ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا، ایسے جانور کو مصراۃ اور محفلہ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے مصراۃ کی تفسیر یہ کی ہے کہ جس جانور کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا گیا ہو اور اس کا دودھ تھن میں جمع کیا گیا ہو اور کئی دن تک دوہا نہ گیا ہو۔ مصراۃ، تصریۃ کا اسم مفعول ہے، جو باب تفعیل سے آتا ہے، اس کے معنی پانی روکنا ہے، اسی سے ہے جو بولتے ہیں: "صَرَّيْتُ الْمَاءَ" جب پانی روک لے۔

۱۲۶۲- ح: لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ

[اونٹ اور بکری کے تھنوں میں دودھ مت چھوڑو]

۱۲۶۲- عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ.

(فی ہذا الباب بعد حدیث۔ الخمسۃ بطرق متعددہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا: اونٹ اور بکری کے تھنوں میں دودھ مت چھوڑو روکنے کے بعد اگر اسے کسی نے خریدا تو دودھ دوہنے کے بعد دو باتوں میں جو اسے پسند آئے، اس کا اسے اختیار ہے، چاہے تو وہ جانور رکھ لے، چاہے تو اسے لوٹا دے اور ایک صاع کھجور بھی۔

ت ۵۰- وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْوَلِيدِ بْنِ رَبَاحٍ وَمُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعَ تَمْرٍ.

ابوصالح اور مجاہد اور ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار سے روایت ذکر کی جاتی ہے اور یہ لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک صاع کھجور فرمایا۔

یہ حقیقت میں چار تعلیقیں ہیں: اول: بہ طریق ابوصالح، اسے امام مسلم نے موصولاً روایت کیا ہے۔ دوم: بہ طریق مجاہد، اسے

امام بزار اور طبرانی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ سوم: بہ طریق ولید بن رباح' اسے امام احمد بن منیع نے روایت کیا ہے۔ چہارم: بہ طریق موسیٰ بن یسار نے' اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

ت٤٠٦ - وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ وَّهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثًا.

اور بعض لوگوں نے امام ابن سیرین سے روایت کرتے ہوئے کہا: ایک صاع کھانا دے اور اسے تین دن تک اختیار ہے۔

اس تعلیق کو امام مسلم نے روایت کیا۔

ت٤٠٧ - وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ وَّلَمْ يَذْكُرْ ثَلَاثًا وَّالتَّمْرُ اَكْثَرُ.

اور بعض لوگوں نے امام ابن سیرین سے روایت کرتے ہوئے کہا: ایک صاع کھجور دے اور تین دن خیار کا تذکرہ نہیں کیا اور کھجور والی روایت اکثر ہے۔

اس تعلیق کو بھی امام مسلم نے روایت کیا ہے' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کا مذہب وہی ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت امام اعظم اور امام محمد اور ایک روایت حضرت امام ابو یوسف سے بھی یہی ہے کہ بیع تام ہو گئی۔ مشتری کو واپس کرنے کا اختیار نہیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ احناف نے حدیث کی صریح خلاف ورزی کی ہے مگر حقیقت حال کیا ہے اس پر مفصل بحث مقدمہ میں گزر چکی ہے' جو صفحہ ١٧٧-١٨١ پر پھیلی ہوئی ہے' ناظرین اسے ضرور ملاحظہ کریں' اور مزید تفصیل کی حاجت ہو تو اس موقع پر عمدۃ القاری میں علامہ بدر الدین محمود عینی نے جو فاضلانہ بحث فرمائی ہے' اسے دیکھ لیں۔

١٢٦٣- ح: مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُّحَفَّلَةً

[جس نے ایسی بکری خریدی۔ جس کا دودھ روکا گیا ہو]

١٢٦٣ - حَدَّثَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُّحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ وَّنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُلَقَّى الْبُيُوْعُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایسی بکری کو خریدا جس کا دودھ روکا گیا ہو' اور پھر اسے لوٹائے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے تاجروں کی پیشوائی کرنے سے منع فرمایا۔

(بخاری۔ باب: النهي عن تلقي الركبان ص٢٨٩' مسلم' ترمذی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

بَابٌ اِنْ شَآءَ رَدَّ الْمُصَرَّاةَ وَفِيْ حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ (ص٢٨٨)

اگر چاہے تو مصراۃ جانور لوٹا دے اور اس کے دودھ کے عوض ایک صاع کھجور

١٢٦٤ - اَنَّ ثَابِتًا مَّوْلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰى غَنَمًا مُّصَرَّاةً فَاحْتَلَبَهَا فَاِنْ رَّضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا فَفِيْ حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ. (ابوداؤد۔ کتاب البیوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مصراۃ بھیڑ بکری خریدی' پھر اس کو دوہا تو اگر اسے پسند ہو تو رکھ لے اور اگر ناپسند ہو تو لوٹا دے اور دودھ کے عوض ایک صاع کھجور ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ الزَّانِيْ (ص٢٨٨)

زنا کار غلام کی بیع

ت۴۰۸ - وَقَالَ شُرَيْحٌ اِنْ شَآءَ رَدَّ مِنَ الزِّنَا.

اور قاضی شریح نے کہا: اگر چاہے تو زنا کی وجہ سے رد کر دے۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے حضرت ابن سیرین سے یوں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک باندی خریدی جو بدکاری کرا چکی تھی اور خریداری کے وقت مشتری اسے جانتا تھا' اس نے قاضی شریح کے یہاں معاملہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر چاہے تو زنا کی وجہ سے لوٹا دے۔

عقد کے وقت بائع نے مبیع کے عیب کو چھپایا مشتری کو بتایا نہیں۔ خریداری کے بعد مشتری کے یہاں وہ عیب موجود رہا' تو مشتری کو اختیار ہے' چاہے تو اسے لوٹا دے' زنا بھی لونڈی میں عیب ہے' کیونکہ ایک شریف انسان زانیہ سے ہم بستری کرنے سے گھن کرتا ہے۔ نیز بچوں کے لیے عار کا بھی سبب ہے' مگر غلام میں عیب نہیں' کیونکہ غلام سے مقصود خدمت لینی ہوتی ہے اور زنا اس میں مخل نہیں۔

نیز ہمارے نزدیک مشتری کو لوٹانے کا حق اس وقت ہوگا' جب مشتری کے یہاں وہ عیب پایا جائے' لونڈی بائع کے یہاں بدکار تھی مگر مشتری کے یہاں آ کر پاکباز رہی تو اسے لوٹانے کا حق نہ رہا۔ قاضی شریح کا فیصلہ اسی دوسری شق پر محمول ہے۔

۱۲۶۵ - ح: اِذَا زَنَتِ الْاَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا [جب باندی زنا کرائے اور زنا ظاہر ہو جائے]

۱۲۶۵ - حَدَّثَنِیْ سَعِيْدُنِ الْمَقْبُرِیُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَتِ الْاَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ.

سعید مقبری نے اپنے والد ابوسعید کیسان مدنی سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی' انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باندی اگر زنا کرائے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے کوڑے مارو اور اسے بہت زیادہ ملامت نہ کرو' اگر پھر زنا کرائے تو اسے کوڑے مارو' مگر بہت زیادہ ملامت نہ کرو' تیسری بار اگر پھر زنا کرائے تو اسے بیچ ڈالو' اگرچہ بال کی رسّی کے عوض۔

(بخاری۔ باب: النهی عن تلقی الرکبان ص۲۸۹' باب: بیع المدبر ص۲۹۷' ج ۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: لا یثرب علی الامة اذا زنت ص۱۰۱۱' مسلم۔ کتاب الحدود' نسائی)

۱۲۶۶ - ح: اَلْاَمَةُ اِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصَنْ [لونڈی جب زنا کرائے اور محصنہ نہ ہو]

۱۲۶۶ - عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْاَمَةِ اِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصَنْ قَالَ اِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَبِيْعُوْهَا وَلَوْ بِضَفِيْرٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ لَا اَدْرِیْ بَعْدَ الثَّالِثَةِ اَوِ الرَّابِعَةِ.

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا' اس باندی کے بارے میں جو زنا کرائے اور محصنہ نہ ہو' فرمایا: اگر ایسی باندی زنا کرائے تو اسے کوڑے مارو' پھر اگر زنا کرائے تو پھر کوڑے مارو' اگر پھر زنا کرائے تو اسے بیچ ڈالو' اگرچہ ایک رسّی کے عوض۔

(نسائیات: بیع المدبر ص۲۹۷' کتاب العتق۔ باب: کراهة التطاول علی الرقیق ص۳۴۷' ج ۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: اذا زنت

الامۃ ص ۱۰۱۱' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الحدود' نسائی۔ کتاب الرجم' ابن ماجہ۔ کتاب الحدود)

اس باب کی پہلی حدیث کی سند میں سعید مقبری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان سعید مقبری کے والد ابو سعید کیسان ہیں' مگر مسلم میں حضرت سعید مقبری اور حضرت ابو ہریرہ کے مابین ابو سعید کیسان کا واسطہ نہیں۔ امام دار قطنی نے کہا: اس حدیث کو امام لیث کے علاوہ آٹھ حضرات نے حضرت سعید مقبری سے روایت کیا ہے' کسی میں ابو سعید کا واسطہ نہیں۔

فتبين زناها

یعنی اس کے زنا کا ثبوت مل جائے' مثلاً بہ قدر نصاب چشم دید گواہوں نے گواہی دی' یا اس باندی نے خود اقرار کیا یا حمل ظاہر ہو گیا۔ محض شکوک و شبہات اور افواہ نہ ہو تو پہلی اور دوسری بار کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ غلام اور باندی کے لیے زنا کی حد پچاس کوڑے ہیں۔ اس لیے کہ ارشاد ہے:

فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ. (النساء:۲۵)

اگر باندیاں شادی کرلیں اور پھر بدکاری کریں تو ان پر آدھی وہ سزا ہے جو آزاد عورتوں پر ہے۔

نیز نسائی میں حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باندی کو زنا کے ارتکاب پر پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا۔

(عمدۃ القاری۔ ج۱۱ص۲۷۸)

لا يثرب

تثریب کے معنی بھرپور ملامت کرنے' نیز مطلق ملامت کرنے کے ہیں۔

وَلَمْ تُحْصَنْ

اس کا مادہ حصن ہے' اس کے معنی مضبوط جگہ محفوظ کرنا ہے۔ احصان کے معنی شادی کرنا اور پاک دامن ہونا ہے۔ یہاں حدیث اور آیت دونوں میں' شادی کرنے کے معنی میں ہے۔ اس کا اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں محصن' عین کے فتحہ کے ساتھ آتے ہیں۔ یہ ان تین نادر کلموں میں سے ہے' جن کا اسم فاعل عین کے فتحہ ساتھ آتا ہے۔ دو یہ ہیں: ''اَسْهَبَ'' سے ''مُسْهَبْ'' بہ معنی حریص مدہوش اور ''اَفْلَحَ'' سے ''مُفْلَحْ'' بہ معنی غالب اور کامیاب۔

فقہ کی اصطلاح میں محصن ہونے کی سات شرطیں ہیں: اسلام' بلوغ' عقل' حریت' وطی' وطی کا نکاح صحیح کے بعد ہونا۔ ان مذکورہ چھے چیزوں کا وطی کے وقت موجود ہونا' اس معنی میں باندی محصنہ نہیں ہوسکتی۔ اس لیے حدیث میں ''لَمْ تحصن'' کا معنی یہ ہے کہ وہ شادی شدہ نہ ہو' مگر یہ قید واقعی ہے۔ اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ ورنہ آیہ کریمہ مذکورہ سے تعارض لازم آئے گا' کیونکہ اس میں فرمایا: ''فاذا احصن'' پس جب وہ محصنہ ہوں اور بدکاری کا ارتکاب کریں۔ ظاہر ہے کہ پاکدامنی اور بدکاری میں تضاد ہے' چونکہ زیادہ وہی باندیاں زنا کار ہوتی ہیں جو شادی شدہ نہیں ہوتیں۔ شادہ شدہ شاید و باید' اس لیے بہ اعتبار اغلب و اکثر کے وہ فرمایا۔ اور قرآن مجید میں تعمیم حکم کے لیے'' فاذا احصن'' ذکر فرمایا۔

خطیب میں ہے کہ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ غیر شادی شدہ باندی کا حکم معلوم ہے' اگر شادی شدہ ہو تو کیا سزا ہے؟ تو آیہ مذکورہ نازل ہوئی۔ آیۂ مذکورہ سے یہ افادہ ہوا کہ باندی کو سنگسار کرنے کی اجازت نہیں' اس لیے کہ رجم (سنگسار کرنے کی) تنصیف نہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قیمتی چیز بہت معمولی قیمت پر بیچنا بلا کراہت درست ہے' جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: ''لو باع كاغذة بالالف يجوز و لا يكره'' اگر کاغذ کے چھوٹے سے ٹکڑے کو ہزار کے عوض بیچا تو بلا کراہت جائز ہے۔

فائدہ

اس حدیث کے بنیادی راوی امام زہری ہیں' ان سے امام مالک' سفیان بن عیینہ' یحییٰ بن سعید نے جو روایت کی ہے' اس میں "لم تحصن" ہے' بقیہ ان کے تلامذہ نے "لم تحصن" نہیں روایت کیا اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

بَابٌ هَلْ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ وَّهَلْ يُعِينُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ (ص٢٨٩)

کیا شہری کسی دیہاتی کی کوئی چیز اُجرت کے بغیر بیچے اور اس کی مدد نہ کرے اور اس کے ساتھ خیر خواہی کرے؟

ت٤٠٩ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ.

اور نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی اپنے بھائی سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرے۔

اس تعلیق کو امام احمد نے اپنی مسند میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ عزوجل بعض کو بعض سے روزی دیتا ہے اور جب کوئی کسی سے خیر خواہی کا طالب ہو تو چاہیے کہ خیر خواہی کرے۔

ت٤١٠ - وَرَخَّصَ فِيهِ عَطَاءٌ.

اس کی عطاء نے اجازت دی ہے۔

یعنی امام عطاء نے اس کی اجازت دی ہے کہ شہری دیہاتی کا مال فروخت کرے۔ اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' لیکن امام عطاء کا قول امام سعید بن منصور نے اس کے خلاف نقل کیا ہے۔ علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ بغیر اُجرت جائز ہے اور اُجرت لے کر منع ہے۔

١٢٦٧ - ح: لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ

[آگے بڑھ کر تجارتی قافلوں سے نہ ملو]

١٢٦٧ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاؤسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَوْلُهُ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ قَالَ لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگے بڑھ کر تجارتی قافلوں سے نہ ملو اور شہری دیہاتی کی چیز نہ بیچے۔ (طاؤس کہتے ہیں:) میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: اس ارشاد کا کیا مطلب کہ شہری دیہاتی کی چیز نہ بیچے' فرمایا: اس کا دلال نہ بنے' یعنی اُجرت لے کر نہ بیچوائے۔

(ایضاً باب النهی عن تلقی الركبان ص٢٨٩' كتاب الاجاره۔ باب: اجر السمسرة ص٣٠٣' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ (ص٢٨٩)

جس نے یہ مکروہ جانا کہ شہری دیہاتی کی چیز بیچے

١٢٦٨ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کی کوئی چیز بیچے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے۔

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ دیہاتی سے اُجرت لے کر اس کا بیچنا منع ہے اور بہ طور خیر خواہی ممنوع نہیں۔

بَابٌ لَّا يَشْتَرِيْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ بِالسَّمْسَرَةِ (ص٢٨٩)

کوئی شہری دیہاتی کے لیے کوئی چیز دلالی پر نہ خریدے

توضیح باب

اس باب سے امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جیسے یہ ممنوع ہے کہ شہری دیہاتی کی کوئی چیز بیچے' اسی طرح شہری کو دیہاتی کے لیے کوئی چیز خریدنی بھی منع ہے۔ بیع پر قیاس کرتے ہوئے بعض نسخوں میں ''لا یبیع'' ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی سے یہ معاملہ طے کرلے کہ تم شہر میں جو چیز بھی لاؤ گے میں بیچوں گا اور یہ اُجرت لوں گا' یہ بھی ممنوع ہے۔

ت٤١١ - وَكَرِهَهُ ابْنُ سِيرِيْنَ وَاِبْرَاهِيْمُ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ.

اور اسے ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے بائع اور مشتری دونوں کے لیے مکروہ جانا۔

ت٤١٢ - وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِنَّ الْعَرَبَ تَقُوْلُ بِعْ لِيْ ثَوْبًا وَّهِيَ تَعْنِي الشِّرَاءَ.

اور ابراہیم نے کہا کہ عرب کہتے ہیں: ''بع لی ثوبا'' اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ خرید لا۔

ابن سیرین کی تعلیق کو امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ اصل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ فرماتے تھے: بیع خریدنے اور بیچنے دونوں کو جامع ہے۔ اسی تقدیر پر اسی حدیث سے دونوں کی ممانعت ثابت ہے اور یہی حضرت ابراہیم نخعی کے ارشاد کا بھی مطلب ہے۔

١٢٦٩ - عَنْ مُّحَمَّدٍ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نُهِيْنَا اَنْ يَّبِيْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کی کوئی چیز بیچے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ وَاَنَّ بَيْعَهُ مَرْدُوْدٌ لِّاَنَّ صَاحِبَهُ عَاصٍ اٰثِمٌ اِذَا كَانَ بِهِ عَالِمًا وَّهُوَ خِدَاعٌ فِي الْبَيْعِ وَالْخِدَاعُ لَا يَجُوْزُ

آگے بڑھ کر تجارتی قافلوں سے ملنے کی ممانعت اور یہ کہ اس کی بیع مردود ہے' اس لیے کہ یہ معصیت کار ہے' گنہگار ہے' جبکہ یہ جانتا ہو اور یہ دھوکہ ہے اور دھوکہ دینا جائز نہیں

١٢٧٠ - عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَّلَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا اِلَى السُّوْقِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بعض' بعض کی بیع پر بیع نہ کرے اور سامانِ تجارت جب تک بازار میں نہ اُتار دیا جائے' آگے بڑھ کر نہ لے۔

(اس کے بعد متصلاً دو طریقے سے۔ مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

بَابُ مُنْتَهَى التَّلَقِّيْ (ص٢٨٩)

تلقی ممنوع کی آخری حد

١٢٧١ - حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَتَلَقَّى الرُّكْبَانَ فَنَشْتَرِيْ مِنْهُمُ الطَّعَامَ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّبِيْعَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم لوگ آگے بڑھ کر تجارتی قافلوں سے غلہ خرید لیتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم بازار میں پہنچانے سے پہلے بیچیں۔

حَتّٰى تَبْلُغَ بِهٖ سُوْقَ الطَّعَامِ.

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ تلقی رکبان ممنون نہیں، یعنی یہ ممنوع نہیں کہ بازار سے باہر یا شہر کے باہر جا کر غلہ خریدا جائے۔ ممنوع یہ ہے کہ خرید کر وہیں بازار میں لائے بغیر بیچ دیا جائے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی سے نہیں منع فرمایا، بازار میں لانے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔ یہ اس سے پہلے گزری ہوئی حدیث کے معارض ہے۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے اور مزید توضیح کے لیے فرمایا:

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ هٰذَا فِيْ اَعْلَى السُّوْقِ يُبَيِّنُهٗ حَدِيْثُ عُبَيْدِ اللّٰهِ.

ابوعبداللہ (بخاری) نے فرمایا: یہ حکم بازار کے سرے کے بارے میں ہے، جسے عبیداللہ کی حدیث نے بیان کیا، وہ حدیث یہ ہے۔

١٢٧٢- ح: فَنَهَاهُمْ اَنْ يَّبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهٖ

[(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غلہ) اسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا]

١٢٧٢- عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوْا يَبْتَاعُوْنَ الطَّعَامَ فِيْ اَعْلَى السُّوْقِ فَيَبِيْعُوْنَهٗ فِيْ مَكَانِهٖ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهٖ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگ بازار کے سرے پر غلہ خرید لیتے اور وہیں بیچ دیتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا کہ غلہ وہیں بیچیں یہاں تک کہ اپنی جگہ پر منتقل کر لیں۔

عبیداللہ کی اس حدیث نے واضح کر دیا کہ بازار کے سرے پر پہنچنے سے پہلے اور آگے بڑھ کر غلہ یا کوئی سامان خریدنا منع ہے اور جو تلقی رکبان منع ہے، اس سے یہی مراد ہے، مگر جب سامان بازار کے سرے پر پہنچ جائے تو خریدنے میں حرج نہیں، البتہ اس کو وہیں بیچنا منع ہے، منڈی میں لا کر بیچا جائے۔

بَابُ بَيْعِ الزَّبِيْبِ بِالزَّبِيْبِ وَالطَّعَامِ بِالطَّعَامِ (ص ٢٩٠)

منقّی کے عوض منقّی، غلہ کے عوض غلہ بیچنا

١٢٧٣- حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الزَّبِيْبِ بِالْكَرْمِ كَيْلًا.

(ایضاً۔ باب بیع المزابنۃ ص ٢٩١ مسلم نسائی۔ کتاب البیوع)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ مزابنہ یہ ہے کہ تر کھجور کو خشک کھجور اور منقّی کو انگور کے عوض ناپ کر بیچنا۔

١٢٧٤- ح: نَهٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا]

١٢٧٤- عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے، فرمایا: مزابنہ یہ ہے کہ پھل کو ناپ کر بیچے کہ اگر

قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الثَّمَرَ بِكَيْلٍ اِنْ زَادَ فَلِيْ وَاِنْ نَّقَصَ فَعَلَيَّ. (مسلم نسائی۔ کتاب البیوع)

زیادہ ہوا تو میرا نفع ہے اور اگر کم ہوا تو میرا نقصان ہے۔

مزابنہ کا مادہ زبن ہے اس کے اصل معنی دفع کرنے دھکا دینے ٹکر مارنے کے ہیں اور عرف میں اس کے معنی یہ ہیں کہ درخت پر جو پھل ہوں انہیں بیچنا۔ دستور یہ تھا کہ درخت پر جو کھجوریں ہوتیں اس کا اندازہ کر لیتے کہ اتنے وسق ہوں گے ان کو اتنے وسق اُتری ہوئی خشک کھجور کے عوض بیچ دیتے چونکہ یہ جنس کی جنس سے بیع ہے اور کمی زیادتی کا احتمال ہے جو سود ہے اس لیے اس سے منع فرمایا۔ کھجور ہی کی تخصیص نہیں کسی بھی پھل کی اس طرح بیع جائز نہیں۔

امام بخاری نے باب میں ''الطعام'' کا جو اضافہ فرمایا ہے وہ اسی افادے کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ چونکہ حدیث میں صرف تمر اور زبیب کا ذکر ہے تو یہ ممانعت انہیں کے ساتھ خاص ہے۔

ان زاد فلي

یہ قول بائع کا بھی ہو سکتا ہے اب مراد یہ ہو گی کہ زمین پر جو پھل ہے وہ زیادہ یا کم ہو اور مشتری کا بھی قول ہو سکتا ہے۔ اب مطلب یہ ہو گا کہ درخت پر جو پھل ہے وہ زیادہ یا کم ہو۔

بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ (ص۲۹۰)

سونے کو سونے کے عوض بیچنا

١٢٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَّالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَّبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور سونے کو سونے کے برابر برابر ہی بیچو اور چاندی کو چاندی کے عوض برابر برابر ہی بیچو اور سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض جیسے چاہو بیچو۔

(ایضاً۔ باب: بیع الذهب بالورق یدا بید ص۲۹۱ مسلم نسائی۔ کتاب البیوع)

بَابُ بَيْعِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ (ص۲۹۰)

چاندی کے بدلے چاندی بیچنا

١٢٧٦ - حَدَّثَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ اَبَا سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيَّ حَدَّثَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ حَدِيْثًا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ مَّا هٰذَا الَّذِيْ تُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فِي الصَّرْفِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ.

سالم بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ کی حدیث کے مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی تو حضرت عبداللہ بن عمر نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا: اے ابوسعید! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیا بیان کرتے ہیں؟ تو حضرت ابوسعید نے کہا کہ بیع صرف کے بارے میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: سونا سونے کے بدلے برابر برابر اور چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر۔

١٢٧٧ - ح: وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ

[اور ادھار کو نقد کے عوض نہ بیچو]

١٢٧٧ - عَنْ نَّافِعٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِیْعُوْا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ وَّلَا تَبِیْعُوْا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ وَّلَا تَبِیْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ. (مسلم ترمذی نسائی۔ کتاب البیوع)

نافع نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے مت بیچو مگر برابر برابر اور کم زیادہ نہ کرو۔ اور چاندی چاندی کے عوض نہ بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو اور کم زیادہ نہ کرو اور اُدھار کو نقد کے بدلے مت بیچو۔

بَابُ بَیْعِ الدِّیْنَارِ بِالدِّیْنَارِ نَسَاءً (ص۲۹۱)

دینار کو دینار کے عوض ادھار بیچنا

١٢٧٨ - اَنَّ اَبَا صَالِحِ الزَّیَّاتَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ الدِّیْنَارُ بِالدِّیْنَارِ وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ فَقُلْتُ لَهٗ فَاِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا یَقُوْلُهٗ فَقَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ سَاَلْتُهٗ فَقُلْتُ سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ وَجَدْتَّهٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ کُلَّ ذٰلِكَ لَا اَقُوْلُ وَاَنْتُمْ اَعْلَمُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنِّیْ وَلٰکِنْ اَخْبَرَنِیْ اُسَامَةُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رِبًا اِلَّا فِی النَّسِیْئَةِ.

ابوصالح زیات نے خبر دی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دینار دینار سے اور درہم درہم سے برابر برابر بیچا جائے (کمی زیادتی سود ہے) تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے نہیں کہتے۔ اس پر حضرت ابوسعید نے فرمایا: میں نے ان سے پوچھا تھا کہ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے یا کتاب اللہ میں تم نے اسے پایا ہے؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا: یہ سب میں نہیں کہتا اور آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، ہاں مجھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سود صرف ادھار میں ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ سَمِعْتُ سُلَیْمٰنَ بْنَ حَرْبٍ یَّقُوْلُ لَا رِبًا اِلَّا فِی النَّسِیْئَةِ قَالَ هٰذَا عِنْدَنَا فِی الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ وَالْحِنْطَةِ بِالشَّعِیْرِ مُتَفَاضِلًا لَا بَاْسَ بِهٖ یَدًا بِیَدٍ وَّلَا خَیْرَ فِیْهِ نَسِیْئَةً.

(مسلم نسائی۔ کتاب البیوع ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: میں نے سلیمان بن حرب سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ سود صرف ادھار میں ہے۔ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک سونے کو چاندی کے عوض اور گیہوں کو جو کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ ہاتھوں ہاتھ ہو اور ادھار میں بھلائی نہیں۔

مسلم[1] میں بہ طریق سفیان بن عیینہ یہ تفصیل ہے: "الدینار بالدینار والدرهم بالدرهم مثلًا بمثل من زاد او ازداد فقد اربٰی" دینار کے عوض دینار اور درہم کے عوض درہم برابر برابر بیچا جائے، جس نے زیادہ دیا یا لیا، اس نے سود لیا اور دیا۔

امام حاکم نے روایت کیا کہ ابومجلز نے کہا کہ حضرت ابن عباس ایک زمانے تک یہ کہتے تھے کہ بیع صرف میں حرج نہیں، یعنی سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حرج نہیں، یہاں تک کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی اور یہ حدیث بیان کی کہ کھجور کھجور کے، گیہوں گیہوں کے، جو جو کے، سونا سونا کے، چاندی چاندی کے عوض ہاتھوں ہاتھ اور برابر برابر بیچو اور جو زائد ہوگا سود ہوگا تو حضرت ابن عباس نے کہا: میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد بہت سختی کے ساتھ اس سے منع کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۱ ص ۲۹۶)

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۷۔ کتاب البیوع۔ باب الربا

حاصل......(سود کا معیار)

احادیث میں صرف چھ چیزوں کے بارے میں صراحت کے ساتھ سود کی تفصیل آئی ہے: سونا' چاندی' کھجور' گیہوں' جو' نمک۔ ان کے علاوہ اور چیزوں میں سود ہے یا نہیں اور ہے تو کن کن چیزوں میں ہے؟ یہ احادیث میں مذکور نہیں' اسی لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سب سے اخیر میں آیت ربٰو نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور اسے خوب واضح طور پر بیان نہیں فرمایا' اس لیے سود سے بھی بچو اور اس کے شبہے سے بھی بچو۔ (مشکوٰۃ' کتاب البیوع' باب الربا ص ۲۴۶)

مجتہدین کرام نے اپنی خداداد قوتِ استنباط سے ان چھ چیزوں میں کامل غور و خوض کر کے اپنی اپنی صوابدید پر سود کی بنیاد مقرر فرمائی ہے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ سود کی بنیاد' قدر و جنس میں اتحاد ہے۔ اگر دونوں میں اتحاد ہو تو تفاضل بھی سود اور ادھار بھی سود۔ اور اگر صرف ایک میں اتحاد ہو تو تفاضل جائز۔ ادھار اب بھی سود' مثلاً سونے کو چاندی کے عوض بیچا یا بالعکس تو تفاضل جائز اور ادھار حرام اور سود۔

قدر سے مراد وزن اور کیل ہے' اس کا حاصل یہ نکلا کہ سود صرف ان چیزوں میں ہے جو کسی پیمانے سے ناپ یا تول کر بکتی ہیں اور جو چیزیں ناپ یا تول کر نہیں بکتیں' جیسے انڈے یا کپڑے' ان میں سود نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سود کی علت' مطعومات یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں طعم یعنی مزہ اور جو چیزیں ثمن ہیں' ان میں ثمنیت مقرر فرمائی' عوضین کا ایک جنس سے ہونا' اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں انڈے میں بھی سود ہے' اس لیے ان کے یہاں ایک انڈے کے عوض دو انڈے بیچنا جائز نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو ''کیلی'' یعنی ناپ کر بکنے والی بتا دیا ہے' وہ سود کے معاملہ میں کیلی ہی مانی جائیں گی اور اسی طرح جن چیزوں کو وزنی یعنی تول کر بکنے والی بتایا ہے' وہ وزنی ہی مانی جائیں گی' اگرچہ اب رواج بدل گیا ہو' جیسے گیہوں' جو' کھجور' نمک' ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیل بتایا ہے' یعنی صاع وغیرہ پیمانے سے ناپ کر بکنے والی۔ اب تول کر بکنے کا رواج ہو گیا ہے' مگر سود کے معاملے میں سب کیل ہی ہیں' سونے اور چاندی کو موزون بتایا اور یہ اب بھی موزون ہیں اور سود کے معاملے میں ہمیشہ موزون ہی رہیں گے' اگرچہ کبھی ایسا ہو جائے کہ وزن سے نہ بکیں۔

اور جن چیزوں کے بارے میں کچھ وارد نہیں' ان میں عرف کا اعتبار ہوگا' اگر وہ ناپ کر بکتی ہوں تو وہ کیل ہیں اور تول کر بکتی ہوں تو موزون۔ اور اگر عرف بدل جائے تو لین دین کے وقت جو عرف ہوگا' اس کا اعتبار ہے' مثلاً چاول پہلے ناپ کر بکتا تھا' مگر اب تول کر بکتا ہے تو اس وقت وہ موزون ہی مانا جائے گا۔

بَابُ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَهِيَ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَبَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْكَرْمِ وَبَيْعُ الْعَرَايَا (ص ۲۹۱)

بیع مزابنہ' اور یہ سوکھی کھجور کو درخت پر لگی ہوئی کھجور کے عوض اور منقٰی کو بیل میں لگے ہوئے انگور کے عوض بیچنا ہے اور عرایا کی بیع

۱۲۷۹- ح: لَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ

[پھل کو فروخت نہ کرو حتیٰ کہ انتفاع کے قابل ہو جائے]

۱۲۷۹- اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ — حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا تَبِيْعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھل کو اس وقت تک نہ بیچو جب تک وہ انتفاع کے لائق نہ ہو جائیں اور درخت پر لگے ہوئے پھل کو خشک کھجور کے بدلے نہ بیچو۔

بدو صلاحه

صلاح کے معنی لائق ہونا۔ یہاں یہ مراد ہے کہ وہ ایسے ہو جائیں کہ ان سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مسلم[1] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: "حتی تطعم" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث[2] میں ہے: "حتی یو کل منه" یہاں تک کہ وہ کھانے کے لائق ہو جائے۔ اور یہ ہر پھل میں مختلف ہے، کھجوروں کا جب کچھ حصہ زرد یا سرخ ہو جاتا ہے تو اسے کھانے لگتے ہیں۔ ہمارے دیار میں آم ایسا پھل ہے کہ اس میں جب ترشی آ جاتی ہے تو اسے استعمال کرنے لگتے ہیں، مثلاً چٹنی میں۔ کیلا بالکل کچا ہو تو بھی ترکاری کے کام آتا ہے، اس لیے اس کی کوئی واضح حد مقرر نہیں، کسی بھی طرح جب وہ استعمال کے لائق ہو جائے تو اس کا بیچنا جائز ہے۔ قابل انتفاع ہونے سے پہلے اس کی بیع ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ قابل انتفاع نہیں تو مال نہیں، نیز تنازع کا اندیشہ قوی ہے۔

۱۲۸۰- ح: نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا]

۱۲۸۰- عَنْ اَبِیْ سُفْيَانَ مَوْلٰى ابْنِ اَبِیْ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ فِیْ رُءُوْسِ النَّخْلِ.

(مسلم۔ کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا، درختوں میں جو پھل ہوں، انہیں خشک کھجور کے عوض خریدنے کو مزابنہ کہتے ہیں۔

محاقلہ کا مادہ "حَقْلٌ" ہے، عمدہ قابل کاشت زمین، کھیتی جب تک ہری رہے۔ خوشے کے اندر جو دانے ہوں، ان کو صاف کردہ دانوں کے عوض بیچنا۔ مزابنہ اور محاقلہ کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا امکان ہے کہ ان دونوں میں سے ایک زیادہ اور ایک کم ہو۔ اور یہ جنس سے جنس کی بیع ہے، جس میں کمی یا زیادتی سود ہے۔

۱۲۸۱- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

۱۲۸۲- ح: اَرْخَصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ اَنْ يَّبِيْعَهَا [عریہ کے مالک کو اجازت دی کہ وہ اسے فروخت کرے]

۱۲۸۲- عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰهُ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۱۱۔ کتاب البیوع۔ باب: من باع نخلا وعلیها ثمر

[2] مسلم۔ ج ۲ ص ۸۔ کتاب البیوع۔ باب: النهی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها

عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْخَصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ اَنْ يَّبِيْعَهَا بِخَرْصِهَا.

ﷺ نے عریہ کے مالک کو اس کی اجازت دی کہ وہ اسے اندازے سے بیچے۔

(ایضاً۔باب:تفسیر العرایا ص ۲۹۲' کتاب المساقاۃ۔باب: الرجل یکون له ممرا وشرب فی حائط ص ۳۲۰' مسلم۔کتاب البیوع ترمذی۔نسائی۔کتاب الشروط' ابن ماجہ۔کتاب التجارات)

یہ حدیث تعلیقاً اسی باب میں تین احادیث سے پہلے بہ طریق سالم' ان الفاظ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد تر یا خشک کھجور کے عوض عریہ کے بیع کی اجازت دی' اس کے علاوہ اور کسی میں نہیں دی۔

بَابُ بَيْعِ الثَّمَرِ عَلٰى رُءُوْسِ النَّخْلِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (ص ۲۹۱)

درخت کے پھل کی سونے اور چاندی کے عوض بیع

١٢٨٣ - عَنْ عَطَاءٍ وَّاَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَطِيْبَ وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِّنْهُ اِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ اِلَّا الْعَرَايَا. (ابوداؤد۔کتاب البیوع' ابن ماجہ۔کتاب التجارات)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے پھل کے بیچنے سے منع فرمایا' جب تک لذیذ نہ ہو جائے اور سوائے عرایا کے ان میں سے کسی کو دینار و درہم کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض نہ بیچا جائے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو سونے چاندی یا کسی بھی ثمن اصطلاحی کے عوض بیچنا جائز ہے' اگرچہ ادھار ہو اور اس جنس سے بیچنا بہر حال منع ہے۔ اس کے علاوہ اور جنس سے بیچنے میں اگر بیع نقد ہو کہ مشتری اسی مجلس میں قیمت ادا کر دے اور درخت کا پھل اُتار لے تو جائز ہے اور ادھار ممنوع ہے' بشرطیکہ وہ جس کے عوض بیچا ہو مکیل ہو ورنہ ادھار بھی جائز ہے۔

١٢٨٤ - ح: رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فِيْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ

[آپ (ﷺ) نے پانچ وسق میں عرایا کی بیع کی اجازت دی]

١٢٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكًا وَّسَاَلَهٗ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ الرَّبِيْعِ اَحَدَّثَكَ دَاوُدُ عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فِيْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ قَالَ نَعَمْ.

(مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔کتاب البیوع۔کتاب الشروط)

عبداللہ بن عبدالوہاب نے کہا: میں نے امام مالک سے سنا اور ان سے عبیداللہ بن ربیع نے پوچھا تھا کہ کیا آپ سے داؤد نے ابوسفیان سے روایت کرتے ہوئے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے؟ نبی ﷺ نے پانچ وسق یا اس سے کم میں عرایا کے بیع کی اجازت دی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں!

عبیداللہ کے والد ربیع' ابوجعفر منصور عباسی شہنشاہ کے حاجب ہیں' انہیں کا بیٹا فضل شہنشاہ ہارون رشید کا بعد میں وزیر ہوا۔ ابوسفیان وہی ہیں جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں' یعنی اُم المؤمنین حضرت زینب کے بھتیجے ابواحمد بن جحش کے بیٹے کے غلام۔ محدثین کی اصطلاح یہ ہے کہ شیخ تلمیذ پر قراءت کرے تو اسے "حدثک" سے بیان کرتے اور تلمیذ شیخ پر قراءت کرے تو اسے اخبرنا سے روایت کرتے ہیں۔ اس سند میں یہ ہے کہ عبداللہ بن عبدالوہاب کے سامنے عبیداللہ بن ربیع نے امام مالک کو حدیث پڑھ کر سنائی۔ اور امام مالک نے ہاں کہا' تو اسے بھی امام بخاری نے "حدثنا" سے تعبیر فرمایا' حالانکہ اسے "اخبرنا" سے تعبیر کرنا چاہیے تھے۔ یہ کوئی

اعتراض کی بات نہیں۔ نزہۃ القاری، ج ۱ ص ۱۶۶، اور ۳۳۷ پر گزر چکا کہ امام بخاری کے نزدیک "اخبرنا" اور "حدثنا" ہم معنی ہیں۔ اس مخصوص طریقے کو محدثین کی اصطلاح میں "عرض السامع" کہتے ہیں۔ حضرت امام مالک اس طریقے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ نے حدیث بیان کی تو اس کا احتمال رہتا ہے کہ تلمیذ سے اس کے ضبط میں کچھ نقص رہ جائے، مگر جب تلمیذ نے خود حدیث پڑھ کر سنائی اور شیخ نے سن کر اس کی تصدیق میں نعم کہا تو ضبط میں کسی نقص کا احتمال نہ رہا۔

او دون خمسة اوسق

یہ شک داؤد بن حصین سے ہوا، جیسا کہ مسلم[1] میں ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عرایا میں اس کی اجازت ہے کہ درخت پر جو پھل ہوں ان کا تخمینہ لگا کر سوکھی کھجوروں کے عوض بیچے جبکہ وہ پانچ وسق یا اس سے کم ہوں، مثلاً یہ تخمینہ لگایا کہ درخت پر چار وسق کھجوریں ہیں، ان کو چار وسق سوکھی کھجوروں کے عوض بیچ دیا۔ غالباً پانچ وسق کی تحدید اس وجہ سے ہے کہ اس عہد میں پانچ وسق سے زیادہ کھجوریں ایک درخت میں نہیں ہوتی تھیں۔

۱۲۸۵- ح: رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تخمینہ لگا کر عریہ کی فروخت میں اجازت دی]

۱۲۸۵- قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ سَمِعْتُ بُشَيْرًا قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ اَبِيْ حَثْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَرَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا يَاْكُلُهَا اَهْلُهَا رُطَبًا وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً اُخْرٰى اِلَّا اَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَبِيْعُهَا اَهْلُهَا بِخَرْصِهَا يَاْكُلُوْنَهَا رُطَبًا قَالَ هُوَ سَوَاءٌ قَالَ سُفْيَانُ فَقُلْتُ لِيَحْيٰى وَاَنَا غُلَامٌ اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فَقَالَ وَمَا يُدْرِيْ اَهْلُ مَكَّةَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَرْوُوْنَهُ عَنْ جَابِرٍ فَسَكَتَ قَالَ سُفْيَانُ اِنَّمَا اَرَدْتُّ اَنَّ جَابِرًا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لِسُفْيَانَ وَلَيْسَ فِيْهِ نَهْيٌ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ قَالَ لَا.

(بخاری۔ کتاب المساقات۔ باب: الرجل يكون له ممر او شرب فی حائط ص ۳۲۱، مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب البیوع، نسائی۔ کتاب البیوع۔ کتاب الشروط)

حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کے پھل کا تخمینہ لگا کر خشک کھجوروں کے عوض بیچنے سے منع فرمایا ہے، ہاں عریہ میں اس کی اجازت دی ہے، تاکہ اس کے مالک تر کھجوریں کھائیں اور سفیان (بن عیینہ) نے دوسری بار یہ کہا: ہاں! عریہ میں تخمینے کے ساتھ بیچنے کی اجازت دی تاکہ اس کے مالک تر کھجوریں کھائیں اور کہا کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ سفیان نے کہا: میں نے یحییٰ سے کہا اور میں اس وقت بچہ تھا کہ مکہ والے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کے بیچنے کی اجازت دی ہے۔ اس پر یحییٰ نے کہا کہ اہل مکہ کو کیسے معلوم ہوا؟ میں نے بتایا کہ وہ لوگ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں، تو وہ خاموش رہے۔ سفیان نے کہا: میری مراد یہ تھی کہ حضرت جابر اہل مدینہ سے ہیں (وہ خوب جانتے ہیں)، سفیان سے پوچھا گیا کہ اس حدیث میں یہ نہیں کہ قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھل کی بیع ممنوع ہے، بتایا کہ یہ نہیں ہے۔

حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ

ان کا نام عامر بن ساعدہ ہے اور کنیت ابویحییٰ یا ابومحمد انصاری مدنی صحابی ہیں۔ یہ صغار صحابہ میں ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] مسلم ج ۲ ص ۹، کتاب البیوع، باب: تحریم الرطب بالتمر الا فی العرایا

وصال کے وقت یہ سات آٹھ سال کے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت زید بن ثابت اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں واصل بحق ہوئے۔

(الاصابہ۔ ج۲ ص۸۶)

یاکلھا اھلھا

''یاکلھا'' کی ضمیر منصوب متصل کا مرجع اثمار ہے، جس پر ''خرص'' دلالت کر رہا ہے کہ ان پھلوں کو وہ کھائے جو خریدنے کے بعد اس کا مالک ہے، یعنی خریدار۔

یاکلونھا

اس میں ضمیر منصوب متصل کا مرجع پہلے جمع کی طرح الثمار ہے اور ضمیر مرفوع متصل کا مرجع اہل مخروص ہیں، یعنی جن کے لیے تخمینہ لگایا گیا، یعنی مشتری۔ اس طرح دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہوا۔ ''ھو سواء'' کا مطلب یہی ہے۔

انا غلام

سفیان بن عیینہ کے اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ میں کم سنی ہی سے حدیث سنتا آیا ہوں، اور وہ بھی پوری تحقیق کے ساتھ۔ اور میں کم سنی ہی میں اپنے شیوخ سے علمی بحث کر لیتا تھا۔ یہ اپنی ذہانت و فطانت کے اظہار کے لیے فرمایا، بہ وقت ضرورت اپنا فضل و کمال بیان کرنا مذموم نہیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے فرمایا: ''اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ'' (یوسف:۵۵)

بَابُ تَفْسِيْرِ الْعَرَايَا (ص ۲۹۲) — عرایا کی تفسیر

توضیح

اس سے قبل گزر چکا کہ عرایا، عریہ کی جمع ہے، اس کا مادہ ''عُـــرْیٌ'' ہے، جس کا معنی ننگا ہونا ہے، یہاں بہ معنی عطیہ ہے، وہ کھجور کا درخت جو کسی کو اس لیے دیا گیا ہو کہ اس کا پھل کھالے۔

ت ۴۱۳ - وَقَالَ مَالِكٌ اَلْعَرِيَّةُ اَنْ يُّعْرِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ النَّخْلَةَ ثُمَّ يَتَاَذّٰى بِدُخُوْلِهٖ عَلَيْهِ فَرُخِّصَ لَهٗ اَنْ يَّشْتَرِيَهَا مِنْهُ بِتَمْرٍ.

اور امام مالک نے فرمایا: عریہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کھجور کا درخت (پھل کھانے کے لیے) دے دے، پھر اس کے باغ کے اندر آنے جانے سے اذیت ہو تو اسے یہ اجازت دی گئی کہ اس کے پھل کو خشک کھجوروں کے عوض خرید لے۔

ت ۴۱۴ - وَقَالَ ابْنُ اِدْرِيْسَ الْعَرِيَّةُ لَا تَكُوْنُ اِلَّا بِالْكَيْلِ مِنَ التَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ وَلَا يَكُوْنُ بِالْجِذَافِ.

اور ابن ادریس نے فرمایا: یہ اسی وقت جائز ہے کہ ثمن میں جو خشک کھجور دی جائے وہ ناپ کر دی جائے اور عقد کی مجلس ہی میں دی جائے، اندازے سے نہ ہو۔

امام مالک کے ارشاد کو علامہ ابن عبدالبر نے سند متصل کے ساتھ بہ طریق ابن وہب روایت کیا ہے۔ ابن ادریس سے کون بزرگ مراد ہیں، اس میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن تین نے کہا کہ اس سے مراد عبداللہ راوی کوفی ہیں۔ اکثر شارحین کی یہی رائے ہے۔ علامہ مزی نے یقین کے ساتھ کہا کہ یہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس طرح حضرت امام شافعی کا تذکرہ صحیح بخاری میں دو جگہ ہوا۔ ایک یہاں اور ایک کتاب الزکوۃ میں۔ علامہ ابن بطال کو اس میں تردد ہے کہ یہ کون صاحب ہیں۔

"وَمِمَّا يُقَوِّيهِ قَوْلُ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ بِالْأَوْسُقِ الْمُوَسَّقَةِ" اور جن باتوں سے اسے قوت ملتی ہے' حضرت سہل بن ابی حثمہ کا یہ قول بھی ہے کہ وہ کھجور وسق سے ناپی ہوئی ہو۔

یہ قول ابن ادریس کا ہے یا امام بخاری کا؟ دونوں کا احتمال ہے۔ علامہ ابن بطال کی رائے ہے کہ یہ امام بخاری کا قول ہے اور امام مزی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت امام شافعی کا ارشاد ہے۔

الاوسق الموسقة

"الاوسق الموسقة" سے مراد یہ ہے کہ درخت کے پھل کے عوض جو خشک کھجوریں دی جائیں وہ وسق یا کسی بھی پیمانے سے ناپی ہوئی ہوں' یہ ترکیب ایسی ہی ہے' جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اَلْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. (آل عمران:١٤) اور اوپر تلے چاندی سونے کے ڈھیر۔

ت ٤١٥- وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَتِ الْعَرَايَا أَنْ يُعْرِيَ الرَّجُلُ فِي مَالِهِ النَّخْلَةَ وَالنَّخْلَتَيْنِ.

اور امام ابن اسحاق نے اپنی حدیث میں نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہا: عرایا کی صورت یہ تھی کہ کوئی اپنے مال میں سے ایک دو کھجور کے درخت کسی کو پھل کھانے کے لیے دے دے۔

حضرت امام بخاری نے عرایا کی تفسیر کو حضرت امام محمد بن اسحاق کی حدیث کا جز بتایا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی سند سے انہیں اس حدیث کے ساتھ یہ تفسیر ملی ہو۔ امام بخاری کے ساتھ جو ہمارا اعتقاد ہے' اس کے مطابق ہم یہی کہیں گے' مگر کتب حدیث کے تتبع سے یہ ظاہر ہے کہ ان کی اس حدیث کے ساتھ یہ تفسیر کہیں مذکور نہیں۔ امام ترمذی[1] نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے' اس میں یہ تفسیر نہیں' امام ابوداؤد[2] نے صرف تفسیر ذکر کی ہے' نہ یہ حدیث ذکر کی ہے نہ کوئی اور حدیث۔

افادہ..... (امام محمد بن اسحٰق صاحب مغازی ثقہ اور حجت ہیں)

امام محمد بن اسحاق پر دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولانا اشرفعلی تھانوی نے اپنی تحریر میں انتہائی رکیک جرحیں کی ہیں' جن کے مدلل جوابات مسند الوقت حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ ابوالبرکات محی الدین مصطفیٰ رضا قدس سرہٗ نے وقایہ اہل سنت میں دیئے ہیں' جن کے بہ ضرورت اقتباس عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق رضوی' استاذ جامعہ اشرفیہ' مبارک پور نے اپنے رسالے (اذان خطبہ کہاں ہو؟) میں نقل کر دیئے ہیں۔ یہاں مجھے یہ بتانا ہے کہ امام ابن اسحٰق اس پائے کے امام ہیں کہ حضرت امام بخاری نے ان کے قول کو بہ طور سند ذکر فرمایا ہے' وہ بھی احکام میں۔ اس سے ثابت کہ امام ابن اسحٰق ان کے نزدیک صرف ثقہ ہی نہیں' حجت ہیں۔

ت ٤١٦- وَقَالَ يَزِيدُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ الْعَرَايَا نَخْلٌ كَانَتْ تُوهَبُ لِلْمَسَاكِينِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَنْتَظِرُوا بِهَا رُخِّصَ لَهُمْ أَنْ يَبِيعُوهَا بِمَا شَاءُوا مِنَ التَّمْرِ.

اور سفیان بن حسین سے روایت کرتے ہوئے یزید نے کہا کہ عرایا وہ کھجور کے درخت ہیں جو مسکینوں کو (پھل کھانے کے لیے) دے دیئے جاتے تھے اور وہ مسکین پھل کے تیار ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے' اس لیے ان لوگوں کو اجازت ﷺ دی گئی اسے جتنی سوکھی کھجوروں کے عوض چاہیں بیچ دیں۔

---

1. ترمذی۔ ج ١ ص ١٥٦۔ کتاب البیوع۔ باب: فی العرایا
2. ابوداؤد۔ ج ٢ ص ١٢٢۔ کتاب البیوع۔ باب: تفسیر العرایا

اس تعلیق کو امام احمد نے اپنی مسند[1] میں موصولاً روایت کیا ہے۔ یہ یزید یزید بن ہارون مشہور محدث ہیں۔

بَابُ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا (ص ۲۹۲)

قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع

ت ۴۱۷ - عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَايَعُونَ الثِّمَارَ فَإِذَا جَدَّ النَّاسُ وَحَضَرَ تَقَاضِيهِمْ قَالَ الْمُبْتَاعُ إِنَّهُ أَصَابَ الثَّمَرَ الدُّمَانُ أَصَابَهُ مُرَاضٌ أَصَابَهُ قُشَامٌ عَاهَاتٌ يَحْتَجُّونَ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَتْ عِنْدَهُ الْخُصُومَةُ فِي ذٰلِكَ فَإِمَّا لَا فَلَا تَتَبَايَعُوا حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ كَالْمَشُورَةِ يُشِيرُ بِهَا لِكَثْرَةِ خُصُومَتِهِمْ وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ لَمْ يَكُنْ يَبِيعُ ثِمَارَ أَرْضِهِ حَتّٰى تَطْلُعَ الثُّرَيَّا فَيَتَبَيَّنَ الْأَصْفَرُ مِنَ الْأَحْمَرِ۔

حضرت سہل بن ابو حثمہ انصاری جو بنی حارثہ کے ایک فرد تھے نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی کہ انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ پھلوں کو خرید لیتے اور جب پھل کاٹے جاتے اور طرفین بدلین پر قبضہ کرنے آتے تو خریدار کہتا کہ پھل کو دمان لگ گیا' اسے بیماری لگ گئی' اسے قشام لگ گیا اور پھلوں کی بیماریوں کا ذکر کرتے' طے شدہ قیمت سے کم دینے پر جھگڑا کرتے۔ جب حضور کی خدمت میں یہ جھگڑے بہ کثرت آنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ خرید وفروخت نہیں چھوڑ سکتے تو جب تک پھل قابل انتفاع نہ ہو جائیں مت بیچو اور خارجہ بن زید نے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جب تک ثریا طلوع نہ کر لیتی اپنی زمین کے پھلوں کو نہ بیچتے' اس وقت زرد' سرخ سے ممتاز ہو جاتا۔

امام بخاری نے اس تعلیق کو امام لیث بن سعد سے بہ طریق ابو الزناد ذکر کیا ہے۔ حضرت لیث بن سعد کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی ہے' اور امام بخاری کی ولادت ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں ہوئی' اس لیے یہ مسند نہیں معلق ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے[2] مگر اس کی سند میں امام لیث نہیں۔ دمان' قشام' مخصوص بیماریاں ہیں جو کھجوروں کے پھلوں میں تیار ہونے سے پہلے لاحق ہو جاتی تھیں۔ جن کی وجہ سے پھل خراب ہو جاتے یا جھڑ جاتے یا خوب اچھی طرح بڑھ نہیں پاتے تھے۔ مُراض' مطلقاً ہر بیماری کو کہتے ہیں' جھگڑا یہ ہوتا کہ خریدار یہ کہتا کہ بیماری کی وجہ سے پھل کم آئے ہیں' خراب آئے ہیں' اس لیے مقررہ قیمت نہیں دوں گا' کم دوں گا۔

كالمشورة

یہ حضرت زید بن ثابت کا اجتہاد ہے' ورنہ دوسری احادیث کثیرہ اس پر نص ہیں کہ قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع سے قطعی ممانعت فرما دی گئی ہے۔ جن میں سے کئی حدیثیں گزر چکی ہیں اور کچھ آگے آ رہی ہیں' یا ہو سکتا ہے کہ ابتداءً بہ طور مشورہ منع فرمایا ہو اور بعد میں قطعی ممانعت فرما دی۔

فَإِمَّا لَا

اس میں ان شرطیہ کے ساتھ "ما" تاکید کے لیے زائد ہے' یعنی اگر درختوں پر پھل کی خریداری نہیں چھوڑ سکتے' الخ۔

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۱۹۲ [2] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۲۲۔ کتاب البیوع۔ باب: فی بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا

حتی تطلع الثریا

یہ ثروی کی تصغیر ہے، جس کے معنی مال دار عورت کے ہیں اور برج ثور کی گردن میں چھ ستاروں کے مجموعے کا نام ہے جو جھومر کی طرح اکٹھے ہیں، جسے فارسی میں پروین کہتے ہیں۔ اس کے طلوع ہونے سے مراد فجر کے وقت طلوع ہونا ہے، عرب کا یہی عرف ہے کہ وہ ستارے کے طلوع سے فجر کے وقت طلوع مراد لیتے ہیں۔ ثریا حجاز میں، ہندی اساڑھ کے مہینے میں طلوع ہوتا ہے، جبکہ گرمی وہاں پورے شباب پر ہوتی ہے، اس وقت تک کھجوریں تیار ہو جاتی ہیں اور بیماریوں کے خطرے سے باہر ہو جاتی ہیں۔ مسند امام اعظم میں حضرت عطاء سے مروی ہے کہ فرمایا: جب ثریا طلوع ہو جاتی ہے تو پھلوں سے آفت اُٹھالی جاتی ہے۔ علامہ ابن حجر نے یہ حدیث مسند امام اعظم کے حوالے سے فتح الباری میں نقل کی ہے، یہ دلیل ہے کہ مسند امام اعظم ان کے نزدیک بھی حجت ہے۔

ابوداؤد[1] میں بہ طریق عطاء، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع ہے کہ فرمایا: جب ثریا صبح کے وقت طلوع ہوتی ہے تو ہر شہر سے آفت اُٹھالی جاتی ہے۔ نیز مسند امام احمد[2] میں بھی ایک جگہ ہے: "من کل بلدر" کے حذف کے ساتھ ہے۔ نیز اسی میں دوسری روایت[3] میں یہ ہے: جب بھی ثریا صبح کو طلوع کرتی ہے تو اگر کوئی آفت آنے والی ہوتی ہے تو اُٹھالی جاتی ہے یا اس میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

۱۲۸۶- ح: نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

[انتقاع سے قبل پھلوں کی فروخت پر ممانعت]

۱۲۸۶- عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ.

(مسلم، ابوداؤد۔ کتاب البیوع)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا۔

۱۲۸۷- ح: نَهٰى اَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ حَتّٰى تُشَقِّحَ

[پھلوں کے رنگ پکڑنے سے قبل فروخت پر ممانعت]

۱۲۸۷- ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مِيْنَاءَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ حَتّٰى تُشَقِّحَ قَالَ تَحْمَارَّ اَوْ تَصْفَارَّ وَيُؤْكَلُ مِنْهَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ پکڑنے سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، یعنی سرخ ہونے لگے یا زرد ہونے لگے اور کھانے کے لائق ہو جائے

حضرت جابر کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کھجور کے قابل انتفاع ہونے کی حد یہ ہے کہ وہ رنگ پکڑ لے اور وہ اس لائق ہو جائے کہ لوگ اسے کھانے لگیں۔ یہ ہر پھل میں مختلف ہوتا ہے، جسے ہر دیار میں لوگ اپنے یہاں کے پھلوں کے بارے میں جانتے ہیں۔

بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ قَبْلَ اَنْ

کھجور کے درخت کے پھل کو قابل

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۲ ص ۴ [2] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۴۱ [3] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۸۸

يَبْدُوَ صَلَاحُهَا (ص ٢٩٢)

انتفاع ہونے سے پہلے بیچنا

١٢٨٨ - اَنَا حُمَيْدٌ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا وَعَنِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ قِيْلَ وَمَا تَزْهُو قَالَ تَحْمَارُّ اَوْ تَصْفَارُّ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَتَبْتُ اَنَا عَنْ مُّعَلَّى بْنِ مَنْصُوْرٍ اِلَّا اِنِّيْ لَمْ اَكْتُبْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْهُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کی بیع سے جب تک قابل انتفاع نہ ہو جائیں اور درخت پر کھجور کی بیع سے جب تک رنگ نہ پکڑے' منع فرمایا۔ عرض کیا گیا: رنگ پکڑنے کا کیا مطلب؟ تو فرمایا: سرخ ہونے لگے یا زرد ہونے لگے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: میں نے معلّٰی بن منصور کی حدیث لکھی مگر یہ حدیث ان سے نہیں لکھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تفصیل ہے: ثمر یعنی عام پھلوں کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ قابل انتفاع ہونے سے پہلے بیچنا منع ہے۔ اس کے لیے کوئی خاص علامت مقرر نہیں فرمائی۔ یہ ہر پھل اور ہر مقام کے لحاظ سے الگ ہے۔ کھجور ان کے شہروں کی چیز ہے' اس کی علامت بیان فرمادی کہ جب تک وہ سرخ یا زرد نہ ہونے لگے' بیچنا منع ہے۔ اور زھو کے معنی پوچھنے والے خود حمید طویل تھے' جیسا کہ پانچ ابواب کے بعد باب بیع المخاضرۃ میں ہے: ''فقلنا لانس و ما زهوها'' ہم نے حضرت انس سے کہا: اس کا رنگ پکڑنا کیا ہے؟

بَابٌ اِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ اَنْ يَّبْدُوَ صَلَاحُهَا ثُمَّ اَصَابَتْهُ عَاهَةٌ فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ (ص ٢٩٣)

قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کو بیچا' پھر اسے کوئی آفت آ پہنچی تو جو نقصان ہوا' وہ بائع کا ہوا

توضیح باب

امام بخاری کے اس فرمانے سے کہ بیع کے بعد کوئی آفت آ پہنچی تو جو نقصان ہوا وہ بائع کا ہوا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع ان کے نزدیک صحیح ہے' کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی آفت نہیں پہنچی یا جو پھل آفت سے بچ جائے' وہ مشتری کے ہیں۔ اور یہ حکم اسی وقت ہوگا جب بیع درست ہو۔

١٢٨٩ - ح: اَرَاَيْتَ اِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ

[تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ پھلوں کو (تیار ہونے سے قبل فروخت سے) منع فرمائے؟]

١٢٨٩ - فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ مَّالَ اَخِيْهِ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ! (تم لوگ پھلوں کو قابل انتفاع ہونے سے پہلے بیچتے ہو) اگر اللہ پھل کو تیار ہونے سے پہلے روک دے تو تم کس چیز کے عوض اپنے بھائی کا مال لوگے؟

قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت کی یہ علت ہے' یعنی بائع نے تو یہ سمجھ کے قیمت طے کی تھی کہ اس درخت پر مثلاً پانچ وسق پھل تیار ہوں گے تو جو قیمت طے ہوئی' پانچ وسق کی طے ہوئی۔ جب کسی آفت کی وجہ سے پھل کا کل یا بعض تباہ ہو گیا تو کل کی قیمت یا بعض کی بلا کسی عوض کے اسے دینی پڑے گی' اس لیے یہ بیع درست نہیں۔

اور امام بخاری نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جتنے پھل تباہ ہوئے' ان کے تناسب سے قیمت کم کر دی جائے' لیکن اس میں کتنا اختلاف اور تنازع ہوگا' ظاہر ہے' اس لیے اس ارشاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بیع صحیح ہے اور جو نقصان ہوا

اس کی مقدار قیمت کم کر دی جائے یا اسے بائع پورا کرے بلکہ اس بیع کے حرام ہونے کی علت ہے اور یہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں۔

ت ۴۱۸ - قَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ ثَمَرًا قَبْلَ اَنْ يَّبْدُوَ صَلَاحُهُ ثُمَّ اَصَابَتْهُ عَاهَةٌ كَانَ مَا اَصَابَهُ عَلٰى رَبِّهٖ.

ابن شہاب نے کہا: اگر کوئی قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کو خرید لے، پھر اسے کوئی آفت پہنچ جائے تو جتنا برباد ہوا، وہ اس کے مالک کا ہے۔

احناف کے یہاں یہ بیع فاسد ہے لیکن اگر عقد کے بعد مشتری نے درخت پر قبضہ کر لیا اور جو برباد ہو گیا تو وہ مشتری کا گیا، بائع پر کوئی تاوان نہیں، اور اگر مشتری کے قبضے سے پہلے برباد ہوا تو بائع کا ضائع ہوا، اور اگر کل برباد ہو گیا تو ثمن کا مستحق نہیں۔

بَابٌ اِذَا اَرَادَ بَيْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ خَيْرٍ مِّنْهُ (ص ۲۹۳)

جب کھجور کو اس سے اچھی کھجور کے عوض بیچنا چاہے

۱۲۹۰ - عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَآءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَاْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا.

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر ایک صاحب کو عامل بنایا، وہ عمدہ کھجوریں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ عرض کیا: نہیں، بخدا! یا رسول اللہ! ہم ایک صاع دو صاع کے عوض اور دو صاع تین صاع کے عوض لیتے ہیں، فرمایا: ایسا مت کرو! ملی جلی کو درہم کے عوض بیچو اور درہم کے عوض عمدہ کھجوریں خریدو۔

(بخاری، کتاب الوکالۃ، باب: الوکالۃ فی الصرف والمیزان ص ۳۰۸، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: استعمال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اھل خیبر ص ۶۰۵، کتاب الاعتصام۔ باب: اذا اجتھد العامل والحاکم فاخطأ ص ۱۰۹۲، مسلم، نسائی۔ کتاب البیوع)

کتاب الاعتصام میں آخر میں یہ زائد ہے: ایسا مت کرو، برابر برابر خریدو یا اسے بیچو اور اس کی قیمت سے اسے خریدو اور ایسا ہی تول میں بھی کرو۔ جن صاحب کو عامل بنایا تھا، ان کا نام سواد بن غزیہ یا مالک بن صعصعہ تھا۔ اول الذکر انصار کے حلیف ہیں اور دوسرے صاحب خزرجی مازنی انصاری ہیں۔ جمع سے ہر قسم کی ملی جلی کھجوریں مراد ہیں۔ عادت یہی تھی کہ جتنی بھی کھجوریں وصول ہوتیں، اچھی خراب ملا دی جاتیں، چونکہ کھجوریں سب ایک جنس کی ہیں، اس لیے کمی بیشی کے ساتھ ان کی بیع سود ہے اگرچہ مبیع خراب ہو اور ثمن عمدہ یا اس کے برعکس۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بہ وقت ضرورت حیلہ جائز ہے، کیونکہ کمی بیشی کے ساتھ کھجوریں کھجوروں کے عوض بیچیں یا ردی کھجوروں کو نقد کے بدلے بیچ کر اس نقد سے عمدہ کھجوریں خریدیں۔ دونوں کا حاصل ایک ہوا، اس لیے اس کی حیثیت حیلے ہی کی ہوئی۔

بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ اُبِّرَتْ اَوْ اَرْضًا مَزْرُوْعَةً اَوْ بِاِجَارَةٍ (ص ۲۹۳)

جس نے کھجور کا تابیر شدہ درخت یا فصل لگا ہوا کھیت بیچا یا کرایہ پر لیا تو اس درخت کا پھل اور کھیتی اس کی ہے

۱۲۹۱ - عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَيُّمَا نَخْلٍ بِيعَتْ قَدْ أُبِّرَتْ لَمْ يُذْكَرِ الثَّمَرُ فَالثَّمَرُ لِلَّذِي أَبَّرَهَا وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ وَالْحَرْثُ سَمّٰى لَهُ نَافِعٌ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع سے مروی ہے کہ جو تابیر شدہ کھجور کا درخت بیچا گیا اور پھل کا تذکرہ نہیں کیا گیا تو پھل تابیر کرنے والے کا ہے اور ایسے ہی غلام اور کھیت۔ نافع نے ان تینوں کا نام لے کر ذکر کیا۔

یہ حدیث امام بخاری نے اپنے شیخ ابراہیم سے برسبیل مذاکرہ سنی ہے اسی لیے ابتداء سند میں "قال لی ابراھیم" کہا اور یہ حدیث نافع پر موقوف ہے اگرچہ اس کے اجزاء دوسری سندوں کے ساتھ مرفوعاً بھی مروی ہیں۔ باب بیع النخلہ باصلہ میں اس کا پہلا جز مرفوعاً مروی ہے۔ اس میں یہ زائد ہے: "ثم باع باصلها" تابیر کے بعد اس درخت کو تنے کے ساتھ بیچا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تابیر کے بعد اگر صرف درخت بیچا تو پھل بائع کا ہے۔ اسی طرح فصل بھی بائع کی ہے اسی طرح غلام بیچا اور اس کے پاس کچھ مال ہے تو مال بائع کا ہے جبکہ عقد کے وقت یہ تصریح نہ ہو کہ درخت مع پھل کے اور کھیت مع فصل کے اور غلام مع مال کے خرید رہا ہوں اور اگر یہ تصریح کر دی ہو تو یہ سب مشتری کے ہوں گے۔

قد ابرت

تابیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کھجور کے شگوفے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک کو مادہ کہتے ہیں اور ایک کو نر، مادہ شگوفے کو تھوڑا سا چیر کر اس میں نر شگوفے کا کچھ حصہ ڈال دیتے ہیں جسے اُردو میں گابھا دینا بولتے ہیں اور عربی میں تابیر اور تلقیح۔

مطابقت باب

یہ حدیث باب کے دو پہلے والے اجزاء سے صراحۃً مطابق ہے اور اجارے کے ساتھ لزوماً کہ جب بیع کے باوجود جو بائع کی ملک کی بالکلیہ زوال کی موجب ہے۔ پھل اور فصل بائع کی ہے تو اجارے میں بہ درجۂ اولیٰ ہو گی کیونکہ اجارے میں درخت اور کھیت مالک کی ملکیت ہی میں رہتے ہیں مگر چونکہ مالک نے از خود معینہ مدت تک اس سے نفع حاصل کرنے کا حق مستاجر کو دے دیا ہے اس لیے وہ اتنی مدت تک ان سے نفع نہیں حاصل کر سکتا۔

۱۲۹۲ - ح: مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ

[جس نے تابیر شدہ کھجور کا باغ بیچا]

۱۲۹۲ - عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تابیر شدہ کھجور کا درخت بیچا تو اس کا پھل بائع کے لیے ہے مگر یہ کہ مشتری شرط کر لے کہ پھلوں کے ساتھ خریدتا ہوں۔

(ایضا۔باب: بیع النخل باصلہ ص ۲۹۳' کتاب المساقاۃ۔باب: الرجل یکون لہ ممر ص ۳۲۰' مسلم' ابوداؤد' کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

بَابُ بَيْعِ الزَّرْعِ بِالطَّعَامِ كَيْلًا (ص ۲۹۳)

فصل کو ناپے ہوئے غلے کے عوض بیچنا

۱۲۹۳ - عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ أَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَإِنْ كَانَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنت سے منع فرمایا' مثلاً اپنے باغ کے کھجور کے پھل کو خشک کھجور کے عوض ناپ کر بیچے اور اگر انگور ہے تو اسے منقّی کے عوض ناپ کر

كَرْمًا اَنْ يَّبِيْعَهُ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا وَّاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَّبِيْعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَّهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ.

بیچے اور اگر فصل ہے تو اسے ناپے ہوئے غلے کے عوض بیچے' ان سب سے منع فرمایا۔

(مسلم' ابوداؤد۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

او كان زرعا

کھیت میں فصل رہتے ہوئے اندازہ کر کے کہ اس میں اتنا غلہ ہے' مثلاً دس وسق' اسے دس وسق غلے کے عوض بیچنے کو محاقلہ کہتے ہیں' یہاں تغلیباً اسے بھی مزابنہ کہہ دیا گیا ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُخَاضَرَةِ (ص ۲۹۳)

بیع مخاضرہ کا بیان

١٢٩٤ - ثنا اِسْحَاقُ بْنُ اَبِيْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَاضَرَةِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مخاضرہ' ملامسہ' منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔

مخاضرہ' خضرۃ سے باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں یا فصل کو بیچنا' یہ بھی ممنوع ہے' جیسا کہ بارہا گزر چکا۔

بَابُ مَنْ اَجْرٰى اَمْرَ الْاَمْصَارِ عَلٰى مَا يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ فِي الْبُيُوْعِ وَالْاِجَارَةِ وَالْمِكْيَالِ وَالْوَزْنِ وَسُنَنِهِمْ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمِ الْمَشْهُوْرَةِ (ص ۲۹۴)

خرید وفروخت' کرائے اور ناپ اور تول میں ہر شہر کا معاملہ اس کے عرف اور اس کے طریقے اور مشہور ومعروف روش پر ہے

ت ٤١٩ - وَقَالَ شُرَيْحٌ لِلْغَزَّالِيْنَ سُنَّتُكُمْ بَيْنَكُمْ.

اور قاضی شریح نے سوت بیچنے والوں سے کہا: تمہارا فیصلہ تمہارے آپس کے رواج کے مطابق ہوگا۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' کچھ سوت بیچنے والے قاضی شریح کے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے اور کہا: ہمارا آپس کا رواج یہ ہے تو فرمایا: تمہارا آپس کا رواج معتبر ہے۔

ت ٤٢٠ - عَنْ مُحَمَّدٍ لَا بَاْسَ الْعَشَرَةُ بِاَحَدَ عَشَرَ وَيَاْخُذُ لِلنَّفَقَةِ رِبْحًا.

دس کی چیز کو گیارہ کے عوض بیچنے میں حرج نہیں اور اخراجات کے لیے نفع لے سکتا ہے۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

محمد سے مراد امام المعبرین محمد بن سیرین ہیں' اس تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز سو دینار میں خریدی تھی۔ اس کے بارے میں یہ بات طے ہوگئی کہ ہر دس دینار پر ایک دینار نفع لوں گا۔ خریدار نے قبول کر لیا تو یہ بیع صحیح ہے' اسے مرابحہ کہتے ہیں۔ اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ بائع نے جس دام پر خریدا ہے اس کو صحیح بتا دے' غلط بتائے گا تو یہ دھوکہ ہوگا۔ بائع نے اس چیز کے نقل وحمل وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے' وہ بھی رکھ سکتا ہے' مگر اس صورت میں یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے بلکہ یہ کہے کہ یہ چیز اتنے میں پڑی ہے

تا کہ جھوٹ نہ ہو۔

ت ۴۲۱ - وَاكْتَرَى الْحَسَنُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مِرْدَاسٍ حِمَارًا فَقَالَ بِكَمْ قَالَ بِدَانَقَيْنِ فَرَكِبَهُ ثُمَّ جَآءَ مَرَّةً أُخْرٰى فَقَالَ الْحِمَارَ الْحِمَارَ فَرَكِبَهُ وَلَمْ يُشَارِطْهُ فَبَعَثَ إِلَيْهِ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ.

امام حسن بصری نے عبیداللہ بن مرداس سے کرائے پر گدھا لیا' پوچھا: کرایہ کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا: دو دانگ' امام حسن بصری اس پر سوار ہو گئے' پھر دوبارہ آئے اور فرمایا: گدھا لاؤ! گدھا لاؤ! اور سوار ہو گئے' کرایہ طے نہیں کیا اور ان کے پاس آدھا درہم بھیج دیا۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دانق نون کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے۔ دانگ کا معرب' ایک درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں' یعنی ایک درہم چھ دانگ کا ہوتا ہے۔ اس تعلیق کا مفاد یہ ہے کہ یہ عام رواج ہے کہ ایک شخص کسی جانور کو سواری کے لیے کسی مخصوص جگہ کرائے پر لیتا ہے اور کوئی کرایہ طے ہو جاتا ہے' تو دوبارہ کرایہ نہیں طے کرتا نہ پوچھتا ہے' بغیر کچھ پوچھے ہوئے جانور پر سوار ہو جاتا ہے اور پہلے والا کرایہ دے دیتا ہے' اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ حرج ہوتا تو امام حسن بصری ایسا نہ کرتے حالانکہ کرایہ طے کیے بغیر جانور پر سوار ہونا جائز نہیں' مگر چونکہ ایک رواج ہے' وہ بہ منزلہ اس کے ہے کہ کرایہ طے ہے۔ حضرت حسن بصری نے دوبارہ کرایہ کچھ زیادہ بھیجا' یہ ان کا کرم تھا۔

۱۲۹۵- ح: خُذِىْ أَنْتِ وَبَنُوكِ [تو اور تیرے بچے (اتنا) لے سکتے ہیں]

۱۲۹۵- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ هِنْدٌ أُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَّالِهِ سِرًّا قَالَ خُذِىْ أَنْتِ وَبَنُوكِ مَا يَكْفِيكِ بِالْمَعْرُوْفِ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ معاویہ کی ماں ہندہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل انسان ہیں' اگر میں چپکے چپکے ان کے مال سے کچھ لے لوں تو کوئی گناہ ہے؟ فرمایا: تو اور تیرے بچے اتنا لے سکتے ہیں جو عرف کے مطابق ہو۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النفقات۔ باب: اذا لم ينفق الرجل فللمراة ان تاخذ بغير علمه ص ۸۰۸' الاحکام۔ باب: القضاء على الغائب ص ۱۰۶۴)

ہندہ رضی اللہ عنہا نے یہ عرض داشت فتح مکہ کے موقع پر پیش کی تھی' جب وہ اسلام قبول کرنے آئی تھیں۔ ان کے والد عتبہ کو غزوۂ بدر میں شیر خدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔ اس کے انتقام میں انہوں نے غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر چبایا تھا' ناک کان کاٹ کر ہار پہنا تھا۔ اس کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کے قتل کا حکم دیا' ان میں یہ بھی تھیں۔ یہ انتہائی ذہین اور عقل مند عورت تھیں' اس لیے بجائے بھاگنے چھپنے کے جب عورتیں قبول اسلام کے لیے حاضر ہوئیں تو یہ بھی جھنڈ میں شامل ہو کر حاضر خدمت ہوئیں۔ اسلام قبول کر کے بیعت کر لی' عورتوں سے اس پر بھی بیعت لی گئی تھی کہ چوری نہیں کریں گی' اس وقت انہوں نے یہ عرضداشت پیش کی تھی۔

حدیث زیر بحث ان کے حسن اسلام کی دلیل ہے' عورتوں میں بلا اجازت شوہر کے مال خرچ کرنے کی عادت ہوتی ہے اور اسے عیب بھی نہیں مانا جاتا' مگر اسلام نے چند منٹ میں وہ خوف خدا پیدا کر دیا کہ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بھی گناہ نہ ہو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد پر واجب ہے کہ عرف کے مطابق اپنے اہل و عیال کو نان و نفقہ دے' حتی کہ اگر وہ کوتاہی کرے

تو عورت بہ قدرِ کفایت اس کی اجازت کے بغیر بھی لے سکتی ہے۔

جو لوگ قضاء علی الغائب کے قائل ہیں، وہ اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان وہاں موجود نہیں تھے اور حضور نے ان کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ اس پر گزارش ہے کہ اوّلاً: یہ قضا نہیں، حضرت ہندہ نے ایک حکم شرعی پوچھا تھا اور حضور نے بیان فرما دیا۔ ثانیاً: بعض مفصل روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوسفیان اس وقت وہاں موجود تھے اور یہ سن کر کہا: بہ طریق معروف تم جتنا بھی لو گی وہ تمہارے لیے حلال ہے۔

حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا

ان کا نسب عبد مناف پر جا کر نسب نبوی سے مل جاتا ہے۔ یہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔ بہت ذہین، عقل مند، جری خاتون تھیں۔ ان کی شادی پہلے فاکہہ بن مغیرہ، حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے چچا سے ہوئی تھی۔ فاکہہ بہت فیاض، مہمان نواز تھے۔ اس کے گھر لوگ اذن لیے بغیر چلے جایا کرتے تھے، ایک دن فاکہہ ہندہ کو گھر میں اکیلے چھوڑ کر کسی کام سے چلا گیا، اس اثناء میں ایک شخص آیا، اندر جا کر جب دیکھا کہ ہندہ تنہا ہے تو وہ بھاگا، اتنے میں فاکہہ آ گیا۔ اسے بھاگتا ہوا دیکھ کر اسے بدگمانی ہوئی اور اندر جا کر ہندہ کو پاؤں سے مارا اور پوچھا: تیرے پاس یہ کون تھا؟ ہندہ نے کہا: مجھے کچھ پتہ نہیں، اس پر فاکہہ نے کہا: اپنے اہل کے پاس چلی جا۔ فاکہہ نے لوگوں میں پھیلا دیا، جب یہ خبر ہندہ کے باپ عتبہ کو ملی تو اس نے تنہائی میں ہندہ سے کہا: اے بیٹی! تیرے بارے میں افواہ پھیلی ہے، اگر صحیح ہے تو بتادے میں فاکہہ کو ختم کرا دوں، اور جھوٹی ہے تو پھر یمن کے کسی کاہن کے یہاں چل کر فیصلہ کرالیں، ہندہ نے قسم کھا کر کہا: یہ جھوٹ ہے اور میں پاک دامن ہوں۔

عتبہ نے فاکہہ سے کہا: تو نے میری بیٹی پر بہت بڑا الزام لگایا ہے، یمن کے کسی کاہن کے پاس چل۔ فاکہہ راضی ہو گیا، فاکہہ اپنے قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ چلا اور عتبہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ ہندہ کو ساتھ لے کر چلا۔ ہندہ کی دل بستگی کے لیے کچھ عورتیں بھی تھیں، جب یمن قریب آ گیا تو ہندہ گھبرا گئی اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس پر عتبہ نے کہا: اے بیٹی! تیرا یہ حال صرف اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ تجھ سے برائی سرزد ہوئی ہے۔ ہندہ نے کہا: بخدا! اے ابا! ایسا نہیں، میں اس لیے گھبرا رہی ہوں کہ ہم ایک انسان کے پاس جا رہے ہیں، جو ٹھیک باتیں بھی بتاتا ہے اور غلط بھی۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مجھ پر داغ نہ لگا دے پھر میں پورے عرب میں بدنام ہو جاؤں گی۔ عتبہ نے کہا: میں کاہن کی آزمائش کے لیے ایک چیز چھپا دیتا ہوں، پہلے آزما لوں گا، پھر تیرا معاملہ پیش کروں گا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو سیٹی دی، جب اس نے عضو تناسل باہر نکال دیا تو اس کے سوراخ میں گیہوں کا دانہ ڈال دیا۔

جب کاہن کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی اعزاز کے ساتھ مہمان نوازی کی، اونٹ ذبح کر کے انہیں کھلایا۔ عتبہ نے اپنا معاملہ یوں پیش کیا کہ ہم لوگ ایک معاملہ لے کر تیرے پاس آئے ہیں، مگر تیرے جانچنے کے لیے ایک چیز چھپائی ہے، بتا! وہ کیا ہے؟ کاہن نے کہا: "ثَمَرَةٌ فِي كَمَرَةٍ" گیہوں کا دانہ گولائی میں۔ عتبہ نے کہا: ذرا اس سے واضح کر! تو کاہن نے کہا: "حبة من بر في احليل مهر" گھوڑے کے احلیل میں گیہوں کا دانہ ہے۔

اب عتبہ نے کاہن سے کہا: ان عورتوں کو دیکھو! کاہن ہر ایک عورت کے کندھے پر ہاتھ رکھتا اور کہتا: یہ وہ نہیں ہے اور واپس کرتا جاتا یہاں تک کہ ہندہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو کہا:

انهضي غير سحاء ولا زانية تلد ملكا يقال له معاوية۔ کھڑی ہو جا! پاک صاف، تو زانیہ نہیں، تو ایک بادشاہ جنے گی جس کا نام معاویہ ہوگا۔

یہ سن کر فاکھہ نے ہندہ کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا' ہندہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا: ہٹ! میں یہ کوشش کروں گی کہ یہ بادشاہ تیرے علاوہ کسی اور سے ہو۔ اس کے بعد ابوسفیان سے شادی کی۔ (تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۳۸۔۱۳۹)

جب تک ایمان سے مشرف نہ ہوئیں' حضور اقدس ﷺ کی شدید ترین مخالف تھیں۔ ایمان لانے کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ! روئے زمین پر کسی کا ذلیل ہونا مجھے اتنا پسند نہ تھا' جتنا آپ کا اور آپ کے متعلقین کا تھا۔ اور آج یہ حال ہے کہ آپ کا اور آپ کے متعلقین کا عزیز ہونا سب سے زیادہ پسند ہے۔ (بخاری۔ ج ۱۔ باب: ذکر هند بنت عتبة ص ۵۳۹)

ہندہ کا ایک مخصوص بت تھا' اسلام لانے کے بعد اسے بسولے سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کہا: ہم تیرے بارے میں فریب میں تھے۔ (اصابہ ج ۴ ص ۴۷۶)

ان کے دل میں اسلام کے جاگزیں ہونے کا ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے بعد صحابہ کرام کو رات میں مسجد حرام میں عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور یہ کہا کہ اس رات سے پہلے کما حقہ اللہ کی عبادت اس مسجد میں نہیں ہوئی' بخدا! لوگوں نے پوری رات نماز قیام رکوع وسجود میں گزار دی۔ (الاصابہ۔ ص ۴۷۵)

چادر میں منہ چھپا کر عورتوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں' حضور اقدس ﷺ نے عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لی' ان میں یہ بھی تھا: چوری نہیں کریں گی' زنا نہیں کریں گی' اولاد کو قتل نہیں کریں گی' چوری نہ کرنے پر۔ ہندہ نے وہ کہا جو اس حدیث میں مذکور ہے: زنا نہیں کریں گی' پر کہا: کیا شریف عورت بھی زنا کراتی ہے' اولاد کو قتل نہیں کریں گی' پر کہا: بچے جب چھوٹے تھے ہم نے انہیں پالا' آپ نے بدر میں انہیں قتل کر دیا۔ بر بنائے قول صحیح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واصل بحق ہوئیں۔

(الاصابہ۔ ص ۴۷۶)

۱۲۹۶- ح: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ (النساء:٦)

[اور جو مال دار ہو وہ بچے]

۱۲۹۶- سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَقُولُ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء:٦) أُنْزِلَتْ فِي وَالِي الْيَتِيمِ الَّذِي يُقِيمُ عَلَيْهِ وَيُصْلِحُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ فَقِيرًا أَكَلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ یہ آیت کریمہ: جو مال دار ہو وہ بچے اور جو محتاج ہو وہ عرف کے مطابق کھائے' یتیم کے اس ولی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یتیم کی پرورش کرتا ہے اور اس کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے' اگر محتاج ہے تو دستور کے مطابق اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ النساء۔ باب: ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف ص ۶۵۸)

یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○ (النساء:۵)

جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ بلاشبہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ لوگ بہت جلد بھڑکتی آگ میں جلیں گے ○

لیکن کسی یتیم کا ولی مفلس ومحتاج ہے' وہ اپنا پورا وقت اس کی اور اس کی جائیداد ودوکان کی دیکھ بھال میں صرف کرتا ہے' اسے فرصت نہیں کہ اپنے لیے کچھ کر سکے' تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کھائے کیا؟ اس آیت میں اسے اجازت دی گئی کہ دستور کے مطابق

یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے۔ اسی کی روشنی میں فقہاء نے فرمایا: "المعروف كالمشروط" عرف اور دستور جن باتوں کا ہو وہ ذکر کردہ شرط کے مثل ہے۔

بَابُ بَيْعِ الشَّرِيْكِ مِنْ شَرِيكِهِ (ص ۲۹۴)

ایک شریک کا دوسرے شریک کے ہاتھ مال مشترک بیچنا

۱۲۹۷- ح: جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ

[رسول اللہ ﷺ نے شفعہ کا حق دیا]

۱۲۹۷- عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَالٍ لَّمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہر اس مال میں شفعہ کا حق دیا جو منقسم نہ ہو، جب حدیں قائم کر دی گئی ہوں اور راستے بدل دیئے گئے ہوں تو شفعہ نہیں۔

(بخاری۔باب: بيع الارض والدور والعروض ص۲۹۴، باب: الشفعة فيما لم يقسم ص۳۰۰، الشرکۃ۔باب: الشركة في الارضين وغيرها ص۳۳۹، باب: اذا اقتسم الشركاء الدور ص۳۳۹، ج۲۔کتاب الحیل۔باب: في الهبة والشفعة ص۱۰۳۲، ابوداؤد۔کتاب البیوع، ترمذی۔کتاب البیوع۔کتاب الاحکام ابن ماجہ)

اس باب کے بعد بہ طریق مسدد جو روایت ہے، اس میں "في كل مالم يقسم" یعنی "مال" نہیں ہے۔

مطابقت

یہاں باب یہ ہے: شریک کا اپنے شریک کے ہاتھ بیع۔ اور حدیث میں شریک کی بیع کا کوئی تذکرہ نہیں۔ مطابقت یوں ہے کہ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جو مال منقسم نہ ہو، اس میں شفعہ ہے۔ اب صورت یہ ہوئی کہ ایک مکان زید و عمرو کے درمیان مشترک تھا اور یہ اشتراک بہ طریق شیوع تھا، مثلاً نصف نصف۔ ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھی کہ زید نے اپنا حصہ بکر کے ہاتھ بیچ دیا، جب تک یہ مکان زید و بکر آپس میں تقسیم نہیں کریں گے، عمرو کو شفعہ کا حق ہے۔ اس حق کی بناء پر عمرو نے اس مکان کا زید والا حصہ لے لیا۔ یہ بھی ایک طرح کی بیع ہے، اب ایسا ہو گیا کہ عمرو نے جو شفیع ہے اور زید کا اس مکان میں شریک ہے، اس نے اپنے شریک زید سے اس کو خرید لیا۔

شفعہ کے احکام

شفعہ کا مطلب یہ ہے: ہمسایہ ہونے کی وجہ سے زمین، مکان وغیرہ میں یا کسی چیز میں شریک ہونے کی وجہ سے جب اس کا مالک بیچے تو بالجبر خریداری کا حق۔ شفعہ کے بارے میں ائمہ میں قدیم سے کثیر اختلافات ہیں، مثلاً شفعہ صرف مکان، زمین، کھیت، باغ میں ہے یا ہر چیز میں۔ جائیداد منقولہ غیر منقولہ سب میں، صرف مکان وغیرہ جائیداد غیر منقولہ میں ہے، تو شفعہ کا حق کس کو ہے، پھر ان سب میں مختلف شقیں ہیں اور ان سب کے احکام مختلف ائمہ کے نزدیک مختلف ہیں۔ ہمارا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس پر اتفاق ہے کہ شفعہ صرف زمین، کھیت، مکان، باغ میں ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کب تک حق شفعہ ہے اور کس کس کو ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ شفعہ کا حق صرف شریک اور خلیط کو ہے۔ جار (پڑوسی) کو نہیں، اگرچہ ملاصق ہو۔ ہمارے نزدیک شریک اور خلیط کے ساتھ پڑوسی کو بھی حق شفعہ حاصل ہے، جبکہ وہ ملاصق ہو۔

خلیط کا مطلب یہ ہے کہ وہ مبیع میں شریک ہو، مثلاً جو مکان یا کھیت وغیرہ بیچا گیا' وہ بائع اور اس کی ملک تھا۔ شریک کا مطلب یہ ہے: یہ مبیع میں شریک نہیں اُس کا حصہ بائع کے حصے سے ممتاز ہے' مگر مبیع کے حق میں شریک ہے' مثلاً دونوں کا راستہ ایک ہے اور یہ راستہ خاص ہے' شارع عام نہیں' یا کھیت ہے' پانی ایک ہی نالی سے دونوں میں آتا ہے۔ جار ملاصق وہ ہے کہ اس کے مکان کی پچھیت دوسرے کے مکان میں ہو۔ اس کی مزید تفصیل بہارِ شریعت۔ حصہ ۱۵' میں دیکھیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مکان منقسم ہو ہر شریک کی حد مقرر ہو' سب کا راستہ الگ الگ ہو تو بحیثیت شریک اور خلیط شفعہ کا حق نہیں' لیکن اگر جار ملاصق ہو تو اس حیثیت سے اسے شفعہ کا حق ہے' جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا: ''جار الدار احق بالدار'' گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حق دار ہے۔

بَابٌ اِذَا اشْتَرٰی شَيْئًا لِغَيْرِهٖ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ فَرَضِيَ (ص ٢٩٤)

جب کسی کے لیے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر خریدی اور وہ راضی ہو گیا

١٢٩٨- ح: حَدِيْثُ الْغَارِ

[غار سے متعلق حدیث]

١٢٩٨- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَّمْشُوْنَ فَاَصَابَهُمُ الْمَطَرُ فَدَخَلُوْا فِيْ غَارٍ فِيْ جَبَلٍ فَانْحَطَّتْ عَلَيْهِمْ صَخْرَةٌ قَالَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ادْعُوا اللّٰهَ بِاَفْضَلِ عَمَلٍ عَمِلْتُمُوْهُ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ كَانَ لِيْ اَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ فَكُنْتُ اَخْرُجُ فَاَرْعٰى ثُمَّ اَجِيْءُ فَاَحْلُبُ فَاَجِيْءُ بِالْحِلَابِ فَاٰتِيْ بِهٖ اَبَوَيَّ فَيَشْرَبَانِ ثُمَّ اَسْقِي الصِّبْيَةَ وَاَهْلِيْ وَامْرَاَتِيْ فَاحْتَبَسْتُ لَيْلَةً فَجِئْتُ فَاِذَا هُمَا نَائِمَانِ قَالَ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَاْبِيْ وَدَاْبُهُمَا حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ قَالَ فَفُرِجَ عَنْهُمْ فَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ كُنْتُ اُحِبُّ امْرَاَةً مِّنْ بَنَاتِ عَمِّيْ كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرَّجُلُ النِّسَاءَ فَقَالَتْ لَا تَنَالُ ذٰلِكَ مِنْهَا حَتّٰى تُعْطِيَهَا مِائَةَ دِيْنَارٍ فَسَعَيْتُ فِيْهَا حَتّٰى جَمَعْتُهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهٖ فَقُمْتُ وَتَرَكْتُهَا فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً قَالَ فَفُرِجَ عَنْهُمُ الثُّلُثَيْنِ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص نکلے' وہ چلے جا رہے تھے کہ بارش آ گئی تو یہ لوگ پہاڑ کے اندر ایک غار میں چلے گئے' اس کے بعد غار کے منہ پر ایک چٹان گر پڑی' اب ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: سب سے افضل عمل جو تم نے کیا ہو' اس کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو تو ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے بوڑھے سن رسیدہ ماں باپ تھے' میں نکل جاتا' جانوروں کو چراتا' پھر واپس آ کر انہیں دوہتا اور دودھ کا پورا برتن ماں باپ کو دیتا' وہ پی لیتے تو بچوں کو اور اپنے اہل اور بیوی کو پلاتا۔ ایک رات میں پھنس گیا اور آیا تو دونوں سو گئے تھے' میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ انہیں جگاؤں اور بچے میرے پاؤں کے پاس چیختے رہے' میرا ایسی حال رہا یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں نے یہ تیری رضامندی کے لیے کیا ہے تو غار کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان دیکھیں۔ فرمایا کہ اس دعا پر ان پر اتنا کھول دیا گیا۔ اب دوسرے نے کہا: اے اللہ! اگر تیرے علم میں ہے کہ میں اپنے چچا کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کے ساتھ اتنی محبت کرتا تھا جتنی زیادہ کوئی مرد عورتوں سے کرتا ہے' اس نے کہا: تمہیں کچھ نہیں ملے گا جب تک سو دینار نہیں دو گے' میں نے اس کے لیے کوشش کی یہاں تک کہ سو دینار جمع کر لیے اور جب میں اس کے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور حق کے بغیر مہر مت توڑ۔ یہ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور

تَعْلَمُ اَنِّیْ اسْتَاْجَرْتُ اَجِیْرًا بِفَرَقٍ مِّنْ ذُرَةٍ فَاَعْطَیْتُهُ وَاَبٰی ذَاكَ اَنْ یَّاْخُذَ فَعَمَدْتُ اِلٰی ذٰلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ حَتّٰی اشْتَرَیْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَّرَاعِیْهَا ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ یَا عَبْدَ اللّٰهِ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَقُلْتُ انْطَلِقْ اِلٰی تِلْكَ الْبَقَرِ وَرَاعِیْهَا فَقَالَ اَتَسْتَهْزِئُ بِیْ قَالَ فَقُلْتُ مَا اَسْتَهْزِئُ بِكَ وَلٰكِنَّهَا لَكَ اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فَكُشِفَ عَنْهُمْ۔

(بخاری۔ کتاب المزارعۃ۔ باب: اذا زرع بمال قوم بغیر اذنھم ص ۳۱۳، کتاب الانبیاء۔ باب: حدیث الغار ص ۴۹۳، کتاب الاجارۃ۔ باب: من استاجر اجیرا فعمل فیہ المستاجر ص ۳۰۳، مسلم۔ کتاب الذکر، نسائی۔ کتاب الرقاق)

اسے چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں ہے کہ میں نے یہ تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا تو کچھ اور کھول دے، تو اللہ نے دو تہائی کھول دیا اور تیسرے نے کہا: اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں نے ایک فرق جوار پر ایک مزدور کیا تھا۔ میں نے اسے دیا تو اس نے اس وقت لینے سے انکار کیا، میں نے اس جوار کو بو دیا، یہاں تک کہ گائے اور اس کا چرواہا خریدا، اس کے بعد وہ شخص آیا اور کہا: اے اللہ کے بندے! میرا حق دے! تو میں نے کہا: جا! یہ گائیں اور ان کے چرواہے کو لے جا! اس نے کہا: میرے ساتھ ٹھٹھا (مذاق) کرتا ہے، میں نے کہا: میں ٹھٹھا (مذاق) نہیں کرتا، یہ سب تیرا ہی ہے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں ہے کہ میں نے یہ تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو غار کا منہ کھول دے۔ پس ان پر پورا کھول دیا گیا۔

یہاں یہ حدیث کچھ اختصار کے ساتھ ہے۔ کتاب المزارعت میں پوری تفصیل کے ساتھ ہے، یہاں تیسرے شخص کے قول میں "بفرق من ذُرَة" ہے اور مزارعت وغیرہ میں "مِنَ الْاُرُزِّ" ہے، یعنی ایک فرق دھان کے عوض۔ عام طور پر "اُرُزّ" کا ترجمہ چاول کیا جاتا ہے، مگر اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ میں نے اسے کھیت میں بویا۔ مزارعت میں ہے کہ میں اسے بار بار بوتا رہا اور سب کو معلوم ہے کہ چاول بویا نہیں جاتا، البتہ دھان بویا جاتا ہے، فرق تین صاع کا ہوتا ہے، ہم نے نزہۃ القاری، ج ۱ ص ۵۲۱، رقم: ۱۴۶، پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فرق کے بارے میں مختلف اقوال میں یہ تطبیق نقل کر دی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے جو حجازی صاع سے تین اور عراقی سے دو صاع ہوتا ہے، اس تقدیر پر ایک فرق ۵۷۶ روپے بھر ہوا۔

مطابقت

باب کے ساتھ مطابقت اخیر حصے سے ہے کہ تیسرے شخص نے مزدور کے غلے کی کاشت کی اور پیداوار سے گائے اور چرواہے کو خریدا اور یہ سب مزدور کی بلا اجازت ہوا، بلکہ اس کے علم کے بغیر ہوا، مگر جب اس نے رضامندی ظاہر کر دی تو صحیح ہو گیا، اسے فقہ کی اصطلاح میں فضولی کہتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گزشتہ اُمتوں کے واقعات جو معتمد سند کے ساتھ مروی ہوں، معتبر ہیں، بلکہ حجت بھی۔ اسی سے آج کل کے کچھ محققین کی اس جدت کا رد ہو گیا جو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی بہت سی روایتوں کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہیں، حالانکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔ فرمایا:

وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج. بنی اسرائیل کی باتیں بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ اگلی اُمتوں کی جو روایات ثقہ معتمد صحابہ و تابعین یا ائمہ دین سے مروی ہیں، اور قرآن و احادیث کے معارض نہیں، وہ معتبر ہیں۔

بَابُ الشِّرَاءِ وَالْبَیْعِ مَعَ الْمُشْرِكِیْنَ مشرکین اور حربیوں کے

وَاَهْلِ الْحَرْبِ (ص۲۹۵)

۱۲۹۹ - عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثِيْنَ وَمِائَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَ اَحَدٍ مِّنْكُمْ طَعَامٌ فَاِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ اَوْ نَحْوُهٗ فَعُجِنَ ثُمَّ جَآءَ رَجُلٌ مُّشْرِكٌ مُّشْعَانٌّ طَوِيْلٌ بِغَنَمٍ يَّسُوْقُهَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعًا اَمْ عَطِيَّةً اَوْ قَالَ اَمْ هِبَةً قَالَ لَا بَلْ بَيْعٌ فَاشْتَرٰى مِنْهُ شَاةً فَصُنِعَتْ وَاَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَوَادِ الْبَطْنِ اَنْ يُّشْوٰى وَاَيْمُ اللّٰهِ مَا فِی الثَّلٰثِيْنَ وَالْمِائَةِ اِلَّا قَدْ حَزَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ حُزَّةً مِّنْ سَوَادِ بَطْنِهَا اِنْ كَانَ شَاهِدًا اَعْطَاهَا اِيَّاهُ وَاِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَاَلَهٗ فَجَعَلَ مِنْهَا قَصْعَتَيْنِ فَاَكَلُوْا اَجْمَعُوْنَ وَشَبِعْنَا فَفَضَلَتِ الْقَصْعَتَانِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى الْبَعِيْرِ۔

ساتھ خرید وفروخت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سوتیس آدمی تھے' نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کے ساتھ غلہ ہے' تو ایک صاحب کے پاس ایک صاع کے قریب غلہ تھا (انہوں نے پیش کیا) اسے گوندھا گیا' پھر ایک پراگندہ سر کھڑے بالوں والا' لمبے قد کا مشرک اپنی بکریاں ہانکتا ہوئے آیا۔ اس سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت پر دے یا عطیے کے طور پر یا ہبہ کے طور پر؟ اس نے کہا: قیمت پر! تو اس سے ایک بکری خریدی اور اسے ذبح کیا گیا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیٹ کے اندرونی کالے اعضاء کے بھوننے کا حکم دیا' بخدا! ایک سوتیس میں سے ہر شخص کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کاٹ کاٹ کر ایک ایک ٹکڑا دیا' اگر موجود تھا تو اسے دے دیا اور اگر غائب تھا تو اس کا حصہ رکھ دیا' ان سب کو دو پیالوں میں کیا' سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا' ان دونوں پیالوں میں کھانا بچ رہا' جسے ہم نے اونٹ پر لاد لیا۔

(بخاری۔ کتاب الھبۃ۔ باب: قبول الھدیۃ للمشرکین ص۷۔۳۵۶' ج۲۔ کتاب الاطعمۃ۔ باب: الاکل شبعا ص۸۱۰' مسلم۔ کتاب الاطعمۃ)

یہاں یہ حدیث مختصر تھی' اس لیے ہم نے کتاب الھبہ کی حدیث ذکر کی' جو مفصل تھی۔ امام بخاری نے اس پر تین باب قائم فرمائے ہیں' اوّل یہی کہ حربی مشرک سے خرید وفروخت جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ مشرک کا ہدیہ قبول کرنا۔ تیسرے پیٹ بھر کر کھانا' ان میں دو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت "بیعا او عطیة او هبة" بیچے گا کہ دے گا یا ہبہ کرے گا' اس لیے کہ اگر مشرک حربی سے خرید وفروخت جائز نہ ہوتی' یا اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہ ہوتا تو یہ ارشاد لغو ہوتا' پھر اس نے بکری بیچی اور حضور نے خریدی۔ یہ اس بیع کی صحت پر نص ہے۔

بسواد البطن

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ پیٹ کے اندر جو کالے رنگ کے اعضاء تھے' اس سے جگر طحال وغیرہ مراد ہیں۔

ففضلت القصعتان

اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں پیالوں میں کھانا بچ گیا' جیسا کہ "اطعمنه" کی روایت میں واضح ہے "وفضل فی القصعتین" یہی وجہ ہے کہ "فحملناه" میں ضمیر مفعول واحد ہے جو طعام مفضول کی طرف راجع ہے۔

یہ واقعہ دارالاسلام اور دارالحرب کی تحدید اور حربی کفار کے احکام کی تشریع سے پہلے کا ہے' اخیر حکم یہ ہے کہ ذمی کو ہدیہ دینا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے' اور حربی کو نہ دینا جائز اور نہ لینا جائز۔ اس پر سورۂ ممتحنہ کی یہ آیتیں دلیل ہیں' ارشاد ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا

اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور

إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ (الممتحنۃ: ٨). الآية

ان سے انصاف کا برتاؤ برتو' بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں ۝ اور اللہ تمہیں ان سے منع کرتا جو تم سے دین میں لڑے یا تمہیں تمہارے گھروں سے نکالے۔

پہلی آیت سے مراد ذمی ہیں اور دوسری آیت سے مراد حربی ہیں۔ پوری تفصیل الحجۃ المؤتمنہ میں مطالعہ کریں۔

بَابُ شِرَى الْمَمْلُوْكِ مِنَ الْحَرْبِيِّ وَهِبَتِهٖ وَعِتْقِهٖ (ص۲۹۵)

حربی سے غلام خریدنا اور حربی کا ہبہ کرنا اور آزاد کرنا

ت ٤٢٢ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَلْمَانَ كَاتِبْ وَكَانَ حُرًّا فَظَلَمُوْهُ وَبَاعُوْهُ.

اور نبی ﷺ نے سلمان سے فرمایا: مکاتبت کر لے اور یہ آزاد تھے' ان پر کچھ لوگوں نے ظلم کیا اور انہیں بیچ دیا۔

اس تعلیق کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے مستدرک میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

ان کا قصہ بہت طویل اور دلچسپ اور عبرت آموز ہے۔ یہ اصفہان کی ایک بستی جَیْ کے باشندے تھے' ان کا والد وہاں کا زمیندار تھا[1] اس نے ان کا نام مابہ یا بہبود رکھا تھا[2] بخاری میں ہے کہ اصل میں رامہرمز کے باشندے تھے[3] اسلام لانے کے بعد ان کا نام سلمان رکھا گیا۔ سلمان الخیر' سلمان بن اسلام آپ کے القاب ہیں اور کنیت ابو عبد اللہ۔ بخاری ہی میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں دس سے زائد آقاؤں کے قبضے میں رہا ہوں۔ (ایضا)

اس کی تفصیل میں روایتیں مختلف ہیں اور بہت طویل۔ انہوں نے دین حق کی تلاش میں گھر چھوڑا اور متعدد راہبوں کی خدمت میں رہے۔ اخیر میں عموریہ کے ایک راہب کے پاس رہے جو غیر محرف صحیح دین عیسوی پر تھا۔ وہ جب مرنے لگا تو اس نے ان کے دریافت کرنے پر یہ وصیت کی کہ آج روئے زمین پر میرے علم میں کوئی شخص ایسا نہیں جو ہمارے طریقے پر ہو۔ ہاں ایک ''نبی'' کا زمانہ قریب آ گیا ہے' وہ عرب کے دو سنگستانوں کے درمیان کھجوروں والی سرزمین میں مبعوث ہوگا' اس کی واضح علامتیں یہ ہیں: صدقہ نہیں کھائے گا' ہدیہ کھائے گا' اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے' اگر تم سے ہو سکے تو ان کی خدمت میں چلے جاؤ۔ یہ وصیت کر کے وہ راہب مر گیا۔ کچھ دنوں کے بعد بنی کلب کے کچھ تاجر آئے' ان کے ساتھ وہ عرب کی طرف چلے۔ ان غداروں نے ''وادی القریٰ'' میں لا کر انہیں ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا' کچھ دنوں کے بعد اس یہودی کا ایک بھتیجا آیا جو مدینہ طیبہ کے بنی قریظہ کا فرد تھا' اس یہودی نے آپ کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس طرح یہ مدینہ طیبہ پہنچے۔ مدینہ طیبہ آتے ہی اس راہب کی بتائی ہوئی علامتوں سے پہچان لیا کہ یہی شہر ان کا قبلہ مقصود ہے۔

جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے قبا تشریف لائے تو اس یہودی کے ایک بھتیجے نے آ کر کہا کہ بنی قیلہ کو اللہ ہلاک کرے! یہ سب ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو آج ہی مکہ سے آیا ہے۔ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ نبی ہے۔ حضرت سلمان وہیں کھجوروں کے درخت پر کچھ کام کر رہے تھے۔ یہ سن کر وفور شوق میں ان کا یہ حال ہوا کہ انہیں درخت پر رہنا مشکل ہو گیا۔ اُتر کر نیچے آئے اور اس یہودی سے پوچھا: تم کیا کہہ رہے تھے؟ اس پر ان کا آقا اتنا غصہ ہوا کہ انہیں ایک سخت گھونسہ مارا اور کہا: تمہیں ان باتوں سے کیا غرض! تم چلو اپنا کام کرو۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں! میں صرف یہ چاہتا تھا کہ اس نے جو کہا ہے اسے اچھی طرح سن لوں۔

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۴۴۱ [2] الاصابہ۔ ج ۲ ص ۶۲ [3] بخاری۔ ج ۱ ص ۵۶۲۔ اسلام سلمان فارسی

ان کے پاس کچھ کھانے کی چیز تھی اسے لے کر شام کو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور قبا میں تشریف فرما تھے۔ اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، حضور اقدس ﷺ نے خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا اور حاضرین کو کھلا دیا۔ انہوں نے جی میں کہا: پہلی نشانی صحیح نکلی، پھر جب حضور مدینہ آ گئے تو پھر وہ کچھ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یہ ہدیہ ہے، اسے حضور نے خود بھی کھایا اور حاضرین کو بھی کھلایا۔ انہوں نے اپنے جی میں کہا کہ دو نشانیاں ہوئیں۔ حضرت سلمان کہتے ہیں: اس کے بعد میں حضور کے پیچھے آیا، حضور جھک گئے اور پشت مبارک سے چادر سرکا دی، میں نے مہر نبوت کو دیکھا، دیکھتے ہی جھک کر اسے بوسہ دینے لگا اور فرطِ مسرت میں رونے لگا۔

اس پر حضور نے فرمایا: سامنے آؤ! میں سامنے حاضر ہو کر کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے اپنی سرگزشت بیان کی۔ حضور اس پر بہت مسرور ہوئے کہ صحابہ نے میری داستان سنی۔ (مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۴۴۱۔ ۴۴۴)

ایک روایت[1] میں یہ ہے کہ یہ اس وقت ایک انصاری خاتون کے غلام تھے، جب حضور اقدس ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کی خبر سنی تو اپنی مالکہ[2] سے کہا: ایک دن مجھے بخش دو! اس نے بخش دیا، اس دن وہ جنگل سے لکڑیاں لائے اور اسے بیچ کر کھانا تیار کیا اور یہی کھانا لے کر حاضر ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک دن مانگا اور لکڑیاں بیچ کر کھانا تیار کیا، دوبارہ اسے لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

حضرت سلمان چونکہ غلام تھے، اس لیے بدر و اُحد میں شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن ان سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے سلمان! اپنے آقا سے مکاتبت کر لو یعنی یہ طے کر لو کہ تم مجھ سے اتنا مال لے لو اس کے بعد آزاد کر دو۔ ان کے آقا نے تین سو یا پانچ سو[3] کھجور کے درخت بٹھانے اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے کیا کہ جب یہ کھجور کے درخت پھل دینے لگیں تو تم آزاد ہو۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کر دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی سلمان کی مدد کرو۔ اس پر کسی نے تیس کسی نے بیس کسی نے پندرہ کسی نے دس پودے دیئے، یہاں تک کہ تین سو یا پانچ سو ہو گئے۔ انہوں نے آ کر گوش گزار کیا، حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے سب پودے بٹھا دیئے، صرف ایک پودا حضرت سلمان نے بٹھایا، اس ایک کے علاوہ سب پودے بہت جلد پھل دینے لگے۔ پھر کہیں سے مالِ غنیمت آیا، اس میں سے مرغی کے انڈے برابر سونا حضرت سلمان کو دیا کہ جاؤ نقد بھی ادا کر دو۔ انہوں نے عرض کیا: اتنے سے کیا ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے اسے زبان مبارک پر پھیرا اور فرمایا: لے جاؤ! پورا ہو جائے گا۔ اسے لے جا کر وزن کیا تو چالیس اوقیے بھرپور ہوا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور ایک درہم تین ماشہ ۱/۵ ۱ رتی کا۔ اور ایک روپیہ سوا گیارہ ماشے کا۔ اس طرح چالیس اوقیہ لگ بھگ چار سو روپے بھر ہوا، یعنی تقریباً ساڑھے چار کلو گرام۔

آزادی کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان میں اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ قائم فرما دی۔ بدر و اُحد کے معرکوں کے وقت یہ غلام تھے، اس لیے ان میں شریک نہ ہو سکے۔ پہلا وہ غزوہ جس میں یہ شریک ہوئے، خندق ہے، اس کے بعد کے تمام مشاہد میں ہم رکاب سعادت رہے۔

جب قریش نے قبائل عرب کا ٹڈی دل لشکر لے کر مدینہ طیبہ پر حملے کا ارادہ کیا اور اندرونی طور پر مدینہ کے یہود بنی قریظہ سے بھی ساز باز کر لی تھی، جس کے نتیجے میں غزوۂ خندق ہوا تو حضرت سلمان فارسی ہی کے مشورہ پر خندق کھودی گئی، جو بہ ظاہر مدینہ طیبہ کی حفاظت کا سبب بنی۔

خندق کی کھدائی کے وقت انصار نے کہا: سلمان ہم میں سے ہیں، اور مہاجرین نے کہا: ہم میں سے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ

---

[1] ایضاً۔ ص ۴۳۸ [2] ایضاً۔ ص ۴۴۰ [3] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۴۴۴، بخاری۔ ج ۱ ص ۳۶۲

نے سنا تو فرمایا:

سلمان منا اھل بیت. (مستدرک للحاکم۔ ج ۳ ص ۵۹۸) سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد عرصے تک مدینہ طیبہ ہی میں رہے۔ حضرت صدیق اکبر کے اخیر یا حضرت فاروق اعظم کے شروع عہد خلافت میں عراق میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔

عہد فاروقی میں جب ایران پر عام لشکر کشی شروع ہو گئی تو مجاہدین کی ایک فوج کے ساتھ یہ بھی ایک شہر کے محاصرے میں شریک ہوئے۔ مجاہدین سے فرمایا کہ ابھی ٹھہرو، میں جاتا ہوں، انہیں اسلام کی دعوت دوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ یہ تشریف لے گئے، حمد و ثناء کے بعد اہل شہر سے فرمایا: میں بھی تمہارا ہم قوم ہوں، اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی، تم لوگ اہل عرب کی فرمانبرداری دیکھ رہے ہو، اگر تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو تم کو وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور اگر اسلام منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر لڑائی ہے۔ آپ تین دن تک انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ چوتھے دن حملے کی اجازت دی اور وہ شہر فتح ہو گیا۔[۱] جلولا کے معرکے میں بھی شریک رہے، یہیں آپ کو مشک کی ایک تھیلی ملی تھی، جسے آپ نے محفوظ رکھا اور وفات کے وقت کام میں لائے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو مدائن کا والی بنایا تھا اور عرصے تک آپ اس عہدے پر رہے۔ مزاج میں بہت سادگی تھی اور یہ سادگی ان ایام میں بھی باقی رہی۔ لباس میں ایک اونچا پاجامہ اور عبا یعنی کمبل رہتا تھا۔ ایرانی ان کا یہ حال دیکھ کر انہیں آتا دیکھتے تو کہتے: گرگ آمد، گرگ آمد۔ بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا۔ ایک مرتبہ چست کرتا اتنا چھوٹا کہ ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں پہن کر ملازمین کے گدھے پر سوار ہو کر نکلے۔ بچوں نے پیچھا کیا اور شور مچانے لگے۔ لوگوں نے دیکھا تو ڈانٹا کہ جانتے نہیں، یہ یہاں کے حاکم ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے آئے تو یہ رونے لگے، حضرت سعد نے کہا: کیا بات ہے، کیوں روتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ آپ سے راضی رہتے ہوئے دنیا سے گئے۔ حوض کوثر پر ان سے ملو گے، اپنے ساتھیوں سے ملاقات ہو گی، فرمایا: اللہ کی قسم! میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی خواہش ہے۔ روتا اس لیے ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد لیا تھا کہ دنیوی ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے اور اس وقت میرے اردگرد سانپ اکٹھے ہیں، یعنی اسباب۔ حضرت سعد کہتے ہیں: ان سانپوں کی کل تعداد یہ تھی: ایک بڑا پیالہ، ایک لگن اور ایک تسلہ۔ حضرت سعد نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے، فرمایا: جب کوئی کام کرنا چاہو، کوئی فیصلہ کرنا چاہو، کچھ تقسیم کرنا چاہو تو اللہ کو یاد رکھو۔ بیماری کی حالت میں اور بھی لوگوں نے نصیحت کی خواہش کی تو فرمایا: اگر تم سے ہو سکے تو حج یا عمرہ یا جہاد یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے جان دو، فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرو۔

جب زیست کی امید منقطع ہو گئی تو اپنی اہلیہ سے وہ مشک کی تھیلی منگائی جو جلولا میں آپ کو ملی تھی۔ اسے اپنے ہاتھ سے پانی میں گھولا اور اپنے ہر چہار طرف چھڑکوا دیا اور سب کو باہر کر دیا۔ لوگ کچھ دیر کے بعد اندر آئے تو جان جان آفریں کے سپرد کر چکے تھے۔ مدائن میں ۳۵ھ میں واصل بحق ہوئے، دو سو پچاس یا تین سو پچاس سال کی عمر پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے کسی حواری کا زمانہ پایا، مگر یہ صحیح نہیں، ان کے ابتدائی حالات اس کی تصدیق نہیں کرتے، پینتیس سال اسلام کا زمانہ پایا اور دس سال عہد نبوت کا۔

---

[۱] مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۳۸-۴۴۱

اثباتِ باب

یہاں باب یہ ہے: حربی سے غلام خریدنا اور حربی کا ہبہ اور اس کا غلام آزاد کرنا۔ اپنی اکثر عادت کے مطابق حضرت امام بخاری نے اپنا خیال نہیں تحریر فرمایا، لیکن جو تعلیقات اور احادیث تحریر کی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ تینوں صحیح ہیں اور اس تعلیق سے اس طرح ثابت ہیں کہ اگر چہ حضرت سلمان اصل میں آزاد تھے، مگر جب ان پر غلبہ پا کر ایک حربی نے قبضہ کر لیا اور غلام بنا لیا، وہ اس عہد کے دستور کے مطابق غلام ہو گئے اور جب اس مشرک تاجر نے وادی القریٰ کے یہودی کے ہاتھوں انہیں بیچا اور اس یہودی نے مدینہ کے یہودی کے ہاتھ بیچا اور نبی ﷺ نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ مکاتبت کر لے تو معلوم ہوا کہ حربی کی بیع بھی صحیح ہے اور خریداری بھی اور عتق بھی۔

ت ۴۲۳ - وَسُبِيَ عَمَّارٌ وَّصُهَيْبٌ وَّبِلَالٌ. اور حضرت عمار، صہیب اور بلال غلام بنائے گئے۔

حضرت عمار کہیں سے نہ قید ہو کے آئے تھے اور نہ کبھی بیچے اور خریدے گئے۔ اس لیے ان کا ذکر یہاں بے محل ہے، یہ عربی النسل عنسی بزرگ تھے۔ ان کے والد حضرت یاسر یمن کے باشندے تھے، مکہ آکر بس گئے تھے۔ اور ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بن گئے۔ اور ابو حذیفہ نے ان کی شادی حضرت سُمیہ سے کر دی تھی جو ان کی باندی تھیں۔ حضرت عمار پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ جب تک ابو حذیفہ زندہ رہا، یہ اس کے ساتھ رہے اور جب وہ مر گیا اور اسلام آیا تو یہ تینوں مشرف باسلام ہو گئے۔ یہ تینوں قدیم الاسلام ہیں۔ خصوصیت سے جن کمزوروں کو سنگدل بہت ستاتے تھے، ان میں یہ تینوں بھی ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں اذیتیں دی جا رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ان پر گزر ہوا تو فرمایا: اے آل یاسر! صبر کرو! تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔

ابوجہل لعین نے حضرت سمیہ کی شرمگاہ میں نیزہ بھونک دیا تھا، جس کے صدمے سے شہید ہو گئیں۔ یہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں، حضرت یاسر بھی روز روز کی جان لیوا تکالیف سے ایک دن جاں بحق ہو گئے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ

یہ بھی عربی النسل ہیں، نمر بن قاسط کے فرد ہیں، ان کے والد کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے عامل تھے۔ یہ جگہ موصل کے نواحی میں جزیرے کے قریب فرات کے کنارے ہے۔ رومی ان کی بستی پر حملہ کر کے انہیں قید کر کے لے گئے۔ قید کے وقت سن شعور کو پہنچ چکے تھے، جب یہ جوان ہو گئے تو رومیوں نے بنی کلب کے ایک شخص کے ہاتھ بیچ دیا، اس نے مکہ لا کر عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس نے انہیں آزاد کر دیا، جب اسلام آیا تو یہ اور حضرت عمار ایک ساتھ دارارقم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے صاحبزادے کی روایت یہ ہے کہ خود روم سے بھاگ آئے تھے اور مکہ آکر عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے۔ جب یہ ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے تو اہل مکہ نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے اہل مکہ سے کہا: میرا ترکش تیر سے بھرا ہوا ہے، تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ ماہر تیرانداز ہوں، تم میرے قریب اس وقت تک نہیں آسکتے جب تک کہ تیر ختم نہ ہو جائیں اور قریب جب آؤ گے تو پھر تلوار سے خبر لوں گا، بہتر یہ ہے کہ میرا سب مال لے لو اور لوٹ جاؤ۔ اس پر وہ ستمگر راضی ہو گئے انہوں نے اپنے مال کا پتہ بتا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبا میں حاضر ہوئے۔ ان کی داستان سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: یہ سودا نفع بخش ہے، اے ابو یحییٰ! اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرۃ: ۲۰۷)

اور کچھ لوگ اپنے آپ کو اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لیے بیچتے ہیں اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

یہ اور حضرت علی اس وقت کے اخیر مہاجر ہیں، تمام مشاہد میں شریک ہوئے، وہ خود فرماتے ہیں:

حضور اقدس ﷺ جہاں بھی تشریف لے گئے، جس جنگ میں گئے، جو بھی بیعت کی، سب میں میں حاضر تھا۔ ہر غزوے میں حضور کے دائیں بائیں رہتا۔ جب آگے سے اندیشہ ہوتا آگے رہتا، پیچھے سے ہوتا پیچھے رہتا۔ میں نے کبھی نبی ﷺ کو دشمن کے سامنے نہیں ہونے دیا۔ قبل بعثت بھی حضور کے رفقاء خصوصی میں تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں سباق العرب ہوں، صہیب سباق الروم، سلمان سباق الفارس، بلال سباق الحبشہ ہیں۔

چونکہ نشو ونما رومیوں میں ہوئی تھی، اس لیے کماحقہ، عربی بول نہیں پاتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ عوالی مدینہ میں ان سے ملنے گئے، جب انہوں نے دیکھا تو پکارنے لگے: یاناس یاناس، اے لوگو! اے لوگو! حضرت عمر نے ہمراہیوں سے دریافت فرمایا: انہیں کیا ہو گیا ہے؟ فرمایا: یہ اپنے غلام کو ناس ناس کہہ کر پکار رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے صہیب! تم میں تین عیب ہیں: تم رومی ہو اور اہل عرب سے نسب ملاتے ہو، اور ہکلاتے ہو یعنی عربی صحیح نہیں بولتے اور فضول خرچ ہو اور نبی کے نام پر کنیت رکھتے ہو، ان کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ فرمایا: میں دراصل عربی ہوں، رومی مجھے قید کر لے گئے، انہیں میں میری نشو ونما ہوئی، اس لیے صحیح عربی نہیں بول پاتا۔ اور چونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ خوب کھانا کھلاؤ، تو میں اس پر عمل کرتا ہوں۔ اور ابویحییٰ خود حضور نے میری کنیت رکھی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

ان کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ ہے، ابوعبداللہ کنیت ہے، یہ بنی جمح کے خانہ زاد غلام تھے، یعنی یہ اپنے آقا کی مملوکہ کنیز کے بطن سے تھے۔ یہ بھی قدیم الاسلام بزرگوں میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے جن بزرگوں نے اسلام ظاہر کیا وہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت بلال، عمار، صہیب، حضرت عمار کی والدہ سمیہ اور حضرت مقداد بن اسود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تو ظالموں کا داؤ نہیں چل سکا مگر بقیہ حضرات کو مکہ کے ستمگر طرح طرح ستاتے۔

اُمیہ بن خلف، حضرت بلال کو چلچلاتی دھوپ میں ننگے بدن چت لٹا کر سینے پر بھاری چٹان رکھ دیتا اور کہتا: یوں ہی رہ، یہاں تک کہ مرجائے، یا محمد (ﷺ) سے پھر جائے۔ اسی حالت میں حضرت صدیق اکبر نے دیکھا اور ایک قوی غلام کے عوض ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: مجھے بھی شریک کرلو۔ فرمایا: میں انہیں آزاد کر چکا، آزادی کے بعد یہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ رہنے لگے، جب اذان مشروع ہوئی تو مؤذن مقرر ہوئے۔ نیز حضور اقدس ﷺ کے خزانچی بھی تھے، تمام مشاہد میں ہم رکاب سعادت رہے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک تک مدینہ رہے اور اذان دیتے رہے، پھر شام جہاد کے لیے جانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا مگر راضی نہ ہوئے اور شام ہی میں ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں واصل بحق ہوئے اور دمشق میں باب صغیر کے پاس مدفون ہیں۔

ان کی استقامت اور عزیمت کا حال یہ تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مشرکین نے جو چاہا ہم سے کہلالیا، سوائے بلال کے کہ انتہائی تکلیف کے باوجود کبھی ظالموں کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور کبھی کوئی کلمہ ان کی مرضی کے مطابق زبان پر نہیں لائے، بلکہ ہمیشہ احد احد فرمایا۔ ظالم مشرک انہیں کبھی تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹاتے، کبھی انگاروں پر سلاتے، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں بٹھاتے، کبھی گلے میں رسی باندھ کر لڑکوں کے حوالے کر دیتے، وہ گھسیٹتے، مگر کوئی ستم انہیں متزلزل نہ کر سکا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتح بیت المقدس کے لیے شام تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی جابیہ میں آ کر ان کا استقبال کیا اور ساتھ ساتھ بیت المقدس بھی گئے۔

ایک دن حضرت عمر نے فرمایا: اے بلال! آج اذان کہہ دو۔ عرض کیا: میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں کہوں گا' مگر آپ کی خاطر کہہ دیتا ہوں۔ حضرت بلال کی آواز بہت سریلی' دلکش اور بلند تھی۔ جب اذان شروع کی تو عہد نبوت کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور تمام حاضرین بے خود ہو گئے' ہر آنکھ اشک بار ہو گئی۔ حضرت عمر کا روتے روتے بُرا حال ہو گیا۔ حضرت معاذ' حضرت ابوعبیدہ بھی زار وقطار رونے لگے۔ ایک بار خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں: اے بلال! کیا بے مروتی ہے کہ میری زیارت کو نہیں آتے' خواب سے بیدار ہوتے ہی مدینہ کی راہ لی اور روضۂ اقدس پر پہنچ کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔

حضرات حسنین کریمین پر نظر پڑی تو ان سے لپٹ لپٹ کر رونے لگے اور انہیں پیار کرنے لگے۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ آج صبح کو اذان کہہ دیجئے۔ صبح کو جب حضرت بلال نے اذان شروع کی تو پورے مدینہ میں کہرام مچ گیا' جب ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کہا تو مدینہ لرز اُٹھا' پردہ نشیں خواتین' خوردسال بچے گھروں سے نکل آئے' ساکنانِ مدینۃ الرسول کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں کی یاد تازہ ہو گئی' ایسا رقت انگیز سماں مدینہ میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔

جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی میں مواخات قائم کر دی۔ اس رشتہ نے ان میں بہت زیادہ محبت والفت پیدا کر دی۔ جب شام جانے لگے تو حضرت فاروق اعظم سے کہہ گئے کہ میرا وظیفہ ابورویحہ کو دے دیا کیجئے اور انہیں بھی شام بلا لیا۔ حضرت ابوبکر نے چونکہ ان کو خرید کر آزاد کیا تھا' اس لیے ان سے بھی بے پناہ محبت کرتے تھے اور احترام بھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان سے شام جانے کی اجازت طلب کی تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: بلال! میں تمہیں اللہ اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں مجھے جدائی کا داغ نہ دو' تو رُک گئے۔ تمام غزوات میں ساتھ ساتھ رہے' بلکہ ہر سفر میں ہم راہ رہتے' آگے آگے نیزہ لے کر چلتے' انہیں کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد کعبہ کے اندر گئے تو یہ ساتھ تھے۔ اسلام کے سب سے پہلے مؤذن ہیں' کعبہ کی چھت پر سب سے پہلے انہوں نے اذان دی۔ اس پائے کے بزرگ ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا: ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا۔

اُمیہ بن خلف نے انہیں طرح طرح ستایا تھا۔ غزوۂ بدر میں انہیں موقع مل گیا تو اس کا سر قلم کر لیا۔ حضرت ابوبکر نے سنا تو فرمایا: اے بلال! تم نے اپنا بدلہ لے لیا[1]

مطابقت باب

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے بنی کلب کے ایک فرد نے خریدا اور اس سے عبداللہ بن جدعان نے' یہ تینوں حربی تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حربیوں کی آپس کی خرید وفروخت درست ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنی جمح کے خانہ زاد غلام تھے' ان کے آقا سے حضرت صدیق اکبر نے خریدا تو معلوم ہوا کہ مسلمان کا حربی سے کچھ خریدنا درست ہے۔

اس باب پر امام بخاری نے اس آیت سے بھی استدلال فرمایا ہے:

---

[1] یہ تمام تفصیلات اصابہ' الاستیعاب' اسد الغابہ' طبقات ابن سعد' مستدرک للحاکم سے لی گئی ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ O﴾ (النحل:۷۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی' جنہیں زیادہ روزی دی گئی' یہ لوگ اپنے غلاموں اور باندیوں کو نہیں دیں گے کہ سب برابر ہو جائیں' تو کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں O (النحل:۷۱)

وجہ استدلال

یہ خطاب مشرکین سے ہے' اللہ عزوجل نے مشرکین کی ملک ان کے غلاموں اور کنیزوں پر ثابت فرمائی' حالانکہ ان کی ملکیت عموماً غیر شرعی طریقوں سے حاصل ہوتی تھی' پھر بھی ان کی ملکیت کو ثابت مانا' جب مشرکین کی املاک ان کی ملک ہیں تو ان کا بیچنا' ہبہ کرنا' آزاد کرنا سب درست ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سے خرید لے یا وہ کسی مسلمان کو کچھ بیچ دیں تو یہ بھی درست اور مسلمان کی ملک اس سے ثابت ہوگی۔

مشرکین اللہ عزوجل کی دی ہوئی روزی میں سے کچھ اللہ کے لیے کر دیتے اور کچھ بتوں کے لیے۔ اس طرح بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے' ان کے ردّ کے لیے فرمایا کہ تم اور تمہارے مملوک دونوں بنی آدم ہو اور اللہ کے بندے ہونے میں مساوی' مگر تم یہ نہیں پسند کرتے کہ تمہارے مملوک تمہارے مال میں برابر کے حصہ دار ہوں' تو پھر یہ کیا بے عقلی ہے کہ اللہ عزوجل کی عطاء فرمودہ روزی میں بتوں کو اللہ کا شریک کرتے ہو' جبکہ بت اللہ کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں۔

۱۳۰۰- عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاجَرَ اِبْرَاهِيْمُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيْهَا مَلِكٌ مِّنَ الْمُلُوْكِ اَوْ جَبَّارٌ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيْلَ دَخَلَ اِبْرَاهِيْمُ بِامْرَاَةٍ هِىَ مِنْ اَحْسَنِ النِّسَاءِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ مَنْ هٰذِهِ الَّتِىْ مَعَكَ قَالَ اُخْتِىْ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهَا فَقَالَ لَا تُكَذِّبِىْ حَدِيْثِىْ فَاِنِّىْ اَخْبَرْتُهُمْ اَنَّكِ اُخْتِىْ وَاللّٰهِ اِنْ عَلَى الْاَرْضِ مِنْ مُّؤْمِنٍ غَيْرِىْ وَغَيْرِكِ فَاَرْسَلَ بِهَا اِلَيْهِ فَقَامَ اِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّاُ وَتُصَلِّىْ فَقَالَتِ اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِىْ اِلَّا عَلٰى زَوْجِىْ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَىَّ الْكَافِرَ فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهِ قَالَ الْاَعْرَجُ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ اللّٰهُمَّ اِنْ يَّمُتْ يُقَلْ هِىَ قَتَلَتْهُ فَاُرْسِلَ ثُمَّ قَامَ اِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّاُ وَتُصَلِّىْ وَتَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِىْ اِلَّا عَلٰى زَوْجِىْ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَىَّ هٰذَا الْكَافِرَ فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهِ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ ہجرت کی' ایک ایسی بستی میں تشریف لے گئے جس میں ایک بادشاہ یا ایک ظالم تھا' اس سے کہا گیا کہ ابراہیم ایک ایسی عورت کے ساتھ آئے ہیں جو حسین ترین عورتوں میں سے ہے۔ اس بادشاہ نے ابراہیم کو بلا کر پوچھا: اے ابراہیم! تمہارے ساتھ یہ کون عورت ہے؟ فرمایا: میری بہن ہے' پھر ابراہیم سارہ کے پاس لوٹے تو فرمایا: وہاں جا کر میری بات جھٹلانا مت' میں نے انہیں بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو' بخدا! اس زمین پر اس وقت سوائے میرے اور تیرے اور کوئی مؤمن نہیں۔ اس بادشاہ نے سارہ کو اپنے یہاں بلایا اور ان کی طرف بڑھا' سارہ بھی اُٹھیں' وضو کیا اور نماز پڑھنے لگیں اور یہ دعا کی: اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور پاک دامن رہی ہوں تو کافر کو مجھ پر قابو نہ دے۔ یہ دعا کرتے ہی وہ کافر زمین پر گر پڑا' ناک سے خرخر کی آواز نکلنے لگی اور پاؤں زمین پر رگڑنے لگا' یہ دیکھ کر سارہ نے کہا: اے اللہ! اگر یہ مر جائے گا تو کہا جائے گا کہ اسی نے اسے مار ڈالا ہے' اب وہ ٹھیک ہو گیا' پھر وہ سارہ کی طرف بڑھا' سارہ نے پھر

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اِنْ يَّمُتْ يُقُلْ هِيَ قَتَلَتْهُ فَاُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ اَوْ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرْسَلْتُمْ اِلَيَّ اِلَّا شَيْطَانًا اِرْجِعُوْهَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاَعْطُوْهَا اٰجَرَ فَرَجَعَتْ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَتْ اَشَعَرْتَ اَنَّ اللّٰهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَاَخْدَمَ وَلِيْدَةً۔

(بخاری۔ کتاب الھبۃ۔ باب: قبول هدية المشركين ص۳۵۶'

باب: اذا قال اخدمتك هذه الجارية ص۳۵۸' ج۲۔ الاکراہ۔

باب: اذا استكرهت المرأة على الزنى ص۱۰۲۸)

وضو کیا اور نماز پڑھی اور یہ دعا کی: اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور پاک دامن رہی ہوں تو اس کافر کو مجھ پر قابو نہ دے۔ اب پھر وہ زمین پر گرا' ناک سے خرخر کی آواز نکالنے لگا اور پاؤں زمین پر رگڑنے لگا' تو سارہ نے کہا: اے اللہ! اگر یہ مرجائے گا تو کہا جائے گا کہ اسی نے اسے قتل کر دیا' تو اب پھر وہ ٹھیک ہو گیا' دوسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ اس نے اپنے ہرکاروں سے کہا: تم نے میرے پاس شیطان کو بھیجا ہے' اسے ابراہیم کے پاس لوٹا دو اور اسے ہاجرہ دے دو' سارہ ابراہیم کے پاس آئیں اور عرض کیا: کیا آپ کو پتہ چلا کہ اللہ نے کافر کو ذلیل کر دیا اور اس سے ایک خادمہ دلوائی۔

باب سے مطابقت اس حصے سے ہے کہ اس کافر بادشاہ نے حضرت ہاجرہ' حضرت سارہ کو ہبہ کر دیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے رد نہیں فرمایا' قبول فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدین سے جب ہجرت کر کے مصر تشریف لے گئے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ یہ واقعہ اُردن میں پیش آیا تھا اور اس بادشاہ کا نام عمرو بن امرئ القیس بن قابلیون بن سبا تھا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ھاران کی صاحبزادی تھیں۔ بہن بنانے کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ دوسری وہ جو خود حدیث میں ہے کہ اس وقت اس سرزمین پر سوائے ان دونوں کے اور کوئی مؤمن نہ تھا' اس تقدیر پر اخوتِ اسلامی کی بناء پر کہا۔

حضرت لوط علیہ السلام اس وقت باحیات تھے' مگر وہاں موجود نہ تھے۔ حدیث میں الارض سے مُراد خاص وہ جگہ ہے۔ بجائے زوجہ بتانے کے بہن بتانے کی توجیہ علماء نے مختلف کی ہے' ایک یہ کہ اس ظالم کی عادت تھی کہ بیویوں کو شوہروں سے چھین لیتا مگر بہنوں کو بھائیوں سے نہیں چھینتا تھا' یہی توجیہ زیادہ بہتر لگتی ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ وہ ظالم ہر خوبصورت عورت کو غصب کر لیتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ اگر اس کے علم میں یہ بات آئی کہ میں اس کا شوہر ہوں تو کہیں مجھے غیرت کی وجہ سے قتل نہ کرا دے اور بہن بتانے میں اسے غیرت آنے کا سوال ہی نہیں۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ!

ابن ہشام نے تیجان میں لکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت سارہ کے ساتھ بادشاہ کے محل میں تشریف لے گئے تھے' انہیں محل سے باہر کر دیا۔ اللہ عزوجل نے محل کو شفاف شیشے کی طرح کر دیا' وہ بادشاہ اور حضرت سارہ کو دیکھتے رہے اور ان کی باتیں سنتے رہے' لیکن یہاں بخاری میں "فارسل بها اليه" ہے' یعنی سارہ کو بادشاہ کے پاس بھیجا' اس سے متبادر یہی ہے کہ وہاں صرف حضرت سارہ گئی تھیں۔

فرجعت

کتاب الانبیاء میں یہ ہے کہ وہ جب لوٹ کر آئیں تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم نماز پڑھ رہے ہیں' بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے حضرت سارہ گئی تھیں' اسی وقت سے نماز پڑھ رہے تھے۔

فَغُطَّ

"غُطَّ" سے ماضی مجہول ہے' گلا دبوچنے پر ناک سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے کو کہتے ہیں۔ مسلم کی روایت یہ ہے کہ جب حضرت سارہ اس ظالم کے پاس پہنچیں تو وہ صبر نہ کر سکا۔ ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "فقبضت يده قبضة شديدة" اس کا ہاتھ بری طرح سکڑ گیا۔

تینوں باتیں ہوئی ہوں گی: ہاتھ بھی سکڑا ہوگا' گلا بھی گھٹ گیا ہوگا اور پاؤں بھی رگڑنے لگا ہوگا۔ کتاب الانبیاء میں یہ زائد ہے کہ اپنی یہ درگت دیکھ کر اس ظالم نے حضرت سارہ سے کہا: اللہ سے میرے لیے دعا کرو اور میں تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا تو حضرت سارہ نے وہ دعا فرمائی۔ کتاب الانبیاء میں صرف دو بار کا ذکر ہے اور یہاں شک کے ساتھ ہے' دو بار یا تین بار ایسا ہوا۔

قال الاعرج

"اللّٰھم ان یمت سے فارسل" تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے' اس لیے امام بخاری نے اس کو امتیاز کے لیے "قال الاعرج" سے بیان کیا۔ اعرج سے مراد عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔ پیر میں لنگ تھا' اس لیے انہیں اعرج کہتے تھے۔

واعطوھا آجر

الف ممدودہ کے ساتھ آجر بھی ہے اور ہاء ہوز کے ساتھ ھاجر بھی ہے۔ یہ سریانی زبان کا کلمہ ہے۔ مصر کے ایک شخص حفن کے بادشاہ کی صاحبزادی تھیں۔ حفن نیل کے مشرقی ساحل پر ایک شہر تھا جس کے آثار شارحین بخاری' علامہ قسطلانی اور علامہ عینی کے عہد تک موجود تھے' اس وقت وہ الفنا کے دیہاتوں میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس سے گیہوں خریدتے تھے' اسی نے بادشاہ سے چغلی کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ میں نے سارہ کو آٹا گوندھتے دیکھا ہے۔

اس ظالم نے جب حضرت سارہ کی یہ رفعت شان دیکھی تو ان کی خدمت کے لیے حضرت ہاجرہ کو دیا اور کہا کہ ان کی شان یہ نہیں کہ یہ خود کام کریں۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوتے ہیں: کافر اور ظالم بادشاہ کا عطیہ قبول کرنا جائز ہے۔ جان' مال' آبرو کا خطرہ ہو تو توریہ کی اجازت ہے' یعنی ایسی بات کہنا کہ جو ظاہر کے خلاف ہو' مگر اس کا صحیح معنی بھی ہو بلکہ ایسے موقع پر خلاف واقعہ بات کہنے کی بھی اجازت ہے بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے۔ بہ وقت مجبوری ظالم کے آگے سپر ڈالنا جائز ہے۔ بیوی کو بہن کہنے سے طلاق نہیں پڑتی۔ خلوص نیت سے دعا قبول ہوتی ہے۔ عمل صالح کو ذریعہ بنا کر دعا کرنے سے اللہ عزوجل بندے کی مدد فرماتا ہے۔

١٣٠١- ح: قَالَ لِصُهَيْبٍ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَدَّعِ

[صہیب سے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (اپنے باپ کے سوا خود کو کسی دوسرے سے) منسوب نہ کرو]

١٣٠١- قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِصُهَيْبٍ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَدَّعِ اِلٰى غَيْرِ اَبِيْكَ فَقَالَ صُهَيْبٌ مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا وَاَنِّيْ قُلْتُ ذٰلِكَ وَلٰكِنِّيْ سُرِقْتُ وَاَنَا صَبِيٌّ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت صہیب سے کہا: اللہ سے ڈرو اور اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرو' تو صہیب نے کہا: مجھے اس سے خوشی نہ ہوگی کہ میرے لیے اتنی اور اتنی دولت ہو اور میں ایسا کروں' لیکن قصہ یہ

ہے کہ میں بچہ تھا کہ چرالیا گیا۔

اس سے قبل گزر چکا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اصل میں عرب تھے' تمر بن قاسط کے صاحبزادے جو بنی ربیعہ کے فرد تھے' بچپن میں رومی انہیں اُٹھالے گئے تھے' اس لیے ان کی زبان رومی تھی۔ جس کی وجہ سے لوگ ان کے عربی ہونے پر شبہہ کرتے تھے۔ اسی بناء پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وہ فرمایا اور حضرت صہیب نے وہ جواب دیا۔ مطلب یہ ہے کہ میری زبان کی وجہ سے میرے عربی ہونے پر شک نہ کرو' میں حقیقت میں عربی ہوں' عہد طفلی ہی میں رومیوں کے قبضے میں چلا گیا اور ان کی زبان بولنے لگا۔

بَابُ قَتْلِ الْخِنْزِيرِ (ص ۲۹۶) — خنزیر کے قتل کرنے کا بیان

مناسبت

بیوع کے ابواب سے اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ بیع کا اصل محل مال ہے اور خنزیر واجب القتل ہے تو شرعاً مال نہیں۔ اس لازم کہ اس کی بیع درست نہیں' اس سے ذمیوں کے خنزیر مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ مال ہے اور فرمایا گیا:

وَاَمْوَالُهُمْ كَاَمْوَالِنَا. — ذمیوں کے مال ہمارے مال کے مثل ہیں۔

۱۳۰۲- ح: لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيكُمْ بْنُ مَرْيَمَ — [عنقریب ابن مریم تم میں اتریں گے]

۱۳۰۲- عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيكُمْ بْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُّقْسِطًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُفِيْضُ الْمَالَ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ اَحَدٌ.

(مسلم۔ کتاب الایمان' ترمذی۔ کتاب الفتن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں (عیسیٰ) ابن مریم اُتریں گے' وہ انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے' صلیب توڑیں گے' سور مار ڈالیں گے' جزیہ ختم کر دیں گے اور ان کے زمانے میں مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ کوئی خیرات نہ لے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی تفصیل میں مختلف حکایتیں مروی ہیں۔ امام نسائی اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہودیوں کے بادشاہ نے حضرت عیسیٰ کے شہید کرنے کا حکم دے دیا اور یہودی انہیں تلاش کرنے کے لیے نکلے تو حضرت عیسیٰ اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ ایک مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا: تم میں کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ میرے مشابہ کر دیا جائے اور میرے بجائے قتل کیا جائے' وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا؟ ان میں ایک سب سے کمسن جوان نے عرض کیا: میں حاضر ہوں' تین بار یہی فرمایا اور اس نے ہر بار حامی بھری' وہ حضرت عیسیٰ کے مشابہ ہو گیا اور حضرت عیسیٰ آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔ یہودی آئے اور اس جوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لے گئے اور پھانسی دے دی۔ (کمالین)

اس کے برخلاف عام طور پر یہ مشہور ہے: جب یہودیوں نے طے کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دے دی جائے اور انہوں نے پھانسی کا تختہ بھی کھڑا کر لیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام روپوش ہو گئے' ان کے حوارین میں یہوذا نامی ایک منافق تھا' اس نے نشاندہی کی

یہودیوں نے اس مکان کو جس میں حضرت عیسیٰ تھے' گھیر لیا۔ یہوذا حضرت عیسیٰ کے ساتھ تھے' جبریل امین ہمیشہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کو لے کر آسمان پر چلے گئے اور یہوذا کی شکل حضرت عیسیٰ کے مثل کر دی گئی' یہودی اسی کو پکڑ کر لے گئے اور پھانسی دے دی اور اس کی لاش پھانسی ہی پر چھوڑ دی۔

صلیب کی پرستش کی ابتداء

جب روم کے شہنشاہ کو کسی نے بتایا کہ ایک صاحب اپنے کو اللہ کا رسول کہتے تھے' ان سے عظیم الشان معجزے ظاہر ہوتے تھے' وہ مردے جلاتے تھے' مادر زاد اندھے کو بینا اور سفید داغ والے کو صحت مند بنا دیتے تھے تو اس نے اپنے آدمی بھیج کر مصلوب کو تختہ دار سے اتارا اور وہ تختہ روم لے گیا۔ شاہ روم نے اس کی تعظیم کی اور اس کے مثل اور بھی تختے بنائے' جس کی پرستش کرنے لگے۔

خصوصیت سے صلیب توڑنا' غالباً اس بناء پر ہے کہ اس میں نصاریٰ کے دو اعتقاد کا بطلان ہے' ایک یہ کہ انہیں پھانسی دی گئی' دوسرے یہ کہ اس کی پرستش کرتے تھے۔ خنزیر کا قتل اس وجہ سے ہوگا کہ نصاریٰ کی سب سے زیادہ مرغوب غذا ہے۔ اور حقیقت میں نجس العین اور ہر جانور سے زیادہ گندہ۔ قیامت کے قریب دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے صبح صادق طلوع ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ جامع دمشق کے مشرقی سفید مینارے پر اتریں گے[1] یہود اور تمام کفار کو قتل فرمائیں گے' ان کے زمانے میں اسلام یا قتل کا قانون ہوگا' جزیہ لے کر ذمی بنانے کا حکم ان کے عہد سے پہلے تک ہے' ان کے زمانے میں نہ کوئی ذمی ہوگا اور نہ ان کی عبادت گاہیں۔

بَابٌ لَّا يُذَابُ شَحْمُ الْمَيْتَةِ وَلَا يُبَاعُ وَدَكُهُ (ص۲۹۶)

مردار کی چربی نہ پگھلائی جائے اور نہ اسے بیچا جائے

۱۳۰۳- اِنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ بَلَغَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ فُلَانًا بَاعَ خَمْرًا فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا اَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں نے شراب بیچی ہے' تو فرمایا: اللہ اسے مار ڈالے! کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ یہود کو مار ڈالے! ان پر چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے چربی کو پگھلا کر بیچا۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب: ما ذکر عن بنی اسرائیل ص۴۹۱' مسلم۔ کتاب البیوع' نسائی۔ کتاب الذبائح' ابن ماجہ۔ کتاب الاشربہ)

۱۳۰۴- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ يَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَبَاعُوْهَا وَاَكَلُوْا اَثْمَانَهَا.

(مسلم۔ کتاب البیوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے! ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے بیچا اور اس کی قیمتیں کھائیں۔

یہ صاحب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ تھے' جیسا کہ مسلم میں ہے۔ یہ ممتاز مشاہیر صحابہ میں سے ہیں' یہ حیرت انگیز بات ہے کہ انہوں نے شراب کیسے بیچی۔ اس کی توجیہ اسماعیلی نے یہ کی ہے کہ شراب پینے کی حرمت کی تصریح قرآن مجید میں ہے۔ اس کی حرمت ہر صحابی کو معلوم تھی' مگر بیچنے کی حرمت قرآن مجید میں نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجارت سے ضرور منع فرمایا ہے مگر یہ حدیث

[1] مسلم۔ ج۲ ص۴۰۱۔ کتاب الفتن۔ باب: ذکر الدجال

ان تک پہنچی نہ تھی' اس لیے اسے بیچا' خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قیاس سے ثابت فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بھی وہ حدیث نہیں پہنچی تھی ورنہ اسے پیش کرتے' اجتہاد سے کام نہ لیتے' اس لیے اغلب یہی ہے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا بیچنا بھی حرام ہے اور اصل اشیاء میں اباحت ہے' اس لیے بیچا۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ لَعَنَهُمْ قُتِلَ لُعِنَ الْخَرّٰاصُوْنَ الْكَذّٰابُوْنَ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: ''قاتلھم اللہ'' کے معنی ہیں: اللہ ان پر لعنت کرے! قرآن مجید میں ہے: ''قتل الخراصون'' یعنی جھوٹوں پر لعنت ہو!

''قاتل'' باب مفاعلہ کا ماضی ہے' جس کے معنی آپس میں لڑنے کے ہیں۔ اللہ عزوجل سے لڑنے کی کسے مجال ہے۔ یہ محال ہے کہ کوئی اللہ عزوجل سے لڑائی کر سکے' اس لیے ضرورت ہوئی کہ اس کے معنی کو بتایا جائے۔ امام بخاری کی تفسیر کا حاصل یہی ہے کہ یہاں قاتل مشارکت کے لیے نہیں' بلکہ مجرد کے معنی میں ہے' اور اس کا لازم معنی مراد ہے 'لعنت' یعنی اپنی مہربانی سے بالکلیہ محروم کرنا انسان کسی کو اس وقت قتل کرتا ہے جب اس کے لیے مہربانی کی کوئی گنجائش نہ رہے' اس لیے قتل کرنے کو مہربانی سے بالکلیہ محروم کرنا لازم ہے۔

بَابُ بَيْعِ التَّصَاوِيْرِ الَّتِي لَيْسَ فِيْهَا رُوْحٌ وَّمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ (ص٢٩٦)

غیر جاندار کی تصویر بیچنا اور اس میں کیا مکروہ ہے؟

١٣٠٥- ح: اِنِّىْ اِنْسَانٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِىْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِىْ

[میں ایک انسان ہوں' میرا ذریعہ معاش ہاتھ کی کاریگری ہے]

١٣٠٥- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِى الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذْ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا اَبَا عَبَّاسٍ اِنِّىْ اِنْسَانٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِىْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِىْ وَاِنِّىْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهَا الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَّاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ كُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ. (مسلم۔ کتاب اللباس' نسائی۔ کتاب الزینۃ)

سعید بن ابوالحسن نے کہا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا: اے ابوعباس! میں ایک انسان ہوں' میرا ذریعہ معاش ہاتھ کی کاری گری ہے' میں یہ تصویریں بناتا ہوں' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں تم سے وہی بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے' فرماتے تھے: جو شخص کوئی تصویر بنائے گا اسے اللہ عزوجل ضرور عذاب دے گا جب تک اس میں روح نہ ڈال دے اور وہ کبھی بھی اس میں جان نہ ڈال سکے گا۔ اس پر اس شخص نے لمبی ٹھنڈی سانس لی اور اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا' تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: تیرا برا ہو! اگر تصویریں بنانے سے باز نہیں رہے گا تو اس درخت اور بے جان کی بنا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے' خواہ مجسمہ ہو یا کپڑے' کاغذ وغیرہ پر خواہ ہاتھ سے بنائیں یا کیمرہ وغیرہ آلات سے' البتہ درخت' پہاڑ وغیرہ' بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ ہے جو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اخذ فرمایا ہے۔ تصویر بنانے پر اللہ عزوجل اسے عذاب دیتا رہے گا' جب تک اس میں جان

نہ ڈال دے۔ یہ ارشاد کہ وہ اس میں کبھی بھی جان نہ ڈال سکے گا' اس پر قرینہ ہے کہ اس پر ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا۔

کل شیء لیس فیه روح

''الشجر'' سے بدل ہے' بدل الکل عن البعض' بعض نحویوں نے اسے جائز کہا ہے' اس تقدیر پر بدل کی پانچ قسمیں ہو جائیں گی' جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

رحم الله اعظما دفنوها بسجستان طلحة الطلحات

''اللہ ان ہڈیوں پر رحمت نازل فرمائے' جسے لوگوں نے بجستان میں دفن کیا ہے' طلحۃ الطلحات پر''۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدَةَ عَنْ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّضْرَ بْنَ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. الحديث

ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: روایت ہے محمد سے' وہ روایت کرتے ہیں عبدہ سے' وہ روایت کرتے ہیں سعید سے کہ میں نے نضر بن انس سے سنا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہاں تھا' الخ۔

امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حدیث مذکور ایک اور سند کے ساتھ مروی ہے' جس میں سعید بن ابو عروبہ' حضرت انس بن مالک کے صاحبزادے نضر بن انس سے روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اس سند میں سعید اور نضر بن مالک کے درمیان قتادہ کو ذکر کیا ہے' اس سے خیال ہوتا ہے کہ سعید بن ابو عروبہ نے نضر سے نہیں سنا ہے۔

امام بخاری نے اس شبہے کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ سعید بن ابو عروبہ نے صرف یہ ایک حدیث نضر بن مالک سے سنی ہے۔ کتاب اللباس[1] میں امام بخاری نے اس حدیث کی سند یوں ذکر کی ہے۔

ہم سے سعید بن ابو عروبہ نے حدیث بیان کی' میں نے نضر بن انس کو قتادہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا۔ غالباً اسی سے مسلم کے کسی راوی کو اشتباہ ہوا اور اس نے سعید بن ابو عروبہ اور نضر بن انس کے درمیان قتادہ کو ذکر کر دیا۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا (ص ۲۹۷) — آزاد کو بیچنے کا گناہ

۱۳۰۶- عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ ثَلَاثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اِسْتَاْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ اَجْرَهُ.

(کتاب الاجارۃ- باب: اثم من منع اجر الاجیر ص ۳۰۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کا قیامت کے دن میں فریق ہوں گا' ایک وہ جس نے میرے نام کے ساتھ عہد کیا پھر توڑ دیا' دوسرے وہ جس نے کسی آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی' تیسرے وہ جس نے کوئی نوکر یا مزدور رکھا اور اس سے پورا کام لیا اور اس کی مزدوری یا تنخواہ نہیں دی۔

اللہ عزوجل ہر مظلوم کی قیامت کے دن حمایت فرمائے گا' ان تینوں میں خصوصیت سے فریق بننے کا تذکرہ بہ طور مبالغہ ہے اور ان تینوں کی شناعت شدیدہ کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہ اس عہد میں بہت رائج تھا اور قسم کھا کر مکرنا تو آج بھی شائع اور ذائع ہے۔

علاوہ ازیں یہ تینوں جرم انتہائی کمزوروں کے ساتھ ہوتے ہیں' جن کا دنیا میں کوئی حامی نہیں ہوتا۔ غایت کرم سے فرمایا کہ میں

[1] بخاری- ج ۲ ص ۸۸۱- کتاب اللباس- باب: اول

ان کا حامی ہوں۔فریق کے لیے حمایت لازم ہے۔ پہلی صورت میں مراد یہ ہے کہ جس کے خلاف بدعہدی کی ہے' اس کا حامی ہوں گا۔ جس طرح آزاد انسان کے عین کو بیچنا جائز نہیں' نہ اسے جائز نہ کسی دوسرے کو' اسی طرح اس کے کسی بھی جز کی بیع باطل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو رائج ہے کہ لوگ خون' گردہ' آنکھ وغیرہ بیچتے ہیں' یہ جائز نہیں' اس لیے کہ بیع مملوک کی ہوتی ہے' انسان کی ذات کی طرح اس کے اجزاء بھی کسی کی مِلک نہیں' نہ خود اس کی نہ کسی دوسرے کی' جس طرح بیچنا جائز نہیں ویسے یہ طور ہبہ اور عطیہ بھی دینا جائز نہیں۔

بَابُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَهُوْدَ بِبَيْعِ اَرَضِيْهِمْ حِيْنَ اَجْلَاهُمْ (ص۲۹۷)

نبی ﷺ کا یہودیوں کو اپنی زمین بیچنے کا حکم دینا' جب انہیں جلاوطن کیا تھا

یہ باب صرف ابوذر کے نسخے میں ہے اور "ارضیهم" را کے فتحہ کے ساتھ ہے' اس میں دو شذوذ ہیں' ایک یہ کہ را کے فتحہ کی وجہ سے واحد کا وزن سلامت نہیں رہا' حالانکہ یہ جمع مذکر سالم ہے' دوسرے یہ کہ غیر ذوی العقول میں سے ہے' حالانکہ جمع سالم غیر ذوی العقول کی نہیں آتی۔

فِيْهِ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

اس بارے میں حضرت ابوسعید مقبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اس سے امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو کتاب الجہاد[1] باب: اجلاء اليهود من جزيرة العرب میں ذکر کی ہے۔

ابوسعید مقبری' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے کہ نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: یہودیوں کے پاس چلو۔ ہم چلے اور بیت المدارس پہنچے' حضور اقدس ﷺ نے (یہودیوں سے) فرمایا: اسلام قبول کرلو' سلامت رہو گے' جان لو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے' میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تم کو اس زمین سے جلاوطن کردوں' تم اسے بیچ دو' ورنہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْعَبِيْدِ بِالْعَبِيْدِ وَالْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً (ص۲۹۷)

چند غلاموں کو ایک غلام کے عوض اور حیوان کو حیوان کے عوض اُدھار بیچنا

مقصود باب

غلام غلام' حیوان حیوان ایک جنس کے ہیں' بہ ظاہر متبادر ہوتا ہے کہ اس میں کمی زیادتی اور اُدھار سود ہوگا۔ اس کے ازالے کے لیے یہ عنوان قائم فرمایا کہ اس میں تفاضل بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز' یعنی ان میں سود نہیں۔ اور اس باب میں حیوان عام ہے' ایک جنس کے حیوان کو دوسرے جنس سے بیچیں یا اسی جنس سے امام بخاری کے نزدیک سب جائز ہے۔ ہمارے نزدیک نقد جائز اور ادھار حرام۔ یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے عوض اُدھار بیچنے سے منع فرمایا۔

---

[1] بخاری۔ج۱ص۴۴۹۔کتاب الجہاد۔باب: اجلاء اليهود من جزيرة العرب

یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت سمرہ بن جندب[۱] حضرت ابن عمر[۲] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم[۳] سے روایت کی۔

ت ۴۲۴ - وَاشْتَرٰی ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَاحِلَةً بِاَرْبَعَةِ اَبْعِرَةٍ مَّضْمُوْنَةٍ عَلَیْهِ یُوْفِیْهَا صَاحِبُهَا بِالرَّبَذَةِ۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک سواری چار اونٹوں کے بدلے خریدی، جس کے بارے میں ضمانت لے لی تھی کہ اس کا مالک ربذہ میں دے گا۔

اس تعلیق کو امام مالک نے موطأ میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے معارض ابن سیرین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کہ ایک اونٹ دو اونٹ کے عوض جائز ہے اگر ادائیگی کے لیے میعاد مقرر ہو تو؟ انہوں نے اسے ناپسند فرمایا۔

ت ۴۲۵ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ یَكُوْنُ الْبَعِیْرُ خَیْرًا مِّنَ الْبَعِیْرَیْنِ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبھی ایک اونٹ، دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔

اس تعلیق کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً روایت فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد حق ہے، مگر اس سے ادھار بیچنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

ت ۴۲۶ - وَاشْتَرٰی رَافِعُ بْنُ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بَعِیْرًا بِبَعِیْرَیْنِ فَاَعْطَاهُ اَحَدَهُمَا وَقَالَ اٰتِیْكَ بِالْاٰخَرِ غَدًا رَهْوًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ، دو اونٹوں کے عوض خریدا اور ایک فوراً دیا اور فرمایا: دوسرا کل ان شاء اللہ بلا تاخیر دے دوں گا۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت ۴۲۷ - وَقَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ لَا رِبًا فِی الْحَیَوَانِ اَلْبَعِیْرُ بِالْبَعِیْرَیْنِ وَالشَّاةُ بِالشَّاتَیْنِ اِلٰی اَجَلٍ۔

اور حضرت ابن مسیب نے کہا: حیوان میں سود نہیں، ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض، ایک بکری دو بکریوں کے عوض میعاد مقررہ تک بیچنا جائز ہے۔

اس تعلیق کے پہلے جز "لا ربوا فی الحیوان" کو امام مالک نے موطا میں اور "البعیر بالبعیرین" کو امام عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے۔

ت ۴۲۸ - وَقَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ لَا بَاْسَ بَعِیْرٌ بِبَعِیْرَیْنِ وَدِرْهَمٌ بِدِرْهَمَیْنِ نَسِیْئَةً۔

اور ابن سیرین نے فرمایا کہ ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض اور ایک درہم دو درہموں کے عوض ادھار بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے اس قول کا دوسرا جز صریح احادیث کے خلاف ہے۔

۱۳۰۷ - ح: كَانَ فِی السَّبْیِ صَفِیَّةُ [حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) قیدیوں میں سے تھیں]

۱۳۰۷ - عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ فِی السَّبْیِ صَفِیَّةُ فَصَارَتْ اِلٰی دِحْیَةَ الْكَلْبِیِّ ثُمَّ صَارَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام المومنین حضرت صفیہ قیدیوں میں تھیں، یہ دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گئیں۔

---

۱ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ کتاب البیوع باب کراهیة بیع الحیوان بالحیوان
۲ عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۹۳ ۳ ایضاً

اس حدیث کے بعض طرق میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے صفیہ کو سات افراد کے بدلے خرید اتھا[1] اسی سے باب کو مطابقت ہے۔

بَابُ بَيْعِ الرَّقِيقِ (ص۲۹۷) غلام کی بیع

۱۳۰۸- اَخْبَرَنِي ابْنُ مُحَيْرِيزٍ اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُصِيْبُ سَبْيًا فَنُحِبُّ الْاَثْمَانَ فَكَيْفَ تَرٰى فِي الْعَزْلِ فَقَالَ اَوَ اِنَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ لَا عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا ذٰلِكُمْ فَاِنَّهَا لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللّٰهُ اَنْ تَخْرُجَ اِلَّا وَهِيَ خَارِجَةٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم قیدی پاتے ہیں اور ان کی قیمت چاہتے ہیں تو عزل کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: کیا یہ تم لوگ کرتے ہو؟ اگر نہ کرو تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا' جس جان کی پیدائش اللہ نے لکھ دی ہے' وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(بخاری۔ کتاب العتق۔ باب: من ملك من العرب رقيقا ص۳۴۵ ج۲' کتاب النکاح۔ باب: العزل ص۷۸۴' کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ بنی المصطلق ص۵۹۳' کتاب القدر۔ باب: قوله و كان امر الله قدرا مقدورا ص۹۷۷' کتاب التوحید۔ باب: قول الله الخالق البارئ ص۱۱۰۱ مسلم۔ کتاب النکاح' ابوداؤد۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب العتق۔ کتاب عشرۃ النساء)

یہ سوال و جواب غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر ہوا تھا' جبکہ بہت سی لونڈیاں قید ہوئی تھیں' اس وقت صحابہ کرام بہت تنگ دست تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عزل جائز ہے' البتہ اپنی زوجہ سے عزل کرنا ہو تو اس سے اجازت ضروری ہے' عزل کے لغوی معنی علیحدہ کرنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جماع میں انزال کے وقت عضو باہر نکال لینا' تاکہ منی باہر گرے۔ اسی پر قیاس کر کے یہ بھی جائز ہے کہ مانع حمل دوائیں استعمال کی جائیں یا مرد اپنے عضو پر یا عورت رحم کے منہ پر خول وغیرہ چڑھا لے۔

مگر آپریشن نہ مرد کو جائز ہے نہ عورت کو' کیونکہ یہ تغییر خلق اللہ ہے جو بہ حکم قرآن شیطانی کام ہے۔ شیطان جب راندہ درگاہ ہونے لگا تو اس نے دھمکی دی تھی۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ. (النساء:۱۱۹) میں ضرور ضرور ان سے کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں۔

اسی طرح لُپ لگوانا بھی حرام ہے' کیونکہ اس میں بلاضرورت شرعیہ شرمگاہ اور مواضع ستر اجنبی ڈاکٹروں کو دکھانا اور انہیں چھونے دینا ہے۔

البتہ اس اندیشے سے حمل روکنے کی کوشش ایمان کی کمزوری ہے کہ زیادہ بچے ہو جائیں گے تو ان کی پرورش کیسے ہوگی؟ ارشاد ہے:

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ. (الانعام:۱۵۱) ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ. (الاسراء:۳۱) ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ (ص۲۹۷) مدبر کی بیع

۱۳۰۹- عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ

1۔ عمدۃ القاری ج۱۲ ص۴۷

بَاعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُدَبَّرَ. ﷺ نے مدبر کو بیچا۔

(ابوداؤد۔ کتاب العتق' نسائی۔ کتاب البیوع۔ کتاب القضا' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس کے بارے میں اس کے مالک نے کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں' مطلق جبکہ اس کے آقا نے مطلق مرنے پر آزادی معلق کی ہو۔ اس کو نہ بیچنا جائز ہے نہ اس کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ دوسرے مقید' یہ وہ ہے جسے اس کے مالک نے یوں کہا ہو: اگر میں اس مرض میں مر جاؤں یا اس سفر میں مر جاؤں تو تُو آزاد ہے۔ اور مالک اس مرض سے اچھا ہو گیا یا سفر سے واپس آ گیا تو اسے بیچنا جائز ہے۔

حضرت امام شافعی' حضرت امام احمد دونوں قسم کے مدبر کی بیع کو جائز کہتے ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

یہ حدیث یہاں مختصر ہے' بیع المزایدہ میں مفصل گزر چکی ہے اور وہیں احناف کے دلائل بھی مذکور ہیں۔

بَابٌ هَلْ يُسَافِرُ بِالْجَارِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَّسْتَبْرِئَهَا (ص ۲۹۷) — استبراء سے پہلے لونڈی کے ساتھ سفر کرنا

ت ٤٢٩ - وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَاسًا اَنْ يُّقَبِّلَهَا اَوْ يُبَاشِرَهَا.

امام حسن بصری ایسی لونڈی کا بوسہ لینے یا اسے چپکانے میں حرج نہیں جانتے تھے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا' مگر صرف ''ان یقبلها'' تک' البتہ امام عبدالرزاق نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ''یصیب ما دون الفرج'' شرمگاہ کے علاوہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

باندی کو خریدنے کے بعد استبراء واجب ہے' یعنی جب تک اسے ایک حیض نہ آ جائے' اس سے ہم بستری جائز نہیں۔ سفر میں چونکہ اس کا خطرہ رہتا ہے کہ کہیں جماع نہ کر بیٹھے' اس لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے' مگر حسبِ عادت اپنا کوئی فیصلہ نہیں تحریر فرمایا۔

ت ٤٣٠ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيْدَةُ الَّتِيْ تُوْطَأُ اَوْ بِيْعَتْ اَوْ عُتِقَتْ فَلْيُسْتَبْرَأْ رَحِمُهَا بِحَيْضَةٍ وَّلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس باندی سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور اسے ہبہ کیا جائے یا بیچا جائے یا اسے آزاد کیا جائے تو ضروری ہے کہ ایک حیض تک استبراء کرے اور کنواری پر استبراء نہیں۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت ٤٣١ - وَقَالَ عَطَاءٌ لَا بَاْسَ اَنْ يُّصِيْبَ مِنْ جَارِيَتِهِ الْحَامِلِ مَا دُوْنَ الْفَرْجِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ (المؤمنون: ٦).

اور امام عطاء نے کہا: حاملہ باندی کی شرمگاہ کے علاوہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ مؤمن اپنی مراد کو پہنچے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں اور شرعی باندیوں سے۔

مراد یہ ہے کہ حمل کی حالت میں کسی باندی کو خریدا تو جب تک وضع حمل نہ ہو جائے' اس سے ہم بستری جائز نہیں۔ حدیث میں فرمایا:

لا یحل لامرئ یؤمن باللّٰه والیوم الاخر ان — جو شخص اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے' اسے حلال نہیں کہ

یسقی ماءہ زرع غیرہ. (مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۰۸) اس کا پانی دوسرے کا کھیت سینچے۔

آیۂ کریمہ سے استدلال یوں ہے کہ جب باندیاں حلال ہیں تو ان سے بوس و کنار بھی حلال' البتہ حمل کی حالت میں ہم بستری اس حدیث کی وجہ سے حرام ہے' حتیٰ کہ اگر یہ حمل اس کے موجودہ آقا کا ہو' مثلاً اس نے خریدنے سے پہلے اس کے ساتھ زنا کیا ہو تو اس سے ہم بستری بھی جائز ہے۔

پھر اس کے بعد امام بخاری نے اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ان الفاظ میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے چن لیا اور انہیں اپنے ہم راہ لے کر چلے۔ جب سد الروحاء پر پہنچے تو نزول اجلال فرمایا اور ان کے ساتھ زفاف فرمایا۔ حضرت صفیہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے لیے منتخب فرمایا تو یہ حضور کی باندی ہو گئیں اور قبل استبراء انہیں لے کر سفر فرمایا' یہی باب کا عنوان ہے' اگرچہ اس میں کلام ہے۔

مسائل

ہمارے نزدیک باندی سے استبراء سے قبل مباشرت اور بوس و کنار جائز نہیں' کیونکہ اس میں جماع میں مبتلا ہو جانے کا قوی خطرہ ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ (ص ۲۹۸)

۱۳۱۰ - عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهَا تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَتُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا أَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ.

مردار اور بتوں کی بیع

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' سؤر اور بتوں کے بیچنے اور خریدنے کو حرام فرما دیا ہے۔ اس پر عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مردار کی چربیوں کے بارے میں کیا رائے عالی ہے' کیونکہ اسے کشتیوں پر ملتے ہیں اور کھالوں میں چکنائی دیتے ہیں اور لوگ اسے چراغ میں جلاتے ہیں؟ فرمایا: اجازت نہیں' حرام ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل یہود کو برباد کرے' جب اللہ نے مردار کی چربیوں کو حرام فرمایا تو انہوں نے اسے پگھلایا اور بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مردار' شراب' خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت صحیح نہیں' اس لیے کہ یہ سب مال نہیں۔ رہ گیا ان سے انتفاع تو اس میں تفصیل ہے۔ چمڑے سے دباغت کے بعد انتفاع جائز ہے' جیسا کہ حدیث گزر چکی۔ اسی طرح مردار کے اجزاء سے جن میں زندگی نہیں ہوتی' انتفاع جائز ہے' مثلاً بال' ہڈی' پٹھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کنگھا ہاتھی کے دانت کا تھا۔[۱] نیز ایک حدیث[۲] میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جا اور فاطمہ کے لیے پٹھے کا ہار اور ہاتھی کے دانت کے دو کنگن خرید لا۔

اور جن چیزوں سے انتفاع جائز ہے' ان کی خرید و فروخت بھی جائز' جیسا کہ نزہۃ القاری' جلد اول[۳] میں گزر چکا۔

---

[۱] عمدۃ القاری۔ ج ۱۲ ص ۵۶ [۲] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۷۵ [۳] نزہۃ القاری۔ ج ۱ ص ۵۷۹-۵۸۰' تعلیق: ۴۹-۵۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۵- کِتَابُ السَّلَمِ (ص ۲۹۸)

بیع سلم کا بیان

بَابُ السَّلَمِ فِیْ وَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ (ص ۲۹۸) سلم وزن معلوم میں ہے

بیع سلم

فی الحال قیمت دے کر کچھ مدت کے بعد مبیع کا لینا طے ہو تو اسے بیع سلم کہتے ہیں۔ اس کے صحیح ہونے کے لیے چودہ شرطیں ہیں، ثمن اور مبیع دونوں کی جنس، نوع، وصف، مقدار معین کر دی جائے، یہ آٹھ شرطیں ہوئیں۔ ثمن مجلس عقد میں پورا ادا کر دیا جائے، مبیع کی ادائیگی کی میعاد بقید سن ماہ تاریخ مقرر ہو اگر مبیع کے لادنے میں وقت ہو تو مبیع کی ادائیگی کی جگہ بھی نامزد ہو۔ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک مبیع بازار میں بہ آسانی ملتی رہے۔ اس میں خیار شرط اور خیار رؤیت نہ ہو۔ ان چودہ شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو یہ بیع ناجائز اور سود ہے۔

۱۳۱۱- ح: هُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثَّمَرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلٰثَ [وہ پھلوں کی دو سال، تین سال کے ادھار پر خرید و فروخت کرتے]

۱۳۱۱- عَنْ اَبِی الْمِنْهَالِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثَّمَرِ الْعَامَ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَفِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت وہ لوگ پھلوں کی دو سال اور تین سال کے ادھار پر خرید و فروخت کرتے تھے۔ دو سال فرمایا یا تین سال، اس میں اسماعیل کو شک ہے، تو فرمایا: جو ادھار خرید و فروخت کرنا چاہے، اسے لازم ہے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں کرے۔

(یہیں اس باب سے پہلے اور بعد میں۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب البیوع، نسائی۔ کتاب الشروط۔ کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

اس حدیث میں کیل اور وزن کا ذکر اس اعتبار سے ہے کہ زیادہ تر مکیل اور موزون میں بیع سلم رائج تھی، ورنہ بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے، جس کی مقدار کی تعیین کسی بھی صورت سے اس طرح ہو جائے کہ نزاع کا خطرہ نہ رہے، مثلاً کپڑے، انڈے وغیرہ میں، کپڑے کی مقدار ناپ سے اور انڈے کی مقدار گنتی سے متعین ہو سکتی ہے۔

۱۳۱۲- ح: اِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ فِي الْحِنْطَةِ [ہم گیہوں وغیرہ میں بیع سلف کرتے]

۱۳۱۲- اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدٌ اَوْ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ اَبِی الْمُجَالِدِ قَالَ اخْتَلَفَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ شَدَّادِ بْنِ الْھَادِ وَ اَبُوْبُرْدَۃَ فِی السَّلَفِ فَبَعَثُوْنِیْ اِلَی ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَاَلْتُہٗ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا نُسْلِفُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ فِی الْحِنْطَۃِ وَالشَّعِیْرِ وَالزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ وَسَاَلْتُ ابْنَ اَبْزٰی فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ۔

محمد یا عبداللہ بن ابومجالد نے کہا: عبداللہ بن شداد بن الھاد اور ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے بیع سلف (سلم) کے بارے میں اختلاف کیا تو ان لوگوں نے مجھے حضرت ابن ابواوفیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں نے ان سے پوچھا' انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بیع سلف گیہوں' جَو' منقیٰ اور کھجور میں کرتے تھے اور میں نے حضرت ابن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی ایسا ہی بتایا۔

(یہیں اکٹھے چھ طریقے سے۔باب: السلم الی اجل معلوم ص ۳۰۰' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات)

امام بخاری نے اس حدیث کو اکٹھے چھ طریقوں سے تھوڑے سے تغیر اور کمی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابوالمجالد کے نام میں اختلاف ہے کہ محمد تھا یا عبداللہ۔ اسی لیے عمرو بن حفص کے طریقے میں شک ہے۔ بقیہ طریقے میں ابن المجالد ہے یا محمد بن ابوالمجالد ہے' یہ کبار تابعین میں ہیں۔ امام مجاہد کے داماد اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

اس کے بعد ''باب السلم الی من لیس عندہ اصل'' میں کچھ تفصیل ہے۔ محمد بن ابوالمجالد نے کہا: مجھے عبداللہ بن شداد اور ابوبردہ نے عبداللہ بن ابواوفیٰ کے پاس بھیجا کہ ان سے پوچھوں۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گیہوں میں سلم کرتے تھے تو عبداللہ بن اوفیٰ نے فرمایا: شام کے کاشتکاروں سے گیہوں' جَو' منقیٰ میں وزن معلوم اور میعاد معلوم تک بیع سلم کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا: اسی کے ساتھ جس کی اصل موجود ہو؟ فرمایا: ہم اس بارے میں ان سے سوال ہی نہیں کرتے' پھر ان دونوں صاحبوں نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کے پاس یہی پوچھنے کے لیے بھیجا' تو انہوں نے بھی فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیع سلم کرتے تھے اور یہ نہیں پوچھتے تھے کہ ان کے پاس کھیتی ہے یا نہیں؟ بعض طرق میں ''زبیب'' کے بجائے ''زیت'' آیا ہے' یعنی زیتون۔

اس حدیث میں ''نبیط اھل الشام'' آیا ہے' یہ ایک قوم تھی جو دیہاتوں میں رہتی تھی اور ان کا پیشہ کاشتکاری تھا۔ نبط کے معنی زمین سے پانی اُبلنا ہے' یہ قوم کنواں کھود کر پانی نکالنے کی ماہر تھی' اس لیے انہیں نبیط کہا جاتا تھا۔ بیع سلم صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ مسلم فیہ یعنی جو مبیع مقرر ہوئی ہے وہ مسلم الیہ یعنی مشتری کے پاس عقد کے وقت یا درمیان میں موجود ہو۔ صرف یہ ضروری ہے کہ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک بازار میں بہ آسانی ملتی ہو' نایاب نہ ہو۔

اسی باب میں جو روایت محمد بن مقاتل سے ہے' اس میں شروع میں یہ زائد ہے کہ ان دونوں (عبداللہ بن شداد اور ابوبردہ) نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اموالِ غنیمت پاتے تو شام کے نبطی آتے اور ان سے بیع سلم کرتے۔

تنبیہ

بعض مترجمین نے اصل کا ترجمہ راُس المال کیا ہے' یہ صحیح نہیں۔ راُس المال اس قیمت کو کہتے ہیں جو پیشگی عقد کے وقت دی جاتی ہے' بلکہ اس سے مراد کھیتی ہے' جیسا کہ حدیث کے اخیر حصے سے ظاہر ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کے ارشاد میں ہے نیز باب: ''السلم الی اجل'' معلوم میں بجائے اصل کے زرع کی تصریح ہے۔

بَابُ السَّلَمِ اِلٰی مَنْ لَّیْسَ — اس سے بیع سلم کرنا جس کے پاس

عِنْدَهٗ اَصْلٌ (ص۲۹۹)
مسلم فیہ کی اصل نہ ہو

۱۳۱۳ - سَمِعْتُ اَبَا الْبَخْتَرِيِّ الطَّائِيَّ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يُؤْكَلَ مِنْهُ وَحَتّٰى يُوْزَنَ فَقَالَ الرَّجُلُ وَاَيُّ شَيْءٍ يُوْزَنُ فَقَالَ رَجُلٌ اِلٰى جَانِبِهٖ حَتّٰى يُحْرَزَ.

ابوالبختری طائی نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں میں سلم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا جب تک وہ کھانے اور تولنے کے لائق نہ ہو جائے' ایک شخص نے پوچھا: کیا چیز وزن کی جائے گی؟ اس پر حضرت ابن عباس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ ایسی ہو جائے کہ اس کی حفاظت کی جائے۔

مطابقت

علامہ ابن بطال نے کہا کہ اس حدیث کو باب سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ اس کے بعد والے باب سے ہے' مگر کچھ لوگوں نے یوں مناسبت نکالی ہے کہ جب درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں میں سلم جائز نہیں تو اس کا وجود کالعدم ہے۔ اس طرح گویا ایسے شخص کے ساتھ بیع سلم ہوئی جس کے پاس اس کی اصل نہیں۔

اقول: مگر ظاہر ہے کہ یہ کچھ نہیں' اصل تو موجود ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا کہ اس حدیث میں سلم سے مراد لغوی معنی ہے۔ یعنی قیمت اب لے لو اور جب کھجوریں تیار ہو جائیں گی تو ہم لے لیں گے۔ یہ دو وجہ سے ناجائز ہے' قابل انتفاع ہونے سے قبل پھل کی بیع ممنوع ہے' جیسا کہ احادیث گزر چکیں' دوسرے یہ کہ اس میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہے' کیونکہ جب عقد تام ہو گیا تو اس میں مشتری کا بائع کی ملک یعنی درخت سے بلاعوض نفع حاصل کرنا ہے۔

اقول وھو المستعان: اگر سلم کے شرعی معنی بھی مراد لیں تو یہ بیع درست نہ ہوگی کیونکہ بیع سلم کی صحت کی شرائط میں مسلم فیہ کی وہ مقدار معلوم ہونا ضروری ہے جسے مسلم الیہ کو ادا کرنا ہے اور پھل ابھی تیار نہیں۔ معلوم نہیں کتنا خراب ہوگا' کتنا گرے گا۔ علاوہ ازیں کھجوریں کیلی ہیں تو کیل سے مقدار معلوم ہونی ضروری ہے اور یہ معلوم نہیں۔ دوسری شرط میعاد کا معلوم ہونا ہے' یہ بھی معلوم نہیں کیونکہ یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو کھجوریں تیار ہوں گی' بلکہ تیسری شرط وصف بھی معلوم نہیں' کیسے معلوم کہ کھجوریں کیسی تیار ہوں گی۔

ابوالبختری کا نام سعید بن فیروز کوفی طائی ہے۔ ۸۳ھ کی مشہور جنگ دیر جماجم میں خارجیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

بَابُ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ (ص۲۹۹)
درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی بیع

۱۳۱۴ - عَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ فَقَالَ نُهِيَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَصْلُحَ وَعَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ.

ابوالبختری نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں میں سلم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے اور چاندی کی نقد کے عوض ادھار بیع سے۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے: "ونھی عن ورق بالذھب نسا" چاندی کی سونے کے عوض اُدھار بیع سے منع فرمایا

ہے۔

پہلی روایت معنی کے اعتبار سے عام ہے' خواہ چاندی کو چاندی کے عوض بیچیں خواہ سونے کے' دونوں میں ادھار سود ہے۔

بَابُ السَّلَمِ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ (ص ۳۰۰) بیع سلم مدتِ معلومہ تک ہونا ضروری ہے

ت ۴۳۲ - وَبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّاَبُوْ سَعِيْدٍ وَّالْاَسْوَدُ وَالْحَسَنُ. اور یہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما اور امام اسود اور امام حسن بصری کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو امام شافعی اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے' اخیر کے الفاظ یہ ہیں: ابو حسام بن مسلم اعرج' حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بیع سلم میں میعاد معین طے ہونا ضروری ہے۔ اللہ عزوجل نے اس کے لیے میعاد ضروری قرار دی ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ. (البقرہ:۲۸۲) اے ایمان والو! جب میعاد مقررہ تک ادھار لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔

اور امام حاکم نے بھی اس کی تخریج کی اور اسے صحیح کہا۔ امام ابن ابی شیبہ نے دوسرے طریقے سے عکرمہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ سلم میں وظیفہ ملنے یا کھیت کٹنے کی میعاد نہ مقرر کی جائے' بلکہ وقت مقرر کر دیا جائے' مثلاً فلاں مہینہ فلاں تاریخ۔

حضرت ابو سعید خدری کی تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور امام اسود کے قول کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

ت ۴۳۳ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا بَاْسَ بِالطَّعَامِ الْمَوْصُوْفِ بِسِعْرٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ مَّا لَمْ يَكُ ذٰلِكَ فِيْ زَرْعٍ لَّمْ يَبْدُ صَلَاحُهٗ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غلے کا بھاؤ بیان کر دیا گیا ہو تو معینہ مدت تک کے لیے سلم میں حرج نہیں' اگر وہ غلہ اس کھیت میں نہ ہو جو قابل انتفاع نہ ہوا ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔

❁❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٣٦- [كِتَابُ الشُّفْعَةِ]

[شفعہ کا بیان]

بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلٰى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ (ص٣٠٠)

شفعہ کے حق دار پر بیچنے سے پہلے شفعہ پیش کرنا

توضیح باب

بائع نے بیع سے پہلے جسے شفعہ کا حق ہے اس سے کہا کہ اسے خرید لو اس نے انکار کیا تو بیع کے بعد اسے شفعہ کا حق ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ہمارا مذہب ہے کہ اسے اب بھی شفعہ کا حق ہے اس لیے کہ حق شفعہ بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے گویا بیع اس کا سبب ہے وجوب سبب کے بغیر مسبب کا وجود ناممکن اس لیے بیچنے سے پہلے انکار سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ حسب عادت امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ تحریر نہیں کیا۔

ت٤٣٤ - وَقَالَ الْحَكَمُ إِذَا أَذِنَ لَهُ قَبْلَ الْبَيْعِ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ.

اور حکم نے کہا: بیع سے پہلے مالک کو بیچنے کی اجازت دے دی تو اب اسے شفعہ کا حق نہیں رہا۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ اور امام وکیع نے روایت کیا ہے۔ یہ حکم بن عتبہ ابو محمد یا ابو عبداللہ کوفی تابعی ہیں۔ اور اس سے پہلے گزر چکا کہ تابعی کا قول ہم پر حجت نہیں حضرت امام اعظم بھی تابعی ہیں۔

ت٤٣٥ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ مَنْ بِيعَتْ شُفْعَتُهُ وَهُوَ شَاهِدٌ لَا يُغَيِّرُهَا فَلَا شُفْعَةَ لَهُ.

اور امام شعبی نے فرمایا: جب حق شفعہ رکھنے والے کے سامنے وہ چیز بیچی گئی جس میں اسے شفعہ کا حق حاصل تھا اور اس نے مطالبہ نہیں کیا تو اب اسے شفعہ کا حق نہ رہا۔

امام شعبی کا نام عامر بن شراحیل ہے ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ سینکڑوں صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہیں۔ صرف ایک حدیث علی طلحہ اور زبیر جنت میں ہیں کے بارے میں فرمایا: میں نے یہ فرماتے ہوئے پانچ سو صحابہ کو پایا۔ ان کے اس ارشاد کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔ اس قول کو باب سے مناسبت نہیں۔ بیع کے وقت موجود ہونے اور قبل بیع مطلع ہونے میں بہت فرق ہے۔

١٣١٥- ح: يَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّي بَيْتَيَّ فِي دَارِكَ

[اے سعد! میرے ان دو مکانوں کو خرید لو جو آپ کے محلّہ میں ہیں]

۱۳۱۵- اَخْبَرَنِی اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مَیْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِ قَالَ وَقَفْتُ عَلٰی سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ فَجَآءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی اِحْدٰی مَنْکِبَیَّ اِذْ جَآءَ اَبُوْ رَافِعٍ مَّوْلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّیْ بَیْتَیَّ فِیْ دَارِكَ فَقَالَ سَعْدٌ وَّاللّٰهِ مَا اَبْتَاعُهُمَا فَقَالَ الْمِسْوَرُ وَاللّٰهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا فَقَالَ سَعْدٌ وَّاللّٰهِ لَا اَزِیْدُكَ عَلٰی اَرْبَعَةِ اٰلَافٍ مُنَجَّمَةٍ اَوْ مُقَطَّعَةٍ قَالَ اَبُوْ رَافِعٍ لَّقَدْ اُعْطِیْتُ بِهِمَا خَمْسَ مِائَةِ دِیْنَارٍ وَّلَوْلَا اَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِهٖ مَا اَعْطَیْتُکَهُمَا بِاَرْبَعَةِ اٰلَافٍ وَّاِنَّمَا اُعْطٰی بِهِمَا خَمْسَ مِائَةِ دِیْنَارٍ فَاَعْطَاهَا اِیَّاهُ۔

عمرو بن شرید نے کہا: میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس کھڑا تھا کہ حضرت مسور بن مخرمہ آئے اور میرے ایک کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا' اتنے میں ابورافع' نبی ﷺ کے غلام آئے اور کہا: اے سعد! میرے ان دو مکانوں کو خرید لو جو آپ کے محلے میں ہیں تو حضرت سعد نے کہا: بخدا! میں انہیں نہیں خریدوں گا' اس پر حضرت مسور نے کہا: بخدا! آپ انہیں ضرور خرید لیں' حضرت سعد نے فرمایا: میں چار ہزار (درہم) سے زیادہ نہیں دوں گا' وہ بھی قسط وار۔ اس پر حضرت ابورافع نے کہا: مجھے ان کے عوض پانچ سو دینار دیے جا رہے ہیں اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا تو تم کو چار ہزار میں نہ دیتا کہ پڑوسی پڑوس کا سب سے زیادہ حق دار ہے' حالانکہ مجھے ان کے پانچ سو دینار مل رہے ہیں' تو انہوں نے وہ دونوں گھر انہیں دے دیے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الحیل۔ باب: فی الهبة ولاشفعة. بطریقین ص ۱۰۳۲' باب: احتیال العامل بطریقین ص ۱۰۳۳' ابوداود۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

مطابقت

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان فروخت کرنے سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اسے خرید لیں۔ بس اتنی مناسبت کافی ہے' ایسا کر لینا بہتر ہے' لیکن اس میں ایک قسم کا تخالف ہے۔ تعلیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ باب کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد شفیع کو شفعہ کا حق رہتا ہے یا نہیں؟ اور حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ باب کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟

''باربعة آلاف'' کتاب الحیل میں ''باربع مائة مثقال'' ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس عہد میں ایک مثقال دس درہم کا ہوتا تھا' اس سے مراد چاندی ہے' یہی اس زمانے کا عرف تھا کہ جب عدد کے ساتھ درہم یا دینار کچھ مذکور نہ ہوتا تو درہم ہی مراد ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں ''خمس مائة دینار'' اس پر قرینہ بھی ہے۔ اس لیے کہ دینار سونے کا سکہ تھا جو ایک مثقال کا ہوتا تھا۔ یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ جوار کی وجہ سے بھی شفعہ کا حق ہوتا ہے۔

بَابٌ اَیُّ الْجِوَارِ اَقْرَبُ — کون سا پڑوسی سب سے قریب ہے؟

۱۳۱۶- سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ جَارَیْنِ فَاِلٰی اَیِّهِمَا اُهْدِیْ قَالَ اِلٰی اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں تو کس کو ہدیہ دوں؟ فرمایا: جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔

(بخاری۔ کتاب الھبۃ۔ باب: بمن یبدأ بالهدیة ص ۳۵۲' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: حق الجوار فی قرب الابواب ص ۸۹۰' ابوداود۔ کتاب الادب)

پہلی والی حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ پڑوس کی بناء پر حق شفعہ ہے۔ امام بخاری اس باب سے یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ جو

پڑوسی زیادہ قریب ہے اس کو حق تقدیم ہے اگرچہ اس حدیث میں ہدیہ دینے کا ذکر ہے مگر چونکہ یہ ہدیہ رشتے کی بناء پر نہیں پڑوسی ہونے کی بناء پر ہے اور اس میں قریب تر دروازے کو حق تقدیم ہے تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پڑوس کی وجہ سے جو حق پڑوسی کو ہوتا ہے اس میں قریب تر پڑوسی کو حق تقدیم ہے اور شفعہ جوار کی بھی بنیاد پڑوس ہی ہے اس لیے قریب تر کو حق تقدیم حاصل ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۷- [کِتَابٌ] فِي الْإِجَارَةِ (ص ۳۰۱)

اُجرت کا بیان

بَابُ اِسْتِيْجَارِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ وَالْخَازِنِ الْاَمِيْنِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَعْمِلْ مَنْ اَرَادَهٗ

نیک انسان اور امانت دار خازن کو نوکر رکھنا اور جو خواہش مند کو کام پر نہ رکھے

۱۳۱۷ - ثنا اَبُوْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَقْبَلْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِي رَجُلَانِ مِنَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ قَالَ قُلْتُ مَا عَلِمْتُ اَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ قَالَ لَنْ اَوْ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهٗ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ قبیلہ اشعر کے دو شخص اور تھے، جن کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ دونوں عامل بننے کے ارادے سے آئے ہیں (ان کی درخواست پر) حضور نے فرمایا: ہم کسی منصب کے طلبگار کو عامل نہیں بناتے، یا یہ فرمایا: ہرگز نہیں بناتے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب استتابۃ المعاندین۔ باب: حکم المرتد والمرتدۃ ص ۱۰۲۳، کتاب الاحکام۔ باب: ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ ص ۱۰۵۸، مسلم۔ کتاب المغازی، ابوداؤد۔ کتاب الحدود، نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب القضاء)

یہ حدیث تفصیل سے استتابۃ المعاندین میں یوں مذکور ہے: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ دو شخص اور تھے، ایک دائیں دوسرا بائیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے، دونوں نے (کسی عہدے کا) سوال کیا، اس پر حضور نے مجھ سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! یا اے عبداللہ بن قیس! میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! ان دونوں کے دل میں جو تھا، اسے مجھے انہوں نے نہیں بتایا اور نہ میں کسی اور طرح جان سکا کہ یہ کوئی عہدہ طلب کرنے آئے ہیں، اب تو ایسا ہو گیا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ہونٹ کے سکڑنے کی وجہ سے مسواک اوپر اُٹھ گئی۔ فرمایا: جو کسی عہدے کا خواہشمند ہو، ہم ہرگز اسے نہیں دیتے یا ہم نہیں دیتے۔ اے ابوموسیٰ! یا عبداللہ بن قیس! تم یمن جاؤ، پھر ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ جب یہ حضرت ابوموسیٰ کے پاس پہنچے تو ان کے لیے گدا بچھایا اور کہا: اس پر بیٹھیے! انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی مشکیں بندھی ہوئی ہیں۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ ابوموسیٰ نے کہا: یہ پہلے یہودی تھا، پھر مسلمان ہوا، پھر یہودی ہو گیا، آپ بیٹھیے! تو تین بار فرمایا: جب تک اللہ اور رسول کے فیصلے کے مطابق یہ قتل نہیں کیا جائے گا، میں نہیں بیٹھوں گا۔ اب وہ قتل کیا گیا، اس کے بعد دونوں نے قیام اللیل کا تذکرہ کیا۔

مطابقت باب

جن دو صاحبوں نے طلب فرمایا' انہیں عہدہ نہیں دیا۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے طلب نہیں فرمایا تو انہیں عطاء فرمایا۔ اور یہ صالح' امین اور اس کے اہل تھے۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اس منع سے تحریم ظاہر ہے' تحریم نہ بھی ہو تو اس سے احتراز ضروری ہے' مگر یہ اس وقت ہے جبکہ اس کام کے اہل بہت سے لوگ ہیں لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو کہ اہل صرف ایک ہی شخص ہو اور اس کو معلوم ہے کہ دوسرا اہل نہیں تو سوال بھی واجب اور قبول کرنا بھی واجب۔ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بادشاہ مصر سے فرمایا:

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ O (یوسف:۵۵)

مجھے زمین کے خزانوں پر والی بنا دے' بے شک میں حفاظت کرنے والا اور علم والا ہوں O

بَابُ رَعْیِ الْغَنَمِ عَلٰی قَرَارِیْطَ (ص ۳۰۱)

قراریط پر بکریاں چرانا

۱۳۱۸- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اِلَّا رَعٰی الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰی قَرَارِیْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ.

(ابن ماجہ۔ کتاب التجارات۔ باب: الصناعات ص ۱۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے کوئی بھی ایسا نبی نہیں مبعوث فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا: اور حضور نے بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے بھی' میں قراریط پر مکے والوں کی بکریاں چراتا تھا۔

غنم

ایسی جمع ہے کہ اس کا اس لفظ سے واحد نہیں آتا' واحد کے لیے ''شاۃ'' آتا ہے۔

''قراریط'' جگہ کا نام ہے

قراریط' قیراط کی جمع بھی ہوسکتا ہے' جس کے معنی درہم یا دینار کا ٹکڑا۔ نصف دانگ یا دینار کا بیسواں حصہ یا چوبیسواں حصہ۔ قاموس میں ہے کہ اس کا وزن مختلف ہوتا ہے' مکہ معظمہ میں دینار کا چوبیسواں حصہ اور عراق میں بیسواں حصہ۔ قیراط کے اصل معنی چاندی سونے کے ٹکڑے کے ہیں۔ اسی اعتبار سے ایک حدیث میں فرمایا کہ ہر قیراط احد کے برابر۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ قیراطوں کے عوض بکریاں چراتا تھا۔ ابن ماجہ میں ''بالقراریط'' ہے' نیز سوید بن سعید ابن ماجہ کے شیخ کا قول بھی مذکور ہے کہ ہر بکری ایک قیراط پر' لیکن امام محمد بن ناصر نے فرمایا کہ یہ سوید کی خطا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت پر کبھی بکریاں نہیں چرائیں' حضور اپنے گھر کی بکریاں چراتے تھے۔ امام ابراہیم بن اسحٰق حربی نے کہا کہ قراریط مکہ کے نواح میں جیاد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے' اس وقت عمر مبارک بیس سال کی تھی[1] علامہ ابن جوزی نے اسی کو ترجیح دی[2] ملا علی قاری نے اسے صحیح کہا[3] علامہ بدرالدین محمود عینی نے اس کی ترجیح کی دو وجہیں بیان فرمائیں:

اوّل: حدیث میں ''علی قراریط'' ہے۔ ''علی'' کا حقیقی معنی استعلاء ہے اور مقابلہ مجازی۔ اور جہاں حقیقی معنی درست ہو سکتے ہوں' معنی مجازی مراد لینا ساقط ہوتا ہے۔ قراریط کو جگہ مانا جائے تو علی کا معنی حقیقی بلاتر دد درست ہے۔

دوم: ایک روایت میں یہ ہے: ''کنت ارعی غنم اھلی بالجیاد'' میں جیاد میں اپنے گھر کی بکریاں چراتا تھا۔ جیاد مکہ معظمہ کے زیریں حصے میں ایک جگہ کا نام تھا' جس کے قریب ہی میں قراریط بھی تھا۔

[1] شرح شفا ملا علی قاری۔ ج ۲ ص ۶۰۔ [2] عمدۃ القاری۔ ج ۱۲ ص ۸۰ [3] شرح شفا ملا علی قاری۔ ج ۲ ص ۶۰ [4] ایضاً

جانور چرانے کا کام عرب میں اس وقت حقیر نہیں تھا' بڑے بڑے شرفاء کے بچے یہ کام کرتے تھے' اس سے تحمل' بردباری' جفاکشی' تعلیم و تربیت کے مختلف نشیب و فراز اور اصلاح و تہذیب کی بہترین مشاقی ہوتی ہے۔ اسی لیے ہر نبی کے لیے قبل نبوت اسے ضروری قرار دیا گیا۔

بَابُ اِسْتِيْجَارِ الْمُشْرِكِيْنَ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ وَاِذَا لَمْ يُوْجَدْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ (ص ۳۰۱)

ضرورت پر مشرکوں کو مزدور رکھنا جب مسلمان نہ ملیں

۱۳۱۹- عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَاسْتَاْجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا مِّنْ بَنِي الدِّيْلِ ثُمَّ مِنْ بَنِي عَبْدِ بْنِ عَدِيٍّ هَادِيًا خِرِّيْتًا وَّالْخِرِّيْتُ الْمَاهِرُ بِالْهِدَايَةِ قَدْ غَمَسَ يَمِيْنَ حِلْفٍ فِي اٰلِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ وَّهُوَ عَلٰى دِيْنِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ فَاَمِنَاهُ فَدَفَعَا اِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ فَاَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صَبِيْحَةَ لَيَالٍ ثَلَاثٍ فَارْتَحَلَا وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيْلُ الدِّيْلِيُّ فَاَخَذَ بِهِمْ طَرِيْقُ السَّاحِلِ۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے بنی دیل کی شاخ بنی عبد بن عدی کے ایک شخص کو جو راستے کا ماہر تھا' راستہ بتانے کے لیے مزدور لیا' خریّت راستے کے ماہر کو کہتے ہیں اور یہ آل عاص بن وائل کا حلیف بن چکا تھا اور کفار قریش کے دین پر تھا' ان دونوں حضرات نے اس پر اعتماد فرمایا اور اپنی اپنی سواریاں اس کو دے دیں اور یہ وعدہ لے لیا کہ تین راتوں کے بعد غار ثور پر انہیں لے کر آئے گا' وہ وعدے کے مطابق تیسری رات کی صبح کو آیا' دونوں نے وہاں سے کوچ کیا اور ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ اور دیلی راستہ بتانے والا بھی چلا' اس نے ساحلی راستہ اختیار کیا۔

یہ حصہ حدیث ہجرت کا جز ہے' جو پوری تفصیل سے باب ہجرت میں مذکور ہے۔ دیل اور عبد بن عدی' بنی بکر کی شاخ ہیں۔ عاص بن وائل' یہ مشہور دشمن اسلام ہے۔ یہ قریش کے ایک بطن بنی سہم کا فرد تھا۔ امام اسحٰق نے کہا کہ اس دیلی کا نام عبداللہ بن ارقم تھا۔ ابن ہشام نے کہا: عبداللہ بن اُریقط۔ امام مالک نے فرمایا: رقیط تھا۔ عامر بن فہیرہ حضرت صدیق اکبر کے غلام تھے' یہ پہلے طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا تھا' یہ سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دار ارقم میں خفیہ مجلس ارشاد و تبلیغ قائم نہیں فرمائی تھی' اس وقت یہ مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ ہجرت کے مقدس سفر میں انہیں ہم راہی کا شرف حاصل ہوا' ہجرت کے تین مسافروں میں ایک تھے۔ بیر معونہ کے حادثہ فاجعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

قد غمس

اس سے مراد حلیف بننا ہے' اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جب وہ کوئی معاہدہ کرتے تو فریقین ایک ساتھ کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی وغیرہ میں ہاتھ ڈبوتے۔ اس لیے اسے ''قد غمس'' سے تعبیر فرمایا۔ یمین بہ معنی قسم حلف محالفت۔

راحلتیھما

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر کے لیے آٹھ سو درہم میں دو اونٹنیاں چار مہینے پہلے ہی خریدی تھیں' جنہیں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کر دیا تھا۔ ہجرت کی رات سے قبل دوپہر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت صدیق اکبر کے گھر تشریف لائے اور انہیں بتایا کہ ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا: میرے باپ آپ پر قربان! یا رسول اللہ! کیا میں ساتھ رہوں گا؟ فرمایا: ہاں! انہوں نے دونوں اونٹنیاں پیش کیں' فرمایا: قیمت لو تو قبول ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے اصرار فرمایا مگر حضور

اقدس ﷺ نے بغیر قیمت لینا گوارا نہیں فرمایا' تو مجبور ہو کر قیمت لی' یہاں یہی اونٹنیاں مراد ہیں۔

غار ثور

یہ غار جبل ثور کی چوٹی پر ہے' یہ پہاڑ مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر دائیں طرف ہے' اس کی بلندی ایک میل ہے۔ اس پر سے سمندر دکھائی دیتا ہے[1] اس غار میں یہ حضرات تین دن رہے۔

طریق الساحل

قریش نے اشتہار عام دے دیا تھا کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ یا ابو بکر کا سر کاٹ کر لائے یا انہیں زندہ گرفتار کر لائے تو اسے ایک صاحب کے عوض سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ قریش کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اسلام پھیل رہا ہے' اس لیے قیاس کیا کہ مدینہ ہی جائیں گے' اس لیے قسمت آزماؤں کی زیادہ تگ و دو عام معروف راستے میں رہی ہو گی' اس لیے اس دیلی خریت نے ساحلی راستہ اختیار کیا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی کافر کو مزدور رکھنا جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کام کی مدت دو چار دن بعد یا مہینے دو مہینے کے بعد مقرر ہو۔ یہ بھی سنت ہے کہ جہاں تک ہو سکے خطرے سے بچنے کی کوشش کی جائے' بچنے کی سبیل ہوتے ہوئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ممنوع ہے' جب کہیں اپنی جان اپنے مال اپنے ایمان کا خطرہ قویہ کا ظن غالب ہو جائے تو ہجرت فرض ہے۔

بَابُ اَجْرِ السَّمْسَرَةِ (ص ۳۰۳) — دلالی کی اُجرت

ت۴۳۶ - وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَعَطَاءٌ وَّاِبْرَاهِيْمُ وَالْحَسَنُ بِاَجْرِ السِّمْسَارِ بَاْسًا.

ابن سیرین' عطاء' ابراہیم اور حسن بصری نے دلالی کی اُجرت میں کوئی حرج نہیں جانا۔

ت۴۳۷ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَاْسَ اَنْ يَّقُوْلَ بِعْ هٰذَا الثَّوْبَ فَمَا زَادَ عَلٰى كَذَا وَكَذَا فَهُوَ لَكَ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی سے کہے: اس کپڑے کو بیچ دو' اتنے اور اتنے سے جو زیادہ ملے وہ تیرا ہے۔

ت۴۳۸ - وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ اِذَا قَالَ بِعْهُ بِكَذَا وَكَذَا فَمَا كَانَ مِنْ رِّبْحٍ فَهُوَ لَكَ اَوْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فَلَا بَاْسَ بِهٖ.

اور امام ابن سیرین نے کہا: جب کسی سے کہا کہ اس چیز کو اتنے اور اتنے میں بیچ دے جو نفع ہو گا وہ تیرا ہے یا میرے اور تیرے درمیان ہے' تو کوئی حرج نہیں۔

ان سب تعلیقات کو امام ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' سوائے حضرت حسن بصری کے قول کے اس کا ماخذ نہیں مل سکا۔ دلال مقرر کرنا اور اس کی اُجرت جائز ہے' جب کہ اُجرت معین اور معلوم ہو۔

ت۴۳۹ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ.

اور نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان اپنی شرطوں کے پابند رہیں۔

ان حدیث کو امام ابوداؤد نے قضاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ابی شیبہ نے بہ طریق عطاء روایت کیا ہے۔ ان

---

[1] زرقانی علی المواہب۔ ج ۱ ص ۳۸۰

کی روایت میں ''المؤمنون'' ہے۔ نیز امام دارقطنی اور حاکم نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ زیادہ ہے: ''ما وافق الحق'' اور امام اسحٰق نے اپنی مسند میں بہ طریق کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ روایت کیا۔ اخیر میں ہے: ''الا شرطا حرم حلالا او احل حراما'' مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جب یہ شرط کر لی کہ اس چیز کو اتنی قیمت میں بیچو جو زائد حاصل کر سکو وہ تمہارا ہے تو اس حدیث کی رو سے یہ جائز ہے۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ چونکہ اُجرت مجہول ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔ اور یہ حرام کو حلال کرتا ہے کیونکہ اجارے میں اُجرت مجہول ہو تو فاسد ہے اور یہ جائز نہیں اس لیے یہ استدلال درست نہیں۔

بَابُ مَا يُعْطٰى فِي الرُّقْيَةِ عَلٰى اَحْيَاءِ الْعَرَبِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (ص ۳۰۴)

سورۂ فاتحہ پڑھ کر عرب کے قبائل پر دم کرنے پر جو دیا جائے

توضیح باب...... [دم کرنے پر اجرت لینا]

''رُقْیَه'' ہر وہ کلام جس سے بیماری، جادو، خوف، جن شیطان کے اثر سے شفا چاہی جائے۔ اس سلسلے میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ کسی کی تکلیف دور کرنے کے لیے قرآن مجید پڑھ کر دم کرنے پر اُجرت جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک جائز ہے اور یہی بقیہ تین ائمہ کا بھی مذہب ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم پر اُجرت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ دوسرے ائمہ کے یہاں جائز ہے۔ ان حضرات نے رقیہ پر قیاس کیا، ہمارا کہنا ہے کہ رقیہ میں جواز خلاف قیاس ہے اس لیے اس پر قیاس درست نہیں۔ اصل مذہب ہمارا یہی ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم یا کسی بھی طاعت پر اُجرت لینا حرام ہے، مگر متاخرین نے بہ ضرورت دین کی بقاء و تحفظ کے لیے اجازت دے دی ہے، وہ بھی صرف انہیں طاعات میں جن میں ضرورت ہے۔ آج کل یہ وبا عام ہے کہ حفاظ تراویح کے لیے اُجرت طے کرتے ہیں اور اُجرت پر سناتے ہیں، یہ کسی طرح جائز نہیں کیونکہ اس میں ضرورت نہیں۔ اگر حافظ نہ ملے تو سورتیں تراویح میں پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ تراویح میں پورا قرآن مجید پڑھنا سنت ہے اور تلاوت پر اُجرت حرام۔ ایسی صورت میں ترجیح حرام ہی کو ہوگی۔

ت ۴۴۰ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لَا يَشْتَرِطُ الْمُعَلِّمُ اِلَّا اَنْ يُّعْطٰى شَيْئًا فَلْيَقْبَلْهُ. اور امام شعبی نے کہا: معلم شرط نہ کرے اور تلمیذ کچھ دے دے تو قبول کر لے۔

امام شعبی کے اس فتوے کو امام ابن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم پر اُجرت لینی ان کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے کہ شرط کا مطلب اُجرت طے کرنا ہے، بغیر کسی شرط کے پڑھا دیا اور تلمیذ نے کچھ دے دیا تو یہ اُجرت نہ ہوئی، ہدیہ ہوگا یا صدقہ۔

ت ۴۴۱ - وَقَالَ الْحَكَمُ لَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا كَرِهَ اَجْرَ الْمُعَلِّمِ. اور حکم نے کہا: میں نے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ معلم کی اُجرت کو مکروہ جانتا ہو۔

یہ حکم بن عتبہ ہیں، ان کی تعلیق کو امام بغوی نے جعدیات میں روایت کیا ہے۔ طاعت پر اُجرت جائز نہیں۔ یہ صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا مذہب ہے۔ عبداللہ بن شقیق نے کہا: معلم کی اُجرت مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام اسے مکروہ جانتے تھے اور سخت جانتے تھے۔ امام ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ لوگ اسے مکروہ جانتے تھے کہ مکتب میں بچوں سے اُجرت لی جائے۔ امام زہری، امام اسحٰق کا مذہب یہی ہے کہ جائز نہیں۔ امام شعبی کا قول ابھی گزرا۔ حکم بن عتبہ نے اپنے سماع کی نفی کی ہے اور عدم سماع، سماع عدم نہیں۔

دلائل

طاعت پر اُجرت لینی اور دینی جائز نہیں۔ یہ احادیث سے ثابت ہے، امام احمد نے عبداللہ بن نہشل سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اقروا القرآن ولا تاكلوا به ولا تستكثروا به. قرآن پڑھو اور اس کا عوض نہ کھاؤ اور اسے کثرت سے مال جمع کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ (مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۴۲۸)

اس کے علاوہ علامہ عینی نے مزید سات احادیث اس کی حرمت پر ذکر کی ہیں۔

ت ٤٤٢ - وَاَعْطَى الْحَسَنُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ. اور امام حسن بصری نے دس درہم دیا۔

اس تعلیق کو امام ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے۔ امام حسن بصری سے ان کے بھتیجے نے کہا: جب میں پڑھ چکا تو میں نے اپنے چچا سے کہا: معلم کچھ چاہتا ہے، تو فرمایا: یہ لوگ کچھ لیتے نہیں تھے، اسے پانچ درہم دے دو۔ میں زیادہ کے لیے اصرار کرتا رہا تو فرمایا کہ دس درہم دے دو۔ اس واقعے میں یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے سے کچھ طے نہیں تھا، مگر معلم نے جب طلب کیا تو یہ ایک طرح کی اُجرت ہی ہوگئی۔ ہوسکتا ہے امام حسن بصری کا مذہب جواز ہو۔

ت ٤٤٣ - وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيْرِيْنَ بِاَجْرِ الْقَسَّامِ بَاْسًا وَقَالَ كَانَ يُقَالُ السُّحْتُ الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ وَكَانُوْا يُعْطُوْنَ عَلَى الْخَرْصِ. اور ابن سیرین قسام کی اُجرت میں حرج نہیں جانتے تھے اور فرمایا: کہا جاتا تھا کہ السحت، فیصلہ میں رشوت ہے، اور لوگ اندازہ لگانے پر اُجرت دیتے تھے۔

قسام

قاسم کا مبالغہ ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ قاسم کی جمع ہے، تو یہ قاف کے ضمے کے ساتھ ہوگا۔ خارص تخمینہ لگانے والا یعنی درخت پر جو پھل ہوں، ان کا یا کسی بھی ڈھیر وغیرہ کا تخمینہ لگانے والا، ان دونوں کی اُجرت جائز ہے، جیسے تولنے والے اور سکے کو پرکھنے والے کی اُجرت، ان دونوں کا ذکر یہاں امام بخاری نے بلا کسی ترتیب کا لحاظ کیے ہوئے ضمناً کر دیا ہے۔

امام ابن سیرین سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ ایک تو یہی جو گزرا، دوسرے یہ کہ وہ اسے مکروہ جانتے تھے۔ تطبیق یہ ہے کہ حرج نہ جاننے کا یہ مطلب ہے کہ حرام نہیں جانتے تھے اور مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔

السُّحْت

سحت کی یہ تفسیر حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے طبری نے روایت کی ہے بلکہ ایک حدیث مرسل بھی مروی ہے کہ فرمایا: جس جسم کو سُحت اُگائے تو جہنم اس کی حق دار ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! سُحت کیا ہے؟ فرمایا: فیصلے پر رشوت۔

۱۳۲۰ - ح فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ [اس قبیلہ کے سردار کو ڈس لیا گیا]

۱۳۲۰ - عَنْ اَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ انْطَلَقَ نَفَرٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوْهَا حَتّٰى نَزَلُوْا عَلٰى حَيٍّ مِّنْ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوْهُمْ فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمْ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک سفر میں گئی اور عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلے پر اُتری، ان سے کہا: ہمیں مہمان بنالو! تو انہوں نے انکار کر دیا، اس قبیلے کے سردار کو ڈس لیا گیا، ان لوگوں نے ہر ممکن کوشش

فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَوْ اَتَيْتُمْ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِيْنَ نَزَلُوْا لَعَلَّهُ اَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَاَتَوْهُمْ فَقَالُوْا يَا اَيُّهَا الرَّهْطُ اِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ فَهَلْ عِنْدَ اَحَدٍ مِّنْكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ نَعَمْ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْقِيْ وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا فَمَا اَنَا بِرَاقٍ لَّكُمْ حَتّٰى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰى قَطِيْعٍ مِّنَ الْغَنَمِ فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَاُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الفاتحہ:۱) فَكَاَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ يَمْشِيْ وَمَا بِهٖ قَلَبَةٌ قَالَ فَاَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِيْ صَالَحُوْهُمْ عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمُ اقْسِمُوْا فَقَالَ الَّذِيْ رَقٰى لَا تَفْعَلُوْا حَتّٰى نَاْتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِيْ كَانَ فَنَنْظُرَ مَا يَاْمُرُنَا فَقَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهُ فَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ اَنَّهَا رُقْيَةٌ ثُمَّ قَالَ قَدْ اَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کی مگر کسی چیز نے نفع نہیں دیا' ان میں سے بعض نے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جو ٹھہرے ہوئے ہیں' شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی علاج ہو۔ قبیلے کے کچھ لوگوں نے آ کر کہا: اے گروہ والو! ہمارے سردار کو ڈس لیا گیا ہے' ہم نے ہر ممکن کوشش کی مگر کسی چیز نے نفع نہیں دیا' تمہارے پاس کچھ علاج ہے' تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا: ہاں بخدا! میں جھاڑتا ہوں لیکن ہم نے تم سے مہمان بنانے کے لیے کہا تو تم نے ہمیں مہمان نہیں بنایا' اس لیے میں اس وقت تک نہیں جھاڑوں گا' جب تک کہ اس پر کچھ معاوضہ نہ دو' بکریوں کے ایک ریوڑ پر معاملہ طے ہو گیا' یہ گئے اور اس پر پھونکنے لگے اور سورہ فاتحہ پڑھتے تھے' وہ بالکل اچھا ہو گیا' گویا رسّی سے بندھا ہوا تھا کھل گیا اور چلنے لگا اور اسے کوئی تکلیف نہیں رہی۔ اس قبیلے کے لوگوں نے جو معاوضہ طے ہوا تھا' دیا۔ کچھ نے کہا: اسے تقسیم کر لو۔ اس پر جھاڑنے والے نے کہا: ایسا مت کرو' نبی ﷺ کی خدمت میں چلیں اور سارا واقعہ بیان کریں' دیکھیں! حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ وہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو بیان کیا تو فرمایا: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ دعا ہے؟ پھر فرمایا: تم نے ٹھیک کیا' تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ مقرر کرو اور نبی ﷺ ہنسے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: فضل سورة الفاتحة ص ۷۴۹' کتاب الطب۔ باب: الرقی بفاتحة الکتاب ص ۸۵۴' باب: النفث فی الرقية ص ۸۵۵' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۸۳)

بخاری میں "نَفَرٌ" ہے' یہ خاص مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے' وہ بھی تین سے لے کر دس تک پر۔ یہ اسم جمع ہے' مگر ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ تیس افراد تھے۔ ترمذی میں یہ بھی ہے کہ وہاں رات کو پہنچے تھے۔ دار قطنی میں ہے کہ اس سریّے کے امیر حضرت ابو سعید خدری تھے' مگر اس میں کلام ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت روایت معتمد کی بناء پر ان کی عمر دس سال تھی۔ اکمال میں ہے کہ انہوں نے ۷۴ھ میں چوراسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

حی

عرب کے انساب کے طبقات چھ ہیں۔ "شعب" اس کی جمع "شعوب" ہے' جب کسی قوم کو سب سے اوپر کے مورث کی طرف منسوب کیا جائے جو مختلف قبائل کا جد اعلیٰ ہو جیسے بنو عدنان' بنو قحطان۔ "قبیلہ" اس کی جمع قبائل ہے' شعوب کے اقسام جیسے بنی مضر' بنو ربیعہ۔ عمارہ قبائل کے اقسام جیسے قریش' کنانہ' اس کی جمع عمارات اور عمائر ہے۔ بطن' عمارہ کے اقسام جیسے عبد مناف' مخزوم اس کی جمع بطون اور ابطن آتی ہے۔ "فخذ" "بطون" کے اقسام جیسے بنی ہاشم' بنی امیہ' اس کی جمع افخاذ' فصیلہ' افخاذ کے اقسام جیسے بنی

عباس لیکن زیادہ تر ان سب کی تعبیر کے لیے قبیلہ اور بطن ہے۔ حی کا اطلاق ان چھ پر ہوتا ہے۔

لُدِغ

ترمذی میں ہے کہ اسے بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ فضائل القرآن میں اسی حدیث میں اور طب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "سلیم" ہے اس کے معنی بھی نیش زدہ کے ہیں۔

اس قسم کا ایک واقعہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بہ طریق خارجہ بن صلت، ان کے چچا حضرت علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ ایک قوم پر گزرے اور ان میں ایک شخص پاگل زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے کہا: تم لوگ ان صاحب کے پاس سے خیر لے کر آئے ہو اس شخص پر دم کرو۔ حضرت علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ نے تین دن روزانہ دو بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم فرمایا تو وہ اچھا ہو گیا، انہوں نے دو سو بکریاں دیں، ان لوگوں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: لے لو اور فرمایا:

ولعمری لمن اکل برقیة باطل فقد اکلت برقیة حق. گناہ اس پر ہے جو باطل منتر کے عوض کھائے تو نے تو حق دعا پر کھایا ہے۔

"**فقال بعضهم**" یہ صاحب خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ امام اعمش کی روایت میں ہے:

قلت نعم انا ولكن لا ارقيه حتى تعطونا غنما. میں نے کہا: ہاں میں ہوں، مگر جب تک بکریاں نہیں دو گے دم نہیں کروں گا۔

(ابن ماجہ۔ کتاب التجارات۔ باب: اجر الراقی ص۱۵۷)

اسی میں یہ بھی ہے کہ سات بار پڑھ کر دم فرمایا تھا۔

قطیع من الغنم

قطیع کے معنی ریوڑ کے ہیں، تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ تیس بکریاں طلب کیں۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید اور اس کے حکم میں احادیث کی دعاؤں اور بزرگانِ دین کے کلمات کو بہ نیت شفا اور بہ نیت قضاء حاجت پڑھنا اور مریض پر دم کرنا جائز ہے۔ ممنوع وہ کلمات ہیں جن میں شیاطین یا معبودانِ باطلہ سے استعانت ہو یا وہ حرام ہوں یا جن کے معانی معلوم نہ ہوں، اور اسی کے مثل ان کو لکھ کر پہنانا بھی جائز ہے اور پانی پر دم کر کے پلانا بھی، تیل پر دم کر کے بدن پر مالش کرنا بھی۔ دوا یا جھاڑنے یا دم کرنے، تعویذ لکھنے پر اُجرت لینی جائز ہے۔ بہ وقت ضرورت جب کوئی حکم قرآن و حدیث میں نہ ملے تو بشرط استعداد اجتہاد کی اجازت ہے۔ اور اس پر عمل کی بھی؛ جب کسی چیز کی حلت و حرمت میں شبہہ ہو اور شبہہ کسی دلیل پر مبنی ہو تو اس سے بچنا بہتر ہے۔

بَابُ خَرَاجِ الْحَجَّامِ (ص ۳۰۴) سینگی لگانے والے کی مزدوری

۱۲۲۱- عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ وَلَمْ يَكُنْ يَظْلِمُ اَحَدًا اَجْرَهُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سینگی لگواتے تھے اور کسی کو مزدوری سے محروم نہیں فرماتے تھے۔

(مسلم۔ کتاب الطب)

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَسْبِ الْبَغِيِّ وَالْإِمَآءِ (ص ۳۰۴)

بدکار عورتوں اور باندیوں کی کمائی کے بارے میں جو کچھ آیا ہے

ت ۴۴۴ - وَكَرِهَ اِبْرَاهِيْمُ اَجْرَ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ.

اور حضرت ابراہیم نخعی نے نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی مزدوری کو مکروہ جانا۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا' اس کو باب سے مناسبت یہ ہے: زنا کے عوض کی طرح نوحہ کرنے اور گانے کی مزدوری بھی حرام ہے' کیونکہ زنا کی طرح یہ بھی حرام و گناہ ہیں۔ امام بخاری افادہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ صرف زنا کی اُجرت کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ ہر گناہ پر اُجرت لینی حرام ہے۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (النور:۳۳).

اور اللہ عزوجل کا ارشاد: اور مجبور نہ کرو اپنی کنیزوں کو بدکاری پر جبکہ وہ بچنا چاہیں تاکہ تم دنیوی زندگی کا کچھ مال حاصل کرو اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بے شک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبوری ہی کی حالت میں رہیں' بخشنے والا مہربان ہے۝

وقول اللّٰہ تعالٰی

اس میں قول کے لام پر ضمہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے' یہ عنوان باب کا جز ہے اور عنوان کے لیے بہ منزلہ دلیل ہے' اس طرح کہ زمانہ جاہلیت میں رواج عام تھا کہ کنیزوں سے کمائی کراتے تھے اور ان کی کمائی لے لیتے تھے' اس سے منع فرمایا گیا اور نہی میں اصل تحریم' تو ثابت ہوا کہ بدکاری کی مزدوری حرام ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا یہ ہے کہ رأس المنافقین ابن ابی ابن سلول کی چھ باندیاں تھیں' وہ ان کو کمائی پر مجبور کیا کرتا تھا' اسلام نے جب زنا حرام فرما دیا تو انہوں نے انکار کیا۔ اس نے مجبور کرنا چاہا تو ایک کنیز نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فتیات

''فتاۃ'' کی جمع ہے' جو فتی کا مؤنث ہے۔ اس کے معنی جوان عورت کے ہیں' خواہ وہ آزاد ہو خواہ کنیز' مگر عرف میں جب مطلق بولتے ہیں تو کنیز مراد ہوتی ہے۔ ''ان اردن تحصنا'' تعریض کے لیے ہے' اس لیے اس کا مفہوم معتبر نہیں۔

توضیح باب

باب کے دو جز ہیں' اوّل: بدکار عورت کی کمائی' یہ بہر حال حرام ہے۔ دوسرے کنیز کی کمائی' یہ حلال بھی ہو سکتی ہے جبکہ حلال کام کی مزدوری ہو' مثلاً سینے کی' اور حرام بھی' مگر یہ تفریق لفظ کے معنی لغوی کے اعتبار سے ہے۔ عرف میں کسب جب امۃ کی طرف مضاف ہو تو اس سے حرام کمائی ہی مراد ہوتی ہے جیسا کہ ابھی حدیث آ رہی ہے۔

ت ۴۴۵ - وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَتَيَاتِكُمْ اِمَائُكُمْ.

اور امام مجاہد نے فرمایا کہ اس آیت میں فتیات سے مراد کنیزیں ہیں۔

۱۳۲۲- ح: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَسْبِ الْإِمَاءِ
[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیزوں کی کمائی سے منع فرمایا]

۱۳۲۲- عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَسْبِ الْإِمَاءِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیزوں کی کمائی سے منع فرمایا۔

(ج ۲- کتاب الطلاق- باب: مهر البغی ص ۸۰۵ ' ابوداؤد- کتاب البیوع)

باب کے پہلے جز پر صراحۃً دلالت کرنے والی حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے لائے جس میں یہ ہے کہ بدکار عورت کے مہر یعنی اُجرت سے منع فرمایا اور دوسرے جز پر بالتصریح دلالت کرنے والی حدیث یہ لائے' اگرچہ اس کی دلالت پہلے جز پر بھی ہے کہ اس میں کسب الاماء سے مراد حرام کمائی اور بدکاری کی اُجرت ہی ہے۔

بَابُ عَسْبِ الْفَحْلِ (ص ۳۰۵)
نر کی جفتی کی اُجرت

۱۳۲۳- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کی جفتی کی اُجرت سے منع فرمایا۔

(ابوداؤد' ترمذی' نسائی- کتاب البیوع' ابن ماجہ- کتاب التجارات)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جفتی کی اُجرت مال حرام ہے' ہاں اگر مادہ والا بہ خوشی کچھ دیدے تو جائز ہے بشرطیکہ المعروف کالمشروط کی حد تک رواج عام نہ پڑ گیا ہو۔

بَابُ إِذَا اسْتَأْجَرَ أَرْضًا فَمَاتَ أَحَدُهُمَا (ص ۳۰۵)
جب کسی زمین کو اجارے پر دیا پھر متعاقدین میں سے ایک مر گیا

توضیح باب

اجارہ کے معنی ہیں کرائے پر نفع حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز لینی' چیز کے مالک کو جو کرائے پر دیتا ہے' مجیر کہتے ہیں۔ اور جو لیتا ہے اسے مستاجر' اُجرت پر کام کرنے والے کو اجیر کہتے ہیں۔

کسی نے کوئی چیز ایک معین مدت تک کے لیے کرائے پر لی اور مدت پوری ہونے سے پہلے مجیر یا مستاجر میں سے کوئی مر گیا تو یہ عقد اجارہ باقی رہا یا فسخ ہو گیا' اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام بخاری نے حسب عادت اپنی کوئی رائے نہیں دی' ہمارا مذہب یہ ہے کہ عقد اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔

تـ ٤٦- وَقَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ لَيْسَ لِأَهْلِهِ أَنْ يُخْرِجُوهُ إِلَى تَمَامِ الْأَجَلِ.

اور امام ابن سیرین نے فرمایا: مرنے والے کے اہل کو یہ حق حاصل نہیں کہ میعاد پوری ہونے سے پہلے اسے اس میں سے نکالیں۔

اس تعلیق میں "لاھلہ" کی ضمیر مجرور متصل اور "یخرجوہ" کی ضمیر منصوب متصل کے مرجع کے بارے میں اختلاف ہے'

میری گزارش یہ ہے کہ حضرت امام ابن سیرین کا یہ ارشاد یا تو کسی سائل کے جواب میں ہے یا کسی لمبے ارشاد کا جز ہے' مثلاً کسی نے پوچھا ہو کہ مجیر و مستاجر میں سے کوئی مر جائے اور ابھی اجارے کی میعاد باقی ہو تو کیا حکم ہے؟ تو وہ فرمایا' یا یہ از خود ارشاد فرمایا ہو کہ مجیر و مستاجر میں سے کوئی مر جائے تو میت کے اہل کو یہ حق نہیں کہ مستاجر کو میعاد سے پہلے نکالے۔ ''لاھلہ'' کی ضمیر کا مرجع میت ہے' جس پر پہلے کا جواب یا سوال کا جملہ مات دلالت کر رہا ہے اور ''یخرجوہ'' کی ضمیر کا مرجع مستاجر ہے' اگر ہماری گزارش کو تسلیم نہ کیا جائے تو یہ جملہ مہمل ہو جائے گا۔

امام ابن سیرین کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مجیر یا مستاجر کے مرنے سے عقد اجارہ فسخ نہیں ہوتا۔

ت۴۴۷ - وَقَالَ الْحَسَنُ وَالْحَكَمُ وَإِيَاسُ بْنُ مُعَاوِيَةَ تُمْضَى الْإِجَارَةُ إِلَى أَجَلِهَا .

اور امام حسن اور حکم اور ایاس بن معاویہ نے کہا: اجارہ اپنی میعاد تک چلایا جائے گا۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ مواجرین میں سے کسی ایک کے مرنے سے اجارہ فسخ نہ ہوگا۔

ت۴۴۸ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَعْطَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ بِالشَّطْرِ فَكَانَ ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ جَدَّدَا الْإِجَارَةَ بَعْدَ مَا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر نصف پیداوار پر دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شروع ایام خلافت میں ایسا ہی رہا اور یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نیا عقد کیا ہو۔

علامہ عینی نے فرمایا: اس تعلیق کو امام مسلم نے روایت کیا ہے' مگر اس میں امام بخاری نے اپنا کلام بھی داخل کر دیا ہے۔ مسلم[1] کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے یہ معاملہ کیا کہ جو بھی پھل یا غلہ پیدا ہو' اس کا آدھا دیں گے۔ اور یہ فرمایا: ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس پر باقی رکھیں گے۔ وہ اسی پر رہے' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تیما اور اریحا جلاوطن کر دیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ''فکان ذلك'' سے اخیر تک امام بخاری کا کلام ہے۔

مطابقت

امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین وہاں کے باشندوں کو مزارعت پر دی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عقد کی تجدید نہیں کی اور وہ عقد باقی رہا تو معلوم ہوا کہ مواجرین کی موت سے عقد اجارہ فسخ نہیں ہوتا' باقی رہتا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ عقد مزارعت نہیں تھا۔ اور ان سے جو نصف لیا جاتا تھا' بہ طور مزارعت نہیں لیا جاتا تھا بلکہ خراج مقاسمہ تھا۔

کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد اس کا مالک سلطان اسلام ہوتا ہے' اسے یہ حق حاصل ہے کہ پورا ملک خود لے لے اور باشندوں کو بے دخل کر دے اور یہ بھی حق رہتا ہے کہ احسان کرتے ہوئے زمین مفتوحین کو دے دے اور ان پر پیداوار کا ربع یا نصف خراج مقرر کر دے۔ اسی کو خراج مقاسمہ کہتے ہیں' اس صورت میں اگر کچھ پیداوار نہ ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۱۴۔ ۱۵۔ کتاب المساقات والمزارعۃ

١٣٢٤ - ح: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ

[نبی ﷺ نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا]

١٣٢٤ - عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَاَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ اَنَّ الْمَزَارِعَ كَانَتْ تُكْرٰى عَلٰى شَيْءٍ سَمَّاهُ نَافِعٌ لَّا اَحْفَظُهُ وَاَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ حَدَّثَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے خیبر یہودیوں کو اس شرط پر دیا تھا کہ وہ اس کی زمین میں کام کریں اور بوئیں اور ان کے لیے پیداوار کا آدھا ہوگا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے حدیث بیان کی کہ کھیت کرائے پر دیئے جاتے تھے۔ نافع نے کرائے کی مقدار بھی بتائی تھی؛ میں بھول گیا اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے کھیتوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا۔

مزارعت جائز ہے یا نہیں؟ اس پر بہ قدرِ ضرورت بحث اس کے باب میں مذکور ہوگی۔

"وان رافع بن خديج. الى آخره" مذکورہ سند کے ساتھ نافع ہی سے مروی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۸- [کِتَابُ الْحَوَالَاتِ]

[قرض حوالے کرنے کا بیان]

بَابٌ فِي الْحَوَالَةِ وَهَلْ يَرْجِعُ فِي الْحَوَالَةِ

حوالہ کا بیان اور کیا حوالہ سے رجوع کرسکتا ہے؟

ت ۴۴۹ - وَقَالَ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ إِذَا كَانَ يَوْمَ أَحَالَ عَلَيْهِ مَلِيًّا جَازَ.

اور امام حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اگر حوالہ کے دن خوشحال تھا تو جائز ہے۔

حوالہ

''حول'' سے ہے، جس کے معنی پھیرنے منتقل کرنے کے ہیں' یہاں عقد حوالہ مراد ہے' یعنی اپنا دین کسی اور کی طرف منتقل کرنا۔ مدیون کو محیل اور دائن کو محتال' محتال لہ حویل' اور جس کی طرف منتقل کیا گیا اسے محتال علیہ اور محال علیہ اور دین کو محال کہتے ہیں۔

امام حسن بصری اور قتادہ کے اس ارشاد کو امام ابن ابی شیبہ اور اثرم نے روایت کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس دن عقد حوالہ ہوا تھا' اس دن محتال علیہ خوشحال تھا' تو اگرچہ بعد میں مفلس ہو جائے' دائن اس سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اس خصوص میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب حوالہ صحیح ہو گیا تو محیل اصل مدیون دین سے بری ہو گیا۔ محتال لہ' یعنی دائن کو یہ حق رہا کہ محیل سے مطالبہ کرے' جب تک کہ اس دین کے ہلاک ہونے کی صورت نہ پیدا ہو جائے' اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ محتال لہ نے حوالہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کوئی گواہ نہیں اور اس نے قسم کھائی۔ دوسرے یہ کہ محتال علیہ مفلس ہو کر مرا' نہ اس کے پاس عین ہے نہ دین' اور نہ کفیل۔ ان دونوں صورتوں میں مدیون یعنی محیل سے مطالبہ کرسکتا ہے۔

ت ۴۵۰ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَخَارَجُ الشَّرِيكَانِ وَأَهْلُ الْمِيرَاثِ فَيَأْخُذُ هٰذَا عَيْنًا وَّهٰذَا دَيْنًا فَإِنْ تَوِيَ لِأَحَدِهِمَا لَمْ يَرْجِعْ عَلٰى صَاحِبِهِ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شرکاء یا وارثوں نے اس پر صلح کر لی کہ کچھ لوگ مال لیں اور کچھ لوگ دین' اب اگر ان میں سے کسی کا حصہ ضائع ہو گیا تو دوسرے سے وصول نہیں کرسکتا۔

یتخارج

دو یا زیادہ اشخاص چند چیزوں میں شریک ہوں' تو ہر شریک کا ان تمام مشترک چیزوں میں حصہ شائع ہے' جیسے ایک مورث کے چند وارث۔ اگر مورث نے ترکے میں عین کے ساتھ دین بھی چھوڑا' تقسیم کے وقت باہمی رضامندی سے کچھ شریکوں یا وارثوں نے عین لے لیا اور کچھ نے دین۔ اب اگر دین وصول نہ ہوا اور نہ آئندہ وصول ہونے کی امید ہو' یعنی دین ہلاک ہو گیا' تو اب یہ ان لوگوں سے جنہوں نے عین لیا تھا' وصول نہیں کرسکتا۔ اسی طرح چند اشخاص شرکت میں کوئی کاروبار کرتے تھے' اب وہ اپنا اپنا حصہ تقسیم

جاتے ہیں، کچھ سامان اور کچھ ان کا دین دوسروں پر ہے۔ ان شریکوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ کچھ لوگوں نے مال لیا اور کچھ لوگوں نے دین۔ اب اگر دین ہلاک ہو جائے تو یہ لوگ دوسرے شرکاء سے وصول نہیں کر سکتے۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جیسے یہاں عین دین کی تقسیم کے بعد رجوع کا حق نہیں، اسی طرح حوالے میں بھی نہیں۔

۱۳۲۵- ح: مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ [مال دار کا قرض پر ادائیگی میں ٹال مٹول ظلم ہے]

۱۳۲۵ - عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مال دار کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور تم میں سے کسی کا قرض کسی مال دار کے حوالے کیا جائے تو اسے مان لینا چاہیے۔

(بخاری۔ باب: اذا احال علی ملی فلیس له رد ص ۳۰۵، کتاب الاستقراض۔ باب: مطل الغنی ظلم ص ۳۲۳، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب الصدقات)

مَطْلٌ

"مَطْلٌ" کے اصل معنی لوہے کو پیٹ کر لمبا کرنے کے ہیں، یہاں ٹال مٹول کرنے کے معنی میں ہے۔ مال دار کو یہ جائز نہیں کہ میعاد پوری ہونے پر قرض کی ادائیگی میں حیلہ بہانہ کرے، ہاں اگر کوئی تنگدست ہے تو وہ مجبور اور معذور ہے۔

مَلِيٌّ

"مَلِيٌّ" یہ مہموز اللام ہے، معتل اللام نہیں۔ اس کی اصل "مَلِيْئٌ" تھی، ہمزہ کو یاء سے بدل کر یا کو یا میں ادغام کر دیا گیا، اس کے معنی مال دار کے ہیں۔

فاذا اتبع

"فاذا اتبع" اس کے معنی یہ ہیں کہ جب دین کسی مال دار کے حوالہ کیا جائے تو دائن کو چاہیے کہ اسے قبول کر لے، امام احمد کی ایک روایت ان الفاظ میں ہے: "اذا احیل فلیحتل" ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: "اذا احلته علی ملی فاتبعه"۔

امام بخاری نے اس کے بعد والے باب میں اس کا معنی یہ بتایا: جب کسی کا حق تم پر ہو اور تم کسی مال دار کے حوالے کر دو اور وہ تمہاری طرف سے ضامن ہو جائے، اس کے بعد تم مفلس ہو جاؤ تو قرض خواہ محتال علیہ سے حق وصول کر سکتا ہے۔

لیکن امام بخاری کی یہ اپنی رائے ہے، دائن حوالے کے بعد بہر حال محتال سے وصول کر سکتا ہے۔ مدیون مفلس ہو یا نہ ہو، بلکہ محیل سے مطالبے کا اس کو حق نہ رہا، جب تک کہ دین کے ہلاک ہونے کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

بَابٌ إِنْ أَحَالَ دَيْنَ الْمَيِّتِ عَلٰى رَجُلٍ جَازَ (ص ۳۰۵)

میت کا دین کسی شخص کے حوالے کیا جائے تو جائز ہے

۱۳۲۶ - ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، لوگوں نے عرض کیا: اس کی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلَاثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ.

(بخاری۔ کتاب الکفالۃ۔ باب: من تکفل عن میت دینا فلیس ان یرجع ص ۳۰۶' نسائی۔ کتاب الجنائز)

نمازِ جنازہ پڑھ دیں' فرمایا: اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں! فرمایا: کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں! پس آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھ دی' اس کے بعد دوسرا جنازہ لایا گیا' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کی نمازِ جنازہ پڑھ دیں! فرمایا: اس پر قرض ہے؟ عرض کیا گیا: ہاں! فرمایا: کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: تین دینار' تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد تیسرا جنازہ لایا گیا اور لوگوں نے عرض کیا: اس کی نمازِ جنازہ پڑھ دیں! فرمایا: کیا اس نے کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: کچھ نہیں! فرمایا: کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! تین دینار' فرمایا: اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ ابوقتادہ نے کہا: یارسول اللہ! اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اس کا قرض میرے ذمہ ہے' تو حضور نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

یہ حدیث بخاری کی ساتویں ثلاثیات سے ہے' یہ بھی حضرت امام اعظم کے تلمیذ مکی بن ابراہیم سے امام بخاری کو ملی ہے۔

اس قسم کے واقعات احادیث میں متعدد آئے ہیں کہ مقروض کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے توقف فرمایا' جب کسی صاحب نے قرض اپنے ذمہ لے لیا تو نماز پڑھائی۔ دارقطنی نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے' جس میں یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لیا۔ اور امام طحاوی نے ایک واقعہ ذکر کیا جس میں ہے کہ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صاحب نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ قرض لے کر ادا نہ کرنے کی شناخت اس سے ظاہر ہوئی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بعض مجاہر بے باک فساق کی نمازِ جنازہ اگر علماء و مشائخ اس نیت سے نہ پڑھیں کہ دوسروں کو عبرت ہو تو کوئی حرج نہیں' مگر وہ شخص مسلمان ہے تو اس کی نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نمازِ جنازہ پڑھیں' اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: "صلوا علٰی صاحبکم" "تم لوگ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت قرض ادا کیے بغیر مر جائے اور کوئی شخص اس کی طرف سے قرض ادا کر دے تو میت بری الذمہ ہو جائے گا' جیسا کہ اسی حدیث کی اس روایت میں جو دارقطنی نے کی ہے' اخیر میں ہے کہ جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر دی کہ میں نے اس کا قرض ادا کر دیا تو فرمایا: اب تو نے اس کی کھال کو ٹھنڈک پہنچائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۹- كِتَابُ الْكَفَالَةِ (ص ۳۰۵)

کفالت کا بیان

کفالت کے معنی شریعت میں یہ ہیں: ایک شخص اپنے ذمے کو دوسرے کے ساتھ مطالبے میں ملا دے، یعنی مطالبہ زید کے ذمہ تھا، دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا، یہ مطالبہ نفس کا ہو یا دین کا یا عین کا۔

بَابُ الْكَفَالَةِ فِي الْقَرْضِ وَالدُّيُوْنِ بِالْأَبْدَانِ وَغَيْرِهَا (ص ۳۰۵)

قرض اور دیون میں کسی کی شخصی وغیرہ مثلاً مالی ضمانت لینا

ت ۴۵۱ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا فَوَقَعَ رَجُلٌ عَلٰى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَأَخَذَ حَمْزَةُ مِنَ الرَّجُلِ كُفَلَاءَ حَتّٰى قَدِمَ عَلٰى عُمَرَ وَكَانَ عُمَرُ قَدْ جَلَدَهُ مِائَةَ جَلْدَةٍ فَصَدَّقَهُمْ وَعَذَرَهُ بِالْجَهَالَةِ.

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے ان کو صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا، ایک شخص نے اپنی بیوی کی کنیز سے زنا کر لیا، حضرت حمزہ نے اس شخص کی طرف سے ضامن لیے، یہاں تک کہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر اس شخص کو سو کوڑے مار چکے تھے، حضرت عمر نے ان کی تصدیق فرمائی اور لاعلمی کی وجہ سے اسے معذور رکھا۔

اس تعلیق کو امام جعفر طحاوی[1] نے پوری تفصیل سے یوں روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ نے حمزہ بن عمرو اسلمی کو سعد بن ہزیم میں صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت حمزہ کی خدمت میں صدقہ کا مال حاضر کیا گیا کہ صدقہ لے لیں۔ ایک مرد اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ اپنی باندی کے مال کا صدقہ تو دے۔ وہ عورت کہہ رہی تھی کہ تو اپنے بیٹے کے مال کا صدقہ دے۔ حضرت حمزہ نے ان کا قصہ پوچھا تو بتایا گیا: یہ شخص اس عورت کا شوہر ہے، اس کی کنیز کے ساتھ اس نے ہم بستری کی تھی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس عورت نے اس لڑکے کو آزاد کر دیا اور یہ مال اسی لڑکے کا ہے۔ یہ سن کر حضرت حمزہ نے کہا کہ میں اسے سنگسار کروں گا۔ لوگوں نے عرض کیا: اس کا معاملہ حضرت عمر کے پاس پیش ہو چکا ہے، انہوں نے اسے سو کوڑے مارے ہیں اور سنگسار کرنا ضروری نہیں جانا۔ یہ سن کر حضرت حمزہ نے اس شخص سے ضامن لیا کہ حضرت عمر کے پاس چلے اور ان سے دریافت کیا جائے۔ جب حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی تصدیق فرمائی اور فرمایا: سنگسار اس لیے نہیں کیا کہ یہ شخص جانتا نہ تھا اور لاعلمی کی وجہ سے معذور رکھا گیا۔

[1] شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۸۳۔ کتاب الحدود۔ باب: الرجل یزنی بجاریۃ امرأتہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کے علاوہ اور حقوق میں بھی کفالت درست ہے۔ جب حضرت حمزہ خود صحابی ہیں اور حضرت عمر نے اس پر انکار نہیں فرمایا' نہ انہوں نے اور نہ کسی اور صحابی نے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ شخصی ضمانت بھی درست ہے' وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا' اس لیے جہالت عذر تھی۔ اب جہالت عذر نہیں' جبکہ مجرم دارالاسلام میں رہتا ہو۔

ت ۴۵۲ - وَقَالَ جَرِيْرٌ وَّالْاَشْعَثُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِي الْمُرْتَدِّيْنَ اسْتَتِبْهُمْ وَكَفِّلْهُمْ فَتَابُوْا وَكَفَلَهُمْ عَشَائِرُهُمْ.

اور جریر اور اشعث نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرتدین کے بارے میں کہا: ان سے توبہ کا مطالبہ کیجئے اور ان سے کفیل لیجئے۔ اس پر انہوں نے توبہ کی اور ان کی ضمانت ان کے قبیلے والوں نے لی۔

حارثہ بن مضرب نے کہا: میں نے صبح کی نماز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی' جب انہوں نے سلام پھیرا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر بتایا کہ وہ بنی حنفیہ کی مسجد کی طرف گیا تو عبداللہ بن نواحہ کے مؤذن کو یہ کہتے سنا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ مسیلمہ رسول اللہ ہے۔ حضرت ابن مسعود نے حکم دیا کہ ابن نواحہ اور اس کے ساتھیوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب یہ سب حاضر کر دیئے گئے تو حضرت ابن مسعود نے قرظہ بن کعب کو حکم دیا' انہوں نے ابن نواحہ کی گردن اڑا دی' پھر اس کے ساتھیوں کے بارے میں مشورہ لیا۔ حضرت عدی بن حاتم نے مشورہ دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے' مگر حضرت جریر اور حضرت اشعث بن قیس نے کہا: انہیں حکم دیجئے کہ توبہ کر لیں اور ان کے قبیلے والوں کو ضامن بنایئے' یہ ایک سو ستر آدمی تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۱۵' بحوالہ دار قطنی و ابن ابی شیبہ)

یہاں اس بات پر کفالت تھی کہ آئندہ مرتد نہیں ہوں گے اور اسلام پر قائم رہیں گے۔

ت ۴۵۳ - وَقَالَ حَمَّادٌ اِذَا تَكَفَّلَ بِنَفْسٍ فَمَاتَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَقَالَ الْحَكَمُ يَضْمَنُ.

اور امام حماد نے کہا کہ اگر کوئی کسی کا ضامن بنا تھا پھر مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ حکم نے کہا: اس پر ضمان ہے۔

حضرت امام حماد' حضرت امام اعظم کے مشائخ میں سے ہیں' حضرت امام اعظم کی اکثر روایات انہیں سے ہیں۔ حضرت امام حماد کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضامن مر گیا تو اس پر ضمان نہیں کہ اس کے ترکے سے وصول کیا جائے اور حکم بن عتبہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ضمان ہے۔ اس کے ترکے سے وصول کیا جائے گا۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ (النساء:۳۳) (ص ۳۰۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: جن سے تم نے قسم کھا کر عہد کیا ان کا حصہ دو

۱۳۲۷- ح: كَانَ يَرِثُ الْمُهَاجِرُ الْاَنْصَارِيَّ دُوْنَ ذَوِيْ رَحِمِهٖ

[مہاجر انصار کا بغیر رشتے کے وارث ہوتا تھا]

۱۳۲۷- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ وَرَثَةً ﴿وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳۳) كَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرِثُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "ولکل جعلنا موالی" میں "موالی" سے مراد وارث ہیں اور "والذین عاقدت ایمانکم" سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ طیبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو مہاجر انصاری کا بغیر رشتے کے وارث ہوتا تھا

الْمُهَاجِرُ الْاَنْصَارِيَّ دُوْنَ ذَوِيْ رَحِمِهٖ لِلْاُخُوَّةِ الَّتِيْ اٰخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نَسَخَتْ ثُمَّ قَالَ ﴿وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اِلَّا النَّصْرَ وَالرِّفَادَةَ وَالنَّصِيْحَةَ وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيْرَاثُ وَيُوْصٰى لَهٗ.

اس اسلامی اخوت کی بناء پر جو نبی ﷺ نے ان کے درمیان قائم کردی تھی، جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' تو وہ منسوخ ہوگیا، پھر فرمایا: ''والذین عاقدت ایمانکم'' کی رو سے امداد، تعاون، خیر خواہی باقی ہے، میراث منسوخ ہوگئی اور وصیت باقی ہے جس کے لیے چاہو کرو۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ النساء۔ باب: قوله ولكل جعلنا موالى مما ترك ص ۶۵۵، کتاب الفرائض۔ باب: ذوی الارحام ص ۹۹۹، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الفرائض)

سورۂ نساء کی تینتیسویں آیت یہ ہے:

''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ'' (النساء: ۳۳) اور ہم نے سب کے لیے مال کے مستحق بنادیے ہیں، ماں باپ، رشتہ دار اور جن سے تمہارا عقد حلف بندھ چکا ہے، جو کچھ چھوڑیں ان کو ان کا حصہ دو۔

عقدت ایمانکم

''عقدت ایمانکم'' میں ایک قراءت ''عاقدت'' بھی ہے۔ امام بخاری نے اسی کو لیا ہے، یہ اپنے عموم کے لحاظ سے اس عقد مواخات کو بھی شامل ہے، جو ہجرت کے وقت مہاجرین اور انصار میں حضور اقدس ﷺ نے قائم فرمایا تھا، جس کی رو سے مہاجرین انصار کی میراث پاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' سے منسوخ ہے۔ اس کا حال یہ ہوا کہ ''وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ'' پہلے نازل ہوئی ہے اور ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ'' بعد میں نازل ہوئی ہے۔

ثُمَّ قَالَ

اس سے مراد یہ ہے کہ منسوخ صرف حق وراثت ہے، بقیہ بحیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کا حق دوسرے مسلمان پر ہے، مثلاً امداد، تعاون، خیر خواہی، وہ باقی ہے۔

۱۳۲۸- ح: لَا حِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ [اسلام میں حلف نہیں]

۱۳۲۸- ثنا عَاصِمٌ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَبَلَغَكَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا حِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ قَدْ حَالَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ قُرَيْشٍ وَالْاَنْصَارِ فِيْ دَارِيْ.

عاصم نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا: کیا آپ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اسلام میں حلف نہیں، تو حضرت انس نے فرمایا: نبی ﷺ نے قریش اور انصار کے مابین میرے گھر میں حلف قائم فرمائی۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی ﷺ ص ۱۰۹۰، مسلم۔ کتاب الفضائل، ابوداؤد۔ کتاب الفرائض)

سوال کا مقصد یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں قبائل آپس میں مخالفت کرتے تھے، اب اسلام میں یہ عقد نہیں ہوتا، کیا حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممنوع نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے میرے گھر میں مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم فرمائی تھی، یہ بھی ایک قسم کی مخالفت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں میں ایسی

قوی اور مضبوط یگانگت پیدا کر دی ہے کہ عہد جاہلیت کی محالفت کی ضرورت نہیں رہی' جیسا کہ مسلم[1] میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں حلف نہیں۔ یہ جاہلیت میں تھی' اسلام نے اس میں اور قوت پیدا فرمادی' یعنی محالفت کی وجہ سے باہمی تعاون و ہمدردی کا جو جذبہ پیدا ہوتا تھا' اسلام نے اس سے بڑھ کر پیدا کر دیا ہے' اب اس کی کوئی حاجت نہیں۔

بَابُ مَنْ تَكَفَّلَ عَنْ مَّيِّتٍ دَيْنًا فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّرْجِعَ (ص۳۰۶)

ت ٤٥٤ - وَبِهٖ قَالَ الْحَسَنُ.

جس نے میت کے قرض کی ضمانت لی تو اس سے رجوع کا اسے حق نہیں

اور یہی امام حسن بصری کا قول ہے (اور یہی جمہور ائمہ کا مذہب ہے)۔

۱۳۲۹- ح: لَوْ قَدْ جَآءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ اَعْطَيْتُكَ

۱۳۲۹- سَمِعَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَدْ جَآءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ اَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَفَلَمْ يَجِئْ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَآءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ اَمَرَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَنَادٰى مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَةٌ اَوْ دَيْنٌ فَلْيَاْتِنَا فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيْ كَذَا وَكَذَا فَحَثٰى لِيْ حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَاِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ وَّقَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا.

[اگر بحرین کا مال آجائے گا تو میں تم کو دوں گا]

حضرت امام محمد بن علی باقر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اگر بحرین کا مال آجائے تو تم کو اتنا اور اتنا ضرور دوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری تک بحرین کا مال نہیں آیا' جب آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کرنے کا حکم دیا اور یہ منادی کی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو یا حضور پر کسی کا دین ہو' وہ میرے پاس آئے۔ حضرت جابر نے کہا: میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ یہ فرمایا تھا' انہوں نے مجھے ایک چلو بھر کر دیا' میں نے اسے گنا تو وہ پانچ سو تھے' اور فرمایا: اس کا دوگنا اور لے لے۔

(بخاری۔ کتاب الہبۃ۔ باب: اذا وھب ھبۃ او وعد ثم مات ص ۳۵۴' کتاب الجہاد۔ باب: من قال ومن الدلیل علی ان الخمس لنوائب المسلمین ص ۴۴۳' باب: ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من البحرین ص ۴۴۸' کتاب الشہادات۔ باب: من امر بانجاز الوعد ص ۳۶۹ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قصۃ عمان والبحرین ص ۶۲۹' مسلم۔ کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یہاں کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ذکر فرمایا ہے اس میں "ھٰکذا ھٰکذا" دو بار ہے مگر بخاری ہی کی دوسری ابواب کی تمام روایتوں میں تین بار ہے بلکہ الشہادات کی روایت میں تصریح ہے: "فبسط یدیہ ثلث مرات" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنے دونوں دست مبارک پھیلائے' یعنی اس طرح اس طرح اس طرح دوں گا۔ اسی طرح مغازی کی بھی روایت میں ثلاثا کی تصریح ہے۔ مغازی میں بہ طریق ابن منکدر جو روایت ہے اس کے آخر میں یہ ہے: حضرت جابر کہتے ہیں کہ

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۳۰۸۔ کتاب فضائل الصحابہ۔ باب: مواخاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں حضرت ابوبکر کی خدمت میں تین بار حاضر ہوا مگر انہوں نے کچھ نہیں دیا' تیسری بار میں نے ان سے عرض کیا: یا تو مجھے عطاء فرمائیے یا آپ مجھے دینے میں بخل کر رہے ہیں۔ فرمایا: تم نے کیا کہا؟ میں نے بخل کیا ہے' بخل سے بڑی کون سی بیماری ہے' میں نے دینے ہی کے لیے تمہیں بار بار واپس کیا ہے۔

بحرین والوں سے مصالحت کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا حکم مقرر فرمادیا کہ وقت پر خراج وصول کرکے خدمت اقدس میں حاضر کرتے تھے۔ ایک بار خدمت اقدس میں بھی حاضر کیا تھا' جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ درپیش ہوا تھا۔

بَابُ جِوَارِ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَقْدِهٖ (ص ۳۰۷)

نبی ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا ایک مشرک کی امان قبول کرنا اور معاہدہ کرنا

۱۳۳۰- ح: خَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ مُهَاجِرًا قِبَلَ الْحَبَشَةِ

[حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے]

۱۳۳۰- اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ قَطُّ اِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ وَقَالَ اَبُوْ صَالِحٍ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ قَطُّ اِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ اِلَّا يَاْتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَیِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَّعَشِيَّةً فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ خَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ مُهَاجِرًا قِبَلَ الْحَبَشَةِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَرْكَ الْغِمَادِ لَقِيَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ وَهُوَ سَيِّدُ الْقَارَةِ فَقَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ يَا اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَخْرَجَنِیْ قَوْمِیْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَسِيْحَ فِی الْاَرْضِ وَاَعْبُدَ رَبِّیْ قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ اِنَّ مِثْلَكَ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ فَاِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِی الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ وَاَنَا لَكَ جَارٌ فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبِلَادِكَ فَارْتَحَلَ ابْنُ الدَّغِنَةِ فَرَجَعَ مَعَ اَبِیْ بَكْرٍ فَطَافَ فِیْ اَشْرَافِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُمْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین کا پابند پایا اور کوئی دن نہ گزرتا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک صبح وشام نہ آتے' جب مسلمانوں پر بلائیں توڑی جانے لگیں تو ابوبکر حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے' یہاں تک کہ برک الغماد تک پہنچ گئے' وہاں ابن دغنہ بنی قارہ کا سردار ملا' پوچھا: اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے' میں چاہتا ہوں کہ زمین میں سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن دغنہ نے کہا: تمہارے جیسا نہ نکلے گا نہ نکالا جائے گا' کیونکہ تم ناداروں کو کما کر دیتے ہو اور صلہ رحمی کرتے ہو اور مجبوروں کا بار اٹھاتے ہو اور مہمانداری کرتے ہو اور حق اختیار کرنے کی وجہ سے کسی پر مصیبت آئے تو اس کی مدد کرتے ہو اور میں تم کو امان دیتا ہوں' لوٹو اور اپنے پروردگار کی اپنے شہر میں عبادت کرو۔ ابن دغنہ بھی چلا اور اپنے ساتھ حضرت ابوبکر کو لے آیا اور ابن دغنہ کفار قریش کے رؤساء میں گھوما اور ان سے کہا: ابوبکر جیسا نہ نکلے گا اور نہ نکالا جائے گا' تم لوگ ایسے شخص کو نکالتے ہو جو نادار کو کما کر دیتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور مجبوروں کا بار اٹھاتا ہے' مہمانداری کرتا ہے' حق پر استقامت

لَا يَخْرُجُ مِثْلُهٗ وَلَا يُخْرَجُ اَتُخْرِجُوْنَ رَجُلًا يَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَيَصِلُ الرَّحِمَ وَيَحْمِلُ الْكَلَّ وَيَقْرِي الضَّيْفَ وَيُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَاَنْفَذَتْ قُرَيْشٌ جِوَارَ ابْنِ الدَّغِنَةِ وَاٰمَنُوْا اَبَا بَكْرٍ وَّقَالُوْا لِابْنِ الدَّغِنَةِ مُرْ اَبَا بَكْرٍ فَلْيَعْبُدْ رَبَّهٗ فِيْ دَارِهٖ فَلْيُصَلِّ وَلْيَقْرَاْ مَا شَآءَ وَلَا يُؤْذِيْنَا بِذٰلِكَ وَلَا يَسْتَعْلِنْ بِهٖ فَاِنَّا قَدْ خَشِيْنَا اَنْ يَّفْتِنَ اَبْنَآئَنَا وَنِسَآئَنَا قَالَ ذٰلِكَ ابْنُ الدَّغِنَةِ لِاَبِيْ بَكْرٍ فَطَفِقَ اَبُوْ بَكْرٍ يَّعْبُدُ رَبَّهٗ فِيْ دَارِهٖ وَلَا يَسْتَعْلِنُ بِالصَّلٰوةِ وَلَا الْقِرَائَةِ فِيْ غَيْرِ دَارِهٖ ثُمَّ بَدَا لِاَبِيْ بَكْرٍ فَابْتَنٰى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ وَبَرَزَ فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْهِ وَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَيَتَقَصَّفُ عَلَيْهِ نِسَآءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَبْنَآؤُهُمْ وَيَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّآءً لَا يَمْلِكُ دَمْعَهٗ حِيْنَ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَاَفْزَعَ ذٰلِكَ اَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَاَرْسَلُوْا اِلَى ابْنِ الدَّغِنَةِ فَقَدِمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا لَهٗ اِنَّا كُنَّا اَجَرْنَا اَبَا بَكْرٍ عَلٰى اَنْ يَّعْبُدَ رَبَّهٗ فِيْ دَارِهٖ وَاِنَّهٗ جَاوَزَ ذٰلِكَ فَابْتَنٰى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ وَاَعْلَنَ الصَّلٰوةَ وَالْقِرَائَةَ وَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ يَّفْتِنَ اَبْنَآئَنَا وَنِسَآئَنَا فَاْتِهٖ فَاِنْ اَحَبَّ اَنْ يَّقْتَصِرَ عَلٰى اَنْ يَّعْبُدَ رَبَّهٗ فِيْ دَارِهٖ فَعَلَ وَاِنْ اَبٰى اِلَّا اَنْ يُّعْلِنَ ذٰلِكَ فَسَلْهُ اَنْ يَّرُدَّ اِلَيْكَ ذِمَّتَكَ فَاِنَّا كَرِهْنَا اَنْ نُّخْفِرَكَ وَلَسْنَا مُقِرِّيْنَ لِاَبِيْ بَكْرٍ الْاِسْتِعْلَانَ قَالَتْ عَآئِشَةُ فَاَتَى ابْنُ الدَّغِنَةِ اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتَ الَّذِيْ عَقَدْتُّ لَكَ عَلَيْهِ فَاِمَّا اَنْ تَقْتَصِرَ عَلٰى ذٰلِكَ وَاِمَّا اَنْ تَرُدَّ اِلَيَّ ذِمَّتِيْ فَاِنِّيْ لَا اُحِبُّ اَنْ تَسْمَعَ الْعَرَبُ اَنِّيْ اُخْفِرْتُ فِيْ رَجُلٍ عَقَدْتُّ لَهٗ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اِنِّيْ اَرُدُّ اِلَيْكَ جِوَارَكَ وَاَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُرِيْتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ رَاَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ وَهُمَا الْحَرَّتَانِ فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ ذَكَرَ

کی وجہ سے اگر کسی پر مصیبت آتی ہے تو مدد کرتا ہے۔ قریش نے ابن دغنہ کی امان کو تسلیم کر لیا اور ابوبکر کو امان دے دیا' البتہ ابن دغنہ سے کہا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرے' نماز ادا کرے جو چاہے پڑھے اور ہمیں ایذاء نہ دے اور علانیہ نماز یا کچھ نہ پڑھے' ہم کو اندیشہ ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ اس بات کو ابن دغنہ نے ابوبکر سے کہہ دیا' اس کے بعد ابوبکر اللہ کی عبادت اپنے گھر میں کرتے اور اپنے گھر کے علاوہ کہیں نہ نماز ادا کرتے نہ قرآن پڑھتے' اس کے بعد ان کے دل میں آیا اور انہوں نے اپنے مکان کے صحن میں مسجد بنالی' اس میں نماز پڑھتے' قرآن کی تلاوت کرتے' اس کی وجہ سے مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے گرد ہجوم کر کے گرے پڑتے اور اسے پسند کرتے اور انہیں دیکھتے اور ابوبکر بہت رقیق القلب تھے جب تلاوت کرتے تو آنسو کو روک نہ پاتے' اس بات نے مشرکین قریش کے رؤساء کو گھبراہٹ میں ڈال دیا' انہوں نے ابن دغنہ کو بلوایا' وہ آیا تو اس سے کہا کہ ہم نے ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت کرے' وہ آگے بڑھ گیا' اس نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور علانیہ نماز و قرآن پڑھتا ہے اور ہم کو اندیشہ ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں فتنے میں نہ پڑ جائیں' تم اس کے پاس جاؤ' اگر یہ پسند کرے کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرے تو کرے اور اگر نہ مانے اور اعلان کے ساتھ عبادت کرنے پر اصرار کرے تو اس سے کہہ کہ وہ تیری امان لوٹا دے' ہم تیری امان کو توڑنا ناپسند کرتے ہیں اور ابوبکر کو علانیہ نماز اور قرآن پڑھنے پر رہنے نہیں دیں گے۔ ابن دغنہ ابوبکر کے پاس آیا اور عرض کیا: تم جانتے ہو کہ میں نے جس شرط پر امان دی تھی یا گھر کے اندر نماز و تلاوت پر اقتصار کرو یا میری امان لوٹا دو' اس لئے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ عرب یہ سنیں کہ میں نے ایک شخص کو امان دی تھی' اس کو توڑ دیا گیا۔ اس پر ابوبکر نے کہا: میں تیری امان رد کرتا ہوں اور اللہ کی امان پر راضی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ ہی میں تھے' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے

ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَعَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ بَعْضُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ وَتَجَهَّزَ أَبُوْ بَكْرٍ مُهَاجِرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رِسْلِكَ فَإِنِّيْ أَرْجُوْ أَنْ يُّؤْذَنَ لِيْ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ هَلْ تَرْجُوْ ذٰلِكَ بِأَبِيْ أَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَحَبَسَ أَبُوْ بَكْرٍ نَفْسَهُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصْحَبَهُ وَعَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ. (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المسجد یکون فی الطریق ص ۶۸' باب: ھجرۃ النبی ﷺ ص ۲۔ ۵۵۳)

تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ میں نے دو سنگستانوں کے درمیان کھجوروں والی شور زمین دیکھی ہے' اب جس کو ہجرت کرنی تھی مدینہ کی طرف ہجرت کی' جب نبی ﷺ نے یہ ذکر فرمایا اور حبشہ ہجرت کرنے والوں میں سے بہت سے لوگ مدینہ چلے گئے' ابوبکر نے ہجرت کی تیاری کر لی' اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: رُکے رہو! مجھے اُمید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دی جائے گی' ابوبکر نے عرض کیا: آپ پر میرے باپ قربان! کیا حضور کو ہجرت کی اجازت ملنے کی اُمید ہے؟ فرمایا: ہاں! تو ابوبکر نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے لیے اپنے کو روک لیا اور سواری کی دو اونٹنیاں ان کے پاس تھیں' انہیں چار مہینے تک ببول کے پتے کھلائے۔

اس حدیث کا کچھ جز کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۶۸ پر مذکور ہے' وہاں مختصر تھی' اس لیے چھوڑ دیا تھا۔ یہاں پوری تفصیل ہے' اس لیے یہاں ذکر کر دیا۔ یہاں امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندیں ذکر کی ہیں: ایک بہ طریق یحییٰ بن بکیر' دوسری بہ طریق ابوصالح۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ تعلیق ہے۔

ولم اعقل

حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ہجرت کے وقت آٹھ سال تھی' اس لیے ان کا ہجرت سے قبل سن شعور کو پہنچ جانا مستبعد نہیں۔ اس حدیث میں دین سے مراد دین اسلام ہے' الدین پر الف لام عہد کا ہے۔ ازواج مطہرات میں اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ ان پر ایک آن کے لیے حکماً بھی کفر طاری نہیں ہوا۔ ان کے والدین کریمین ان کی پیدائش سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے' بلکہ بالفرض اُم المؤمنین کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئی تھیں تو بھی حضرت صدیق تو برسوں پہلے اوّل روز ہی سے مشرف باسلام ہیں۔

برك الغماد

غین پر ضمہ بھی ہے اور کسرہ بھی' یمن کے انتہائی سرے پر ایک جگہ کا نام ہے' مکہ معظمہ سے پانچ دن کی مسافت پر ہے۔

ابن الدغنه

اس کا نام ربیعہ بن رفیع ہے' یہ امام ابن اسحٰق کا قول ہے' مگر مغلطائی نے کہا کہ اس کا نام مالک تھا۔ دغنہ اس کی ماں کا نام ہے' اس کے معنی بارش اور بادل کے ہیں۔ ''دَغِنَه'' اور ''دُغُنَه'' بھی کہا گیا ہے' ڈھیلی ڈھالی زیادہ گوشت والی عورت۔ ''القارۃ'' را مخفف' خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کا نام قارہ ہے' اس کے معنی کالے پتھریلے ٹیلے کے ہیں۔ بنو بکر کے ساتھ ایک جنگ میں ان لوگوں نے ایسے ہی ٹیلے پر صف بندی کی تھی' اس لیے ان کو قارہ کہا جانے لگا۔

فابتنى مسجدا

یہ شرف بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اوّلیات میں سے ہے کہ انہوں نے اسلام میں سب سے پہلے مسجد بنائی' مکہ معظمہ میں

مسعلہ شارع ابوبکر میں ایک مسجد ابوبکر کے نام سے اب بھی موجود ہے' ہوسکتا ہے کہ یہ مسجد اسی جگہ بنائی گئی ہو۔

لابتین

''لَابَۃٌ'' کا تثنیہ ہے' ایسے کالے پتھروں والی زمین جو دیکھنے میں ایسے لگتے ہوں گویا جلے ہوئے ہیں۔

حرۃ

''حرۃ'' کے بھی یہی معنی ہیں' مدینہ کے مغرب و مشرق میں دو ایسے ہی سنگستان ہیں جنہیں حرہ شرقی اور حرہ غربی کہا جاتا ہے۔

السمرۃ

''السمرۃ'' ببول کے مشابہ ایک خاردار درخت جو بہت بڑا ہوتا ہے۔ باب ہجرت میں اس کے بعد ''وھو الخبط'' ہے' اس کے معنی درخت سے ڈنڈے وغیرہ سے توڑے ہوئے پتے۔

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی جان و مال آبرو دین بچانے کے لیے کافر کی امان قبول کرسکتا ہے' یہ رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھے اور اس کی حمایت پر اعتماد کرے' جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابن دغنہ کی امان ردّ فرما دی۔

۱۳۳۱- ح: كَانَ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰى عَلَيْهِ دَيْنٌ

[جب کوئی مقروض فوت شدہ لایا جاتا]

۱۳۳۱- عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ لِدَيْنِهِ وَفَاءً صَلّٰى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَالَ أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی مقروض فوت شدہ لایا جاتا تو آپ نے دریافت فرماتے کہ اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ اگر عرض کیا جاتا کہ اتنا چھوڑا ہے کہ قرض ادا کیا جاسکے تو اس کے جنازے کی نماز پڑھتے' ورنہ مسلمانوں سے فرماتے: اپنے ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتوحات عطا فرمائیں تو فرمایا: میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں' جو مسلمان مقروض وفات پائے تو اس کے قرض کی ادائیگی مجھ پر ہے' اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثین کا ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النفقات۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلًا او ضیا عافالی ص ۸۰۹' مسلم۔ کتاب الفرائض' ترمذی۔ کتاب الجنائز)

اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں' یہ بالکل ظاہر ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امان تو بہت دور ہے' کسی امان کا تذکرہ نہیں۔ ابوذر اور ابوالوقت کی روایت میں نہ باب ہے نہ ترجمہ' صرف حدیث ہے۔ مستملی کی روایت میں حدیث بھی نہیں۔ نسفی اور ابن شبویہ کی روایت میں باب بلاعنوان ہے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن بطال نے اس حدیث کو ''باب من تکفل عن میت بدین'' کے اخیر میں ذکر کیا ہے اور یہی مناسب ہے۔

فترك دينا

مسلم کی روایت میں "فترك دينا او ضيعة" ہے اور دوسری روایت میں "ضياعًا" ہے یہ "ضاع يضيع" کا مصدر ہے بہ معنی عیال۔

یہ حضور اقدس ﷺ کا کرم خصوصی ہے کہ اپنے بینوا مقروض امتیوں کا بار اپنے اوپر لے لیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٤٠-كِتَابُ الْوَكَالَةِ

وکالت کا بیان

بَابُ وَكَالَةِ الشَّرِيْكِ الشَّرِيْكَ فِي الْقِسْمَةِ وَغَيْرِهَا (ص ٣٠٨)

ایک شریک کا دوسرے شریک کا تقسیم کرنے کے لیے وکیل ہونا یا کسی اور بات میں

نسفی کی روایت میں "وكالة الشريك" سے پہلے لفظ باب نہیں' اوروں میں ہے' زیادہ مناسب باب کا ہونا ہی ہے۔

وکالت کے معنی لغت میں حفاظت کے ہیں' اسی سے وکیل اسماء حسنیٰ میں سے ہے' نیز اس کے معنی کارساز کے بھی ہیں۔ یہاں یہ معنی تفویض ہے' اپنا کام دوسرے کو سپرد کرنا جبکہ وہ قبول کر لے۔

١٣٣٢- ح: اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ

[انہیں بکریاں دیں کہ صحابہ میں تقسیم کر دیں]

١٣٣٢- عَنْ اَبِى الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بکریاں دیں کہ صحابہ پر تقسیم کر دیں' ایک سال بھر کا بچہ بچ گیا' اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو فرمایا: اس کی تم قربانی کر لو۔

(بخاری۔ کتاب الشرکتہ۔ باب: قسمة الغنم والعدل فيها ص ٣٤٠' ج ٢۔ کتاب الضحایا۔ باب: اضحية النبى صلی اللہ علیہ وسلم بكبشين اقرنين ص ٨٣٣' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الضحایا)

بکری کا بچہ جو چرنے چگنے اور جفتی کے لائق ہو جائے' سال بھر کا بچہ' کتاب الاضاحی میں بہ طریق بعجہ جہنی جو روایت ہے' اس میں جذع ہے' یعنی جوان بچہ۔ اسی روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بکریاں قربانی کرنے ہی کے لیے تقسیم فرمائی تھیں۔

مطابقت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرام پر بکریاں تقسیم کرنے کے لیے دی تھیں' ان میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی تھے' اس لیے یہ بقیہ صحابہ کے شریک ہوئے اور انہیں تقسیم کرنے کا حکم دیا' تو یہ شریک کو شرکاء کے درمیان تقسیم کرنے پر وکیل بنانا ہوا۔

بَابٌ اِذَا وَكَّلَ الْمُسْلِمُ حَرْبِيًّا فِي دَارِ

جب مسلمان کسی حربی کو دار الحرب یا دار الاسلام

الْحَرْبِ اَوْ فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ جَازَ
۱۳۳۳- ح: كَاتَبْتُ اُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كِتَابًا

میں وکیل بنائے تو جائز ہے
[میں نے اور امیہ بن خلف نے آپس میں ایک معاہدہ لکھا تھا]

۱۳۳۳- عَنْ صَالِحِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَاتَبْتُ اُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كِتَابًا بِاَنْ يَّحْفَظَنِيْ فِيْ صَاغِيَتِيْ بِمَكَّةَ وَاَحْفَظُهٗ فِيْ صَاغِيَتِهٖ بِالْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا ذَكَرْتُ الرَّحْمٰنَ قَالَ لَا اَعْرِفُ الرَّحْمٰنَ كَاتِبْنِيْ بِاسْمِكَ الَّذِيْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَكَاتَبْتُهٗ عَبْدَ عَمْرٍو فَلَمَّا كَانَ فِيْ يَوْمِ بَدْرٍ خَرَجْتُ اِلٰى جَبَلٍ لِاَحْرُزَهٗ حِيْنَ نَامَ النَّاسُ فَاَبْصَرَهٗ بِلَالٌ فَخَرَجَ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى مَجْلِسٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ لَا نَجَوْتُ اِنْ نَّجَا اُمَيَّةُ فَخَرَجَ مَعَهٗ فَرِيْقٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِيْ اٰثَارِنَا فَلَمَّا خَشِيْتُ اَنْ يَّلْحَقُوْنَا خَلَّفْتُ لَهُمُ ابْنَهٗ لِاَشْغَلَهُمْ فَقَتَلُوْهُ ثُمَّ اَبَوْا حَتّٰى يَتْبَعُوْنَا وَكَانَ رَجُلًا ثَقِيْلًا فَلَمَّا اَدْرَكُوْنَا قُلْتُ لَهٗ اُبْرُكْ فَبَرَكَ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ نَفْسِيْ لِاَمْنَعَهٗ فَتَخَلَّلُوْهُ بِالسُّيُوْفِ مِنْ تَحْتِيْ حَتّٰى قَتَلُوْهُ وَاَصَابَ اَحَدُهُمْ رِجْلِيْ بِسَيْفِهٖ وَكَانَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُرِيْنَا ذٰلِكَ الْاَثَرَ فِيْ ظَهْرِ قَدَمِهٖ.

(بخاری-ج ۲ کتاب المغازی-باب: قتل ابی جہل ص ۵۶۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اور امیہ بن خلف نے آپس میں ایک معاہدہ لکھا تھا کہ وہ مکہ میں میری جائیداد کی نگرانی کرے اور میں مدینہ میں اس کی جائیداد کی نگرانی کروں گا' جب میں نے اپنا نام عبدالرحمٰن لکھا تو اس نے کہا: میں رحمٰن کو نہیں جانتا' اپنا وہ نام لکھو جو جاہلیت میں تھا' تو میں نے عبدالرحمٰن کے بجائے عبدعمرو لکھوایا' جب بدر کے معرکے کا دن آیا تو جب لوگ سو گئے' میں پہاڑ کی طرف چلا کہ اس کی حفاظت کروں' بلال نے اسے دیکھ لیا' وہ انصار کی ایک مجلس میں گئے اور کہا: یہ امیہ بن خلف ہے' اگر وہ بچ گیا تو میں نہیں بچا' بلال کے ساتھ انصار کے لوگ چلے' جب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ وہ لوگ ہمیں دھر لیں گے تو میں نے ان کے لیے امیہ کے بیٹے کو پیچھے کر دیا کہ انہیں پھنسائے رکھے' انصار نے اسے مارڈالا' اس کے بعد بھی وہ نہیں مانے' ہمارا پیچھا کرتے رہے' وہ بھاری بدن کا انسان تھا' جب وہ لوگ ہمارے بالکل قریب آ گئے تو میں نے امیہ سے کہا: زمین پر پڑ جاؤ! جب وہ زمین پر پھیل گیا تو میں نے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا تاکہ اس کو بچالوں' مگر انصار نے میرے نیچے تلواریں گھسیڑ کر اسے مارڈالا اور کسی کی تلوار سے میرے پاؤں پر بھی زخم لگ گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف آپنے قدم کی پیٹھ پر اس کا نشان ہمیں دکھاتے تھے۔

[امیہ بن خلف]

امیہ بن خلف کفار قریش کے رؤسا میں اسلام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا دشمن تھا اور ان بدبختوں میں سے تھا جن کی ہلاکت کی نام لے کر دعا فرمائی گئی تھی[1] اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ صحابہ اسے قتل کریں گے[2] ایک مرتبہ سڑی ہوئی ہڈی لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا' اسے توڑ کر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر پھونک سے اڑا دیا اور کہا: اے محمد! کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تیرا رب اسے زندہ کردے گا' اس پر سورۂ یٰس کی یہ آیت نازل ہوئی:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (یٰس:۷۸) اس نے کہا: ایسا کون ہے جو بالکل گلی ہوئی ہڈیوں کو زندہ

---

[1] بخاری-ج ۱ ص ۳۸ [2] بخاری-ج ۲ ص ۵۶۳

کرے○

ابتداء میں جب مشرکین سے مقاطعہ کا حکم نہیں ہوا تھا' مسلمانوں اور مشرکین میں نجی روابط تھے' خود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ اور امیہ میں آمد و رفت تھی[1] بلکہ بعض واقعات ایسے ملتے ہیں کہ فتح مکہ تک بہت سے مسلمانوں اور مکہ کے کافروں کے مابین ربط و ضبط تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ کی مکہ معظمہ میں بہت کچھ جائیداد تھی اور امیہ کی مدینہ طیبہ میں' اپنے مال کی حفاظت کے لیے انہوں نے یہ معاہدہ کیا تھا' اگر وہ امیہ سے یہ معاہدہ نہ کرتے تو مکہ معظمہ کی ان کی جائیداد نہ بچ پاتی۔

''ذکرت الرحمٰن'' اس معاہدے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ نے اپنا نام عبدالرحمٰن لکھوانا چاہا تو امیہ نے کہا کہ میں رحمٰن کو نہیں جانتا' اپنا عہد جاہلیت والا نام لکھواؤ' ان کا نام عبد عمرو تھا اور ایک قول یہ ہے کہ عبدالکعبہ تھا' اس روایت میں عبد عمرو ہے' یہی لکھوایا۔

ابنہ

امیہ کے اس لڑکے کا نام علی بن امیہ تھا' اسے حضرت عامر رضی اللہ نے قتل کیا تھا' امیہ کو کس نے قتل کیا؟ اس بارے میں پانچ اقوال ہیں' اوّل: خبیب بن ساف خفیفہ انصاری' یہ امام واقدی کا قول ہے۔ دوم: امام ابن اسحٰق نے کہا کہ اسے بنی مازن کے ایک انصاری نے قتل کیا تھا۔ سوم: ابن ہشام نے کہا کہ معاذ بن عفراء' خارجہ بن زید اور خبیب نے مل کر قتل کیا تھا۔ ''فتخللوہ بالسیوف'' سے یہ ظاہر یہی متبادر ہے کہ چند بزرگوں نے مل کر تلوار گھسیڑی تھی۔ چہارم: امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا کہ رفاعہ بن رافع نے تلوار بھونکی تھی۔ پنجم: ایک قول یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ نے اسے قتل کیا تھا۔ (فتح الباری۔ ج ۷ ص ۲۸۴)

امیہ بن خلف چونکہ رات ہی میں مارڈالا گیا تھا' وہ بھی میدانِ جنگ سے دور' اس لیے جب اس کو قلیب بدر میں پھینکنے کے لیے گھسیٹنے لگے تو اس کے جوڑ الگ ہو گئے اور اس کو وہیں مقتل میں دبا دیا گیا۔

مسائل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ مدینہ طیبہ میں تھے جو دارالاسلام تھا۔ امیہ بن خلف مکہ معظمہ میں تھا' جو اس وقت دارالحرب تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ نے مکہ میں امیہ کو اپنا وکیل بنایا اور اس نے ان کو مدینہ طیبہ میں اپنا وکیل بنایا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حربی کافر کو دارالحرب میں اپنا وکیل بنانا اور حربی کا مسلمان کو دارالاسلام میں اپنا وکیل بنانا جائز ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ وکیل کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں' کافر بھی حربی مسلمان کا وکیل ہو سکتا ہے۔

بَابٌ اِذَا اَبْصَرَ الرَّاعِي اَوِ الْوَكِيلُ شَاةً تَمُوتُ اَوْ شَيْئًا يَّفْسُدُ ذَبَحَ وَاَصْلَحَ مَا يَخَافُ الْفَسَادَ (ص ۳۰۸)	چرواہا یا وکیل کسی بکری کو مرتے ہوئے دیکھے یا کسی چیز کو خراب ہوتے ہوئے دیکھے تو ذبح کر دے اور جس چیز کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اسے ٹھیک کر دے
۱۳۳۴- عَنْ نَّافِعٍ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ	حضرت کعب بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے (انہوں نے

[1] ایضاً

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ کَانَتْ لَھُمْ غَنَمٌ تَرْعٰی بِسَلْعٍ فَاَبْصَرَتْ جَارِیَۃٌ لَّنَا بِشَاۃٍ مِّنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَکَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْھَا بِہٖ فَقَالَ لَھُمْ لَا تَاْکُلُوْا حَتّٰی اَسْاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ اُرْسِلَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّسْاَلُہٗ وَاَنَّہٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِکَ اَوْ اَرْسَلَ فَاَمَرَہٗ بِاَکْلِھَا قَالَ عُبَیْدُاللّٰہِ فَیُعْجِبُنِیْ اَنَّھَا اَمَۃٌ وَّاَنَّھَا ذَبَحَتْ۔

بیان کیا) ہماری کچھ بکریاں تھیں جو سلع میں چرتی تھیں، ہماری ایک کنیز نے ایک بکری کو دیکھا کہ مر رہی ہے تو اس نے پتھر توڑا اور اس سے بکری کو ذبح کر دیا، حضرت کعب نے گھر والوں سے کہا: اسے کوئی نہ کھائے جب تک میں نبی ﷺ سے دریافت نہ کرلوں، یا یہ کہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں بھیج کر دریافت نہ کرالوں۔ انہوں نے خود نبی ﷺ سے دریافت فرمایا یا کسی کو بھیج کر دریافت کرایا تو حضور نے انہیں کھانے کی اجازت دے دی۔ عبیداللہ نے کہا: مجھے یہ بات پسند آئی کہ وہ کنیز تھی اور اس نے ذبح کیا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الذبائح۔ باب: ما انھر الدم من القصب والمروۃ والحدید ص ۸۲۷، دوطریقے سے۔ باب: ذبیحۃ الامۃ والمرأۃ ص ۸۲۷، دوطریقے سے۔ ابن ماجہ۔ کتاب الذبائح)

سند میں ہے: "سمع ابن مالک" نافع نے کہا کہ انہوں نے مالک بن کعب کے صاحبزادے سے سنا، یہ صاحبزادے کون تھے؟ بخاری ہی میں کتاب الذبائح کی ایک روایت میں، عبداللہ کی تصریح ہے اور امام مزی نے اطراف میں عبداللہ ہی سے روایت کیا ہے، مگر ابن وہب نے عبدالرحمٰن بن مالک سے روایت کیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ امام بخاری نے ایک جگہ عبدالرحمٰن کی تصریح کی ہے۔ علامہ عسقلانی نے اسی کو ظاہر بتایا کہ یہ عبدالرحمٰن ہیں۔

امام بخاری کی غرض اس باب اور اس حدیث کے ذکر سے یہ ہے کہ وکیل بھی مال پر امین ہوتا ہے۔ امین اگر امانت کے بارے میں کوئی خبر دے تو اسے سچ مانا جائے گا، جب تک کہ اس کے جھوٹ اور خیانت پر دلیل نہ قائم ہو۔ اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ ہوئے: عورت کنیز کا ذبیحہ درست ہے، جس دھاردار چیز سے ذبح کیا جائے، درست ہے، مثلاً بانس کا چھلکا، پتھر، چھری وغیرہ سوائے دانت اور ناخن کے اس لیے کہ حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔

بَابُ وَکَالَۃِ الشَّاھِدِ وَالْغَائِبِ جَائِزَۃٌ (ص۳۰۹)

موجود اور غیر موجود کو وکیل کرنا جائز ہے

ت ۴۵۵ - وَکَتَبَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اِلٰی قَھْرَمَانِہٖ وَھُوَ غَائِبٌ عَنْہُ اَنْ یُّزَکِّیَ عَنْ اَھْلِہِ الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے کار پرداز کو لکھا اور وہ وہاں موجود نہیں تھا کہ ان کے چھوٹے بڑے اہل کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں یا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ بعض نسخوں میں عمرو واؤ کے ساتھ ہے، بعض میں عمر بغیر واؤ کے اس لیے اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ "ان یزکی" سے مراد صدقہ فطر ہے، اس لیے کہ نابالغ پر زکوٰۃ بالاتفاق واجب نہیں، نیز اس پر اتفاق ہے کہ بالغ کی زکوٰۃ خود اس پر واجب ہے اس کے باپ پر نہیں، البتہ چھوٹے بچوں کی طرف سے باپ پر صدقہ فطر واجب ہے اور بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ بالغ بچوں کی طرف سے بھی واجب ہے۔ ہمارے نزدیک بالغ اولاد کی طرف سے باپ پر واجب نہیں۔ اس کی بحث نزہۃ القاری، ج ۲ ص ۸۲۸۔۸۲۹ پر گزر چکی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد تبرع پر محمول ہے۔

١٣٣٥- ح: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنٌّ مِنَ الْإِبِلِ

[نبی ﷺ پر ایک آدمی کا ایک خاص عمر کا اونٹ واجب تھا]

١٣٣٥- عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنٌّ مِّنَ الْإِبِلِ فَجَآئَهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ أَعْطُوْهُ فَطَلَبُوْا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا فَقَالَ أَعْطُوْهُ فَقَالَ أَوْفَيْتَنِيْ أَوْفَى اللّٰهُ بِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَآءً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک شخص کا نبی ﷺ پر ایک خاص عمر کا اونٹ واجب تھا' وہ حضور کی خدمت میں آ کر تقاضا کرنے لگا' حضور نے حکم دیا کہ اس کا حق اسے دے دو' لوگوں نے ڈھونڈا' مگر اس عمر کا اونٹ نہیں ملا' اس سے بڑی عمر کا ملتا تھا' فرمایا: وہی دے دو۔ اس پر اس شخص نے عرض کیا: آپ نے مجھے پورا دیا' اللہ تعالیٰ آپ کو بھی پورا دے' تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو حقوق کو سب سے زیادہ عمدگی سے ادا کرے۔

(بخاری۔ باب: الوکالة فی قضاء الدیون ص ٣٠٩' کتاب الاستقراض۔ باب: استقراض الابل ص ٣٢١' باب: هل یعطی اکبر من سنه ص ٣٢٢' باب: حسن القضاء ص ٣٢٢' باب: لصاحب الحق مقال ص ٣٢٣' کتاب الہبۃ۔ باب: الهبة المقبوضة وغیر المقبوضة ص ٣٥٥' باب: من اهدی له هدية وعنده جلساء ه فهو احق به ص ٣٥٥' مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

مطابقت

باب کے دو جز تھے: پہلا حاضر کو وکیل بنایا' یہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ فرمایا: ''اعطوہ'' یہ خطاب کا صیغہ ہے اور دوسرا جز تھا: غائب کو وکیل بنایا' یہ تعلیق سے ثابت ہے۔

تکمیل

اس کے بعد متصل جو روایت ہے' اس میں یہ زائد ہے کہ اس شخص نے سخت کلامی کی۔ اس پر صحابہ کرام برہم ہو گئے تو فرمایا: اسے چھوڑ دو' حق والے کو کہنے کا حق ہے۔

سن من الابل

اہل عرب دس سال کی عمر تک اونٹ کے سال بسال نام رکھتے تھے' جیسے بنت مخاض' بنت لبون' جس کی تفصیل ج ٤ میں گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مثلاً بنت لبون واجب تھا یا جذعہ واجب تھا۔ حسن اخلاق اور جود وعطاء کا اثر یہ ہوا کہ ابھی سخت کلامی کر رہا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ کلمات فضل اور دعا کہے۔

بَابُ إِذَا وَهَبَ شَيْئًا لِوَكِيْلٍ أَوْ شَفِيْعِ قَوْمٍ جَازَ (ص ٣٠٩)

جب کسی قوم کے وکیل یا شفیع کو دیا تو جائز ہے

لِوَكِيل

''لوکیل'' پر تنوین بھی صحیح ہے اور یہ درست ہے کہ قوم کی جانب مضاف ہو' جیسے کہتے ہیں: ''انا بین ذراعی وجھة اسد ای بین ذراعی اسد وجھته'' مراد یہ ہے کہ کسی قوم کے وکیل یا کسی قوم کے شفیع کو کچھ دینا کہ اسے پوری قوم پر تقسیم کر دے' یہ جائز ہے۔

١٣٣٦- ح: قَامَ حِيْنَ جَآءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ

١٣٣٦- وَزَعَمَ عُرْوَةُ اَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَآءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَاَلُوْهُ اَنْ يَرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْحَدِيْثِ اِلَيَّ اَصْدَقُهُ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَاِمَّا الْمَالَ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَاْنَيْتُ بِهِمْ وَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِيْنَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ رَادٍّ اِلَيْهِمْ اِلَّا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَآءُوْنَا تَائِبِيْنَ وَاِنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يُّطَيِّبَ بِذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلٰى حَظِّهِ حَتّٰى نُعْطِيَهُ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ فِيْ ذٰلِكَ مِمَّنْ لَّمْ يَاْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ اِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ اَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْا وَاَذِنُوْا.

[ہوازن کا وفد (مسلمان ہوکر) خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ کھڑے ہو گئے]

مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی: جب ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سوال کیا کہ ان کے مال اور قیدی انہیں واپس کر دیے جائیں تو حضور کھڑے ہوئے اور ان سے فرمایا: مجھے سب سے زیادہ سچی بات پسند ہے' دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرو: قیدی یا مال۔ اور میں نے ان کا انتظار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب طائف سے واپس ہوئے تو دس دن سے زیادہ ان کا انتظار کیا تھا' جب ہوازن کے وفد کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو چیزوں میں سے صرف ایک ہی واپس فرمائیں گے تو عرض کیا: ہم اپنے قیدی چاہتے ہیں' اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں کے روبرو کھڑے ہوئے' پہلے اللہ کی وہ ثناء بیان کی جس کا وہ اہل ہے' پھر فرمایا: امابعد! تمہارے یہ بھائی توبہ کر کے ہمارے پاس آئے ہیں اور میں مناسب جانتا ہوں کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دوں' تم میں سے جو بہ خوشی اسے پسند کرے وہ یہی کرے اور جو چاہتا ہو کہ اس کا یہ حصہ باقی رہے (تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس وقت دے دے) اس شرط پر کہ سب سے پہلا جو مال غنیمت اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا' اس میں سے ہم اسے اس کے عوض دے دیں گے' تو ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے انہیں بہ خوشی دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نہیں جانتے تم میں سے کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی' لوٹ جاؤ' یہاں تک کہ تمہارے سردار آ کر ہمیں بتائیں' لوگ لوٹ گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے بات چیت کی' پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ خبر دی کہ سب نے بہ خوشی اجازت دے دی۔

(بخاری۔ کتاب العتق۔ باب: من ملك من العرب رقيقا ص ٣٤٥' الہبۃ۔ باب: من رای الهبة الغائبة جائزة ص ٣٥٢' باب: اذا وهب جماعة لقوم ص ٣٥٥' کتاب الجہاد۔ باب: من قال ومن الدليل على ان الخمس لنوائب المسلمين ص ٤٤٢' ج ٢۔ کتاب المغازی۔ باب: قول الله تعالى يوم حنين ص ٦١٨' کتاب الاحکام۔ باب: العرفاء للناس ص ١٠٦٣' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب السیر)

ہوازن اور ثقیف عرب کے بہت مشہور جنگ جو اور بہادر قبیلے تھے' ان کو جب مکہ فتح ہونے کی اطلاع ملی تو بوکھلا گئے اور بڑے

ساز وسامان کے ساتھ حضور اقدس ﷺ پر حملہ کرنے کی نیت سے حنین میں جسے اوطاس بھی کہتے ہیں' اکٹھے ہو گئے۔ یہ جگہ عرفات سے تین دن کی مسافت پر مشرق طائف کی جانب ہے۔ چھ شوال ۸ھ کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ بعض اصولی غلطیوں اور ضرورت سے زیادہ جوش کی وجہ سے ابتداء میں اکثر مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے مگر پھر اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور مجاہدین اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور ہوازن وثقیف اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس معرکے میں اتنا مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا جس کی نظیر نہیں۔ چھ ہزار عورتیں اور بچے قیدی تھے' چار ہزار بیس اونٹ' چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی۔

حنین واوطاس کی شکست خوردہ فوج طائف میں بھاگی۔ حضور اقدس ﷺ نے بڑھ کر طائف کا محاصرہ فرمایا' بیس دن کے محاصرہ کے بعد جعرانہ واپس ہوئے۔ یہیں حنین کا مالِ غنیمت جمع تھا' دس دن سے زائد حضور اقدس ﷺ نے ہوازن کا انتظار کیا۔ جب وہ نہیں آئے تو بروایتے تمام مال غنیمت خمس نکالنے کے بعد مجاہدین پر تقسیم فرمادیا' اس کے بعد ہوازن کا وفد آیا۔

امام محمد بن اسحٰق نے بیان فرمایا کہ انہوں نے یہ عرض کیا: یارسول اللہ! ہم پر احسان فرمایئے! اللہ آپ پر احسان فرمائے گا۔ ہوازن کے رئیس اعظم حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کے اہل وعیال کے علاوہ سو اونٹ عطاء فرمائے۔ اس پر انہوں نے ایک مدحیہ قصیدہ عرض کیا' جس کے دو شعر یہ ہیں:

ما ان رأیت ولا سمعت بواحد فی الناس کلھم کمثل محمد

''میں نے پوری دنیا میں محمد ﷺ کے مثل کسی کو نہ دیکھا نہ سنا''

اوفی واعطی للجزیل لمجتد ومتی تشاء یخبرك عما فی غد

''سب سے زیادہ وفا فرمانے والے سب سے زیادہ سائل کو عطاء فرمانے والے اور جب تو چاہے تجھے کل آئندہ کی خبریں بتا دیں گے''۔ (الامن والعلی بحوالہ امام ابن اسحٰق ص ۱۴۰)

حضور اقدس ﷺ نے انہیں ہوازن کے قبائل شمائل وسلمہ وغیرہ پر سردار مقرر فرمادیا۔ اسی میں ہے کہ حضور نے ان سے فرمایا: تمہارے بچوں' عورتوں میں سے جتنے میرے اور بنی عبدالمطلب کے ہیں' وہ سب میں نے دے دیئے۔ اس پر مہاجرین نے کہا: جو کچھ ہمارا حصہ ہے' وہ رسول اللہ کا ہے۔ اور انصار نے بھی یہی عرض کیا' جو لوگ وفد میں آئے تھے پوری قوم کے وکیل اور سفارشی تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان وکیلوں اور شفیعوں کو تمام قیدی عطاء فرمادیئے' جو پوری قوم پر تقسیم کرتے تھے' یہی باب ہے۔

مروان بن حکم کے بارے میں نزہۃ القاری' ج ۳ ص ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲' رقم: ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴ میں بتا آئے ہیں کہ یہ صحابی نہیں اور اس کے سینکڑوں عیوب کے باوجود محدثین اس کی حدیث کو قبول کرتے ہیں' اسے حدیث میں متہم نہیں جانتے۔

بَابُ وَكَالَةِ الْمَرْاَةِ الْاِمَامَ فِي النِّكَاحِ (ص ۳۱۰)

کسی عورت کا امام کو نکاح کا وکیل کرنا

۱۳۳۷- عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ وَهَبْتُ لَكَ مِنْ نَّفْسِیْ فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِیْهَا قَالَ قَدْ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنے آپ کو حضور کو دے دیا۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا: میری اس سے شادی کر دیں فرمایا: تیرے ساتھ جو قرآن ہے اس پر تیرے ساتھ ہم نے اس کی شادی کر دی۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: من تعلم القرآن وعلمه ص ۷۵۲ 'باب: القراءة عن ظهر القلب ص ۷۵۴ 'کتاب النکاح۔ باب: تزويج المعسر ص ۷۶۱ 'باب: عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح ص ۷۶۷ 'باب: النظر الى امرأة قبل التزويج ص ۷۶۸۔ ۷۶۹ 'باب: اذا كان الولي هو الخاطب تعليقا ص ۷۷۰ 'مسند۔ ج ا ص ۷۷۱۔ ۷۷۲ 'باب: السلطان ولي ص ۷۷۱ 'باب: اذا قال الخاطب زوجني فلانة ص ۷۷۲ 'باب: التزويج على القرآن وبغير صداق ص ۷۷۳ 'کتاب التوحید۔ باب: قل اي شيء اكبر شهادة ص ۱۱۰۳ 'مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب النکاح وفضائل القرآن)

امام بخاری نے صرف کتاب النکاح میں اس حدیث کو چھ طریقے سے مختصر اور مفصل روایت فرمایا۔ یہاں یہ حدیث مختصر ہے' مفصل یہ حدیث یوں ہے: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک خاتون حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ خود کو حضور کی نذر کر دوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا' ان کی طرف نظر اُٹھائی اور نیچے کو لی' پھر سر اقدس جھکا لیا' جب ان خاتون نے تین بار یہ درخواست پیش کی تو حضور نے فرمایا: مجھے اب مزید عورتوں کی حاجت نہیں۔ اب ایک صاحب کھڑے ہوئے اور یہ عرض کیا: یارسول اللہ! اگر حضور کو حاجت نہیں تو ان کی مجھ سے شادی کر دیں۔ دریافت فرمایا: کیا تیرے پاس کچھ ہے؟ عرض کیا: نہیں! واللہ یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا: گھر والوں کے پاس جاؤ دیکھو کچھ مل جائے۔ وہ گئے اور لوٹ کر آئے تو عرض کیا: نہیں! واللہ یا رسول اللہ! میں نے کچھ نہیں پایا' تو فرمایا: دیکھو! چاہے لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ گئے اور لوٹ کر آئے تو عرض کیا: واللہ! یارسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں' سوائے اس میرے تہبند کے کچھ نہیں۔ حضرت سہل نے فرمایا: اس کے پاس چادر نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے تہبند کو کیا کرو گے؟ اگر تم اسے پہنو گے تو اس کے اوپر کچھ نہیں رہے گا' اس پر وہ صاحب بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے' پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس ہوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا' تو انہیں بلانے کا حکم دیا' وہ بلائے گئے۔ جب آ گئے تو فرمایا: تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا: فلاں فلاں فلاں سورتیں' فرمایا: انہیں یادداشت سے پڑھ لیتے ہو۔ عرض کیا: ہاں! فرمایا: جاؤ! جو تمہیں قرآن یاد ہے' اس کے عوض میں نے اس کا تم کو مالک بنا دیا' یعنی نکاح کر دیا۔

مسائل

ان خاتون کا نام خولہ بنت حکیم یا اُم شریک تھا۔ اکثر روایتوں میں "زَوَّجتکها" ہے' مگر بہت سی روایتوں میں "مَلَّکتُها" ہے' اس سے بھی مراد نکاح کرنا ہی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے فرمایا کہ نکاح لفظ تزویج کے بجائے تملیک سے بھی صحیح ہے' اسی طرح لفظ ہبہ سے بھی۔

اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی کو ہبہ کر دے تو اسے بغیر مہر اپنی زوجیت میں رکھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کو یہ جائز نہیں' یہ نکاح بغیر مہر ہوا۔ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ جس عورت کا چاہیں بغیر مہر کے نکاح فرما دیں۔ یہ نکاح بغیر مہر اس لیے ہے کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے جو شوہر اپنی زوجہ کو دے۔ قرآن مجید کی سورتیں نہ مال ہیں اور نہ اس کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ وہ کسی کو دی جائیں' اس لیے اسے مہر ٹھہرانا کسی طرح درست نہیں۔

ولو خاتم من حدید

اس سے حضرت امام شافعی وغیرہ نے استدلال فرمایا کہ اقل مہر کی کوئی مقدار نہیں' جو چیز بھی مبیع اور قیمت ہو سکے وہ مہر ہو سکتی ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ مہر کی جانب اقل مقرر ہے' وہ دس درہم ہے' اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں' جیسا کہ امام ابن ابی شیبہ نے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا: "لا مهر اقل من عشرة دراهم" دس درہم سے کم مہر نہیں۔ یہ قیاسی چیز نہیں اس لیے مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس کی سند پر جو کلام کیا گیا ان سب کے جوابات علامہ عینی وغیرہ علمائے احناف نے دیئے ہیں اور "خاتم حدید" کا ذکر بہ طور مبالغہ ہے، مقصد یہ تھا کہ دیکھو کچھ بھی حقیر سے حقیر چیز بھی تمہارے گھر میں ہے، جیسے فرمایا: "تصدقوا ولو بظلف محرق. تصدقوا ولو بفرس شاة" حالانکہ جلا ہوا کھر یا بکری کا کھر قابل انتفاع نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، مگر ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ نہ لوہے کی نہ کسی اور دھات کی سوائے چاندی کے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہ پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر بتوں کا زیور دیکھ رہا ہوں، انہوں نے اسے پھینک دیا، پھر وہ آئے اور لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ فرمایا: کیا بات ہے میں تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں، انہوں نے اسے بھی پھینک دیا۔

بَابٌ اِذَا وَكَّلَ رَجُلًا فَتَرَكَ الْوَكِيلُ شَيْئًا فَاَجَازَهُ الْمُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ وَّاِنْ اَقْرَضَهُ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ (ص ۳۱۰)

جب کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے کچھ چھوڑ دیا تو اگر موکل نے جائز کر دیا تو جائز ہے اور اگر میعاد مقرر تک قرض دیا تو جائز ہے

۱۳۳۸- ح: وَكَّلَنِي بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ (صدقۂ فطر) کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔]

۱۳۳۸- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَكَّلَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِي اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ وَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِي فَاِنِّي مُحْتَاجٌ وَّعَلَيَّ عِيَالٌ وَّلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِي فَاِنِّي مُحْتَاجٌ وَّعَلَيَّ عِيَالٌ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوٰۃ یعنی صدقہ فطر کی حفاظت پر مجھے مقرر فرمایا، ایک آنے والا میرے پاس آیا اور غلے میں سے لپ بھر بھر کر لینے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: بخدا! میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا۔ اس نے کہا: میں محتاج ہوں اور میرے بہت سے عیال ہیں اور مجھے سخت حاجت ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے ابو ہریرہ! رات کا تمہارا قیدی کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور عیال کی شکایت کی تو میں نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ فرمایا: سنو! اس نے تم سے جھوٹ بولا اور پھر آئے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وجہ سے یقین کر لیا کہ وہ آئے گا، میں اس کی تاک میں رہا، وہ آیا اور غلہ لپ سے اٹھانے لگا، میں نے پکڑ لیا اور کہا: تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلوں گا، اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو! میں محتاج ہوں اور میرے عیال ہیں، میں دوبارہ نہیں آؤں گا، میں نے رحم کھا کر

مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَّعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ قَالَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اٰخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ اَنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِيْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا قُلْتُ مَا هُوَ قَالَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (البقرة: ٢٥٥) حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ اَنَّهُ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُنِي اللّٰهُ بِهَا فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ قَالَ مَا هِيَ قَالَ قَالَ لِيْ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ اَوَّلِهَا حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ وَقَالَ لِيْ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ وَكَانُوْا اَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَّا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ. (بخاری۔ باب: صفة ابلیس وجنوده ص ۴۶۳، ج ۱۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: فضل البقرة ص ۷۴۹)

اسے چھوڑ دیا' صبح کو پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوہریرہ! تمہارا قیدی کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور بال بچوں کی شکایت کی تو میں نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ فرمایا: اس نے جھوٹ بولا ہے اور پھر آئے گا۔ میں اس کی تاک میں تیسری بار بھی رہا' وہ آیا اور غلہ چلّو سے لینے لگا' میں نے اسے پکڑا اور کہا: تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا اور تین بار کا یہ آخری موقع ہے' تو کہتا ہے کہ نہیں آؤں گا اور پھر آتا ہے' اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو! میں تم کو کچھ کلمے سکھاتا ہوں جس سے اللہ تجھے فائدہ دے گا۔ میں نے کہا: وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا: جب تو بچھونے پر سونے کے لیے جائے تو آیۃ الکرسی' اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم اخیر آیت تک پڑھ لیا کر' اللہ کی جانب سے ایک محافظ صبح تک رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا۔ میں اس کے راستے سے ہٹ گیا' صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: تجھ سے تیرے رات والے قیدی نے کیا کہا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے کہا کہ تمہیں کچھ کلمات سکھا دیتا ہوں' جس سے اللہ تجھے نفع دے گا تو میں اس کے راستے سے ہٹ گیا' دریافت فرمایا: وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: اس نے مجھ سے کہا کہ جب تم بچھونے پر سونے کے لیے جاؤ تو آیۃ الکرسی شروع سے آخر تک پڑھ لیا کرو' اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم اور مجھ سے کہا کہ اب صبح تک اللہ کی جانب سے ایک نگہبان تجھ پر رہے گا اور شیطان تیرے نزدیک نہیں آئے گا۔ اور صحابہ اچھی بات کے سب سے زیادہ شوقین تھے' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اس نے یہ سچ کہا' اگرچہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے' تم اے ابوہریرہ! جانتے ہو تین راتوں سے کس سے بات کرتے رہے ہو؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا: یہ شیطان تھا۔

• اس حدیث کی سند امام بخاری نے یوں شروع کی ہے: "قال عثمان الهيثم ابو عمرو" مگر امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں یہ سند ذکر کی: "عن ابراهيم بن يعقوب عن عثمان بن الهيثم" اس سے شراح کو خیال ہوا کہ یہ تعلیق ہے۔ امام بخاری نے اپنے شیخ کو ذکر نہیں کیا' مگر اللباس اور الایمان والنذور میں "حدثنا عثمان بن الهيثم" موجود ہے' جب عثمان الہیثم امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں تو اس حدیث کے منقطع ہونے پر جزم کرنا درست نہیں۔ "قال" اس لیے کہا ہوگا کہ ہوسکتا ہے بر سبیل مذاکرہ

یہ حدیث عثمان سے سنی ہو۔

بحفظ زکٰوة رمضان

اس سے مراد صدقہ فطر ہے' رواج یہ تھا کہ عید الفطر سے تین دن پہلے سے صدقہ فطر جمع ہوتا تھا اور عید الفطر کے دن مساکین پر تقسیم ہوتا تھا۔

فجعل یحثو

دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ملا کر کوئی چیز لینا۔ ابو المتوکل کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ صدقے کی حفاظت پر مقرر تھے' انہوں نے ڈھیر میں ہتھیلی کا نشان دیکھا' ایسا گویا اس میں سے کوئی کچھ لے گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو فرمایا: اگر اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو یہ دعا پڑھ لو: ''سُبْحَانَ مَنْ سَخَّرَكَ لِمُحَمَّدٍ'' وہ ذات پاک ہے جس نے تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قابو میں کر دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ پڑھا تو وہ سامنے کھڑا نظر آیا اور انہوں نے اسے پکڑ لیا۔

اسیرك

قیدی کو اسیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سیر یعنی تسمے چمڑے کی رسّی سے اس کو باندھا کرتے تھے۔ اسماعیلی کی روایت میں یہ ہے کہ اس نے پہلی بار بھی کہا تھا ''لا اعود'' دوبارہ نہیں آؤں گا۔

اٰیة الکرسی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے: اور سورہ بقرہ کی اخیر کی دو آیتیں' یعنی آیۃ الکرسی کے ساتھ انہیں بھی پڑھے۔

مطابقت باب

باب کے دو جز ہیں: ایک یہ کہ وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر اگر موکل کی چیز کسی کو دے دی اور موکل نے اسے نافذ کر دیا تو وکیل کا دینا درست ہو گیا۔ یہ اس طرح ثابت ہوا کہ شیطان سے جو سارق کی صورت میں آیا' اس نے لے لیا تھا' اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چھینا نہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا' جو بہ منزلہ اجازت ہے۔ دوسرا جز یہ ہے کہ اگر وکیل نے مقررہ مدت تک قرض دیا اور موکل نے منظور کر لیا تو جائز ہے۔ حدیث کے کسی حصے سے اس جز کو مطابقت نہیں مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ جب وکیل نے بلا عوض دیا اور موکل نے تسلیم کر لیا تو درست ہو گیا تو قرض بہ درجۂ اولیٰ درست ہو گا کہ اس میں میعاد کے بعد رقم کی واپسی طے ہوتی ہے۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اجنہ اور شیاطین انسانوں کے مال کی چوری کرتے ہیں اور یہ بھی غذا کے محتاج ہیں اور انہیں یہ قدرت حاصل ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کر لیں۔ آیۃ الکرسی کی فضیلت یہ ہے کہ اس کا قاری منجانب اللہ ہر حادثے خصوصاً شیطان کی مداخلت سے محفوظ رہتا ہے' مجرم کو حاکم کے پاس لے جانا واجب نہیں' معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔

بَابٌ اِذَا بَاعَ الْوَكِيلُ شَيْئًا فَاسِدًا فَبَيْعُهُ مَرْدُودٌ (ص ۳۱۰)

جب وکیل کسی چیز کو بیع فاسد کے طریقے سے بیچے تو اس کی بیع قابل ردّ ہے

۱۳۳۹- سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ الْغَافِرِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ بِلَالٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ هٰذَا قَالَ بِلَالٌ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِنُطْعِمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَوَّهْ اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ.

(مسلم، نسائی۔ کتاب البیوع)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجور لائے' ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کہاں سے لائے ہو؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہمارے پاس کچھ خراب کھجوریں تھیں' ان کے دو صاع کو ایک صاع کے عوض بیچا ہے' تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا: اوہ اوہ! یہ بالکل سود ہے' یہ بالکل سود ہے' ایسا مت کر لیکن اگر تم خریدنا چاہو تو خراب کھجور کو کسی اور چیز کے عوض بیچو' پھر اس سے (اچھی کھجور) خریدو۔

اس حدیث کی سند کی ابتداء میں ہے: "حدثنا اسحٰق" یہ کون بزرگ ہیں؟ متعین نہیں ہو سکا۔ ابو نعیم نے کہا کہ یہ اسحٰق بن راھویہ ہیں۔ ابو علی جبائی نے کہا کہ ہمارے شیوخ میں کسی نے انہیں ان کے باپ کے نام کے ساتھ ذکر نہیں کیا' ہو سکتا ہے کہ یہ اسحٰق بن منصور ہوں' اس پر یہ قرینہ ہے کہ مسلم نے اسی طرح ذکر کیا ہے' یہ حدیث بھی حیلہ شرعیہ کی اصل ہے۔

ردی

یہ اصل میں "رَدِیْءٌ" کریم کے وزن پر مہموز لام ہے' ہمزہ سے قبل یا زائد ہے تخفیف کے لیے ہمزہ کو یا سے بدل دیا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا۔

اَوَّہْ اَوَّہْ

یہ کلمہ زجر غم واندوہ' حسرت' خفگی ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے' اس کا معنی کوئی نہیں کہ اس کا ترجمہ کیا جائے۔ اردو کا جو لفظ بھی لائیں گے وہ ترجمہ نہیں ہوگا' تعبیر ہوگی۔

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْوَقْفِ وَنَفَقَتِهٖ وَاَنْ يُّطْعِمَ صَدِيْقًا لَّهٗ وَيَاْكُلَ بِالْمَعْرُوْفِ (ص ۳۱۱)

وقف اور اس کی آمد و خرچ کے لیے وکیل بنانا اور دستور کے مطابق اس سے میں دوست کو کھلانا اور خود کھانا

۱۳۴۰- عَنْ عَمْرٍو قَالَ فِيْ صَدَقَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْسَ عَلَى الْوَلِيِّ جُنَاحٌ اَنْ يَّاْكُلَ وَيُؤْكِلَ صَدِيْقًا لَّهٗ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هُوَ يَلِيْ صَدَقَةَ عُمَرَ يُهْدِيْ لِلنَّاسِ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ.

عمرو بن دینار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقے کے بارے میں فرمایا: (انہوں نے یہ اجازت دی تھی) کہ اس کا منتظم اگر خود اس میں سے کھائے یا اپنے دوست کو کھلائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بشرطیکہ مال جمع نہ کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے صدقات کے نگران تھے' یہ مکہ میں جن کے پاس جا کر ٹھہرتے تھے' انہیں ہدیہ دیا کرتے تھے۔

یہ حدیث مرسل ہے' اس لیے کہ حضرت عمرو بن دینار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ یہاں ولی اور وکیل سے وقف کا ناظر مراد ہے' جسے متولی نے وقف کی دیکھ بھال کے لیے بہ طور ملازم رکھا ہو۔

بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْحُدُوْدِ (ص۳۱۱)

۱۳٤۱- ح: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيْفًا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهٖ

۱۳٤۱- اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ اَنْشُدُكَ اِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقَامَ خَصْمُهٗ وَكَانَ اَفْقَهَ مِنْهُ فَقَالَ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاْذَنْ لِّيْ قَالَ قُلْ قَالَ اِنَّ ابْنِيْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهٖ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ ثُمَّ سَاَلْتُ رِجَالًا مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلَى ابْنِيْ جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبَ عَامٍ وَّعَلَى امْرَاَتِهِ الرَّجْمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ الْمِائَةُ شَاةٍ وَّالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبُ عَامٍ وَّاغْدُ يَا اُنَيْسُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا قُلْتُ لِسُفْيَانَ لَمْ تَقُلْ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَقَالَ اَشُكُّ فِيْهَا مِنَ الزُّهْرِيِّ فَرُبَّمَا قُلْتُهَا وَرُبَّمَا سَكَتُّ.

حدود میں وکیل کرنا

[میرا بیٹا اس کا نوکر تھا' اس نے اس کی عورت سے زنا کیا]

حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: میں آپ کو قسم دیتا ہوں' ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ فرمائیں' اس کے بعد اس کا فریق کھڑا ہوا اور وہ اس سے زیادہ سمجھ دار تھا' اس نے عرض کیا: ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے اجازت دیں' فرمایا: کہو! تو اس نے عرض کیا: میرا بیٹا اس کے یہاں نوکر تھا' اس نے اس کی عورت سے زنا کیا تو میں نے سو بکریاں اور ایک خادم فدیے میں دیا' پھر میں نے کچھ اہل علم سے پوچھا تو ان لوگوں نے بتایا کہ میرے اس بیٹے کی سزا سو کوڑے ہے اور سال بھر جلاوطن کرنا ہے اور اس کی عورت کی سزا سنگسار کرنا ہے' یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں تمہارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ ضرور ضرور کروں گا' سو بکریاں اور خادم تجھے واپس کی جائیں اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور سال بھر جلاوطن کرنا ہے۔ اور اے انیس! تم صبح اس آدمی کی عورت کے پاس جانا اگر زنا کا اقرار کر لے تو اسے سنگسار کرو۔ حضرت انیس گئے اور اس نے اقرار کر لیا تو اسے سنگسار کیا۔ میں نے سفیان سے پوچھا: آپ نے "فاخبرونی ان علی ابنی الرجم" نہیں کہا؟ سفیان نے جواب دیا: اس بارے میں زہری سے روایت میں مجھے شک ہے کبھی کہتا ہوں' کبھی نہیں۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: الاعتراف بالزنی ص۱۰۰۸' ج ۱۔ کتاب الوکالۃ۔ باب: الوکالة فی الحدود ص۳۱۱' کتاب الصلح۔ باب: اذا اصطلحوا علی صلح جور ص۳۷۱' کتاب الشروط۔ باب: الشروط التی لا تحل فی الحدود ص۳۷۶' ج ۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: هل یجوز للحاکم ان یبعث رجلا وحده للنظر فی الامور ص۱۰۶۸' کتاب اخبار الاحاد۔ باب: ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق ص۱۰۷۸' الاعتصام۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم ص۱۰۸۰' کتاب الایمان۔ باب: کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۹۸۱' کتاب المحاربین۔ باب: من امر غیر الامام باقامة الحد غائبا عنه ص۱۰۱۱' باب: اذا رمی امراته او امراة غیره بالزنی عند الحاکم ص۱۰۱۱' باب: هل یامر الامام رجلا فیضرب الحد غائبا ص۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴' مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الحدود' نسائی۔ کتاب القضا' ابن ماجہ' داری' موطا

امام مالک۔ کتاب الحدود، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۱۵۔۱۱۶)

[حدود اور قصاص میں وکالت صحیح ہے یا نہیں؟]

یہ حدیث یہاں کتاب الوکالۃ میں بہت مختصر تھی۔ علامہ عینی نے کتاب المحاربین کی مفصل روایت ذکر کی تھی۔ انہیں کی متابعت میں میں نے بھی وہی مفصل روایت لکھ دی۔ حدود و قصاص میں وکالت صحیح ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ درست نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ مدعی اور ملزم حاکم کے روبرو حاضر ہوں۔ حضرت امام شافعی اور کچھ ائمہ نے فرمایا: جائز ہے۔ اس سلسلے میں پوری بحث کتاب الحدود میں آئے گی۔ کتاب الشروط کی روایت کے اخیر میں ہے: "واعترفت فامر بھا رسول اللہ ﷺ فرجمھا" اس عورت نے زنا کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اسے (حضرت اُنیس نے) سنگسار کیا۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا تو انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پھر رجم کا حکم دیا، تو انہوں نے اسے سنگسار کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدود میں نہ فدیہ جائز ہے نہ صلح۔ ایک سال کی جلاوطنی بہ طور تعزیر تھی، یہ حد میں داخل نہیں، اس کی بھی مکمل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

یہاں خادم ہے، اور ایک روایت میں جاریہ ہے، اور دوسری روایتوں میں "ولیدۃ" ہے جس کا حاصل بھی کنیز ہی ہے، یہ خادم ہونے کے منافی نہیں۔ دوسرے صاحب کو افقہ زیادہ سمجھدار کہا۔ یہ اس واقعہ سے ظاہر ہے، پہلے صاحب نے حضور اقدس ﷺ سے اجازت بھی نہیں لی اور قسم بھی دلائی، اس سے ان صاحب کے مزاج کی شدت مترشح ہے۔ اور دربارِ نبوت میں یہ غیر مناسب بات ہے۔ بہ خلاف دوسرے صاحب کے انہوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی اور مقدمہ پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راویانِ حدیث دوسرے صاحب سے واقف رہے ہوں کہ وہ بہت سمجھ دار انسان ہیں۔ یہ حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ یہ معلوم نہ ہو سکا، نہ کہیں اور ان کا تذکرہ ملا اور نہ ان کی روایت کردہ کوئی حدیث ملی۔

۱۳۴۲- ح: جِيْءَ بِالنُّعَيْمَانِ شَارِبًا [نعیمان کو نشہ کی حالت میں لایا گیا]

۱۳۴۲- عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جِيْءَ بِالنُّعَيْمَانِ اَوِ ابْنِ النُّعَيْمَانِ شَارِبًا فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ فِی الْبَيْتِ اَنْ يَّضْرِبُوْا قَالَ فَكُنْتُ اَنَا فِيْمَنْ ضَرَبَهٗ فَضَرَبْنَاهُ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيْدِ۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نعیمان یا ابن نعیمان کو نشے کی حالت میں لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جو اس وقت گھر میں تھے، حکم دیا کہ اسے ماریں، میں بھی مارنے والوں میں تھا، ہم نے اسے چپلوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے مارا۔

(بخاری۔ ج ۲ کتاب الحدود باب: من امر بضرب الحد فی البیت ص ۱۰۰۲، باب: الضرب بالجرید والنعال ص ۱۰۰۲، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الحدود، مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۱۵، وغیرہ)

نعیمان بدری صحابی ہیں، خوش طبع بزرگ تھے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا کہ یہ نیک انسان تھے۔ یہ قصہ ان کے بیٹے کا ہے۔ عہد نبوی اور صدیقی میں شراب کی حد مقرر نہ تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کر کے اسی کوڑے مقرر فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤١- اَبْوَابُ [كِتَابُ] الْحَرْثِ [وَالْمُزَارَعَةِ]

وَمَا جَاءَ فِيْهِ (ص ٣١١)

کھیتی باڑی [اور مزارعت کا بیان]

اور اس بارے میں جو کچھ آیا ہے

بَابُ فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ إِذَا أُكِلَ مِنْهُ (ص ٣١١)

کھیتی اور درخت لگانے کی فضیلت جب اس سے کھایا جائے

وَقَوْلِ اللّٰهِ ﴿اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَO ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَO لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ (الواقعہ: ٦٣-٦٥).

اور اللہ عزوجل کا ارشاد: ذرا بتاؤ تو تم جو بوتے ہوO اسے تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیںO اگر ہم چاہیں تو اسے چور چور کرکے رکھ دیں۔

١٣٤٣- ح: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا

[جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے]

١٣٤٣- عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جو بھی درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اس میں سے چڑیا یا انسان یا چوپایا کھاتا ہے یہ اس کے لیے صدقہ (کار ثواب) ہے۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الادب۔ باب: رحمة الناس والبهائم ص ٨٨٩، مسلم۔ کتاب البیوع، ترمذی۔ کتاب الاحکام)

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ سب کاروبار سے افضل کھیتی ہے اس لیے کہ اس کا نفع انسان حیوان سب کو عام ہے اور اس میں غیر اختیاری طور پر بھی ثواب مل جاتا ہے۔ یہی علامہ نووی کا قول ہے ایک قول یہ ہے کہ سب سے افضل صنعت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تجارت ہے۔ صنعت کے افضل ہونے پر احادیث بھی وارد ہیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سی کمائی افضل ہے؟ فرمایا: ہاتھ سے کام کرنا اور ہر حلال بیع۔ اس

حدیث سے ان لوگوں کو اپنی اصلاح کر لینا ضروری ہے' جو بنائی کے پیشے کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ حالات کے اختلاف سے یہ حکم بھی مختلف ہے' جب لوگ خوراک کے ضرورت مند ہوں' خوراک کی کمی ہو تو کاشتکاری افضل ہے' اور اگر ہاتھ کی بنی ہوئی اشیاء کے لوگ ضرورت مند ہوں تو دستکاری افضل ہے اور جب کسی وجہ سے تجارت میں دشواری اور دقت ہو تو تجارت افضل ہے۔

بَابُ مَا يُحَذَّرُ مِنْ عَوَاقِبِ الِاشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ اَوْ جَاوَزَ الْحَدَّ الَّذِيْ اُمِرَ بِهٖ (ص ٣١٢)

کھیتی کے آلات میں مشغول ہونے کے انجام یا حدِ اعتدال سے آگے بڑھنے سے جو ڈرایا گیا

١٣٤٤- عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ وَرَاٰى سِكَّةً وَّشَيْئًا مِّنْ اٰلَةِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الذُّلَّ۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ہل کا پھارا اور کھیتی کا کوئی سامان دیکھا تو فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یہ جس گھر میں جائے گا' اللہ اس میں ذلت داخل فرمائے گا۔

پہلی حدیث سے کھیتی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اس سے مذمت۔ امام بخاری نے باب سے دونوں میں تطبیق پیدا کر دی ہے۔ کھیتی بہ قدرِ ضرورت اور حدِ اعتدال تک محمود ہے۔ حد سے آگے بڑھنا مذموم ہے' یا زیادہ اشتغال کا انجام بخیر نہیں۔

ابوداؤد[1] میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم انصار نے جب جہاد چھوڑ کر کھیتی باڑی میں پھنسنا چاہا تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. (البقرہ:١٩٥) (اے ایمان والو!) اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

مطلب یہ ہوا کہ جہاد مت چھوڑو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اسی طرح مسلمان جب کھیتی وغیرہ میں پھنس جائے گا تو لازماً جہاد چھوڑ بیٹھے گا اور یہ ہلاکت کا سبب ہے۔

یا اس حدیث میں ذل سے مراد مزاج میں نرمی ہے جسے کمزوری لازم ہے جو موجب ہے ترکِ جہاد کا' اس لیے یہ ناپسند فرمایا' خلاصہ یہ نکلا کہ کاشتکاری ایسا کام ہے کہ جب آدمی اس میں پھنستا ہے تو اس کے فوائد کو دیکھ کر اس میں انہماک بڑھتا جاتا ہے اور جہاد چھوڑ بیٹھتا ہے جو ذلت اور کمزوری کا موجب ہے اور کاشتکاری کا ذکر اس عہد کے لحاظ سے ہے' ورنہ ہر کام کا یہی حکم ہے' کسی بھی کام میں اتنا انہماک کہ جہاد چھوڑ دیا جائے' ذلت کا موجب ہے' جیسا کہ اس زمانے میں ہے کہ مسلمان ایک ارب سے زائد ہیں' مگر جہاد چھوڑ بیٹھے ہیں' اس لیے پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہیں۔

بَابُ اقْتِنَاءِ الْكَلْبِ لِلْحَرْثِ (ص ٣١٢)

کھیتی کے لیے کتا پالنا

١٣٤٥- عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَمْسَكَ كَلْبًا فَاِنَّهٗ يَنْقُصُ كُلَّ يَوْمٍ مِّنْ عَمَلِهٖ قِيْرَاطٌ اِلَّا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی کتا پالے گا تو اس کے نیک عمل سے روزانہ ایک قیراط گھٹتا رہے گا' مگر کھیت اور مویشی کی حفاظت کے لیے پالے' اور

[1] ابوداؤد ج اص ٣٤٠ کتاب الجہاد باب فی قولہ عزوجل: ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

كَلْبَ حَرْثٍ اَوْ مَاشِيَةٍ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَاَبُوْ صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا كَلْبَ غَنَمٍ اَوْ حَرْثٍ اَوْ صَيْدٍ وَّقَالَ اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ مَاشِيَةٍ.

(مسلم۔ کتاب البیوع)

ابن سیرین اور ابو صالح نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا: مگر بکری یا کھیت یا شکار کا کتا' اور ابو حازم نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا: شکار یا مویشی (کی حفاظت) کا کتا۔

١٣٤٦- ح: مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا لَّا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا

[جس نے ایسا کتا پالا جس کی ضرورت کھیتی یا مویشی پالنے کے علاوہ نہیں]

١٣٤٦- اَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ اَبِي زُهَيْرٍ رَجُلًا مِّنْ اَزْدِ شَنُوْئَةَ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا لَّا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَّلَا ضَرْعًا نَقَصَ كُلَّ يَوْمٍ مِّنْ عَمَلِهٖ قِيرَاطٌ قُلْتُ اَاَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِي وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ.

(مسلم۔ کتاب البیوع' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصید)

حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قبیلہ ازد شنوءۃ کے فرد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے' انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے ایسا کتا پالا جس کی ضرورت کھیتی یا مویشی پالنے کے لیے نہیں تو اس کے عمل سے روزانہ ایک قیراط گھٹتا رہے گا' میں نے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟ کہا: ہاں! اس مسجد کے رب کی قسم!

مسلم کی روایت میں مستثنیات میں شکاری کتا بھی ہے' بلکہ یہیں جو روایت بہ طریق ابن سیرین اور ابو صالح ہے' اس میں بھی ہے' بلکہ ابو حازم کی روایت میں بھی کلب صید ہے۔ انہیں تینوں میں حصر نہیں' مکان وغیرہ کی حفاظت کے لیے بھی پالنا جائز ہے۔ عمل گھٹنے سے مراد آئندہ کے عمل میں کوتاہی ہے' یا واقعی گھٹنا مراد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے' اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے' کتا نجاست کھاتا ہے' اس کا لعاب نجس ہے' جو گھروں میں گر کر گھروں کو ناپاک کر دیتا ہے۔ اس کا بھی خطرہ ہے کہ برتن میں منہ ڈال کر پانی یا کھانا ناپاک کر دے۔ گھر والوں کے علم میں نہ آئے اور اسے استعمال کر لیں۔ قیراط سے مراد جز ہے' جس کی مقدار اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانیں۔

بَابُ اسْتِعْمَالِ الْبَقَرِ لِلْحِرَاثَةِ (ص ٣١٢)

کھیتی کے لیے بیل استعمال کرنا

١٣٤٧- سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ رَّاكِبٌ عَلٰى بَقَرَةٍ الْتَفَتَتْ اِلَيْهِ فَقَالَتْ لَمْ اُخْلَقْ لِهٰذَا خُلِقْتُ لِلْحِرَاثَةِ قَالَ اٰمَنْتُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَاَخَذَ الذِّئْبُ شَاةً فَتَبِعَهَا الرَّاعِيْ فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ مَنْ لَّهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِيْ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: ایک شخص بیل پر سوار تھا تو بیل نے مڑ کر کہا: میں اس کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں' میں کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ حضور نے فرمایا: میں اس پر ایمان لایا اور ابو بکر و عمر بھی' اور ایک بھیڑیے نے ایک بکری پکڑ لی' چرواہے نے اس کا پیچھا کر کے چھین لیا' تو بھیڑیے نے اس سے کہا: یوم السبع اس کا کون محافظ ہوگا؟ جس دن

اٰمَنْتُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ وَمَا هُمَا يَوْمَئِذٍ فِي الْقَوْمِ.

سوائے میرے کوئی چرواہا نہ ہوگا۔ فرمایا: میں اور ابوبکر وعمر اس پر ایمان لائے۔ ابوسلمہ نے کہا: اور ابوبکر وعمر اس وقت قوم میں موجود نہیں تھے۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب: ص ۴۹۴' دوطریقے سے' کتاب المناقب۔ باب: ص ۵۱۷' مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ص ۵۲۱)

تکمیل

کتاب الانبیاء میں ابتدائی حصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ انور فرمایا' اور ارشاد فرمایا: ایک شخص بیل ہانکتے ہانکتے اس پر سوار ہوگیا اور اسے مارا۔ اس پر بیل نے کہا: میں اس کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں' میں کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں' تو لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بیل بات کرتا ہے' فرمایا: میں اور ابوبکر وعمر اس پر ایمان لائے۔

اسی طرح بھیڑیے کے قصے کے بعد بھی لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بھیڑیا بات کرتا ہے' تو وہی فرمایا۔

یوم السبع

با کے سکون کے ساتھ اور ضمے کے ساتھ۔ اس کی شارحین نے چھ توجیہیں کی ہیں' سب سے اقرب وہ ہے جو علامہ نووی نے کی ہے کہ اس سے مراد کوئی عظیم فتنہ ہے' جس میں لوگوں کو چوپایوں کا بھی ہوش نہ ہوگا اور وہ بغیر چرواہے کے جنگلوں میں چریں گے' چوپایوں کا انسانوں سے انسانوں کی زبان میں کلام کرنا بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کے ریوڑ میں آیا اور ایک بکری پکڑ کر بھاگا' چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور اسے بھیڑیئے سے چھین لیا۔ بھیڑیا ایک پہاڑ پر چڑھا اور اپنے اگلے پاؤں کھڑے کر کے دونوں سرینوں کے درمیان دم دبا کر آگے کر کے بیٹھا اور بولا: اللہ نے مجھے روزی دی تھی' تو نے اسے چھین لیا۔ اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! آج جیسی بات کبھی نہیں دیکھی' بھیڑیا کلام کرتا ہے۔ اس پر بھیڑیے نے کہا: اس سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان دونوں سنگستانوں کے درمیان کھجوروں کے باغ میں ایک صاحب ہیں' جو تمام گزشتہ اور تمام آئندہ کی خبریں دیتے ہیں۔ یہ چرواہا یہودی تھا' یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سنایا اور مسلمان ہوگیا۔ نبی ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (مشکوۃ' باب المعجزات ص ۵۴۱)

بَابٌ اِذَا قَالَ اكْفِنِيْ مَؤُنَةَ النَّخْلِ وَغَيْرِهٖ وَتُشْرِكُنِيْ فِي الثَّمَرِ (ص ۳۱۲)

کھجور یا کسی بھی درخت کے بارے میں مالک نے کسی سے کہا: اس پر تم محنت کرو اور پھل میں مجھے شریک رکھو

١٣٤٨ - عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِيْلَ قَالَ لَا فَقَالُوْا فَتَكْفُوْنَا الْمَؤُنَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا.

(بخاری۔ کتاب الشروط۔ باب: الشروط فی المعاملة ص ۳۷۶' نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انصار نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغ تقسیم فرمادیں' فرمایا: نہیں! اس پر ان لوگوں نے عرض کیا: تو کام وہ کریں اور پھل میں ہمارے ساتھ شریک رہیں تو مہاجرین نے کہا: منظور ہے۔

تكفونا المونة

یعنی درخت کی دیکھ بھال' اُسے پانی دینا' گوڑنا (ہل چلانا) اوراس کے دوسرے لوازمات مثلاً حفاظت وغیرہ مہاجرین کریں اور جو پیداوار ہو' وہ ہم میں اوران میں مشترک ہو۔ حضور اقدس ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ انصار کو ان کی ملکیت سے دست بردار کر دیا جائے' اس لیے انکار فرمادیا مگر جب بٹائی کی تجویز رکھی تو منظور فرمالیا۔

بَابُ قَطْعِ الشَّجَرِ وَالنَّخِيلِ (ص ٣١٢) — کوئی درخت یا کھجور کاٹنا

١٣٤٩- ح: اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ — [آپ ﷺ نے بنی نضیر کے کھجوروں کے پیڑوں کو جلوادیا]

١٣٤٩- عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانٌ وَّهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ.

حضرت عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کے بارے میں روایت کیا کہ حضور نے بنی نضیر کے کھجوروں کے پیڑوں کو جلوا دیا اور کٹوا دیا' یہ بُویرہ میں ہوا' اسی کے بارے میں حضرت حسان نے کہا: بنی لوی کے سرداروں پر بویرہ میں پھیلی ہوئی آگ نے فتح کو آسان بنادیا۔

(بخاری۔کتاب الجہاد۔باب: حرق الدور والنخيل ص ٤٢٤' ج ٢۔کتاب المغازی۔باب: حديث بنی النضير ص ٥٧٥' کتاب تفسیر سورۃ الحشر۔باب: قوله ما قطعتم من لينة ص ٧٢٥' مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ۔کتاب الجہاد' دارمی۔کتاب السیر' مسند امام احمد۔ج ٢ ص ٨)

مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے بعد حضور اقدس ﷺ نے مدینہ کے تینوں یہودی قبائل بنی قینقاع' بنی نضیر اور بنی قریظہ سے یہ معاہدہ فرمایا تھا کہ اگر فریقین میں سے کسی پر دیت (خون بہا) لازم ہوگا تو سب مل کر ادا کریں گے۔ سریہ بیر معونہ سے واپسی پر حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا' جنہیں رسول اللہ ﷺ امان دے چکے تھے۔ ان کو انہیں خبر نہ تھی' حضور ﷺ نے ان کی دیت ادا کرنے کا اعلان فرمادیا۔ اسی دیت کے سلسلے میں بنی نضیر میں تشریف لے گئے' گفتگو کے دوران حضور اقدس ﷺ ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے' ان دغابازوں نے ایک شخص کو بالا خانے پر بھیجا کہ حضور پر پتھر گرادے۔ اپنے باطنی علم سے حضور کو خبر ہوگئی اور آپ واپس تشریف لے آئے۔

نیز یہ در پردہ کفار قریش سے ساز باز بھی رکھتے تھے' اس لیے حضور اقدس ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کرلیا' درمیان میں کھجوروں کا باغ تھا' جس کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لے سکتے تھے' اس لیے ان کے کچھ درخت کٹوا دیے اور جلوا دیے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ. (الحشر:۱)

لینہ کے کچھ درخت تم نے کٹوا دیے اور کچھ کو ان کی جڑوں پر چھوڑا' یہ سب اللہ کے اذن سے ہوا۔

یہ محاصرہ پندرہ دن رہا' تھک ہار کر بنی نضیر نے یہ شرط پیش کی کہ ہمیں مدینہ کے باہر جانے کی اجازت دی جائے' اس شرط کے ساتھ کہ ہم جتنا مال و اسباب اپنے ہم راہ لے جاسکیں' لے جائیں۔ یہ شرط منظور ہوئی اور یہ خیبر چلے گئے' یہ واقعہ ربیع الاول ۴ھ میں ہوا۔

بنی لؤی

حضور اقدس ﷺ کے جد اعلیٰ، بنی لؤی سے مراد قریش ہیں، بلکہ اور مخصوص حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام۔

بُویرہ

بنی نضیر جہاں رہتے تھے، اس جگہ کا نام ہے: ''لینہ'' معمولی کھجور کی ایک قسم ہے، جسے عام عرب نہیں کھاتے تھے۔

بَابٌ (ص ۳۱۲)

۱۳۵۰- ح: كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مُزْدَرَعًا

باب

[اہل مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتوں والے ہم لوگ تھے]

۱۳۵۰- عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسِ الْاَنْصَارِيِّ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مُزْدَرَعًا كُنَّا نُكْرِى الْاَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الْاَرْضِ قَالَ فَمِمَّا يُصَابُ ذٰلِكَ وَتَسْلَمُ الْاَرْضُ وَمِمَّا يُصَابُ الْاَرْضُ وَيَسْلَمُ ذٰلِكَ فَنُهِينَا وَاَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہل مدینہ میں سب سے زیادہ کھیت والے ہم لوگ تھے، ہم اس شرط پر کھیت کرایہ پر دیتے کہ کھیت کے ایک معین حصے کی پیداوار کھیت کا مالک لے گا، لیکن ہوتا یہ تھا کہ کبھی اس حصے کی پیداوار ماری جاتی اور کھیت محفوظ رہتا اور بعض اوقات کھیت کی پیداوار ماری جاتی اور وہ حصہ محفوظ رہتا، اس لیے ہمیں اس سے منع کر دیا گیا، سونا چاندی اس وقت نہیں تھے۔

چار ابواب کے بعد ''باب ما یکره من الشروط فی المزارعة'' میں اس کی تفصیل یہ مذکور ہے کہ طے یہ ہوتا کہ کھیت کے اس حصے کی پیداوار میں لوں گا، اور اس حصے کی کرایہ دار لے گا۔ اس میں یہ گڑبڑی ہوئی کہ کبھی مالک کے حصے میں کچھ نہ پیدا ہوتا اور کرایہ دار کے حصے میں پیداوار ہوتی اور کبھی اُلٹا ہوتا، اس لیے اس سے منع کر دیا گیا۔

مزدرعا

یہ باب افتعال کا اسم ظرف یا مصدر میمی ہے، اصل میں ''مُزْتَرَعًا'' تھا، تاء کو دال سے بدل دیا گیا۔

بالناحية منها

یعنی زمین کا ایک معین حصہ مالک زمین کے لیے نامزد ہوتا ہے کہ اس کی پیداوار مالک زمین لے گا اور ایک حصہ کرایہ دار کے لیے نامزد ہوتا ہے کہ اس کی پیداوار کرایہ دار لے گا۔

فمما يصاب

یعنی مالک کا نامزد حصہ برباد ہو جاتا اور بقیہ کھیت میں پیداوار ہوتی اور کبھی کرائے دار کا حصہ برباد ہو جاتا اور مالک کا محفوظ رہتا، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت امام اعظم اور ان ائمہ کی دلیل ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ بٹائی پر مزارعت جائز نہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کی ممانعت میں وارد ہیں، جن میں یہ حدیث ہے کہ محاقلت سے منع فرمایا گیا، گزر چکی ہے۔ محاقلت کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ بقیہ احادیث آگے آ رہی ہیں۔ ہمارے ائمہ میں حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے اسے جائز کہا ہے۔ تعامل اور رواج عام کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔

بَابُ الْمُزَارَعَةِ بِالشَّطْرِ وَنَحْوِهٖ (ص ٣١٣) — آدھی یا کم وبیش پیداوار پر زراعت

ت٤٥٦ - وَقَالَ قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِيْنَةِ اَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ اِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ.

اور قیس بن مسلم نے امام ابو جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا' جو تہائی چوتھائی پیداوار پر کھیتی نہ کرتا ہو۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ت٤٥٧ - وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَّسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَّعَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَّعُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَّاٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّاٰلُ عُمَرَ وَاٰلُ عَلِيٍّ وَّابْنُ سِيْرِيْنَ.

حضرت علی اور حضرت سعد بن مالک' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز' قاسم' عروہ' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی اولاد اور ابن سیرین نے بٹائی پر کاشت کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز اور آلِ ابوبکر و آلِ عمر کی تعلیقات کو امام ابن ابی شیبہ نے اور حضرت سعد بن مالک کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی تعلیقوں کو امام طحاوی نے اور قاسم بن محمد کی تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اور ابن سیرین کی تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا کہ عروہ بن زبیر کی تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا ہے' مگر علامہ عینی نے فرمایا کہ میں نے نہیں پایا۔ سعد بن مالک سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

ت٤٥٨ - وَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ كُنْتُ اُشَارِكُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ فِي الزَّرْعِ.

اور عبدالرحمٰن بن اسود نے کہا: میں اور عبدالرحمٰن بن یزید کھیتی میں ایک دوسرے کے شریک رہتے تھے۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔ اس میں یہ زائد ہے کہ میں غلہ اُٹھا کر علقمہ اور اسود کے پاس لے جاتا' اگر اس میں کوئی حرج ہوتا تو دونوں منع فرماتے۔ عبدالرحمٰن بن الاسود' مشہور فقیہ اور محدث اسود بن یزید کے بھائی اور حضرت علقمہ کے بھتیجے ہیں۔

ت٤٥٩ - وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلٰى اِنْ جَآءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَهُ الشَّطْرُ وَاِنْ جَآءُوْا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے یہ معاملہ کیا کہ اگر عمر بیج دے تو اسے آدھا اور اگر وہ لوگ بیج دیں تو ان کے لیے اتنا۔

ابن ابی شیبہ نے اس تعلیق کو تفصیل کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر نے نجران کے یہود و نصاریٰ کو جلاوطن کیا تو ان کی زمینیں اور انگور کی بیلیں خرید لیں اور جنہیں زمینیں دیں' ان سے یہ طے کیا کہ اگر وہ لوگ کل بیج اپنے پاس سے لگائیں تو ان کو دو ثلث اور عمر کے لیے تہائی۔ اور اگر عمر بیج دے تو اس کا آدھا' اور کھجوروں میں یہ طے فرمایا کہ کام کرنے والوں کو خمس اور انگور کی بیلوں میں انہیں تہائی اور دو تہائی عمر کو۔

ت٤٦٠ - وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ اَنْ تَكُوْنَ الْاَرْضُ لِاَحَدِهِمَا فَيُنْفِقَانِ جَمِيْعًا فَمَا خَرَجَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا وَرَاٰى ذٰلِكَ الزُّهْرِيُّ.

اور امام حسن بصری نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ زمین کسی کی ہو اور اس کے ساتھ کوئی اور مل کر خرچ کرے اور پیداوار دونوں لیں۔ اور زہری کی بھی یہی رائے ہے۔

ت٤٦١ - وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ اَنْ يُّجْتَنَى الْقُطْنُ عَلَى النِّصْفِ.

اور امام حسن بصری نے فرمایا کہ کوئی روئی اس شرط پر چنے کہ آدھی میں لوں گا' کوئی حرج نہیں۔

ت ٤٦٢ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ وَابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ وَالْحَكَمُ وَالزُّهْرِيُّ وَقَتَادَةُ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطِيَ الثَّوْبَ بِالثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ وَنَحْوِهِ.

اور ابراہیم' ابن سیرین' عطاء' حکم' زہری اور قتادہ نے کہا کہ تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی شرط پر کپڑا بننے کے لیے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

امام ابراہیم نخعی کی تعلیق کو امام ابوبکر اثرم نے اور بقیہ تعلیقات کو امام ابوبکر بن شیبہ نے روایت کیا ہے' علامہ عینی نے فرمایا کہ امام عطاء اور حکم کا قول مجھے ابن ابی شیبہ میں نہیں ملا۔ اور امام زہری کے قول کی بھی تخریج پر میں واقف نہیں ہوا۔

ان تعلیقات کا ماحصل یہ ہے کہ بننے والے کو سوت دیا کہ کپڑا بُن دے' جو کپڑا تیار ہو' اس کا تہائی چوتھائی آدھا میرا ہے' بقیہ تمہارا' اس میں کوئی حرج نہیں۔

ت ٤٦٣ - وَقَالَ مَعْمَرٌ لَا بَأْسَ أَنْ تَكُوْنَ الْمَاشِيَةُ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى.

اور معمر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ مویشی معین مدت تک تہائی چوتھائی پر دیا جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو چوپایہ دیا کہ اسے کرائے پر چلاؤ' مثلاً بوجھ لادو اور جو کرایہ ملے' اس کا آدھا تہائی میرا' بقیہ تمہارا۔

ان سارے عقود میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں' کیونکہ اُجرت بھی مجہول ہے اور مدت بھی' جس سے نزاع کا قوی اندیشہ ہے۔ اور بعض کی تائید میں احادیث صحیحہ بھی وارد ہیں۔ یہاں امام بخاری کو اپنی تائید میں احادیث نہیں ملیں' تو اقوالِ رجال کا سہارا لیا' جبکہ تابعین کے بارے میں حضرت امام اعظم فرما چکے ہیں۔ ''ینازعونا ونازعھم'' تابعین سے ہمارا اختلاف چلتا رہتا ہے' یعنی ان کا فتویٰ ہم پر حجت نہیں۔

١٣٥١ - ح: عَامَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ

[آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل خیبر سے پیداوار کے نصف پر معاملہ کیا]

١٣٥١ - عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ وَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ ثَمَانُوْنَ وَسْقَ تَمْرٍ وَعِشْرُوْنَ وَسْقَ شَعِيْرٍ فَقَسَمَ عُمَرُ خَيْبَرَ فَخَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ مِنَ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ أَوْ يُمْضِيَ لَهُنَّ فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَرْضَ وَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْوَسْقَ وَكَانَتْ عَائِشَةُ اخْتَارَتِ الْأَرْضَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر والوں سے یہ معاملہ کیا تھا کہ وہ کھیتی یا پھل جو بھی پیدا ہو' اس کا آدھا دیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج کو سو وسق عطا فرماتے تھے' اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو' اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کی زمین تقسیم کی تو ازواجِ مطہرات کو اختیار دے دیا' وہ چاہیں تو انہیں پانی اور زمین کا ایک قطعہ دے دیا جائے یا پہلے کا عمل باقی رکھا جائے۔ ان میں سے کچھ نے زمین کو پسند فرمایا اور کچھ نے وسق کو۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمین پسند فرمائی تھی۔

مزارعت اور مساقاۃ' یعنی بٹائی پر کھیتی اور باغ میں کام کرنے کے مجوزین کی بہت بڑی دلیل' یہ حدیث ہے' مگر گزر چکا کہ یہ نہ مزارعت تھی نہ مساقات بلکہ خراج تھا۔

وقسم عمر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن فرمایا تو وہاں کی زمین کو مستحقین پر تقسیم فرما دیا' اس وقت ازواج مطہرات کا

معاملہ بھی درپیش ہوا کیونکہ حضور اقدس ﷺ خیبر ہی کی پیداوار سے ازواجِ مطہرات کو عطاء فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُمہات المؤمنین کی مرضی پر چھوڑ دیا' جن کو جو پسند ہوا' اسے قبول فرمایا۔

فائدہ......[مزارعت کی اقسام]

مزارعت کی چار قسمیں ہیں' اوّل: کھیت' باغ پر کوئی مخصوص حصہ ایک اپنے لیے رکھ لے کہ اس کی پیداوار میں لوں گا' بقیہ کی پیداوار کا شتکار۔ یہ بالاتفاق ناجائز ہے' دوسرے یہ کہ معاوضے میں نقد طے ہو۔ یہ بالاتفاق جائز ہے' معاوضے میں غلے کی کوئی مقدار طے ہو' مثلاً دس من یہ بھی ناجائز ہے' یہ طے ہو کہ نصف یا چوتھائی غلہ دینا ہوگا' ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

بَابٌ (ص ۳۱۴)

۱۳۵۲- ح: لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ

۱۳۵۲- قَالَ عَمْرٌو قُلْتُ لِطَاوُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ اَىْ عَمْرٌو فَإِنِّىْ اُعْطِيهِمْ وَاُغْنِيهِمْ وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِىْ يَعْنِى ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ اَنْ يَّمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَّعْلُوْمًا.

باب

[اگر آپ مخابرہ چھوڑ دیں (تو بہتر ہے)]

عمرو بن دینار کہتے ہیں: میں نے امام طاؤس سے کہا: اگر آپ مخابرہ چھوڑ دیں تو بہتر ہے' اس لیے کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا' تو طاؤس نے کہا: اے عمرو! میں انہیں دیتا ہوں اور ان کی مدد کر دیتا ہوں اور ان میں سب سے زیادہ علم والے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے خبر دی کہ نبی ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے' ہاں! یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے بھائی کو دے دو' یہ اس سے بہتر ہے کہ اس زمین پر اس سے محصول وصول کرو۔

(بخاری۔ باب: ما كان اصحاب النبی ﷺ يواسى بعضهم بعضا ص ۳۱۵' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب البیوع' ترمذی۔ کتاب الاحکام' نسائی۔ کتاب المزارعۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

مخابرہ کے معنی مزارعت ہی کے ہیں' فرق یہ ہے کہ اگر بیج کاشت کار کا ہو تو مخابرہ کہتے ہیں اور اگر مالک کا ہو تو مزارعت۔ ہمارے ہندوستان میں عام رواج یہی ہے کہ بیج' ہل' بیل سب کاشتکار کا ہوتا ہے' وہی جوتتا اور بوتا بھی ہے' یہاں تک کہ کاٹ کر گاہ کر غلہ بھس سے الگ کر کے آدھا کھیت کے مالک کو دیتا ہے' البتہ بھس سب کاشتکار لیتا ہے۔

لم ينه عنه

اس سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً منع نہیں فرمایا' بلکہ اس مزارعت سے منع فرمایا' جس میں کوئی شرط فاسد ہو' جس سے نزاع کا اندیشہ ہو' جیسا کہ امام طحاوی[1] وغیرہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: اللہ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے! میں ان سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ ہوا یہ کہ انصار کے دو صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' یہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ فرمایا: جب تمہارا یہ حال ہے تو کرائے پر کھیت مت دو' رافع نے صرف یہ سنا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ ممانعت کراہت تنزیہہ کی حد تک ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کراہت تحریم کا انکار فرما رہے ہیں۔

[1] شرح معانی الآثار۔ ج ۲ ص ۲۵۹۔ کتاب المزارعۃ والمساقاۃ

"ان يمنح اخاه" یہ ارشاد مکارم اخلاق اور حسن سلوک اور ہمدردی کی تلقین ہے۔

بَابُ اَوْقَافِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَرْضِ الْخَرَاجِ وَمُزَارَعَتِهِمْ وَمُعَامَلَتِهِمْ (ص ٣١٤)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے اوقاف اور خراجی زمین اور ان کی مزارعت اور معاملے کا بیان

١٣٥٣- ح: لَوْلَا اٰخِرُ الْمُسْلِمِيْنَ مَا فَتَحْتُ قَرْيَةً اِلَّا قَسَمْتُهَا

[اگر آئندہ کے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو بھی بستی فتح ہوتی میں اس کے باشندوں میں تقسیم کر دیتا]

١٣٥٣- عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْلَا اٰخِرُ الْمُسْلِمِيْنَ مَا فَتَحْتُ قَرْيَةً اِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ اَهْلِهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ.

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آئندہ کے مسلمانوں کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں جو بھی بستی فتح ہوتی، اس کے باشندوں پر تقسیم کر دیتا، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: الغنيمة لمن شهد الوقعة ص ٤٤٠، ج ٢۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة خيبر ص ٦٠٨، مسند امام احمد۔ ج ١ ص ٤٠، ابوداؤد۔ کتاب الخراج)

اس حدیث کے راوی اسلم، حضرت فاروق اعظم کے غلام تھے، یہ اصل میں یمن کے باشندے تھے۔ ١١ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے پہلے سال امیر الحج بنا کر بھیجا تھا، تو مکہ معظمہ میں انہوں نے اسلم کو خریدا تھا، ایک سو چودہ سال کی عمر پا کر واصل بحق ہوئے۔

بَابُ مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَّوَاتًا (ص ٣١٤)

جس نے کسی غیر مملوک بنجر زمین کو آباد کیا

موات اور میتہ، اس زمین کو کہتے ہیں جو کسی کی ملک نہ ہو اور نہ بستی کی ضروریات کے لیے ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ حاکم اسلام کی اجازت سے جو شخص اس پر قبضہ کر لے اسی کی ہے۔

مطابقت

باب کے پہلے جز یعنی صحابہ کرام کے اوقاف کے ثبوت کے لیے وصایا کی ایک طویل حدیث کا ایک جز بہ طور تعلیق ذکر فرمایا ہے، جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اس باغ کو صدقہ کر دے کہ اس کو بیچا نہ جا سکے اور اس کے پھل کو کھایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور باب کے بقیہ حصے کی حدیث مذکور سے مطابقت ظاہر ہے۔

ت ٤٦٤- وَرَاٰى ذٰلِكَ عَلِيٌّ فِيْ اَرْضِ الْخَرَابِ بِالْكُوْفَةِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی ویران زمین کے بارے میں یہی حکم ارشاد فرمایا۔

یعنی جس نے اسے آباد کر لیا، مثلاً مکان بنا لیا، باغ لگا لیا، کھیت بنا لیا، اسی کی ملک ہے۔

ت ٤٦٥- وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص غیر مملوک بنجر زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے۔

اس تعلیق کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت٤٦٦ - وَيُرْوٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ فِيْ غَيْرِ حَقِّ مُسْلِمٍ وَّلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ فِيْهِ حَقٌّ.

اور یہ بہ طریق حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور فرمایا: جبکہ اس سے کسی مسلمان کی حق تلفی نہ ہوتی ہو اور ظلماً درخت گاڑنے والے کا اس میں کوئی حق نہیں۔

عن عمرو بن عوف

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نے "من احیی ارضا میتة فهی له" کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور مزید یہ بھی: "فی غیر حق مسلم. الحدیث"۔

اس تعلیق کو امام طبرانی، ابن عدی اور بیہقی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حضرت عمرو بن عوف انصاری بدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بزرگ ہیں جو مزنی ہیں۔ ان کی بخاری میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث نہیں۔

لعرق ظالم

"عـــرق" میں تنوین بھی درست ہے، یعنی کسی غیر کی مملوکہ زمین میں اس کی اجازت کے بغیر درخت لگانے والے ظالم کو اس زمین میں درخت باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں اور اضافت کے ساتھ بغیر تنوین "لعرقِ ظالم" بھی درست ہے، یعنی ظالم نے جو درخت کہیں لگایا اور یہ اسی وقت ہوگا کہ زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر لگائے۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا، اس لیے میں نے ترجمہ یہ کیا: ظلماً درخت لگانے والے کا اس زمین میں کوئی حق نہیں۔

ت٤٦٧ - وَيُرْوٰى فِيْهِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث روایت کی جاتی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی ہے، الفاظ بھی یہی ہیں اور اسے حسن صحیح کہا۔

(ترمذی۔ باب: ما ذکر فی احیاء ارض الموات ص١٦٦)

١٣٥٤ - ح: مَنْ اَعْمَرَ اَرْضًا لَّيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ

[جس نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملک نہیں تو وہ اس کا حق دار ہے]

١٣٥٤ - عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْمَرَ اَرْضًا لَّيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى بِهٖ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ خِلَافَتِهٖ.

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: جس نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملک نہیں تو وہ اس کا حق دار ہے۔ عروہ نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے جمہور ائمہ حتی کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی کہا کہ اس کے لیے حاکم اسلام سے اجازت کی بھی حاجت نہیں۔

مگر حضرت امام اعظم اور دوسرے بہت سے ائمہ نے فرمایا کہ اس میں حاکم اسلام کی اجازت ضروری ہے۔ اگر کوئی حاکم اسلام کی اجازت کے بغیر کسی بنجر غیر مملوکہ زمین کو آباد کرے گا تو وہ اس کی ملک نہ ہوگی، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا حمی الا لله ولرسوله" بچائی ہوئی زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ اس سے "من احیی ارضا میتة" کا عموم خاص ہے۔

قال عروة

یہ تعلیق ہے جسے امام مالک نے موطا میں موصولاً روایت کیا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے بلاعنوان باب قائم کر کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ذکر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ کی وادی میں تشریف فرما تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: آپ متبرک بطحا میں جلوہ فرما ہیں' نیز یہ حدیث کہ حضرت عبداللہ بن عمر تلاش کر کے وہیں اونٹ بٹھاتے تھے' جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بٹھاتے تھے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث کہ وادی عقیق کے بارے میں فرمایا گیا' اس متبرک وادی میں نماز پڑھیں۔ یہ تینوں حدیثیں کتاب الحج میں گزر چکی ہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ بلاعنوان باب بہ منزلہ فصل ہے۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ذوالحلیفہ کسی کی مِلک نہیں بلکہ اگر کوئی اسے آباد کرے تو بھی کسی کی مِلک نہ ہوگی۔ اس لیے کہ یہ حاجیوں کے انتفاع کے لیے ہے' اس سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ جس بنجر غیر مملوکہ زمین سے لوگوں کی ضرورتیں وابستہ ہوں' وہ آباد کرنے سے کسی کی مِلک نہ ہوگی' جیسے چراگاہ وغیرہ۔

بَابٌ اِذَا قَالَ رَبُّ الْاَرْضِ اُقِرُّكَ مَا اَقَرَّكَ اللّٰهُ وَلَمْ يَذْكُرْ اَجَلًا مَّعْلُوْمًا فَهُمَا عَلٰى تَرَاضِيْهِمَا

(ص ۳۱۴)

جب زمین کا مالک کسی سے یہ کہے کہ میں تم کو زمین پر اس وقت تک رکھوں گا جب تک اللہ رکھے اور کوئی معین میعاد مقرر نہ کرے تو یہ معاملہ ان دونوں کی رضامندی تک رہے گا

١٣٥٥- ح: اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَجْلَى الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى

[حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے یہود و نصاریٰ کو جلاوطن کر دیا]

١٣٥٥- عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَجْلَى الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰى خَيْبَرَ اَرَادَ اِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا وَكَانَتِ الْاَرْضُ حِيْنَ ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فَاَرَادَ اِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا فَسَاَلَتِ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُقِرَّهُمْ بِهَا عَلٰى اَنْ يَّكْفُوْا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ وَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا فَقَرُّوْا بِهَا حَتّٰى اَجْلَاهُمْ عُمَرُ اِلٰى تَيْمَاءَ وَاَرِيْحَاءَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کو سرزمین حجاز سے جلاوطن کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو یہود کو وہاں سے نکالنا چاہا اور جب کسی زمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح فرمالیں تو وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو جاتی ہے' اس لیے حضور نے یہود کو وہاں سے نکالنا چاہا تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ انہیں یہیں رہنے دیں' اس شرط پر کہ وہ کام کریں گے اور انہیں پھلوں کا آدھا ملے گا اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرما دیا تھا: ہم تم کو اس پر برقرار رکھتے ہیں جب تک ہم چاہیں۔ یہود اس پر رہے' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تیماء اور اریحاء جلاوطن کر دیا۔

(مسلم- کتاب المساقاۃ والمزارعۃ' ابوداود- کتاب الامارۃ' موطا امام مالک- کتاب المساقاۃ' مسند امام احمد- ج ۳ ص ۱۴۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو احسان فرما کر یہودیوں کو خیبر ہی میں رہنے دیا اور غایت کرم یہ تھا کہ ان کی زمینیں انہیں کاشت

کرنے کے لیے بھی دے دیں، مگر یہ فتنہ پرور قوم اپنی فسادی سرشت کی وجہ سے ہمیشہ نت نئے فتنے اُٹھاتی رہی۔
خیبر فتح ہونے کے بعد حضور اقدس ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے، یہود چند دن پہلے تلواروں کے آگے سرنگوں ہو چکے تھے، مگر حرکت یہ کی کہ حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، مگر حضور اقدس ﷺ کو اپنے علم غیب سے معلوم ہو گیا اور بچ گئے، مگر حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے شہید ہو گئے۔

اسباب جلاوطنی

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن سہیل اور حضرت محیصہ قحط سالی کے زمانے میں خیبر گئے، یہودیوں نے حضرت عبداللہ کو قتل کر کے نہر میں پھینک دیا، مگر رحمت عالم نے انہیں خیبر ہی میں رہنے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک بار ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر گئے تو یہودیوں نے انہیں سونے کی حالت میں چھت سے نیچے پھینک دیا، جس کے صدمے سے ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے، اب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور حضرت فاروق اعظم نے انہیں جلاوطن کر کے شام کے ساحلی علاقے تیماء اور اریحاء کی طرف بھیج دیا۔

بَابُ مَا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاسِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الزِّرَاعَةِ وَالثَّمَرَةِ (ص ٣١٥)

نبی ﷺ کے اصحاب کھیتی اور پھلوں میں ایک دوسرے کی کیسے مدد کیا کرتے تھے؟

١٣٥٦- ح: لَا تَفْعَلُوْا اِزْرَعُوْهَا اَوْ اَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِكُوْهَا

[ایسا مت کرو، اسے خود بوؤ یا اسے کسی کو بلاعوض بونے دو یا روکے رکھو]

١٣٥٦- عَنْ اَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلٰى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَمِّهٖ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ قَالَ ظُهَيْرٌ لَقَدْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا قُلْتُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ قُلْتُ نُؤَاجِرُهَا عَلَى الرُّبَيِّعِ وَعَلَى الْاَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيْرِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِزْرَعُوْهَا اَوْ اَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِكُوْهَا قَالَ رَافِعٌ قُلْتُ سَمْعًا وَّطَاعَةً.

(مسلم۔ کتاب البیوع، نسائی۔ کتاب المزارعۃ، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

حضرت رافع بن خدیج بن رافع اپنے چچا ظہیر بن رافع سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اس چیز سے منع فرما دیا جس میں ہمیں آسانی تھی۔ رافع نے کہا: میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، وہ حق ہے، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور دریافت فرمایا: تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہم کھیتوں کو اس شرط پر بونے کے لیے دیتے ہیں کہ نہر کے قریب کی پیداوار اور کچھ وسق کھجور اور جو ہم لیں گے۔ فرمایا: ایسا مت کرو، اسے خود بوؤ یا اسے کسی کو بلاعوض بونے کے لیے دو، یا روکے رکھو۔ رافع نے کہا: منظور ہے۔

علی الربیع

ربیع کے معنی نہر کے ہیں، یعنی اس شرط پر دیتے کہ جو کھیت نہر کے قریب ہے اس کی پیداوار ہم لیں گے۔ ایک روایت ''علی الربع'' بھی ہے، یعنی اس شرط پر دیتے کہ پیداوار کی چوتھائی ہماری ہو گی۔ اس روایت کی بناء پر یہ حدیث مطلقاً مزارعت سے ممانعت

کی دلیل ہوگی۔

وعلی الاوسق

یعنی اس شرط پر دیتے کہ اتنے وسق مثلاً دس وسق غلہ ہم لیں گے۔ یہ معاملہ اس لیے ممنوع ہے کہ ہوسکتا ہے کل پیداوار اتنی ہی یا اس سے بھی کم ہو۔ دونوں صورتوں میں بٹائی پر لینے والے کا نقصان ہے۔

١٣٥٧- ح: مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا

[جس کے پاس زمین ہو وہ خود بوئے یا کسی کو بلاعوض بونے کے لیے دے]

١٣٥٧- عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوْا يَزْرَعُوْنَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ.

(مسلم۔ کتاب البیوع، نسائی۔ کتاب المزارعۃ، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ تہائی چوتھائی آدھی پیداوار پر بٹائی پر کھیتی کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ خود بوئے یا کسی کو بلاعوض بونے کے لیے دے دے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو زمین پڑی رہنے دے۔

١٣٥٨- عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ. (مسلم۔ کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ خود بوئے یا بونے کے لیے اپنے بھائی کو دے دے اور اگر یہ پسند نہ ہو تو ایسے ہی چھوڑ دے۔

یہ دونوں حدیثیں اس کی صریح دلیل ہیں کہ بٹائی پر زمین دینا منع ہے، یہی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، صاحبین کا قول یہ ہے، چونکہ اس پر تعامل مسلمین ہے۔ نیز بعض احادیث سے جواز بھی ثابت ہے، اس لیے یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ طے ہو کہ پیداوار کا نصف یا ثلث وغیرہ کاشتکار کو ملے اور بقیہ کھیت کے مالک کا ہو اور فتویٰ اسی پر ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

١٣٥٩- ح: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُكْرِيْ مَزَارِعَهُ

[حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) اپنے کھیت کرائے پر دیتے]

١٣٥٩- عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِيْ مَزَارِعَهُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَصَدْرًا مِّنْ إِمَارَةِ مُعَاوِيَةَ ثُمَّ حُدِّثَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِلٰى رَافِعٍ وَذَهَبْتُ مَعَهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّا كُنَّا نُكْرِيْ

نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بھی زمانے میں اور حضرت معاویہ کی امارت کے شروع میں اپنے کھیت کرائے پر دیتے تھے پھر ان سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور میں بھی ان کے ساتھ گیا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا

مَزَارِعَنَا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا عَلَى الْاَرْبِعَاءِ وَبِشَيْءٍ مِّنَ التِّبْنِ.

ہے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم کھیتوں کو کرائے پر دیتے تھے کہ نہر کے قریب کی پیداوار اور کچھ بھس ہمارا ہوگا۔

(مسلم۔ کتاب البیوع، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

كان يكرى

اس کا لفظی ترجمہ تو یہی ہے کہ وہ زمین کرائے پر دیتے، مگر مراد بٹائی پر دینا ہے یعنی کرائے پر دینے کی مخصوص صورت۔

من امارة معاويه

سبط اکبر سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی تو وہ خلیفہ برحق ہو گئے، اس لیے امارت سے مراد خلافت ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پوری اُمت نے اتفاق نہیں کیا کیونکہ ان کے عہد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ کیا، یہ درست نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد خلافت کا دعویٰ فرمایا تھا۔

قد علمت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ نبی ﷺ نے کھیتوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مطلقاً منع فرمایا اور کسی قسم کو جائز نہیں رکھا، ایسا نہیں بلکہ اس مخصوص طریقے سے منع فرمایا جو عہد مبارک میں رائج تھا، اور وہ یہ تھا کہ زمین کے مالک یہ شرط کر لیتے کہ نہر کے قریب جو کھیت ہے، اس کی پیداوار اور کچھ بھس ہم لیں گے۔ اس سے منع فرمایا کیونکہ اس میں یہ خطرہ رہتا ہے کہ صرف اسی حصے میں پیداوار ہو، بقیہ حصے میں کچھ نہ ہو اور نیز بھس کی مقدار بھی مجہول تھی۔ حاصل یہ نکلا کہ مطلقاً مزارعت سے منع نہیں فرمایا، اس مزارعت سے منع فرمایا جس میں شرط فاسد ہو۔

على الاربعاء

"اربعاء" ربیع کی جمع ہے، جس کے معنی نہر صغیر کے ہیں۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ چوتھائی پر کیا ہے، یہ صحیح نہیں۔

على التبن

عام مترجمین نے اس کا ترجمہ گھاس کیا ہے، یہ بھی صحیح نہیں، اس کے معنی بھس کے ہیں۔

مطابقت

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ زمین کو کرائے پر دینا منع ہے۔ اسے لازم ہے کہ کھیت کا مالک یا تو خود کاشت کرے یا کسی کو اس طرح کاشت کے لیے دے کہ اس سے پیداوار میں سے کچھ نہ لے۔ یہی مواساۃ اور ہمدردی ہے۔

١٣٦٠- ح: اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ اَنَّ الْاَرْضَ تُكْرٰى

[حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: زمین بٹائی پر دی جاتی ہے]

١٣٦٠- اَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ اَعْلَمُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْاَرْضَ تُكْرٰى ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُاللّٰهِ

سالم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں یہ جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زمین بٹائی پر دی جاتی ہے، پھر عبداللہ کو اندیشہ ہوا کہ نبی ﷺ نے اس بارے میں کوئی نیا

اَنْ يَكُوْنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَحْدَثَ فِيْ ذٰلِكَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلِمَهُ فَتَرَكَ كِرَاءَ الْاَرْضِ. (مسلم ابوداؤد نسائی)

حکم صادر فرمایا ہو جس کا علم انہیں نہ ہوا ہو اس لیے انہوں نے بٹائی پر زمین دینا چھوڑ دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ اندیشہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بعض ارشادات پر مطلع نہ ہوئے اور دوسرے ایسے صحابہ جو علم و فہم میں ان سے کم تھے، مطلع تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام میں خبر واحد حجت ہے۔

بَابُ كِرَاءِ الْاَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (ص ٣١٥)

سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینا

ت٤٦٨ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِنَّ اَمْثَلَ مَا اَنْتُمْ صَانِعُوْنَ اَنْ تَسْتَاْجِرُوا الْاَرْضَ الْبَيْضَآءَ مِنَ السَّنَةِ اِلَى السَّنَةِ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین کے معاملے میں جو تم کرتے ہو ان میں سب سے افضل یہ ہے کہ خالی زمین کو سال بسال لگان پر دیا کرو۔

اس تعلیق کو امام وکیع نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک زمین کو بٹائی پر دینا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نقد لگان طے کر کے دی جائے۔ اگر ان کے نزدیک بٹائی پر دینا جائز نہ ہوتا تو اسے امثل نہ کہتے۔ امثل اور افضل کا مطلب یہی ہے کہ اس کے مقابل کی صورت بھی جائز ہے، البتہ وہ بہتر نہیں، بہتر نہیں کا مطلب عدم جواز نہیں ہوتا۔

١٣٦١- ح: اَنَّهُمْ كَانُوْا يُكْرُوْنَ الْاَرْضَ (الخ)

[لوگ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں) زمین بٹائی پر دیتے تھے]

١٣٦١- عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَمَّايَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُكْرُوْنَ الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْاَرْبِعَاءِ اَوْ شَيْءٍ يَّسْتَثْنِيْهِ صَاحِبُ الْاَرْضِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ فَقَالَ رَافِعٌ لَيْسَ بِهَا بَاْسٌ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَكَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ مَا لَوْ نَظَرَ فِيْهِ ذَوُو الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيْزُوْهُ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے چچاؤں نے بیان کیا کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں زمین بٹائی پر دیتے تھے، اس شرط پر کہ جو نہروں کے قریب پیداوار ہو یا زمین کے کسی بھی حصے کی پیداوار زمین کے مالک کی ہوگی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ (حنظلہ نے کہا:) میں نے حضرت رافع سے پوچھا کہ دینار اور درہم کے عوض ہو تو؟ حضرت رافع نے کہا: درہم و دینار میں کوئی حرج نہیں اور جس سے منع کیا گیا، اس میں حلال و حرام کی تمیز رکھنے والے حضرات غور کریں گے تو اس کی اجازت نہیں دیں گے، کیونکہ اس میں خطرہ بالکل واضح ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ هٰهُنَا قَوْلُ اللَّيْثِ وَكَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: "وكان الذى نهى عن ذلك" سے لیث کا قول ہے۔

اَوْ بِشَيْءٍ يَّسْتَثْنِيْهِ

یعنی زمین کا مالک اپنے لیے کچھ مستثنیٰ کر لے'بشیء کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ کل پیداوار کی تہائی یا چوتھائی ہماری ہوگی' یا وسق دو وسق مثلاً میرا ہوگا' یا زمین کے فلاں حصے کی پیداوار میری ہوگی' لیکن اس حدیث کے دوسرے طرق پر نظر رکھتے ہوئے ظاہر یہی ہے کہ مراد تیسری صورت ہے۔

و كان الذى نهى

یہاں سے "لما فيه من المخاطرة" تک حدیث کا جز ہے یا مُدرَج ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے۔ نسفی اور ابن شبویہ کے نزدیک مدرج ہے' اسی لیے ان کے نسخوں میں نہیں۔ بیضاوی نے کہا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافع کا قول ہے۔ علامہ طیبی نے کہا: یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ کسی راوی کا قول ہے یا امام بخاری کا۔ بعض حضرات نے کہا کہ بخاری کے اکثر طرق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امام لیث کا قول ہے' اور یہاں تو امام بخاری نے تصریح کر دی ہے کہ یہ امام لیث کا قول ہے' یہ حصہ بھی سند مذکور کے ساتھ موصولاً مروی ہے۔

بَابٌ (ص ٣١٥)

١٣٦٢- ح: اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ

١٣٦٢- عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ وَعِنْدَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ فِي الزَّرْعِ فَقَالَ لَهٗ اَلَسْتَ فِيْمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ قَالَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاؤُهٗ وَاسْتِحْصَادُهٗ فَكَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى دُوْنَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِيًّا اَوْ اَنْصَارِيًّا فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَّاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

باب

[ایک شخص جنت میں اپنے رب سے (کھیتی کرنے کی) اجازت طلب کرے گا]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بیان فرما رہے تھے کہ ایک جنتی اپنے رب سے جنت میں کھیتی کرنے کی اجازت مانگے گا تو اللہ عزوجل یہ فرمائے گا: کیا تم اس حال میں نہیں کہ جو چاہتے ہو' ملتا ہے۔ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں! مگر میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں' حضور نے فرمایا: اس نے بیج ڈالا' پلک جھپکنے میں وہ اُگ بھی گیا اور تیار بھی ہو گیا اور کاٹ بھی لیا گیا' اس کی پیداوار پہاڑوں کے برابر ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! (اسے لے!) تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ یہ حدیث سن کر اس دیہاتی نے عرض کیا: واللہ! آپ اُسے قریشی یا انصاری ہی پائیں گے' اس لیے کہ یہی لوگ کاشتکار ہیں اور ہم لوگ کاشتکار نہیں' اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنس پڑے۔

(بخاری۔ کتاب التوحید۔ باب: کلام الرب مع اهل الجنة ص ١١٢١ ج ٢' مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ٥١١)

فبادر الطرف

یعنی کھیتی کے تمام مدارج پلک جھپکنے سے پہلے پہلے طے ہو گئے۔

قرشیا او انصاریا

قریش تجارت پیشہ تھے' مکہ معظمہ میں کھیتی باڑی نہیں کرتے تھے' مگر جب مدینہ طیبہ آئے تو کاشتکاری بھی کرنے لگے' اس پر دیہاتی نے عرض کیا۔

مناسبت

جنت میں کاشتکاری کی اجازت اس کی دلیل ہے کہ یہ ایک اچھا کام ہے۔اس طرح اس حدیث کو کتاب الحرث کے ساتھ مناسبت ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عہد نبوی میں کاشتکاری کرتے تھے' یہ بھی دلیل جواز ہے۔ نیز صحابہ کرام مزارعت بھی کرتے تھے۔اس طرح کتاب کے دوسرے جز ''المزارعة'' سے بھی مناسبت ہوگئی' مگر چونکہ یہاں مزارعت کے ابواب چل رہے تھے اور اس حدیث میں صراحۃً مزارعت کا ذکر نہیں' اس لیے اس پر بلاعنوان باب قائم فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴۲- کِتَابُ الْمُسَاقَاةِ (ص۳۱۶)

مساقات [پانی پلانے] کا بیان

[مساقات کا معنی]

مساقاۃ کا مادہ سقی ہے، جس کے معنی پانی پلانے کے ہیں اور مساقاۃ کے معنی ایک دوسرے کو پانی پلانا، مگر اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ درخت یا انگوروں کی بیلیں کسی کو اس شرط پر دینا کہ وہ اس میں کام کرے اور پیداوار کا کچھ حصہ لے لے۔ اور یہاں یہی مراد ہے اہل مدینہ کے عرف میں اسے معاملہ کہتے ہیں، جیسے مزارعت کو مخابرہ، مضاربت کو مقارضہ وغیرہ۔

بَابٌ فِي الشُّرْبِ (ص۳۱۶)

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء:۳۰) وَقَوْلِهٖ ﴿أَفَرَأَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ○ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ○﴾ (الواقعہ:۶۸-۷۰) وَمَنْ رَّأَى صَدَقَةَ الْمَآءِ وَهِبَتَهٗ وَوَصِيَّتَهٗ جَآئِزَةً مَقْسُوْمًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مَقْسُوْمٍ ﴿ثَجَّاجًا﴾ (النباء:۱۴) مُنْصَبًّا. اَلْمُزْنَ. اَلسَّحَابُ. وَالْأُجَاجُ الْمُرُّ ﴿فُرَاتًا﴾ (المرسلات:۲۷) عَذْبًا.

پانی کی تقسیم کا بیان

اور اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا: اور ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا تو وہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے○ (الانبیاء:۳۰) اور اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ذرا بتاؤ! تو تم جو پانی پیتے ہو○ اسے بادل سے تم نے اتارا ہے یا ہم اُتارنے والے ہیں○ ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، پھر کیوں تم شکر نہیں کرتے○ (الواقعہ:۶۸-۷۰) اور جو پانی کے صدقہ اور ہبہ اور وصیت کو جائز جانے، خواہ وہ تقسیم شدہ ہو یا نہ ہو۔ "ثَجَّاجًا" موسلا دھار" "المزن" بادل" "الاُجاج" کھاری" "فُرَاتًا" میٹھا خوشگوار۔

الشرب

شین کے کسرے کے ساتھ پانی کا حصہ۔ مقصود یہ ہے کہ اگر کسی تالاب اور کنویں سے چند کھیتوں چند باغوں میں پانی جاتا ہو تو کس کو کتنا پانی دیا جائے گا؟

وجعلنا

پانی اللہ عزوجل کی بہت بڑی نعمت ہے، ہر جاندار کی زندگی کا مدار پانی ہی پر ہے۔ انسان اور حیوانات کے علاوہ نباتات کی بھی پیدائش، افزائش اور حیات پانی ہی پر ہے۔ اس کے لیے امام بخاری نے ان دو آیتوں کو ذکر فرمایا ہے، ان آیات کو ذکر کر کے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں: جب ہر جاندار کی زندگی کا مدار پانی ہے اور یہ خالص عطیہ الٰہی ہے تو اس پر کسی کو بالکلیہ استحقاق جتانا جائز نہیں

جب تک بہ طریق شرعی کسی کی خاص ملک میں نہ آجائے۔ اس طرح ان آیات کو باب سے بھی مناسبت ہوگئی۔

ومن رأى

ہمارے نزدیک مُشاع یعنی غیر منقسم چیز کا ہبہ صحیح نہیں، اسی طرح صدقہ بھی، البتہ وصیت جائز ہے۔ امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں: پانی اگر چہ غیر تقسیم شدہ ہو اس کا ہبہ اور صدقہ وصیت سب درست ہے اور اسی طرح اور چیزوں کا بھی۔ مُشاع کا ہبہ اور صدقہ درست نہیں۔ اس کی تفصیل کتاب الھبۃ میں آئے گی۔

ثجاجا

یہاں سے اخیر تک پانی خصوصاً بارش کے پانی کے جو اوصاف دوسری آیتوں میں مذکور ہیں ان کی تفسیر بیان کر رہے ہیں، اس مناسبت سے کہ آیاتِ مذکورہ میں پانی کا ذکر آ گیا ہے۔

سورۃ النبأ میں ہے:

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَآءً ثَجَّاجًا۝ (النبأ:١٤) — اور ہم نے بادلوں سے موسلا دھار بارش برسائی۝

"المزن" اور "اجاج" باب میں مذکور دوسری تیسری آیات میں ہے اور سورۂ فرقان اور سورۂ فاطر میں ہے:

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ. (الفرقان:٥٣، الفاطر:١٢) — یہ میٹھا ہے نہایت شیریں۔

ت٤٦٩ - وَقَالَ عُثْمَانُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بِئْرَ رُوْمَةَ فَيَكُوْنُ دَلْوُهٗ فِيْهَا كَدِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاشْتَرَاهَا عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

اور حضرت عثمان نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو بئر رومہ خرید لے اور اس میں اس کا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے مثل ہو جائے تو اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خریدا (اور مسلمانوں پر وقف کر دیا)۔

بیر رومہ مدینہ طیبہ کے مشہور کنوؤں میں سے ہے، جو عوالی مدینہ وادی عقیق میں ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ اس کا مالک ایک یہودی تھا، وہ اس میں تالا بند کر کے غائب ہو جاتا، مسلمان پانی پینے جاتے تو موجود نہ رہتا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے وہ فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے پینتیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ کلبی نے کہا کہ اس کا مالک ایک مشک پانی ایک درہم میں دیتا تھا۔ اس تعلیق کو تھوڑے تغیر کے ساتھ امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (ترمذی ج ٢۔ باب: مناقب عثمان رضی اللہ عنہ ص ٢١١)

١٣٦٣- ح: اُتِيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ

[آپ ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس میں کچھ پیا]

١٣٦٣- حَدَّثَنِيْ اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ غُلَامٌ اَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْاَشْيَاخُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَقَالَ يَا غُلَامُ اَتَاْذَنُ لِيْ اَنْ اُعْطِيَهُ الْاَشْيَاخَ قَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِفَضْلِيْ مِنْكَ اَحَدًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا، حضور نے اس میں سے کچھ پیا اور حضور کی دائیں طرف حاضرین میں سب سے چھوٹا ایک بچہ تھا اور معمر لوگ بائیں طرف تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے بچے! کیا تو اس کی اجازت دیتا ہے کہ میں اسے معمر لوگوں کو دے دوں؟ اس نے عرض کیا: میں آپ کے تبرک کے بارے میں کسی کو اپنے اوپر

ترجیح نہیں دے سکتا' یارسول اللہ! تو حضور نے وہ پیالہ اس بچے کو عطاء فرمادیا۔

(بخاری۔ باب: من رای ان صاحب الحوض والقربة احق بمائه ص ۳۱۸' کتاب المظالم۔ باب: اذا اذن له وحلل له ص ۳۳۱' ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: هل يستاذن الرجل من عن يمينه في الشرب يعطى الاكبر ص ۸۳۰' مسلم۔ کتاب الاشربہ' الموطا۔ صفۃ النبی ﷺ)

۱۳۶۴- ح: حُلِبَتْ شَاةٌ دَاجِنٌ

[(آپ ﷺ کے لیے) پلی ہوئی بکری دوہی گئی]

۱۳۶۴- عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهَا حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ دَاجِنٌ وَّهُوَ فِيْ دَارِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَّشِيبَ لَبَنُهَا بِمَآءٍ مِّنَ الْبِئْرِ الَّتِي فِيْ دَارِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَأَعْطَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ مِنْهُ حَتّٰى إِذَا نَزَعَ الْقَدَحَ مِنْ فِيْهِ وَعَلٰى يَسَارِهٖ أَبُوْ بَكْرٍ وَّعَنْ يَّمِيْنِهٖ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ عُمَرُ وَخَافَ أَنْ يُّعْطِيَهُ الْأَعْرَابِيَّ أَعْطِ أَبَا بَكْرٍ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَكَ فَأَعْطَاهُ الْأَعْرَابِيَّ الَّذِيْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ.

(بخاری۔ کتاب الاشربہ۔ باب: الايمن فالايمن في الشرب ج ۲۔ ص ۸۴۰' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ کتاب الاشربہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کے پینے کے لیے ایک پلی ہوئی بکری دوہی گئی اور حضور انس بن مالک کے گھر میں تشریف فرما تھے اور اس کے دودھ میں اس کنویں کا پانی ملایا گیا' جو حضرت انس کے گھر میں تھا' پھر رسول اللہ ﷺ کو پیالہ پیش کیا گیا' حضور نے اس سے نوش فرمایا اور حضور کے بائیں طرف حضرت ابوبکر تھے اور دائیں طرف ایک اعرابی تھے' جب حضور نے پیالہ اپنے منہ سے ہٹایا تو حضرت عمر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ اعرابی کو نہ عطا فرمادیں' اس لیے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوبکر کو عطا فرمائیں جو حضور کے پاس حاضر ہیں' مگر حضور نے ان اعرابی کو دیا جو دائیں طرف تھے' پھر ارشاد فرمایا: دایاں مستحق ہے پھر دایاں۔

داجن

ہر وہ پالتو جانور جسے گھر میں رکھ کر چارہ کھلایا جائے' یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے' جیسے لفظ "شاة"' "داجنة" مؤنث بھی مستعمل ہے۔

دائیں طرف جو صاحبزادے تھے وہ حضرت فضل بن عباس تھے' جیسا کہ ابن بطال نے لکھا ہے' مگر ابن تین نے کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباس تھے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجلس میں کوئی ہدیہ پیش کیا جائے اور اس میں کسی کی تخصیص نہ کی جائے' تو تمام شرکاء کو اس میں سے دینا مستحب ہے بشرطیکہ گنجائش ہو اور دائیں والے کو پہلے دیا جائے' اگرچہ بائیں والے علم و فضل اور عمر میں زیادہ ہوں۔ حدیث میں ذکر اگرچہ پانی اور دودھ کا ہے' لیکن کھانے پینے کی تمام چیزوں کو عام ہے جیسا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "الملفوظ" میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ إِنَّ صَاحِبَ الْمَآءِ أَحَقُّ بِالْمَآءِ حَتّٰى يَرْوِيَ (ص ۳۱۷)

جس نے یہ کہا کہ پانی کا مالک پانی کا سب سے زیادہ حق دار ہے' یہاں تک کہ اپنی حاجت پوری کرلے

۱۳۶۵- ح: لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ

[بچے ہوئے پانی کو نہ روکا جائے]

۱۳۶۵- عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ.

نے فرمایا کہ بچے ہوئے پانی کو نہ روکا جائے کہ اس کے نتیجے میں گھاس چرانے سے روکنا لازم آئے۔

(بخاری۔ج ۲۔کتاب الحیل۔باب: ما يكره من الاحتيال في البيوع ولا يمنع فضل الماء ص ۱۰۳۰ ترمذی ابن ماجہ)

۱۳۶۶- عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَاَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَآءِ لِتَمْنَعُوْا بِهِ فَضْلَ الْكَلَاِ. (ابوداؤد ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاضل پانی کو نہ روکو کہ اس کی وجہ سے فاضل چارے کو روک دو۔

مطابقت

اس حدیث میں بچے ہوئے پانی کو روکنے سے منع فرمایا اور پانی اس وقت بچے گا جب ضرورت مند اپنے باغ یا کھیت کو کما حقہ سینچ لے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانی کے مالک کا پانی پر سب سے زیادہ حق ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کنواں یا تالاب کسی جگہ ہو اور اس کے آس پاس گھاس ہو تو چرواہوں اور مویشیوں کو پانی پینے سے نہ روکا جائے اگر پانی مالک کی ضرورت سے فارغ و فاضل ہو کیونکہ اگر چرواہوں کو اور مویشیوں کو پانی نہیں پینے دیا جائے گا تو وہاں چرواہے جانور چرانے نہیں جائیں گے۔ اس طرح چرنے سے روکنا لازم آئے گا یہ حکم استحبابی ہے اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔

بَابُ الْخُصُوْمَةِ فِي الْبِئْرِ وَالْقَضَآءِ فِيْهَا (ص ۳۱۷)

کنویں میں جھگڑا اور اس میں قضاء کا بیان

۱۳۶۷- ح: مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ

[جو ایسی قسم کھائے کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال لے لے]

۱۳۶۷- عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ عَلَيْهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (آل عمران:۷۷) الْاٰيَةَ فَجَآءَ الْاَشْعَثُ فَقَالَ مَا يُحَدِّثُكُمْ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فِيَّ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ كَانَتْ لِيْ بِئْرٌ فِيْ اَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِّيْ فَقَالَ لِيْ شُهُوْدَكَ قُلْتُ مَا لِيْ شُهُوْدٌ قَالَ فَيَمِيْنُهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا يَّحْلِفَ فَذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْحَدِيْثَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ تَصْدِيْقًا لَّهُ.

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص ایسی قسم کھائے کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال لے لے اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہو تو اللہ سے قیامت کے دن اس حالت میں ملے گا کہ اللہ عزوجل اس پر غضب ناک ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: جو لوگ اللہ اور اس کی قسموں کے عوض تھوڑی پونجی خریدتے ہیں (الیٰ آخرہ) اس کے بعد حضرت اشعث (بن قیس) رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: ابو عبدالرحمٰن جو حدیث بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہے۔ میرے ہی بارے میں یہ آیت نازل کی گئی ہے میرا ایک کنواں میرے ایک چچازاد بھائی کی زمین میں تھا (ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا) میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا) حضور نے مجھ سے فرمایا: تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں

نے کہا: میرے پاس گواہ نہیں' فرمایا کہ اب تیرے چچازاد بھائی پر قسم ہے' میں نے عرض کیا: اب یہ قسم کھالے گا' اس پر نبی ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اس کی تصدیق کے لیے نازل فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب: یحلف المدعٰی علیہ ص ۳۶۷' باب: قول اللّٰہ تعالٰی ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ص ۳۶۷' باب: کلام الخصوم بعضھم فی بعض ص ۳۲۶' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ آل عمران' باب: قولہ تعالٰی ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ثمناً قلیلاً ص ۶۵۲' کتاب الایمان۔ باب: قول للّٰہ ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ص ۹۸۷' باب: عھد اللّٰہ ص ۹۸۵' کتاب الاحکام۔ باب: الحکم فی البیر ونحوہ ص ۱۰۶۵' الرھن اذا اختلف الراھن والمرتھن ص ۳۴۲' مسلم۔ کتاب الایمان' ابوداؤد۔ کتاب النذور' ترمذی۔ کتاب البیوع۔ التفسیر' نسائی۔ کتاب القضاء' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۳۷۷۔ ج ۵ ص ۲۱۱)

حضرت اشعث بن قیس کندی یمنی رضی اللہ عنہ

یہ ۱۰ھ میں کندہ کے وفد کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ یہ چالیس سوار تھے' حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد یہ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی شورش کو ختم کرنے کے لیے جو لشکر روانہ فرمائے تھے' ان میں سے ایک نے ان کو گرفتار کر لیا اور مدینہ طیبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا' انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: مجھے اپنی لڑائیوں کے لیے زندہ رکھئے اور اپنی بہن سے میرا نکاح کر دیجئے۔ حضرت صدیق اکبر نے دونوں باتیں منظور فرمالیں اور یہ پھر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر نے اپنی بہن اُم فروہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا' جس کا قصہ بہت طویل ہے۔

عہد رسالت میں مشرف باسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنی صاحبزادی کو حضور اقدس ﷺ کی زوجیت میں دیا' لیکن وہ ابھی خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہو سکی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو گیا۔

لمحہ فکریہ

حضرت اشعث نسّاج (یعنی بنکر (کپڑا بننے والے) تھے) ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر خفا ہوئے تو جلال میں فرمایا: "ایھا الحائك ابن الحائك" (اے جولا ہے کے بیٹے! جولا ہے) مگر حضور اقدس ﷺ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ ان کی صاحبزادی کو اُمہات المؤمنین کے زمرہ میں داخل فرمایا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو ان کی زوجیت میں دیا۔ ان سے ان لوگوں کو اپنی اصلاح کر لینی واجب ہے جو نسّاجین کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں (یعنی بنکروں کو) حضرت اشعث بن قیس کے ان چچازاد بھائی کا نام جن کی زمین میں ان کا کنواں تھا' معدان بن الاسود بن سعد بن معدی کرب تھا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ثبوت پیش کرنا مدعی پر ہے' اور اگر مدعی ثبوت نہ پیش کر سکے اور مدعیٰ علیہ دعویٰ سے انکار کرے تو اس پر قسم ہے' مدعی پر قسم نہیں اور اس کی قسم لغو ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حاکم مدعیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے گا' اگرچہ مدعی اس کا مطالبہ نہ کرے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ مَّنَعَ ابْنَ السَّبِيْلِ مِنَ الْمَآءِ (ص۳۱۷)

مسافر کو پانی پینے سے منع کرنے کا گناہ

۱۳۶۸- ح: ثَلَاثَةٌ لَّا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[تین لوگ جن کی جانب روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا]

۱۳۶۸- سَمِعْتُ اَبَا صَالِحٍ يَّقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَّا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَّجُلٌ كَانَ لَهٗ فَضْلُ مَآءٍ بِالطَّرِيْقِ فَمَنَعَهٗ مِنِ ابْنِ السَّبِيْلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ اِمَامًا لَّا يُبَايِعُهٗ اِلَّا لِدُنْيَا فَاِنْ اَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ وَاِنْ لَّمْ يُعْطِهٖ مِنْهَا سَخِطَ وَرَجُلٌ اَقَامَ سِلْعَتَهٗ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ لَقَدْ اَعْطَيْتُ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهٗ رَجُلٌ ثُمَّ قَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (آل عمران:۷۷).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ہیں جن کی جانب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا نہ ان کو پاک فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں فاضل پانی تھا اور اس نے پانی کو مسافر سے روکا' اور ایک وہ شخص جس نے کسی امام سے صرف دنیا کے لیے بیعت کی' اب وہ اگر اس کو کچھ دے تو راضی رہے اور اگر کچھ نہ دے تو وہ ناراض ہو جائے' اور ایک وہ شخص جس نے عصر کے بعد اپنے سامان کو لگایا' پھر کہا: قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میرے اس سامان کی قیمت اتنی اتنی لگائی جا چکی ہے' کسی نے اس کی بات مان لی (اور سامان اتنے دام پر خرید لیا) پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی: جو لوگ اللہ کے عہد اور اس کی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں۔

(بخاری۔ باب: من رأى ان صاحب الحوض والقربة احق بمائه ص۳۱۸' کتاب الشہادات۔ باب: اليمين بعد العصر ص۳۶۷' ج۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: من بايع رجلا لا يبايعه الا للدنيا ص۱۰۷۱' کتاب التوحید۔ باب: قوله تعالٰى وجوه يومئذ ناضرة الٰى ربها ناظرة ص۱۱۰۹' مسلم۔ کتاب الایمان' نسائی۔ کتاب البیوع' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات۔ کتاب الجہاد' مسند امام احمد بن حنبل۔ ج۲ ص۲۵۱۔۴۸۰)

مطابقت

اس حدیث میں فاضل پانی کسی کو نہ دینے پر وعید ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اگر پانی فاضل نہ ہو تو منع کر سکتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافروں اور مویشیوں کو پانی پلانا واجب ہے' جبکہ وہ پیاسے ہوں اور اگر پیاس سے ان کی جان جانے کا اندیشہ ہو تو پانی کے مالک سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر مسافروں کے پاس قیمت ہو تو مفت پلانا واجب نہیں' اور اگر قیمت نہ ہو تو جان کے بچانے کی مقدار پانی پلانا واجب ہے۔

بَابُ سَكْرِ الْاَنْهَارِ (ص۳۱۷)

نہروں کا بند کرنا

۱۳۶۹- ح: اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ

[ایک انصاری نے حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) کے خلاف دعویٰ کیا]

۱۳۶۹- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے

اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَاَبٰى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ اَسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاءَ اِلٰى جَارِكَ فَغَضِبَ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ اَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَحْسِبُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْ ذٰلِكَ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء:۶۵)۔

حدیث بیان کی کہ ایک انصاری نے حضرت زبیر کے خلاف نبی ﷺ کی بارگاہ میں حرہ کے اس نالے کے بارے میں جس سے لوگ کھجور کے باغوں کو پانی دیتے تھے' دعویٰ کیا' انصاری نے کہا: پانی کو چھوڑ دے کہ وہ آگے بڑھے۔ حضرت زبیر نے انکار کر دیا' اب دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں یہ معاملہ لے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے زبیر! سینچ کر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دے۔ اس پر انصاری غصہ ہو گئے اور یہ کہہ دیا: آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں نا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ کا رخ انور بدل گیا' پھر فرمایا: اے زبیر! سینچ لے پھر پانی کو روک یہاں تک کہ منڈیر کے سرے تک پہنچ جائے' اس پر زبیر نے فرمایا: بخدا! میں گمان کرتا ہوں کہ یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی: تیرے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپسی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مان لیں' پھر آپ کے فیصلے پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے کما حقہ تسلیم نہ کر لیں۔

(بخاری۔ باب: شرب الاعلی الی الاسفل ص ۳۱۸' باب: شرب الاعلی الی الکعبین ص ۳۱۸' کتاب الصلح۔ باب: اذا اشار الامام بالصلح ص ۳۷۳' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قولہ تعالیٰ فلا وربك لا یؤمنون الآیۃ ص ۶۶۰' مسلم۔ کتاب الفضائل' ابوداؤد۔ کتاب الاقضیۃ' ترمذی۔ کتاب الاحکام۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب القضاۃ' ابن ماجہ۔ مقدمہ' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۶۵۔ ج ۴ ص ۵)

رجلا من الانصار

بعض شارحین نے تحریر کیا کہ یہ شخص منافق تھا' مگر یہ صحیح نہیں' اولاً اس لیے کہ امام بخاری نے کتاب الصلح میں ان کے بارے میں فرمایا:

قد شهد بدرًا

اور اس پر اتفاق ہے کہ اصحاب بدر میں سے کوئی بھی منافق نہ ہوا۔ ثانیاً صحابہ کرام کی عادت کریمہ تھی کہ جب منافقین کا ذکر کرتے تو ان کو منافقین ہی سے ذکر کرتے' انہیں انصاری نہ کہتے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو انصاری کہا۔ لوگوں کو یہ شبہہ اس بناء پر ہوا کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں وہ سخت کلمہ استعمال کر دیا تھا۔ اس کی تاویل علماء نے یہ کی ہے کہ انتہائی غصہ کی وجہ سے یہ کلمے ان کی زبان سے بے اختیار نکل گئے۔ ابتداء اسلام کا معاملہ تھا' لوگ آداب نبوت سے آشنا نہیں ہوئے تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ ریگستان کے بالائی حصہ سے یہ پانی آتا تھا' بالائی حصہ پر حضرت زبیر بن عوام کا باغ تھا اور اس سے متصل نشیبی حصہ پر ایک انصاری کا باغ تھا۔ عرف کے دستور اور رواج کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنا باغ پورے طور سے سینچ لیں پھر پانی اپنے پڑوسی کو دیں' اس پر پڑوسی جو انصاری تھے' انہوں نے جھگڑا کیا۔

شراج الحرة

''شراج'' پانی بہنے والے نالے کو کہتے ہیں۔ ''الحرّة'' پتھریلی زمین جہاں اس طرح پتھر پڑے ہوں کہ دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہو کہ یہ اوپر سے گرائے گئے ہوں اور جلے ہوئے ہیں۔

مدینہ طیبہ کے دو حرہ مشہور ہیں: حرہ شرقیہ، حرہ غربیہ، جس کے درمیان پورا شہر آباد ہے۔

الی الجدر

جدر کے اصل معنی دیوار کے ہیں، یہاں مراد وہ منڈیر ہے جو پانی روکنے کے لیے درختوں کی جڑوں کے اردگرد باندھی جاتی ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی آیا ہے: ''الی الجذر'' جذر درخت کی اس جڑ کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ مراد وہی ہے کہ کھیت کو جتنے پانی کی ضرورت ہے، لوگ جتنا پانی بھرتے ہیں بھرلیں۔ چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے باغ میں اتنا پانی بھرا کہ ٹخنوں تک پہنچ گیا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو چیز کسی کی مملوک نہ ہو بلکہ مباح ہو اس پر جو قبضہ کر لے وہ چیز اسی کی ہے۔ کہیں سے مباح پانی بہتا آ رہا ہو تو جس کی طرف پہلے پہنچے اسے حق حاصل ہے کہ بہ قدرِ ضرورت استعمال کر کے دوسرے کے لیے چھوڑ دے۔

قال محمد بن العباس

محمد بن عباس سلمی اصبہانی، امام بخاری کے ہم عصر محدث ہیں، البتہ ان کا وصال امام بخاری کے بعد ٢٦٦ھ میں ہوا ہے۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام زہری کے تلامذہ میں سے صرف امام لیث نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ بقیہ تلامذہ کی روایت کے بموجب عروہ نے یہ حدیث اپنے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، مگر نسائی[1] میں امام زہری کے تلامذہ ابن وہب اور یونس نے بھی یہی روایت کی ہے کہ عروہ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

بَابُ مَنْ رَّاٰى اَنَّ صَاحِبَ الْحَوْضِ وَالْقِرْبَةِ اَحَقُّ بِمَائِهِ (ص ٣١٨)

حوض یا مشک کا مالک اس کے پانی کا سب سے زیادہ حق دار ہے

١٣٧٠ - ح: لَاَذُوْدَنَّ رِجَالًا عَنْ حَوْضِي

[میں کچھ لوگوں کو اپنے حوض سے بھگاؤں گا]

١٣٧٠ - عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَذُوْدَنَّ رِجَالًا عَنْ حَوْضِيْ كَمَا تُذَادُ الْغَرِيْبَةُ مِنَ الْاِبِلِ عَنِ الْحَوْضِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! کچھ لوگوں کو اپنے حوض سے میں بھگاؤں گا، جیسے اجنبی اونٹ کو حوض سے بھگایا جاتا ہے۔

(مسلم، کتاب الطہارۃ۔ کتاب الفضائل، ابن ماجہ، کتاب زہد، مسند امام احمد بن حنبل، ج ٢ ص ٢٩٨، ص ٣٠٠، ص ٤٠٨، ص ٤٥٤، ص ٤٦٧)

---

[1] نسائی، ج ٢ ص ٣٠٧، کتاب القضاۃ

رجالا

یہ کون لوگ ہوں گے؛ اس کے بارے میں شراح کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن تین نے کہا ہے کہ یہ منافقین ہیں۔ ابن جوزی نے کہا کہ یہ مبتدع گمراہ ہوں گے۔ قرطبی نے کہا: یہ لوگ دوسری ایسی اُمت کے افراد ہوں گے؛ جن میں اس اُمت کا کوئی نشان نہیں؛ میرے خیال میں ان اقوال میں منافات نہیں؛ یہ سب ہو سکتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہیں تھے؛ منافق تھے یا مرتد تھے یا گمراہ تھے۔ یہ لوگ بھی اُمت کے ساتھ حوض پر آ جائیں گے؛ جنھیں حضور اقدس ﷺ دھکا دے کر بھگا دیں گے۔

بَابٌ لَا حِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ (ص۳۱۹)

محفوظ چراگاہ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے

۱۳۷۱ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا حِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَقَالَ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمَى النَّقِيْعَ وَاَنَّ عُمَرَ حَمَى الشَّرَفَ وَالرَّبَذَةَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: محفوظ چراگاہ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے (اور امام زہری نے کہا:) ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے نقیع کو رَمنہ بنایا (محفوظ شاہی چراگاہ) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرف اور ربذہ کو رمنہ بنایا۔

(کتاب الجہاد۔ باب: فضل من اسلم من اھل الکتابین ص ۴۲۳' ابوداؤد۔ کتاب الخراج' نسائی۔ کتاب الحمی' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۸۷-۷۱)

تکمیل

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابواء یا وداّن میں تھا کہ نبی ﷺ کا گزر ہوا؛ حضور سے ان لوگوں کے بارے میں سوال ہوا جو مشرک ہیں اور کہیں رات گزارتے ہیں اور ان کی عورتوں سے ہم بستری کریں جو اولاد پیدا ہوگی؛ اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: وہ انہیں سے ہیں۔

نقیع

مدینہ طیبہ سے دو دن کے فاصلہ پر بلاد مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ شرف؛ مدینہ کے ملحقات میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ربذہ؛ مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذات عرق کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ یہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مزار پاک ہے۔

حمی

رَمنہ؛ وہ چراگاہ جسے حکومت اپنے جانوروں کے چرنے کے لیے خاص کر دے۔

بلغنا

یعنی یہ حدیث بلاغات امام زہری سے ہے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے نقیع کو رمنہ بنایا' حالانکہ امام زہری نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے؛ ان کی ولادت تقریباً ۵۳ھ میں ہوئی ہے۔ انہوں نے بیچ کے اس راوی کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ خود صعب بن جثامہ ہیں اور مزید عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عبداللہ' جیسا کہ امام سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔

بَابُ الْقَطَائِعِ (ص۳۲۰)

جاگیروں کا بیان

۱۳۷۲ - عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطِعَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ حَتّٰى تُقْطِعَ لِإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ مِثْلَ الَّذِيْ تُقْطِعُ لَنَا قَالَ سَتَرَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ انصار کو بحرین جاگیر میں دے دیں۔ انصار نے عرض کیا کہ جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو جاگیر نہیں دیں گے (ہمیں قبول نہیں) فرمایا: تم لوگ عنقریب میرے بعد ترجیحی سلوک دیکھو گے اس وقت صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من البحرین ص۴۴۸' باب: کتابة القطائع ص۳۲۰' کتاب المناقب۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للانصار اصبروا ص۵۳۵' مسند امام احمد۔ ج۳ ص۱۱)

بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر یہ فرمایا تھا' مگر چونکہ اتنی گنجائش نہ تھی کہ مہاجرین کو بھی دیں' اس لیے نہ انصار کو کچھ دیا نہ مہاجرین کو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بحرین صلحاً فتح ہوا تھا اور جو ملک بہ طور صلح اس شرط پر فتح ہو کہ وہاں کے باشندوں کی املاک ان کی مِلک میں باقی رہیں گی' ایسی جگہوں کو کسی کو جاگیر میں دینا جائز نہیں۔ اس کا جواب بعض شارحین نے یہ دیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہاں جو غیر مسلم ذمی ہیں' ان کو تقسیم کر دیا جائے' ان کا جزیہ انصار کرام لیں۔

بحرین

جنوبی نجد کا ایک حصہ ہے' جسے آج کل لوگ الاحساء کے نام سے جانتے ہیں' یہاں کھجوریں بہ کثرت ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴۳- کِتَابٌ فِی الْاِسْتِقْرَاضِ وَاَدَاءِ الدُّیُوْنِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِیسِ (ص ۳۲۱)

قرض لینے‘ ادا کرنے‘ تصرفات سے روکنے اور دوالیہ قرار دینے کے بارے میں بیان

بَابُ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَائَهَا اَوْ اِتْلَافَهَا (ص ۳۲۱)

جس نے لوگوں کا مال لیا اور نیت یہ ہو کہ ادا کر دے گا یا ہضم کر جائے گا

۱۳۷۳- عَنْ اَبِی الْغَیْثِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے لوگوں کا مال لیا اور وہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اللہ اس کی طرف سے ادا کر دیتا ہے اور جو ہضم کرنے کے لیے لیتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس کو ادا کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

(ابن ماجہ۔ کتاب الصدقات‘ مسند امام احمد بن حنبل۔ ج ۲ ص ۳۶۱۔ ۴۱۷)

من اخذ

اس سے مراد صرف قرض نہیں‘ بلکہ ہر وہ حق ہے جو بندہ پر کسی وجہ سے واجب ہو‘ مثلاً خرید و فروخت کے ذریعہ۔

ادی اللّٰہ

یہ حسن نیت کی برکت کا بیان ہے اور بدنیتی کی نحوست کا کہ جو شخص انشراح صدر کے ساتھ ادا کرنا چاہے گا‘ اللہ عزوجل اس کی مدد فرمائے گا اور اسے قرض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا‘ تاکہ وہ آخرت کے مواخذہ سے بچ سکے اور جس کی نیت میں فتور ہوتا ہے‘ اسے اس توفیق سے محروم رکھتا ہے اور وہ قرض ادا نہ کرنے کے وبال میں گرفتار رہتا ہے۔ حضرت امام محمد بن باقر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ قرض لیا کرتے تھے۔ پوچھا گیا: کیوں بلا ضرورت قرض لیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ مقروض کے ساتھ رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے قرض کو ادا کر دے۔

بَابُ اَدَاءِ الدُّیُوْنِ

قرضوں کو ادا کرنا

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا○﴾ (النساء:۵۸) (ص۳۲۱)

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں ضرور سپرد کرو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تمہیں بہترین نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے○ (النساء:۵۸)

۱۳۷۴- ح: أَبْصَرَ أُحُدًا قَالَ مَا أُحِبُّ أَنَّهُ يُحَوَّلُ لِي ذَهَبًا

[احد کو دیکھا تو فرمایا: یہ میرے لیے سونے سے بدل دیا جائے تو مجھے یہ پسند نہیں]

۱۳۷۴- عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَبْصَرَ يَعْنِي أُحُدًا قَالَ مَا أُحِبُّ أَنَّهُ يُحَوَّلُ لِي ذَهَبًا يَمْكُثُ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا دِينَارٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْأَقَلُّونَ إِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَأَشَارَ أَبُو شِهَابٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ وَقَالَ مَكَانَكَ وَتَقَدَّمَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَهُ مَكَانَكَ حَتّٰى آتِيَكَ فَلَمَّا جَاءَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الَّذِي سَمِعْتُ أَوْ قَالَ الصَّوْتُ الَّذِي سَمِعْتُ قَالَ وَهَلْ سَمِعْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَمَنْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا قَالَ نَعَمْ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، جب حضور نے اسے یعنی اُحد کو دیکھا تو فرمایا: یہ میرے لیے سونے سے بدل دیا جائے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس ایک دینار تین دن سے زیادہ رہے، سوائے اس دینار کے جسے قرض ادا کرنے کے لیے بچا رکھوں، پھر فرمایا: زیادہ مال والے ہی زیادہ تنگ دست ہیں مگر جو مال ایسے دے ایسے دے۔ ابوشہاب نے اپنے سامنے اپنے دائیں اور اپنے بائیں اشارہ کیا، اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں۔ اور فرمایا: اپنی جگہ رہو اور حضور آگے بڑھے، اور کچھ دور نہیں گئے تھے، میں نے ایک آواز سنی، میں نے ارادہ کیا کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں، پھر میں نے حضور کے ارشاد کو یاد کیا کہ آپ نے فرمایا تھا: میرے آنے تک اپنی جگہ رہنا۔ جب حضور تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے کیا سنا تھا؟ یا وہ کیا آواز تھی جو میں نے سنی تھی؟ فرمایا: کیا تم نے سنی؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور بتایا: آپ کی اُمت میں سے جو اس حال میں مرے کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا: جو ایسا ایسا کرے اور جو ایسا ایسا کرے؟ فرمایا: ہاں!

(بخاری۔ کتاب الاستئذان۔ باب: من اجاب بلبیک وسعدیک ج۲۔ ص۹۲۷، کتاب الرقاق۔ المکثرون هم الاقلون ص۹۵۳، باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احب ان لی مثل احد ذهبا ص۹۵۴، کتاب التوحید۔ باب: کلام الرب مع جبریل ص۱۱۱۵، مسلم۔ کتاب الزکوۃ، ابن ماجہ۔ کتاب الزہد، مسند امام احمد بن حنبل)

قال بالمال

قول کبھی فعل عام کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس وقت یہ ہر فعل کی تعبیر بن سکتا ہے، اگرچہ وہ کلام نہ ہو، زبان سے نہ صادر ہوا ہو۔ ابوشہاب کا نام عبد ربہ ہے۔

تکمیل

کتاب الاستیذان وغیرہ میں یہ تفصیل ہے: زید بن وہب نے کہا کہ حضرت ابوذر نے ربذہ میں یہ حدیث بیان کی کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ حرہ مدینہ میں عشاء کے وقت چل رہا تھا کہ ہمارے سامنے اُحد آیا تو وہ فرمایا۔

غیر بعید

استیذان کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: تم اپنی جگہ سے نہ ٹلنا یہاں تک کہ میں واپس آؤں۔ حضور تشریف لے گئے یہاں تک کہ ہماری نظر سے غائب ہو گئے تو میں نے ایک آواز سنی اور ڈرا کہ کہیں حضور پہ کوئی افتاد نہ پڑی ہو۔ میں نے جانے کا ارادہ کیا' پھر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو یاد کیا کہ فرمایا تھا: ہٹنا مت۔

ومن فعل كذا

دوسری روایتوں میں یہ تشریح ہے کہ حضرت ابوذر نے یہ عرض کیا تھا: اگرچہ وہ زنا کرے' اگرچہ وہ چوری کرے' اگرچہ وہ زنا کرے' اگرچہ وہ چوری کرے' اگرچہ وہ زنا کرے۔

١٣٧٥- ح: لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا

[اگر میرے پاس احد کے برابر سونا ہوتا]

١٣٧٥- حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا يَسُرُّنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَّعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہوتو مجھے یہ خوش نہیں کرے گا کہ مجھ پر تین دن گزریں اور اس میں سے کچھ میرے پاس رہے مگر اتنا جسے قرض ادا کرنے کے لیے بچا رکھوں۔

(بخاری۔ باب: قول النبی ﷺ ما احب ان لی احد اذهبا۔ کتاب التمنی۔ باب: تمنی الخیر ص ١٠٧٣)

بَابٌ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالٌ (ص ٣٢٣)

حق والے کے لیے گفتگو کی گنجائش ہے

ت ٤٧٠- وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ.

اور نبی ﷺ سے یہ روایت ذکر کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: ذی استطاعت کا ٹالنا اس کی آبرو اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے۔

اس تعلیق کو ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ نے حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے۔

''لَيّ'' کے معنی ٹال مٹول' واجد سے مراد یہاں یہ ہے کہ وہ قرض ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو' حدیث کا مفہوم ظاہر ہے' جب قرض خواہ میعاد پر اپنا بقایا نہیں پائے گا تو جو چاہے گا بک دے گا۔ اس میں استطاعت ہوتے ہوئے فوراً قرض کی ادائگی کی ترغیب ہے اور ٹال مٹول سے ممانعت ہے۔

بَابٌ إِذَا وَجَدَ مَالَهُ عِنْدَ مُفْلِسٍ فِي الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ وَالْوَدِيعَةِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ (ص ٣٢٣)

جب اپنا مال مفلس کے پاس پائے تو وہ اس کا حق دار ہے خواہ یہ مال کا استحقاق بہ طور بیع ہو یا قرض ہو یا ودیعت ہو

توضیح باب

مفلس سے مراد وہ شخص ہے جس کے بارے میں حاکم نے فیصلہ کر دیا ہو کہ یہ مفلس ہے‘ جس کو ہمارے عرف میں دیوالیہ کہتے ہیں۔

فی البیع

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز کسی کے ہاتھ بیچی‘ مشتری نے ابھی قیمت نہیں دی تھی کہ وہ مفلس ہو گیا۔ اس کے بعد بائع نے مبیع مفلس کے پاس پائی تو بائع مبیع کا زیادہ مستحق ہے۔

والقرض

اس کی صورت یہ ہے: کسی نے کسی کو قرض دیا‘ پھر قرضدار مفلس ہو گیا‘ اس کے بعد قرض خواہ نے قرض دی ہوئی رقم کو مقروض کے پاس پایا‘ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اختلاف بھی ہے‘ جو عنقریب آ رہا ہے۔

والودیعة

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے کسی کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی‘ پھر امانت دار مفلس ہو گیا مگر اس کے پاس ودیعت موجود ہے تو بالاتفاق اس کا مستحق مُودِع ودیعت رکھنے والا ہے۔

ت ۴۷۱ - قَالَ الْحَسَنُ إِذَا أَفْلَسَ وَتَبَيَّنَ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ وَلَا بَيْعُهُ وَلَا شِرَاؤُهُ.

حسن بصری نے فرمایا: جب کوئی شخص مفلس ہو گیا اور شہرت بھی ہو گئی تو اس کا آزاد کرنا‘ ہبہ کرنا اور اس کو خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔

تَبَيَّنَ

”تَبَيَّنَ“ سے مراد ہے حاکم کے نزدیک اس کا مفلس ہونا ثابت ہو جائے اور وہ اس کا حکم دے دے۔

ت ۴۷۲ - وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَضَى عُثْمَانُ مَنِ اقْتَضَى مِنْ حَقِّهِ قَبْلَ أَنْ يُفْلِسَ فَهُوَ لَهُ وَمَنْ عَرَفَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ.

حضرت سعید بن میتب نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا اس شخص کے بارے میں جس نے مفلس ہونے سے پہلے اپنے حق کو وصول کر لیا‘ وہ اسی کا ہے اور جو اپنے سامان کو پہچانے‘ وہ اس کا حق دار ہے۔

اس تعلیق کو ابو عبید نے کتاب الاموال میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مفلس کے ذمہ لوگوں کا بقایا ہے اور اس کے پاس کچھ سامان ہے‘ جس کے بارے میں کوئی یہ کہتا ہے: یہ چیز میری ہے‘ اس کو بخوبی پہچانتا ہو تو وہ چیز اسی کی ہے‘ دوسرے قرض خواہ اس کو بالجبر نہیں لے سکتے۔

۱۳۷۶ - ح: مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

[جو بعینہ اپنے مال کو پائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے]

۱۳۷۶ - أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بْنِ هِشَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ اَوْ اِنْسَانٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ.

فرمایا' یا کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ نے فرمایا: جو بعینہ اپنے مال کو کسی شخص کے پاس پائے اور وہ مفلس ہو گیا تو وہ دوسرے کے بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔

اس حدیث میں مفلس سے وہ شخص مراد ہے جس کے اوپر اتنے قرض کا بار ہو جسے وہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو' جس کی وجہ سے حاکم اسلام نے اس پر یہ پابندی لگا دی ہو کہ وہ کاروبار نہیں کر سکتا۔ حضرت امام مالک' حضرت امام شافعی وغیرہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر حاکم نے کسی کے بارے میں مفلس ہونے کا حکم دے دیا' پھر کسی قرض خواہ نے اپنی کوئی چیز اس مفلس کے یہاں پائی اور اس چیز میں کوئی ایسا ردّ و بدل نہ ہوا ہو جس سے وہ چیز بدل گئی ہو' مثلاً چاندی تھی' اس کا زیور بنا لیا ہے تو قرض خواہ اس چیز کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستحق ہے' یعنی وہ چاہے تو اس چیز کو خود لے لے۔ دوسرے قرض داروں کو اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا' خواہ یہ چیز مفلس نے خریدی ہو یا غصب کی ہو یا اس کے یہاں ودیعت رہی ہو۔

ہمارے مذہب میں تفصیل ہے: اگر مفلس نے کوئی چیز خریدی تھی اور ابھی قیمت نہیں ادا کر پایا تھا کہ مفلس ہو گیا تو مبیع میں بائع اور دوسرے تمام قرض خواہوں کا حق برابر ہے۔ بائع دوسرے قرض خواہوں سے زیادہ حق دار نہیں۔ اور یہ اس حدیث کے تحت داخل ہی نہیں' اس لیے کہ حدیث میں یہ ہے کہ جو اپنا مال بعینہ مفلس کے پاس پائے' بیع کے بعد مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہو گئی۔ بیع کے بعد مبیع بائع کا مال ہی نہیں رہا' اس لیے یہ اس حدیث کے ضمن میں آتا ہی نہیں' اس حدیث سے مراد غصب سرقہ وغیرہ ہیں' جیسا کہ طبرانی نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کا کوئی سامان چوری ہو جائے یا ضائع ہو جائے پھر بعینہ اپنے سامان کو کسی شخص کے پاس پائے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے اور مشتری بائع سے قیمت وصول کرے۔

اور یہی مذہب ابراہیم نخعی' حسن بصری اور ایک روایت کے مطابق شعبی اور امام شافعی کے استاذ وکیع بن جراح اور عبداللہ بن شبرمہ قاضی کوفہ کا بھی ہے' بلکہ بہت سے لوگوں نے حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب بتایا ہے۔

اس مسئلہ پر بہت مفید معرکۃ الآراء علامہ بدرالدین عینی نے بحث فرمائی ہے' جس کا جی چاہے مطالعہ کر لے۔

اس حدیث کی سند کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تمام راوی اپنے اپنے زمانے میں مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔

بَابٌ اِذَا اَقْرَضَهُ اِلَى اَجَلٍ مُّسَمًّى اَوْ اَجَّلَهُ فِي الْبَيْعِ (ص ۳۲۳)

جب میعاد مقررہ تک کسی کو قرض دیا یا بیع میں میعاد مقرر کی

ت ۴۷۳ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي الْقَرْضِ اِلَى اَجَلٍ لَا بَاْسَ بِهِ وَاِنْ اُعْطِيَ اَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِ مَا لَمْ يَشْتَرِطْ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے میعاد مقررہ تک قرض کے بارے میں فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں' اگرچہ مقروض قرض خواہ کے دراہموں سے عمدہ دراہم دے' جب تک اس کی شرط نہ کرے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراہم سب ایک نوع کے ہیں' اگرچہ ان میں چاندی کی مقدار کم و بیش ہو' شرط کے بعد چونکہ سود کا شبہہ پیدا ہو جاتا ہے' اس لیے ممنوع ہے۔

ت ٤٧٤ - وَقَالَ عَطَاءٌ وَّعَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ هُوَ إِلٰى أَجَلِهِ فِي الْقَرْضِ.

امام عطاء اور امام عمرو بن دینار نے فرمایا: قرض دار قرض میں میعاد کا پابند ہے۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر فرمایا ہے۔ اس تعلیق کا مطلب یہ ہوا کہ قرض کے لیے جو میعاد مقرر کی گئی اس سے پہلے قرض خواہ کو مطالبہ کا حق نہیں یعنی قرض دار اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے پہلے ادا کرے۔

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ (ص ۳۲۴)

مال ضائع کرنے سے منع فرمایا گیا

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَO﴾ (البقرہ:۲۰۵) وَ﴿لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَO﴾ (یونس:۸۱) وَقَالَ فِيْ قَوْلِهِ ﴿أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيْ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰۤؤُا﴾ (ھود:۸۷) وَقَالَ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ أَمْوَالَكُمْ﴾ (النساء:۵) وَالْحَجْرِ فِيْ ذٰلِكَ وَمَا يُنْهٰى عَنِ الْخِدَاعِ.

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: اور اللہ فساد پسند نہیں فرماتاO اور اللہ فسادیوں کے کام نہیں بناتاO اور فرمایا: (قوم نے کہا:) کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی ہے کہ جسے ہمارے باپ دادا پوجتے ہیں اس کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں کریں اور فرمایا: احمقوں کو اپنا مال نہ دو اور اس بارے میں پابندی لگانے اور دھوکے دینے سے ممانعت کا بیان ہے۔

۱۳۷۷- ح: إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ

[بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام فرما دی]

۱۳۷۷- عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنَعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام فرمایا ماؤں کی نافرمانی اور بچیوں کو زندہ درگور کرنا اور مستحقین کو مال دینے سے روکنا اور ناحق مال حاصل کرنا اور تمہارے لیے ناپسند فرمایا قیل و قال اور سوال کی کثرت اور مال کا ضائع کرنا۔

(بخاری۔ کتاب الادب۔ باب: عقوق الوالدین ج ۲۔ ص ۸۸۴، کتاب الرقاق۔ باب: ما یکرہ من قیل وقال ص ۹۵۸، کتاب الاعصام۔ باب: ما یکرہ من کثرۃ السؤال ص ۱۰۸۲، مسلم۔ کتاب الاقضیۃ، دارمی۔ فی کتاب الرقاق، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۲۴۶)

العقوق

"العقوق" "تعلق ختم کرنا" یہاں معنی عام مراد ہے جو نافرمانی کو بھی شامل ہے اب اس کے دو فرد ہیں ایک بالکلیہ تعلقات منقطع کر لینا دوسرے یہ کہ کسی جائز حکم میں نافرمانی کرنا اگرچہ تعلقات باقی ہوں یہ دونوں چیزیں ماں باپ کے حق میں حرام ہیں صرف ماں کی تخصیص دو وجہ سے فرمائی اول یہ کہ ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں دوسرے یہ کہ عوام میں ماں کی نافرمانی اور ماں کے ساتھ گستاخی اور قطع تعلق بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے۔

منعا

یعنی جن لوگوں کے حقوق تم پر واجب ہوں ان کو کما حقہ ادا کرو ایسا نہ ہو کہ صاحب حق اپنے حق کا مطالبہ کرے تو منع کرو۔ "ھات" سے مراد یہ ہے کہ ناحق لوگوں سے مال وصول کرے۔ "قیل و قال" فعل ماضی کا صیغہ ہے ایک مجہول کا ایک معروف کا

جیسے بولتے ہیں: ''قیل کذا وقال کذا'' اسی سے ان کا قول ''الدنیا قیل و قال'' یہ دونوں مبنی علی الفتح ہیں، اصل کا لحاظ کرتے ہوئے۔ معرب بھی ہو سکتے ہیں، اسماء کے قائم مقام مان کر اسی وجہ سے اس پر کبھی کبھی ال تعریف کا بھی آتا ہے۔ ''لانصرف القال من القیل'' اور یہ دونوں مصدر بھی ہو سکتے ہیں، بہ اعتبار معنی کے یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے۔

کثرتِ سوال

ایسا بہت ہوا ہے کہ ایک چیز حلال ومباح تھی، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سوال کرنے کی وجہ سے اس کا حکم نازل کر دیا گیا۔ پہلے وسعت تھی، اب تنگی کر دی گئی ہے۔ یہ حکم عہد رسالت تک خاص تھا، اب جو لوگ نہیں جانتے ہیں انہیں ایمان وکفر حلال وحرام کے بارے میں سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں فرض یا واجب ہے۔

ہاں ایسے سوالات ممنوع ہیں، جن پر اعتقاد رکھنا یا عمل کرنا فرض یا واجب یا سنت نہیں، مثلاً حضرت آدم نے جنت میں سب سے پہلے کیا کھایا تھا؟ دنیا میں آئے تو سب سے پہلے کیا کھایا؟ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٤- [كِتَابٌ] فِي الْخُصُوْمَاتِ

مقدمات [(جھگڑوں)] کا بیان

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْأَشْخَاصِ وَالْخُصُوْمَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيِّ (ص ۳۲۴)

مجرم کو حاکم کے پاس لے جانے اور مسلمان یہودی کے جھگڑے میں جو ذکر کیا گیا ہے

۱۳۷۸- ح: سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً سَمِعْتُ خِلَافَهَا

[میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا (اور میں نے آپ ﷺ سے) اس کے خلاف سنا تھا]

۱۳۷۸- سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِلَافَهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَأَتَيْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ قَالَ شُعْبَةُ أَظُنُّهُ قَالَ لَا تَخْتَلِفُوْا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔

حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے نبی ﷺ سے اس کے خلاف سنا تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا، حضور نے فرمایا: تم دونوں نے صحیح پڑھا۔ شعبہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ آپس میں اختلاف نہ کرو، اس لیے کہ تم سے پہلے والوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہو گئے۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء، کتاب التفسیر۔ سورۂ بنی اسرائیل ص ۴۹۴، ج ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: اقرءو والقرآن ما أيتلفت ص ۷۵۷، مسند امام احمد ج ۱۷ ص ۴۱۲)

صحیح ابن حبان میں یہ روایت یوں مفصل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سورۂ رحمٰن پڑھائی تھی، میں مسجد میں گیا، کچھ لوگوں کے پاس بیٹھا اور میں نے ایک شخص سے کہا: قرآن شریف پڑھو، اس نے ایسی قراءت کی جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھائی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: تجھے کس نے پڑھایا ہے؟ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے۔ اب ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا۔ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا: تم سے پہلے کتاب اللہ میں اختلاف کی وجہ سے لوگ ہلاک ہو گئے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید مختلف وجوہ کے ساتھ نازل ہوا ہے، اُمت نے تتبع سے سات قراءت متواترہ معلوم کر لی ہیں۔ اس کے علاوہ مزید پانچ قراءت شاذہ بھی ہیں۔ قراءت متواترہ میں سے جو چاہے پڑھے، لیکن اس کا لحاظ کرے کہ قوم کے سامنے وہ قراءت نہ کرے جس سے لوگ نامانوس نہ ہوں۔

۱۳۷۹- ح: اِسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ

[دو شخص جن میں ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا (انہوں نے) ایک دوسرے کو برا بھلا کہا]

۱۳۷۹- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِيْنَ وَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْعَالَمِيْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَاَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَاَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُوْنِىْ عَلٰى مُوْسٰى فَاِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَاِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ جَانِبَ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِىْ اَكَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِىْ اَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: دو شخصوں نے جن میں ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا' ایک دوسرے کو برا بھلا کہا' مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم پر منتخب فرمایا! اور یہودی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام عالم پر منتخب فرمایا! اتنی بات پر مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے منہ پر تھپڑا مارا۔ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور سارا واقعہ سنایا' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلوایا اور اس سے پوچھا' مسلمان نے سارا واقعہ عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو' اس لیے کہ قیامت کے دن لوگوں پر غشی طاری ہو گی اور مجھ پر بھی ان کے ساتھ غشی طاری ہو گی' سب سے پہلے مجھے افاقہ ہو گا' اس وقت میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہیں' میں نہیں جانتا کہ آیا یہ بے ہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے انہیں ہوش آ گیا یا ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرما دیا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب: وفاۃ موسٰی ص ۴۸۴' کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی وان یونس لمن المرسلین آیۃ ۱۳۹ الصافات ص ۴۸۵' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ الزمر۔ باب: قولہ ونفخ فی الصور ص ۷۱۱' کتاب الرقاق۔ باب: نفخ الصور ص ۹۶۵' دوطریقے التوحید۔ باب: وکان عرشہ علی الماء ص ۱۱۰۴' مسلم۔ کتاب الفضائل' ابوداود۔ کتاب السنۃ' نسائی۔ کتاب النعوت' مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۶۴)

کتاب الانبیاء میں اس جھگڑے کی بنیاد یہ لکھی ہے کہ ایک یہودی اپنا کوئی سامان کسی کے ہاتھ بیچنا چاہتا تھا۔ مسلمان نے اس کی قیمت بہت کم لگائی جس پر اس یہودی نے کہا: ''لا والذی اصطفی موسٰی علی البشر'' اسے ایک انصاری نے سنا اور یہودی کو ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ عام روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسلمان نے قسم کھائی تھی' دونوں میں تنافی نہیں۔ ہو سکتا ہے مسلمان نے یہی کہا ہو کہ اس سامان کی یہی قیمت ہے' اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم میں منتخب فرمایا' اس کے جواب میں یہودی نے وہ کہا۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ مسلمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے' اگر یہ صحیح ہے تو واقعہ متعدد ماننا پڑے گا۔

مِمَّن استثنی اللّٰہ

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر:۶۸)

صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جو زمین پہ ہیں' مگر جسے اللہ چاہے پھر دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے دیکھتے ہوں گے ۝

کچھ لوگ ہوش و حواس میں رہیں گے۔ اب یہ کون لوگ ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ جبریل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ حاملین عرش ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ جنت اور دوزخ کے فرشتے اور جنت کی حوریں اور جہنم کے سانپ بچھو ہیں' کچھ لوگوں نے کہا: اس سے مراد شہداء ہیں' جو اپنی تلواریں حمائل کیے ہوئے عرش کے گرد رہیں گے' ان سب میں درحقیقت کوئی تنافی نہیں۔

ہو سکتا ہے یہ سبھی مستثنیٰ ہوں اور انہیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہوں' جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی ہے۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذرا واضح الفاظ میں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ بے ہوش بھی ہوئے یا کوہِ طور پر اپنی بے ہوشی کے عوض اس بے ہوشی سے محفوظ رہے۔

١٣٨٠- ح: جَآءَ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ ضَرَبَ وَجْهِيْ رَجُلٌ

[ایک یہودی آیا' اس نے کہا: ایک شخص نے مجھے تھپڑ مارا ہے]

١٣٨٠- عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ جَآءَ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ ضَرَبَ وَجْهِيْ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِكَ فَقَالَ مَنْ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اُدْعُوْهُ فَقَالَ اَضَرَبْتَهٗ فَقَالَ سَمِعْتُهٗ بِالسُّوْقِ يَحْلِفُ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْبَشَرِ قُلْتُ اَىْ خَبِيْثُ عَلٰى مُحَمَّدٍ فَاَخَذَتْنِىْ غَضْبَةٌ ضَرَبْتُ وَجْهَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰى اٰخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِيْ اَكَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ اَوْ حُوْسِبَ بِصَعْقَةِ الْاُوْلٰى

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور اس نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ کے صحابہ میں سے ایک شخص نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے' دریافت فرمایا: کون ہے؟ اس نے کہا: ایک انصاری شخص' فرمایا: اسے بلاؤ! (وہ حاضر ہوئے) تو دریافت فرمایا: کیا تو نے اس کو مارا ہے؟ تو ان صاحب نے عرض کیا کہ میں نے بازار میں اس کو یوں قسم کھاتے ہوئے سنا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام بشروں پر منتخب فرمایا! میں نے کہا: اے خبیث! حضرت محمد پر بھی؟ اس سے مجھے غصہ آیا اور میں نے اس کو تھپڑ مارا' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کے مابین ایک کو دوسرے پر فضیلت مت دو' اس لیے کہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے' پہلا وہ شخص جو قبر سے باہر نکلے گا' میں ہوں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایہ کو پکڑے ہوئے ہیں' میں نہیں جانتا کہ یہ بے ہوش بھی ہوئے یا پہلی بے ہوشی کے عوض محفوظ رہے۔

(بخاری- کتاب الانبیاء- باب: قول اللّٰه عزوجل وواعدنا موسى اربعين ليلة ص٤٨١' باب: وفاة موسٰى عليه السلام' ج٢- کتاب التفسیر الاعراف- باب: قوله ولما جاء موسٰى لميقاتنا ص٦٦٨' کتاب الدیات- باب: اذا لطم المسلم يهوديا ص١٠٢١' دو طریقے سے' التوحید- باب: وكان عرشه على الماء ص١١٠٣' ج٢- مسلم- کتاب الانبیاء- ص٢٦٧' ابوداؤد- کتاب السنة' مسند امام احمد- ج٣ ص٤٠- ٤١)

رجل من الانصار

حضرت عمرو بن دینار نے فرمایا: یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے' اس تقدیر پر انصار سے اس کا لغوی معنی مراد ہوگا۔

لا تخیرونی علی موسٰی

"ای لا تفضلونی" یعنی مجھے حضرت موسیٰ پہ فضیلت مت دو۔ حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے: "لا تخیروا بین الانبیاء" یعنی انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ حالانکہ خود قرآن کریم میں فرمایا گیا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ:۲۵۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا' ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے درجوں بلند کیا۔

لامحالہ علماء نے حدیث کے ان ارشادات کی مختلف توجیہات کی ہیں' ان میں سب سے موزوں جواب یہ ہے: انبیاء کرام کی ایک کی دوسرے پر فضیلت قیاس سے نہیں جانی جا سکتی' بلکہ اس کا دارومدار اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے بتانے پر ہے' چونکہ اس وقت تک اللہ عزوجل یا حضور اقدس ﷺ نے اپنی فضیلت مطلقہ یا انبیاء کرام کے مابین تفضیل کے مدارج بیان نہیں فرمائے تھے ان صحابی نے جو کچھ فرمایا تھا' اپنے قیاس سے فرمایا تھا' اس سے منع فرمایا کہ اپنے قیاس سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ جب اس بارے میں تم کو کوئی تفصیل بتا دی جائے تو اس وقت اس کے مطابق اعتقاد رکھو' جیسا کہ خود سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انا سیّد ولد اٰدم ولا فخر" وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ بر سبیل تواضع فرمایا۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نفس نبوت میں تفضیل سے ممانعت ہے۔ چوتھا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس طرح تفضیل سے ممانعت ہے کہ دوسرے نبی کی تحقیر لازم آئے۔

فان الناس یصعقون

صعق کے معنی بے ہوش ہونے کے ہیں' کبھی کبھی یہ موت کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ علامہ نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا: "الصعق والصعقۃ الھلاك والموت" صراح میں ہے: "قولہ تعالٰی: فصعق من فی السمٰوٰت والارض (ای مات)" حدیث میں "یصعقون" کے معنی عام ہیں جو بے ہوشی اور موت دونوں کو شامل ہیں' جیسا کہ آیت کریمہ:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ. (الزمر:۶۸) جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین میں جتنے لوگ ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔

اس آیت میں صعق اپنے معنی عام میں وارد ہے' اس لیے کہ نفخ اولیٰ کے بعد جو لوگ زندہ موجود ہوں گے' جن پر ایک آن کے لیے بھی موت طاری نہیں ہوئی ہے' وہ سب مر جائیں گے اور وہ لوگ جن پر موت طاری ہوئی اور پھر وہ زندہ کر دیے گئے جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کہ وعدۂ الٰہی کے تکمیل کے لیے ایک آن کے لیے ان پر موت طاری ہوئی' مگر پھر انہیں اسی آن میں حقیقی جسمانی دنیوی حیات عطا کر دی گئی' جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق. اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا' تو اللہ کا نبی زندہ ہے' اسے روزی دی جاتی ہے۔

(ابن ماجہ الجنائز۔ باب: ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ ص۱۱۹)

یہ حضرات صرف بے ہوش ہوں گے' رہ گئے وہ لوگ جو مرنے کے بعد دفن کیے جا چکے ہیں ان پر نفخۂ اولیٰ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

فائدہ

قیامت کے دن دو نفخے ہوں گے یعنی دو بار صور پھونکا جائے گا' نفخۂ اولیٰ کے اثر سے سارا عالم ماسوی اللہ فنا ہو جائے گا سوائے مخصوص طبقہ کے' پھر چالیس دن کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس کے اثر سے سب لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے' جیسا کہ فرمایا گیا:

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ O (الزمر:٦٨) پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ لوگ کھڑے دیکھتے رہیں گے O

أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ

اس حدیث میں اوّل بہ معنی حقیقی ہے' یعنی قیامت کے دن ساری کائنات سے پہلے حضور اقدس ﷺ ہی قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے' حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بھی پہلے۔ افاقہ کے بعد حضرت موسیٰ کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے دیکھنا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔ اس کا امکان ہے کہ افاقہ اور حضرت موسیٰ کے ملاحظہ کے زمانہ کے مابین کچھ وقفہ ہو۔

اس حدیث میں اوّل حقیقی مراد ہونا اس لیے متعین ہے کہ معنی حقیقی سے پھیرنے والا کوئی قرینہ نہیں۔ نیز یہ کہ یہاں حضور اقدس ﷺ اپنی خصوصیت خاصہ بیان فرما رہے ہیں' جس پر حدیث کا سیاق دلیل ہے اور یہ وصف خصائص میں سے اسی وقت ہوگا جب کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو۔ اس کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ فرمایا:

واول من ينشق عنه القبر واول شافع واول مشفع. میں سب سے پہلے ہوں جو لوگ قبروں سے نکلیں گے اور میں سب سے پہلا شافع ہوں اور سب سے پہلے مشفع ہوں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اوّل شافع اور اوّل مشفع میں اوّلیت حقیقی ہے۔ یہ اس کی مؤید ہے کہ ''اول من تنشق'' میں بھی اوّلیت حقیقی ہو تا کہ کلام کا تناسب برقرار رہے۔

حوسب

یعنی کوہ طور پر رؤیت باری کے بعد جو حضرت موسیٰ پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی' اس کے عوض نفخۂ اولیٰ کے بعد کی بے ہوشی سے محفوظ رہے۔

اس یہودی کو صحابی نے تھپڑ مارا تھا اور وہ معاہد اور ذمی تھا' جیسا کہ خود بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ اس نے یہ عرض کیا کہ میں معاہد اور ذمی ہوں' تو چاہیے تھا کہ حضور اقدس ﷺ اسے قصاص دلاتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن بطال نے کہا کہ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مسلم اور ذمی کے درمیان قصاص نہیں' توضیح میں یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ ہمارے نزدیک تفصیل ہے' گھونسا اور چپت وغیرہ میں قصاص نہیں جب تک کہ زخم نہ ہو۔ جب کسی چوٹ سے زخم ہو جائے تو اس میں قصاص یا دیت (مالی تاوان) واجب ہے۔

بَابُ مَنْ رَدَّ أَمْرَ السَّفِيهِ وَالضَّعِيفِ الْعَقْلِ جس نے بیوقوف اور کمزور عقل کے معاملہ کو ردّ

وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ حَجَرَ عَلَيْهِ الْإِمَامُ (ص ٣٢٥)

ت ٤٧٥ - وَقَالَ مَالِكٌ إِذَا كَانَ لِرَجُلٍ عَلٰى رَجُلٍ مَّالٌ وَّلَهٗ عَبْدٌ لَّا شَيْءَ لَهٗ غَيْرُهٗ فَاَعْتَقَهٗ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهٗ.

کر دیا' اگرچہ امام نے اس پر پابندی نہ لگائی ہو

امام مالک نے کہا: جب کسی شخص کا کسی شخص پر مال ہو اور اس کے پاس ایک غلام کے علاوہ کچھ اور نہ ہو اور وہ غلام کو آزاد کرے تو اس کا آزاد کرنا درست نہیں۔

امام مالک کا یہ ارشاد ان کے موطا میں مذکور ہے۔ سفیہ اور ضعیف العقل بعض علماء کے نزدیک از خود مجور ہیں' اگرچہ حاکم نے ان کے مجور ہونے کا حکم نہ دیا ہو۔ اور کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ حاکم کے حکم کے بعد مجور ہوگا' ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک کم عقلی کی وجہ سے حجر جائز نہیں' البتہ صاحبین نے فرمایا کہ ایسے تصرفات میں حجر درست ہے' جو ہزل کے ساتھ صحیح نہیں' جیسے بیع وغیرہ اور جو تصرفات ہزل کے ساتھ درست ہیں' جیسے طلاق وغیرہ ان میں حجر صحیح نہیں۔

بَابُ كَلَامِ الْخُصُوْمِ بَعْضِهِمْ فِيْ بَعْضٍ (ص ٣٢٦)

مدعی' مدعیٰ علیہ کا آپس میں بات کرنا

١٣٨١- ح: يَقْرَأُ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأَهَا

[کسی اور طریقے سے پڑھتے ہوئے (سنا) جیسے میں پڑھتا تھا]

١٣٨١ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَؤُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَاَنِيْهَا وَكِدْتُّ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَمْهَلْتُهٗ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَاْتَنِيْهَا فَقَالَ لِيْ اَرْسِلْهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ اقْرَأْ فَقَرَأَ فَقَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيَ اقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان اس کے علاوہ اور طریقے سے پڑھتے ہوئے سنا' جیسے میں پڑھتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا تھا۔ قریب تھا کہ میں جلدی کر بیٹھتا مگر میں نے ان کو مہلت دے دی' حتیٰ کہ وہ فارغ ہوگئے' پھر میں نے ان کی چادر پکڑ کر کھینچا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آیا اور میں نے عرض کیا: حضور! آپ نے جیسے مجھے قرآن پڑھایا تھا اس کے علاوہ اور طریقہ سے یہ پڑھ رہا ہے' تو حضور نے مجھے فرمایا کہ اسے چھوڑ دے! پھر اس سے فرمایا: پڑھ! تو اس نے پڑھا' فرمایا: اسی طرح سورۃ نازل کی گئی ہے' پھر مجھ سے فرمایا تو میں نے پڑھا' فرمایا: اس طرح بھی نازل کی گئی ہے' بے شک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے' اس میں سے جو تمہیں آسان ہو' پڑھو۔

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: انزل القرآن علی سبعة احرف ج ٢۔ ص ٧٤٧' باب: من لم یر باسا ان یقول سورۃ البقرہ ص ٧٥٣' کتاب الاستتابۃ المعاندین۔ باب: ما جاء فی المتاولین ص ١٠٢٥' کتاب التوحید۔ باب: فاقرأوا ما تیسر من القرآن ص ١١٢٩' مسلم۔ کتاب المسافرین' ابوداؤد۔ کتاب الوتر' ترمذی۔ قرآن' نسائی۔ افتتاح' موطا۔ قرآن' مسند امام احمد۔ ج ١ ص ٣٤)

فضائل القرآن کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ ہشام بن حکیم نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے' حضرت عمر نے فرمایا: مجھے اتنا غصہ آیا کہ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان سے لڑ پڑتا' لیکن میں نے صبر کیا یہاں تک کہ جب سلام پھیر چکے تو میں ان کی چادر پکڑ کر انہیں حضور کی خدمت میں لے گیا۔

علی سبعة احرف...... [قرآن کے سات حرفوں پر نازل ہونے سے مراد]

اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں علماء کے مابین شدید اختلاف ہے' علامہ بدرالدین محمود عینی نے اس بارے میں دس مذہب گنائے ہیں۔

اوّل: اس سے قراءت سبعہ مراد ہے' اس خادم کا رجحان یہی ہے' البتہ اس پر ایک اشکال ہے: قرآن ایک بار نازل ہوا ہے اور اس کی کوئی تشریح نہیں ملتی کہ جبریل امین ساتوں قراءت عرض کرتے تھے۔ اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ نازل تو ایک ہی قراءت ہوئی' لیکن ہر سال رمضان المبارک میں دورۂ قرآن کے وقت جبریل امین نے بقیہ قراءتیں پیش کی ہوں گی۔

اقول وهو المستعان: جس طرح اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ نزول قرآن کے وقت جبریل امین ساتوں قراءتیں پیش فرماتے تھے' اسی طرح اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ دور کے وقت بقیہ قراءتیں پیش کی ہیں' بلکہ ''انزل علی سبعة احرف'' سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ جبریل امین ساتوں قراءتیں نزول کے وقت عرض کرتے تھے۔

دور کے وقت قرآن کا نزول نہیں ہوتا تھا بلکہ ''ما انزل'' کا عرض ہوتا تھا۔

ثانی: اس سے مراد لغات ہیں' زبان عرب کا ماہر جانتا ہے کہ عرب کے قبائل میں لغات کا کتنا اختلاف ہے' حتیٰ کہ خود قریش کے مابین بھی' مراد یہ ہے کہ عرب کی سات سب سے زیادہ فصیح لغات میں قرآن نازل ہوا ہے' کچھ لوگوں نے اسے قریش کے ساتھ خاص کیا ہے' یعنی قریش کی سات لغات میں کچھ لوگوں نے توسیع دے کر اسے مضر کے ساتھ خاص کیا ہے۔

ثالث: اس سے مراد ادائیگی کے سات طریقے ہیں' مثلاً: امالہ' فتح' ترقیق' تفخیم' تہمیز' تسہیل' ادغام' اظہار' لیکن یہ خود آٹھ ہو گئے' ابھی اس میں مد اور غنہ کا اضافہ باقی ہے اور تقریباً یہی حال بقیہ مذاہب کا بھی ہے' اس لیے ہم اس کو ذکر نہیں کرتے' بلکہ علامہ قرطبی نے پینتیس توجیہیں نقل کی ہیں لیکن سوا ہماری ذکر کردہ دو توجیہات کے کوئی توجیہ میرے نزدیک وجیہ نہیں۔

بَابُ اِخْرَاجِ اَهْلِ الْمَعَاصِيْ وَالْخُصُوْمِ مِنَ الْبُيُوْتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ
اہل معاصی اور خصوم کو پہچاننے کے بعد گھروں سے نکال دینا

ت٤٧٦- وَقَدْ اَخْرَجَ عُمَرُ اُخْتَ اَبِيْ بَكْرٍ حِيْنَ نَاحَتْ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی بہن کو گھر سے نکال دیا' جب انہوں نے نوحہ کیا۔

اس تعلیق کو ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نوحہ کی مجلس قائم کی' حضرت عمر نے انہیں منع کیا' مگر وہ نہیں مانیں۔ اس پر ہشام بن ولید سے کہا کہ ابوقحافہ کی بیٹی ام فروہ کے پاس جاؤ' وہ گئے اور انہوں نے اسے چند درّے لگائے' اس پر تمام نوحہ کرنے والیاں منتشر ہو گئیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٥- كِتَابٌ [فِي] اللُّقْطَةِ

گم شدہ چیز کا بیان

بَابٌ إِذَا أَخْبَرَهُ رَبُّ اللُّقَطَةِ بِالْعَلَامَةِ دَفَعَ إِلَيْهِ (ص ٣٢٧)

جب لقطہ (گم شدہ چیز) کا مالک علامت بتادے تو وہ چیز اسے دے دے

١٣٨٢- ح: أَخَذْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ

[میں نے ایک تھیلی لے لی تھی جس میں سو دینار تھے]

١٣٨٢- سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ لَقِيْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ أَخَذْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةَ دِيْنَارٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ ثُمَّ أَتَيْتُهُ ثَلَاثًا فَقَالَ احْفَظْ وِعَاءَهَا وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا فَاسْتَمْتَعْتُ فَلَقِيْتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ فَقَالَ لَا أَدْرِي ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلًا وَاحِدًا۔ (بخاری۔ باب: ھل یاخذ اللقطہ ص ٣٢٩، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب لقطہ، ترمذی۔ کتاب الاحکام، نسائی۔ کتاب القطہ، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام، مسند احمد بن حنبل۔ ج ٥ ص ١٢٦)

سوید بن غفلہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا: میں نے ایک تھیلی لے لی تھی جس میں سو دینار تھے۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کی ایک سال تک تشہیر کر، میں نے کی، لیکن اس کا جاننے والا مجھے کوئی نہیں ملا، پھر میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا: سال بھر اور تشہیر کر، میں نے کی، پھر نہیں پایا، اب تیسری بار خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو فرمایا: اس کا برتن، اس کا عدد، اور اس کی بندش محفوظ رکھ، اب اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے دو، ورنہ اسے اپنے کام میں لاؤ۔ میں نے اس کو خرچ کر دیا۔ (شعبہ نے کہا:) میں نے اس کے بعد مکہ میں سلمہ سے ملاقات کی تو سلمہ نے کہا: میں نہیں جانتا تین سال یا ایک سال۔

سوید بن غفلہ نے کہا: میں سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا تو میں نے ایک کوڑا پایا، ان دونوں نے مجھ سے کہا: اسے پھینک دے، میں نے کہا: نہیں پھینکوں گا، لیکن اگر اس کا مالک مل جائے گا تو اسے دے دوں گا، ورنہ میں خود اس سے نفع حاصل کروں گا۔ جب ہم غزوہ سے لوٹے تو حج کے ارادے سے چلے اور مدینہ سے گزرے تو میں نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا تو انہوں نے یہ پوری حدیث بیان کی۔

عَرِّفْهَا حَوْلًا

لقطے کی سال بھر تک تشہیر کی جائے گی' اگر سال پورا ہونے پر اس کا مالک نہیں آیا تو جس نے اسے پایا ہے وہ اس کو صدقہ کر سکتا ہے اور اگر خود فقیر ہے تو اپنے صرف میں بھی لا سکتا ہے' لیکن اگر اس کے بعد اس کا مالک آئے گا تو اسے تاوان دینا ہوگا۔ ایک سال سے زائد تشہیر کرنا واجب نہیں' اس حدیث میں خود راوی سے شک ہوا ہے جیسا کہ بعد میں مذکور ہے کہ سلمہ نے کہا: مجھے یاد نہیں کہ تین سال کہا تھا کہ ایک سال۔ ابھی اس کے بعد زید بن خالد جہنی کی حدیث آرہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''عَرِّفْهَا سَنَةً'' فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تشہیر صرف ایک سال تک ہے۔

بَابُ ضَالَّةِ الْإِبِلِ (ص ۳۲۷)

گم شدہ اونٹ کا بیان

۱۳۸۳- ح: اَعْرَابِيٌّ فَسَالَهُ عَمَّا يَلْتَقِطُهُ

[آپ (ﷺ) سے ایک اعرابی نے پڑی ہوئی چیز کے متعلق دریافت کیا]

۱۳۸۳ - حَدَّثَنِي يَزِيْدُ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَالَهُ عَمَّا يَلْتَقِطُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا فَإِنْ جَاءَ اَحَدٌ يُّخْبِرُكَ بِهَا وَإِلَّا فَاسْتَنْفِقْهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ فَقَالَ ضَالَّةُ الْإِبِلِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پڑی ہوئی چیز کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: ایک سال تک اس کی تشہیر کرا اور اس کی تھیلی اور اس کی بندش کو مشہور کر' اب اگر تیرے پاس کوئی آئے اور اس کے بارے میں تجھے خبر دے فبہا' ورنہ اسے خرچ کر دے۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے' پھر اس نے پوچھا: گم شدہ اونٹ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ اس پر نبی ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا: تمہیں اس سے اور اسے تم سے کیا مطلب' اس کے ساتھ اس کا توشہ دان اور اس کی مشک ہے' پانی پر جائے گا درخت کھائے گا۔

(بخاری۔ باب: ضالة الغنم ص ۳۲۷' باب: اذا لم يوجد صاحب اللقطة ص ۳۲۸' باب: اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ص ۳۲۹' باب: من عرف اللقطة ص ۳۲۹' کتاب العلم۔ باب: الغضب في الموعظة ص ۱۹' کتاب المساقاة۔ باب: شرب الناس والدواب من الانهار ص ۳۱۹' کتاب الطلاق۔ باب: حكم المفقود في اهله وماله ص ۷۹۷' کتاب الادب۔ باب: ما يجوز من الغضب والشدة ص ۹۰۳' مسلم' ابوداؤد' کتاب اللقطہ' ترمذی۔ کتاب الاحکام' ابن ماجہ۔ کتاب اللقطہ' موطا۔ کتاب الاقضیہ' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۱۶)

[گم شدہ کری پڑی چیز کو اٹھانے کے احکام]

کہیں پر کوئی پڑی ہوئی چیز ملی' اگر اس کو یہ اطمینان ہے کہ میں اس کے مالک کو تلاش کر کے دے دوں گا تو اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ شاید میں خود ہی رکھ لوں اور مالک کو تلاش نہ کروں تو بہتر یہ ہے کہ نہ اٹھائے' اور اگر یہ ظن غالب ہو کہ مالک کو نہ دوں گا تو اٹھانا ناجائز' اور اس نیت سے اٹھانا کہ خود ہی رکھ لوں گا حرام ہے اور یہ بمنزلہ غصب ہے' اور اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر نہ

اُٹھاؤں گا تو یہ چیز ضائع اور ہلاک ہو جائے گی تو ضرور اُٹھالینی چاہیے۔ ہر قسم کی پڑی ہوئی چیز کا اُٹھانا جائز ہے' مثلاً سامان' روپیہ پیسہ' جانور حتیٰ کہ اس زمانہ میں اونٹ کو بھی اس لیے کہ اب زمانہ ایسا ہے کہ اگر اونٹ کو چھوڑ دیا جائے گا تو کوئی نہ کوئی لے جائے گا اور ہضم کر جائے گا۔ لُقطہ مُلتقط (اٹھانے والا) کے ہاتھ میں امانت ہے' اگر ضائع ہو جائے تو تاوان نہیں' بشرطیکہ اُٹھانے والا اُٹھاتے وقت کسی کو گواہ بنالے' اگر چہ اسی حد تک کہ لوگوں سے کہہ دے کہ اگر کوئی شخص اپنی گمی ہوئی چیز تلاش کرتا ہوا آئے تو میرے پاس بھیج دینا۔ اور اگر گواہ نہ کیا تو تلف ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا' مگر جب کہ وہاں کوئی نہ ہو یا اتنا موقع نہیں ملا کہ گواہ بناتا یا یہ ڈر ہو کہ گواہ بناؤں گا تو ظالم چھین لیں گے تو تاوان نہیں۔ مُلتقط پر تشہیر لازم ہے' یعنی بازاروں' شارع عام اور مساجد میں اتنے زمانہ تک اعلان کرائے کہ ظن غالب ہو جائے کہ مالک اب تلاش نہ کرتا ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کی کوئی میعاد مقرر نہیں اور حدیث میں سال کی قید اس عہد کے لحاظ سے تھی جتنے دنوں میں مُلتقط کو اس کا ظن غالب ہو جائے' کافی ہے۔ اس ظن غالب کے بعد ملتقط کو اختیار ہے کہ لُقطہ کو بحفاظت تمام رکھے یا کسی مسکین پر تصدق کر دے بلکہ اگر خود فقیر ہے تو اپنے صرف میں لائے۔ تصدق کے بعد اگر مالک آ گیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو نافذ کر دے چاہے تو نافذ نہ کرے' اور اگر نافذ نہیں کیا اور وہ چیز موجود ہے تو اسے لے لے اور اگر ہلاک ہو گئی ہے تو تاوان لے سکتا ہے۔

مَالَكَ وَلَهَا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گم شدہ اونٹ کہیں ملے تو اس کو پکڑا نہ جائے' چھوڑ دیا جائے۔ علت یہ بیان فرمائی کہ یہ چلنے پھرنے پر قادر ہے' اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں' وہ گھوم گھما کر اپنے مالک کے پاس آ جائے گا' لیکن اب جب کہ چور اتنے شاطر ہو چکے ہیں کہ موٹر تک غائب کر دیتے ہیں تو اونٹ کا محفوظ رہ جانا اور مالک تک پہنچنا بہت مشکل ہے' اس لیے گمشدہ اونٹ کو بھی پکڑا جا سکتا ہے۔

بَابٌ كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ اَهْلِ مَكَّةَ (ص ٣٢٨)

اہل مکہ کے لقطہ کی تشہیر کیسے ہونی چاہیے؟

١٣٨٤- ح: لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ مَكَّةَ قَامَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ

[جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح فرما دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے]

١٣٨٤- حَدَّثَنِي اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنِي اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْقَتْلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهٗ وَالْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ كَانَ قَبْلِيْ وَاِنَّهَا اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّاِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ وَّمَنْ قُتِلَ لَهٗ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِمَّا اَنْ يُّفْدٰى وَاِمَّا اَنْ يُّقِيْدَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ کو فتح فرما دیا تو حضور خطبہ دینے کے لیے لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے' اللہ کی حمد وثناء کی' پھر فرمایا: اللہ نے مکہ سے قتل کو روکا اور اس پر اپنے رسول اور مومنین کو قبضہ دیا' مکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی ہرگز حلال نہیں ہوا تھا اور یہ میرے لیے دن میں تھوڑی دیر کے لیے حلال کیا گیا اور میرے بعد بھی کسی کے لیے ہرگز حلال نہ ہوگا' اس کے شکار کو بھڑ کایا نہ جائے' خار دار درختوں کو صاف نہ کیا جائے اور اس کی پڑی ہوئی چیز کو نہ اُٹھایا جائے' مگر وہ جو مالک کو تلاش کرنے کا ارادہ رکھے اور جس کا کوئی آدمی قتل کیا

فَقَالَ الْعَبَّاسُ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَقَامَ اَبُوْ شَاهٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبُوْا لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ قُلْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ مَا قَوْلُهُ اكْتُبُوْا لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الَّتِيْ سَمِعَهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

جائے' اس کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے' یا تو فدیہ لے یا قصاص۔ اس پر حضرت عباس نے کہا: مگر اذخر' اس لیے کہ ہم اسے اپنی قبروں اور گھروں کے لیے استعمال کرتے ہیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مگر اذخر۔ یمن کے ایک صاحب ابوشاہ نامی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اسے میرے لیے لکھوا دیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوشاہ کے لیے لکھ دو! (ولید بن سلمہ) نے کہا: میں نے اوزاعی سے پوچھا: ''اکتبوا لی یا رسول اللہ'' کا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا: وہ خطبہ جس کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

(بخاری۔ باب: كتابة العلم ج ۲ ص ۲۲' کتاب الدیات۔ باب: من قتل له قتيل فهو بخير النظرين ص ۱۰۱۶' مسلم۔ کتاب الحج' ابوداؤد۔ کتاب المناسک' کتاب العلم۔ کتاب العلم۔ کتاب الدیات' ترمذی۔ کتاب الدیات' نسائی۔ کتاب العلم' ابن ماجہ۔ کتاب الدیات' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۳۸)

کتاب العلم اور کتاب الدیات میں یہ زائد ہے کہ فتح مکہ کے سال بنی خزاعہ نے اپنے ایک مقتول کے عوض بنی لیث کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا' جب اس کی نبی ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور (مذکورہ بالا) خطبہ دیا۔

کتاب العلم کی روایت میں یہ تردید ہے: ''حبس عن مكة القتل او الفيل'' اور کچھ روایتوں میں صرف الفیل ہے اور یہاں کتاب اللقطہ میں صرف القتل ہے' مگر دوسرا نسخہ اس جگہ کا الفیل ہے' ظاہر ہے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

فهو بخير النظرين

یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ وہ ان دونوں باتوں میں سے جس کو بہتر سمجھیں اختیار کر لیں' دیت یا قصاص۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ قتل عمد میں ان دو باتوں میں سے ایک واجب ہے' قصاص یا دیت۔ قاتل دیت دینے پر راضی ہو یا نہ ہو۔ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد میں واجب صرف قصاص ہے۔ قرآن میں فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى. (البقرۃ: ۱۷۸) قتل میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

نیز حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[1] کہ ان کی پھوپھی نے ایک بچی کو اس زور کا تھپڑ مارا کہ بچی کا دانت ٹوٹ گیا' ان کے گھر والوں نے ارش (مالی تاوان) پیش کیا تو بچی کے اولیاء راضی نہ ہوئے۔ انہوں نے معافی مانگی تو معاف بھی نہیں کیا اور معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے قصاص کا حکم دیا۔ اب انس بن نضر آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اب بچی کے اولیاء نے معاف کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قتل عمد اور زخم عمد کی سزا صرف قصاص ہے۔ اگر سزا قصاص اور دیت کے درمیان دائر ہوتی تو جب

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۱۰۱۸۔ کتاب الدیات۔ باب: السن بالسن

لوگ ارش دے رہے تھے تو حضور فریق ثانی کو مجبور کرتے، مگر ان لوگوں کے ارش دینے پر رضا کے باوجود یہ فرمایا کہ کتاب اللہ سے قصاص واجب ہے۔ یہ دلیل ہے کہ واجب صرف قصاص ہے۔ اولیائے مقتول کو اختیار نہیں چاہیں تو دیت لیں چاہیں تو قصاص لیں۔ یہ ارشاد اصل میں صلح کی طرف رہنمائی ہے کہ قاتل اگر دیت دینے پر راضی ہے تو اولیاء کو غور کرنا چاہیے کہ قصاص میں بہتری ہے یا دیت میں، جو انہیں اپنے حق میں بہتر معلوم ہوا سے اختیار کرلیں۔

بَابٌ لَّا يُحْلَبُ مَاشِيَةُ اَحَدٍ بِغَيْرِ اِذْنٍ (ص۳۲۹)

کسی کا مویشی اس کی بلا اجازت کوئی نہ دوھے

۱۳۸۵- عَنْ نَّافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَّاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تُؤْتٰى مَشْرُبَتُهٗ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهٗ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهٗ فَاِنَّمَا تُخْزَنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ اَطْعِمَاتِهِمْ فَلَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَّاشِيَةَ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

(مسلم۔ کتاب القضاء، ابوداود۔ کتاب الجہاد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی کسی کا مویشی اس کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ دوھے، کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ کوئی تمہارے بالاخانے پر آ کر خزانہ توڑ کر تمہاری غذا اُٹھا لے جائے، مویشیوں کے تھن مالکوں کے کھانے کے خزانے ہیں، اس لیے اجازت کے بغیر کسی کا مویشی کوئی ہرگز نہ دوھے۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ کسی مسلمان کا معمولی مال بھی اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں۔ اس بارے میں صریح احادیث وارد ہیں۔ اور جو بعض روایتوں سے دودھ کا جواز متبادر ہوتا ہے، وہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اور وہ اس وقت کے اہل عرب کی عادت اور تعامل کی بناء پر تھا۔

بَابٌ (ص۳۲۹)

باب

۱۳۸۶- ح: عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ انْطَلَقْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَاعِيْ غَنَمٍ

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں چلا تو میں نے بکری کے ایک چرواہے کو دیکھا]

۱۳۸۶- عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ انْطَلَقْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَاعِيْ غَنَمٍ يَسُوْقُ غَنَمَهٗ فَقُلْتُ مِمَّنْ اَنْتَ قَالَ لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ فَسَمَّاهُ فَعَرَفْتُهٗ فَقُلْتُ هَلْ فِيْ غَنَمِكَ مِنْ لَّبَنٍ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ هَلْ اَنْتَ حَالِبٌ لِّيْ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرْتُهٗ فَاعْتَقَلَ شَاةً مِّنْ غَنَمِهٖ ثُمَّ اَمَرْتُهٗ اَنْ يَّنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ ثُمَّ اَمَرْتُهٗ اَنْ يَّنْفُضَ كَفَّيْهِ فَقَالَ هٰكَذَا ضَرَبَ اِحْدٰى كَفَّيْهِ بِالْاُخْرٰى فَحَلَبَ كُثْبَةً مِّنْ لَّبَنٍ وَّقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدَاوَةً عَلٰى فِيْهَا خِرْقَةٌ

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ہجرت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں چلا تو ایک بکری کے چرواہے کو دیکھا کہ بکری ہانکے لیے جارہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: تو کس قبیلہ کا ہے؟ تو اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا تو میں نے اسے پہچان لیا، پھر میں نے پوچھا: کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں ہے، میں نے کہا: تو میرے لیے دودھ دوھے گا؟ اس نے کہا: ضرور! اب میں نے اس کو حکم دیا تو اس نے ایک بکری کی ٹانگیں رسّی سے باندھیں، پھر میں نے اس سے کہا کہ بکری کے تھن کو غبار سے جھاڑ لے، پھر میں نے کہا: اپنی ہتھیلیوں

فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ اَسْفَلُهٗ فَانْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيْتُ.

کو بھی جھاڑ لے تو اس نے اس طرح ایک ہتھیلی کو دوسری پر مارا اور ایک پیالہ دودھ دوہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چمڑے کا برتن خاص کر لیا تھا اور اس کے منہ پر کپڑا رکھ لیا تھا' دودھ میں پانی ڈالا یہاں تک کہ اس کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا' اب اسے نبی ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: اسے پیجئے' یا رسول اللہ! حضور نے نوش فرمایا' یہاں تک کہ میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

(بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب: علامات النبوة ص ۵۱۰' باب: فضائل المهاجرين ص ۵۱۵' باب: هجرة النبی ﷺ ص ۵۵۵۔ ۵۵۷' کتاب الاشربۃ۔ باب: شرب اللبن ج ۲ ص ۸۳۹' مسلم۔ کتاب الاشربۃ۔ کتاب الھجر ۃ۔ کتاب الزہد)

حضور اقدس ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اس دودھ کا لینا اور پینا' اسی عرف اور تعامل پر تھا جو اس وقت پورے عرب میں رائج تھا۔ یہ حدیث ہجرت کی طویل حدیث کا جز ہے۔ امام بخاری اس حدیث کو یہ افادہ فرمانے کے لیے لائے ہیں کہ اگر کہیں کی یہ عادت ہو کہ مسافروں کے لیے یہ اجازت ہوتی ہے کہ وہ ضرورت مند ہوں تو مویشیوں کا دودھ پی سکتے ہیں تو انہیں مویشیوں کا دودھ پینا ممنوع نہیں۔

مطابقت

اس حدیث پر امام بخاری نے باب بلا عنوان رکھا ہے' یہ بہ منزلہ فصل ہے۔ اس تقدیر پر اسے اس کے پہلے والے باب سے مناسب ہونا ضروری ہے' مگر اس سے بھی قطعاً کوئی مناسبت نہیں' اگر کچھ مناسبت ہے تو اس کے تین باب پہلے والے باب ''لا يحلب ماشية احد'' سے ہے' اس تقدیر پر اسے اس کے متصل ہونا لازم ہے' بہر حال یہاں اس کا ہونا غیر موزوں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٦- اَبْوَابُ [كِتَابُ] الْمَظَالِمِ وَالْقِصَاصِ

ظلم اور قصاص کا بیان

بَابٌ فِي الْمَظَالِمِ وَالْغَصَبِ (ص ٣٣٠)

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ○ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ○ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ (ابراہیم: ٤٢-٤٣) الْمُقْنِعِيْ وَالْمُقْمِحُ وَاحِدٌ ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ○﴾ (ابراہیم: ٤٣) جُوفًا لَّا عُقُوْلَ لَهُمْ ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا اَخِّرْنَآ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ﴾ (ابراہیم: ٤٤). اِلٰى قَوْلِهٖ. ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ○﴾ (ابراہیم: ٤٧).

مظالم اور غصب

اور اللہ عزوجل کے ان ارشادات کے بیان میں: ظالموں کے کام سے اللہ کو بے خبر ہرگز مت جاننا○ انہیں صرف اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی○ بے تحاشا دوڑتے ہوئے سر اٹھائے نکلیں گے' اس حالت میں کہ ان کی پلک ان کی طرف لوٹتی نہ ہوگی اور ان کے دل ہوا ہوں گے○ لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر عذاب آئے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! تھوڑی دیر ہمیں مہلت دے کہ ہم تیری دعوت مان لیں اور رسولوں کی پیروی کریں' (ابراہیم: ۴۴) سے آخر۔ بے شک اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔ (ابراہیم: ۴۷) تک

توضیح باب

عام نسخوں میں ابواب المظالم والقصاص نہیں۔ اور مستملی کے نسخے میں باب فی المظالم والغصب میں باب کی جگہ کتاب ہے۔ ظلم اور غصب کے حرام قطعی کے ثبوت اور اس پر شدید وعید کے اظہار کے لیے سورۂ ابراہیم کی پانچ آیتیں تحریر کردی ہیں۔ ان آیات کے بعض کلمات کی کہیں کہیں تفسیر بھی کردی ہے۔ "مقنعی رؤسهم" کی تفسیر "رافعی رؤسهم" سے کی یعنی وہ قبروں سے سر اٹھائے ہوئے نکلیں گے' پھر لکھا کہ "المقنعی" اور "المقمح" ایک ہی ہے یعنی دونوں کے معنی ایک ہیں' یعنی سر اٹھانے والا۔ ثعلب نے حکایت کی کہ "اقنع" اضداد میں سے ہے' اس کے معنی سر اٹھانے کے بھی ہیں اور سر جھکانے کے بھی۔ اور یہاں دونوں بن سکتے ہیں۔ خوف و دہشت میں انسان دونوں حرکتیں کرتا ہے' سر اٹھاتا بھی ہے اور جھکا بھی لیتا ہے۔ ہمارے استعمال میں رشیدیہ کا جو نسخہ ہے اس میں "المقنعي والمقمح" چھپا ہے' یعنی "المقنعی" جمع کے صیغے کے ساتھ یہ غلط ہے۔ صحیح واحد کا صیغہ بغیر یا کے "اَلْمُقْنِعُ" ہے۔ "وافئدتهم هواء جوفًا لا عقول لهم"، "جُوْفٌ"، "اجوف" کی جمع ہے کھوکھلی چیز۔ عقول یہ مصدر ہے' معنی میں سمجھ کے یعنی اتنے بدحواس ہوں گے کہ ان کی عقل جواب دے جائے گی اور کچھ بھی سمجھ بوجھ باقی نہ رہے گی۔

وقال مجاهد

"مهطعین" کا مصدر "اهطاع" ہے۔ امام مجاہد نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا کہ پلک نہ جھپکے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی تیز دوڑنے کے ہیں۔

"المظالم"، "مظلمة" کی جمع ہے، یہ مصدر میمی ہے، ظلم کے معنی میں۔ نیز "مظلمة" اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو ظلماً لی گئی ہو۔ ظلم کا معنی مشہور یہ ہے: کسی چیز کو اس کی اس جگہ کے علاوہ کہیں اور رکھنا، جو شریعت نے مقرر کی ہے۔ اور ایک معنی یہ بھی ہیں: دوسرے کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا۔ غصب کے ایک معنی یہ ہیں: کسی کا مال ظلم اور تعدی سے لے لینا، اور ایک معنی یہ ہیں: غیر کا مال ظلماً لینا۔ اور ایک یہ بھی ہے: غیر کا حق ناحق لینا، معنی کے اعتبار سے سب ایک ہی ہیں۔

بَابُ قِصَاصِ الْمَظَالِمِ (ص ۳۳۰) — ظلم کا بدلہ

۱۳۸۷- ح: إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ — [جب مؤمن جہنم سے نجات پائیں گے]

۱۳۸۷- عَنْ أَبِی الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِیِّ عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوْا بِقَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَیَتَقَاصُّوْنَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَیْنَهُمْ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی إِذَا نُقُّوْا وَهُذِّبُوْا أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَأَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهٖ فِی الْجَنَّةِ أَدَلُّ بِمَسْكَنِهٖ كَانَ فِی الدُّنْیَا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب مؤمن جہنم سے نجات پا جائیں گے تو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیئے جائیں گے، اب ان کے درمیان جو حقوق دنیا میں ہوں گے، ان کا ایک دوسرے سے بدلہ دلایا جائے گا، جب پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلے کی اجازت دی جائے گی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! تم لوگ جنت میں اپنے مسکن کو دنیا کے مسکن سے زیادہ پہچانو گے۔

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب: القصاص یوم القیامة ج ۲۔ ص ۹۶۷، مسلم۔ کتاب الایمان، مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۳)

اذا خلص

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جہنم پر پل صراط قائم ہوگا، سب اہل محشر کو اس پر گزرنا لازم ہوگا، جو لوگ جہنم کے مستحق ہوں گے وہ جہنم میں گر پڑیں گے اور جو لوگ جہنم کے مستحق نہ ہوں گے، وہ پل صراط پار کر جائیں گے۔ مخلص سے پل صراط پار کر لینا مراد ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے پل پر روکے جائیں گے اور وہاں حقوق العباد کی بناء پر ایک دوسرے سے بدلہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد انہیں جنت میں جانا نصیب ہوگا۔

فیتقاصون

ابن بطال نے کہا: یہ مقاصہ یعنی ایک دوسرے سے بدلہ لینا کچھ لوگوں کے ساتھ خاص ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیاں نیکیوں سے زائد ہوں گی وہ جہنم میں جائیں گے وہ اس کے مورد نہیں۔ مراد یہ ہے کہ جن پر تھوڑے حقوق واجب ہوں گے، یا معاملہ ایسا ہو کہ فریقین میں ہر ایک کے حقوق دوسرے پر ہوں ان کا معاملہ یہاں طے ہوگا جیسے بھی اللہ عزوجل چاہے ایک کی نیکیاں دوسرے کو دے

کر یا ایک کی برائیاں دوسرے پر حمل کر کے یا اپنے فضل سے صاحب حق کو کچھ دے کر راضی کر کے۔ یہاں "یتقاصون" اگرچہ باب تفاعل سے ہے، جس کا معنی تشارک ہے، مگر یہ ضروری نہیں، کبھی بلا مشارکت مجرد کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہ اعتبار اغلب اکثر کے فرمایا گیا ہو۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں مظالم سے ہر قسم کے مظالم مراد ہیں، خواہ وہ مالی ہوں یا آبروریزی، گالی گلوچ وغیرہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی جنت کا مستحق اس حالت میں جنت میں داخل نہ ہوگا کہ اس پر کسی بندے کا کوئی حق ہو۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ (ھود:۱۸) (ص ۳۳۰)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۝

۱۳۸۸- عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِیِّ قَالَ بَیْنَمَا اَنَا اَمْشِیْ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اٰخِذٌ بِیَدِهٖ اِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ کَیْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی النَّجْوٰی فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُدْنِی الْمُؤْمِنَ فَیَضَعُ عَلَیْهِ کَنَفَهٗ وَیَسْتُرُهٗ فَیَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا فَیَقُوْلُ نَعَمْ اَیْ رَبِّ حَتّٰی قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰی فِیْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا عَلَیْكَ فِی الدُّنْیَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْیَوْمَ فَیُعْطٰی کِتَابَ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْکَافِرُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ ﴿هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ (ھود:۱۸).

صفوان بن محرز نے کہا: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑے ہوئے ان کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ ایک شخص سامنے آیا اور کہا: سرگوشی کے بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل مؤمن کو اپنے قریب فرمائے گا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور اس پر اپنا پردہ ڈال کر چھپائے گا اور فرمائے گا: کیا تو فلاں گناہ جانتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ جانتا ہے؟ بندہ عرض کرے گا: ہاں اے میرے رب! یہاں تک بندے سے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا، بندہ یہ سمجھے گا کہ وہ ہلاک ہوا کہ اللہ عزوجل فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں اور اسے اس کی نیکیوں کا دفتر عطا فرمائے گا۔ رہ گئے کافر اور منافق تو ان کے بارے میں یہ آیا ہے کہ ان کے گواہ کہیں گے: انہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۝

(بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورہ ھود: ۱۸، باب: قوله ویقول الاشهاد ج ۲۔ ص ۶۷۸، کتاب الادب۔ باب: ستر المؤمن ص ۸۹۶، کتاب التوحید۔ باب: کلام الرب یوم القیمۃ ص ۱۱۱۹، مسلم۔ کتاب التوبہ، نسائی۔ کتاب التفسیر، ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۷۴)

النجوٰی

یہ مناجات کا اسم مصدر ہے، اس کے معنی راز اور سرگوشی کرنے والے کے اور سرگوشی کے بھی ہیں، اس کا مادہ نجو ہے اس کا معنی ہے راز جو دو آدمیوں کے درمیان ہو۔ یہاں مراد وہ نجویٰ ہے جو قیامت کے دن اللہ اور اس کے بندے کے مابین ہوگا، جو صرف اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہوگی، جس میں اللہ عزوجل انتہائی رازدارانہ طریقے سے بندوں کے گناہوں کو انہیں یاد دلائے گا، پھر معاف فرما دے گا۔ یہ اس کا خاص فضل ہوگا، جو اپنے کچھ گنہگار بندے پر فرمائے گا۔

يدني

اس کا مصدر اِدناء ہے' اس کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ اللہ عزوجل شہید و بصیر ہے' بندہ کہیں بھی ہو' اللہ عزوجل اس کے قریب ہے' اس لیے شرّاح نے اس اِدناء سے تقرب رُتبی مراد لیا ہے' نہ کہ تقرب مکانی۔

اقول وهو المستعان: اس خادم کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد اظہار تقرب ہے' یعنی اللہ عزوجل اپنی کوئی خاص تجلّی ظاہر فرمائے گا' جس سے بندہ یہ محسوس کرے گا کہ وہ اللہ عزوجل سے قریب ہے' اور یہی تعبیر " فيضع عليه كنفه ويستره " کی بھی ہے کہ اللہ عزوجل اپنے فضل خصوصی سے اس بندہ گنہگار کو اپنی تجلّی میں ایسا چھپالے گا کہ دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا اور جو کلام فرمائے گا' اس پر اس کے دوسرے بندے مطلع نہ ہوں گے۔

اللہ عزوجل کی شانِ کریمی کا یہ ایک جلوہ ہے کہ اپنے کسی گنہگار بندے پر یہ عنایت خصوصی فرمائے گا۔

بَابٌ لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُسْلِمُهُ (ص ٣٣٠)

مسلمان کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ اس پر ظلم ہونے دے

١٣٨٩- إِنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ اس پر ظلم کرے نہ اس پر ظلم ہونے دے اور جو اپنے بھائی کی حاجت میں رہے گا' اللہ اس کی حاجت روا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(بخاری۔ کتاب الاکراہ۔ باب: يمين الرجل لصاحبه انه اخوه ج ٢۔ ص ١٠٢٨' مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الحدود' نسائی۔ کتاب الرجم' مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ٩١)

اخو المسلم

اس سے مراد اسلامی بھائی چارگی ہے' ہر وہ دو چیزیں جن کے مابین کوئی چیز متفق علیہ ہو' ان پر اخوت کا اطلاق ہوتا ہے' جیسے تاجرین کی ایک برادری' فلاحین کی ایک برادری۔ " لا يسلمه " عرب والے بولتے ہیں " اسلم فلان فلانا " جبکہ کسی کو کسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے' مثلاً دشمن یا کسی موذی کے حال پر۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کو مصیبت یا ظلم سے بچایا نہیں' مسلمان کی مدد' مدد کرنے والے کے حال کے اعتبار سے کبھی فرض ہوتی ہے کبھی واجب کبھی مستحب' اور یہی تفصیل بعد کے ارشادات میں بھی ہے۔

من ستر

اس سے مراد یہ ہے کہ کبھی اتفاقیہ کسی ایسے شخص کو جو گناہ کا عادی نہیں' چھپ چھپا کر گناہ کرتے دیکھا' تو اس خاص صورت میں بہتر یہی ہے کہ اس کو چھپایا جائے لیکن جو بے باک علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتے ہیں یا جن کی عادت ہے' وہ اپنے فسق و فجور سے دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہیں یا لوگوں کے اخلاق خراب کرتے ہیں' ان کے فسق و فجور کو بیان کرنا واجب ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا:

اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروہ بما فیه یحذرہ الناس.

بدکار کے تذکرے سے بچتے ہو؟ کب لوگ اسے پہچانیں گے اس میں جو برائی ہے بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۱۲ ص ۲۸۹)

کربة

اس کے لغوی معنی وہ غم ہے جو جان کے ساتھ لگ جائے' مراد بڑی مصیبت ہے۔ عرب والے بولتے ہیں: ''کَرَبَهُ الغم'' جب کوئی مصیبت سخت ہو جائے۔

بَابٌ اَعِنْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا (ص ۳۳۰)

اپنے بھائی کی مدد کر' ظالم ہو یا مظلوم

اَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَنَسٍ وَّحُمَیْدٌ سَمِعَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر' ظالم ہو یا مظلوم۔

۱۳۹۰- ح: فَکَیْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا

[ہم ظالم کی مدد کیسے کریں گے؟]

۱۳۹۰- عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَاْخُذُ فَوْقَ یَدَیْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مظلوم کی مدد ہے' ظالم کی مدد کیسے ہوگی؟ فرمایا: اس کے ہاتھ کو پکڑ لے۔

(بخاری۔ کتاب الاکراہ۔ باب: یمین الرجل لصاحبه انه اخوہ ج ۲ ص ۱۰۲۸' ترمذی۔ کتاب الفتن' دارمی۔ کتاب الرقاق' مسند احمد بن حنبل۔ ج ۳ ص ۹۹/۲۰۱)

یہ ارشاد جوامع کلم اور فصاحت اور بلاغت کے اعلیٰ نوادر میں سے ہے' جس کا مثل پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ ظالم کو ظلم سے روکنا' یہ پسندیدہ فعل ہے' لیکن کتنے لوگ ہیں جو ظالم کو ظلم سے روکتے ہیں۔ ظالم کو ظلم سے روکنے کی تعبیر مدد سے وہ تعبیر ہے جس میں ترغیب بھی ہے' اور ظالم کے لیے کافی سے کافی ترہیب بھی۔ کبھی ایک ظالم اپنی بدعقلی سے یہ سمجھتا ہے کہ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں پائے گا لیکن پھر اس کا یہ ظلم شاخ در شاخ لڑائیوں اور جھگڑوں کا سبب بنتا ہے' جس میں ظالم تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور کبھی ختم بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے ظالم یہی جانتے تھے کہ ان کی شہادت پر کچھ نہیں ہوگا' یہاں تک کہ ایک صاحب نے یہ بھی کہہ دیا تھا: ''لا ینتطح فیه عنزان'' اس میں دو بھیڑیں بھی نہیں لڑیں گی' لیکن واقعات شاہد ہیں کہ ان کی شہادت نے فتنے کا ایسا تسلسل قائم کر دیا کہ چودہ سو سال سے زائد ہو گئے' مگر اس کے اثرات باقی ہیں۔ جنگ صفین میں خود ان صاحب کی جنہوں نے جملہ مذکورہ کہا تھا' ایک آنکھ جاتی رہی۔ امن کے بعد وہ حضرت معاویہ کے یہاں آئے تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں نے وہ جملہ کہا تھا ''لا ینتطح فیه عنزان'' انہوں نے کہا: جی ہاں! حضرت معاویہ نے کہا: ''هَلْ تَطَحَ فیه عنز قَالَ اَلتَّیْسُ الْاَکْبَرُ'' کیا اس بارے میں کسی مینڈھے نے سینگ مارا' انہوں نے کہا: ہاں! بہت بڑے بوتک نے' اس لیے ظالم کو ظلم سے روکنا ظاہری طور سے بھی

اس کی مدد ہے اور باطنی طور پر بھی کہ اسے اللہ کے غضب اور جہنم سے بچانا ہے۔

بَابُ الْاِنْتِصَارِ مِنَ الظَّالِمِ

ظالم سے بدلہ لینا

لِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ O﴾ (النساء:١٤٨) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ O﴾ (الشوریٰ:٣٩).

اللہ عزوجل کے ان ارشادات کی وجہ سے کہ فرمایا: اللہ عزوجل برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتا' مگر یہ کہ مظلوم ظالم کے ظلم کو ظاہر کرے O جب ان پر زیادتی ہو' بدلہ لیتے ہیں O

(ص ٣٣١)

ت٤٧٧- قَالَ اِبْرَاهِيْمُ كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ اَنْ يُّسْتَذَلُّوْا فَاِذَا قَدَرُوْا عَفَوْا.

صحابہ کرام یہ ناپسند کرتے تھے کہ کوئی انہیں ذلیل سمجھے' جب ان کو قدرت حاصل ہو جاتی تو معاف فرما دیتے۔

اس تعلیق کو امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ یہ ارشاد آیۂ کریمہ ''اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ O'' کی تفسیر ہے' یعنی سلف یہ نہیں پسند فرماتے تھے کہ غیر مسلم کفار انہیں حقیر و ذلیل جانیں' یا انہیں ذلیل کریں' جب ایسی کوئی بات ہوتی تو در گزر نہ فرماتے بلکہ ذلیل سمجھنے والوں کو اس کا مزہ چکھاتے اور یہ ثابت فرما دیتے کہ عزت ان کا حق ہے۔ ہاں جب دشمن پر قابو پا جاتے تو عام طور پر معاف کر دیا کرتے تھے۔

بَابٌ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ (ص ٣٣١)

ظلم قیامت کے دن کئی اندھیریاں ہیں

١٣٩١- اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ظلم قیامت کے دن تاریکیوں پر تاریکیاں ہو گا۔

(مسلم۔ کتاب الادب' ترمذی۔ کتاب البر' مسند امام احمد بن حنبل۔ ج ٢ ص ١٣٧)

ظالم ظلم کرنے کی وجہ سے اکٹھے کئی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے' اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی' ایک کمزور مسلمان کو ایذاء پہنچانا' گالی گلوچ دے کر زدوکوب کر کے یا مال چھین کر یا ان سب کا ارتکاب ایک ساتھ کرنا' جیسا کہ اکثر یہی دیکھنے میں آیا۔ مسلمان کی آبرو ریزی کرنا' سماج میں فساد پھیلانے کی کوشش کرنا' اس لیے اس کی سزا میں قیامت کے دن ظالم کا ظلم تاریکیاں ہی تاریکیاں بن کر اسے گھیر لے گا۔

بَابُ مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلَمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ فَحَلَّلَهَا لَهٗ هَلْ يُبَيِّنُ مَظْلَمَتَهٗ (ص ٣٣١)

جس کا کوئی حق کسی شخص پر ہو اور وہ اسے معاف کرانا چاہے تو کیا اس حق کو بھی بیان کرے؟

١٣٩٢- ثَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلَمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس پر کسی مسلمان بھائی کا کوئی حق ہو' خواہ آبرو کا یا کسی اور چیز کا تو اس سے آج معاف کرا لے قبل اس کے کہ نہ اس کے پاس دینار ہو اور نہ درہم' اگر اس کے پاس نیک کام ہو گا تو بہ قدر حق اس سے لے لیا جائے گا' اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو صاحبِ حق

حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. کی برائیاں لے لی جائیں گی اور اس پر لاد دی جائیں گی۔

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب: القصاص یوم القیمۃ ج ۲ ص ۹۶۷' مسند احمد بن حنبل۔ ج ۲ ص ۵۰۶)

اگر کسی کا کوئی حق کسی مسلمان پر ہو تو اس پر واجب ہے کہ صاحب حق کو راضی کر دے' خواہ اس کا حق دے کر' خواہ معافی مانگ کر۔ اگر کسی کا کوئی مال یا زمین لی ہے اور وہ بعینہٖ محفوظ ہے تو واپس کرنا واجب ہے۔ معاف کرانے کے لیے بہتر یہ ہے کہ معافی مانگتے وقت اس حق کا تذکرہ کر دے' لیکن اگر اس حق کا تذکرہ نہیں کیا اور صاحب حق نے یوں معاف کر دیا' میں نے سب معاف کیا تو اس خصوص میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے تفصیل کی ہے کہ اگر یہ حق مال ہے تو معاف ہو جائے گا: لیکن اگر آبروریزی ہے تو معاف نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ اُوَيْسٍ اِنَّمَا سُمِّيَ الْمَقْبُرِيَّ لِاَنَّهٗ كَانَ نَزَلَ نَاحِيَةَ الْمَقَابِرِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ اسماعیل بن اویس نے کہا ہے: ان کا نام مقبری اس لیے رکھا گیا کہ یہ قبرستان کے کنارے بودوباش رکھتے تھے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَسَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ هُوَ مَوْلٰى لِبَنِيْ لَيْثٍ وَّهُوَ سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّاسْمُ اَبِيْ سَعِيْدٍ كَيْسَانُ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: اور سعید مقبری یہ بنی لیث کے غلام تھے اور یہ سعید بن ابوسعید ہیں اور ابوسعید کا نام کیسان ہے۔

سعید مقبری کے والد کا نام کیسان تھا اور کنیت ابوسعید' یہ مدینہ طیبہ میں بنی لیث بن ابوبکر کی ایک عورت کے غلام تھے' جس نے انہیں بعد میں مکاتب بنا دیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں قبریں کھودنے کے کام پر لگا دیا تھا' اس لیے انہیں مقبری کہا جانے لگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقبری ان کے والد کا لقب ہے۔ اور امام بخاری نے اپنے استاد اسمٰعیل بن اویس سے جو نقل کیا ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لقب ان کے لڑکے سعید کا ہے' ان کے والد کا نہیں' دونوں میں منافات نہیں' ہوسکتا ہے دونوں کا لقب ہو' ہوسکتا ہے اصل لقب باپ کا ہو کیونکہ وہ قبریں کھودا کرتے تھے اور پھر بیٹے کا بھی پڑ گیا ہو۔

بَابٌ اِذَا حَلَّلَهٗ مِنْ ظُلْمِهٖ فَلَا رُجُوْعَ فِيْهِ (ص ۳۳۱)

جب اپنا حق معاف کر دیا تو رجوع کا حق نہیں

۱۳۹۳- ح: اَلرَّجُلُ تَكُوْنُ عِنْدَهُ الْمَرْاَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ

[کوئی عورت کسی مرد کے پاس ہے' (مرد) اس کے پاس بہت کم آتا ہے]

۱۳۹۳- اَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا﴾ (النساء:۱۲۸) قَالَتِ الرَّجُلُ تَكُوْنُ عِنْدَهُ الْمَرْاَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِّنْهَا يُرِيْدُ اَنْ يُّفَارِقَهَا فَتَقُوْلُ اَجْعَلُكَ مِنْ شَاْنِيْ فِيْ حِلٍّ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْ ذٰلِكَ.

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آیت ذیل کے بارے میں فرمایا: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے' یعنی کوئی عورت کسی مرد کے پاس ہے' مرد اس کے پاس بہت کم آتا جاتا ہے اور اسے چھوڑ دینا چاہتا ہے' اس پر وہ عورت کہتی ہے: میں نے تجھے اپنا حق معاف کر دیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ النساء۔ باب: قولہ وان امراۃ خافت من بعلها ج ۲ ص ۶۶۲)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کی بدزبانی اور بدخلقی کی وجہ سے شوہر کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے' جس کے نتیجے میں وہ عورت کے پاس آنا جانا بند کر دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے۔ اسے نان نفقہ نہیں دیتا ہے' اور اسے طلاق دے دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں عورت اپنے کل یا بعض حقوق سے دست بردار ہو کر صلح کر لے تو یہ بہتر ہے' یہی آیۂ مذکورہ کا بھی مطلب ہے۔

جیسا کہ جب ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سن ایاس کو پہنچ گئیں اور انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جدا نہ کر دیں تو انہوں نے درخواست پیش کی کہ مجھے زوجیت سے علیحدہ نہ فرمائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن حضور کی ازواج میں شامل رہوں۔ میں اپنی باری عائشہ کو بخش دیتی ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرما لیا۔

(عمدۃ القاری۔ ج ١٢ ص ٢٩٦' مسلم۔ ج ١۔ کتاب الرضاع۔ باب: جواز ھبۃ نوبتھا لضرتھا)

مسائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ حضور اپنے غایت کرم سے باری مقرر فرماتے تھے۔ اگر کوئی عورت اپنی باری کسی سوکن کو دے دے' یا نان و نفقہ سے دست بردار ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شوہر راضی ہو' مگر وہ بعد میں اس سے رجوع کر سکتی ہے' رجوع میں شوہر کی رضامندی بھی شرط نہیں۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِّنَ الْاَرْضِ (ص ٣٣١) — جس نے ناحق کچھ بھی زمین لی' اس کا گناہ

١٣٩٤- اِنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَمْرِو بْنِ سَهْلٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے ناحق ذرا سی بھی زمین لی' اتنی زمین کے ساتوں طبق اس کے گلے میں طوق بنا کر پہنا دیے جائیں گے۔

(بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: ما جاء فی سبع ارضین ص ٤٥٤' مسلم۔ کتاب المساقاۃ)

١٣٩٥- ح: مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ — [جو کسی کی ایک بالشت بھی زمین ناحق لے گا]

١٣٩٥- اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اُنَاسٍ خُصُوْمَةٌ فَذَكَرَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ يَا اَبَا سَلَمَةَ اِجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ. (بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: ما جاء فی سبع ارضین ص ٤٥٣' مسلم۔ کتاب المساقاۃ)

ابو سلمہ نے حدیث بیان کی کہ ان کے اور کچھ لوگوں کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا' اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اے ابو سلمہ! زمین سے بچ' اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی کی ایک بالشت بھی زمین ناحق لے گا' اتنی زمین کے ساتوں طبق اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالے جائیں گے۔

١٣٩٦- ح: مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ — [جو کسی کی ذرا سی بھی ناحق زمین لے گا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا]

١٣٩٦- عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ. ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص کچھ بھی زمین ناحق لے گا' ساتوں زمین تک قیامت کے دن دھنسا دیا جائے گا۔

(بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: ما جاء فی سبع ارضین)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ اروی بنت ابی اویس نے مروان کے یہاں یہ شکایت کی تھی کہ سعید بن زید نے میرا حق لے لیا ہے' اس پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اور اس کا حق لوں گا؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جو ایک بالشت زمین کسی کی ناحق لے گا تو قیامت کے دن اتنی زمین کے ساتوں طبق اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیئے جائیں گے۔ اس نے جتنی زمین پر دعویٰ کیا تھا' حضرت سعید بن زید نے اسے چھوڑ دیا۔ اور یہ بددعا فرمائی: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے اس وقت تک موت مت دینا جب تک یہ اندھی نہ ہو جائے اور اس کی قبر اسی کے کنویں میں بنا۔ راوی نے فرمایا کہ وہ اندھی ہو کر مری اور وہ اپنے گھر کے کنویں میں گر کر مری۔ (مسلم' ج ۲' مساقاۃ' باب تحریم الظلم ص ۳۳)

من ظلم

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زمین میں غصب متحقق ہو گا یا نہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کر لیا اور زمین تلف ہو گئی تو تاوان ہے یا نہیں؟ حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ غیر منقول جائیداد زمین مکان میں غصب بہ معنی مذکور نہیں' اس لیے کہ کسی کے قبضہ کا ازالہ منتقل کرنے کے بعد ہو گا' اس لیے جو چیز منتقل نہیں ہو سکتی' اس پر غصب نہیں' یعنی اتلاف کے بعد تاوان نہیں۔ امام محمد اور حضرت امام شافعی وغیرہ نے فرمایا کہ زمین میں بھی غصب پر اتلاف کے بعد تاوان ہے۔ ان حضرات کی دلیل احادیث کا ظاہر لفظ ہے' جو بعض روایتوں میں وارد ہے کہ فرمایا: ''من غصب'' ہمارا یہ کہنا ہے کہ صحاح کی روایتیں اخذ ظلما ہیں۔ علاوہ ازیں ان احادیث میں آخرت کے عذاب کا تذکرہ فرمایا۔ مقام اس کا مقتضی تھا کہ دنیوی سزا بھی ذکر فرماتے' اس لیے کہ قیام امن میں دنیوی سزا زیادہ مؤثر ہے اور باوجود مقتضی کوئی چیز بیان نہ کرنا اس کی عدم مشروعیت کی دلیل ہے' اس لیے جن روایتوں میں ''من غَصَبَ'' آیا ہے' ان میں غصب سے لغوی معنی مراد ہے۔

طُوِّقَهٗ

صحیح یہی ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنی پر ہے اور واقعہ یہی ہے' ناحق زمین لینے والوں کی گردنوں میں زمین کے ساتوں طبق ڈال دیئے جائیں گے اور ان کی گردنیں لمبی کر دی جائیں گی' جیسے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے جسم اس کے مطابق بڑھا دیئے جائیں گے اور جیسے کفار کی ایک ڈاڑھ کوہ اُحد کے برابر کر دی جائے گی۔ اس کی تائید طبری کی تہذیب کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ فرمایا کہ جو شخص ایک بالشت زمین ناحق لے گا تو قیامت کے دن اللہ عزوجل اسے تکلیف دے گا کہ ساتوں زمین تک کھودے اور پھر اسی کا طوق پہنے یہاں تک کہ بندوں کے مابین فیصلہ ہو جائے۔ ایک روایت میں تصریح ہے کہ اسے حکم ہو گا کہ اسی طرح میدانِ محشر میں جائے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۱۲ ص ۲۹۸)

من سبع ارضین

یہ حدیث اس پر واضح دلیل ہے کہ زمینیں بھی سات ہیں' جیسے آسمان۔ قرآن کریم میں فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ. (الطلاق: ۱۲) اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہیں کے برابر زمین۔

زمین کے ساتوں طبق چپکے ہوئے ہیں یا ان کے مابین بھی فاصلہ ہے؟ دونوں قول ہیں۔" والعلم عند اللہ تعالٰی. وھو اعلم"

خُسِفَ بِهِ

ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اپنے حقیقی معنی پر ہے اس کی دو توجیہیں ہیں یا تو وہی پہلے والی کہ اس سے کہا جائے گا کہ ساتوں طبق تک زمین کھودو اسی کو خُسِفَ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر اس کے بعد وہ ساتوں طبق اس کے گلے میں ڈال دیئے جائیں گے یا یہ کہ یہ دونوں سزائیں الگ الگ مختلف حیثیت کے جرم پر مختلف اشخاص کو دی جائیں گی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص زمین کی سطح کا مالک ہو گیا وہ تحت الثریٰ تک ساتوں زمین اور آسمان تک کی پوری فضا کا مالک ہو گیا۔ زمین کے نیچے جو چاہے تصرف کرے اسی طرح اوپر جتنی اونچی چاہے عمارت بنوائے بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ زمین کے اندر اگر کوئی کان یا دفینہ ملے وہ بھی اسی کی ملک ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِخُرَاسَانَ فِيْ كُتُبِ ابْنِ الْمُبَارَكِ اِنَّمَا اُمْلِيَ عَلَيْهِمْ بِالْبَصْرَةِ.

ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: یہ حدیث ابن مبارک کی خراسان کی کتابوں میں نہیں ہے یہ حدیث انہوں نے شاگردوں کو بصرہ میں لکھائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک خراسان میں رہتے تھے زیادہ تر حدیثیں خراسان ہی میں بیان فرمائی ہیں اور وہیں ان کی کتابیں مشہور ہیں ان کتابوں میں یہ حدیث نہیں۔ اس سے کسی کو شبہہ ہو سکتا تھا کہ اس حدیث کا انتساب حضرت عبداللہ بن مبارک کی طرف صحیح نہیں اس کے ازالے کے لیے حضرت امام بخاری نے یہ فرمایا کہ انہوں نے یہ حدیث بصرہ میں لکھوائی تھی۔

بَابٌ اِذَا اَذِنَ اِنْسَانٌ لِّاٰخَرَ شَيْئًا جَازَ (ص ٣٣٢)

جب انسان دوسرے کے لیے اجازت دے دے تو جائز ہے

١٣٩٧- ح: نَهٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِقْرَانِ

[آپ ﷺ نے کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا]

١٣٩٧- عَنْ جَبَلَةَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ بَعْضِ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَصَابَتْنَا سَنَةٌ فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَمُرُّ بِنَا فَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاِقْرَانِ اِلَّا اَنْ يَّسْتَاْذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ اَخَاهُ.

جبلہ نے کہا کہ ہم مدینہ میں کچھ عراق والوں میں تھے اتفاق سے قحط سالی ہو گئی اور حضرت ابن زبیر ہمیں کھجور کھانے کے لیے دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ ساتھی اپنے بھائی کو اجازت دے دے۔

(بخاری کتاب الشرکۃ باب: القران فی التمر ص ٣٣٨، کتاب الاطعمۃ باب: القران فی التمر ج ٢ ص ٨١٩، مسلم کتاب الاطعمۃ ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ مسند احمد بن حنبل ج ٢ ص ٧)

جب چند آدمی بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہوں تو یہ سخت معیوب اور ناپسندیدہ ہے کہ اگر کوئی خاص چیز سب کے کھانے کے لیے آئی ہو تو کوئی شخص زیادہ مقدار میں کھائے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً کھجوریں ہیں سب لوگ ایک ایک کھا رہے ہوں اور کوئی دو یا دو سے زائد کھا رہا ہے یہ کھانے والے کی حرص تنگ دلی دون ہمتی کے ساتھ ساتھ دوسرے شرکاء کو ایذاء پہنچانا ہے اس لیے حدیث میں

اس سے ممانعت فرمائی گئی۔ اور یہاں اس حدیث میں خصوصی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہ کھجوریں سب شرکاء کے لیے بھیجی تھیں صرف کھانے کے لیے، اور ملکیت حضرت عبداللہ بن زبیر کی تھی، دوسرے کی مِلک میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف سخت معیوب ہے۔ انہوں نے اس مقصد سے بھیجا تھا کہ اسے سب لوگ بہ قدرِ ضرورت اور اپنے حصہ کے مطابق کھائیں، اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ ایک شخص دوگنا کھالے، ہاں اگر کھانا اپنی مِلک ہو تو اختیار ہے، آدمی جیسے چاہے کھائے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ ﴿وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ (البقرة:٢٠٤)(ص ٣٣٢)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ وہ سخت جھگڑالو ہے

١٣٩٨- عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند سخت جھگڑالو ہے۔

(بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورہ بقرہ، باب: قوله هو الد الخصام ج ٢۔ ص ٦٤٩، کتاب الاحکام۔ باب: الالد الخصم ص ١٠٦٦، مسلم۔ کتاب العلم، ترمذی۔ تفسیر، نسائی۔ کتاب القضاء، مسند احمد بن حنبل۔ ج ٦ ص ٦٣)

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ O'' (البقرہ: ٢٠٤) اور بعض آدمی وہ ہیں جس کی دنیا کی زندگی میں بات تجھے بھلی لگے اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے O

ایک قول کے مطابق یہ آیۂ کریمہ اور اس کے بعد کی تین آیتیں اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، دوسرے اقوال بھی ہیں، یہاں یہ معہود فی الذہن تخصیص ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ اس سے مراد اخنس جیسا بد باطن منافق ہے یا پھر یہ تخصیص کرنی ضروری ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ مبغوض جھگڑالو شر پسند ہے، یا یہ کہ تغلیظاً زجر کے لیے ایسا فرما دیا گیا ہے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ خَاصَمَ فِیْ بَاطِلٍ وَّهُوَ یَعْلَمُهٗ (ص ٣٣٢)

جان بوجھ کر ناحق جھگڑا کرنے والے کا گناہ

١٣٩٩- ح: فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ یَّكُوْنَ اَبْلَغَ

[کچھ (لوگ) بہ نسبت دوسرے کے زیادہ بلیغ ہوتے ہیں]

١٣٩٩- ثَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ زَیْنَبَ بِنْتَ اُمِّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ اُمَّهَا اُمَّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَمِعَ خُصُوْمَةً بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فَخَرَجَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّاِنَّهٗ یَاْتِیْنِی الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ یَّكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّهٗ قَدْ صَدَقَ وَاَقْضِیْ لَهٗ بِذٰلِكَ فَمَنْ قَضَیْتُ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ

زینب بنت اُم سلمہ نے خبر دی کہ ان کی والدہ حضرت اُم سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ ایک بار حضور نے اپنے حجرے کے دروازہ پر جھگڑا سنا تو جھگڑنے والے کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: آخر میں انسان ہی ہوں اور میرے پاس جھگڑنے والے آتے ہیں، تم میں سے کچھ لوگ بہ نسبت دوسرے کے زیادہ بلیغ ہوتے ہیں، میں گمان فرما لیتا ہوں کہ اس نے سچ کہا اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں

فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ فَلْيَتْرُكْهَا. جس کے لیے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو یہ آگ کا ٹکڑا ہے تو اب وہ چاہے لے یا چھوڑ دے۔

(بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب: من اقام البینة بعد الیمین ص ۳٦۸ ج ۲۔ کتاب الحیل۔ باب: ص ۱۰۰۴، کتاب الاحکام۔ باب: موعظة الامام للخصوم ص ۱۰٦۲، باب: من قضی له بحق اخیه فلا یاخذه ص ۱۰٦۴، باب: القضاء فی کثیر من المال وقلیله ص ۱۰٦۵، مسلم۔ کتاب القضاء۔ ابوداؤد۔ کتاب الاحکام)

انما انا بشر

"انما انا بشر" کا مفاد یہ ہے کہ چونکہ میں بشر کی ہدایت کے لیے بہ حکمت الٰہی بشر کی صورت میں دنیا میں تشریف لایا ہوں، تاکہ لوگ میری اقتداء کریں، اس لیے میں متخاصمین کے بیانات اور مدعی کے ثبوت وغیرہ پر جو فیصلہ حق معلوم ہوتا ہے، وہ کرتا ہوں اور اپنے باطنی علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، کیونکہ میری اُمت کے تمام قضاۃ نہ باطنی علم رکھیں گے اور نہ ان کا باطنی علم شرعی طور پر حجت ہو گا، اس لیے وہ ظاہری ثبوت پر فیصلہ کریں گے۔ اور متخاصمین اس فیصلے کے ماننے پر مجبور ہیں، اب اگر میں باطنی علم کے مطابق ظاہر بیانات اور ثبوت کے خلاف فیصلہ کروں، تو ہوسکتا ہے کہ یہ ناخداترس قضاۃ کے ظلم و جور اور خلاف حق فیصلوں کے لیے بہانہ ہاتھ آ جائے، اس لیے میں بہ حیثیت بشر ظاہر ثبوت و بیان پر فیصلہ دیتا ہوں۔

ابلغ

یعنی وہ اپنے مافی الضمیر کو خوبصورتی کے ساتھ مناسب الفاظ و تراکیب کے ساتھ اور دلیل کے اجزاء کو دلنشین ترتیب سے بیان کر دیتا ہے کہ اس کی بات سچی معلوم ہوتی ہے۔ بخاری کی دوسری روایتوں میں یوں ہے: "ولعل بعضکم اَلْحَنَ بحجته من بعض فمن قضیت له بحق اخیه شیئا فانما اقطع له قطعة من النار" اور ہوسکتا ہے کہ تم میں کے بعض اپنی دلیل عمدگی کے ساتھ سمجھانے والے ہوں، تو میں اس کے مطابق اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں، ایسی صورت میں میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کرتا ہوں۔

اس روایت میں "اَبْلَغَ" کے بجائے "اَلْحَنَ" ہے "لحن لحنا' سمع یسمع" سے سمجھدار ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ اسی طرح "لَحِنٌ" ہوشیار سمجھ دار کے معنی میں آتا ہے "لحْنٌ" بہ معنی سمجھ۔

مسائل

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ قاضی کی قضاء یعنی اس کا فیصلہ صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے یا باطن میں بھی۔ امام ابویوسف نے فرمایا: باطن میں نافذ نہیں صرف ظاہر میں نافذ ہے۔ اب اگر کسی نے جھوٹا دعویٰ کر کے فرضی ثبوت پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرالیا تو بھی وہ چیز اس کی ملک نہیں، مگر امام اعظم اور امام محمد کے یہاں تفصیل ہے۔ اموال میں یہی حکم ہے کہ باطن میں نافذ نہیں، لیکن نکاح طلاق میں باطن میں بھی نافذ ہے۔

اقول وھو المستعان: یہ ان مسائل میں سے ہے جن کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا فساد پھیلانے کے برائے خور غیر مقلدین احناف کو بدنام کرتے ہیں، اس لیے اس کی تھوڑی سی توضیح کر دینی ضروری ہے۔

ان کو ایک مثال سے سمجھئے! زید نے ہندہ پر دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے، حالانکہ ان دونوں میں نکاح کبھی نہیں ہوا ہے۔ زید نے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ نکاح ہوا ہے۔ قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ ہندہ زید کی زوجہ ہے، اب اگر اس فیصلے کو باطنی طور پر نافذ نہ مانیں

تو دیانۃً ہندہ پر فرض ہے کہ زید سے الگ رہے، لیکن وہ کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی' زید آڑے آئے گا۔ اور اگر ہندہ کسی اور سے نکاح کر کے اس کے ساتھ ہم بستری کرے تو زید اس پر زنا کا الزام لگا کر سنگسار بھی کرا سکتا ہے۔ اور اس سارے قصے میں ہندہ کا کوئی قصور بھی نہیں اور سزا اتنی سخت کہ اس کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔ اس بے قصور مظلومہ کی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے اس قضا کو باطناً بھی نافذ مانا' اور قاضی کے فیصلے کو بہ منزلہ عقد نکاح کے رکھا' جیسے عقد نکاح کے بعد اجنبی مرد اور عورت میاں بیوی ہو جاتے ہیں' اسی طرح قضاء قاضی کے بعد بھی میاں بیوی ہو گئے۔

غیر مقلدین کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ کس کی زندگی برباد ہو رہی ہے' وہ بھی بلاقصور' انہیں فساد پھیلانے اور احناف کو غلط طریقے سے بدنام کرنے سے کام ہے' نکاح کی طرح طلاق میں بھی اسی قسم کی دشواری ہے۔

اسی مسئلے کی فرع یہ بھی ہے کہ بیان وثبوت کے برخلاف اپنے علم کے مطابق قاضی کو فیصلہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس میں بہت تفصیل ہے' اس لیے اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

امام بخاری نے آگے کتاب الشہادات میں اسی حدیث پر یہ باب باندھا ہے: ''من اقام البینة بعد الیمین'' جس نے یمین کے بعد بیّنہ پیش کیا' حسب عادت امام بخاری نے کوئی حکم بیان نہیں فرمایا۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ بینہ مقبول ہے اور اس کے مطابق قاضی اپنے فیصلے کو تبدیل کرے اور حدیث سے بھی یہی مستفاد ہے۔

کیونکہ حدیث سے یہ بصراحت ثابت کہ جھوٹی قسم صاحب حق کے حق کو ساقط نہیں کرتی بلکہ جھوٹی قسم پر فیصلے کے بعد اسے لینے سے منع فرمایا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ جھوٹی قسم کے بعد بھی وہی پوزیشن رہی جو جھوٹی قسم سے پہلے تھی' اس لیے جیسے قبل قسم بینہ پیش ہو سکتا ہے' اسی طرح جھوٹی قسم کے بعد بھی۔ اس کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

البینة العادلة خیر من الیمین الفاجرة. واقع کے مطابق بینہ جھوٹی قسم سے بہتر ہے۔

(فتح الباری۔ ج ۵ ص ۲۸۸)

بَابُ قِصَاصِ الْمَظْلُوْمِ اِذَا وَجَدَ مَالَ ظَالِمِهٖ (ص ۳۳۲)

ظالم کا مال اگر مل جائے تو مظلوم اپنا بدلہ لے سکتا ہے

ت٤٧٨ - وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يُقَاصُّهُ وَقَرَأَ ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل:١٢٦).

ابن سیرین نے کہا: اس سے بدلہ وصول کر لے اور ثبوت میں یہ آیت تلاوت فرمائی: اگر کسی کو ظلم کی سزا دو تو اتنی ہی دو جتنی تم کو تکلیف دی گئی ہو۔

اس تعلیق کو امام عبداللہ بن حمید نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ اصل مذہب یہ ہے کہ اگر مظلوم بعینہٖ وہی اپنا مال پائے یا اس کی جنس سے پائے تو لے سکتا ہے' بلکہ زمانے کے حالات پر نظر کرتے ہوئے اب اس کی بھی اجازت ہے کہ اس کے مال کی جنس سے نہ ہو جب بھی اس کی مقدار لے سکتا ہے۔

١٤٠٠- ح: فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُوْنَا

[ہم ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمان داری نہیں کرتے]

١٤٠٠- عَنْ اَبِى الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِىَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی

اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُوْنَا فَمَا تَرٰى فِيْهِ فَقَالَ لَنَا إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِيْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ.

(بخاری۔ کتاب الادب۔ باب: اکرام الضیف ج۲ص۹۰۶، مسلم۔ کتاب اللقطۃ، ابوداؤد۔ کتاب الاطعمۃ، ترمذی۔ کتاب السیر، ابن ماجہ۔ کتاب الادب)

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: حضور ہمیں بھیجا کرتے ہیں، کبھی ہم ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانداری نہیں کرتے، ایسی صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو ہم سے فرمایا: تم جب کسی قوم پر اترو اور وہ تمہارے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو مہمان کے لائق ہے تو اسے قبول کرلو اور اگر ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کا حق وصول کرلو۔

جبریہ مہمان داری اس عہد کے ساتھ خاص تھی، اب جائز نہیں۔ اس پر مفصل گفتگو ہو چکی۔ باب ''فخذوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ'' سے ثابت ہے۔

بَابٌ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهٗ أَنْ يَّغْرِزَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهٖ (ص ۳۳۳)

ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ منع کرے

١٤٠١- عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهٗ أَنْ يَّغْرِزَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ مَا لِيْ أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی پڑوسی کسی پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: میں تم لوگوں کو اس سے منہ موڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، بخدا! میں اس حدیث کو تمہارے سامنے علانیہ بیان کرتا رہوں گا۔

(ابوداؤد۔ کتاب القضا، ترمذی۔ کتاب الاحکام، ابن ماجہ، موطا۔ کتاب الاقضیہ، مسند امام احمد۔ ج۲ص۲۴۰)

جمہور کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے اور ممانعت تنزیہ کے لیے۔ ورنہ یہ صحیح احادیث کے صریح احکام کے معارض ہے۔ یہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے فرمایا، جیسے فرمایا گیا: ''ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثه'' جبریل پڑوسی کے بارے میں مجھے وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔ ''ما آمن من نام شبعان وجاره طاو'' وہ ایمان نہیں لایا جو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

بَابُ صَبِّ الْخَمْرِ فِي الطَّرِيْقِ (ص ۳۳۳)

راستے میں شراب بہانا

١٤٠٢- ح: أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

[بے شک شراب حرام کردی گئی]

١٤٠٢- حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِيْ مَنْزِلِ أَبِيْ طَلْحَةَ وَكَانَ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخَ فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ لِيْ أَبُوْ طَلْحَةَ اخْرُجْ فَأَهْرِقْهَا فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا فَجَرَتْ فِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ابوطلحہ کے گھر قوم کا ساقی تھا، اس دن ان کی شراب فضیخ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کردے: سنو! بے شک شراب حرام کر دی گئی۔ اس پر مجھ سے ابوطلحہ نے کہا: باہر نکل کر شراب کو بہادے۔ میں نے باہر نکل کر شراب کو بہادیا اور وہ مدینہ کی گلیوں میں بہنے

بِسِكَكِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قَدْ قُتِلَ قَوْمٌ وَّهِيَ فِي بُطُونِهِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا﴾ (المائدہ:٩٣) الْآيَةَ.

لگی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں قتل کر دیے گئے کہ ان کے پیٹوں میں شراب تھی، اس پر یہ آیت کریمہ اللہ نے نازل فرمائی: ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اپنی کھائی ہوئی چیزوں میں کوئی گناہ نہیں۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب التفسیر۔ سورہ مائدہ۔ باب: قوله ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات ص ٦٦٤، کتاب الاشربہ۔ باب: نزل تحريم الخمر ص ٨٣٦، دو طریقے سے، باب: خدمة الصغار الكبار ص ٨٤١، کتاب اخبار الاحاد۔ باب: في اجازة خبر الواحد ص ١٠٧٧، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب الاشربہ)

حضرت ابوطلحہ

یہ حضرت انس کی والدہ ماجدہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، ان کا نام نامی زید بن سہل انصاری ہے۔ یہ بیعت عقبہ میں حاضر تھے اور نقباء میں سے ایک تھے۔ بدر، اُحد وغیرہ سارے مشاہد میں شریک رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چالیس سال باحیات رہے۔ حضرت انس نے بتایا کہ یہ بحری لشکر کے ساتھ جہاد میں تھے کہ ان کا وصال ہو گیا۔ سات دن تک کوئی جزیرہ نہیں ملا کہ انہیں دفن کیا جاتا، سات دن تک جنازہ یوں ہی رہا، اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ سات دن کے بعد جب جزیرہ ملا تو دفن کیا گیا۔ اس مجلس میں اعیان صحابہ میں سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوایوب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابودجانہ، حضرت ابوسہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے اور گھر کے دوسرے افراد بھی تھے۔

وكان خمرهم

خمر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں، اسی سے خمار بہ معنی اوڑھنی اور دوپٹہ کے آتا ہے، عرف عام میں خمر کے معنی ہر نشہ آور پینے کی چیز کے ہیں اور ہمارے فقہاء احناف کے نزدیک خمر صرف اس نشہ آور مشروب کو کہتے ہیں کہ انگور کے کچے شیرے کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس میں نشہ آ جائے۔ یہ باجماع اُمت حرام قطعی ہے، اس کی بوند بوند پیشاب کی طرح ناپاک اور حرام ہے۔

فَضِيخَ، فَضْخٌ

''فَضِيخَ. فَضْخٌ'' کے معنی پانی چھلکنے کے ہیں۔ فضیخ، اس شراب کو کہتے ہیں جو ادھ پکی کھجور سے اس طرح تیار کی جائے کہ وہ آگ نہ دیکھے۔ کھجور کو پانی میں بھگو کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ اس میں نشہ آ جائے۔

مناديا ينادي

دوسری روایتوں میں یہ ہے کہ ایک صاحب نے آ کر بتایا کہ منادی یہ پکار رہا ہے: شراب ناپاک ہے۔ اور راستوں کو بلاضرورت و مجبوری ناپاک کرنا ممنوع ہے۔ آج اس کی اجازت نہیں، مگر وہ ابتداء اسلام کی بات تھی۔ نیز اس میں شراب کی حرمت کا اعلان عام علیٰ وجہ الکمال ہے۔ ساتھ ساتھ شراب کی بے وقعتی کا اظہار بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلطان کے منادی کا اعلان واجب القبول ہے۔ ابن حزم ظاہری نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شراب پاک ہے، ورنہ اس طرح راستوں میں بہائی نہ جاتی اور بہائی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تنبیہ ضرور فرماتے۔ علامہ عینی نے فرمایا: ابن حزم کی یہ بھاری بے جا جرأت ہے۔ قرآن کریم نے خود اس کے ناپاک ہونے کی نص فرمادی ہے۔

اقول وهو المستعان: غالباً علامہ عینی کی مراد یہ آیت کریمہ ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. (المائدہ:٩٠)

شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی کام ہیں۔

لیکن اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رجس ظاہری نجاست کے معنی میں متعین نہیں، باطنی مراد ہے۔ اسی طرح شراب کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے۔ فیہ ما فیہ۔

بَابُ اَفْنِيَةِ الدُّوْرِ وَالْجُلُوْسِ فِيْهَا وَالْجُلُوْسِ عَلَى الصُّعُدَاتِ (ص ٣٣٣)

گھر کے صحن اور ان میں اور راستوں پر بیٹھنے کا حکم

[لغات]

''افنیه'' ''فناء'' کی جمع ہے، گھر کے متصل جو جگہ چھوٹی ہوئی ہو، جسے صحن کہتے ہیں۔ ''صُعُدَات'' یہ صعید کی جمع ہے، جیسے طریق کی جمع طرقات، راستے کے معنی میں۔ بعض لوگوں نے کہا: ''صَعِيْدٌ'' کی جمع ''صُعُدٌ'' اور ''صُعُد'' کی جمع ''صعدات'' ہے۔ اس قول پر یہ جمع الجمع ہے۔

١٤٠٣- ح: اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ

[راستوں پر بیٹھنے سے بچو]

١٤٠٣- عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا مَا لَنَا بُدٌّ اِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيْهَا قَالَ فَاِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجَالِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهَا قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راستوں پر بیٹھنے سے بچو! لوگوں نے عرض کیا: اس کے بغیر چارہ نہیں، راستے ہی ہمارے بیٹھنے کی جگہیں ہیں جہاں ہم بات چیت کرتے ہیں، فرمایا: جب تم نہیں مانتے اور بیٹھنا ہی ضروری ہے تو راستے کو اس کا حق دو، لوگوں نے عرض کیا: راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: نظر نیچی رکھنا، تکلیف دِہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، اچھی بات کا حکم کرنا، بُری بات سے روکنا۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الاستیذان۔ باب: يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا ص ٩١٩، مسلم۔ کتاب اللباس، ابوداود۔ کتاب الادب، ترمذی، مسند امام احمد۔ ج ٣ ص ٣٦)

ابوداود میں یہ زائد ہے: ''وارشاد السبيل وتشميت العاطس'' راستہ بتانا، چھینکنے والے کو جواب دینا، جب وہ حمد بجا لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طبرانی میں جو حدیث مروی ہے، اس میں ''اغاثة الملهوف'' زائد ہے، مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرنی۔ راستے میں بیٹھنے سے ممانعت اس وجہ سے تھی کہ اس عہد میں عورتیں بلا حجاب نکلتی تھیں۔ شریف عورتیں مردوں کو دیکھ کر جھجک محسوس کرتیں اور مبتذل عورتوں سے فساد کا اندیشہ تھا۔ نیز راستوں میں دوست دشمن سبھی چلتے ہیں۔ کسی معاملہ پر اشتعال بھی ہو سکتا تھا، اس لیے ممانعت فرمائی اور یہ ممانعت مستحب تھی۔ صحابہ کرام نے اپنی مجبوری بیان فرمائی کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں، تو اجازت دے دی، لیکن پھر بھی صحابہ کرام راستوں میں بیٹھنے سے احتراز فرماتے تھے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور جگہ جگہ فتنے اٹھے تو لوگ خبروں کے لیے راستے میں بیٹھنے لگے۔

بَابُ الْغُرْفَةِ وَالْعُلِّيَّةِ الْمُشْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمُشْرِفَةِ فِي السُّطُوحِ وَغَيْرِهَا (ص ٣٣٤)

١٤٠٤- ح: اَلْمَرْاَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَالَ اللّٰهُ لَهُمَا (اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ)

١٤٠٤- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمْ اَزَلْ حَرِيصًا عَلٰى اَنْ اَسْاَلَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْمَرْاَتَيْنِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّتَيْنِ قَالَ اللّٰهُ لَهُمَا ﴿اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ (التحریم:٤) فَحَجَجْتُ مَعَهُ فَعَدَلَ وَعَدَلْتُ مَعَهُ بِالْاِدَاوَةِ فَتَبَرَّزَ ثُمَّ جَآءَ فَسَكَبْتُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَتَوَضَّاَ فَقُلْتُ يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْاَتَانِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّتَانِ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمَا ﴿اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ (التحریم:٤) فَقَالَ وَاعَجَبًا لَّكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ عَآئِشَةُ وَحَفْصَةُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ عُمَرُ الْحَدِيثَ يَسُوقُهُ فَقَالَ اِنِّي كُنْتُ وَجَارٌ لِّي مِنَ الْاَنْصَارِ فِي بَنِي اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَّهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْزِلُ يَوْمًا وَّاَنْزِلُ يَوْمًا فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ مِنْ خَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْاَمْرِ وَغَيْرِهٖ وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَهٗ وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَآءَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الْاَنْصَارِ اِذَا هُمْ قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَآؤُهُمْ فَطَفِقَ نِسَآؤُنَا يَاْخُذْنَ مِنْ اَدَبِ نِسَآءِ الْاَنْصَارِ فَصِحْتُ عَلَى امْرَاَتِي فَرَاجَعَتْنِي فَاَنْكَرْتُ اَنْ تُرَاجِعَنِي فَقَالَتْ وَلِمَ تُنْكِرُ اَنْ اُرَاجِعَكَ فَوَاللّٰهِ اِنَّ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُرَاجِعْنَهٗ وَاِنَّ اِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ فَاَفْزَعَنِي فَقُلْتُ خَابَتْ مَنْ فَعَلَ مِنْهُنَّ بِعَظِيمٍ ثُمَّ جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَقُلْتُ اَيْ حَفْصَةُ اَتُغَاضِبُ اِحْدَاكُنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

چھتوں پر بالاخانے اور جھروکے وغیرہ

[وہ دو عورتیں (جن کے لیے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں مدتِ دراز سے اس کا خواہش مند تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھوں کہ ازواجِ مطہرات میں میں سے وہ دو کون کون تھیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو، تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ حج کیا، وہ قضاءِ حاجت کے لیے عام راستے سے مڑے تو میں بھی پانی کا برتن لے کر مڑا۔ وہ قضاء حاجت کے لیے چلے گئے، پھر آئے تو میں نے برتن سے ان کے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا تو انہوں نے وضو کیا، میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! ازواجِ النبی ﷺ میں وہ دو کون ہیں جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا: تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو، تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں، فرمایا: تجھ پر تعجب ہے اے ابن عباس! یہ عائشہ اور حفصہ ہیں، اس کے بعد حضرت عمر نے پوری حدیث بیان فرمائی کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی بنی امیہ بن زید کے محلے میں رہتے تھے، جو عوالی مدینہ میں سے ہے، ہم دونوں باری باری نبی ﷺ کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے، ایک دن وہ حاضر ہوتا اور ایک دن میں حاضر ہوتا، جس دن میں حاضر ہوتا، اس دن کی پوری خبر لے کر اس کے پاس آتا وہ کوئی حکم ہوتا یا کچھ اور، اور جس دن وہ جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا، اور ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے۔ جب انصار میں آئے تو ہم نے یہ دیکھا کہ انصار پر ان کی عورتیں غالب ہیں۔ ہماری عورتیں بھی انصار کی عورتوں کا رنگ ڈھنگ سیکھنے لگیں۔ ایک بار اپنی بیوی کو میں نے ڈانٹا تو اس نے لوٹ کے جواب دے دیا، اس کا لوٹ کر جواب دینا مجھے ناگوار ہوا، اس نے کہا: میرے جواب دینے کو ناپسند کیوں کرتے ہو، واللہ ازواجِ مطہرات، رسول اللہ ﷺ کو لوٹ کر جواب دیتی ہیں اور

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ فَقَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ خَابَتْ وَخَسِرَتْ اَفَتَاْمَنُ اَنْ يَّغْضَبَ اللّٰهُ لِغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَتَهْلِكِيْنَ لَا تَسْتَكْثِرِيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تُرَاجِعِيْهِ فِيْ شَيْءٍ وَّلَا تَهْجُرِيْهِ وَاسْاَلِيْنِيْ مَا بَدَا لَكِ وَلَا يَغُرَّنَّكِ اَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ هِيَ اَوْضَاَ مِنْكِ وَاَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ عَائِشَةَ وَكُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّ غَسَّانَ تُنْعِلُ النِّعَالَ لِغَزْوِنَا فَنَزَلَ صَاحِبِيْ يَوْمَ نَوْبَتِهٖ فَرَجَعَ عِشَاءً فَضَرَبَ بَابِيْ ضَرْبًا شَدِيْدًا وَّقَالَ اَنَائِمٌ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ وَقَالَ حَدَثَ اَمْرٌ عَظِيْمٌ فَقُلْتُ مَا هُوَ اَجَاءَتْ غَسَّانُ قَالَ لَا بَلْ اَعْظَمُ مِنْهُ وَاَطْوَلُ طَلَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَآئَهٗ قَالَ قَدْ خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ كُنْتُ اَظُنُّ اَنَّ هٰذَا يُوْشِكُ اَنْ يَّكُوْنَ فَجَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِيْ فَصَلَّيْتُ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَشْرُبَةً لَهٗ فَاعْتَزَلَ فِيْهَا فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَاِذَا هِيَ تَبْكِيْ قُلْتُ مَا يُبْكِيْكِ اَوَلَمْ اَكُنْ حَذَّرْتُكِ اَطَلَّقَكُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا اَدْرِيْ هُوَ ذَا فِي الْمَشْرُبَةِ فَخَرَجْتُ فَجِئْتُ الْمِنْبَرَ فَاِذَا حَوْلَهٗ رَهْطٌ يَبْكِيْ بَعْضُهُمْ فَجَلَسْتُ مَعَهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَجِدُ فَجِئْتُ الْمَشْرُبَةَ الَّتِيْ هُوَ فِيْهَا فَقُلْتُ لِغُلَامٍ لَّهٗ اَسْوَدَ اِسْتَاْذِنْ لِعُمَرَ فَدَخَلَ فَكَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ ذَكَرْتُكَ لَهٗ فَصَمَتَ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَجِدُ فَجِئْتُ فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَجِدُ فَجِئْتُ الْغُلَامَ فَقُلْتُ اسْتَاْذِنْ لِعُمَرَ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا فَاِذَا الْغُلَامُ يَدْعُوْنِيْ قَالَ اَذِنَ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَاِذَا هُوَ

وہ دن بھر رات تک رسول اللہ ﷺ سے بولنا چھوڑ دیتی ہیں۔ اس بات نے مجھے گھبرا دیا، میں نے کہا: ان میں سے جس نے بھی یہ کیا ہے وہ بہت خائب و خاسر ہوئی، پھر میں نے اپنے کپڑے ٹھیک کیے اور حفصہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: اے حفصہ! تم میں سے کچھ رسول اللہ ﷺ سے دن دن بھر ناراض رہتی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں ایسا ہوتا ہے، میں نے کہا: جس نے یہ کیا وہ خائب و خاسر ہوئی، کیا تمہیں اس سے اطمینان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ غضب فرمائے اور تم برباد ہو جاؤ، آئندہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ فرمائش نہ کیا کرو اور انہیں لوٹ کر جواب نہ دیا کرو اور بولنا نہ چھوڑا کرو، تمہیں جو ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو اور اپنی پڑوسن (عائشہ) سے فریب نہ کھانا، وہ تم سے کہیں زیادہ حسین ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہیں۔ وہ حضرت عائشہ کو مراد لیتے تھے اور ہم میں یہ بات مشہور تھی کہ غسان ہم پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہا ہے، میرا ساتھی اپنی باری میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عشاء کے وقت واپس ہوا اور میرے دروازے کو زور زور سے پیٹا اور کہا: کیا وہ سو گیا ہے۔ میں گھبرا گیا اور اس کے پاس باہر آ گیا، اس نے کہا: ایک بھاری حادثہ ہو گیا ہے، میں نے کہا: کیا غسان آ گیا؟ اس نے کہا: نہیں! بلکہ اس سے سنگین اور بڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج (مطہرات) کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: حفصہ نامراد ہو گئی! میں گمان کرتا تھا کہ یہ بہت جلد ہو گا۔ میں نے اپنا پورا کپڑا پہنا اور فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، حضور تو نماز کے بعد اپنے بالا خانے کے اندر تشریف لے گئے اور سب سے الگ رہے۔ میں حفصہ کے پاس گیا، وہ رو رہی تھیں، میں نے کہا: کس چیز نے تمہیں رُلایا؟ کیا میں تجھے ڈراتا نہیں تھا، کیا رسول اللہ ﷺ نے تم لوگوں کو طلاق دے دی؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتی، حضور اس بالا خانے میں ہیں۔ میں حفصہ کے گھر سے باہر آیا اور منبر کے پاس گیا اور منبر کے آس پاس کچھ لوگ بیٹھے ہیں، اس میں کچھ لوگ رو رہے ہیں، میں ان کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھا، پھر مجھ پر میرا اندیشہ

مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَّكِئٌ عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ طَلَّقْتَ نِسَائَكَ فَرَفَعَ بَصَرَهُ إِلَيَّ فَقَالَ لَا ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَسْتَأْنِسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ رَأَيْتَنِي وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلٰى قَوْمٍ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَذَكَرَهُ فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قُلْتُ لَوْ رَأَيْتَنِي وَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَقُلْتُ لَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ هِيَ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ عَائِشَةَ فَتَبَسَّمَ أُخْرٰى فَجَلَسْتُ حِيْنَ رَأَيْتُهُ تَبَسَّمَ ثُمَّ رَفَعْتُ بَصَرِيْ فِيْ بَيْتِهٖ فَوَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ فِيْهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ أَهَبَةٍ ثَلَاثَةٍ فَقُلْتُ ادْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَأُعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ أَوَفِيْ شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرْ لِيْ فَاعْتَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ الْحَدِيْثِ حِيْنَ أَفْشَتْهُ حَفْصَةُ إِلٰى عَائِشَةَ وَكَانَ قَدْ قَالَ مَا أَنَا بِدَاخِلٍ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا مِّنْ شِدَّةِ مَوْجِدَتِهٖ عَلَيْهِنَّ حِيْنَ عَاتَبَهُ اللّٰهُ فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَدَأَ بِهَا فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ إِنَّكَ أَقْسَمْتَ أَنْ لَّا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا وَّإِنَّا أَصْبَحْنَا بِتِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ لَيْلَةً أَعُدُّهَا عَدًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَّعِشْرِيْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَأُنْزِلَتْ آيَةُ التَّخْيِيْرِ فَبَدَأَ بِيْ أَوَّلَ امْرَأَةٍ فَقَالَ إِنِّيْ ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا وَّلَا عَلَيْكِ أَنْ لَّا تَعْجَلِيْ حَتّٰى تَسْتَأْمِرِيْ أَبَوَيْكِ قَالَتْ قَدْ أَعْلَمُ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُوْنَا يَأْمُرَانِيْ بِفِرَاقِكَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ﴾

غالب آیا' اس کے لیے میں اس بالاخانے کے پاس آیا جس میں حضور تھے۔ میں نے حضور کے حبشی غلام سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو! وہ اندر گیا اور نبی ﷺ سے بات کی' پھر باہر آ کر بتایا: میں نے آپ کا تذکرہ حضور سے کیا مگر حضور چپ رہے۔ (حضرت عمر نے کہا:) میں لوٹا اس گروہ کے پاس بیٹھا جو منبر کے پاس تھا' پھر میرا اندیشہ مجھ پر غالب آیا۔ اب پھر میں بالاخانے کے پاس آیا اور غلام سے کہا' غلام نے پھر ویسی ہی بات کی' اب پھر منبر والے گروہ کے پاس بیٹھا' پھر میری اُلجھن مجھ پر غالب آئی' اس لیے غلام کے پاس پھر آیا اور اس سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو۔ اب پھر غلام نے پہلے ہی جیسی بات کی' اس پر لوٹنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ غلام مجھے بلانے لگا اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی' اب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' جس پر کوئی فرش نہیں تھا۔ چٹائی کی شکن نے حضور کے پہلو پر نشان ڈال دیا تھا' چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے جس کی بھرن کھجور کے ریشے کی تھی۔ میں نے حضور کو سلام کیا' پھر عرض کیا اور میں کھڑا تھا: کیا حضور نے اپنی ازواج (مطہرات) کو طلاق دے دی ہے؟ حضور نے اپنی نظر میری طرف اُٹھائی اور فرمایا: نہیں! میں نے کھڑے ہی کھڑے رسول اللہ کو مانوس کرنے کے لیے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے' اب ہم ایسی قوم میں ہیں جن کی عورتیں ان پر غالب رہتی ہیں۔ میں نے جب یہ ذکر کیا تو نبی ﷺ مسکرا پڑے' پھر میں نے عرض کیا: فرمایئے! کیا اچھا ہوتا' میں حفصہ کے پاس جاؤں اور کہوں کہ یہ بات تجھ کو غرور میں نہ لائے کہ تیری پڑوسن تجھ سے زیادہ خوبصورت اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہے' ان کی مراد عائشہ تھیں۔ اس پر حضور دوبارہ مسکرائے' جب میں نے حضور کو مسکراتے دیکھا تو بیٹھ گیا' پھر میں نے حضور کے مکان میں نظر ڈالی تو واللہ! تین ڈھیروں کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: اللہ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی اُمت کو وسعت عطا فرمائے! کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی ہے اور ان کو دنیا دی گئی ہے' حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں

إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۲۸-۲۹) قُلْتُ أَفِي هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّي أُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ خَيَّرَ نِسَآئَهُ فَقُلْنَ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ.

(بخاری۔ کتاب العلم۔ باب: التناوب في العلم ص۱۹، ج۲۔ کتاب النکاح۔ باب: موعظة الرجل ابنته بحال زوجها ص۷۸۰، باب: هجرة النبی ﷺ نساء ه في غير بيوتهن ص۷۸۴، باب: حب الرجل بعض نساءه ص۷۸۵، کتاب الطلاق۔ باب: من خير نساء ه ص۷۹۱-۷۹۲، ج۲۔ تفسیر۔ باب: قوله قل لازواجك، دو طریقے سے، سورہ تحریم۔ باب: قد فرض الله تحلة ايمانكم ص۷۲۹، باب: قوله واذا اسر النبی ﷺ ص۷۳۰، باب: وان تظاهرا عليه ص۷۳۱، مسلم۔ کتاب الطلاق۔ باب: تخييره امرأته لا يكون طلاقا الا بالنية ص۴۸۱)

کرتے۔ حضور ٹیک لگائے ہوئے تھے، فرمایا: کیا تو شک میں ہے؟ اے ابن خطاب! یہ وہ قوم ہیں جن کی آسائشیں دنیا کی زندگی ہی میں جلد مہیا کر دی گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لیے استغفار فرمایئے، اس بات کی وجہ سے نبی ﷺ سب سے الگ تھلگ ہو گئے تھے، جب حفصہ نے عائشہ کو یہ بات بتادی تھی اور حضور نے فرمایا کہ میں ان کے پاس ایک مہینہ تک نہ جاؤں گا ان پر سخت ناراضگی کی وجہ سے جب کہ اللہ نے حضور پر عتاب فرمایا، جب انتیس دن گزر گئے تو عائشہ کے پاس حضور تشریف لے گئے اور انہیں سے شروع فرمایا۔ عائشہ نے عرض کیا: آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک ہمارے پاس نہیں آئیں گے اور ابھی انتیس راتیں ہوئی ہیں جن کو میں نے گن گن کے کاٹا ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا ہے اور یہ مہینہ انتیس ہی دن کا ہوا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: پھر آیت تخییر نازل کی گئی تو سب سے پہلے حضور نے مجھ سے شروع فرمایا اور فرمایا: میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا، یہاں تک کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرلو۔ ام المؤمنین نے فرمایا: میں جانتی تھی کہ میرے والدین حضور سے جدائی کا مجھے حکم نہیں دیں گے، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اے نبی! اپنی ازواج سے فرما دو، عظیما تک''۔ میں نے عرض کیا: کیا اس معاملہ میں ماں باپ سے مشورہ طلب کروں گی، میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں، پھر بقیہ ازواج کو اختیار دیا، ان سب نے اسی کے مثل کہا جو عائشہ نے کہا تھا۔

ازواج مطہرات سے الگ تھلگ ایک مہینے تک بالا خانے پر تشریف رکھنے کا واقعہ دوبار رونما ہوا ہے۔ ایک بار ۵ھ میں جبکہ پائے اقدس میں گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے چوٹ آ گئی تھی۔ دوبارہ ۹ھ[1] میں جب ازواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر یہ قسم کھالی تھی کہ ان کے پاس ایک مہینہ نہیں جاؤں گا، جیسے میں نے نزہۃ القاری، ج۲ ص۹۱، رقم: ۲۶۳، بہ عنوان: ''یہ ایلا کا واقعہ کب ہوا؟'' پر مفصل ذکر کیا ہے۔ بہت سے راویوں کو یہ اشتباہ ہو گیا کہ یہ دونوں ایک واقعہ ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں، حضرت ابن عباس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرالظہر ان میں پوچھا تھا، بعض روایات میں یہ ہے کہ خود حضرت عمر نے ان سے فرمایا، پانی لے کر وہ ایک جھاڑی میں قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور یہ باہر کھڑے رہے۔ جب وضو کرنے کے لیے پانی ڈالنے لگے تو پوچھا۔

[1] فتح الباری، ج۹ ص۷۵۲

كنت وجار لي

یہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق ہے۔ یہ ضمیر مجرور متصل پر عطف کو جائز مانتے ہیں اور کتاب العلم میں بصریین کے مذہب کے مطابق "كنت انا وجار لي" ہے، ضمیر متصل کی منفصل کی تاکید کے ساتھ یہ انصاری حضرت عتبان بن مالک بن عمر عجلانی خزرجی رضی اللہ عنہ تھے۔

مِنَ الامر

یہاں دونوں احتمال ہیں کہ یہ امر بہ معنی حکم ہو یعنی احکامِ شرعیہ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر بہ معنی فعل عام ہو یعنی کوئی بھی بات کوئی بھی چیز۔ اور اس پر الف لام عہد کا ہو اور مراد وحی ہو اور یہاں ظاہر یہی ہے۔ کتاب النکاح کی روایت میں "من الامر" کے بجائے "من الوحی" ہے۔

فَصِحْتُ

مسلم میں ہے کہ ان کی زوجہ بنت خارجہ نے، خاص حضرت حفصہ کا نام لے کر کہا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال و جواب کرتی ہیں، خفا ہو جاتی ہیں، دن دن بھر بات نہیں کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر اُم المؤمنین حضرت حفصہ سے مواخذہ فرمایا تو انہوں نے کہا: ہم حضور سے سوال و جواب کریں گی۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا: "لا يغرنك جارتك" یہ بھی فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو تجھے طلاق دے دیتے، پھر وہ حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے، ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری تھی۔ انہوں نے جلال میں فرمایا: اے ابن خطاب! تم پر تعجب ہے، تم ہر چیز میں دخل دینے لگے، یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج مطہرات کے درمیان بھی دخل دینے لگے۔ یہ بات مجھے ایسی لگی کہ میرا غم کچھ کم ہو گیا، بلکہ ایک روایت میں ہے کہ پہلے اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کے پاس گئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر کی بیٹی! تیری شان اتنی بڑھ گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتی ہے۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: تم اپنی بیٹی کو دیکھو۔

غسان

یہ شام میں ایک تالاب یا کنوئیں کا نام ہے، جہاں بنی ازد کی ایک شاخ بنی حفنہ نے بود و باش اختیار کر لی تھی، پھر اس قبیلے کا نام ہی غسان پڑ گیا تھا۔

بغلام له

یہ حضرت رباح رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔

فَصَمَتَ

مسلم میں ہے: جب حاضری کا اذن نہیں ملا تو میں نے بلند آواز میں کہا: اے رباح! میرے لیے اجازت حاصل کر۔ حضور کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ کی سفارش کے لیے آیا ہوں، واللہ! اگر حضور حکم دیں تو اس کی گردن اڑا دوں۔ اب رباح نے اشارہ کیا: اوپر آ ؤ! اور میں مشربہ میں داخل ہوا۔

بخاری اور دوسری حدیث کی کتابوں کی بعض روایتوں میں "آليت شهراً" یا "آلى شهراً" آیا ہے۔ اس سے لغوی معنی مراد ہے، یعنی قسم کھانا، جیسا کہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حلف آیا ہے، اور خود اسی حدیث میں بہ طریق زہری کتاب

النکاح کی روایت میں یہ ہے: ''وکان قال ما انا بداخل علیھن شھرا'' اس لیے کہ قریب قریب اس پر اتفاق ہے کہ فقہی ایلاء اسی وقت ہوگا' جب کہ یہ قسم کھائے کہ اس سے وطی نہیں کروں گا' اور ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ چار مہینے یا اس سے زائد کی مدت بھی ہو۔ اس حدیث کے کسی طریقے میں یہ نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے وطی نہ کرنے کی قسم کھائی ہو' اس لیے اس ایلاء سے فقہی ایلاء مراد نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ایلاء سے اس کا لغوی معنی قسم کھانا مراد ہے۔

فاعتزل...... [حضور اقدس ﷺ کے ازواج مطہرات پر عتاب فرمانے کی وجہ]

حضور اقدس ﷺ نے ازواجِ مطہرات پر یہ عتاب کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ شارحین نے مختلف لکھی ہے۔

(۱) ازواجِ مطہرات نفقے میں کچھ توسیع اور بہتری پر بضد تھیں' جیسا کہ مسلم میں ہے کہ فرمایا:

ھُنَّ حَوْلِیْ کَمَا تَرٰی تَسْاَلْنَنِیْ النفقۃ. یہ ازواج میرے اردگرد تم دیکھ رہے ہو' مجھ سے نفقہ مانگ رہی ہیں۔ (ج ا ص ۴۸۰)

اس سے مطلق نفقہ کا سوال مراد نہیں' وہ تو حضور اقدس ﷺ عطا فرماتے ہی تھے۔ اس سے مراد توسیع اور تحسین ہے۔ علامہ عینی نے کسی کا قول نقل کیا ہے کہ ازواجِ مطہرات ایک دن اجتماعی طور پر حاضر ہوئیں اور یہ عرض داشت پیش کی کہ ہم حضور سے اس کے خواہش مند ہیں جس کی ہر عورت اپنے شوہر سے متمنی ہوتی ہے' یہاں تک کہ بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ہم کسی اور کی زوجیت میں ہوتیں تو ہماری اور شان ہوتی' کپڑے ہوتے اور زیورات ہوتے۔

(۲) حضور اقدس ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی عادتِ کریمہ تھی کہ روزانہ تمام ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے' اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں جب تشریف لے جاتے تو وہ شہد پیش کرتیں' جسے نوش کرنے میں وہاں آپ کچھ دیر تک تشریف رکھتے۔ ازواجِ مطہرات میں دو گروپ تھے' ایک حضرت عائشہ و حفصہ کا' دوسرا حضرت زینب کا۔ حضرت زینب کے یہاں دیر تک قیام فرمانا سبھی کو ناگوار تھا' مگر اسے حضرت عائشہ اور حفصہ نے کچھ شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ دونوں نے آپس میں طے کرلیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضور تشریف لائیں تو وہ یہ کہہ دے کہ حضور کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق ان دونوں میں جن کے پاس تشریف لائے تو اس نے وہ عرض کیا' فرمایا: میں نے زینب کے یہاں شہد پیا ہے' یہ اس کی بُو ہے اور اب شہد اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔

جیسا کہ مسلم میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے۔ اسی سلسلے میں اسی میں انہیں سے ایک دوسری روایت یہ ہے: رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔ عصر کے بعد روزانہ تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے' ایک بار حضرت حفصہ کے یہاں کچھ زیادہ دیر تک رکے' میں نے اس بارے میں معلومات کی تو پتہ چلا کہ وہاں شہد پی رہے تھے' وہ کہتی ہیں: میں نے اس کا حضرت سودہ سے تذکرہ کیا اور میں نے کہا: جب حضور تمہارے پاس تشریف لائیں تو عرض کرنا: یارسول اللہ! حضور نے مغافیر کھایا ہے؟ اس کے جواب میں فرمائیں گے: نہیں! تو تم عرض کرنا کہ پھر یہ بو کیسی ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ اس کو سخت ناپسند فرماتے تھے کہ حضور کے جسم سے بو محسوس کی جائے' اس لیے فرمائیں گے کہ حفصہ نے مجھے شہد پلا دیا ہے تو تم عرض کرنا: اس شہد کی مکھی نے عرفط چوس کر شہد جمع کیا ہے اور میں بھی یہی عرض کروں گی۔ اور اے صفیہ! تم بھی یہی کہنا۔ چنانچہ اس کے مطابق سب نے کہا' اس کے بعد پھر جب آپ حضرت حفصہ کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے شہد پیش کرنا چاہا تو فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت سودہ کو اس پر کچھ تکلیف بھی ہوئی کہ ہم نے حضور کو ایک مرغوب

سے روک دیا' انہوں نے حضرت عائشہ سے کہا: سبحان اللہ! واللہ! ہم نے حضور کو شہد سے محروم کر دیا' تو انہوں نے کہا: چپ رہو!

(۳) حضرت حفصہ کی باری کا دن تھا' حضرت حفصہ نے حضور سے اجازت لی اور اپنے والد کے گھر تشریف لے گئیں۔ حضور نے اپنی باندی ماریہ قبطیہ کو بلوایا' جب حضرت حفصہ آئیں تو دروازہ کو بند پایا۔ جب حضور باہر تشریف لائے تو حضور کے چہرے سے پانی گر رہا تھا اور حفصہ رو رہی تھیں' اس پر حضور نے فرمایا: میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے۔ دیکھو! کسی کو بتانا مت اور یہ تیرے پاس امانت ہے۔ جب حضور باہر تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ نے اس دیوار کو پیٹا جو ان کے اور حضرت عائشہ کے حجرے کے درمیان تھی اور کہا: میں تم کو خوشخبری دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام فرما لیا ہے۔

ماریہ قبطیہ ہی کا قصہ ایک دوسرے طریقے سے بھی مروی ہے: حضرت حفصہ جب اس پر مطلع ہو گئیں تو حضور نے ان سے فرمایا کہ یہ عائشہ کو مت بتانا' میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ دنیا سے تشریف لے جاؤں گا تو ابوبکر کے بعد تمہارے والد خلیفہ ہوں گے' لیکن انہوں نے حضرت عائشہ کو بتا دیا۔ حضرت عائشہ نے حضور کو بتایا اور یہ التماس کی کہ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیں۔ حضور نے یہ التماس قبول کر لی' اس کے بعد حضرت حفصہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے اس پر مواخذہ فرمایا اور عتاب بھی۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ طبرانی نے اوسط اور عشرت النساء میں اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ بھی فرمایا: اس کی ہر روایت میں ضعف ہے۔

(۴) ابن سعد نے یہ سبب روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ نے کوئی جانور ذبح فرمایا یا کہیں سے کچھ ہدیہ آیا تھا' حضور اقدس ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات کو برابر برابر تقسیم کر کے بھجوایا۔ حضرت زینب نے واپس کر دیا' فرمایا: اسے کچھ زیادہ دے دو۔ تین بار یہی ہوا' اس پر حضرت عائشہ نے کہا: اس نے حضور کو ذلیل کر دیا' آپ کے ہدیے کو واپس کرتی ہے' فرمایا: تم میں اتنی قوت کہاں کہ مجھے ذلیل کرو' تمہارے پاس ایک مہینے نہیں آؤں گا۔ اس سلسلے میں جو روایتیں مذکور ہیں' ان کو ہم نے لکھ دیا۔ واقعہ کیا تھا' اس کا صحیح علم اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو ہے۔ جہاں تک میرے ذوق کا تعلق ہے' ان میں سے کوئی واقعہ اس کی بنیاد بننے کے لائق نہیں' البتہ علامہ ابن حجر کی رائے کچھ لگتی ہوئی ہے کہ یہ سب تھوڑے تھوڑے وقفے سے رونما ہوئے اور یہ سب مل کر سبب بنے۔ اس کے باوجود آیت تخییر سے متبادر یہی ہے کہ خفگی کا سبب نفقہ میں توسیع و تحسین کا سوال ہی تھا۔ اسی لیے محتاط مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں اسی کو ذکر فرمایا۔

فانزلت

جب حضور اقدس ﷺ مہینہ پورا ہونے پر بالا خانے سے نیچے تشریف لائے تو ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے' پھر آیت تخییر نازل ہوئی۔ ارشاد ہے:

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا۝	اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرما دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو' تو آؤ! میں تم کو مال دوں اور خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دوں۝ اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۝

(الاحزاب: ۲۸-۲۹)

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ تخییر کن دو باتوں میں تھی؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ تخییر اس بارے میں تھی کہ وہ زوجیت میں

رہنا چاہتی ہیں یا طلاق کی خواستگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس بارے میں اختیار دیا گیا تھا کہ دنیا اختیار کرتی ہیں یا آخرت۔ اگر دنیا اختیار کرتی ہیں تو پھر ان سے جدائی اختیار فرمالیں۔ اور اگر آخرت اختیار کریں تو انہیں زوجیت میں روکے رکھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے، ورنہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے، کیونکہ ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

فانی ارید اللّٰہ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ بقیہ ازواجِ مطہرات اگر میرے فیصلے کو پوچھیں تو حضور انہیں بتائیں نہیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ جو بھی پوچھے گی میں بتاؤں گا، اللہ نے مجھے دشواری میں ڈالنے والا نہیں بنایا ہے، بلکہ آسانی پیدا کرنے والا معلم اور مبلغ بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج کے حجرے میں تشریف لے گئے اور وہ آیت تلاوت فرمائی، سب نے پوچھا: عائشہ نے کیا کیا؟ حضور نے انہیں بتایا اور سب نے رسول اللہ اور دارِ آخرت کو اختیار فرمایا۔ اس پر اللہ عزوجل نے ازواجِ مطہرات کو انعام دنیا میں یہ دیا کہ فرمایا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ. (الاحزاب:۵۲) — اس کے بعد آپ کو اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض دوسریوں سے نکاح کرلیں۔

اس وقت ازواجِ مطہرات آٹھ تھیں، نہ اس کی اجازت تھی کہ مزید کسی اور سے نکاح کرلیں اور نہ اس کی کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کے عوض دوسری سے نکاح کرلیں۔

لیکن یہ پابندی کچھ ہی دنوں تک رہی، پھر مزید نکاح کی اجازت دے دی گئی، ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ. (الاحزاب:۴۹) — اے نبی! ہم نے آپ کے لیے ان تمام بیبیوں کو حلال فرما دیا ہے جن کے مہر آپ دے چکے ہیں اور جو تمہاری باندیاں ہیں۔

حضرت عائشہ اور حضرتِ اُم سلمہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اخیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دے دیا گیا تھا، جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح فرمائیں، بلکہ بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید نکاح فرمائے، اگرچہ خلوت نہ ہوسکی۔

حکم شرعی

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: "اختاری نفسک" تو کیا حکم ہے؟ ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر نے اس سے طلاق سپرد کرنے کی نیت کی ہے تو اگر عورت اپنے نفس کو اختیار کرے تو اس پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر شوہر کو اختیار کیا تو کچھ نہیں، اور اگر شوہر تین طلاقوں کی نیت بھی کرلے تو بھی تین واقع نہ ہوں گی۔

بَابٌ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِي الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ وَهِيَ الرَّحْبَةُ تَكُوْنُ بَيْنَ الطَّرِيْقِ ثُمَّ يُرِيْدُ اَهْلُهَا الْبُنْيَانَ فَتُرِكَ مِنْهَا الطَّرِيْقُ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ (ص۳۳۲)

جب کسی ایسی کشادہ زمین کے بارے میں اختلاف ہو جو عام راستہ ہو اور اس کے مالک عمارت بنانا چاہیں تو راستے کے لیے سات ہاتھ چھوڑ دیں

۱۴۰۵- عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب لوگ راستے کے بارے میں جھگڑتے تو سات ہاتھ چوڑائی چھوڑنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

تَشَاجَرُوا فِی الطَّرِیقِ بِسَبْعَةِ أَذْرُعٍ. فیصلہ فرماتے۔

(ترمذی۔ کتاب الاحکام، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۴۲۹۔ ۴۷۳)

امام بخاری نے باب میں الطریق کے ساتھ المیتاء کا اضافہ فرمایا ہے، یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں نہیں لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے، جسے امام عبدالرزاق نے لیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت انس کی حدیثوں میں بھی ہے۔

بسبعة اذرع

یعنی دونوں فریقوں کی زمینوں سے ساڑھے تین تین ہاتھ زمین لی جائے گی۔

بَابُ النُّهْبٰی بِغَیْرِ إِذْنِ صَاحِبِهٖ (ص ٣٣٦) کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا

ت٤٧٩ - وَقَالَ عُبَادَةُ بَایَعْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا نَنْتَهِبَ.

حضرت عبادہ نے فرمایا: ہم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ کسی کا مال لوٹیں گے نہیں۔

یہ ایک طویل حدیث کا جزو ہے، جو کتاب الایمان میں گزر چکی ہے، وہاں "ان لا ننتهب" نہیں تھا، سرقہ اور نہبہ میں فرق یہ ہے کہ مالک کے علم کے بغیر کسی کا مال لینا سرقہ چوری ہے اور مالک کے علم میں ہوتے ہوئے زبردستی کسی کا مال لے لینا چھین لینا، لوٹ لینا، نہبہ اور لوٹ ہے۔

١٤٠٦- ح: نَهٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّهْبٰی وَالْمُثْلَةِ

[آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوٹنے اور صورت بگاڑنے سے منع فرمایا]

١٤٠٦- حَدَّثَنَا عَدِیُّ بْنُ ثَابِتٍ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ یَزِیْدَ الْاَنْصَارِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ جَدُّهٗ اَبُوْ اُمِّهٖ قَالَ نَهَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّهْبٰی وَالْمُثْلَةِ.

حضرت عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوٹنے اور صورت بگاڑنے سے منع فرمایا ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الذبائح۔ باب: ما یکون من المثلة ص ۸۲۹)

یعنی عبداللہ بن یزید انصاری، عدی ابن ثابت کے نانا ہیں۔ عبداللہ بن یزید انصاری کے بارے میں ابوداؤد نے کہا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت بھی کی ہے اور حضور کے زمانہ میں کمسن تھے، لیکن مصعب بن زبیر نے کہا کہ انہیں صحبت نصیب نہیں۔

مثلہ کے حقیقی معنی اعضاء بگاڑنے کے ہیں، چنانچہ فقہاء نے فرمایا کہ انسان کو خصی کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ مثلہ کرنا ہے۔ علامہ عینی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ "هی العقوبة فی الآلة" اس لیے یہ اپنے عموم کے لحاظ سے نسبندی کو بھی عام ہے، حقیقۃً یہ بھی عضو بگاڑنا ہے، اس لیے کہ عضو جس نفع کے لیے بنایا گیا ہے، جب آپریشن کر کے وہ منفعت حاصل کرنے سے محروم ہو جاتی ہے تو یہ حقیقت میں عضو کو بگاڑنا ہی ہے۔

١٤٠٧- ح: لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ [کوئی زانی مومن ہوتے ہوئے

يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

[زنا نہیں کرتا]

١٤٠٧- عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا يَسْرِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی زانی مؤمن ہوتے ہوئے زنا نہیں کرتا، کوئی شرابی مؤمن ہوتے ہوئے شراب نہیں پیتا، کوئی چور مؤمن ہوتے ہیں چوری نہیں کرتا اور کوئی لٹیرا مؤمن ہوتے ہوئے ایسا مال نہیں لوٹتا جس کی جانب لوگوں کی نظریں اُٹھیں۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الاشربہ۔ باب: قول اللّٰه تعالٰی انما الخمر والمیسر الاٰیة ص ٨٣٦، کتاب الحدود۔ باب: ما یحذر من الحدود ص ١٠٠١، المحاربین۔ اثم الزناۃ ص ١٠٠٦، مسلم۔ کتاب الایمان، نسائی۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب الرجم، ابن ماجہ۔ کتاب الفتن)

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ وَجَدْتُّ بِخَطِّ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَفْسِيْرُهُ اَنْ يُّنْزَعَ مِنْهُ نُوْرُ الْاِيْمَانِ.

فربری نے کہا کہ میں نے ابوجعفر کے ہاتھ کا لکھا ہوا پایا کہ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا: اس سے ایمان کا نور چھین لیا جاتا ہے (یعنی نکال لیا جاتا ہے)۔

کتاب المحاربین کی روایت کے اخیر میں ہے: "والتوبة معروضة بعد" یعنی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، وہ چاہے تو توبہ کر لے۔ کتاب الحدود کی روایت میں نھبۃ کے ساتھ ساتھ ذات شرف بھی ہے، یعنی قدرِ عظیم۔ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ مقدار زیادہ ہو، اور یہ بھی کہ قیمت زیادہ ہو، اگرچہ مقدار تھوڑی ہو اور یہاں اس ارشاد کا بھی مطلب یہی ہے: "یرفع الناس الیه فیها ابصارهم"۔

قَالَ الْفِرَبْرِي

یہ امام بخاری سے صحیح بخاری کے مشہور راوی ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر ہیں۔ ابوجعفر، یہ ابن ابی حاتم، امام بخاری کے ورّاق یعنی کاتب ہیں۔ ان کا تذکرہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ گناہ کے ارتکاب سے اگرچہ وہ کبیرہ گناہ ہو، مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ لامحالہ سلف سے لے کر آج تک اس حدیث کی تاویل کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے اور ان سے دو تاویلیں بھی منقول ہیں۔ ایک یہی جو یہاں مذکور ہے کہ مراد یہ ہے کہ ایمان کا نور نکل جاتا ہے۔ اسے امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے ایک غلام کو بلاتے اور فرماتے: کیا تمہاری شادی نہ کر دوں! اس لیے کہ جو بندہ زنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کے نور کو چھین لیتا ہے، بلکہ امام ابن جریر طبری نے خود حضرت ابن عباس ہی سے بہ طریق مجاہد حدیث مرفوع بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کے نور کو چھین لیتا ہے، اب اس کے بعد اس کی مہربانی ہے، اگر چاہے لوٹا دے، چاہے نہ لوٹائے۔

(فتح الباری۔ کتاب الحدود۔ ج ٢ ص ٥٩)

دوسری کتاب المحاربین میں ہے کہ عکرمہ کے سوال پر فرمایا: ایسے، اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست لیں، پھر الگ کر لیں، اب اگر توبہ کرتا ہے تو ایمان لوٹتا ہے اس طرح اور انگلیاں پھر پیوست لیں۔

اس تاویل کی تائید ابوداؤد اور حاکم کی ایک حدیث سے ہوتی ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا: جب کوئی زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل کر سائبان کے مثل ہو جاتا ہے' جب فارغ ہو جاتا ہے تو لوٹ آتا ہے۔ انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام حاکم نے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زنا کرتا ہے یا شراب پیتا ہے' تو اس کا ایمان یوں الگ ہو جاتا ہے جیسے انسان اپنے کرتے کو اتار دیتا ہے۔

اقول وھو المستعان: مگر یہ تاویل خود محتاج توجیہ ہے' اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارتکاب کے وقت وہ مؤمن نہیں رہتا' کافر ہو جاتا ہے۔ جب توبہ کرتا ہے تو مؤمن ہو جاتا ہے جیسے ہر کافر کفر سے توبہ کرنے کے بعد مؤمن ہو جاتا ہے۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہاں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے' اس لیے جمہور نے ابتداء ہی سے یہی تاویل کی' اس میں کوئی خلل نہیں۔ اور یہ عرف ومحاورے کے مطابق ہے کہ لوگ آئے دن بات بات پر کسی چیز کی نفی کرتے ہیں اور مراد کمال کی نفی ہوتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے: ''لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار'' سوائے علی کے کوئی جوان نہیں اور سوائے ذوالفقار کے کوئی تلوار نہیں۔ ویسے ہی یہاں بھی مراد یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہیں یعنی مؤمن کامل نہیں۔

بَابٌ هَلْ تُكْسَرُ الدِّنَانُ الَّتِي فِيهَا الْخَمْرُ أَوْ تُخَرَّقُ الزِّقَاقُ (ص٣٣٦)

جن مٹکوں میں شراب ہو تو کیا انہیں توڑ دیا جائے اور ان مشکوں کو پھاڑ دیا جائے؟

فَإِنْ كَسَرَ صَنَمًا أَوْ صَلِيبًا أَوْ طُنْبُورًا أَوْ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِخَشَبِهِ وَأُتِيَ شُرَيْحٌ فِي طُنْبُورٍ كُسِرَ فَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ.

پس اگر بت توڑ دے یا صلیب یا سارنگی یا ایسا مال جس کی لکڑی سے انتفاع نہ ہو۔ شریح کے پاس یہ معاملہ لایا گیا کہ سارنگی توڑ دی تھی تو انہوں نے کچھ بھی تاوان کا حکم نہیں کیا۔

١٤٠٨- ح: رَأَى نِيرَانًا تُوقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ

[خیبر کے دن آگ دیکھی جو جلائی جا رہی تھی]

١٤٠٨- عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نِيرَانًا تُوقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ عَلَى مَا تُوقَدُ هَذِهِ النِّيرَانُ قَالُوا عَلَى الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ قَالَ اكْسِرُوهَا وَأَهْرِقُوهَا قَالُوا أَلَا نُهَرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا قَالَ اغْسِلُوا. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ كَانَ ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ يَقُولُ الْحُمُرُ الْأَنَسِيَّةُ بِنَصْبِ الْأَلِفِ وَالنُّونِ.

حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن آگ دیکھی جو جلائی جا رہی تھی۔ پوچھا: یہ آگ کس پر جلائی جا رہی ہے' کہا: دیسی گدھوں پر' فرمایا: (ہانڈیاں) توڑ دو اور گوشت گرا دو۔ لوگوں نے عرض کیا: کیا ایسا نہ کریں کہ گوشت گرا دیں اور ہانڈیاں دھولیں؟ فرمایا: دھولو! امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: ابن ابی اویس کہا کرتے تھے: ''اَلْحُمُرُ الْاَنَسِيَّةُ'' الف اور نون کے فتحہ کے ساتھ۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ خیبر ص ٦٠٣' الصید۔ باب: آنیۃ المجوس والمیتۃ ص ٨٢٧' کتاب الادب۔ ما یجوز من الشعر والرجز ص ٩٠٨' کتاب الدعوات۔ باب: قول اللہ وصل علیھم ص ٩٣٧' مسلم۔ کتاب المغازی۔ کتاب الذبائح' ابن ماجہ۔ کتاب الذبائح)

یہ ایک طویل حدیث کا وسطانی جز ہے' جو غزوۂ خیبر وغیرہ میں مذکور ہے۔ یہ حدیث بھی امام بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے۔ یہاں ابوعاصم الضحاک سے تخریج کی ہے اور کتاب الذبائح میں مکی بن ابراہیم تلمیذ امام اعظم سے' ابتدائی حصہ یہ ہے' ابوسلمہ کہتے ہیں: جب ہم نے خیبر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا تو ہمیں سخت بھوک لگی' پھر اللہ نے خیبر فتح فرما دیا' جس دن خیبر فتح ہوا تو اس کی شام کو ہم نے بہت زیادہ آگ جلائی۔

قال ابو عبد الله

ابن ابی اویس سے مراد امام بخاری کے استاذ اسمٰعیل ہیں جن کا نام عبداللہ تھا۔ یہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ کے صاحبزادے ہیں۔

اَلْاِنْسِيَّةِ

''اَلْاِنْسِيَّةِ'' میں تین لغات درست ہیں: ''اَنَسِیَّه''، ''انسْ'' سے وحشت کی ضد اور ''اُنْسِیَّه'' اُنس سے اسی معنی میں اور ''اِنْسِيَّه''، ''اِنسْ'' بہ معنی بنی آدم سے۔ ابن ابی اویس نے یہ افادہ فرمایا کہ مشہور روایت ''اَنَسِیَّه'' ہے۔

امام بخاری نے ہمزہ کو الف سے اور فتحہ کو نصب سے تعبیر فرمایا' یہ ان کا تسامح ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ متقدمین نحاۃ کی اصطلاح میں یہ درست ہے کہ ہمزہ کو الف سے اور فتحہ کو نصب سے تعبیر کیا جائے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

١٤٠٩- ح: وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ نُصُبًا

[اور کعبہ کے اِردگرد تین سو ساٹھ بت تھے]

١٤٠٩- عَنْ اَبِىْ مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ نُصُبًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِىْ يَدِهٖ وَجَعَلَ يَقُوْلُ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ (بنی اسرائیل:٨١) الْاٰيَةَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تشریف لے گئے اور کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے' حضور اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کو کچوکے مارتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: حق آیا اور باطل مٹ گیا' پوری آیت۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الفتح ص ٦١٤)

نصبا

ابن تین نے کہا کہ ابوالحسن کی روایت میں ''نُصُبٌ'' ہے۔ نون اور صاد دونوں کے ضمے کے ساتھ' اس تقدیر پر یہ نصاب کی جمع ہے جو بت یا اس پتھر کے معنی میں ہے' جسے نصب کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ''نُصْبٌ'' نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ ہے۔ وہ پتھر جس کو زمانہ جاہلیت میں نصب کرتے اور اسے بت بنا لیتے تھے' جس کی پرستش کرتے تھے۔ اس کی جمع انصاب ہے۔ ایک روایت میں بجائے ''نصبا'' کے ''صنما'' بھی آیا ہے۔ مکہ ١٠ رمضان ٨ھ میں فتح ہوا تھا۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت پایا' تو لاٹھی سے ہر بت کی جانب اشارہ فرمایا اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے: حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی تھا' جس بت کی جانب اشارہ فرماتے وہ گر جاتا' بغیر اس کے کہ عصائے مبارک اسے چھوتا۔

١٤١٠- ح: اِتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَّهَا سِتْرًا

[ایک چبوترے پر پردہ ڈال دیا (جس میں تصاویر تھیں)]

١٤١٠- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَّهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِىُّ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے ایک چبوترے پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا تھا جس میں تصویریں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا. تھیں، تو اس کو نبی ﷺ نے پھاڑ ڈالا اور ام المومنین اس کے دو بچھونے بنا دیئے، جو گھر میں رکھے رہتے، جن پر آپ بیٹھتے تھے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: ما وطی من التصاویر ص ۸۸۰، دو طریقے سے، کتاب الادب۔ باب: ما یجوز من الغضب والشدۃ لامر اللہ ص ۹۰۲)

کتاب اللباس میں یہ حدیث پوری یوں ہے: اُم المومنین فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار (تبوک یا خیبر کے) سفر سے تشریف لائے اور میں نے اپنے چبوترے کو تصویر دار پردے سے چھپا دیا تھا، جب اسے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پھاڑ ڈالا اور فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق سے مشابہت کرتے ہیں۔ اسی میں دوسری روایت میں ''قواما'' کے بجائے ''دُرْنُوكًا'' ہے، روئیں دار چھپا ہوا کپڑا، حاصل وہی ہے، کیونکہ آگے تصریح ہے: ''فیہ تماثیل'' اس میں تصویریں تھیں۔

اخیر میں یہ ہے: ''من اشد الناس عذابا یوم القیمۃ الذین یصورون هٰذِهِ الصُّوَر'' قیامت کے دن جن لوگوں پر سخت عذاب ہوگا، ان میں ان تصویروں کے بنانے والے بھی ہیں۔

مطابقت

مظالم سے اس حدیث کو مطابقت یہ ہے کہ ظلم کی تعریف ہے: ''وضع الشی فی غیر محلہ'' تصویر بنانے میں جو رنگ و روغن ہوتا ہے، یا اپنے غیر محل میں صرف ہوتا ہے، اس لیے یہ ظلم ہوا۔

باب سے مناسبت یہ ہے کہ باب سے یہ معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا استعمال ناجائز ہے، ان کو بحفاظت رکھنا حرام ہے، انہیں ضائع کر دینا واجب ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے تصویر والے پردے کو پھاڑ دیا۔

مسائل

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حرام صرف وہ تصویر ہے جو مجسمہ ہو، جس کا سایہ ہو، اس لیے کہ تمثال صرف مجسمہ ہی کو کہتے ہیں، مگر اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجسمہ کے علاوہ وہ تصاویر بھی حرام ہیں جن کا سایہ نہ ہو اور جو کپڑے پر یا کاغذ یا دیوار پر بنی ہوئی ہوں۔ اس لیے کہ یہ تصویریں جو اس حدیث میں مذکور ہیں، پردے پر بنی ہوئی تھیں۔ اُم المومنین کے الفاظ بعض روایت میں ''فیہ تماثیل'' وارد ہیں[1] اس سے ثابت ہے کہ تمثال کا اطلاق کپڑے وغیرہ پر بنی ہوئی تصاویر پر بھی ہوتا ہے، جو مجسمہ نہیں۔

بَابُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ (ص ۳۳۷) جو اپنے مال کے بچانے میں مارا جائے

١٤١١- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ. حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: جو اپنا مال بچانے کے لیے مارا گیا، وہ شہید ہے۔

''دون'' اصل میں ''تحت'' کے معنی میں ظرف مکان ہے، مجازاً سبب کے معنی میں مستعمل ہے، اب ترجمہ یہ ہوا: جو اپنے مال کی وجہ سے مارا گیا، یعنی حفاظت کی وجہ سے۔ بعض نسخوں میں ہے ''باب من قاتل دون مالہ''، اُسے شہید ہونا لازم نہیں۔ اسی لیے امام بخاری نے جواب ذکر نہیں فرمایا، جواب یہ ہوگا کہ وہ ماجور ہے، ثواب کا مستحق ہے۔ مطابقت کی تقریر یہ ہوگی کہ جب مال کی

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۸۸۰

حفاظت میں قتل ہو جانے والا شہید ہے تو جو مال بچانے کے لیے لڑے وہ ضرور ثواب کا مستحق ہے اگر چہ شہید نہ ہو جواب ذکر نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں روایتیں مختلف ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے: "من قتل دون ماله مظلومًا فله الجنة" یعنی جو اپنا مال بچانے میں مظلوم ہو کر مار ڈالا گیا اس کے لیے جنت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ استحقاق جنت کے لیے شہید ہونا لازم نہیں۔

بَابٌ اِذَا كَسَرَ قَصْعَةً اَوْ شَيْئًا لِغَيْرِهٖ (ص٣٣٧)

جب کسی دوسرے کا پیالہ یا کچھ اور توڑ دیا

١٤١٢- عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَآئِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَ خَادِمٍ بِقَصْعَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ فَضَمَّهَا وَجَعَلَ فِيْهَا الطَّعَامَ وَقَالَ كُلُوْا وَحَبَسَ الرَّسُوْلَ وَالْقَصْعَةَ حَتّٰى فَرَغُوْا فَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيْحَةَ وَحَبَسَ الْمَكْسُوْرَةَ.

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب النکاح۔ باب: الغیرۃ ص٧٨٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے یہاں تشریف فرما تھے بعض امہات المومنین نے ایک خادمہ کے بدست ایک پیالہ میں کھانا بھیجا تو جن کے یہاں حضور تھے انہوں نے کھانے پر اپنا ہاتھ مار دیا پیالہ (گر پڑا اور) ٹوٹ گیا حضور نے پیالہ کو جوڑا اور کھانا پیالہ میں کیا اور فرمایا: کھاؤ! لانے والے اور پیالے کو روک لیا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو صحیح سلامت پیالہ واپس فرمایا اور ٹوٹا ہوا روک لیا۔

کتاب النکاح میں یہ تفصیل ہے کہ جن کے کاشانۂ اقدس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادمہ کے ہاتھ کو مارا جس کی وجہ سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑوں کو جمع فرمایا پھر کھانا اس میں جمع فرمایا۔ فرمانے لگے: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی ہے پھر جن کے گھر تشریف فرما تھے ان سے صحیح سالم پیالہ لے کر دیا اور ٹوٹا ہوا انہیں دے دیا۔

بھیجنے والی حضرت زینب بنت جحش تھیں یا حضرت ام سلمہ یا حضرت صفیہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعات متعدد ہوئے ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٧- [کِتَابُ] الشَّرِکَۃِ

شراکت کا بیان

بَابُ الشَّرِکَۃِ فِی الطَّعَامِ وَالنَّھْدِ الْعُرُوْضِ وَکَیْفَ قِسْمَۃُ مَا یُکَالُ وَیُوْزَنُ مُجَازَفَۃً اَوْ قَبْضَۃً قَبْضَۃً لَمَّا لَمْ یَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فِی النَّھْدِ بَاْسًا اَنْ یَّاْکُلَ ھٰذَا بَعْضًا وَّھٰذَا بَعْضًا وَّکَذٰلِکَ مُجَازَفَۃُ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْقِرَانُ فِی التَّمْرِ. (ص ۳۳۷)

کھانے اور زادِ راہ اور سامان میں شرکت کا بیان اور مکیل موزون کو اندازے سے تقسیم کیا جائے یا مٹھی مٹھی بھر کیونکہ زادِ راہ میں مسلمان اس میں کوئی حرج نہیں جانتے کہ کوئی کچھ کھالے اور کوئی کچھ اور ایسے ہی سونے چاندی کو تخمینے سے تقسیم کرنا اور چند کھجوریں ساتھ ساتھ کھانا۔

توضیح باب

''شرکۃ'' میں چار لغات ہیں: ''شَرِکَۃٌ. شِرْکَۃٌ. شَرْکَۃ. شِرْك'' بغیر تاء کے شریعت میں شرکت کے معنی یہ ہیں: ایک یا ایک سے زائد چیزوں پر چند آدمیوں کا حق ثابت ہو جائے۔ کسی بھی بنیاد پر اس کی دو قسمیں ہیں: شرکت مِلک اور شرکت عقد۔ شرکت مِلک یہ ہے کہ چند اشخاص کسی چیز کے مالک ہوں مگر ان میں عقد شرکت نہ ہوا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: اختیاری اور جبری۔ اختیاری یہ ہے کہ شرکاء کے فعل و اختیار سے شرکت ہوئی ہو' مثلاً بہ نیت شرکت چند آدمیوں نے کوئی چیز خریدی' یا ان کو کسی نے ہبہ یا صدقہ کیا اور انھوں نے قبول کرلیا' یا ایک نے قصداً اپنی چیز دوسرے کی چیز میں اس طرح ملادی کہ امتیاز جاتا رہا۔ جبری یہ کہ ان کے مال میں ان کے قصد و اختیار کے بغیر ایسا خلط ملط ہو جائے کہ ایک کی چیز دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکے' جیسے میراث یا امتیاز ہو سکے مگر نہایت دقت و دشواری کے ساتھ' جیسے ایک کے گیہوں میں دوسرے کا جو مل گیا۔

شرکت عقد

یہ ہے کہ باہم عقد شرکت ہوا ہو' مثلاً ایک نے کہا: میں فلاں چیز میں تیرا شریک ہوں اور دوسرے نے کہا: ہمیں منظور ہے' اس کی تین قسمیں ہیں: شرکت بالمال' شرکت بالعمل' شرکت وجوہ۔ شرکت بالمال یہ ہے کہ دونوں نے مال دیا ہو۔ شرکت بالعمل یہ ہے کہ تمام شرکاء کام لاکر مل کر کام کریں اور مزدوری آپس میں تقسیم کرلیں۔ شرکت وجوہ یہ ہے کہ تمام شرکاء اپنی وجاہت اور اعتماد پر اُدھار مال لاکر نہ بیچیں گے اور نفع میں شریک رہیں گے' پھر ان کی دو قسمیں ہیں: شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان۔

شرکت مفاوضہ

یہ ہے کہ چند شخص باہم یہ کہیں کہ ہم نے شرکت مفاوضہ کی اور ہم کو اختیار ہے کہ مجموعی طور پر خرید و فروخت کریں یا علیحدہ علیحدہ

نقد بیچیں یا ادھار اور ہر ایک اپنی اپنی رائے سے کام کرے گا' جو کچھ نفع نقصان ہوگا' اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں' نفع ونقصان میں بھی برابری ہو' تصرف کا حق بھی برابر ہو۔ حکم یہ ہے کہ اس میں ہر شریک دوسرے کا وکیل اور کفیل ہوتا ہے' یعنی ہر ایک دوسرے کا مطالبہ وصول کر سکتا ہے اور ہر ایک پر جو مطالبہ واجب ہوگا' دوسرا بھی اس کا ضامن ہے۔

شرکت عنان

یہ ہے کہ چند افراد کسی خاص نوع کی تجارت یا ہر قسم کی تجارت میں شرکت کریں' مگر ان میں کوئی دوسرے کا ضامن نہ ہو' صرف وکیل ہو۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جو لوگ وکیل ہونے کے اہل ہیں' ان میں یہ جائز ہے۔ تعارف کے لیے بنیادی تعریفات کر دی ہیں' تفصیل کتب فقہ خصوصاً بہار شریعت۔ حصہ ۱۰' سے معلوم کر لیں۔

نِہد

یہ نون کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے' توشہ' زادِ راہ۔ سفر میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ چند رفقاء اپنے اپنے کھانے کی چیزیں اکٹھی کر کے کھاتے ہیں' چیزیں کسی کی کم ہوتی ہیں کسی کی زیادہ' کسی کی عمدہ' کسی کی معمولی' کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ' مگر چونکہ اکٹھے ہو کر کھانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ایک نے دوسرے کے لیے اپنی چیز مباح کر دی ہے' اس لیے یہ بلاشبہہ جائز ہے۔ اس طرح مشترک غلے وغیرہ میں بھی یہ تعامل ہے کہ لوگ اندازے سے بھی تقسیم کر لیتے ہیں اور ہاتھ سے ناپ کر بھی' اس لیے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مجازفة الذهب والفضة

اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا مشترک ہے' تو شرکاء اسے اندازے سے بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح چاندی کو بھی' لیکن ابن بطال نے کہا کہ یہ بالاجماع جائز نہیں۔ اسی طرح گیہوں وغیرہ ان چیزوں میں بھی یہ تقسیم جائز نہیں' جن میں سود ہے۔ ہاں اگر جنس مختلف ہو تو جائز ہے' یا وہ ایسی چیزیں ہوں' جن میں سود نہیں۔

والقران فی التمر

یعنی اس میں بھی حرج نہیں' لیکن احادیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ چند باب کے بعد حدیث مذکور ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت تحریمی ہے یا تنزیہی۔ بزار اور طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ عزوجل نے تمہیں وسعت دے دی ہے' اب ملا کر کھاؤ۔ اس حدیث نے سابقہ ممانعت کو منسوخ کر دیا' مگر اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے' اس لیے کچھ علماء نسخ کو تسلیم نہیں کرتے' بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ کھجور یا پھلوں کو ملا کر نہ کھایا جائے' اس سے لالچ اور ہوس ٹپکتی ہے۔

۱۴۱۳- ح: بَعَثَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ

[آپ ﷺ نے ایک لشکر ساحل کی جانب بھیجا]

۱۴۱۳- عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ فَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اَبَا عُبَيْدَةَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر ساحل کی جانب بھیجا اور اس لشکر کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا اور یہ تین سو افراد تھے' میں بھی انہیں

بْنَ الْجَرَّاحِ وَهُمْ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّاَنَا فِيهِمْ فَخَرَجْنَا حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ فَنِيَ الزَّادُ فَاَمَرَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بِاَزْوَادِ ذٰلِكَ الْجَيْشِ فَجُمِعَ ذٰلِكَ كُلُّهُ فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ فَكَانَ يُقَوِّتُنَا كُلَّ يَوْمٍ قَلِيْلًا قَلِيْلًا حَتّٰى فَنِيَ فَلَمْ يَكُنْ يُّصِيْبُنَا اِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ فَقُلْتُ وَمَا تُغْنِيْ تَمْرَةٌ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِيْنَ فَنِيَتْ قَالَ ثُمَّ انْتَهَيْنَا اِلَى الْبَحْرِ فَاِذَا حُوْتٌ مِّثْلُ الظَّرِبِ فَاَكَلَ مِنْهُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ثُمَّ اَمَرَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بِضِلَعَيْنِ مِنْ اَضْلَاعِهٖ فَنُصِبَا ثُمَّ اَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا.

میں تھا' ہم مدینہ سے نکلے' راستے ہی میں تھے کہ توشہ ختم ہو گیا' اس پر حضرت ابوعبیدہ نے حکم دیا کہ پورے لشکر کے توشوں کو جمع کیا جائے' جو کل کھجوروں کے دو تھیلے ہوئے' وہ روزانہ ہمیں تھوڑا تھوڑا توشہ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اور اب ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی۔ (وہب بن کیسان کہتے ہیں؟) میں نے کہا: ایک کھجور سے کیا ہوتا تھا؟ تو حضرت جابر نے فرمایا کہ جب یہ بھی ختم ہو گئی تو ہم کو اس کی قدر معلوم ہوئی' اس کے بعد ہم دریا تک پہنچے تو ایک مچھلی چھوٹے پہاڑ کے برابر خشکی پر ملی' جس سے اس لشکر نے اٹھارہ دن کھایا' پھر حضرت ابوعبیدہ نے اس کے پہلو کی ہڈیوں میں سے دو ہڈیوں کو ملا کر کھڑی کرنے کا حکم دیا' پھر اونٹ پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا' یہ اونٹ ان دونوں کے نیچے سے گزرا مگر اس کا سرا ہڈیوں تک نہیں پہنچ سکا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: حمل الزاد علی الرکاب ص ۴۱۹' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ سیف البحر ص ۶۲۵' مسلم۔ کتاب الصید' ترمذی۔ کتاب الزہد' نسائی۔ کتاب الصید۔ کتاب السیر)

یہ سریہ ۸ھ کے رجب میں ہوا تھا' اس کو سریۃ الخبط اور سریۃ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ خبط اس پتے کو کہتے ہیں جو درخت سے جھاڑ کر گرایا گیا ہو' چونکہ اس سریے میں صحابہ کرام نے درخت کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھائے تھے' اس لیے یہ نام پڑا۔ سیف کے معنی کنارے کے ہیں' یہ سریہ قریش کے ایک قافلے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج میں فرمایا: قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا گیا تھا' جس کا فاصلہ مدینہ طیبہ سے پانچ دن کی مسافت پر تھا۔

مِزْوَدِی تمر

مزود' توشہ رکھنے کی تھیلی ٹوکری وغیرہ۔ مسلم میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں ایک ٹوکری کھجوریں دی تھیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر قریب الختم ہونے کے وقت دو ٹوکری کھجوریں کیسے جمع ہوئیں۔ ہو سکتا ہے کہ مجاہدین اپنے طور پر کچھ توشہ لیتے گئے ہوں۔ اور مسلم میں جو مذکور ہے وہ سرکاری عطیہ تھا۔ سب کی کھجوریں اکٹھی کر کے ہر ایک کو ایک ایک کھجور دینے پر چونکہ تمام ہم راہی راضی تھے' اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے سفر میں کئی بار ایسا فرمایا' اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سنت ہے۔

فاذا حُوتٌ

اس مچھلی کا نام عنبر تھا' اس کے سینے (پہلو) سے ڈھال بنتی تھی۔ اس ڈھال کو بھی عنبر ہی کہتے تھے' مشہور خوشبو عنبر ایک الگ چیز ہے یہ کسی دریائی جانور کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ حوت واحد اور جمع دونوں پر بولی جاتی ہے' بڑی مچھلی کو کہتے ہیں۔

مثل الظرب

ظرب' ظراب کی جمع ہے' بہ معنی چھوٹی پہاڑی۔ مسلم میں ہے: ہم اس کی آنکھ کے گڑھے میں مٹکے ڈال کر چربی نکالتے تھے' ان

میں تیرہ افراد کو حضرت ابوعبیدہ نے بٹھایا اور سل کے برابر اس کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔

ثمانی عشر لیلة

بعض روایتوں میں نصف شہر ہے اور بعض روایتوں میں شہر بھی وارد ہے۔ ثمانی عشر اور نصف شہر میں منافاۃ نہیں ایسا ہوتا ہے' پندرہ دن سے ایک دو دن کم و بیش کو نصف مہینے سے تعبیر کر دیتے ہیں اور شہر کی امام قاضی عیاض نے تاویل یہ کی کہ نصف مہینے تر کھائی اور سکھا کر رکھ لیا۔ پندرہ دن تک اسے کھایا۔ مسلم میں ہے: مدینہ طیبہ واپس آ کر حضور اقدس ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو فرمایا: یہ تمہارا رزق تھا جو اللہ عزوجل نے بھیجا تھا' کیا اس کے گوشت میں سے کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ صحابہ نے حاضر کیا تو حضور اقدس ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا۔

اس سریے میں وہ وقت بھی آیا کہ زادِ راہ بالکل ختم ہو گیا تو صحابہ کرام جنگلی درختوں کے پتے کھاتے تھے' جس کی وجہ سے ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہو گئے تھے۔

بضلعین

ضِلع پسلی کی ہڈی کو کہتے ہیں' یہاں مراد اس کے کانٹے ہیں۔

اس حدیث میں صحابہ کرام کی کرامت ظاہر ہے' یومیہ صرف ایک کھجور کھا کر چلنے پھرنے کی قوت' بلکہ جہاد کا حوصلہ باقی رہنا فوق الفطرۃ بات ہے' اور یہ محض تائید ایزدی ہے۔

١٤١٤- ح: خَفَّتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ وَاَمْلَقُوْا

١٤١٤- عَنْ يَّزِيْدَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَفَّتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ وَاَمْلَقُوْا فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَحْرِ اِبِلِهِمْ فَاَذِنَ لَهُمْ فَلَقِيَهُمْ عُمَرُ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ مَا بَقَاؤُكُمْ بَعْدَ اِبِلِكُمْ فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا بَقَاؤُهُمْ بَعْدَ اِبِلِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَادِ فِي النَّاسِ يَاْتُوْنَ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ فَبُسِطَ لِذٰلِكَ نِطَعٌ وَّجَعَلُوْهُ عَلَى النِّطَعِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا وَبَرَّكَ عَلَيْهِ ثُمَّ دَعَاهُمْ بِاَوْعِيَتِهِمْ فَاحْتَثَى النَّاسُ حَتّٰى فَرَغُوْا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: حمل الزاد فی الغزو ص ۴۱۸)

[قوم کے توشے ختم ہو گئے اور فاقے کی نوبت آ گئی]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا: قوم کے توشے ختم ہو گئے اور لوگوں پر فاقے کی نوبت آ گئی تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت لینے' حضور نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت عمر ان سے ملے' لوگوں نے انہیں بتایا تو انہوں نے فرمایا: اونٹوں کے بعد تم لوگ کیسے زندہ رہو گے؟ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اونٹوں کے بعد لوگ کیسے جئیں گے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منادی کراؤ کہ سب لوگ اپنے بچے ہوئے توشے لائیں' اس کے لیے ایک چمڑے کا دسترخوان بچھایا گیا' لوگوں نے اس پر لا کر ڈال دیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی برکت کے لیے دعا کی' پھر اپنے اپنے برتنوں کے ساتھ سب کو بلایا' سب لوگوں نے لپ لے لے کر برتن بھر لیے' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں

اللہ کا رسول ہوں۔

طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث: ۱۴۱۴ کا واقعہ غزوہ ھوازن کے موقعہ پر پیش آیا تھا۔

۱۴۱۵- ح: إِذَا اَرْمَلُوْا فِي الْغَزْوِ اَوْ قَلَّ طَعَامٌ

[جب غزوہ میں محتاج ہو جاتے یا غلہ کم ہو جاتا]

۱۴۱۵- عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَشْعَرِيِّيْنَ اِذَا اَرْمَلُوْا فِي الْغَزْوِ اَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِيْنَةِ جَمَعُوْا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ اقْتَسَمُوْا بَيْنَهُمْ فِيْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ فَهُمْ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ.

(مسلم۔کتاب الفضائل' نسائی۔کتاب السیر)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اشعری لوگ جب غزوے میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے عیال کا غلہ کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے' سب کو ایک کپڑے میں اکٹھے کرتے ہیں' پھر ایک برتن سے برابر تقسیم کر لیتے ہیں' وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

حضرت ابو بردہ۔

یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں' ان کا نام حارث تھا یا عامر' اور ایک قول یہ ہے: ابو بردہ ہی ان کا نام ہے۔

اذا ارملوا

جب ان کا توشہ ختم ہو جاتا' یعنی ختم ہونے کے قریب ہوتا۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے: جب رمل' یعنی ریت میں مل جاتے۔ یعنی فاقے کی حالت یہ ہو جاتی کہ وہ ریت میں مل جائیں گے جیسا کہ ''ذَا مَتْـرَبَة'' کا لفظی ترجمہ دھول والا ہے' مگر عرفی معنی محتاج و تنگ دست کے ہیں۔

فهم مني وانا منهم

یعنی وہ مجھ سے متصل ہیں۔ اس مِن کو اتصالیہ کہتے ہیں' یہ کلمہ غایت محبت کے اظہار کے لیے کہا جاتا ہے' جیسے کہ فرمایا: ''الحسين مني وانا من حسين''۔

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ (ص۳۳۸)

بکریوں کو (گن کر) تقسیم کرنا

۱۴۱۶- ح: فَاَصَابَ النَّاسَ جُوْعٌ فَاَصَابُوْا اِبِلًا وَّغَنَمًا

[لوگ بھوکے ہو گئے اور انہیں بہت سے اونٹ اور بکریاں ملیں]

۱۴۱۶- عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَاَصَابَ النَّاسَ جُوْعٌ فَاَصَابُوْا اِبِلًا وَّغَنَمًا قَالَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُخْرَيَاتِ الْقَوْمِ فَعَجِلُوْا وَذَبَحُوْا وَنَصَبُوا الْقُدُوْرَ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقُدُوْرِ فَاُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دادا سے روایت کی انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے کہ لوگ بھوکے ہو گئے اور لوگوں کو بہت سے اونٹ اور بکریاں ملیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے اخیر حصے میں تھے' لوگوں نے جلدی مچا دی' انہیں ذبح کیا اور ہانڈیاں چڑھا دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانڈیوں کے الٹ دینے کا حکم دیا' اس کے بعد تقسیم فرمایا تو دس بکریوں کو ایک اونٹ

فَعَدَلَ عَشَرَةً مِّنَ الْغَنَمِ بِبَعِيْرٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيْرٌ فَطَلَبُوْهُ فَاَعْيَاهُمْ وَكَانَ فِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَّسِيْرَةٌ فَاَهْوٰى رَجُلٌ مِّنْهُمْ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوْا بِهٖ هٰكَذَا فَقَالَ جَدِّيْ اِنَّا نَرْجُو اَوْ نَخَافُ الْعَدُوَّ غَدًا وَّلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى اَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ قَالَ مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوْهُ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَاُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ اَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَّاَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ۔

کے برابر رکھا۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگا' لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا' مگر اس نے انہیں تھکا دیا اور لشکر میں گھوڑے کم تھے۔ ایک صاحب نے اس اونٹ کو تیر مارا' جس پر اللہ نے اسے روک دیا' اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ان چوپاؤں میں بھی جنگلی جانوروں کی طرح بھاگنے کی لت ہوتی ہے' جو بھاگ کے بے قابو ہو جائے' اس کے ساتھ یونہی کرو۔ (عبایہ نے) کہا: میرے دادا نے عرض کیا کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ کل صبح کو دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے گی اور ہمارے پاس چھری نہیں تو کیا بانس سے ذبح کر لیں؟ فرمایا: جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لے لیا جائے' اسے کھاؤ' البتہ وہ دانت اور ناخن نہ ہو اور میں اس کا سبب بیان کرتا ہوں' دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری۔

(بخاری۔ باب: من عدل عشرة من الغنم بعير ص۳۴۱' کتاب الجہاد۔ باب: ما يكره من ذبح الابل والغنم فی المغانم ص۴۳۲' ج۲۔ کتاب الذبائح والصید۔ باب: التسمية على الذبيحة ص۸۲۶' باب: ما انهر الدم من القصب ص۸۲۷' باب: يذكی بالسن ص۸۲۷' باب: ماند من البهائم ص۸۲۸' باب: اذا اصاب قوم غنيمة۔ باب: اذا ند بعير ص۸۳۱' مسلم۔ کتاب الاضاحی' ابوداؤد۔ کتاب الذبائح' ترمذی۔ کتاب الصید۔ کتاب السیر' نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب الذبائح۔ کتاب الصید۔ کتاب الاضاحی' ابن ماجہ۔ کتاب الاضاحی۔ کتاب الذبائح)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے صاحبزادے رفاعہ ہیں اور ان کے صاحبزادے عبایہ ہیں' عبایہ اپنے والد رفاعہ سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنے دادا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بھی۔ خود یہی حدیث اسی بخاری' کتاب الذبائح میں ان کے والد کے واسطے سے ان کے دادا سے مروی ہے۔

"باب من عدل عشرة من الغنم" اور کتاب الذبائح کی ایک روایت میں "اَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ" کے بعد یہ زائد ہے: "اِعْجَلْ اَوْ اَرِنْ مَا اَنْهَرَ الدَّمَ" جو بھی خون بہا دے اس سے ذبح میں جلدی کر دے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر دھاردار لوہے کے علاوہ کسی اور چیز سے ذبح کرو گے تو ذرا سی غفلت میں دیر ہو سکتی ہے اور جانور اذیت پانے یا گلا گھٹنے کی وجہ سے مر سکتا ہے۔

ارن

اس میں ایک روایت "اِرْنِی" را کے سکون اور یا کے ساتھ بھی ہے جو نون کے کسرے کے اشباع سے پیدا ہوئی۔ علامہ خطابی نے کہا کہ صحیح "اِءْرَنْ" ہے مہموز فا۔ "اِرِن یارَن" سے اعجل کے معنی میں' یہ شک راوی ہے۔

بذی الحلیفة

یہ ذوالحلیفہ وہ نہیں جو مدینہ طیبہ کے متصل اس کی میقات ہے جسے ابیار علی بھی کہتے ہیں' بلکہ علاقہ تہامہ میں ذات عرق کے پاس ایک اور جگہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ ہم تہامہ کے ذوالحلیفہ میں تھے۔ علامہ ابن تین نے فرمایا کہ یہ واقعہ ۸ھ میں غزوۂ حنین کے موقعہ پر درپیش ہوا تھا۔

فاکفئت

ان ہانڈیوں کے اُلٹنے کا حکم اس لیے دیا کہ یہ لوگ اس وقت دارالاسلام میں پہنچ چکے تھے اور دارالاسلام میں پہنچنے کے بعد تقسیم کے بغیر مالِ غنیمت کا کھانا جائز نہیں' اور اس کا ظن غالب ہے کہ صرف شوربا گرانے کا حکم دیا تھا' اس لیے کہ یہ گوشت نہ ناپاک تھا نہ حرام' حلال وطیب تھا۔ اسے ضائع کرنا درست نہیں تھا' خود حضور اقدس ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اَوَابِدُ

یہ آبدة کی جمع ہے۔ ''اَبَدَ'' یا ''بُدُّ'' سے' مانوس ہونے کے بعد بھاگنا' بھڑکنا۔

نرجوا او نخاف

یہ شک راوی ہے' یہاں نرجو' نخاف کے معنی میں ہے' جیسا کہ فرمایا: ''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ'' (الکہف:١١٠) تو جسے اپنے رب سے ملنے کا ڈر ہو۔

لیسَ السنَّ وَالظُّفُرُ

یہاں ''لیس'' معنی میں ''اِلَّا'' کے ہے' اور اس کا مابعد منصوب ہے۔

اما السن فعظم (الخ)

ہڈی اور ناخن میں اتنی دھار نہیں ہوتی کہ چمڑے اور گوشت کو بہ آسانی چیر سکے اور دم مسفوح پورا پورا فوراً نکل جائے۔ ہڈی اور ناخن سے چمڑے اور گوشت میں زخم لگے گا' وہ نوچا جائے گا اور جانور اس کی اذیت سے مرے گا' جس کے نتیجے میں دم مسفوح کا اکثر حصہ گوشت میں جذب ہو جائے گا' اس لیے اس سے ذبح شرعی حاصل نہ ہوگا۔ ''مُدىَ الْحَبَشَه'' سے بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ غیر مہذب ہیں۔ ذبح کی ''لِـم'' نہیں جانتے کسی طرح بھی جانور کو مار کر کھاتے ہیں' اس لیے اس سے بچو۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعی اگر حبشیوں کی لوہے کی چھری ہو تو اس سے ذبح حرام ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ کافر کی چھری سے ذبح کرنے سے بھی ذبح درست ہے۔ دانت اور ناخن سے اس وقت ذبح درست نہیں جب کہ وہ جسم میں ہو۔ جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اگر ان میں دھار ہو' وہ چمڑے اور گردن کو کاٹ سکے تو درست ہے' اگرچہ مکروہ ہے۔

ان دونوں احکام میں انسان حیوان' سب کے دانت اور ناخن کا ایک حکم ہے۔

مسائل

دارالاسلام میں پہنچنے کے بعد جب تک حاکم اسلام مالِ غنیمت تقسیم کر کے مجاہدین کو نہ دے دے' اسے استعمال کرنا جائز نہیں۔ پالتو جانور جب بھڑک کے بے قابو ہو جائے تو ذبح کے معاملے میں وہ شکار کے حکم میں ہے' کہیں بھی زخم لگا کر خون بہا دیں' حلال ہو جائے گا۔ ذبح کے وقت یا شکار پر تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے' یاد آتے ہوئے بھی اگر بسم اللہ نہیں پڑھے گا تو جانور مردار ہوگا۔

بَابُ تَقْوِيمِ الْأَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيمَةِ عَدْلٍ (ص٣٣٩)

شرکاء کے درمیان چیزوں کو مناسب قیمت لگا کر تقسیم کرنا

١٤١٧- ح: مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ مِنْ عَبْدِهٖ [جس نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا]

١٤١٧- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا لَّهُ مِنْ عَبْدٍ اَوْ شِرْكًا اَوْ قَالَ نَصِيبًا وَّكَانَ لَهُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ وَاِلَّا فَقَدْ عُتِقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ قَالَ لَا اَدْرِیْ قَوْلُهُ عُتِقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ قَوْلٌ مِّنْ نَّافِعٍ اَوْ فِي الْحَدِيْثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ جو مناسب قیمت کے برابر ہو تو وہ مکمل آزاد ہے ورنہ جتنا حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے اتنا آزاد ہوگا' ایوب نے کہا: میں نہیں جانتا کہ "عُتِقَ مِنْهُ" نافع کا قول ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

(بخاری۔ باب: الشركة فى الرقيق ص ٣٤٠' کتاب العتق۔ باب: اذا اعتق عبدا بين اثنين ص ٣٤٢۔ ٣٤٣' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب العتق۔ ترمذی۔ کتاب الاحکام' نسائی۔ کتاب البیوع۔ کتاب العتق)

١٤١٨- ح: مَنْ اَعْتَقَ شَقِيْصًا مِّنْ مَّمْلُوْكِهٖ

[جس نے اپنے مملوک کا کوئی حصہ آزاد کر دیا]

١٤١٨- عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شَقِيْصًا مِّنْ مَّمْلُوْكِهٖ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهٗ فِيْ مَالِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ مَالٌ قُوِّمَ الْمَمْلُوْكُ قِيمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ اسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے اپنے مملوک کا کوئی حصہ آزاد کیا تو اس مملوک کو اس کے مالک سے مکمل آزادی دلائی جائے' اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس مملوک کی مناسب قیمت لگا کر اس کی کمائی سے قیمت وصول کی جائے' مگر اس کو مشقت میں نہ ڈالا جائے۔

(بخاری۔ باب: الشركة فى الرقيق ص ٣٤٠' کتاب العتق۔ باب: اذا اعتق نصيبا فى عبده وليس له مال ص ٣٤٣' دو طریقے سے' مسلم۔ کتاب العتق۔ کتاب النذر' ابوداؤد۔ کتاب العتق' ترمذی۔ کتاب الاحکام۔ کتاب الاستسعاء' نسائی۔ کتاب العتق' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

شقصا

"نصیب" اور "شرك" ہم معنی ہیں' حصے کے معنی میں۔ راوی کو اس میں شک ہے کہ ان تین الفاظ میں سے کون سا لفظ ارشاد فرمایا تھا۔ بعض محدثین روایت بالمعنی کو جائز نہیں جانتے۔ روایت باللفظ کو واجب جانتے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ روایت باللفظ مستحب ہے۔ راوی نے اسی لیے اس کا لحاظ کیا۔

عبدا

یہ کنیز کو بھی شامل ہے اس لیے کہ عبد جب مطلق بولتے ہیں تو کنیز کو بھی عام ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں' اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عبد کے بجائے مملوک ہے۔ یہ بلا دریغ کنیز کو بھی عام ہے۔ نیز اسی بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی کا فتویٰ مذکور ہے۔ "انه كان يفتى فى العبد او الامة" اس لیے اسحٰق بن راہویہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم غلام کے ساتھ خاص ہے' باندی کے لیے نہیں' ساقط ہوگیا۔

وكان له

یعنی آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ غیر آزاد کردہ حصہ کی قیمت کو پہنچ جائے' تو وہ غلام آزاد ہے' اور اگر اتنا مال نہیں تو کل غلام آزاد نہ ہوگا' جتنا اس نے آزاد کیا ہے' اتنا ہی آزاد ہوگا۔ بقیہ حصے کے لیے اس سے کہا جائے گا کہ کما کر مالک کو اتنے کی قیمت دے دو۔ جب یہ قیمت ادا کر دے تو کل آزاد ہوگا' مثلاً زید نے اپنے نصف غلام کو آزاد کیا اور غلام کی واجبی قیمت دس ہزار ہے' تو اگر زید کے پاس پانچ ہزار موجود ہے تو کل غلام فوراً آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس پانچ ہزار نہیں تو غلام جب کما کر پانچ ہزار زید کو ادا کر دے گا تو آزاد ہوگا۔

قال لا ادری

یہ اس حدیث کے راوی نافع کے تلیذ کا قول ہے' جیسا کہ طرفی نے کہا' اور خود بخاری' کتاب العتق میں تصریح ہے: "قال ایوب لا ادری"۔

استسعی

یہ قتادہ کا قول ہے یا حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے؟ اس بارے میں محدثین میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ قتادہ کا قول ہے' حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث کو قتادہ سے شعبہ اور ان کے دوسرے تلامذہ ہمام' ہشام نے روایت کیا' مگر اس میں یہ نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حدیث ہے' اس لیے کہ قتادہ سے ان کے دوسرے تلامذہ نے اسے روایت کیا ہے' مثلاً سعید بن ابوعروبہ' یحییٰ بن صبیح' حجاج' ابان' موسیٰ بن خلف اور جریر بن حازم' یہ سب ثقہ ہیں اور ثقات کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے۔

غیر مشقوق علیه

یعنی نہ تو غلام کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ قوت سے زیادہ کام کر کے جلد از جلد وہ رقم ادا کر دے اور نہ قیمت سے زیادہ وصول کیا جائے۔ اور نہ اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ حسب دستور مولیٰ کی خدمت کرے' وہ من وجہ آزاد ہے۔ اس کا آقا نہ اس سے خدمت لے سکتا ہے نہ اپنے یہاں رہنے پر مجبور کر سکتا ہے' نہ اسے بیچ سکتا ہے۔

بَابٌ هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ وَالْاِسْتِهَامِ فِيهِ (ص٣٣٩)

کیا تقسیم میں قرعہ ڈالا جائے گا؟ اور تقسیم میں قرعہ اندازی کرنا

١٤١٩- ح: مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْوَاقِعِ فِيهَا

[اللہ عزوجل کی حدود پر قائم رہنے والے اور توڑنے والے کی مثال]

١٤١٩- سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْوَاقِعِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِينَةٍ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْنَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی حدود پر قائم رہنے والوں اور اسے توڑنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی میں سوار ہونے والوں نے قرعہ ڈالا' بعض کے نام میں اوپر کا حصہ آیا اور بعض کے نام میں نیچے کا' جو لوگ نچلے حصے میں تھے' وہ پانی لے کر اوپر والوں پر گزرتے

اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَّلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَاِنْ يَّتْرُكُوْهُمْ وَمَا اَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَّاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا. (بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب: القرعة في المشكلات ص٣٦٩' ترمذی۔ کتاب الفتن)

تھے۔ نچلے حصے والوں نے کہا: اگر ہم اپنے حصے میں کشتی پھاڑ کر سوراخ کر لیں' تو اوپر والوں کو ایذاء دینے سے بچ جائیں گے' اب اگر اوپر والوں نے انہیں چھوڑ دیا تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے' اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو خود بھی نجات حاصل کر لی اور سب نے بھی حاصل کر لی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گناہوں کی وجہ سے دنیوی بلائیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک طبقے کے گناہ کی وجہ سے پوری قوم بلا میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بشرط استطاعت امر بالمعروف نہی عن المنکر واجب ہے' استطاعت ہوتے ہوئے اس سے اجتناب گناہ ہے۔

بَابُ شَرِكَةِ الْيَتِيْمِ وَاَهْلِ الْمِيْرَاثِ (ص٣٣٩)

یتیم اور وارثین کی شرکت

١٤٢٠- ح: سَاَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ﴾ (النساء:٣)

[انہوں نے حضرت عائشہ سے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا: اور اگر تمہیں اندیشہ ہو]

١٤٢٠- اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (النساء:٣) قَالَتْ يَا ابْنَ اُخْتِيْ هِيَ الْيَتِيْمَةُ تَكُوْنُ فِيْ حَجْرِ وَلِيِّهَا تُشَارِكُهُ فِيْ مَالِهٖ فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا فَيُرِيْدُ وَلِيُّهَا اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ اَنْ يُّقْسِطَ فِيْ صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيْهَا غَيْرُهُ فَنُهُوْا اَنْ يَّنْكِحُوْهُنَّ اِلَّا اَنْ يُّقْسِطُوْا لَهُنَّ وَيُبَلِّغُوْا بِهِنَّ اَعْلٰى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ وَاُمِرُوْا اَنْ يَّنْكِحُوْا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ اِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ (النساء:١٢٧) وَالَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ اَنَّهُ يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ الْاٰيَةُ الْاُوْلٰى الَّتِيْ قَالَ فِيْهَا ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء:٣) قَالَتْ عَائِشَةُ

عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ انہوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں پوچھا (کہ فرمایا:) اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں تمہیں جو پسند ہوں' ان سے نکاح کر لو' دو دو اور تین تین اور چار چار۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یہ اس یتیم بچی کے بارے میں نازل ہوئی ہے' جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور وہ مال میں اس کی شریک ہو۔ اپنے مال اور حسن کی وجہ سے وہ اس ولی کو پسند آ گئی ہو اور اس کا ولی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ اس کے مہر میں انصاف کرنا نہ چاہتا ہو کہ جتنا دوسرا مہر دیتا' اتنا دیتا۔ اس لیے لوگوں کو اس یتیم بچی سے شادی کرنے سے منع کر دیا گیا' مگر یہ کہ مہر میں انصاف کریں اور انہیں ان کی حیثیت کے مطابق اعلیٰ مہر دیں' اور ان کو حکم دیا گیا: ان کے ماسوا جو عورت انہیں پسند ہو اس سے نکاح کر لیں۔ عروہ نے کہا: حضرت عائشہ نے کہا کہ اس آیت کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "تم سے لوگ عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں' فرما دو! اللہ ان کے بارے میں تمہیں بتاتا ہے اور وہ تم پر قرآن میں تلاوت کیا جاتا ہے' ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں جنہیں ان کا مقرر حق نہیں دیتے اور انہیں نکاح میں

وَقَوْلُ اللّٰهِ فِي الْآيَةِ الْأُخْرٰى ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ هِيَ رَغْبَةُ اَحَدِكُمْ لِيَتِيْمَتِهِ الَّتِي تَكُوْنُ فِيْ حَجْرِهِ حِيْنَ تَكُوْنُ قَلِيْلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ فَنُهُوْا اَنْ يَّنْكِحُوْا مَا رَغِبُوْا فِيْ مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَّتَامَى النِّسَآءِ اِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ اَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ.

لانے سے روگردانی کرتے ہو"۔ اللہ عزوجل نے جو یہ ذکر فرمایا کہ وہ کتاب میں تلاوت کی جاتی ہے' اس سے مراد پہلی آیت ہے' جس میں یہ فرمایا گیا: "اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر پاؤ گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں' ان سے نکاح کر لو"۔ اللہ عزوجل کا دوسری آیت میں یہ ارشاد ہے: "تم ان سے نکاح کرنے میں روگردانی کرتے ہو" یہ اس یتیم لڑکی کے بارے میں ہے جو تمہاری پرورش میں ہو اور مال و جمال میں کم ہو تو تم ان سے نکاح کرنے سے روگردانی کرتے ہو۔ اس لیے جن یتیم لڑکیوں کے مال و جمال کی وجہ سے لوگ ان کے نکاح کے خواہش مند ہوں' انہیں منع کیا گیا مگر یہ کہ مہر میں انصاف سے کام لیں۔

(بخاری۔ کتاب الوصایا۔ باب: قول اللّٰہ واتوا الیتمی اموالھم ص۳۸۷' ج۲۔ کتاب التفسیر سورۃ النساء۔ باب: وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی ص۶۵۸' دو طریقے سے' باب: ویستفتونک فی النساء ص۶۶۱' کتاب النکاح۔ باب: الترغیب فی النکاح ص۷۵۸' باب: لا یتزوج اکثر من اربع' باب: الاکفاء فی المال ص۷۶۳' باب: من قال لا نکاح الا بولی ص۷۷۰' باب: تزویج الیتیمۃ ص۷۷۲' باب: اذا کان الولی ھو الخاطب ص۷۷۰' کتاب الحیل۔ باب: ما ینھی عن الاحتیال للولی ص۱۰۳۰' مسلم۔ کتاب اخر الکتاب' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب النکاح)

سورۂ نساء کی دوسری آیت یہ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. (النساء:۳)

اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں' ان سے نکاح کر لو دو دو اور تین تین اور چار چار۔

اس آیت میں پہلا حصہ فی الیتمٰی شرط ہے' اور اس کے بعد جزاء' شرط جزاء میں علاقہ ہونا ضروری ہے اور یہاں بہ ظاہر کوئی علاقہ نہیں۔ حضرت عروہ کے سوال کا یہی مقصد تھا۔ حضرت ام المومنین کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اس وقت کے کچھ افراد کی اصلاح کے لیے فرمایا گیا۔ ہوتا یہ کہ کوئی مال دار یتیم لڑکی ہوتی' جس کا نہ کوئی بھائی ہوتا نہ چچا نہ دادا' صرف چچا کا لڑکا ہوتا' یہی اس کا ولی ہوتا۔ لڑکی اس کی پرورش میں رہتی' بحیثیت ولی کے اس کو حق حاصل ہے کہ جس سے چاہے اس یتیم لڑکی کا عقد کر دے اور جو چاہے مہر مقرر کر دے۔ یہ اس لڑکی سے خود اپنا نکاح کر لیتا اور مہر بہت مختصر رکھتا' اس میں لڑکی کی حق تلفی تھی' یہ مہر مثل کی مستحق ہے' یہ اس سے کم دیتا۔ لڑکی اپنی فطری حیاء اور اس کے دباؤ کی وجہ سے کچھ نہ بولتی اور تسلیم کر لیتی' اس کے ازالے کے لیے فرمایا گیا: کہ جب تم ان بے کس مجبور بچیوں کو مہر مثل نہ دے سکو تو ان پر ظلم نہ کرو' ان سے اپنا نکاح نہ کرو' بلکہ اس سے اس کا نکاح کرو' جو اس کا مال کے اعتبار سے بھی کفو ہو اور اسے مہر مثل دے۔ تمہیں نکاح کی حاجت ہے تو عورتیں بہت ہیں' چار تک جتنی پسند آئیں ان سے نکاح کر لو۔

ان الناس استفتوا

اس کا دوسرا رخ یہ تھا: اگر یہ یتیم لڑکی نادار اور بدصورت ہوتی تو اس سے نکاح نہ کرتے اور تیسری صورت یہ تھی کہ وہ بدصورت

اور مال دار ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتے' نہ دوسروں سے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں بہ طریق سدی روایت کیا کہ حضرت جابر کی ایک چچازاد بہن تھی' مگر اپنے والد سے اسے میراث میں بہت مال ملا تھا جس کی وجہ سے وہ مال دار تھی' وہ اس کی شادی کہیں نہ کرتے۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام نے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ. (النساء:۱۲۶)

اور آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں' فرما دو کہ اللہ ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو کتاب میں تم پر تلاوت ہوتی ہے' ان یتیم عورتوں کے بارے میں جنہیں ان کا مقرر حق نہیں دیتے اور انہیں نکاح میں لانے سے روگردانی کرتے ہو۔

حاصل یہ نکلا کہ جو یتیم بچی تمہاری پرورش میں ولی ہونے کی وجہ سے ہے اس کے ساتھ انصاف کرو' صرف اپنی منفعت کو سامنے رکھ کر ان سے معاملہ نہ کرو' اگر تم خود نکاح کرنا چاہتے ہو تو مہر مثل پر کرو اور اگر تمہیں اس کی استطاعت نہیں تو عورتیں بہت ہیں' ان سے نکاح کرلو۔ اور اگر تمہیں ان سے نکاح کی رغبت نہیں تو جب وہ نکاح کے قابل ہو جائیں' ان کا نکاح دوسرے سے کردو۔ ان کے مال سے منفعت حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنے پاس روک کے مت رکھو۔ ''ترغبون ان تنكحوهن'' میں عن محذوف ہے' اصل عبارت یہ تھی: ''ترغبون عن ان تنكحوهن''۔

بَابٌ اِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الدُّوْرَ وَغَيْرَهَا فَلَيْسَ لَهُمْ رُجُوْعٌ وَّلَا شُفْعَةٌ (ص۳۳۹)

جب شرکاء گھر وغیرہ بانٹ لیں تو انہیں رجوع اور شفعہ کا حق نہیں

مطابقت

اس کے تحت امام بخاری' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے ہیں' جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس زمین اور مکان میں شفعہ کا حق دیا جو تقسیم نہ کی گئی ہو اور جب حد بندی ہوگئی اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں۔

بہ ظاہر اس حدیث کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ علامہ بدرالدین محمود عینی قدس سرہ نے مناسبت کی یہ تقریر فرمائی کہ شفعہ کے انتفاء کو رجوع کا انتفاء لازم ہے' اس لیے اگر صورت مذکورہ میں تقسیم سے رجوع کا حق تسلیم کرلیا جائے اور فریق ثانی یعنی مشتری رجوع کر لے تو اس کا حصہ اس زمین اور مکان میں مشاع ہو جائے گا' اور اب اسے بالاتفاق شفعہ کا حق حاصل ہوگا۔

بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهٖ (ص۳۴۰)

غلے وغیرہ میں شرکت کا بیان

ت ۴۸۰ - وَيُذْكَرُ اَنَّ رَجُلًا سَاوَمَ شَيْئًا فَغَمَزَهٗ اٰخَرُ فَرَاٰى عُمَرُ اَنَّ لَهٗ شَرِكَةً.

ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ایک چیز کا دام طے کیا تو دوسرے نے آنکھ سے اشارہ کیا' حضرت عمر کی رائے ہے کہ یہ اس کا شریک ہے۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ تعلیق اس کی دلیل ہے کہ شرکت کے لیے صراحۃً ایجاب وقبول شرط نہیں۔ ایک فریق کا سکوت اور اشارہ بھی کافی ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ محض اشارے اور سکوت سے شرکت ثابت نہ ہو گی۔ صریح صیغہ ایجاب وقبول شرط ہے' ورنہ بہت مواقع پر فساد پیدا ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک ہر جگہ سکوت رضا کے حکم میں نہیں۔ فقہاء نے چونتیس صورتوں کا استثناء کیا ہے' جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

۱۴۲۱- ح: فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ

[آپ (ﷺ) نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی]

۱۴۲۱- عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ وَّكَانَ قَدْ اَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَتْ بِهٖ اُمُّهٗ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْهُ فَقَالَ هُوَ صَغِيْرٌ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ وَدَعَا لَهٗ وَعَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَخْرُجُ بِهٖ جَدُّهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ اِلَى السُّوْقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَيَقُوْلَانِ لَهٗ اَشْرِكْنَا فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيَشْرَكُهُمْ فَرُبَّمَا اَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا اِلَى الْمَنْزِلِ.

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے' ان کی والدہ زینب بنت حمید انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تھیں اور عرض کیا تھا کہ اس سے بیعت لیجئے' یارسول اللہ! تو حضور نے فرمایا: یہ چھوٹا ہے' حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ زہرہ بن معبد سے روایت ہے کہ ان کے جدامجد عبداللہ بن ہشام انہیں لے کر بازار میں جاتے اور غلہ خریدتے۔ انہیں حضرت ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم ملتے تو کہتے: ہمیں بھی شریک کرلو' کیونکہ نبی ﷺ نے تمہارے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے' وہ انہیں شریک کرلیتے' کبھی پورا اونٹ نفع میں پاتے اور اسے گھر بھیج دیتے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ اَشْرِكْنِيْ فَاِذَا سَكَتَ فَيَكُوْنُ شَرِيْكَهٗ بِالنِّصْفِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: جب کسی نے کسی سے کہا: مجھے شریک کرلے اور وہ چپ رہا تو آدھے کا شریک ہوگیا۔

(بخاری۔ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء للصبیان ص ۹۴۰' کتاب الاحکام۔ باب: بیعة الصغیر ص ۱۰۷۰' ابوداؤد۔ کتاب الخراج)

زہرہ کی کنیت ابوعقیل ہے' کتاب الدعوات میں زہرہ کے بجائے عن ابی عقیل ہی ہے۔

قد ادرك

یعنی عبداللہ بن ہشام نے عہد نبوت پایا' ان کا والد ہشام فتح مکہ سے پہلے کافر مرا۔ ان کی والدہ حضرت زینب بنت حمید صحابیہ ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کی والدہ انہیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تھیں۔ ابن مندہ نے کہا کہ انہوں نے چھ سال عہد نبوت پایا۔ امام احمد نے اپنی مسند میں ابن لہیعہ سے روایت کیا کہ یہ عہد رسالت میں بالغ ہوگئے تھے' مگر ابن لہیعہ ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ اقل سن بلوغ میں بالغ ہوگئے تھے' یعنی بارہ سال کی عمر میں۔ یہ روایت کتاب الاحکام میں بھی ہے۔ ان کے اخیر میں یہ زائد ہے: ''وكان يضحي بالشاة الواحدة عن جميع اهله'' اور وہ اپنے تمام اہل کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتے تھے۔ یہ یا تو ان کی خصوصیات میں سے ہے کہ انہیں حضور اقدس ﷺ نے اس کی اجازت دی ہو یا ان کا اجتہاد رہا ہو' چونکہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی اُمت کے ان تمام افراد کی جانب سے ایک مینڈھے کی قربانی کی جو عدم استطاعت کی وجہ سے قربانی نہیں کرسکتے تھے' یا آئندہ ہوں گے اور نہیں کریں گے' انہوں نے اس پر قیاس کیا ہو اور انہیں اس کا علم نہ رہا ہو کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

اقول وهو المستعان: اس خادم کا خیال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو تجارت میں اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ ابتداء میں ایک بکری خریدتے اور پھر اسے بیچتے' پھر اس کی قیمت سے مثلاً دو بکریاں خریدتے' پھر اسی طرح اُلٹ پھیر کرتے اور نفع میں اتنی

بکریاں جمع ہو جاتیں یعنی ایک بکری کے عوض اتنی بکریاں حاصل کر لیتے جوان کے تمام اہل کی قربانی کے لیے کافی ہوتیں۔

یہ مفہوم حدیث کے سیاق کے مطابق بھی ہے جیسا کہ عروہ بارقی کو نبی ﷺ نے ایک دینار دیا کہ اس کے عوض قربانی کا جانور خرید لائیں انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا اور وہ دینار اور ایک بکری لاکر خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی اس دعا کی برکت یہ تھی کہ یہ بازار جاتے اور چالیس ہزار نفع کما لیتے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۳۷)

فمسح راسه

صحابہ کرام کی عادت تھی کہ بچوں کو خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے اور حضور اقدس ﷺ ان کے سر پر دست مبارک پھیرتے اور ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے، کبھی کبھی کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالتے جسے تحنیک کہتے ہیں۔ اس عہد سے لے کر اب تک مسلمانوں میں یہ رواج ہے کہ بچوں کو علماء مشائخ کی خدمتوں میں لاتے ہیں۔ اور یہ حضرات ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور برکت کی دعا کرتے ہیں۔

بَابُ الِاشْتِرَاكِ فِي الْهَدْيِ وَالْبُدْنِ وَإِذَا أَشْرَكَ الرَّجُلُ رَجُلًا فِي هَدْيِهِ بَعْدَ مَا أَهْدَى

ہدی اور اونٹ میں شریک ہونا اور جب کوئی شخص کسی کو اپنی ہدی میں شریک کرے ہدی بنانے کے بعد

مطابقت

ہدی خالص اس جانور کو کہتے ہیں جو حرم میں قربانی کے لیے ہو جب کسی جانور کے بارے میں یہ نیت کر لی کہ میں اس کی حرم میں قربانی کروں گا تو اب یہ درست نہیں کہ اس میں کسی اور کو شریک کرے اگر چہ گائے اونٹ میں ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی کرنے کی نیت ہو اور اس نیت سے پہلے گائے اونٹ میں شریک کر سکتا ہے۔

باب کے اثبات میں امام بخاری نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں پہلی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو نزہۃ القاری ج ۲ ص ۵۳۲ رقم: ۶۵۵ پر مذکور ہے۔ وہاں اخیر میں یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ اسے عمرہ کر دے۔ یہاں یہ ہے: نبی ﷺ چار ذوالحجہ کی صبح کو مکہ حج کے لیے تلبیہ کہتے ہوئے پہنچے اس میں اور کچھ مخلوط نہ تھا۔ ہم جب مکہ آ گئے تو حکم دیا کہ اسے عمرہ کر دیں اور عورتوں کے لیے خلال ہو جائیں اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ظاہر ہے اس سے باب کا اثبات نہیں ہوتا۔

دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے جو نزہۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۶ رقم: ۹۷۶ پر گزر چکی ہے یہاں اس کے اخیر میں یہ ہے: ''واشركه في الهدي'' حضور اقدس ﷺ نے انہیں یعنی حضرت علی کو ہدی میں شریک کر لیا۔

اثبات باب اس طرح ہے کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ طیبہ سے ہدی کے جانور ساتھ لائے تھے اس لیے یہ شرکت اسی میں ہوئی تو ثابت ہو گیا کہ ہدی کی نیت کے بعد دوسرے کو شریک کرنا درست ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی اس روایت[1] میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے ہدی کے جانور اپنے ساتھ لائے

[1] بخاری ص ۲۱۲ کتاب المناسک

تھے۔ کتاب المغازی[1] میں حضرت جابر ہی کی حدیث میں ہے: ''واھدی لہٗ علیٌّ ھدیا'' اور حضرت علی نے حضور کی خدمت میں ہدی پیش کی۔ اب ''اشرکہ فی الھدی'' کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ہدیے کو قبول کر کے اس ہدی کو اپنی ہدی کے جانوروں میں شامل کر کے حضرت علی کو ہدی میں شریک کر لیا۔ یعنی یہ کنایہ ہے اس پیش کش کے قبول کرنے سے۔ علاوہ ازیں یہ متعین ہے کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ طیبہ سے ہدی کے جانور لے کر چلے تھے اور حضرت علی یمن سے، تو جو ہدی واجب تھی، وہ تو متعین تھی، اس میں شرکت نہیں ہوئی، اگر شرکت ہوئی تو نفل میں ہوئی اور نفل میں شرکت بہر حال درست ہے۔

❁❁❁❁❁

---

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۶۲۴۔ کتاب المغازی۔ باب: بعث علی بن ابی طالب، خالد بن الولید الی الیمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٤٨- [كِتَابُ الرَّهْنِ]

[رہن کا بیان]

بَابُ الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ (ص ٣٤١) حضر میں رہن کا بیان

توضیح باب

رہن کے معنی مطلقاً روکنا ہے؛ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ۝ (الطور:٢١) ہر شخص اپنے کیے ہوئے پر گرفتار ہے۝

فقہ میں رہن کے معنی یہ ہیں: دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لیے روکنا کہ اس کے ذریعہ اپنے حق کو کلاً یا جزءاً وصول کرنا ممکن ہو۔ اسے عرف میں گروی رکھنا بولتے ہیں؛ جو چیز گروی رکھی گئی؛ اسے مرہون یا رہن کہتے ہیں اور رہن رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس رکھی ہے؛ اسے مُرتہن کہتے ہیں۔

شرکت کے ساتھ رہن کو یہ مناسبت ہے کہ شرکت میں ایک چیز پر چند آدمیوں کو حق ملکیت حاصل ہوتا ہے اور رہن میں شیء مرہون میں دو شخصوں کا حق مشترک؛ راہن کا اس میں ملکیت کا حق ہے اور مرتہن کو حق حبس۔ شئی واحد میں دو شخصوں کے حقوق ثابت ہوتے ہیں؛ جیسے شرکت میں۔ فرق یہ ہے کہ شرکت میں یکساں حق ثابت ہے اور یہاں حقوق مختلف ہیں۔ رہن کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہے؛ مگر اس کا ذکر سفر کی حالت میں ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ (البقرة:٢٨٣). اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ پاؤ تو قبضے میں دیا ہوا گروی ہو۔

اس سے شبہ ہوسکتا ہے کہ حضر میں شاید جائز نہیں؛ اس لیے امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا۔

١٤٢٢- ح لَقَدْ رَهَنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعَهُ بِشَعِيرٍ [آپ ﷺ نے اپنی زرہ جَو کے عوض رہن رکھی]

١٤٢٢- حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعَهُ بِشَعِيرٍ وَمَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَا أَصْبَحَ لِآلِ مُحَمَّدٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنی زرہ کچھ جَوؤں کے عوض رہن رکھی اور میں نبی ﷺ کی خدمت میں جَو کی روٹی اور بودار چربی لے کر حاضر ہوا؛ اور میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آل محمد کے پاس آج کل صرف ایک صاع غلہ ہے؛

اِلَّا صَاعٌ وَّلَا اَمْسٰی وَاِنَّھُمْ لَتِسْعَةُ اَبْيَاتٍ. حالانکہ وہ نو گھر ہیں۔

حدیث کا ابتدائی حصہ کتاب البیوع' باب شراء النبی ﷺ بالنسیئۃ کے اوائل میں گزر چکا ہے اور وہیں اس کی مکمل تشریح درج ہے' شروع میں واؤ عاطفہ ہے۔ اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے: ''ان یھودیا دعا النبی ﷺ فاجابہ'' ایک یہودی نے نبی ﷺ کو دعوت دی' حضور نے قبول فرمالی۔

اس یہودی کا نام ابوالشحم تھا' اور یہ بنی ظفر کا فرد تھا' جو اوس کی ایک شاخ ہے۔ کم وبیش بیس یا تیس صاع جَو تھا' جس کی قیمت ایک دینار تھی۔ اور یہ اخیر عہد مبارک کی بات ہے۔ وصال کے وقت تک وہ زرہ اسی یہودی کے یہاں رہن رہی۔

ومشیت

یہودی کی دعوت قبول کرنا اور اس کے یہاں زرہ رہن رکھنے کی وجہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ظاہری عسرت کا یہ عالم تھا۔ اس حالت میں اُمت کی آسانی کے لیے یہودی کی دعوت بھی قبول فرمائی اور زرہ بھی رہن رکھی۔ یہ فقر اختیاری تھا تاکہ اُمت کے لیے اُسوہ اور نمونہ ہو ورنہ صحیح احادیث میں ہے کہ فرمایا' اور خود بخاری میں ہے کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔

بَابُ رَهْنِ السِّلَاحِ (ص ۳۴۱) ہتھیار کو رہن رکھنا

۱۴۲۳- ح: مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ

۱۴۲۳- قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ اَنَا فَاَتَاهُ فَقَالَ اَرَدْنَا اَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا اَوْ وَسْقَيْنِ قَالَ ارْهَنُوْنِيْ نِسَآئَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَآئَنَا وَاَنْتَ اَجْمَلُ الْعَرَبِ قَالَ فَارْهَنُوْنِيْ اَبْنَائَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْهَنُكَ اَبْنَائَنَا فَيُسَبُّ اَحَدُهُمْ فَيُقَالُ رُهِنَ بِوَسْقٍ اَوْ وَسْقَيْنِ هٰذَا عَارٌ عَلَيْنَا وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّاْمَةَ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي السِّلَاحَ فَوَعَدَهٗ اَنْ يَّاْتِيَهٗ فَقَتَلُوْهُ ثُمَّ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ. (بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: الكذب في الحرب. باب: الفتك باهل الحرب ص ۴۲۵' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قتل كعب بن الاشرف۔ مسلم۔ کتاب المغازی' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب السیر)

[کون ہے' کعب بن اشرف کے لیے؟]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے؟ کعب بن اشرف کے لیے' اس لیے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دی ہے۔ یہ سن کر حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: میں ہوں! اور وہ کعب کے پاس آئے اور کہا: ہم تم سے ایک دو وسق غلہ ادھار لینا چاہتے ہیں' تو اس نے کہا: اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا: ہم اپنی عورتوں کو تمہارے پاس کیسے رہن رکھ سکتے ہیں' تم تمام عرب سے زیادہ خوبصورت ہو۔ اب اس نے کہا: اچھا! اپنے بچوں کو رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا: ہم اپنے بچوں کو تیرے پاس کیسے رہن رکھیں' کوئی بھی عیب جوئی کرے گا کہ ایک دو وسق کے عوض بچے رہن رکھے گئے' یہ ہم پر عار ہے' ہاں! ہم ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے وعدہ کیا کہ اس کے پاس آئیں گے' وہ حسب وعدہ گئے اور اسے قتل کر دیا' پھر نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس کی خبر دی۔

[کعب بن اشرف یہودی]

کعب بن اشرف یہودی اپنی قوم کا رئیس اور ذی اثر شخص تھا' یہ شاعر بھی تھا۔ اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی

ہجو کیا کرتا تھا۔ واقعہ بدر سے اسے سخت اذیت پہنچی تھی' جس کی بناء پر اس نے کہا تھا: تمہارے لیے خرابی ہے' کیا یہ حق ہے کہ محمد (ﷺ) نے عرب کے رئیسوں کو قتل کر دیا۔ اگر یہ حق ہے تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔

اسی کے اثر سے مکہ قریش کی تعزیت کے لیے گیا' وہاں جا کر بدر کے مقتولین پر نوحہ و بکا کیا اور ایک قصیدہ بھی لکھا۔ قریش نے پوچھا: ہمارا دین اچھا ہے یا محمد (ﷺ) کا؟ تو اس بدبخت نے اپنے مذہب کے بھی خلاف کہا: تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ وہیں قریش سے مسلمانوں سے لڑنے کا معاہدہ کیا۔

جب اس کی شرارتیں بہت بڑھ گئیں تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کعب بن اشرف کے لیے کون ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: حضور کی منشاء یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے؟ فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا: ہمیں کچھ کہنے کی اجازت دیں! فرمایا: اجازت ہے! حضرت محمد بن مسلمہ' ابو نائلہ اور کسی ایک صاحب کو لے کر کعب کے پاس گئے۔ ابو نائلہ اس کے رضاعی بھائی اور محمد بن مسلمہ اس کے بھانجے تھے' وہاں جا کر انہوں نے کعب سے کہا: ہمیں اس شخص نے عاجز کر دیا ہے' ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم سے کچھ اُدھار لوں۔ کعب نے کہا: ابھی کیا ہے؟ تم لوگ اس سے اُکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: کیا بتائیں! ہم نے اس کی اتباع کر لی ہے' یہ ہم نہیں چاہتے کہ اسے چھوڑ دیں' ہمیں انتظار ہے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک یا دو وسق اُدھار دے دو۔

اس نے کہا: اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا: اپنی عورتیں کیسے رہن رکھیں اور تم اجمل العرب ہو۔ اس نے کہا: پھر اپنے بچوں کو رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا: بچوں کو کیسے رہن رکھ دیں' لوگ عیب جوئی کریں گے' کہیں گے کہ ایک دو وسق کے بدلے بچوں کو رہن رکھ دیا' یہ ہمارے لیے عار ہے۔ ہاں ہم ہتھیار رکھ سکتے ہیں۔ اس پر وہ راضی ہو گیا اور انہوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ ہتھیار لے کر آئیں گے۔

رات میں محمد بن مسلمہ' ابو نائلہ' عباد بن بشر' ابو عبس بن جبیر اور حارث بن اوس کے ہم راہ کعب کے پاس گئے اور اسے آواز دی کہ قلعے سے نیچے آؤ۔ اس کی بیوی نے کہا: اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں اس میں شر کی بو سونگھ رہی ہوں۔ کعب نے کہا: یہ محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابو نائلہ ہے اور شریف انسان کو اگر رات میں نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو بھی جاتا ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ نے ساتھیوں سے کہا: جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے بال سونگھنے کے بہانے پکڑوں گا' جب تم لوگ یہ دیکھ لو کہ میں نے اس کو پوری طرح گرفت میں لے لیا ہے تو اسے ختم کر دینا۔

کعب قلعے سے اتر کر چادر میں لپٹا ہوا ان کے پاس آیا اور اس سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: ایسی خوشبو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ کعب نے کہا: میری زوجیت میں عرب کی سردار اور سب سے زیادہ خوشبودار اور اکمل عورت ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: کیا تو اس کی اجازت دیتا ہے کہ تیرے سر کو سونگھوں اور اپنے ساتھیوں کو سونگھاؤں؟ اس نے کہا: ضرور! یہ سنتے ہی حضرت محمد بن مسلمہ نے اپنی پوری قوت سے اسے پکڑ لیا اور ساتھیوں سے کہا: ہاں! ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا' اس کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا۔

کعب بن اشرف کے قتل کی حدیث بخاری میں چار جگہ ہے' سب سے مفصل مغازی میں ہے۔ اور اس واقعے کی تفصیل ہم نے وہیں سے لی ہے۔ اس پر امام بخاری نے چار باب قائم فرمائے ہیں۔ اوّل: ہتھیار رہن رکھنا۔

اس کا ثبوت حضرت محمد بن مسلمہ کے اس قول سے ہے: ہاں! ہم ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں' کیونکہ اگر ہتھیار کا رہن رکھنا جائز نہ

ہوتا تو وہ کبھی یہ پیش کش نہ کرتے۔

دوسرا باب یہ ہے: لڑائی میں کذب۔ اس کا اثبات اس جملے سے ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ عرض کیا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں! اس سے مراد یہی ہے کہ خلافِ واقعہ کچھ کہنے کی اجازت مرحمت ہو۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ انہوں نے اس سے یہ کہا تھا: اس شخص کا ہمارے نزدیک آنا بلا ہے' پورے عرب نے لڑائی چھیڑ دی ہے اور سب نے نشانہ بنالیا ہے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ بقیع تک ان کے ساتھ گئے' پھر انہیں بھیجا اور فرمایا: اللہ کے نام پر جاؤ! اے اللہ! ان کی مدد فرما۔ جھوٹ بولنا حرام ہے' مگر بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہے' جیسے میاں بیوی میں صلح کرانے' دو بچھڑے ہوئے لوگوں میں میل کرانے اور لڑائی میں' لیکن جہاں تک ہو سکے صریح جھوٹ سے بچے' ذومعنی کلمات بولے۔ اور جب صریح جھوٹ کے بغیر کام نہ چلے تو اس میں بھی حرج نہیں' بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے' مثلاً ایک مظلوم گھر میں چھپا ہے' ظالم آکر پوچھتا ہے' اس کا اندیشہ ہے کہ اگر صریح انکار نہیں کرے گا تو ظالم کو شبہہ ہو جائے گا۔ مسلمان کی جان بچانے کے لیے صریح لاعلمی ظاہر کر دینا واجب ہے' اس سلسلے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جلب منافع پر دفع مضرت مقدم ہے۔ یعنی ایک ہی وقت میں دو متضاد باتیں درپیش ہیں' اور وہ بھی ایسی کہ ان دونوں میں سے صرف ایک پر عمل ہو سکتا ہے۔ ایک میں فائدہ ہے اور دوسرے میں نقصان' تو نقصان سے بچنا واجب ہے۔

مثلاً دشمن گھیرے ہوئے ہے اور نماز کا وقت جا رہا ہے' مگر ظن غالب ہے کہ نماز پڑھے گا تو دشمن قتل کر دے گا' تو نماز مؤخر کرنا واجب ہے' جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر خود حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کی تین وقت کی نمازیں قضاء ہو گئیں' حالانکہ نماز کا ترک جھوٹ بولنے سے بڑا گناہ ہے۔ جھوٹ بولنے والے کے بارے میں "فقد کفر" کی کوئی روایت نہیں' مگر نماز چھوڑنے والے کے لیے یہ وارد ہے۔

بَابٌ الرَّهْنُ مَرْكُوبٌ وَّمَحْلُوبٌ (ص ۳۴۱) رہن پر سوار ہو سکتے ہیں' اس کا دودھ دوہ سکتے ہیں

باب کے کلمات بعینہٖ حدیث مرفوع ہے' جسے امام حاکم اور ابن عدی' بیہقی' دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ت ۴۸۱ - وَقَالَ مُغِيرَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ تُرْكَبُ الضَّالَّةُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَتُحْلَبُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَالرَّهْنُ مِثْلُهُ.

اور مغیرہ نے کہا کہ ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: گمشدہ جانور پر اس کے چارے کی مقدار سواری کی جا سکتی ہے اور اس کو چارے کی مقدار دوہا جا سکتا ہے اور رہن اس کے مثل ہے۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' یہ مغیرہ بن مقسم ہیں اور ابراہیم سے مراد امام نخعی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے: کسی نے گمشدہ جانور پایا تو وہ اس کو اتنی سواری کے کام میں لا سکتا ہے جس کی اُجرت اس کے چارے کی قیمت کے برابر ہو۔ اور اسی طرح اتنا دودھ بھی نکال سکتا ہے اور رہن کا بھی یہی حکم ہے۔

والرھن مثلہ

یہ الگ تعلیق ہے' جسے امام سعید بن منصور ہی نے سند مذکور کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۴۲۴ - ح: اَلرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا

[سواری کا جانور جب مرہون ہو تو اس کے خرچے کے مطابق سواری کی جائے]

۱۴۲۴- عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّهْنُ یُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَّلَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَّعَلَى الَّذِیْ یَرْكَبُ وَیَشْرَبُ النَّفَقَةُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواری کا جانور جب مرہون ہوتو اس کے خرچے کے مطابق اس پر سواری کی جائے گی اور دودھ والا جانور مرہون ہوتو اس کے خرچے کے مطابق اس کا دودھ پیا جائے، اس کا خرچہ اس پر ہے جو اس پر سواری کرے اور اس کا دودھ پئے۔

حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما اور ظاہر یہ کے کچھ لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ راہن پر رہن کا نفقہ واجب ہے، اس لیے وہ نفقے کی مقدار رہن سے سواری کا کام لے سکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت امام سفیان ثوری، حضرت امام اعظم کے صاحبین، حضرت امام مالک کا مذہب یہ ہے: راہن رہن سے نہ سواری کا کام لے سکتا ہے نہ اس کا دودھ پی سکتا ہے، اس لیے کہ راہن کو یہ حق دینا رہن کے معنی کے منافی ہے، جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے: ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' اس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ رہن مرتہن کے قبضے میں ہو۔ اور ظاہر ہے کہ راہن کو سواری اور دودھ نکالنے کا حق دینا مرتہن کے قبضے کے منافی ہے۔

رہ گئی یہ حدیث تو یہ مجمل ہے، اس میں یہ نہیں کہ سواری یا دودھ پینے کا حق راہن کو ہے یا مرتہن کو۔ اگر اس سے راہن کے لیے یہ حق ثابت مانیں تو ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' کے معارض، اور مرتہن کے لیے مانیں، تو آیت ربٰو کے معارض، کیونکہ اس میں قرض سے نفع حاصل کرنا ہوا اور یہ یقیناً سود ہے۔

اس کا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث آیت رہن اور آیت ربٰو یا ان میں سے کسی ایک سے منسوخ ہو۔ خاص بات یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی امام شعبی کا مذہب یہ تھا کہ رہن سے انتفاع جائز نہیں اور حدیث کے راوی کا مذہب جب اس کی حدیث مروی کے خلاف ہو تو یہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کے نزدیک اس حدیث کا منسوخ ہونا ثابت ہے۔

بَابٌ اِذَا اخْتَلَفَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَنَحْوُهٗ فَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِیْ (ص ۳۴۲)

جب راہن اور مرتہن وغیرہ اختلاف کریں تو بینہ مدعی پر ہے

۱۴۲۵- عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَكَتَبَ اِلَیَّ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَیْهِ۔

ابن ملیکہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لکھا تو انہوں نے میری طرف تحریر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

(بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب: الیمین علی المدعی علیہ ص ۳۶۷، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورہ آل عمران۔ باب: قولہ ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم، ص ۶۵۳، مسلم۔ کتاب الاحکام، ابوداؤد۔ کتاب القضایا، ترمذی۔ الاحکام، نسائی۔ کتاب القضاء، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

ابن ملیکہ

یہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہیں۔ ان کا نام زہیر بن عبداللہ اور کنیت ابومحمد ہے۔ مکہ معظمہ کے باشندے اور احول تھے۔ حضرت ابن زبیر کے قاضی اور مؤذن تھے۔

کُتَب

قصہ یہ ہوا کہ دو عورتیں گھر میں بیٹھی ہوئی موزہ یا چپل سی رہی تھیں۔ ایک کی ستالی اس کی ہتھیلی میں چبھ گئی، اس نے دوسری عورت پر الزام لگایا کہ اس نے چبھو دیا ہے۔ معاملہ ابن ملیکہ کے پاس آیا تو انہوں نے حضرت ابن عباس کو لکھا، حضرت ابن عباس نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر لوگوں کے محض دعویٰ پر انہیں دے دیا جائے تو پھر کچھ لوگوں کی جانیں اور اموال مفت میں چلے جائیں گے، اس عورت کو اللہ کی یاد دلاؤ اور یہ آیت تلاوت کرو: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور قسموں کے عوض تھوڑی پونجی خریدتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' لوگوں نے اس عورت کو اللہ کی یاد دلائی تو اس نے اقرار کر لیا۔

حضرت ابن عباس نے یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہ ذریعہ خط روایت حدیث کا وہی درجہ ہے جو سماع کا ہے۔ بیہقی میں یہ حدیث پوری یوں ہے:

اگر محض دعویٰ پر دے دیا جائے تو لوگ خون اور مال کا دعویٰ کرنے لگیں گے، بینہ مدعی پر ہے اور قسم مدعیٰ علیہ پر۔

حدود میں قسم نہیں

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ہر دعویٰ میں مدعیٰ علیہ کے انکار کے بعد ثبوت مدعی پر ہے۔ بلا ثبوت فیصلہ حرام، جب مدعی کے پاس ثبوت نہ ہو تو اموال میں مدعیٰ علیہ پر قسم ہے، حدود میں ہمارے نزدیک قسم نہیں۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا: بینہ مدعی پر ہے اور قسم مدعیٰ علیہ پر، مگر قسامت میں۔ اسے ابن عدی نے کامل میں اور دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[1] تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۞۞۞۞۞

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۱۳ ص ۵۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٤٩- [كِتَابُ الْعِتْقِ]

[غلام آزاد کرنے کا بیان]

بَابٌ فِي الْعِتْقِ وَفَضْلِهِ — غلام آزاد کرنے اور اس کی فضیلت کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ۝ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۝ يَّتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ۝﴾ (البلد:١٣-١٥).

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بیان میں: گردن چھڑانا۝ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۝ رشتہ دار یتیم کو۝ (البلد:١٣-١٥)

ان آیات کے پہلے ارشاد فرمایا: "فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ۝ (البلد:١١-١٢)" الا یہ. پھر بلا تامل گھاٹی میں نہیں کودا۝ اور تو کیا جانتا ہے گھاٹی (میں کودنا) کیا ہے۝

یعنی جس نے بلا تامل یہ اعمالِ حسنہ کیے اور مؤمن صالح ہے تو وہ رحمت الٰہی کا مستحق ہے۔ اس سے غلام آزاد کرنے کی فضیلت ثابت ہوگئی۔

یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اس نے فخر یہ کہا تھا: میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عداوت میں کثیر مال صرف کیا ہے۔ گھاٹی میں کودنے سے مراد مشقت برداشت کرنا ہے۔ "يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ" سے مراد قحط اور گرانی کا زمانہ ہے۔ غلام آزاد کرنے اور قحط و گرانی میں یتامیٰ اور مساکین کو کھلانا نفس پر شاق ہوتا ہے، اس لیے اسے گھاٹی میں کودنے سے تعبیر فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ اس بدبخت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں مال برباد کیا، اسے ان نیک کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں ملی۔

١٤٢٦- حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ صَاحِبُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ قَالَ لِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَعَمَدَ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِلَى عَبْدٍ لَهُ قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ فَأَعْتَقَهُ.

حضرت زین العابدین، سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے تلمیذ سعید بن مرجانہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کرے گا تو اللہ عزوجل اس کے ہر عضو کے عوض اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد فرما دے گا۔ سعید بن مرجانہ نے کہا: میں حضرت علی بن حسین کی خدمت میں یہ حدیث لے کر پہنچا تو انہوں نے اپنے ایک ایسے غلام کو آزاد فرما دیا، جس کی قیمت عبد اللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار لگا چکے تھے۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: قول اللّٰہ او تحریر رقبۃ ص ٩٩٢، مسلم۔ کتاب العتق، ترمذی۔ کتاب الایمان)

کتاب الایمان میں یہ زائد ہے:''حتی فرجه بفرجه'' یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے عوض۔

سعید بن مرجانہ

یہ سعید بن عبداللہ بن عامر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم خاص تھے' سب سے تعلقات منقطع کر کے ان کے ہو کر رہ گئے تھے' اس لیے صاحب علی بن حسین کے ساتھ مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے فرزند ہیں جو حبشہ میں مہاجرین کے یہاں پیدا ہوئے۔ داد و دہش' سخاوت میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ اسی لیے ان کو بحر الجود کہا جاتا ہے۔ یہ صحابی ہیں' ۸۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔

مسائل

اس حدیث سے علماء نے استنباط فرمایا کہ ایسے غلام جو صحیح الاعضاء تندرست ہوں' انہیں آزاد کیا جائے' نہ کہ لنگڑے' لولے' اندھے' بہرے' اپاہج از کار رفتہ کو۔ صحیح یہ ہے کہ باندیوں کی بہ نسبت غلاموں کو آزاد کرنا افضل ہے' کیونکہ غلام میں زیادہ منفعت ہے' نیز کنیزیں آزادی کی خواہش مند بھی نہیں رہتیں اور آزاد کرنے میں انہیں لاوارث چھوڑ دینا ہے' جو فتنے کا بھی باعث ہو سکتا ہے۔

بَابٌ اَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ (ص ۳۴۲) کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

۱۴۲۷- عَنْ اَبِیْ مُرَاوِحٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِهٖ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَعْلَاهَا ثَمَنًا وَّاَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰی نَفْسِكَ.

(مسلم۔ کتاب الایمان' نسائی۔ کتاب العتق۔ کتاب الجہاد' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔ میں نے عرض کیا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: وہ جس کی قیمت سب سے زیادہ اونچی ہو اور جو مالک کو سب سے زیادہ پسند ہو۔ میں نے عرض کیا: اگر ایسا نہ کر سکوں؟ فرمایا: کسی کاری گر کی مدد کرو' عرض کیا: اگر یہ بھی نہ کر سکوں؟ تو فرمایا: کسی بے ہنر کا کام بنا دو' عرض کیا: اگر یہ بھی نہ کر سکوں؟ تو فرمایا: لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ' اس لیے کہ یہ صدقہ ہے جو تم اپنے اوپر کرو گے۔

یہ حدیث اگرچہ رباعیات میں ہے' مگر درجے میں ثلاثیات کے ہے' اس لیے کہ اس کے تین راوی عروہ اور ہشام' ابو مراوح تابعی ہیں' جن میں عروہ اور ابو مراوح ایک درجے کے ہیں۔

وجهاد في سبيله

اس عہد میں ایمان کے بعد جہاد افضل الاعمال تھا' مسلمان کم اور کمزور تھے اور چاروں طرف سے دشمنوں کی یورش تھی۔''اعلاها ثمنا'' میں دوسری روایتیں ''اغلاها'' بھی ہے' یعنی سب سے بیش قیمت۔''تعین صانعا'' میں ایک روایت ''ضائعا'' بھی ہے' بلکہ بہت سے محدثین نے فرمایا کہ ''صانعا'' کی روایت غلط ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں ''اخرق'' سے تقابل کی وجہ سے ''صانعا'' زیادہ موزوں ہے۔ ضائع یہاں فقیر کے معنی میں ہے۔

بَابُ الْخَطَاِ وَالنِّسْیَانِ فِی الْعَتَاقَةِ غلام آزاد کرنے اور طلاق وغیرہ میں بھول چوک کا

وَالطَّلَاقِ وَنَحْوِهٖ وَلَا عَتَاقَةَ اِلَّا لِوَجْهِ اللّٰهِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی وَلَا نِیَّةَ لِلنَّاسِیْ وَالْمُخْطِیْ (ص ۳۴۳)

بیان اور آزاد کرنا صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا: ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس کی نیت ہو اور بھولنے والے اور چوکنے والے کی کوئی نیت نہیں ہوتی

توضیح باب

''خطا'' بلا قصد تام کوئی فعل کرنا' جیسے کلی کر رہا تھا اور پانی حلق کے نیچے چلا گیا' نسیان' بہت سی چیزوں کے یاد ہوتے ہوئے کسی خاص چیز کو بھول جانا' مثلاً زید کا حلیہ یاد ہے' اس کے کچھ احوال بھی یاد ہیں' مگر نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ نحوہ سے تعلیقات اور قسم وغیرہ مراد ہیں۔ عتاق اور طلاق میں نسیان کے تحقق کی صرف یہ صورت ہے کہ عتاق یا طلاق کو کسی چیز پر معلق کیا تھا' پھر تعلیق بھول گیا اور شرط کر بیٹھا' مثلاً یہ کہا: اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی پر طلاق یا میرا فلاں غلام آزاد اور یاد نہ رہا' وہ کام کر بیٹھا۔

امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ خطا اور نسیان کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا' کیونکہ مدار کار نیت پر ہے۔ اور خاطی' ناسی کی نیت اس کام کی نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک ناسی' خاطی' لاعب' ہازل' ان سب کی دی ہوئی طلاق واقع ہے۔ اور ان کا آزاد کیا ہوا غلام آزاد ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا:

ثلث جدھن جد و ھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعة.

تین چیزیں ہیں کہ ان کی سنجیدہ بات بھی سنجیدہ ہے اور ہزل مذاق بھی سنجیدہ ہے: نکاح' طلاق اور رجعت۔

(ابوداؤد۔ کتاب الطلاق۔ باب: فی الطلاق علی الھزل ص ۲۹۸' ترمذی۔ کتاب الطلاق۔ باب: فی الجد و الھزل فی الطلاق ص ۱۴۲' ابن ماجہ۔ کتاب الطلاق۔ باب: من طلق او نکح او رجع لاعبا ص ۱۴۸)

دوسری حدیث میں ہے:

ثلث لیس فیھن لعب النکاح والطلاق والعتق.

تین چیزوں میں کھیل نہیں: نکاح اور طلاق اور عتاق۔

(موطا امام مالک۔ جامع النکاح ص ۲۰۸)

ظاہر ہے ہزل مذاق میں نیت نہیں ہوتی' پھر بھی طلاق واقع ہے' مگر چونکہ اس نے ایقاع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ان عقود میں اعتبار منہ سے نکلے ہوئے کلمات کا ہے' نیت کا نہیں' اس لیے جب کوئی طلاق عتاق کے کلمات مذاقاً ادا کرے یا بھول کر یا چوک کر تو طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ اگر کلام کے خلاف متکلم کے بیان پر مدار رکھا جائے تو امان اٹھ جائے' جس کا جی چاہے طلاق دے کر غلام آزاد کر کے کہہ دے کہ میری نیت نہیں تھی کہ طلاق پڑ جائے اور غلام آزاد ہو جائے۔

۱۴۲۸- ح: اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ

[بے شک اللہ نے میری امت کے پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف فرما دیا]

۱۴۲۸- عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰی عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک میری وجہ سے اللہ نے میری امت کے سینوں میں پیدا ہونے

تَجَاوَزَ لِي عَنْ اُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَكَلَّمْ. والے وسوسوں کو معاف فرما دیا ہے جب تک ان پر عمل نہ کرے اور کلام نہ کرے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: الطلاق فی الاغلاق والکرہ ص ۷۹۴ کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا حنث ناسیا فی الایمان ص ۹۸۶ مسلم۔ کتاب الایمان ابوداؤد نسائی ابن ماجہ۔ کتاب الطلاق)

اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود کیسے ثابت ہوتا ہے وہ پردۂ خفا میں ہے ناسی خاطی ایقاع طلاق اور اعتاق کے صیغے زبان سے ادا کرتے ہیں یہ وسوسہ نہیں قول ہے۔

اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں طلاق دینے غلام آزاد کرنے کی نیت ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی غلام آزاد نہ ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گناہ کرنے کے خیال پر مواخذہ نہیں جب تک کہ گناہ کر نہ لے یا زبان سے کلمہ معصیت ادا نہ کرلے البتہ گناہ کے عزم بالجزم اور ایسے ارادے پر کہ ضرور کروں گا اور اس کے نہ کرنے کا دل میں شائبہ بھی نہ ہو مواخذہ ہے جیسے کوئی شرابی شراب پینے کے ارادے سے گھر سے چلا مگر کسی وجہ سے نہ پی سکا۔ گناہ پر ایسا پختہ ارادہ بھی گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسد بغض گناہ ہے۔ فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النور: ۱۹) جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

پسند کرنا فعل قلب ہے اور چونکہ یہ ان کی آرزو عزم بالجزم کی حد تک تھی اس لیے گناہ ہوا اور موجب عذاب نار۔

اس حدیث اور اس قسم کی اور احادیث کا مطلب یہ ہے کہ وسوسہ عزم بالجزم کی حد تک نہ پہنچا ہو۔

بَابٌ اِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ هُوَ لِلّٰهِ وَنَوَى الْعِتْقَ وَالْاِشْهَادُ فِي الْعِتْقِ (ص ۳۴۳)

جب اپنے غلام سے کہے: وہ اللہ کے لیے ہے اور آزاد کرنے کی نیت کر لے اور آزاد کرنے پر گواہ بنانا

۱۴۲۹- عَنْ قَيْسٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ لَمَّا اَقْبَلَ يُرِيْدُ الْاِسْلَامَ وَمَعَهٗ غُلَامُهٗ ضَلَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِنْ صَاحِبِهٖ فَاَقْبَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ جَالِسٌ مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ هٰذَا غُلَامُكَ قَدْ اَتَاكَ فَقَالَ اَمَا اِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّهٗ حُرٌّ قَالَ فَهُوَ حِيْنَ يَقُوْلُ:

قیس سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آرہے تھے تو ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا راستے میں ان دونوں کا ساتھ چھوٹ گیا اس کے بعد غلام آگیا۔ ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے غلام کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! یہ تیرا غلام آگیا۔ اس پر ابوہریرہ نے کہا: میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ آزاد ہے۔ وہ کہتے تھے:

يَا لَيْلَةً مِّنْ طُوْلِهَا وَعَنَائِهَا
عَلٰى اَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

ہائے! وہ رات کتنی لمبی اور اذیت ناک تھی مگر اس نے دار الکفر سے نجات دی ہے۔

باب میں "والاشهاد فی العتق" میں "والاشهاد" پر ضمہ متعین ہے۔ اور یہ باب پر معطوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی "باب الاشهاد فی العتق" اگر کسی نے اپنے غلام کے بارے میں یہ کہا: "هو لله" اور اس کی نیت آزاد کرنے کی ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے تین طریقے سے روایت کیا ہے تیسرے طریقے میں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے ابوہریرہ! یہ تیرا غلام ہے تو انہوں نے کہا: "اشهدك انه لله"۔

حین یقول

اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ بعد والی روایت میں جو یہ ہے: "قلت فی الطریق" اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے حدود میں داخلے کے بعد بارگاہِ قدس تک جو راستہ تھا اس میں یہ پڑھتے تھے۔ اس پر قرینہ اس سے پہلے کا جملہ ہے کہ فرمایا: جب میں مدینہ پہنچ گیا تو راستے میں یہ کہتا تھا۔

بَابُ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ (ص ٣٤٤) — ولاء کی بیع اور ہبہ

١٤٣٠- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ٢۔ کتاب الفرائض۔ باب: اثم من تبرء من مواليه ص ١٠٠، مسلم۔ کتاب العتق)

ولاء وہ رشتہ ہے جو آزاد کردہ غلام اور اس کے آزاد کرنے والے آقا کے درمیان عتق سے پیدا ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں اگر ان کے ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں، بلکہ ایک حدیث میں فرمایا:

الولاء لحمة كلحمة النسب. — ولاء نسب کے خونی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ١٣ ص ٩٥)

اس کا بیچنا اور خریدنا اس لیے جائز نہیں کہ اس میں تبدیلِ مولیٰ ہے، اور یہ سخت ممنوع، کیونکہ جب یہ نسب کے مثل ہے تو اس کی تبدیلی نسب کی تبدیلی کے مثل ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ صرف ایک حق ہے، کوئی مال نہیں اور حقوق مجردہ کی بیع باطل ہے۔

بَابُ إِذَا أُسِرَ أَخُو الرَّجُلِ أَوْ عَمُّهُ هَلْ يُفَادٰى إِذَا كَانَ مُشْرِكًا (ص ٣٤٤) — جب کسی کا مشرک بھائی یا چچا گرفتار ہو جائے تو کیا اس کا فدیہ دیا جا سکتا ہے

توضیح باب

"یفادی" کا مادہ "فداء" ہے قیدی کو مال کے عوض یا قیدی کو قیدی کے عوض چھڑانا۔ باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی یا چچا کو گرفتار کرے تو وہ اس پر آزاد ہو گا یا نہیں؟ اگر آزاد ہو جائے گا تو فدیہ دینا نہیں، اور اگر آزاد نہ ہو گا تو فدیہ دینا ہو گا۔ باب میں فدیہ دینا آزاد نہ ہونے سے کنایہ ہے۔ امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں بیان فرمایا، سوال کر کے چھوڑ دیا، نیز صرف بھائی اور چچا کو ذکر فرمایا اس لیے کہ اس مسئلہ کی تفصیل میں اختلاف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رشتہ داروں کی تین قسمیں ہیں: ذو رحم محرم اور غیر ذی رحم محرم یا ذو رحم غیر محرم۔

ذو رحم محرم

ان دو رشتہ داروں کو ذو رحم محرم کہتے ہیں کہ ان میں سے جس کسی کو مرد اور دوسرے کو عورت فرض کیا جائے تو ان میں ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو جیسے دو بھائی، چچا بھتیجے، ماموں بھانجے۔

غیر ذو رحم محرم: جن میں کوئی رشتہ ہی نہ ہو اور محرم ہوں، جیسے صہریت کی بناء پر جو حرام ہوں جیسے موطوءہ کے اصول و فروع واطی

پر۔ ذورحم غیر محرم' جن میں رشتہ ہو' مگر موجب حرمت نہ ہو' جیسے چچا' ماموں' پھوپھی' خالہ کے لڑکے۔

پھر ان کی تین قسمیں ہیں: اصحاب فرائض اور عصبات اور ذوالارحام۔ اصحاب فرائض وہ ہیں جن کی میراث کا حصہ قرآن مجید میں معین ہے' جیسے ماں' باپ' بیوی' شوہر وغیرہ' عصبات وہ ہیں کہ ذوالفرائض سے جو بچے' وہ اس کے حق دار ہیں' اور اصحاب فرائض کے نہ ہونے کی صورت میں پوری میراث کے۔ ذوی الارحام وہ رشتہ دار ہیں جن کا لگاؤ کسی سے کسی عورت ہی کی بدولت ہو' جیسے نواسے' بھانجے وغیرہ۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں: اگر کوئی اصحاب فرائض کا مالک ہوگا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ اس خصوص میں بیٹے اصحاب فرائض میں ہیں۔ اور یہی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب ہے' اس لیے کہ جنگ بدر میں حضرت عقیل گرفتار ہوئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور وہ آزاد نہ ہوئے' ان سے فدیہ لیا گیا' حالانکہ بھائی عصبہ ہے۔

ہمارے نزدیک اصحاب فرائض کی تخصیص نہیں بلکہ ذورحم محرم کے ساتھ عام ہے' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ملك ذا رحم منه فهو حر. جو اپنے ذورحم محرم کا مالک ہوگا' وہ آزاد ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ۲۔ باب: من ملك ذا رحم محرم ص ۱۹۴' ترمذی۔ ج ۱۔ باب من ملك ذا محرم ص ۱۶۳' ابن ماجہ۔ کتاب العتق۔ باب: من ملك ذارحم محرم فهوحر ص ۱۸۳)

اس حدیث پر علامہ ابن حجر نے جو کلام کیے ہیں' ان سب کے اطمینان بخش جوابات علامہ عینی نے دے دیے ہیں۔ اور ثابت فرمایا کہ یہ حدیث حجت ہے۔

ت ۴۸۲ - قَالَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيْلًا وَّكَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ لَهُ نَصِيْبٌ فِيْ تِلْكَ الْغَنِيْمَةِ الَّتِيْ اَصَابَ مِنْ اَخِيْهِ عَقِيْلٍ وَّعَمِّهٖ عَبَّاسٍ.

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عباس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے اپنا فدیہ دیا ہے اور عقیل کا فدیہ دیا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی اس مال غنیمت میں حصہ تھا جو ان کے بھائی عقیل اور آپ کے چچا عباس سے ملا تھا۔

یہ ایک لمبی حدیث کا جزء ہے' جو کتاب الصلوٰۃ میں مذکور ہو چکی ہے' جس میں یہ ہے کہ خدمت اقدس میں بحرین کا مال آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: مجھے عطا فرمائیے! اس لیے کہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے۔ حضرت عباس نے اس موقعہ پر اپنا اور حضرت عقیل اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور عتبہ بن عمرو کا فدیہ دیا تھا۔

یہاں اسے امام بخاری یہ ثابت کرنے کے لیے لائے ہیں کہ بھائی اگر بھائی کا مالک ہو تو وہ اس پر آزاد نہیں ہوگا۔ حضرت عقیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے' مگر ان کا بھی فدیہ لیا گیا۔ اگر وہ آزاد ہو جاتے تو فدیہ کیوں لیا جاتا؟ اس سے ثابت ہوا کہ اس حکم سے بھائی خارج ہے' حالانکہ وہ ذورحم محرم ہے' تو معلوم ہوا کہ یہ حکم ہر ذورحم محرم کو عام نہیں' بلکہ اصحاب فرائض کے ساتھ خاص ہے۔

توضیح

یہ امام بخاری کا استدلال ہے' وہ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ اگر بھائی اور چچا جو ذورحم محرم ہیں' کسی کے مملوک ہو جاتے تو بھائی کی قید میں آنے کے بعد ان سے فدیہ نہ لیا جاتا اور اس فدیے میں بھائی کا حق نہ ہوتا' جبکہ حضرت عباس اور حضرت عقیل کے فدیے میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حصہ ملا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ مال غنیمت مجاہدین کی ملک اس وقت تک نہیں' جب تک کہ وہ تقسیم کر کے انہیں دے نہ دیا جائے' تقسیم سے پہلے وہ حکومت کی ملک ہوتے ہیں' اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ قید ہونے کے بعد حضرت عباس اور حضرت عقیل' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملک ہو گئے۔ علاوہ ازیں حربی کافر قید ہونے کے بعد فوری مملوک نہیں ہوتا' بلکہ سلطانِ اسلام کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اسے قتل کر دے' چاہے تو فدیہ لے کر چھوڑ دے' چاہے تو غلام بنا لے۔ ان لوگوں سے فدیہ لیا گیا' اس لیے مملوک نہ ہوئے۔

١٤٣١ - ح: اِئْذَنْ فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ اُخْتِنَا [اجازت دیں ہم اپنے بھانجے کا فدیہ چھوڑ دیں]

١٤٣١ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اسْتَاْذَنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِئْذَنْ فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ اُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَائَهُ فَقَالَ لَا تَدَعُوْنَ مِنْهُ دِرْهَمًا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ انصار کے کچھ حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور عرض کیا: اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں' تو فرمایا: ان سے ایک درہم بھی مت چھوڑنا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: فداء المشرکین ص ٤٢٨' ج ٢۔ کتاب المغازی۔ باب: ص ٥٧٢)

مطابقت

اس حدیث کے ذکر سے امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ عصبات کی طرح ذوی الارحام بھی کسی کے اگر مالک ہوں تو وہ ان پر آزاد نہ ہوگا۔ استدلال کی تقریر اور اس کا جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

لابن اختنا

یہ اس بناء پر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس کے جد کریم حضرت ہاشم نے مدینہ طیبہ میں بنی نجار میں سلمٰی نامی عورت سے نکاح کیا تھا' جن کے بطن سے عبد المطلب پیدا ہوئے۔

یہ انصار کرام کا حسن ادب ہے کہ یہ عرض کیا: اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے کا فدیہ چھوڑ دیں۔ یہ نہیں عرض کیا کہ حضور کے چچا کا فدیہ چھوڑ دیں۔ عرض مذکور میں احسان منت انصار پر ہوئی اور عرض ثانی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر' انہوں نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ ایسی بات کہیں جس سے حضور پر احسان کرنا مترشح ہو۔

انصاف کا اوج کمال یہ ہے کہ حضرت عباس چچا تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جی جان سے حامی' اور مکہ معظمہ میں رہ کر وہاں کمزور مسلمانوں کے سہارا تھے۔ مکہ کی اہم خبریں پہنچاتے رہتے' جنگ بدر میں بالجبر لائے گئے تھے مگر ان کے ساتھ ادنیٰ سی رعایت نہیں پسند فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا: ان سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔

بَابُ مَنْ مَّلَكَ مِنَ الْعَرَبِ رَقِيقًا فَوَهَبَ وَبَاعَ وَجَامَعَ وَفَدٰى وَسَبَى الذُّرِّيَّةَ

جو عربی شخص کسی غلام (لونڈی) کا مالک ہوا تو اسے ہبہ کیا اور بیچا اور اس سے ہم بستری کی اور فدیہ دیا اور عرب کی ذریت کو قیدی بنایا

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾ (النحل: ٧٥)

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: اللہ نے ایک مثل بیان فرمائی ایک بندہ ہے کسی کی ملک اور آپ کچھ مقدور نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے اچھی روزی دی جسے وہ علانیہ اور خفیہ خرچ کرتا ہے' کیا یہ وہ دونوں برابر ہو جائیں گے؟ سب حمد اللہ کے لیے ہے' بلکہ ان کے اکثر بے علم ہیں۝

توضیح باب

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اہل عرب کو غلام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جائز ہے۔ اور اسی طرح امام بخاری کا بھی رجحان ہے۔ حضرت سعید بن جبیر' امام ثوری' امام اوزاعی' امام ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں۔ اگر بالفرض کوئی عربی باندی کسی کے قبضے میں آ جائے' تو اس سے ہم بستری جائز نہیں' بلکہ بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت لگا کر اس کے باپ سے وصول کر کے آزاد کر دی جائے گی۔ ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابن عباس سے یہ ارشاد ہے کہ فرمایا: باندی کا بچہ جو کسی عرب سے ہو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ بعض عربی قیدیوں سے فدیہ لیا ہے' یہ مشرکین جاہلیت میں سے تھے۔

ہماری دلیل اس باب میں مذکور احادیث ہیں' اس باب میں پانچ احادیث مذکور ہیں۔ ایک حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی ہوازن کے قیدیوں والی حدیث' جس سے ہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو ابھی گزری' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فدیہ والی جس سے فدیہ لینا ثابت ہے۔ تیسری حضرت ابن عمر کی حدیث جس سے قیدی بنانا ثابت ہے۔ چوتھی غزوہ بنی المصطلق والی حضرت ابوسعید کی حدیث' جس سے ہم بستری ثابت ہے۔ پانچویں حضرت ابوہریرہ کی جس سے بیع ثابت ہوتی ہے۔

تنبیہ

ہندوستانی مطبوع بخاری میں ''لا یستوون'' دو واؤ کے ساتھ ہے' اس سے ہم نے بھی اسے دو واؤ سے لکھا' مصحف شریف کا رسم پختہ ایک واؤ کے ساتھ ہے: ''لا یستوٗن''۔

عبدا مملوکًا

اس آیت کے صرف اتنے حصے کو باب سے مطابقت ہے۔ وہ اس طرح کہ ''عبدًا'' مطلق ہے جو عربی اور عجمی سب کو شامل ہے۔

۱۴۳۲- ح: اَغَارَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا]

۱۴۳۲- اَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ كَتَبْتُ اِلٰى نَافِعٍ فَكَتَبَ اِلَيَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّوْنَ وَاَنْعَامُهُمْ تُسْقٰى عَلَى الْمَآءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبٰى ذَرَارِيَّهُمْ وَاَصَابَ يَوْمَئِذٍ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنِيْ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ فِيْ ذٰلِكَ الْجَيْشِ.

ابن عون نے کہا: میں نے نافع کو لکھا' انہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ فرمایا اور وہ غافل تھے' ان کے چوپاؤں کو پانی پلایا جا رہا تھا' ان میں سے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کی ذریت کو قید کیا اور ام المؤمنین جویریہ کو حاصل کیا' اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا اور وہ اس لشکر میں تھے۔

(مسلم۔ کتاب الجہاد' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد' مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۰۱' نسائی۔ کتاب السیر)

کتبت الی نافع

مسلم میں ہے کہ ابن عون نے نافع کو یہ لکھا تھا کہ لڑائی سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینے کے بارے میں کیا وارد ہے؟ تو

انہوں نے وہ لکھا' جواب کا حاصل یہ نکلا کہ اگر پہلے سے انہیں دعوت پہنچ چکی ہے تو لڑائی شروع کرنے سے پہلے دعوت دینی ضروری نہیں' جیسا کہ بنی مصطلق کے ساتھ حضور اقدس ﷺ نے کیا تھا۔

بنی مصطلق' بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ مُصطلق کا مادہ صلق ہے' جس کے معنی بلند تیز آواز کے ہیں۔ نیز اس کے معنی کسی قوم کے اکثر افراد کو قتل کرنا ہے' مصطلق لقب ہے' اس کا نام حزیمہ تھا۔ یہ غزوہ ۴ھ یا ۶ھ میں ہوا ہے۔ اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اس قبیلے کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی تھیں۔

بنی مصطلق مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاری کر رہے تھے' جب اس کی اطلاع بارگاہِ نبوت میں پہنچی تو حضور اقدس ﷺ خود پیش قدمی کر کے اچانک ان کے سر پر پہنچ گئے۔ نتیجے میں ان کے دس آدمی مارے گئے اور پورا قبیلہ قید ہوا' مگر حضور اقدس ﷺ نے اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا' تو مجاہدین نے یہ کہہ کر کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہو گئے ہیں' سب کو آزاد کر دیا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے بابرکت کوئی خاتون نہیں ہوئی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اہل عرب کو غلام بنانا درست ہے۔

۱۴۳۳- ح: مَا زِلْتُ اُحِبُّ بَنِیْ تَمِیْمٍ

[میں ہمیشہ بنی تمیم سے محبت کرتا رہا]

۱۴۳۳- عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا زِلْتُ اُحِبُّ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْذُ ثَلَاثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْهِمْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ هُمْ اَشَدُّ اُمَّتِیْ عَلَی الدَّجَّالِ قَالَ وَجَآئَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا وَكَانَتْ سَبِیَّةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ عَآئِشَةَ فَقَالَ اَعْتِقِیْهَا فَاِنَّهَا مِنْ وَّلَدِ اِسْمَاعِیْلَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہمیشہ بنی تمیم سے محبت کرتا رہا' تین وجہ سے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں سنا ہے' آپ فرماتے تھے: یہ لوگ دجال پر میری اُمت سے سب سے سخت ہیں' بنی تمیم کے صدقات خدمت اقدس میں آئے تو فرمایا: یہ ہماری قوم کے صدقات ہیں' اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی ایک قیدی عورت تھی تو فرمایا: اسے آزاد کر دے! اس لیے کہ یہ اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: وفد بنی تمیم ص ۶۲۶' مسلم۔ کتاب الفضائل)

اس حدیث کو باب کے دو جزوں سے مناسبت ہے۔ ایک بیع سے' اس لیے کہ حضرت اُم المومنین نے اس کو خریدا تھا' جیسا کہ اس کے ان بعض طرق میں ہے' جنہیں اسماعیلی نے روایت کیا ہے۔ اور صحیح ابوعوانہ میں بھی ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ پر اولادِ اسمٰعیل سے ایک قیدی آزاد کرنا واجب تھا۔ بنی خولان کے کچھ قیدی آئے تو انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ انہیں خرید لوں؟ فرمایا: نہیں! جب بنی العنبر کے قیدی آئے تو فرمایا: خرید لے! یہ اولادِ اسمٰعیل سے ہیں۔ بنی العنبر بنی تمیم کی ایک شاخ ہے' بنی تمیم کا نسب بواسطہ ربیعہ عدنان تک پہنچتا ہے' دوسرے ان کی اولاد کو قیدی بنانے سے۔

بنی تمیم کی جہاں یہ فضیلت مذکور ہے' وہیں ان کی سنگ دلی اور گنوار پن' حرص اور بدزبانی کی روایات بھی کثیر ہیں۔ بخاری' مغازی میں ہے کہ بنی تمیم کا وفد آیا تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بنی تمیم! بشارت قبول کرو! تو انہوں نے کہا: بشارت بہت دے چکے کچھ مال دیجیے۔ یہ جب حاضر ہوئے تو حضور اقدس ﷺ کاشانۂ اقدس کے اندر آرام فرما رہے تھے' انہوں نے باہر ہی سے چلانا شروع کر دیا' وہ بھی نام لے کر: اے محمد! اے محمد! باہر نکلو! ہماری مدح زینت اور ہماری ہجو عیب ہے۔ اسی پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَO (الحجرات:۴)

جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں' ان میں سے اکثر بے عقل ہیںO

اسی قبیلے کا بدنام زمانہ گستاخ ذوالخویصرہ تھا' جس نے جعرانہ میں مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت یہ گستاخانہ جملہ کہا: اے محمد! انصاف کر۔

اس دور میں ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے والا ابن عبدالوہاب نجدی بھی اسی قبیلے کا ہے' جس کے مذہب کے پابند انگریزوں کے زائیدہ سعودی حکمران ہیں۔

بَابُ الْعَبْدِ اِذَا اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ وَنَصَحَ سَيِّدَهٗ (ص۳۴۶)

غلام جب اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت اور اپنے آقا کی خیر خواہی کرے

۱۴۳۴- عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعَبْدُ اِذَا نَصَحَ سَيِّدَهٗ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام جب اپنے آقا کا خیر خواہ رہے اور اپنے رب عزوجل کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کے لیے دگنا اجر ہے۔

(بخاری۔باب: کراهية التطاول على الرقيق ص۳۴۶)

۱۴۳۵- ح: لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْكِ الصَّالِحِ اَجْرَانِ

[نیک غلام کے لیے دو اجر ہیں]

۱۴۳۵- سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْكِ الصَّالِحِ اَجْرَانِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ اُمِّيْ لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَاَنَا مَمْلُوْكٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک غلام کے لیے دو اجر ہیں' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر راہِ خدا میں جہاد اور حج اور اپنی والدہ کی خدمت نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ میں اسی حال میں دنیا سے جاؤں کہ مملوک رہوں۔

۱۴۳۶- ح: نِعِمَّ مَا لِاَحَدِهِمْ يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهٖ

[ان کے لیے کتنی اچھی بات ہے کہ اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کریں]

۱۴۳۶- ثَنَا اَبُوْصَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّ مَا لِاَحَدِهِمْ يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان (غلاموں) کے لیے کتنی اچھی بات ہے کہ اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کریں اور اپنے آقا کی خیر خواہی کریں۔

اجرہ مرتین

اس سے متبادر ہوتا ہے کہ ایسے صالح غلام ان آزاد افراد سے جو دین دار' متقی' فرائض و واجبات کے پابند ہوں' زیادہ اجر کے مستحق ہیں۔ اس میں شرعاً اور عقلاً کوئی استبعاد نہیں' جبکہ غلام اور آزاد افراد طاعات کی ادائیگی میں مساوی درجے ہوں۔ ان کا بھی

احتمال ہے کہ یہ ثواب کی زیادتی بہ نسبت ان غلاموں کے ہو جو ان میں کمی کرتے ہوں۔

المملوك الصّالح

صالح غلام وہی ہے جو حقوق اللہ کے ساتھ اپنے آقا کے حقوق بھی پورے پورے ادا کرتا ہو اور جو ان میں کمی کرے وہ صالح نہیں۔

والذی نفسی بیده

صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس کی دلیل "وَبِرُّ اُمِّی" ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا وصال عہد طفولیت ہی میں ہو چکا تھا۔

اسماعیلی نے ایک دوسرے طریقے سے حضرت ابن مبارک سے اور حسن مروزی نے کتاب البر والصلہ میں ابن مبارک ہی سے جو تخریج کی ہے اس میں یہ ہے: "والذی نفس ابی هریرة بیده" اسے امام مسلم نے بہ طریق عبداللہ بن وہب اور ابو صفوان اموی اور خود امام بخاری نے الادب المفرد میں بہ طریق سلیمان بن بلال اور اسماعیلی نے بہ طریق سعید بن یحییٰ اللخمی اور ابو عوانہ نے بہ طریق عثمان بن عمروان سب نے یونس سے روایت کیا۔

مسلم میں بہ طریق عبداللہ بن وہب ہے کہ امام زہری نے فرمایا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت نہیں ہو گئیں انہوں نے حج نہیں کیا۔ ابو عوانہ اور امام احمد کی روایت بہ طریق سعید یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ یہ کہا کرتے تھے: اگر دو باتیں نہ ہوتیں تو میں غلام ہونا پسند کرتا۔

مگر علامہ خطابی کی رائے یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ علامہ کرمانی نے اس کی یہ توجیہ کی کہ یہ ارشاد اُمت کی تعلیم کے لیے ہے (کہ وہ غلاموں کو حقیر نہ جانیں) یا بر سبیل فرض ہے یا اس سے مراد آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ ہیں۔

اقول وهو المستعان: حضرت حلیمہ کا مراد ہونا اس لیے مستبعد ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں رہتی تھیں بلکہ اسی میں کلام ہے کہ وہ ایام نبوت میں زیارت سے مشرف بھی ہوئیں یا نہیں۔ اور علی سبیل فرض کا قول اس جملے کو مہمل بناتا ہے۔ ہاں تعلیم اُمت کی توجیہ چل سکتی ہے، مگر جب دوسری صحیح روایات اس کے مُدرج ہونے پر ناطق ہیں تو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ اسے ارشادِ رسول مان کر ایک نئی بحث کا دروازہ کھولا جائے کہ نبی غلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان تین چیزوں کا استثناء اس لیے کیا کہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام کو حج اور جہاد کی اجازت نہیں اور ظاہر ہے کہ جب وہ اپنے آقا کا مملوک ہے تو اس کی خدمت میں رہے گا، ماں کی خبر گیری کرنے سکے لیے اسے آقا کی اجازت درکار ہو گی۔ بقیہ فرائض و واجبات کی ادائیگی کے لیے مالک کی اجازت کی حاجت نہیں، چونکہ اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، اس لیے اسے ذکر نہیں فرمایا۔

نعم ما

اس میں چار لغات ہیں: "نِعِمَّا، نِعْمَّا، نَعْمَ ما، نِعْمَ مَا" اور "ما" "شیءٌ" کے معنی میں ہے، یعنی یہ اچھی بات ہے۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ وَقَوْلِهِ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ (ص۳۴۶)

غلام کے بارے میں ترفع اور یہ کہنا: "میرا غلام میری لونڈی" مکروہ ہے

توضیح باب

ابھی حدیث آرہی ہے کہ عبدی' اَمَتی مت کہو' حالانکہ متعدد آیات اور احادیث میں آقا اور قبیلے کے معزز کو سید کہا گیا ہے اور تمہارے غلام' تمہارے لونڈی فرمایا گیا ہے۔ امام بخاری تطبیق میں فرماتے ہیں: اپنی بڑائی ظاہر کرنے اور ترفع کے طور پر ممنوع ہے اور وہ بھی کراہت کی حد تک۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے' یعنی خلاف اولیٰ اور اگر ترفع کے لیے نہ ہو' اظہارِ واقعہ کے طور پر ہو تو کراہت تنزیہہ بھی نہیں۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ ﴿وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ (النور:٣٢) وَقَالَ ﴿عَبْدًا مَّمْلُوْكًا﴾ (النحل:٧٥) ﴿وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ﴾ (يوسف:٢٥) وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ ﴿مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ (النساء:٢٥) وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ وَ ﴿اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ (يوسف:٤٢) يَعْنِيْ عِنْدَ سَيِّدِكَ.

اور اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: اور اپنے لائق غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرو' اور فرمایا: عبد مملوک' یوسف اور زلیخا نے زلیخا کے آقا کو دروازہ پر پایا' اور فرمایا: اپنی مؤمن لونڈیوں کو' اور نبی ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر اپنے سردار کی طرف بڑھو' اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: اپنے رب یعنی آقا کے یہاں میرا تذکرہ کرنا۔

پہلی آیت سورۂ نور ہی کی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ. (آیت:٣٢)

اور اپنی غیر شادی شدہ عورتوں' اور نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کردو۔

اس آیت میں ہمارے غلاموں اور لونڈیوں کو تمہارے غلام تمہاری لونڈیاں فرمایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلاموں کو میرے غلام اور لونڈیوں کو میری لونڈیاں کہنا جائز ہے۔

دوسری آیت سورۂ نحل کی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا. (آیت:٧٥)

اللہ نے عبد مملوک کی مثال بیان فرمائی۔

تیسری آیت سورۂ یوسف کی ہے' فرمایا:

وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ. (آیت:٢٥)

ان دونوں (یوسف و زلیخا) نے اس عورت کے شوہر کو دروازہ پر پایا۔

اس آیت میں شوہر کو بیوی کا سید کہا گیا۔

تیسری آیت سورۂ نساء کی ہے:

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ. (آیت:٢٥)

تو اپنی مملوکہ لونڈیوں سے نکاح کرو جو مؤمنہ ہوں۔

چوتھی آیت بھی سورۂ یوسف کی ہے' اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ارشاد مذکور ہے جو انہوں نے اس قیدی سے فرمایا تھا' جسے انہوں نے رہائی اور اپنے منصب پر بحال ہونے کی بشارت دی تھی۔

وَاذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ. (آیت:٤٢)

اپنے بادشاہ کے پاس میرا تذکرہ کرنا۔

کسی مقتداء کو سید کہنے کی بحث

ان آیات کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ غلام اور لونڈی کا مالک اپنے غلام کو عبدی میرا غلام اور اپنی لونڈی کو اُمتی یعنی میری لونڈی کہہ سکتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اور لونڈی اپنے آقا کو سیدی کہہ سکتا ہے بلکہ ہر اس شخص کو کہا جا سکتا ہے جسے برتری حاصل ہو جیسے بیوی کے لیے شوہر۔ رہ گیا رب کا اطلاق یہ اضافت کے ساتھ جائز ہے اور بلا اضافت ممنوع۔

اسی سلسلے میں وہ حدیث[1] بھی ذکر فرمائی کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے حاضر ہو رہے تھے تو انہیں ملاحظہ فرما کر انصار کرام سے فرمایا:

قُوْمُوا اِلٰی سَیِّدِکُمْ. کھڑے ہو کر اپنے سردار کی طرف بڑھو۔

اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو انصار کا سید فرمایا۔

نسفی ابوذر اور ابوالوقت کے علاوہ بقیہ نسخوں میں وہ حدیث[2] زائد ہے جو خود امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے دریافت فرمایا: ''مَن سَیِّدُکم'' تمہارا سردار کون ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا: جد بن قیس البتہ ہم ان میں بخل پاتے ہیں۔ فرمایا: بخل سے بڑھ کر کون سی بیماری ہے؟ ''بل سید کم عمرو بن الجموح'' وہ نہیں تمہارے سردار عمرو بن الجموح ہیں۔ حاکم نے اسی کے مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ان آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ جسے اپنے ماتحت پر ریاست حاصل ہو اور وہ اپنے سے چھوٹوں کے کام بناتا ہو لوگ اس کی بات تسلیم کرتے ہوں اس کی اطاعت کرتے ہوں اسے سید کہہ سکتے ہیں جیسے بیوی اپنے شوہر کو غلام اپنے آقا کو عام افراد قبیلے کے سربراہ کو رعایا حاکم کو اُمتی اپنے نبی کو تلمیذ اپنے استاد کو مرید اپنے پیر کو جیسے اللہ عزوجل نے زلیخا کے شوہر کو ان کا سید کہا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا (آل عمران:۳۹) بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار ہو گا اور عورتوں سے ہمیشہ بچنے والا ہو گا۔

اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن مجتبیٰ کے بارے میں فرمایا:

ابنی ھذا سَیِّدٌ. میرا یہ بیٹا سیّد (سردار) ہے۔

اور حضرت سعد بن معاذ کو انصار کرام کا اور حضرت عمرو بن الجموح کو اپنے قبیلے کا سیّد فرمایا۔ دنیوی سیادت اور برتری کی بناء پر کسی پر سیّد کا اطلاق زمانۂ جاہلیت سے عہد رسالت تک بلکہ بعد تک شائع اور ذائع ہے۔ حدیث گزر چکی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن دغنہ کو سیّد بنی القارہ کہا اور عہد جاہلیت کے اشعار میں بھی ملتا ہے:

اِذَا مَاتَ مِنَّا سَیِّدٌ قَامَ سَیِّدٌ قَؤُوْلٌ لما قَالَ الکِرَامُ فعولُ

''ہم سے جب کوئی سردار مر جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے بہت بولنے والا اور شریفوں کے کہنے پر عمل کرنے والا۔''

مگر نجدی اپنی جہالت اور عداوت رسول میں یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدنا کہنا شرک ہے۔ اور دلیل میں یہ حدیث[3]

---

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۵۹۱۔ کتاب المغازی۔ باب: مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب [2] عمدۃ القاری۔ ج ۱۳ ص ۱۱۱ (حوالہ نمبر ۳ اگلے صفحہ پر)

پیش کرتے ہیں کہ حضرت مطرف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بنی عامر کے وفد کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ہم نے یہ عرض کیا:
''انت سیدنا فقال السید اللّٰہ''۔

مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ ایک صاحب آئے اور عرض کیا: ''انت سید قریش فقال السید اللّٰہ'' آپ قریش کے سردار ہیں، تو فرمایا: سید اللہ ہے۔

ان نجدیوں نے ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ'' بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو، پر عمل کرنے والوں کو یہ حدیث نظر آئی، مگر مذکورہ بالا احادیث نظر نہ آئیں، نیز وہ کثیر در کثیر احادیث جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّد المرسلین، سیّد ولد آدم، سیّد الناس، سیّدنا فرمایا گیا ہے، نظر نہ آئیں۔ ایمان والے سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا سید ولد ادم ولا فخر. میں اولادِ آدم کا سیّد (سردار) ہوں اور یہ فخر یہ نہیں فرماتا۔

(ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب السنۃ۔ باب: التخییر بین الانبیاء علیھم السلام ص ۲۸۶، ابن ماجہ۔ کتاب الزہد۔ باب: الشفاعۃ ص ۳۲۹)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث شفاعت مروی ہے، اس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہلِ محشر سے فرمائیں گے:

لکن اذھبوا الی سید ولد ادم. ہاں اولادِ آدم کے سردار کے پاس جاؤ۔

(مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۸)

خود حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا سید الناس یوم القیٰمۃ. میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الانبیاء۔ باب: ولقد ارسلنا نوحا الیٰ قومہ ص ۴۷۰، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورہ بنی اسرائیل۔ باب: قولہ ذریۃ من حملنا مع نوح ص ۶۸۴، مسلم۔ کتاب الایمان، ترمذی۔ ج ۲۔ باب: الشفاعۃ ص ۸۶، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۴۳۵)

مسند امام احمد[1] میں ہے کہ عبداللہ بن اعور اعشٰی کی زوجہ معاذہ جب بھاگ کر مطرف بن بھصل کے پاس چلی گئیں اور مطرف نے دینے سے انکار کر دیا تو اعشٰی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منظوم استغاثہ پیش کیا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

یا سید الناس ودیان العرب الیک اشکو ذریۃ من الذرب

''اے سب لوگوں کے سردار اور عرب کے حاکم! آپ کی بارگاہ میں ایک تیز زبان عورت کی شکایت لایا ہوں''۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مطرف کو لکھا، اور انہوں نے معاذہ کو اعشٰی کے پاس واپس بھیج دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

ابو بکر سیدنا واعتق سیدنا یعنی بلال. ابو بکر ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کو آزاد کیا، یعنی بلال کو۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں، میں تمام لوگوں کا سردار ہوں اور صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سیّد الناس کہا تو اگر امتی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سردار کہیں تو کیا حرج ہے یہ کیسے شرک و کفر ہے بلکہ بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو ان احادیث کی روشنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سیّد اور سردار کہنا باعث اجر و ثواب ہوگا، کیونکہ اس میں

(سابقہ صفحہ کا حوالہ) ۲؎ ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۶۰۶۔ ۳۔ کتاب الادب۔ باب: کراھیۃ التمادح ۱؎ مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۰۲

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے، اور اسلاف کی سنت کی پیروی بھی، بلکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے کہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنا سردار کہا ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہیں۔ ہر دینی مقتدا اور پیشوا بلکہ دینی معزز کو اپنا سید کہہ سکتے ہیں۔

ان نصوص کی روشنی میں سلف سے لے کر خلف تک پوری اُمت کا اس پر عمل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور علماء ومشائخ کو سیّدنا کہتے ہیں، مگر نجدیوں کا مذہب مسلمانوں سے الگ ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد ہی اس پر قائم ہے کہ تمام سلف اور خلف کافر مشرک ہیں اور بس یہ مٹھی بھر مسلمان ہیں۔ (ردالمحتار۔ باب: البغاۃ ج ۴ ص ۲۶۲)

درود ابراہیمی میں سیدنا کا اضافہ مستحب ہے

علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ نماز میں درود ابراہیمی میں نام نامی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ سیّدنا کا اضافہ مستحب ہے، درمختار[1] میں ہے:

وندب السيادة لان زيادة الاخبار بالواقع عين سلوك طريق الادب فهو افضل من تركه ذكره الرملي الشافعي وغيره.

اور سیدنا کا اضافہ مستحب ہے اور واقعہ کے مطابق زیادتی بہ نیت ادب اس کے ترک سے افضل ہے، اسے علامہ رملی الشافعی وغیرہ نے ذکر کیا۔

اس کے تحت ردالمحتار[2] میں ہے:

ذكره الرملي الشافعي اى فى شرحه على منهاج النووى ونصه والافضل الاتيان بالسيادة كما قاله ابن ظهيره وصرح به جمع وانه ياتى مع ابراهيم عليه السلام.

علامہ خیرالدین رملی شافعی نے منہاج نووی کی شرح میں اسے ذکر فرمایا، ان کی عبارت یہ ہے: اور سیدنا کو بڑھانا افضل ہے جیسا کہ ابن ظہیریہ نے کہا اور ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام کے ساتھ بھی لائے۔

۱۴۳۷- ح: لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ اَطْعِمْ رَبَّكَ

[تم یہ نہ کہو: اپنے رب کو کھلاؤ]

۱۴۳۷- عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ اَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّئْ رَبَّكَ اِسْقِ رَبَّكَ وَلْيَقُلْ سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ وَلَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ اَمَتِيْ وَلْيَقُلْ فَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَغُلَامِيْ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: تم یہ نہ کہو، اپنے رب کو کھلاؤ، اپنے رب کو وضو کراؤ، اپنے رب کو پلاؤ اور سیّدی اور مولائی کہو اور عبدی امتی نہ کہو، فتای، فتاتی اور غلامی کہو۔

اوپر سورۂ یوسف کی آیت گزر چکی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدی سے فرمایا تھا: ''وَاذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' اپنے رب یعنی بادشاہ کے یہاں میرا تذکرہ کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ رب کا اضافت کے ساتھ غیر اللہ پر اطلاق درست ہے۔ اسی طرح سورۂ نور کی آیت مذکور ہوئی۔ اللہ عزوجل نے ہمارے غلاموں اور لونڈیوں کو ''عبادکم وامائکم'' فرمایا ہے۔ اس سے عبدی اور امتی کہنے کا جواز ثابت ہوا۔ اس لیے اس حدیث میں ممانعت کراہت تنزیہہ پر محمول ہے۔ وہ بھی اس وقت جب کہ تفاخر، تعاظم اور اپنی بڑائی و

[1] درمختار ج ۱ ص ۵۱۳- باب: صفۃ الصلوٰۃ مع ردالمحتار [2] ایضاً

برتری ظاہر کرنے کے لیے ہو۔ اور اظہارِ واقعہ مقصود ہو تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں۔ اس حدیث میں تواضع اور انکساری کی تعلیم مقصود ہے البتہ رب کا اطلاق بلا اضافت کسی پر کرنا جائز نہیں۔ فرق یہ ہے کہ اضافت سے تخصیص ہو جاتی ہے اور بلا اضافت تعمیم متبادر ہوتی ہے کیونکہ فعل یا شبہ فعل کا متعلق جب محذوف ہوتا ہے تو وہ عموم کا افادہ کرتا ہے۔ یہ عرب کا محاورہ تھا کہ رب کا اطلاق اضافت کے ساتھ غیر اللہ پر کرتے تھے، مگر ہمارے عرب میں اضافت کے ساتھ بھی رب کا اطلاق غیر اللہ پر کرنے کی اجازت نہیں۔

"ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وھو اعلم"۔

بَابٌ اِذَا اَتٰی خَادِمُہٗ بِطَعَامِہٖ (ص۳۴۷) — جب کسی کا خادم اس کے پاس اس کا کھانا لائے

۱۴۳۸- اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ زِیَادٍ سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدَکُمْ خَادِمُہٗ بِطَعَامِہٖ فَاِنْ لَّمْ یُجْلِسْہُ مَعَہٗ فَلْیُنَاوِلْہُ لُقْمَۃً اَوْ لُقْمَتَیْنِ اَوْ اُکْلَۃً اَوْ اُکْلَتَیْنِ فَاِنَّہٗ وَلِیَ عِلَاجَہٗ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تمہارا خادم تمہارے پاس کھانا لائے تو اگر اسے اپنے ساتھ بٹھاتے نہیں تو اسے ایک دو لقمے دے دے، کیونکہ اسی نے اسے تیار کیا ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الاکل مع الخادم ص ۸۲۰، مسلم۔ ج ۲۔ کتاب البر)

فان لم یُجْلِسْہ

اس سے متبادر ہوتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلائے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اس میں سے لقمہ دو لقمہ ہی سہی، خادم کو بھی دے دے، کیونکہ اس نے اس کے پکانے کی مشقت برداشت کی ہے، اس کی خوشبو سونگھی، یقیناً اس کے جی میں اس کی خواہش ہو گی۔ کچھ نہ دینا مروّت کے خلاف ہے، یہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، وجوبی حکم نہیں۔

بَابٌ اِذَا ضَرَبَ الْعَبْدَ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْہَ (ص۳۴۷) — جب غلام کو مارے تو چہرے سے بچے

۱۴۳۹- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْہَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تم لڑو تو چہرے سے بچو۔

باب سے مطابقت یوں ہے کہ لڑائی میں جہاں موقعہ ہوتا ہے وہاں مارنا ضروری ہوتا ہے، جب کافر کے چہرے پر مارنے سے بچنے کا حکم دیا گیا، وہ بھی لڑائی کے موقع پر تو عام حالت میں، غلام کو جو مؤمن بھی ہو سکتا ہے چہرے پر مارنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو گا۔ چہرے پر مارنے سے ممانعت کی وجہ اس حدیث[1] کے بعض طرق میں یہ مذکور ہے: "فان اللّٰہ خلق ادم علی صورتہ" اس لیے کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ اللہ عزوجل کی طرف صورت کی نسبت متشابہات میں سے ہے، مگر اتنا تو یقینی ہے کہ اس حدیث کی روشنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا چہرہ خاص تجلی گاہ ہے۔

علامہ نووی نے اس کی علت یہ بیان کی کہ علماء نے فرمایا کہ چہرہ محاسن کا مجموعہ ہے۔ چہرہ دیکھ کر انسان کی ذاتی صفات کا اندازہ لگایا جاتا ہے، مارنے سے چہرہ بگڑ جانے کا اندیشہ ہے، اگر چہرہ بگڑ گیا تو انسان کا حسن ختم ہو جائے گا اور اس کی سرشت کی دریافت کا

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۳۲۷۔ کتاب البر۔ باب: النھی عن ضرب الوجہ

ذریعہ ختم ہو جائے گا۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے، اس لیے کہ مسلم[1] میں ہے: حضرت سُوید بن مقرن رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا، تو فرمایا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ چہرے پر مارنا حرام ہے۔ ماں باپ اور خصوصیت سے معلمین کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ مذکور ہے: "فلا یلطم وجهه" اس کے چہرے پر تھپڑ ہرگز نہ مارے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۳ ص ۱۱۶)

❁❁❁❁❁

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۰۳۔ کتاب البر۔ باب: النهی عن ضرب الوجه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۰- کِتَابُ الْمُکَاتَبِ (ص۳۴۷)

مکاتب کا بیان

بَابُ الْمُکَاتَبِ وَنُجُوْمِهٖ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ نَجْمٌ (ص۳۴۷)

مکاتب اور اس کی قسطوں کا بیان کہ سال میں ایک قسط ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم تھے' اس سے دنیا کی سب سے زیادہ درماندہ قوم غلام اور لونڈی کو بھی حصہ وافر ملا۔ اس دور کے عالمی تمدن اور قانون کی مجبوری کی وجہ سے غلامی کا رواج بالکلیہ ختم نہیں فرما سکے' مگر غلاموں کے نجات کی بہت سی صورتیں نکال دیں۔ بالکلیہ ختم کرنے میں بہت بڑی دشواری یہ تھی کہ پوری دنیا میں یہ رواج تھا کہ فاتح مفتوح قوم کو غلام بنا لیتی۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اس کا پابند فرما دیتے کہ یہ کسی کو غلام نہ بنائیں' مسلمان تو اس کی پابندی کرتے اور وہ دوسری قوموں کو غلام نہ بناتے' مگر دوسری قومیں مسلمانوں پر اگر فتح پاتیں تو انہیں غلام بناتیں۔ اس میں مسلمانوں کی یک طرفہ تذلیل تھی' اس لیے اس وقت غلامی پر مکمل پابندی کسی طرح مناسب نہ تھی' البتہ اس میں انسانی قدروں کا لحاظ کر کے کافی اصلاح فرمائی۔ ان کے ساتھ انسانی رویہ کی ترغیب دی' فرمایا: جو کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ' جو پہنو انہیں بھی پہناؤ' طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو۔ مزید براں غلام آزاد کرنے پر عظیم ثواب ارشاد فرمائے۔ خاص خاص موقعوں پر آزاد کرنے کا خصوصیت سے حکم دیا۔ بہت سی خطاؤں پر غلام آزاد کرنے کو کفارہ رکھا۔ مزید براں آزاد ہونے کے لیے آسان اصول ارشاد فرمائے' انہیں میں ایک مکاتبت ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ غلام اور آقا آپس میں طے کر لیں کہ غلام اتنا مال کما کر ادا کر دے تو وہ آزاد ہے۔ اس عقد کی رو سے غلام کو مکاتَب اور آقا کو مکاتِب کہتے ہیں۔

اس سے پہلے بعض نسخوں میں یہ باب لکھا ہوا ہے: ''بَابُ اِثْمِ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَةَ الْمُكَاتَبِ'' مگر اس کے ضمن میں کوئی حدیث تحریر نہیں۔ بظاہر یہ کسی ناسخ کی زیادتی ہے' اس کو ابواب مکاتبت سے کوئی خاص مناسبت بھی نہیں۔ کتاب الحدود میں یہ باب مذکور ہے اور وہاں کے مناسب بھی ہے' اس سے ظاہر ہے کہ امام عطاء کو وجوب کا یقین نہیں تھا' کچھ تردد تھا۔

ت۴۸۳ - وَقَالَ رَوْحٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ اَوَاجِبٌ عَلَيَّ اِذَا عَلِمْتُ لَهٗ مَالًا اَنْ اُكَاتِبَهٗ قَالَ مَا اُرَاهُ اِلَّا وَاجِبًا.

ابن جریج نے کہا: میں نے امام عطاء سے پوچھا: جب مجھے معلوم ہوا کہ غلام کے پاس مال ہے تو مجھ پر واجب ہے کہ اس سے مکاتبت کر لوں' فرمایا: میری رائے یہی ہے کہ واجب ہی ہے۔

اس تعلیق کو ابن حزم نے روایت کیا ہے۔ ابن جریج سے عبد الملک بن عبد العزیز مراد ہیں اور روح سے ابن عبادہ۔

ت۴۸۴ - وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ تَاْثُرُهٗ

اور عمرو بن دینار نے کہا: میں نے امام عطاء سے پوچھا:

عَنْ اَحَدٍ قَالَ لَا ثُمَّ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ مُوْسٰی بْنَ اَنَسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ سِیْرِیْنَ سَاَلَ اَنَسًا الْمُكَاتَبَةَ وَكَانَ كَثِیْرُ الْمَالِ فَاَبٰی فَانْطَلَقَ اِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ كَاتِبْهُ فَاَبٰی فَضَرَبَهٗ بِالدِّرَّةِ وَیَتْلُوْ عُمَرُ ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا﴾ (النور:٣٣) فَكَاتَبَهٗ.

مکاتبت کا وجوب آپ کسی سے روایت کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ مجھے موسیٰ بن انس نے خبر دی ہے کہ سیرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کا سوال کیا اور وہ بہت مال دار تھے۔ حضرت انس نے انکار کر دیا' تو سیرین' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت عمر نے حضرت انس سے فرمایا کہ اس سے مکاتبت کر لو۔ حضرت انس نے انکار کیا تو انہیں دُرّے سے مارا۔ حضرت عمر یہ آیت تلاوت فرماتے: ان سے مکاتبت کر لو' اگر تم ان میں خیر جانو۔ اب حضرت انس نے ان سے مکاتبت کر لی۔

فربری سے مروی تمام نسخوں میں قال عمرو ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''قلت لعطاء'' سے اخیر تک عمرو بن دینار کا قول ہے' حالانکہ ایسا نہیں' یہ ابن جریج کا قول ہے' جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے: ''قَالَہٗ لِیْ ایضاً عمرو بن دینار'' یعنی جو امام عطاء نے کہا' وہی مجھ سے عمرو بن دینار نے بھی کہا۔ یعنی میرا گمان یہ ہے کہ مکاتبت واجب ہے۔ نسفی کے ایک معتمد نسخے میں قالہ عمرو ہے' اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ جو امام عطاء نے کہا' وہی عمرو بن دینار نے بھی کہا' دوسرے یہ کہ عمرو بن دینار نے صورتِ مذکورہ میں مکاتبت کو واجب کہا۔

جب غلام کے پاس مال ہو اور مکاتبت کا مطالبہ کرے تو مولیٰ پر مکاتبت واجب ہے یا نہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ اب بھی واجب نہیں' مستحب ضرور ہے' اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ کوئی آقا اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے غلام کو بیچ دے' اگر چہ دگنی تگنی قیمت ملے' پھر مکاتبت پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے' جو حقیقت میں بلا عوض آزاد کرنا ہے' اس لیے غلام غلام رہتے ہوئے جو کچھ کماتا ہے' وہ اس کے آقا کی مِلک ہے' اس کی رو سے مکاتبت کے بعد بھی جو کمائے گا' وہ آقا کی مِلک ہوگا' اس لیے کہ مکاتبت کی رقیت ابھی باقی ہے' اس طرح بدل کتابت ادا کرنا ایسا ہے' گویا غلام مولیٰ کا مال مولیٰ کو سپرد کر رہا ہے۔

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں' وہ حضرت عمر کے مذکورہ بالا عمل سے دلیل لاتے ہیں' کیونکہ اگر مکاتبت واجب نہ ہوتی تو حضرت عمر دُرّہ نہ مارتے' پھر قرآنِ مجید میں ''فَكَاتِبُوْهُمْ'' صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔

اقول وھو المستعان: اصل اس بارے میں سورۂ نور کی آیہ مذکور ہے کہ فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ. (النور:٣٣)

تمہارے غلاموں میں جو کتابت چاہتے ہوں' ان سے مکاتبت کر لو' اگر تم ان میں خیر جانو اور انہیں اللہ کے اس مال سے دو' جو اس نے تم کو دیا ہے۔

آیت کے سیاق میں جو بھی غور کرے گا' اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں' استحباب کے لیے ہے' اس لیے کہ اس آیت میں ''خیرا'' سے مراد مال نہیں' صلاح و تقویٰ ہے' کیونکہ جب اس موقعہ پر فی لاتے ہیں تو مال مراد نہیں ہوتا' جب مال مراد ہوتا ہے تو لام یا مع لاتے ہیں۔ اور غلام و کنیز میں صلاح و دین داری ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ آقا پر ہے۔ اور یہ شرط ہے اور شرط اختیاری تو جزا کا اختیاری ہونا لازم۔

حضرت فاروق اعظم کا عمل بھی دلیل وجوب نہیں' انہوں نے حضرت انس کو حکم دیا کہ کتابت کر لو تو انہوں نے اس سے انکار کیا' اس حکم عدولی پر ان کے ساتھ تشدد برتا' ورنہ اگر واجب ہوتا تو خود حضرت انس پہلے ہی اس سے انکار نہیں کرتے' اور یہ احتمال کہ ہو سکتا ہے انہیں وجوب کا علم نہ رہا ہو' بعید ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُكَاتَبِ إِذَا رَضِيَ (ص ۳۴۸) مکاتب راضی ہو تو اس کی بیع

توضیح باب...... [مکاتب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟]

مکاتب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام احمد' امام مالک' امام اوزاعی' امام لیث اسے جائز کہتے ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں' اور امام شافعی کا اصح قول یہی ہے۔ امام بخاری کا اپنا مذہب کیا ہے' حسب عادت انہوں نے بیان نہیں فرمایا' مگر اس ضمن میں جو آثار لائے ہیں' ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب جواز ہے۔

ت ۴۸۵ - وَقَالَتْ عَآئِشَةُ هُوَ عَبْدٌ مَّا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ. اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مکاتب پر جب تک کچھ باقی رہے' وہ غلام ہی ہے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ' امام ابن سعد اور امام طحاوی نے روایت کیا۔ سلیمان بن یسار نے اُم المومنین سے اذن طلب کیا تو دریافت فرمایا: بدل کتابت ادا کرنا ابھی کتنا رہ گیا ہے' انہوں نے عرض کیا: دس اوقیہ' فرمایا: اندر آ جاؤ! کچھ بھی تیرے ذمے باقی رہے' تو تو غلام ہی ہے۔

ت ۴۸۶ - وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَّا بَقِيَ دِرْهَمٌ. اور حضرت زید بن ثابت نے فرمایا: ایک درہم بھی باقی رہے تو وہ غلام ہے۔

اس تعلیق کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے۔

ت ۴۸۷ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنْ عَاشَ وَإِنْ مَّاتَ وَإِنْ جَنٰى مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جئے چاہے مر جائے' چاہے جنایت کرے' غلام ہی ہے جب تک اس پر کچھ باقی ہے۔

اس تعلیق کو امام مالک' امام ابوبکر بن ابی شیبہ' امام طحاوی نے روایت کیا ہے' بلکہ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے مرفوعاً روایت[1] کیا ہے: جو لوگ مکاتب کی بیع جائز کہتے ہیں' ان کا کہنا یہ ہے کہ جب وہ غلام ہے تو اس کی بیع درست ہے۔

ہمارا یہ کہنا ہے کہ جب اس کا کوئی جزء غلام ہے تو اس پر غلام کا اطلاق صحیح ہے' مگر جب اس کے آقا نے اسے مکاتب بنا دیا تو آقا کا اس پر مالکانہ تصرف کا حق باقی نہ رہا۔ اسی لیے مکاتب کی کمائی خود مکاتب کی مِلک ہے۔ وہ ایام مکاتبت کی کمائی اپنے اوپر صرف کر سکتا ہے اور جب مالک کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہ رہا جو بیع سے کمتر درجے کا ہے تو بیع کا بدرجہ اولیٰ حق نہ رہا۔

اس سلسلے میں جواز کی دلیل اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور حدیث حضرت بریرہ کے قصے والی ہے کہ بریرہ کو ان کے آقا نے مکاتبہ بنا دیا تھا۔ وہ بدل کتابت کی ادائیگی کے سلسلے میں اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تعاون کے لیے حاضر ہوئیں۔ اُم المومنین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انہیں خرید لیا' پھر آزاد کر دیا۔

مگر یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کچھ بدل کتابت ادا کیا تھا' امام بخاری نے "بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمُكَاتَبِ" میں اس حدیث کا جو متن روایت کیا ہے اس میں تصریح ہے: "وَلَمْ يَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا" بریرہ

1. فتح الباری۔ ج ۵ ص ۱۹۵

نے بدل کتابت سے کچھ ادا نہیں کیا تھا' بلکہ جو روایت اس سے پہلے والے باب میں مذکور ہے' اس کا ظاہر مدلول بھی یہی ہے۔ اُم المؤمنین فرماتی ہیں: اور بریرہ پر پانچ اوقیہ پانچ سال کی قسط پر تھا۔ میں نے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اگر میں یہ سب یک مشت ادا کر دوں اور تمہیں خرید کر آزاد کر دوں۔ الحدیث

بَابٌ اِذَا قَالَ الْمُكَاتَبُ اشْتَرِنِيْ وَاَعْتِقْنِيْ فَاشْتَرَاهُ لِذٰلِكَ (ص۳۴۹)

جب مکاتب نے کسی سے کہا: مجھے خرید لے اور آزاد کر دے تو اس نے اس کے لیے خریدا

۱۴۴۰ - ثَنِيْ اَبِيْ اَيْمَنُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْتُ كُنْتُ غُلَامًا لِعُتْبَةَ بْنِ اَبِيْ لَهَبٍ وَّمَاتَ وَوَرِثَنِيْ بَنُوْهُ وَاِنَّهُمْ بَاعُوْنِيْ مِنْ بْنِ اَبِيْ عَمْرٍو الْمَخْزُوْمِيِّ فَاَعْتَقَنِيْ ابْنُ اَبِيْ عَمْرٍو وَاشْتَرَطَ بَنُوْ عُتْبَةَ الْوَلَاءَ فَقَالَتْ الحديث.

میرے والد ایمن نے کہا: میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ عرض کیا: میں عتبہ بن ابولہب کا غلام تھا اور وہ مر گیا' اس کے لڑکے میرے وارث ہوئے اور ان لوگوں نے مجھے ابن ابی عمرو مخزومی کے ہاتھ بیچ دیا' مجھے اس نے آزاد کر دیا اور عتبہ کے لڑکوں نے اپنے لیے ولاء کی شرط کر دی۔ اس پر اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ حدیث بیان فرمائی کہ (بریرہ کو خرید کر میں نے آزاد کرنا چاہا تو بریرہ کے مالکوں نے اپنے لیے ولاء کی شرط لگا دی' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ولاء اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے' اگرچہ لوگ سو شرطیں لگائیں)۔

کسی غلام کا یہ کہنا کہ مجھے اس شرط پر خریدو کہ آزاد کر دینا' مقتضاء عقد کے خلاف ہے' اس لیے اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ کسی غلام یا لونڈی کو خریدا تو عقد صحیح ہے اور شرط باطل' خریدار پر آزاد کرنا واجب نہیں۔ آزاد کر دے تو یہ اس کا تبرع اور احسان ہے۔

حدیث سے یہ ہرگز نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت بریرہ نے یہ شرط کی تھی' انہوں نے ایک گزارش کی تھی' جسے حضرت اُم المؤمنین نے اپنے کرم سے منظور فرما لیا اور اس پر عمل فرمایا۔

عتبہ بن ابولہب

یہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ بھی اور ان کے بھائی معتب' دونوں مکہ ہی میں رہے' ہجرت نہیں کی۔ ان کے بھائی عتیبہ کو اسلام نصیب نہ ہوا' کافر مرا۔ ابن ابی عمرو مخزومی کا نام عبد اللہ تھا۔ عتبہ رضی اللہ عنہ کے چار بیٹے تھے: عباس' ابوخراش' ہشام اور یزید۔

۞۞۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۱- [کتاب] الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا (ص ۳۴۹)

ہبہ کا بیان‘ اس کی فضیلت اور اس پر ابھارنے کا بیان

[ہبہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی]

ہبہ کے لغوی معنی یہ ہیں: کسی کو کچھ دینا کہ اس سے نفع حاصل کرے۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے ہبہ کا اطلاق ابراء یعنی قرض معاف کرنے اور صدقہ یعنی کسی کو آخرت کے ثواب کے لیے کچھ دینا اور ہدیہ یعنی کسی کو بلاعوض اس کے اکرام کے لیے یا محبت کی بناء پر دینا پر ہوتا ہے۔ امام بخاری نے اس میں ہدایا کو بھی ذکر کیا ہے‘ اس سے ظاہر ہے کہ ان کی مراد ہبہ سے اس کا لغوی معنی ہے۔

اصطلاح شرع میں ہبہ اسے کہتے ہیں: کسی چیز کا کسی کو بلاعوض مالک بنانا‘ اس کے صحیح اور تام ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں‘ جو چیز قابل تقسیم ہو‘ اسے تقسیم کر دیا گیا ہو۔ زمین مکان ہو تو حدود متعین کر دی گئی ہوں۔ اس پر سے اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہٗ کو قبضہ دے دینا‘ اس لیے مشاع کا ہبہ صحیح نہیں‘ یعنی ایسی چیز کا جس کے ہر ہر جز چند شرکاء کے مملوک ہوں۔ اسی طرح موہوب لہٗ نے اگر قبضہ نہیں کیا‘ یا قبضہ کیا مگر اس پر واہب کا سابق قبضہ بحال ہے تو بھی تام نہ ہوا‘ مثلاً مکان ہبہ کر کے موہوب لہٗ کے قبضے میں دے دیا‘ مگر اس میں واہب کا سامان موجود ہے تو تام نہ ہوا۔

۱۴۴۱- ح: لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا

[ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کو حقیر نہ جانے]

۱۴۴۱- عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: اے مسلمان عورتو! ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کو حقیر نہ جانے (کہ اس کو کبھی کچھ نہ دے) اپنی پڑوسن کو کچھ نہ کچھ دیا کرو‘ اگرچہ بکری کا کھر ہی سہی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الادب۔ باب: لا تحقرن جارۃ لجارتھا ص ۸۸۹‘ مسلم‘ ترمذی)

اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک پڑوسن اگر ہدیہ دے تو اسے حقیر نہ جانو‘ اگرچہ وہ بہت معمولی چیز ہو‘ اس تقدیر پر ”لجارۃ“ کا متعلق محذوف ہدیہ ہوگا‘ بکری کے کھر سے اس کا مجازی معنی مراد ہے کہ وہ کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ ہو‘ ترمذی کے شروع میں یہ زائد ہے: ایک دوسرے کو ہدیہ دو کیونکہ یہ سینے کے کینے کے دور کر دیتا ہے۔

۱۴۴۲- ح: إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ (الخ)

[ہم ایک چاند سے دوسرے چاند (تیسرے چاند) تک (دو مہینے انتظار کرتے)]

۱۴۴۲- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ يَا خَالَةُ مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ قَالَتِ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَلْبَانِهِمْ فَيَسْقِينَاهُ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عروہ سے فرمایا: اے میری بہن کے بیٹے! ہم ایک چاند سے دوسرے چاند، تیسرے چاند تک دو مہینے انتظار کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ (عروہ نے) کہا: اے خالہ! آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ فرمایا: دو سیاہ چیزیں، کھجور اور پانی، مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ انصار پڑوسی تھے، جن کے پاس دودھ والے جانور تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پیش کر دیتے تھے تو آپ ہمیں یہ دودھ پلا دیتے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: کیف کان عیش النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص ۹۵۶، مسلم۔ آخر کتاب)

منائح

"منائح"، "منيحة" کی جمع ہے، وہ اونٹنی یا بکری جو کسی کو دودھ پینے کے لیے دی جائے، دودھ والا جانور مطلقاً اونٹنی اور بکری، یہاں یہی مراد ہے۔ اس کا مادہ "مَنْح" ہے، بخشش کرنے کے معنی میں۔

پانی کا رنگ کیا ہے؟ فلاسفہ اس میں اُلجھے ہوئے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کا رنگ کالا ہے، اس پر یہ مشاہدہ دلیل ہے کہ سفید کپڑے پر پانی پڑ جائے تو سیاہ دھبے دکھائی دیتے ہیں۔

بَابُ الْقَلِيلِ مِنَ الْهِبَةِ (ص ۳۴۹)۔ تھوڑے سے ہبہ (ہدیہ) کا بیان

۱۴۴۳- ح: لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ

[اگر ایک دست یا ایک پائے کے لیے مجھے دعوت دی جائے تو میں تشریف لے جاؤں گا]

۱۴۴۳- عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک دست یا ایک پائے کے لیے مجھے دعوت دی جائے تو تشریف لے جاؤں گا، اور اگر ایک دست یا ایک پایا مجھے ہدیہ دیا جائے تو قبول کر لوں گا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: من اجاب الی کراع ص ۷۷۸)

ذراع

دست جانور کے گھٹنے کے اوپر کا حصہ، کراع گھٹنے کے نیچے کا حصہ یا کھر، دست کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔ اس سے مراد عمدہ اچھی چیز ہے اور پائے بہت معمولی مانے جاتے ہیں، اس سے مراد حقیر معمولی چیز ہے۔ دعوت اور ہدیہ رد کرنے میں داعی اور ہدیہ پیش کرنے والے کی دل شکنی ہے، اس لیے مکارمِ اخلاق میں سے یہ ہے کہ رد نہ کیا جائے۔

بَابُ قَبُولِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ (ص ۳۵۰) شکار کا ہدیہ قبول کرنا

۱۴۴۴- ح: أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا [ہم نے خرگوش کو دوڑایا]

١٤٤٤- عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوْا فَاَدْرَكْتُهَا فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا اَوْ فَخِذَيْهَا قَالَ فَخِذَيْهَا لَا شَكَّ فِيْهِ فَقَبِلَهٗ قُلْتُ وَاَكَلَ مِنْهُ قَالَ وَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ بَعْدُ قَبِلَهٗ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مرالظہران میں ہم نے خرگوش کو دوڑایا' لوگ دوڑے اور تھک گئے' میں نے پکڑ لیا اور اسے حضرت ابوطلحہ کے پاس لایا تو انہوں نے ذبح کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی سرین یا دونوں رانیں پیش کیں' دونوں رانوں کے بارے میں شک نہیں' تو حضور نے اسے قبول فرمایا۔ ہشام نے پوچھا اور اس سے کھایا؟ حضرت انس نے فرمایا: اور اس میں سے کھایا' پھر اس کے بعد فرمایا: اسے قبول فرمایا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الذبائح۔ باب: فی التصید ص ۸۲۵' باب: الارنب ص ۸۳۰' ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الاطعمۃ' نسائی۔ ابن ماجہ۔ کتاب الصید)

انفجنا

اس کا مادہ ''نفج'' ہے' جس کے معنی بھڑکنے کے ہیں۔ ''اَنْفَجَ'' بھڑکایا۔ مراد یہ ہے کہ خرگوش کو بھڑکا کر بل سے نکالا۔ ''ارنب'' خرگوش۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ارنب لفظاً مؤنث ہے' اس لیے کہ اس کے لیے مؤنث کی ضمیریں لائے ہیں۔ صاحب محکم نے کہا: ''ارنب'' مادہ کو کہتے ہیں اور نر کو ''خزز'' کہتے ہیں۔ مرالظہران' مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف سولہ میل کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے۔

لا شك فيه

یہاں قال کے فاعل شعبہ ہیں' ان کو پہلے یہ شک ہوا کہ ران کے اوپر کا گوشت بھیجا تھا یا ران؟ پھر انہیں یقین ہوا کہ ران ہی بھیجی تھی' تو کہا کہ ران میں کوئی شک نہیں۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے' یہ تو یقینی ہے کہ ران بھیجی تھی' مگر اس میں شک ہے کہ ران کے اوپر کا حصہ بھیجا تھا یا نہیں۔ اسی طرح یہ شک ہوا کہ اسے تناول فرمایا یا نہیں؟ مگر اس پر یقین ہے کہ قبول فرمایا۔ اس لیے روایت یوں ہوئی کہ پہلے تناول کرنے کو دریافت کیا' اس کے جواب میں کہا کہ تناول فرمایا' پھر بعد میں صرف یہ بیان کیا کہ قبول فرمایا۔ حاصل یہ نکلا کہ قبول فرمانے پر یقین ہے' اس میں شک نہیں' البتہ کھانے کے بارے میں شک ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خرگوش حلال ہے' ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے قبول نہ فرماتے اور کھانے والوں کو بلکہ پکڑنے والوں کو زجر فرماتے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اتفاقیہ یا بہ وقت حاجت شکار کرنے میں کوئی حرج نہیں' البتہ اس کی عادت اور انہماک ممنوع ہے۔ فرمایا: ''من اتبع الصيد غفل'' جس نے شکار کا پیچھا کیا' وہ غافل ہوا۔

بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ (ص ۳۵۰) ہدیہ کو قبول کرنا

١٤٤٥- ثنا هِشَامٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِهَا اَوْ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ صحابہ قصداً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن اپنے ہدیے خدمت اقدس میں پیش کرتے' اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی چاہتے تھے۔

(بخاری۔ باب: من اهدى لصاحبه ص ۳۵۱' کتاب المناقب۔ باب: فضل عائشة ص ۵۳۲' مسلم۔ کتاب الفضائل' نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء)

یعنی صحابہ کرام اس انتظار میں رہتے کہ کب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن آئے اور ہم خدمت اقدس میں اپنے

نذرانے پیش کریں۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کی خوشنودی تھی، اس سے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی کہ وہ تمام ازواج مطہرات سے زیادہ آپ کو محبوب تھیں۔

١٤٤٦ - ح: اَهْدَتْ اُمُّ حُفَيْدٍ اَقِطًا وَّسَمْنًا وَاَضُبًّا

[خالہ ام حفید نے پنیر، گھی اور گوہیں بہ طور ہدیہ پیش کیں]

١٤٤٦ - سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَهْدَتْ اُمُّ حُفَيْدٍ خَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِطًا وَّسَمْنًا وَّاَضُبًّا فَاَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَقِطِ وَالسَّمْنِ وَتَرَكَ الضَّبَّ تَقَذُّرًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا مَّا اُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابن عباس کی خالہ اُم حفید نے پنیر، گھی اور گوہیں نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیۂ پیش کیں، نبی ﷺ نے پنیر اور گھی تناول فرمایا اور گھن محسوس کرتے ہوئے گوہوں کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی اور اگر حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الخبز المرقق ص ۸۱۱، باب: الاقط ص ۸۱۳، کتاب الاعتصام۔ باب: الاحکام التی تعرف بالدلائل ص ۱۰۹۴، مسلم۔ کتاب الذبائح، ابوداؤد۔ کتاب الاطعمہ، نسائی۔ کتاب الصید۔ کتاب الولیمہ)

[گوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟]

جو لوگ گوہ کو جائز کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ اور اس قسم کی دوسری حدیثیں ہیں۔ ان کا مستدل یہی ہے کہ اگر حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی، ہمارے نزدیک گوہ حلال نہیں۔ ہماری دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جو حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت فرمایا۔ یہ اس حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔ (ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: اکل الضب ص ۱۷۶)

نیز حضرت عبدالرحمن بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ایک بار بہت زیادہ گوہ والی زمین میں اترے اور ہم کو بھوک لگی تو ہم نے گوہ کو پکانا شروع کیا، ہانڈیاں اس سے جوش مارنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: گوہ ہے، فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو مسخ کر کے زمین کے کیڑے بنا دیا گیا، میرا اندیشہ ہے کہ یہ وہی نہ ہو، ہانڈیوں کو الٹ دو۔ (شرح معانی الآثار۔ ج ۲۔ باب: اکل الضباب ص ۳۱۴)

نیز اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں گوہ پیش کی گئی، حضور نے اسے کھایا نہیں، اتنے میں ایک سائل آ گیا، اُم المومنین نے چاہا کہ اسے دے دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا سائل کو وہ چیز دو گی جو خود کھاتی نہیں ہو۔[1] یہ حدیث اور اس کے ہم معنی تمام احادیث جن سے گوہ کے کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، ممانعت کی احادیث سے منسوخ ہیں۔

١٤٤٧ - ح: اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ

[جب کھانا پیش کیا جاتا تو دریافت فرماتے: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟]

1۔ شرح معانی الآثار۔ ج ۲۔ ص ۳۱۶۔ باب: اکل الضباب

١٤٤٧ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ فَإِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوْا وَلَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَ مَعَهُمْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کھانا پیش کیا جاتا تو اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو اپنے اصحاب سے فرماتے: تم لوگ کھاؤ! اور خود تناول نہ فرماتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو فوراً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا تاخیر صحابہ کے ساتھ تناول فرمانے لگتے۔

صدقہ فقراء کا حق ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اغنی الاغنیاء ہیں۔ ارشاد ہے: ''وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى'' اور اللہ نے تم کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ نیز صدقے لوگوں کے میل ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازکیٰ و اطیب' نیز صدقہ کھانے میں ایک دناءت ہے۔ فرمایا: ''الید العلیا خیر من الید السفلیٰ'' اوپر کا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہے۔

بَابُ مَنْ أَهْدٰى إِلٰى صَاحِبِهِ وَتَحَرّٰى بَعْضَ نِسَآئِهِ دُوْنَ بَعْضٍ (ص۳۵۱)

جب اپنے دوست کو ہدیہ دے اور اس کی بعض عورتوں کی باری کے دن کا انتظار کرے

١٤٤٨ - ح: أَنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ

[رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج دو گروہوں میں تھیں]

١٤٤٨ - عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَآئِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْآخَرُ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ قَدْ عَلِمُوْا حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَآئِشَةَ فَإِذَا كَانَتْ عِنْدَ أَحَدِهِمْ هَدِيَّةٌ يُرِيْدُ أَنْ يُّهْدِيَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَهَا حَتّٰى إِذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ عَآئِشَةَ بَعَثَ صَاحِبُ الْهَدِيَّةِ بِهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ عَآئِشَةَ فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُّهْدِيَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً فَلْيُهْدِهَا إِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ مِنْ نِسَآئِهِ فَكَلَّمَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے' ایک گروہ میں حضرت عائشہ' حفصہ' صفیہ اور سودہ تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور بقیہ ازواج مطہرات تھیں۔ اور مسلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ کے ساتھ محبت کو جانتے تھے' جب کوئی صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تو اسے مؤخر کر دیتے' جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر میں ہوتے تو وہ ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ اس پر حضرت ام سلمہ کے گروہ نے آپس میں گفتگو کی' اور انہوں نے حضرت ام سلمہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بات کرو کہ حضور لوگوں سے کہہ دیں کہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہے تو وہ پیش کرے' حضور جس کسی بھی زوجہ کے پاس ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے حضور سے بات کی تو حضور نے کچھ نہیں فرمایا' دوسری ازواج مطہرات نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور نے کوئی جواب نہیں دیا' انہوں نے دوبارہ کہا: پھر بات کرو۔ جب

فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِيْ شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا فَكَلِّمِيهِ قَالَتْ فَكَلَّمَتْهُ حِيْنَ دَارَ اِلَيْهَا فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِيْ شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيهِ حَتّٰى يُكَلِّمَكِ فَدَارَ اِلَيْهَا فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَاَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَالَتْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ اَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ اِنَّ نِسَائَكَ يَنْشُدْنَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِيْ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يَا بُنَيَّةُ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى فَرَجَعَتْ اِلَيْهِنَّ فَاَخْبَرَتْهُنَّ فَقُلْنَ ارْجِعِيْ اِلَيْهِ فَاَبَتْ اَنْ تَرْجِعَ فَاَرْسَلْنَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ فَاَتَتْهُ فَاَغْلَظَتْ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَائَكَ يَنْشُدْنَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِيْ بِنْتِ ابْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ فَرَفَعَتْ صَوْتَهَا حَتّٰى تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ وَهِيَ قَاعِدَةٌ فَسَبَّتْهَا حَتّٰى اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْظُرُ اِلٰى عَائِشَةَ هَلْ تَكَلَّمُ قَالَ فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ تَرُدُّ عَلٰى زَيْنَبَ حَتّٰى اَسْكَتَتْهَا قَالَتْ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ اِنَّهَا بِنْتُ اَبِيْ بَكْرٍ وَقَالَ اَبُوْ مَرْوَانَ الْغَسَّانِيُّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَّرَجُلٍ مِّنَ الْمَوَالِيْ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَتْ فَاطِمَةُ.

حضرت اُم سلمہ کی باری میں آپ ان کے یہاں تشریف لائے تو دوبارہ بات کی' اب بھی حضور نے کوئی جواب نہیں دیا' ازواجِ مطہرات نے پوچھا تو بتا دیا کہ کچھ نہیں فرمایا۔ اس پر ازواجِ مطہرات نے ان سے کہا: پھر بات کرو' یہاں تک کہ حضور تم کو جواب دیں۔ جب حضور ان کی یعنی حضرت اُم سلمہ کی باری میں ان کے یہاں تشریف لائے تو حضرت اُم سلمہ نے پھر حضور سے بات کی۔ حضور نے فرمایا: تم مجھے عائشہ کے بارے میں ایذاء مت دو' اس لیے کہ کسی زوجہ کے کپڑے میں ہونے کی حالت میں مجھ پر وحی نہیں آتی سوائے عائشہ کے۔ اُم سلمہ نے کہا: یارسول اللہ! میں حضور کو ایذاء دینے سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو بلوایا' انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کے لیے بھیجا کہ حضور کی ازواج' ابوبکر کی بیٹی کے بارے میں اللہ کے واسطے انصاف کا مطالبہ کرتی ہیں۔ حضور نے فرمایا: اے پیاری بیٹی! میں جس سے محبت کرتا ہوں' کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور! اب وہ ازواجِ مطہرات کے پاس واپس ہوئیں اور سب کچھ بتایا' پھر ان لوگوں نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ دوبارہ جاؤ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اب ازواجِ مطہرات نے حضرت زینب بنت جحش کو آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا' انہوں نے حاضر ہو کر سخت انداز میں کہا: حضور! آپ کی ازواج ابن ابوقحافہ کی بیٹی کے بارے میں اللہ کے واسطے انصاف کا مطالبہ کرتی ہیں۔ انہوں نے آواز بھی اونچی کر دی اور حضرت عائشہ کو بہت کچھ کہہ دیا' یہ بیٹھی ہوئی تھیں' کچھ برا بھلا بھی کہہ دیا' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا کہ کچھ بولتی نہیں! اب حضرت عائشہ نے حضرت زینب کو بھرپور جواب دیا' یہاں تک کہ ان کو چپ کرا دیا۔ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ کو دیکھا' اور فرمایا: یہ ابوبکر کی بیٹی ہے نا۔ اور ابومروان غسانی نے کہا: "كان الناس يتحرون الحديث. عن هشام بن عروة" مروی ہے اور یہ حدیث "قالت عائشة كنت عند النبي ﷺ فاستاذنت"

فاطمة عن هشام عن رجل من قريشي و رجل من الموالي عن الزهری عن محمد بن عبد الرحمن بن الحارث هشام"

مروی ہے۔

مسلم[1] میں اس حدیث کے اخیر کا حصہ یوں ہے کہ حضرت اُم سلمہ کے گروہ نے حضرت فاطمہ کو خدمت اقدس میں بھیجا' انہوں نے اجازت طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی اور رسول اللہ ﷺ اس وقت میرے ساتھ میری ایک چادر میں لیٹے تھے۔ وہ آئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے بھیجا ہے' وہ بنت ابی قحافہ کے بارے میں آپ سے عدل کا سوال کر رہی ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں چپ تھی' رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا: کیا میں جس سے محبت کرتا ہوں' تم اس سے محبت نہیں کرتیں؟ انہوں نے عرض کی: ضرور کرتی ہوں' تو فرمایا: اس (عائشہ) سے محبت کر' یہ سن کر فاطمہ اُٹھ کر چلی گئیں اور ازواجِ مطہرات کے پاس گئیں اور انہیں پوری گفتگو بتائی۔ انہوں نے کہا: تم نے ہمارا کچھ بھی کام نہیں بنایا' پھر جاؤ اور عرض کرو کہ آپ کی ازواج آپ سے بنت ابی قحافہ کے بارے میں اللہ کے واسطے عدل کا سوال کرتی ہیں۔ اس پر حضرت فاطمہ نے کہا: بخدا! اب میں کبھی اس بارے میں رسول اللہ سے کچھ عرض نہیں کروں گی' اس کے بعد ان لوگوں نے زینب بنت جحش کو بھیجا' یہ وہ تھیں کہ ازواج میں میری برابری کرتی تھیں۔ زینب سے زیادہ دین دار' اللہ سے ڈرنے والی' سچی' صلہ رحمی کرنے والی' زیادہ صدقہ دینے والی اور جو کام اللہ کے تقرب کا سبب ہو' اسے لگن سے کرنے والی میں نے کسی عورت کو نہیں دیکھا' سوائے اس کے کہ ان کے مزاج میں تیزی تھی' جو بہت جلد ختم ہو جاتی۔ حضرت زینب نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی' حضور نے انہیں اجازت دے دی' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور کی ازواج نے مجھے بھیجا ہے اور وہ بنت ابی قحافہ کے بارے میں عدل کا سوال کرتی ہیں' پھر وہ میرے بارے میں بولنے لگیں اور حد سے آگے بڑھ گئیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے اشارۂ چشم کو دیکھ رہی تھی کہ مجھے بولنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ زینب یونہی بولتی رہیں' جب میں نے یہ جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ یہ ناپسند نہیں فرمائیں گے کہ میں انہیں جواب دوں تو میں نے بولنا شروع کیا یہاں تک کہ انہیں باز آ جانا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ابوبکر کی بیٹی ہے نا!

مسائل

اس حدیث سے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص فضیلت ثابت ہوئی کہ وہ تمام ازواجِ مطہرات سے زیادہ حضور اقدس ﷺ کو محبوب تھیں۔ چند ازواج میں محبت میں برابری واجب نہیں اور نہ یہ ممکن ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللّٰهم انی اعدل فيما املك فلا تواخذني بما لا املك. اے اللہ! جس کا میں مالک ہوں' اس میں عدل کرتا ہوں' اس بارے میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا جس کا میں مالک نہیں ہوں۔

کسی کی خوشی کے موقعہ پر اسے ہدیہ پیش کرنا مستحسن ہے۔ بیبیاں اور اسی طرح دوسرے متعلقین آپس میں لڑیں تو سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ خاموش رہا جائے۔ ازواجِ مطہرات نے اپنے خصوصی رشتے کی بناء پر حضور اقدس میں جو بعض نامناسب باتیں عرض کی ہیں' ان پر ان سے مواخذہ نہیں۔ یہ ناز و تدلل کے قبیل سے ہے اور ناز و ادا جس کا حق ہے' وہ بطور ناز و ادا کچھ کہے تو اس سے اذیت نہیں لذت ملتی ہے۔

یعنی ابومروان غسانی نے مذکورہ حدیث کو اس طرح روایت کیا کہ وہ دو حدیثیں معلوم ہوتی ہیں' انہوں نے کانوا یتحرون

---

[1] مسلم۔ ص ۲۸۵۔ کتاب الفضائل۔ باب: فضائل عائشة رضی اللہ عنہا

بهدايا هم يوم عائشة'' کو بخاری میں مذکور سند ''عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشه'' سے روایت کیا ہے اور ''ان فاطمة استاذنت'' کو دوسری سند کے ساتھ بیان کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسری حدیث ہے۔

بَابُ مَا لَا يُرَدُّ مِنَ الْهَدِيَّةِ (ص ٣٥١) — کون سا ہدیہ لوٹانا نہیں چاہیے؟

١٤٤٩ - ثنا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِيْ ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَنَاوَلَنِيْ طِيْبًا قَالَ كَانَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ قَالَ وَزَعَمَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ.

عزرہ بن ثابت انصاری نے کہا: میں ثمامہ بن عبداللہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے خوشبو دی اور کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو واپس نہیں فرماتے تھے' انہوں نے کہا کہ حضرت انس نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو واپس نہیں فرماتے تھے۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: من لم یرد الطیب ص ٨٧٨' ترمذی۔ کتاب الاستیذان' نسائی۔ کتاب الولیمۃ والزینۃ)

طِیب

طا کے کسرے کے ساتھ خوشبو جو بدن یا کپڑے پر ملی جائے' جیسے عطر یا خوشبودار تیل۔

طَیِّب

اچھی چیز خبیث گندے کے مقابل۔ ترمذی[1] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ثلاث لا يرد الوسائد والدهن واللبن. — تین چیزوں کو واپس نہ کیا جائے: تکیے اور تیل اور دودھ۔

ابوداؤد[2] اور نسائی[3] نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

من عرض عليه طيب فلا يرده فانه خفيف الحمل طيب الرائحة. — جس پر خوشبو پیش کی جائے تو اسے واپس نہ کرے' اس لیے کہ وہ اُٹھانے میں ہلکی ہے اور خوشبودار ہے۔

مسلم[4] میں طیب کے بجائے ریحان ہے' یعنی پھول' مگر ترمذی[5] میں حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اذا اعطى احدكم الريحان فلا يرده فانه خرج من الجنة. — جب تم کو پھول دیا جائے تو واپس مت کرو' اس لیے کہ وہ جنت سے آیا ہے۔

یہ چار چیزیں ہوئیں: تکیہ' خوشبو' پھول' دودھ۔ اور یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کی حد تک ہے۔ علامہ ابن حجر نے ریحان کے ذکر کو مرجوح قرار دیا ہے۔

بَابُ الْمُكَافَاةِ فِي الْهِبَةِ (ص ٣٥٢) — ہبہ کا بدلہ دینا

١٤٥٠ - عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا عوض عطا فرماتے۔

---

[1] ترمذی۔ ص ١٠٢۔ کتاب الاستیذان۔ باب: فی کراهیة رد الطیب
[2] ابوداؤد۔ ج ٢ ص ٢٩٣۔ کتاب الترجل۔ باب: الطیب
[3] نسائی۔ ج ٢ ص ٢١٩۔ کتاب الترجل۔ باب: رد الطیب
[4] مسلم۔ ج ٢ ص ٢٣٩۔ کتاب الالفاظ۔ باب: استعمال الطیب
[5] ترمذی۔ ص ١٠٢۔ کتاب الاستیذان۔ باب: فی کراهیة رد الطیب

(ابوداؤد۔کتاب البیوع'ترمذی۔کتاب البر۔کتاب شمائل)

ہبہ کا عوض دینا سنت ہے واجب نہیں' اور اگر واجب عوض کی شرط پر کوئی چیز ہبہ کرے تو یہ حقیقت میں بیع ہے۔اب اگر عوض معلوم ومعین ہو تو بیع صحیح ہے اور اگر مجہول ہو تو فاسد۔حضرت امام مالک ہبہ اگر مطلق ہو تو عوض دینا واجب کہتے ہیں۔

بَابُ الْهِبَةِ لِلْوَلَدِ وَإِذَا اَعْطٰى بَعْضَ وَلَدِهٖ شَيْئًا لَّمْ يَجُزْ حَتّٰى يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ وَيُعْطِيَ الْاٰخَرِيْنَ مِثْلَهٗ وَلَا يُشْهَدُ عَلَيْهِ. وَهَلْ لِلْوَالِدِ اَنْ يَّرْجِعَ فِيْ عَطِيَّتِهٖ وَمَا يَاْكُلُ مِنْ مَّالِ وَلَدِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا يَتَعَدّٰى (ص ۳۵۲)

اولاد کو ہبہ کرنا' اور جب اپنی بعض اولاد کو کچھ دے تو جائز نہیں' یہاں تک کہ ان کے درمیان عدل کرے اور دوسروں کو بھی اس کے برابر دے' اس پر گواہ نہ بنائے' کیا باپ کو جائز ہے کہ اولاد کو جو کچھ دے' اسے واپس لے لے اور اولاد کا مال بہ طریق معروف کھائے' حد سے آگے نہ بڑھے

توضیح باب

اس باب کے چار جز ہیں: اولاد کو ہبہ کرنا' اور کسی کو کچھ دے تو سب کو برابر دے۔نہ یہ جائز ہے کہ کسی کو دے اور کسی کو کچھ نہ دے اور نہ کمی بیشی جائز ہے۔باپ اولاد کو کچھ دے کر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اولاد کے مال کو عرف کے مطابق صرف کر سکتا ہے۔

ابن ماجہ[1] میں حضرت جابر سے اور مسند امام احمد[2] میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَنْتَ وَمَالُكَ لابيك. تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

اس سے مستفاد ہے کہ بیٹے کا مال باپ کی ملک ہے' اب اگر باپ نے بیٹے کو کچھ دیا تو گویا اپنے آپ ہی کو دیا' اس لیے امام بخاری نے یہ باب قائم کر کے افادہ فرمایا کہ باپ اپنی اولاد کو ہبہ کرے تو یہ صحیح ہے۔ابن ماجہ کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ باپ بہ ضرورت بہ قدر ضرورت بیٹے کا مال استعمال کر سکتا ہے۔باب کے پہلے والے دو اجزاء پر دو حدیثوں سے استدلال فرمایا' پہلی یہ حدیث: ''اعدلوا بين اولادكم في العطية'' اپنی اولاد کے درمیان داد و دہش میں برابری رکھو۔

یہ حدیث اس کے بعد والے باب میں خود امام بخاری نے روایت کی ہے' مگر ان کی روایت میں ''في العطية'' نہیں' البتہ امام طحاوی[3] نے ان الفاظ کے ساتھ في العطية کی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے:

سووا بين اولادكم في العطية كما تحبون ان يسووا بينكم في البر. اپنی اولاد کے مابین داد و دہش میں برابری کرو' جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ سلوک میں برابری کریں۔

دوسری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خرید کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: جو چاہو کرو۔اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ یہ اونٹ ابن عمر کو دے دو تو وہ ضرور دے دیتے' مگر اپنی تمام اولاد کو ایک ایک اونٹ نہ دے پاتے' اور یہ اولاد میں عدل نہ ہوتا' اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر حضرت ابن عمر کو دے دیا۔یہ علامہ ابن بطال نے توجیہ کی ہے' فیہ مافیہ' بقیہ دونوں اجزاء پر باب میں مذکور احادیث سے استدلال

---

[1] ابن ماجہ۔ص ۱۶۷۔کتاب التجارات۔باب: ما للرجل من مال ولده

[2] مسند امام احمد۔ج ۲ص ۱۰۴ [3] شرح معانی الآثار ج ۲ص ۲۴۴

فرمایا ہے۔

بَابُ الْاِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ (ص ۳۵۲)

۱۴۵۱- ح: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ

ہبہ پر گواہ بنانا

[اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو]

۱۴۵۱- سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ.

میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ منبر پر فرما رہے تھے کہ میرے والد نے مجھے کچھ دیا، اس پر عمرہ بنت رواحہ نے کہا: جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ نہ ہو جائیں میں راضی نہیں ہوں گی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے، کچھ دیا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ رسول اللہ کو گواہ بناؤں۔ دریافت فرمایا: بقیہ اولاد کو بھی اس کے برابر دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔ وہ لوٹ کر واپس آئے اور عطیہ واپس لے لیا۔

(بخاری۔ باب: الهبة للولد ص ۳۵۲، کتاب الشہادات۔ باب: لا يشهد على شهادة جور ص ۳۶۱، مسلم۔ کتاب الفرائض، ترمذی۔ کتاب الاحکام، نسائی۔ کتاب النحل۔ کتاب القضاء، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام ابوداؤد۔ کتاب البیوع)

کتاب الشہادات کی روایت میں ہے: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے کہا: میری ماں نے میرے والد سے مجھے کچھ دینے کے لیے کہا اور انہوں نے مجھے دیا۔ اخیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تشهدني في جور" مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔ امام مالک اور امام بخاری وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر اولاد کو برابر نہ دے، یا کسی کو دے کسی کو کچھ نہ دے تو ہبہ باطل ہے۔ امام احمد نے فرمایا: ہبہ صحیح ہے مگر اس سے رجوع واجب ہے، ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ یہ ہبہ صحیح ہے، البتہ اگر باپ نے کچھ اولاد کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ایسا کیا تو گنہ گار ہوگا، مگر جسے جو دے دیا وہ اس کا مالک ہو گیا۔ اور اگر بعض اولاد میں ترجیح کی کوئی دینی وجہ ہو تو گنہگار نہ ہوگا، مثلاً ایک بیٹا عالم ہے تو وہ علم کی نشر و اشاعت میں مصروفیت کی وجہ سے کسب معاش نہیں کر سکتا، اور اس خصوص میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں ایک حکم میں ہیں، دونوں کو برابر دینے کا یہ حکم استحبابی ہے اور نہی تنزیہہ کے لیے۔

ہماری دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، انہوں نے مرض وصال میں ام المومنین حضرت عائشہ سے فرمایا: میں نے تم کو ایک عطیہ دیا تھا، اگر تم نے اس پر قبضہ کر لیا ہوتا تو تمہارا ہوتا اور آج وارث کے لیے ہے[۱] اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عاصم کو دیا اور اولاد کو نہیں دیا[۲] نیز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی ام کلثوم کو دوسری اولاد سے زیادہ دیا۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۴۵)

اس حدیث کی بعض روایتوں[۳] میں یہ ہے: "فان اذنت ان اجيزه له اجزت" اگر حضور اجازت دیں کہ اسے نافذ کر دوں تو

---

[۱] شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۴۵۔ باب: الرجل ينحل بعض بنيه [۲] ایضاً۔ بحوالہ طحاوی [۳] ایضاً

میں اسے نافذ کر دوں۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے ابھی ہبہ نافذ نہیں کیا تھا اور خدمت اقدس میں مشورہ کے لیے حاضر ہوئے تھے۔

اس پر اجماع ہے کہ اولاد ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنا کل مال کسی کو ہبہ کر دے تو صحیح ہے، پھر اگر اولاد میں سے کسی کو کل مال دے دیا تو بہ درجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔

اولاد کے درمیان داد و دہش میں برابری کی لم یہ ہے: اگر کسی کو دے گا اور کسی کو کچھ نہیں دے گا یا کم و بیش دے گا تو ان کے درمیان رنجش اور عداوت پیدا ہوگی اور باپ سے نفرت کا اندیشہ بھی ہے۔ اسی سے سمجھ میں آیا کہ اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے ان میں اختلاف پیدا ہو اور باپ سے کدورت۔

بَابُ هِبَةِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ وَالْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا (ص ۳۵۲)

شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو ہبہ کرنا

چونکہ زوجین میں منافع مشترک ہوتے ہیں، اور اس پر تعامل کہ ہر ایک دوسرے کی چیز بلا خطر استعمال کرتا ہے، اس لیے زوجین کا ایک دوسرے کو کچھ ہبہ کرنا گویا اپنے ہی کو ہبہ کرنا ہے، اس لیے اس کے جائز اور ناجائز ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس کے لیے امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا، اور تائید میں حضرت ابراہیم نخعی اور دوسرے تابعین کا قول نقل فرمایا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے اس ارشاد کو امام عبدالرزاق اور امام طحاوی نے موصولاً روایت کیا ہے۔ امام طحاوی کے طریقے میں یہ زائد ہے کہ ان میں سے کسی کو رجوع کا حق نہیں اور بہ طریق امام اعظم جو روایت ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: میاں بیوی بہ منزلہ ذو رحم محرم ہیں، جب ایک دوسرے کو کچھ ہبہ کرے تو اسے پھر رجوع کا حق نہیں۔

ت۴۸۸ - قَالَ اِبْرَاهِيمُ جَائِزَةٌ.

ابراہیم نے کہا کہ یہ جائز ہے۔

ت۴۸۹ - وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ لَا يَرْجِعَانِ.

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: دونوں میں سے کوئی رجوع نہیں کر سکتا۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت۴۹۰ - وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ هَبِيْ لِيْ بَعْضَ صَدَاقِكِ اَوْ كُلَّهُ ثُمَّ لَمْ يَمْكُثْ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى طَلَّقَهَا فَرَجَعَتْ فِيْهِ قَالَ يَرُدُّ اِلَيْهَا اِنْ كَانَ خَلَبَهَا وَاِنْ كَانَتْ اَعْطَتْهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ لَيْسَ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِهِ خَدِيْعَةٌ جَازَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا۝﴾ (النساء:۴).

امام زہری نے اس شخص کے بارے میں فرمایا، جس نے اپنی بیوی سے کہا: اپنا کل مہر یا بعض مجھے ہبہ کر دے، پھر اسے طلاق دے دی اور عورت نے رجوع کر لیا، تو شوہر مہر لوٹائے اگر اس نے اسے دھوکہ دیا ہے تو، اور اگر اس نے اسے بہ خوشی دیا ہے تو جائز ہے (اسے لوٹانے کا حق نہیں) جبکہ اس میں کوئی فریب نہ ہو۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: جب تمہاری بیبیاں اپنے مہر میں سے تم کو کچھ بہ خوشی دے دیں تو اسے مزے سے کھاؤ۝

اس تعلیق کو عبداللہ بن وہب نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہمارے نزدیک عورت کو رجوع کا حق نہیں اگرچہ شوہر نے دھوکے سے مہر وصول کیا ہو، بشرطیکہ شوہر نے قبضہ کر لیا ہو اور اگر شوہر نے قبضہ نہیں کیا تھا اور عورت نے رجوع کر لیا تو یہ ہبہ ختم ہو گیا کیونکہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے تام نہیں ہوا تھا۔

مطابقت

امام بخاری نے باب کے ثبوت میں حدیث: ۱۴۵۰ ذکر کی ہے، جو نزہۃ القاری، ج۱ ص ۵۱۵۔ ۵۱۸ پر لکھی جا چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو ازواجِ مطہرات سے اس کی اجازت طلب فرمائی کہ عائشہ کے گھر بیماری کے دن گزاروں؟ ازواجِ مطہرات نے اس کی اجازت دے دی۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ازواجِ مطہرات نے اپنا حق حضور کو ہبہ کر دیا اور باب یہی تھا: شوہر کا اپنی زوجہ کو اور زوجہ کا شوہر کو ہبہ کرنا۔ اس تقدیر پر باب میں ہبہ کے لغوی معنی مراد ہوں گے۔

۱۴۵۲- ح: اَلْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَقِيْءُ (الخ)

[ہبہ واپس لینے والا اس کتے کی مثل ہے جو قے کر کے (لوٹاتا) ہے]

۱۴۵۲- حَدَّثَنَا ابْنُ طَاؤُسٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَقِيْءُ ثُمَّ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهٖ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہبہ واپس لینے والا اس کتے کے مثل ہے جو قے کر کے لوٹاتا ہے۔

(بخاری۔ باب: لا يحل لاحد ان يرجع في هبته وقيئه ص ۳۵۷، دو طریقے سے، ج۲۔ کتاب الحیل۔ باب: في الهبة والشفعة ص ۱۰۳۲، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

"بَابُ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّرْجِعَ فِيْ هِبَتِهٖ" میں اس حدیث کی ابتداء میں یہ زائد ہے: "ليس لنا مثل السوء الذى يعود فى هبته" ہمارا ایسا برا حال نہیں ہونا چاہیے جو ہبہ کو لوٹاتا ہے، مثل کتے کے ہے جو قے کو لوٹاتا ہے۔

مطابقت

باب سے مطابقت اس کے عموم سے ہے، جس میں زوجین بھی داخل ہیں، ابن طاؤس سے مراد عبداللہ ہیں۔

بَابُ هِبَةِ الْمَرْاَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا وَعِتْقِهَا اِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ فَهُوَ جَائِزٌ اِذَا لَمْ تَكُنْ سَفِيْهَةً فَاِذَا كَانَتْ سَفِيْهَةً لَمْ يَجُزْ (ص ۳۵۳)

بیوی کا شوہر کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کرنا اور آزاد کرنا جب کہ اس کا شوہر ہو اور وہ خفیف العقل نہ ہو تو جائز ہے اور جب کم عقل ہو تو جائز نہیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمْ﴾ (النساء: ۵).

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کم عقلوں کو ان کا وہ مال نہ دو جو تمہارے پاس ہے۔

توضیح باب

سفیہ سے مراد معتوہ اور مجنون ہے اور آیت ان دونوں کے علاوہ نابالغ بچے کو بھی شامل ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

۱۴۵۳- عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً وَّلَمْ تَسْتَاْذِنِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِيْ يَدُوْرُ عَلَيْهَا فِيْهِ قَالَتْ اَشَعَرْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنِّيْ اَعْتَقْتُ وَلِيْدَتِيْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام کریب سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک کنیز کو آزاد کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لی، جب ان کی باری کا دن آیا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضور کے علم میں یہ بات آئی ہوگی کہ میں نے اپنی کنیز کو آزاد کر دیا ہے، فرمایا: کیا واقعی تم نے

قَالَ اَوَفَعَلْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ.

ایسا کر دیا ہے؟ عرض کیا: جی! فرمایا: کاش! کہ تم اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہارے لیے ثواب زیادہ ہوتا۔

(بخاری۔ باب: من يبدأ بالهبة ص ۳۵۳' ابوداود۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء)

ولیدۃ' اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم طلب کیا تھا' حضور نے انہیں ایک حبشن کنیز عطا فرمائی' جس کو انہوں نے آزاد کر دیا۔

اخوالكِ

اور اُصیلی کی روایت میں ''اخـــواتكِ'' ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: ہوسکتا ہے یہ روایت اصح ہو' اس لیے کہ موطا میں ''اُختيكِ'' ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کہ رشتہ داروں کو صدقہ دینا بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے افضل ہے' جیسا کہ امام احمد[1] ترمذی[2] نسائی[3] نے روایت کیا کہ فرمایا:

الصدقة على المسكين صدقة وعلى ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة.

مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور رشتہ داروں کو دینا صدقہ اور صلہ رحم دونوں ہے۔

مگر یہ حکم مطلقاً درست نہیں' اگر کوئی مسکین رشتہ دار سے زیادہ محتاج و ضرورت مند ہے تو اس صورت میں مسکین کو دینا افضل ہوگا۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ فرمایا: کیوں نہیں! اسے دے کر اپنی بھتیجی کو بکری چرانے سے نجات دلائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے کچھ رشتہ دار زیادہ ضرورت مند تھے' اس لیے وہ فرمایا۔

۱۴۵۴- ح: اَنَّ سَوْدَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَآئِشَةَ

[حضرت سودہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنی باری حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو ہبہ کر دی]

۱۴۵۴- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَآئِهِ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَاَةٍ مِّنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا غَيْرَ اَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا لِعَآئِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ رِضَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا حصہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے اور ہر زوجہ کے لیے ایک دن اور ایک رات کی باری تھی' سوائے اس کے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ نے اپنا دن اور رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا' اس سے ان کا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تھی۔

(بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب: القرعة في المشكلات ص ۳۷۰' کتاب الجہاد۔ باب: حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نساءه ص ۴۰۳' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حديث الافك ص ۵۹۴' کتاب التفسیر۔ باب: تعديل النساء بعضهن بعضا ص ۳۶۳' باب: قوله عزوجل ان الذين جاء وا بالافك ص ۶۹۶' کتاب النکاح۔ باب: المرأة تهب يومها من زوجها لضرتها ص ۷۸۵' ابوداود۔ کتاب النکاح' النسائی۔ کتاب العشرۃ النساء)

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۷۔ ۱۸

[2] ترمذی۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة على ذي القرابة

[3] نسائی۔ ص ۲۶۱۔ ۳۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة على الاقارب

باب سے مطابقت یہ ہے کہ اُم المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ یہ عورت کا شوہر کے علاوہ کسی اور کو ہبہ ہوا۔ یہ طویل حدیث افک کا جز ہے، جسے امام بخاری نے ۱۳- ۱۴، ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔ کہیں پوری حدیث کہیں اس کے کچھ اجزاء۔ کتاب الشہادات میں اس پر بہ قدرِ ضرورت کلام مذکور ہوگا۔ شوہر کو اختیار ہے کہ جب سفر میں جائے تو جس بیوی کو چاہے لے جائے، اور بہتر یہ ہے کہ قرعہ اندازی کر لے۔ واپسی پر بہتر یہ ہے کہ دوسری عورتوں کے یہاں سے باری شروع کرے۔ ایک عورت نے اپنی باری کسی سوکن کو ہبہ کر دی تو اس کے یہاں اس کی باری میں رہے۔ اسے اپنی باری واپس لینے کا اختیار ہے۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ (ص ۳۵۳)

جس نے ہدیہ کسی وجہ سے قبول نہیں کیا

ت ۴۹۱ - وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ كَانَتِ الْهَدِيَّةُ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً وَّالْيَوْمَ رِشْوَةٌ.

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہدیہ ہدیہ تھا اور آج رشوت ہے۔

اس تعلیق کو ابن سعید نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا۔ پوری تعلیق یہ ہے: حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ایک دن سیب کی خواہش ہوئی، اسے خریدنے کے لیے گھر میں کچھ نہیں تھا، ہم ان کے ساتھ سوار ہو کر چلے تو دیر سمعان کے بچوں نے سیب کے طبق پیش کیے، ان میں سے ایک کو ہاتھ میں لے لیا، سونگھا، پھر لوٹا دیا۔ میں (فرات بن مسلم) نے ان سے اس بارے میں عرض کیا تو فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں۔ میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہدیے قبول فرماتے تھے، فرمایا: ان لوگوں کے لیے ہدیہ تھا اور آج عمال کے لیے رشوت ہے۔

بَابٌ إِذَا وَهَبَ هِبَةً أَوْ وَعَدَ ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَّصِلَ إِلَيْهِ (ص ۳۵۳)

جب کوئی چیز ہبہ کی یا ہبہ کرنے کا وعدہ کیا، پھر موہوب لہٗ تک وہ چیز پہنچنے سے پہلے مر گیا

ت ۴۹۲ - وَقَالَ عَبِيْدَةُ إِنْ مَّاتَ وَكَانَتْ فُصِلَتِ الْهَدِيَّةُ وَالْمُهْدٰى لَهٗ حَيٌّ فَهِيَ لِوَرَثَتِهٖ وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ فُصِلَتْ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الَّذِيْ أَهْدٰى.

اور عبیدہ نے کہا: اگر ہبہ کرنے والا مر جائے اور جسے ہدیہ کیا گیا، اس کی زندگی ہی میں ہبہ علیحدہ کر لیا گیا ہو تو اس کے وارثین کے لیے ہے اور اگر علیحدہ نہ کیا گیا ہو تو ہدیہ دینے والے کے ورثہ کا ہے۔

ہمارے اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہبہ تام ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے اور باب میں جو صورت مذکور ہے، اس میں قبضہ نہیں اس لیے واہب یا موہوب لہٗ کی موت کے بعد ہبہ باطل ہو گیا اور شی موہوب واہب کی یا اس کے ورثہ کی مِلک ہو گی۔ اور وعدہ کیا تھا، ابھی اس پر عمل نہیں کیا تھا کہ مر گیا، تو بات ہی ختم ہو گئی، وعدہ کرنے والے کے وارثین پر اس کا پورا کرنا واجب نہیں، چونکہ ان دونوں مسئلوں میں اختلاف ہے اس لیے امام بخاری نے کوئی حکم بیان نہیں فرمایا۔

وَقَالَ عَبِيْدَةُ

ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ موہوب لہٗ کی حیات میں کسی نے اسے کچھ ہبہ کیا اور اس کی حیات ہی میں اسے اپنی مِلک سے الگ کر دیا مثلاً کسی کو دیا کہ فلاں کو دے آؤ اور اس کے بعد دونوں مر گئے تو ہبہ صحیح ہے۔ اور اگر موہوب لہٗ کی زندگی میں علیحدہ نہیں کیا

گیا تو ہبہ صحیح نہیں۔ گویا ان کے نزدیک ہبہ تام ہونے کے لیے قبضہ شرط نہیں صرف غیر موہوب سے علیحدہ کرنا کافی ہے۔

اور ایک روایت میں ''فَصَلَتْ'' کے بجائے ''وَصَلَتْ'' ہے یعنی موہوب لہٗ تک پہنچ جائے' مگر جمہور کے نزدیک موہوب لہٗ یا اس کے وکیل کا قبضہ تام ہونے کے لیے ضروری ہے۔ شارحین نے اسے جمہور کے مذہب کے مطابق کرنے کے لیے یہ توجیہ کی ہے کہ ''فَصَلَتْ'' سے مراد یہ ہے کہ کسی کو پہنچانے کے لیے دے دیا۔ اب اس قاصد کا قبضہ موہوب لہٗ کا قبضہ ہے۔ یہ توجیہ جیسی ہے ظاہر ہے' اس پر فصلت کی دلالت علی التعیین نہیں' دیگر املاک سے الگ کر کے اپنے گھر رکھنا بھی جدا کرنا ہے' البتہ وصلت کی دلالت قبضے پر درست ہے' کیونکہ حقیقی وصول یہی ہے کہ موہوب لہٗ اسے اپنے قبضے میں کر لے۔

ت۴۹۳ - وَقَالَ الْحَسَنُ اَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الْمُهْدٰى لَهٗ اِذَا قَبَضَهَا الرَّسُوْلُ.

اور امام حسن بصری نے فرمایا: ان دونوں میں جو بھی پہلے مر جائے تو وہ موہوب لہٗ کے ورثہ کا ہے' جبکہ قاصد نے اس پر قبضہ کر لیا ہو۔

عبید نے واہب کی دیگر املاک سے علیحدہ کرنے یا موہوب لہٗ تک پہنچنے پر تفریق کی تھی اور حضرت امام حسن بصری نے قاصد کے قبضہ کرنے نہ کرنے پر حکم میں تفریق کی ہے۔ یعنی اگر قاصد نے قبضہ کر لیا تھا تو موہوب لہٗ کے ورثہ کا ہے' یعنی ہبہ تام ہو گیا اور اگر قاصد نے قبضہ نہیں کیا تھا تو واہب کے ورثہ کا ہے' یعنی اس صورت میں ہبہ تام نہیں۔ باب کے دوسرے جزء وعدے کے سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا تو وہ آئے' میں حاضر ہوا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا' تو انہوں نے مجھے تین لپ دیا۔

امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ وعدہ کر کے کوئی وفات پا جائے تو ورثہ کو اسے پورا کرنا ضروری ہے' لیکن جمہور کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلیٰ کے پیش نظر حضرت صدیق اکبر نے اسے بر سبیل تطوع پورا فرمایا' اس میں کسی کو شک نہیں کہ ایفاء وعدہ مکارم اخلاق سے ہے۔ اس حدیث میں وجوب پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں' اور دین کے ساتھ ذکر دلیل وجوب نہیں' اس لیے کہ یہ طے ہے کہ اقتران بالذکر اقتران فی الحکم کو مستلزم نہیں۔

بَابٌ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ (ص ۳۵۴)

غلام اور سامان پر قبضہ کیسے کیا جاتا ہے؟

۱۴۵۵- ح: قَسَمَ اَقْبِيَةً وَّلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قبائیں تقسیم کیں اور مخرمہ کو ان میں سے کچھ نہ دیا]

۱۴۵۵ - عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبِيَةً وَّلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةُ يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَقَالَ ادْخُلْ فَادْعُهُ لِيْ قَالَ فَدَعَوْتُهٗ لَهٗ فَخَرَجَ اِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِّنْهَا فَقَالَ خَبَاْنَا هٰذَا لَكَ قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَضِيَ مَخْرَمَةُ.

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائیں تقسیم کیں اور حضرت مخرمہ کو ان میں سے کچھ نہیں دیا' تو حضرت مخرمہ نے کہا: اے بیٹے! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو' میں ان کے ساتھ گیا تو کہا: اندر جا کر حضور کو بلاؤ' میں نے حضور کو بلایا' حضور مخرمہ کے پاس تشریف لائے اور حضور کے کندھے پر ان میں سے ایک قبا تھی۔ فرمایا: میں نے تمہارے لیے چھپا رکھی ہے۔ مخرمہ نے اسے دیکھا اور عرض کیا: مخرمہ خوش ہو گیا۔

(بخاری۔کتاب الشہادات۔باب: شهادة الاعمٰی ص ۳۶۳، کتاب الجہاد۔باب: قسمة الامام مايقدم عليه ص ۴۴۰، ج ۲۔کتاب اللباس۔باب: القباء وفروج حرير ص ۸۶۳، باب: المزرد بالذهب ص ۸۷۱، کتاب الادب۔باب: مداراة الناس ص ۹۰۵، مسلم۔کتاب الزکوٰۃ، ابوداود۔کتاب اللباس، ترمذی۔کتاب الاستیذان، نسائی۔کتاب الزینۃ)

کتاب الشہادات میں ہے کہ حضرت مخرمہ نے در اقدس پہ کھڑے ہوکر کچھ کلام کیا تو حضور اقدس ﷺ نے اسے سن لیا اور حضرت مخرمہ کے پاس تشریف لائے۔ ہوسکتا ہے کہ اُدھر آواز سن کر حضور نے باہر آنے کا قصد کیا ہو اور ادھر حضرت مسور اندر گئے ہوں۔ کتاب اللباس کی روایت میں ہے کہ جب حضرت مخرمہ نے حضرت مسور سے کہا کہ اندر جاکر حضور کو بلاؤ، تو یہ بات ان پر گراں گزری؛ حضرت مخرمہ نے کہا کہ جاؤ! حضور اقدس ﷺ جبار یعنی سخت گیر نہیں۔ ان کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مؤمن مخلص تھے، منافق نہیں تھے۔ کتاب الادب کی روایت میں ہے کہ حضرت مخرمہ کے مزاج میں کچھ تھا، یعنی شدت تھی، سخت کلام اور زود رنج تھے۔

قباء منها

کتاب اللباس کی روایت میں ہے: "من ديباج مُزرّد بالذهب" یہ قباء دیبا کی تھی جو سونے سے مزین تھی۔ دیبا ریشمی کپڑا ہے، غالباً یہ ریشم کی تحریم سے پہلے کا واقعہ ہے، یا ان کو اس لیے دیا تھا کہ وہ عورتوں کو پہنائیں یا بیچ کر قیمت صرف کریں۔

مخرمہ بن نوفل

یہ بنی زہرہ کے رؤساء میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ۲۰ھ میں ایک سو پندرہ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اموال منقولہ میں اتنے سے قبضہ تام ہوجاتا ہے کہ وہ چیز موہوب لہٗ اپنے ہاتھ میں لے لے۔

بَابٌ اِذَا وَهَبَ دَيْنًا عَلٰى رَجُلٍ (ص ۳۵۴) مدیون پر جو قرض تھا، اسے اسی کو ہبہ کردیا

ت ۴۹۴ - قَالَ شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ هُوَ جَائِزٌ. شعبہ نے حکم سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا: یہ جائز ہے۔

ت ۴۹۵ - وَوَهَبَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ لِرَجُلٍ دَيْنَهُ. اور حضرت امام حسن مجتبیٰ بن علی رضی اللہ عنہما کا ایک شخص پر قرض تھا، انہوں نے یہ اسے ہبہ کردیا۔

اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں، مگر یہ ہبہ نہیں۔ ابراء اور اسقاط حق ہے، اس لیے اس میں قبضے کی حاجت نہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ وہ موجود ہی نہ ہو، پھر ہبہ کیا چیز ہوگی۔ اور اگر ہبہ ہی مانیں تو موہوب لہٗ کا اس میں موہوب پر قبضہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا۔

ت ۴۹۶ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ حَقٌّ فَلْيُعْطِهِ اَوْ لِيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ. اور نبی ﷺ نے فرمایا: جس پر کسی کا حق ہو تو یا تو اسے دے دے یا اس سے معاف کرالے۔

اس تعلیق کو امام مسدد نے اپنی مسند میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے ہم معنی کتاب المظالم میں حدیث گزر چکی ہے۔ اس کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے معافی کے لیے قبضے کی شرط نہیں لگائی اور اگر اس کے لیے قبضہ شرط ہوتا تو مقام اس کا مقتضی تھا کہ اسے ضرور ذکر فرماتے۔

اس باب میں امام بخاری حضرت جابر کی وہ حدیث لائے ہیں؛ جس میں یہ مذکور ہے کہ میرے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اوران پر قرض تھا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کے قرض خواہوں سے فرمائیں کہ اس سال میرے باغ کی کھجوریں لے لیں اور بقیہ میرے والد کا قرض معاف کر دیں' اوراگر وہ یہ قبول کر لیتے تو قرض سے سبکدوشی ہو جاتی اور جسے معاف کرتے' اس پر قبضہ بھی نہ ہوتا۔ یہ اگر جائز نہ ہوتا تو حضرت جابر' حضور اقدس ﷺ سے یہ عرض نہ کرتے اور اگر عرض بھی کر دیا تھا تو حضور اسے منع فرما دیتے۔ نیز یہ کہ حضور اقدس ﷺ قرض خواہوں سے وہ نہ فرماتے۔

بَابُ هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ (ص ٣٥٤)

ایک شخص کا پوری جماعت کو ہبہ کرنا

ت٤٩٧ - قَالَتْ اَسْمَاءُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَّابْنِ اَبِيْ عَتِيقٍ وَّرِثْتُ عَنْ اُخْتِي عَائِشَةَ بِالْغَابَةِ وَقَدْ اَعْطَانِيْ مُعَاوِيَةُ مِائَةَ اَلْفٍ فَهُوَ لَكُمَا.

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے قاسم بن محمد اور (ابوبکر عبداللہ) ابن ابی عتیق سے کہا: مجھے غابہ میں اپنی بہن (اُم المؤمنین) عائشہ سے وراثت میں جو زمین ملی تھی اور معاویہ نے جو ایک لاکھ دیا ہے' وہ تم دونوں کے لیے ہے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۷ھ ۱۷ رمضان بروز سہ شنبہ کو ہوا اور حضرت اسماء کا وصال ۷۳ھ کے جمادی الآخرہ میں ہوا تھا۔

حضرت اُم المؤمنین کی وارث ان کی دو حقیقی بہنیں حضرت اسماء اور اُم کلثوم اور ان کے حقیقی بھائی حضرت عبدالرحمٰن کے لڑکے تھے' اس لیے اُم المؤمنین کی سب جائیداد انہیں کو ملی اور حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما چونکہ اُم المؤمنین کے حقیقی بھائی نہ تھے بلکہ علاتی بھائی تھے' اس لیے محمد بن ابوبکر کی اولاد کو کچھ نہ ملا۔ اور ابن ابی عتیق یعنی ابوبکر عبداللہ بن ابی عتیق' محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کو بھی کچھ نہ ملا' کیونکہ اس وقت ان کے والد ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن زندہ تھے' ان کو ملا تھا۔ ان کے والد اگر اس وقت زندہ نہ بھی رہتے تو بھی انہیں کچھ نہ ملتا' اس لیے کہ بھتیجے کی موجودگی میں بھتیجے کی اولاد محروم ہوگی۔ قاسم بن محمد اُم المؤمنین کے بھتیجے تھے اور ابوبکر عبداللہ بھتیجے کی اولاد' حضرت اسماء نے ان دونوں کی دلداری کے لیے مذکورہ بالا ہبہ کیا۔

باب سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ مشاع کا ہبہ صحیح ہے۔ یہ اس حدیث سے اس طرح ثابت کہ جب ایک جماعت کو ہبہ کیا تو ان کا حصہ شائع رہا' اس سے ثابت ہوا کہ مشاع کا ہبہ درست ہے۔

ہمارا یہ کہنا ہے کہ مشاع کا ہبہ اس وقت باطل ہے' جب وہ قابل تقسیم ہو۔ اگر وہ نا قابل تقسیم ہو تو ہبہ صحیح ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ زمین نا قابل تقسیم رہی ہو' نیز قابل تقسیم مشاع کا ہبہ اس وقت صحیح نہیں جب کہ قبضے کے وقت تک مشاع ہی رہے اور اگر قبضے کے وقت تقسیم کر لیا گیا اور شیوع ختم ہو گیا تو ہبہ صحیح ہے۔

غابہ

اس کے معنی جنگل کے گھنے حصے کے ہیں' یعنی جھاڑی اور یہاں مراد ایک مخصوص جنگل ہے جو عوالی مدینہ طیبہ میں تھا جہاں اہل مدینہ کی زمینیں تھیں۔

بَابُ مَنْ اُهْدِيَ لَهٗ هَدِيَّةٌ وَّعِنْدَهٗ جُلَسَاؤُهٗ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ (ص ٣٥٥)

جب کسی کے ساتھ لوگ بیٹھے ہوں اور اسے ہدیہ دیا جائے تو وہ سب سے زیادہ حق دار ہے

ت ۴۹۸ - وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جُلَسَائَهٗ شُرَكَاءُهٗ وَلَمْ يَصِحَّ.

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کے ساتھ بیٹھنے والے اس کے ہدیے میں شریک ہیں اور یہ صحیح نہیں۔

یہ تعلیق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے، مگر سب ضعیف ہیں، البتہ موقوف بہ نسبت مرفوع صحت سے قریب تر ہے۔ بیہقی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا، اس میں مندل بن علی ضعیف ہے۔ اسی طرح امام عبد بن حمید نے مرفوعاً روایت کیا ہے، مگر وہ بھی ضعیف۔ امام عبدالرزاق سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح روایت ہے، مگر ان سے صحیح ترین روایت موقوف ہی ہے۔ اس کی شاہد روایات مسند امام اسحٰق بن راہویہ کی ہیں۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے اور عقیلی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ سے بھی مرفوعاً روایت کی ہے، مگر دونوں کی سندیں ضعیف ہیں۔

حضرت ابن عباس کی حدیث تعدد طرق سے انجبار پا کر درجہ حسن تک ضرور پہنچتی ہے، خصوصاً جبکہ اس کی شاہد دو حدیثیں اور بھی ہیں۔

علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ یہ ارشاد بہ طورِ استحباب ہے، وہ بھی قلیل ہدایا میں جن میں عرف یہی ہو کہ وہ حاضرین پر تقسیم کر دی جاتی ہوں، مگر مال کثیر یا قیمتی اشیاء کے بارے میں نہیں۔ حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہارون الرشید نے خطیر رقم بھیجی، وہ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے، کسی نے حدیث مذکور پڑھی تو فرمایا: ان کے مثل میں یہ وارد نہیں، یہ کھانے پینے کی چیزوں میں ہے۔

یہی حکایت اس طرح بھی مروی ہے کہ وہاں حضرت امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین موجود تھے۔ ان حضرات نے وہ حدیث سنائی تو امام ابو یوسف نے فرمایا: یہ کھجور اور عجوہ کے بارے میں ہے، پھر اپنے خازن سے فرمایا: یہ رقم اُٹھالو۔

لم یصح

چونکہ امام بخاری نے جو باب قائم کیا تھا، یہ اثر اس کے معارض ہے، اس لیے اس کی حیثیت واضح فرما دی کہ یہ صحیح نہیں۔ یہ صحیح غلط کا مقابل نہیں، بلکہ صحیح سے مراد حدیث کی وہ اعلیٰ قسم ہے جو حسن اور ضعیف کے مقابل ہے۔ مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(نزہۃ القاری۔ ج ا ص ۸۵۔ ۸۷)

اس کے بعد امام بخاری نے اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ذکر کی، جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے اونٹ قرض لیا تھا اور ان کے تقاضے پر اسے عمدہ اونٹ دیا۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ذکر فرمائی ہے، جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وہ اونٹ خریدا تھا جو حضرت عمر نے آپ کو سواری کے لیے دیا تھا اور آپ نے خریدنے کے بعد انہیں عطا فرما دیا۔

پہلی حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعرابی کو واجب الاداء اونٹ سے اعلیٰ اونٹ عطا فرمایا۔ اس اعلیٰ اونٹ کی قیمت واجب الاداء اونٹ سے جتنی زائد رہی ہوگی، وہ ہدیہ ہوا، مگر انہوں نے موجودہ حضرات کو بانٹا نہیں۔ اسی طرح دوسری حدیث کی مطابقت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خرید کر ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کو عطا فرمایا، مگر انہوں نے حاضرین میں سے کسی کو اس میں شریک نہیں کیا اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہوا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سکوت فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جسے ہدیہ دیا جائے، تنہا وہی

اس کا مستحق ہے' دوسرے حاضرین مجلس نہیں۔

بَابُ هَدِيَّةِ مَا يُكْرَهُ لُبْسُهَا (ص۳۵۶)

ایسی چیز کا ہدیہ جس کا پہننا ناپسند ہو

۱۴۵۶- ح: اِنِّیْ رَاَیْتُ عَلٰی بَابِهَا سِتْرًا فَقَالَ مَا لِیْ وَلِلدُّنْيَا

[میں نے اس دروازہ میں منقش پردہ دیکھا' تو کہا: مجھے دنیا سے کیا کام؟]

۱۴۵۶- عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهَا وَجَآءَ عَلِيٌّ فَذَكَرَتْ لَهٗ ذٰلِكَ فَذَكَرَهٗ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ عَلٰى بَابِهَا سِتْرًا مَّوْشِيًّا فَقَالَ مَا لِيْ وَلِلدُّنْيَا فَاَتَاهَا عَلِيٌّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا فَقَالَتْ لِيَاْمُرْنِيْ فِيْهِ بِمَا شَآءَ قَالَ تُرْسِلُ بِهٖ اِلٰى فُلَانٍ اَهْلِ بَيْتٍ بِهِمْ حَاجَةٌ۔

(ابوداؤد۔کتاب اللباس)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور اندر تشریف نہیں لے گئے' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تذکرہ کیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے اس کے دروازے پر منقش پردہ دیکھا' پس فرمایا: مجھے دنیا سے کیا کام! حضرت علی نے آکر حضرت فاطمہ کو بتایا' تو حضرت فاطمہ نے کہا: حضور اس کے بارے میں جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ فرمایا: فلاں کے پاس بھیج دو' ایسے گھر والے جو اس کے محتاج تھے۔

''مَوْشِيًّا'' ''وَشٰى يَشِيْ'' سے اسم مفعول ہے' اصل ''مَوْشُوْيٌ'' تھا ''سَيِّدٌ'' کے قاعدے سے واؤ کو یا سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کر دیا گیا' اور شین کے ضمے کو کسرے سے بدل دیا گیا' اس کا مصدر ''وشیاء'' اور ''وِشَايَةٌ'' ہے' کپڑے کو منقش کرنے کے معنی میں۔

شراح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ ریشمی تھا' مکان کے دروازے میں ریشمی یا منقش پردہ لٹکانا حرام نہیں۔ اور حضرت سیدہ کو یہ ہدایت اس بناء پر تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ان زخرفات دنیوی کو پسند نہیں فرمایا' زہد اور سادگی کی تلقین کے لیے تھا۔ اسی قبیل سے حضرت سفینہ کی وہ حدیث ہے جسے امام ابن حبان نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں تشریف نہ لے جاتے جس میں نقش و نگار رہتا۔

قال ترسل

میں قال کی ضمیر مرفوع فاعل کا مرجع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۱۴۵۷- ح: اَهْدٰى اِلَيَّ حُلَّةً سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَاَيْتُ الْغَضَبَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ریشمی حلہ عطا فرمایا' میں نے اسے پہن لیا تو چہرہ انور پر غضب دیکھا]

۱۴۵۷- عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَهْدٰى اِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةً سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَاَيْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهٖ فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَآئِيْ۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ریشمی حلہ ہدیۃً عطا فرمایا اور میں نے اسے پہن لیا تو میں نے آپ کے چہرۂ انور میں غضب دیکھا تو اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

(بخاری۔ج ۲۔کتاب النفقات۔باب: کسوة امراة۔ باب: كسـوة امـراة بالمعروف ص ۸۰۸' کتاب اللباس۔باب: التحرير للنساء)

ص ۵۶۸ مسلم۔ کتاب اللباس نسائی۔ کتاب الزینۃ)

حلةً سيراء

سیراء یا تو عطف بیان ہے یا صفت اور ایک دوسری روایت اضافت کی بھی ہے۔ حلہ' جوڑے کو کہتے ہیں' مثلاً چادر اور تہبند۔ سیراء' ریشمی مخطط ایک مخصوص کپڑا تھا۔

بين نسائي

اس سے مراد اہلیہ اور قرابت دار عورتیں ہیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''بین الفواطم'' ابن ابی الدنیا کی روایت میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: میں نے اس کی چار اوڑھنیاں بنائیں۔ ایک فاطمہ بنت اسد اپنی ماں کے لیے' ایک فاطمہ بنت الرسول اپنی اہلیہ کے لیے اور ایک فاطمہ بنت حمزہ کے لیے۔ راوی چوتھی خاتون کا نام فراموش کر گیا۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: زیادہ قریب ہے کہ فاطمہ زوجہ عقیل ابن ابی طالب ہوں۔ اور ابوالعلاء بن سلیمان کے خیال میں یہ فاطمہ بنت ابی طالب اُم ہانی ہیں۔ مسلم میں ہے کہ یہ حلہ والی دومۃ الجندل نے خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔

بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (ص ۳۵۶)

مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا

۱۴۵۸- ح: أُهْدِىَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةُ سُنْدُسٍ

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کریپ (باریک ریشم) کا جبہ پیش کیا گیا]

۱۴۵۸- عَنْ قَتَادَةَ ثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُهْدِىَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةُ سُنْدُسٍ وَّكَانَ يَنْهَى عَنِ الْحَرِيْرِ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ إِنَّ أُكَيْدِرَ دُوْمَةَ أَهْدٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(صفۃ الجنۃ ص ۴۶۰ مسلم۔ کتاب الفضائل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کریپ (باریک ریشم) کا جبہ نذر کیا گیا اور حضور ریشم سے منع فرماتے تھے' لوگ اس کی خوبی پر تعجب کرنے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے اچھے ہیں۔ اور سعید بن عروبہ نے عن قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہا: دومۃ الجندل کے اکیدر نے یہ نذر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھی۔

سُنْدُسٌ

باریک ریشم جسے کریپ کہتے ہیں' اس کے مقابل استبرق ہے' موٹا ریشم۔ لوگوں کو تعجب اُس جبّے کی خوبصورتی اور نرمی پر تھا۔

وقال سعيد

یہ تعلیق ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' یہ اکیدر نصرانی اور دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف بھیجا تھا۔ یہ گرفتار ہوا اور اس کا بھائی حسان قتل ہوا۔ حضرت سیف اللہ نے اسے مدینہ طیبہ خدمت اقدس میں حاضر کیا' اس نے جزیہ دینے پر صلح کر لی' تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد اس نے سرکشی کی۔ جب حضرت سیف اللہ عراق سے شام جا رہے تھے تو راستے میں اسے قتل کر دیا۔

دومۃ الجندل، مدینہ طیبہ اور دمشق کے درمیان مدینہ طیبہ سے دس منزل اور دمشق سے آٹھ منزل کے فاصلے پر تبوک کے قریب ایک شہر تھا۔ دومۃ کے معنی گول اور جندل کے معنی پتھر کے ہیں۔ یہاں گول چٹانیں بہت ہیں، اس لیے اس کا یہ نام پڑا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ کے نزاع میں فیصلہ کرنے کے لیے دونوں فریق مع اپنے اپنے حکم کے جمع ہوئے تھے۔

۱۴۵۹- ح: اَنَّ يَهُوْدِيَّةً اَتَتْ بِشَاةٍ مَّسْمُوْمَةٍ

[ایک یہودیہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں زہر آلود بکری کو پیش کیا]

۱۴۵۹- عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَّسْمُوْمَةٍ فَاَكَلَ مِنْهَا فَجِيْءَ بِهَا فَقِيْلَ اَلَا تَقْتُلُهَا قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ اَعْرِفُهَا فِيْ لَهَوَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مسلم۔ کتاب الطب، ابوداود۔ کتاب الدیات)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک زہر آلود بکری پیش کی، حضور نے اس میں سے کچھ کھایا، پھر اسے خدمت اقدس میں لایا گیا، عرض کیا گیا: کیا اسے حضور قتل نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا: نہیں! حضرت انس نے کہا: میں ہمیشہ اس کے اثر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کے کوے سے محسوس کرتا رہا۔

اس یہودی عورت کا نام زینب تھا، یہ سلام بن مشکم کی جورو تھی، مرحب کی بہن یا بھتیجی تھی۔ اس حدیث میں شاۃ (بکری) سے مراد بکری کا گوشت ہے۔ امام ابن اسحٰق نے فرمایا کہ اس نے پوچھا کہ کون سا عضو سب سے زیادہ حضور کو پسند ہے؟ بتایا گیا کہ دست، تو اس نے اس میں زیادہ زہر ملا دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لقمہ منہ میں لیا اور اُگل دیا۔ فرمایا: اس میں زہر ہے کوئی نہ کھائے، مگر حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے اس ممانعت سے پہلے ہی کھا لیا تھا، جس کے اثر سے تین دن کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا: آپ نے میرے والد، چچا، بھائی اور شوہر کو مار ڈالا۔ میں نے اس لیے ایسا کیا اگر آپ نبی برحق ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے باخبر کر دے گا اور اگر جھوٹے ہوں گے تو ہم آپ سے آرام پا جائیں گے۔ اس وقت آپ نے اس سے درگزر فرمایا، مگر بشر بن براء کے جاں بحق ہونے کے بعد قصاص میں قتل کرا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی، مگر چونکہ اسلام لانے سے زمانہ کفر کے جرم کی وجہ سے اگر قصاص واجب ہو تو وہ ساقط نہیں ہوتا، اس لیے اسے سزا ملی۔

بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِيْنَ (ص ۳۵۷)

مشرکین کو ہدیہ دینا

۱۴۶۰- عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ وَهِيَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُ اُمِّيْ قَالَ نَعَمْ صِلِيْ اُمَّكِ.

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: میری مشرکہ ماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میرے پاس آئیں، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہیں، کیا ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ فرمایا: ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ص ۴۵۱، ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: صلة الوالد المشرك. باب: صلة المرأة أمها ص ۸۸۴، مسلم، ابوداود، کتاب الزکوٰۃ)

حضرت اسماء کی والدہ کا نام قُتیلہ تھا یا قتلہ' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ نے اس سے قبل اسلام نکاح کیا تھا اور پھر طلاق دے دی تھی۔ ادب میں ہے کہ اسی موقع پر سورۂ ممتحنہ کی یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَO اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَO (الممتحنۃ:۸۔۹)

اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے منع نہیں فرماتا جو نہ دین کے معاملے میں تم سے لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہےO اللہ تم کو صرف انہیں لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جو تم سے دین کے معاملہ میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے کے لیے مدد کی' جو ان سے دوستی کرے گا وہی ظالم ہےO

کتاب الادب ہی میں ہے کہ یہ اپنے بیٹے کو لے کر آئی تھیں' جس کا نام حارث تھا۔ اور یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان آئی تھیں۔ مستغفری نے ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے' یہ بھی ہدیہ کے لیے منقّی' گھی اور سَلَم کے پتے ساتھ لائی تھیں۔ حضرت اسماء نے انہیں گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ ان کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان کا ہدیہ قبول کروں یا نہیں اور اس کے عوض انہیں کچھ ہدیہ دوں یا نہیں۔

احکام

ذمی کفار کو ہدیہ دینا اور ان کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے' اور یہی اس آیت کا مفاد ہے: حربی کفار کو نہ ہدیہ دینا جائز نہ ان کا ہدیہ قبول کرنا درست۔ ہندوستان کے کفار حربی ہیں' اگرچہ ہندوستان دارالاسلام ہے' مگر یہاں آج کے ماحول میں دفع شر کے لیے بہ قدر دفع شر کفار سے ہدیہ لینا جائز ہے۔

بَابٌ (ص ۳۵۷)

باب

۱۴۶۱- ح: اَنَّ بَنِیْ صُهَيْبٍ ادَّعَوْا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً

[حضرت صہیب کی اولاد نے دو گھوڑوں اور ایک کوٹھری کا دعویٰ کیا]

۱۴۶۱- اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ مُلَيْكَةَ اَنَّ بَنِیْ صُهَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ جُدْعَانَ ادَّعَوْا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى ذٰلِكَ صُهَيْبًا فَقَالَ مَرْوَانُ مَنْ يَّشْهَدُ لَكُمَا عَلٰى ذٰلِكَ قَالُوْا ابْنُ عُمَرَ فَدَعَاهُ فَشَهِدَ لَاَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُهَيْبًا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً فَقَضٰى مَرْوَانُ بِشَهَادَتِهٖ لَهُمْ.

عبداللہ بن عبیداللہ بن ابوملیکہ نے خبر دی کہ ابن جُدعان کے آزاد کردہ غلام حضرت صہیب کی اولاد نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صہیب کو دو گھر اور ایک کوٹھری عطا فرمائی تھی۔ مروان نے کہا: اس کی کون تمہارے لیے گواہی دے گا؟ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر' مروان نے انہیں بلایا' انہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے صہیب کو دو گھر اور ایک حجرہ عطا فرمایا تھا' ان کی گواہی پر مروان نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا تھا' اس لیے انہیں مولیٰ ابن جدعان کہا' حضرت صہیب کے آٹھ صاحب زادے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ مروان کے پاس ان میں سے دو صاحب ہی گئے ہوں' اس لیے اس نے گواہی کے مطالبے کے وقت ''لکما'' کہا۔

عمر بن شیبہ نے اخبارِ مدینہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت صہیب کو یہ گھر اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا اور عطاء کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بناء پر ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت یا حکم سے دیا تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی اور گھر تھا۔

مروان نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی گواہی پر بنی صہیب کو وہ گھر دے دیا' حالانکہ یہ ضروری ہے کہ دو گواہ ہوں' جواب یہ ہے کہ مروان نہ خدا ترس تھا' نہ حاکم عادل اور نہ اس کا کوئی اعتبار' اس لیے اس کا اگر کوئی فیصلہ غیر شرعی ہو جائے تو کوئی بڑی بات نہیں' مگر یہاں اس کا بھی امکان ہے کہ اس مکان کے اور کوئی صاحب دعویدار نہ رہے ہوں' خود مروان نے اپنی شرارت سے کوئی شاخسانہ کھڑا کیا ہو۔ اس پر اس نے گواہی طلب کی ہو' ویسے بہت سے علماء انتہائی عادل اور خدا ترس تنہا ایک گواہی پر فیصلے کر دینے کو جائز جانتے ہیں۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِي الْعُمْرٰى وَالرُّقْبٰى

اَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ عُمْرٰى جَعَلْتُهَا لَهُ ﴿اسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾ (ھود:٦١) جَعَلَكُمْ عُمَّارًا (ص ٣٥٧)

عمریٰ اور رقبیٰ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے' میں نے اسے زندگی بھر رہنے کے لیے گھر دیا' یہ عمریٰ ہے' میں نے گھر اس کے لیے کر دیا'' استعمر کم فیها'' اس نے تمہیں رہنے کے لیے زمین دی

١٤٦٢ - عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرٰى اَنَّهَا لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عمریٰ اس کا ہے جس کے لیے ہبہ کیا گیا۔

(مسلم۔ کتاب الفرائض' ابوداؤد۔ کتاب البیوع' ترمذی۔ کتاب الاحکام' نسائی۔ کتاب العمری' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

١٤٦٣ - عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ. (ابوداؤد۔ کتاب البیوع' نسائی۔ عمری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: عمریٰ جائز ہے۔

[عمریٰ کی تعریف]

عمریٰ یہ ہے کہ کوئی کسی سے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنا مکان تم کو زندگی بھر کے لیے دیا۔ اس کے لیے عربی میں زیادہ تر یہ صیغے مستعمل ہیں: ''اعمرته الدار. استعمرتك'' رقبیٰ یہ ہے کہ یہ کہے: میں نے تم کو اپنا گھر دیا' اس شرط پر کہ اگر میں تم سے پہلے مر گیا تو یہ تمہارا ہے' اور اگر تم پہلے مر گئے تو میرا ہے۔ اس کے لیے عربی میں '' ارقبتك'' کا لفظ رائج تھا' اس لیے ان کو رقبیٰ کہتے ہیں' عمریٰ جائز ہے' البتہ جسے دیا وہ اس کا مالک نہیں ہوگا' معمر کی زندگی بھر اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے' معمر کے مرنے کے بعد وہ معمر کے وارثین کا ہے' رقبیٰ جائز نہیں۔ حدیث میں صرف عمریٰ کا تذکرہ ہے' دوسرے ائمہ نے اسی پر قیاس کر کے رقبیٰ کو بھی جائز کہا ہے' حالانکہ

دونوں کی حقیقت میں بین فرق ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کی صحت محل غور ہے۔

تنبیہ

یہاں سے امام بخاری نے عاریت کے ابواب شروع کر دیے ہیں، اگرچہ کسی نسخے میں کتاب العاریۃ نہیں، البتہ بعض نسخوں میں تسمیہ ہے۔ ہبہ کے ساتھ عاریت کے ابواب اس لیے ذکر فرمائے کہ ہبہ میں بلاعوض چیز دینا ہے اور اس میں بلاعوض کسی چیز سے منفعت حاصل کرنے کی اجازت دینا ہے۔

ت۴۹۹ - وَقَالَ عَطَاءٌ ثَنِي جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

اور امام عطاء نے کہا کہ مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے۔

بَابُ مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْفَرَسَ وَالدَّابَّةَ وَغَيْرَهَا (ص۳۵۷)

جس نے لوگوں سے گھوڑا اور چوپایہ یا کچھ اور مستعار کر لیا

۱۴۶۴ - عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِّنْ أَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَّإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایک بار مدینہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کے ایک گھوڑے کو مستعار کر لیا، جس کا نام مندوب تھا، آپ اس پر سوار ہوئے، جب لوٹ کر آئے تو فرمایا: ہم نے کچھ نہیں دیکھا اور اس (گھوڑے) کو دریا پایا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: اسم الفرس والحمار ص۴۰۰، باب: الركوب على الدابة الصعبة ص۴۰۱، باب: الفرس القطوف ص۴۰۱، باب: مبادرة الامام عند الفزع ص۴۱۷، ج۲۔ کتاب الادب۔ باب: المعاريض مندوحة عن الكذب ص۹۱۷، مسلم۔ کتاب الفضائل، ابوداؤد۔ کتاب الادب، ترمذی۔ کتاب الجہاد، نسائی۔ کتاب السیر)

ابوطلحہ کا نام زید بن سہل تھا۔ یہ حضرت انس کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

ان وجدناه لبحرًا

کوفیوں کی بناء پر یہ ان نافیہ معنی میں ما کے ہے، اور "لبحرًا" کا لام بہ معنی "اِلّا" اب ترجمہ یہ ہوگا: ہم نے اس کو نہیں پایا مگر سمندر۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: "ان هذان لساحران" ان کی تخفیف کی قراءت پر۔ اور بصریوں کے نزدیک یہ اِنّ مثقلہ سے مخففہ تحقیق کے لیے ہے اور لام تاکید کے لیے۔

گھوڑے کے ناموں میں سے "بحر" بھی ہے، بحر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو کبھی تھکتا نہ ہو، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے کا نام بحر تھا۔ ایک روایت میں حضرت ابوطلحہ کے اس گھوڑے کی صفت قطوف آئی ہے، یعنی سست رفتار۔ دوسری روایت میں بطی بھی وارد ہے، یعنی سست۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ وہ اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ اسے بحر فرمایا۔

بَابُ الْاِسْتِعَارَةِ لِلْعَرُوسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ (ص۳۵۸)

زفاف کے وقت دلہن کے لیے کوئی چیز مانگ کر لینا

۱۴۶۵ - ح: عَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ. [(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) قطر کا کرتہ پہنا ہوا تھا

ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ — جس کی قیمت پانچ درہم تھی]

١٤٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ اَيْمَنَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِيْ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَعَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَقَالَتِ ارْفَعْ بَصَرَكَ اِلٰى جَارِيَتِي انْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهٰى اَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِي مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ اِلَّا اَرْسَلَتْ اِلَيَّ تَسْتَعِيْرُهُ.

ایمن نے کہا: میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ قطر کا کرتا زیب تن کیے ہوئے تھیں' جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: نظر اُٹھا کر میری باندی کو دیکھو' یہ گھر میں اس کرتے کے پہننے کو ناپسند کرتی ہے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان میں کا ایک کرتا میرے پاس تھا' جب مدینہ میں کسی عورت کو دلہن بنانا ہوتا تو آدمی بھیج کر مجھ سے وہ عاریۃً منگوالیا جاتا۔

قطر

بحرین میں قطر ایک جگہ کا نام ہے' وہاں جو کپڑے تیار ہوتے تھے ان کو قِطر کہا جاتا تھا' قاف کا کسرہ نسبت کے لیے ہے' یہ روئی وغیرہ کا موٹا معمولی کپڑا تھا۔

ثمن خمسة دراهم

اس میں چار طریقے جائز ہیں: ''ثُمِّنَ'' باب تفعیل سے ماضی مجہول اور خمسۃ فتحہ کے ساتھ منصوب بنزع خافض۔ یعنی ''ثُمِّنَ ای قُوِّمَ بخمسةٍ''، ''ثَمَنَ'' منصوب بنزع خافض ''ای بثَمنِ خَمْسَةِ دراهم. ثَمَنُ خَمسةِ دَرَاهِمَ'' اضافت کے ساتھ۔ ''ثَمَنٌ'' مرفوع مبتدا ''خمسة'' بھی مرفوع خبر' البتہ اس میں ضمیر مقدر ہوگی' یعنی ''ثمنه خمسة دراهم''۔

تُزْهٰى

اس کے معنی ناپسند کرنے کے ہیں' بعض مترجمین نے یہ ترجمہ کیا ہے: یہ گھر میں مجھے ایسا کرتا پہننے سے منع کرتی ہے' یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ ''ان تلبسه'' واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے' اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لونڈی یہ کرتا پہننے کو ناپسند کرتی ہے۔ عمدۃ القاری میں اس کی شرح ''تنکر او تَاْنِفُ'' کی ہے۔

تقين

جب کوئی دلہن زفاف کے لیے سنواری جاتی تو وہ کرتا مجھ سے مانگ کر لے جاتے تھے۔ یہ اس عہد مبارک کی عسرت اور تنگ دستی کو ظاہر فرما رہی ہیں اور جس وقت فرما رہی تھیں اس وقت کی خوشحالی کو کہ آج لوگ اتنے خوشحال ہو گئے کہ ان کرتے کو گھر کے اندر لونڈی بھی پہننا پسند نہیں کرتی۔ اور ایک وہ وقت تھا کہ رخصتی کے وقت لوگ اسے دلہن کا لباس بناتے اور وہ بھی عام لوگوں کو میسر نہیں تھا تو مجھ سے عاریۃً لے جاتے تھے۔

بَابُ فَضْلِ الْمَنِيْحَةِ (ص ٣٥٨) — نفع حاصل کرنے کے لیے عطیہ

١٤٦٦ - عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْمَنِيْحَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَّالشَّاةُ الصَّفِيُّ تَغْدُوْ بِاِنَاءٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین عطیہ خوب دودھ دینے والی اونٹنی اور خوب دودھ دینے والی بکری ہے' (جو) صبح کو بھی برتن بھر دے اور شام کو بھی۔

وَتَرُوْحُ بِإِنَاءٍ.

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاشربۃ۔ باب: شرب اللبن ص ۸۳۹)

[لغات]

"المنیحۃ" منح یمنح منحۃ سے آتا ہے‘ اس کے معنی عطیے اور بخشش کے ہیں۔ یہ عظیمۃ کے وزن پر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ باب میں منیحہ سے مراد نفع حاصل کرنے کے لیے کسی بھی چیز کے دینے کے ہیں۔ عرف میں اس کے معنی وہ دودھ دینے والا جانور ہے جو کسی کو اس لیے دیا جائے کہ وہ اس کے دودھ اور بال سے نفع حاصل کرے‘ خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری۔ اور حدیث میں منیحۃ اپنے لغوی معنی میں ہے‘ یعنی عطیہ۔ لقحۃ‘ وہ دودھ دینے والی اونٹنی جس نے جلد ہی بچہ دیا ہو۔ "الصفی" صاف ستھری خوب دودھ دینے والی۔ اشربۃ کی روایت میں نعم الصدقۃ ہے‘ یہاں بھی صدقہ کا لغوی معنی مراد ہے یعنی عطیہ‘ جیسا کہ ابن تین نے کہا‘ اور سیاق بھی اسی کا مؤید ہے۔

۱۴۶۷- ح: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ لَيْسَ بِأَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ

[جب مہاجرین مدینہ آئے تو ان کے پاس کچھ نہ تھا]

۱۴۶۷- عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ مِنْ مَكَّةَ وَلَيْسَ بِأَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ فَقَاسَمَهُمُ الْأَنْصَارُ عَلٰى أَنْ يُعْطُوْهُمْ ثِمَارَ أَمْوَالِهِمْ كُلَّ عَامٍ وَيَكْفُوْهُمُ الْعَمَلَ وَالْمَؤُنَةَ وَكَانَتْ أُمُّهُ أُمُّ أَنَسٍ أُمُّ سُلَيْمٍ كَانَتْ أُمَّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ فَكَانَتْ أَعْطَتْ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِذَاقًا فَأَعْطَاهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ مَوْلَاتَهُ أُمَّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَسٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِ أَهْلِ خَيْبَرَ وَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُوْنَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِيْ كَانُوْا مَنَحُوْهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أُمِّهِ عِذَاقَهَا وَأَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ مَكَانَهُنَّ مِنْ حَائِطِهِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبٍ أَخْبَرَنَا أَبِيْ عَنْ يُوْنُسَ بِهٰذَا وَقَالَ مَكَانَهُنَّ مِنْ خَالِصِهِ.

(مسلم۔ کتاب المغازی‘ نسائی۔ کتاب المناقب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے‘ اور حال یہ تھا کہ ان کے پاس کچھ نہ تھا‘ اور انصار زمین جائیداد والے تھے‘ تو انصار نے مہاجرین کو اس شرط پر اپنے باغات دیئے کہ وہ ان کے پھلوں میں سے کچھ ہر سال انہیں دے دیا کریں۔ اور انصار کو کام اور محنت سے بچائے رکھیں۔ اور حضرت انس اور عبداللہ بن ابوطلحہ کی والدہ اُم سُلیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور کے چند درخت نذر کیے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخت اسامہ بن زید کی والدہ اُم ایمن کو عطا فرما دیئے۔ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس تشریف لائے‘ تو مہاجرین نے انصار کے عطیات واپس کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کی والدہ کو ان کی کھجور کے باغ واپس کر دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جگہ اُم ایمن کو اپنے باغ میں سے عطا فرمایا۔ اور بہ طریق احمد بن شبیب یونس سے جو روایت ہے‘ اس میں "حائطہ" کی جگہ "خالصہ" ہے‘ یعنی خالص اپنے مال سے۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ باب میں عطیے سے مراد عام ہے‘ کوئی بھی چیز کسی کو اس لیے دی جائے کہ وہ اس سے نفع حاصل

کرے اور پھر واپس کر دے۔ اس حدیث میں ہے کہ خیبر کے فتح ہونے کے بعد مہاجرین نے انصار کے عطیے واپس کیے' مگر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نضیر کے جلاوطن اور بنی قریظہ کے استیصال کے بعد جب ان کی اراضی مہاجرین کو عطا ہوئی تو انہوں نے انصار کرام کو ان کے عطیات واپس کر دیئے۔ قصہ یہ ہے کہ یہ عمل تدریجاً ہوا ہے۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ کی اراضی ملنے کے بعد ہی سے مہاجرین نے واپس کرنا شروع کر دیا تھا' جس کو اراضی ملتی گئی وہ واپس کرتا گیا۔ اور تکمیل خیبر فتح ہونے کے بعد ہوئی ہے' کبھی ابتدائی مراحل کو بیان فرمایا کبھی تکمیل کو اس لیے کوئی تضاد نہیں۔

١٤٦٨- ح: اَرْبَعُوْنَ خَصْلَةً اَعْلَاهُنَّ مَنِيْحَةُ الْعَنْزِ

[چالیس عادتیں' ان میں سب سے اعلیٰ بکری کا منیحہ ہے]

١٤٦٨- عَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ السَّلُوْلِیِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُوْنَ خَصْلَةً اَعْلَاهُنَّ مَنِيْحَةُ الْعَنْزِ مَا مِنْ عَامِلٍ يَّعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِّنْهَا رَجَآءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيْقَ مَوْعُوْدِهَا اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ قَالَ حَسَّانُ فَعَدَدْنَا مَا دُوْنَ مَنِيْحَةِ الْعَنْزِ مِنْ رَّدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَاِمَاطَةِ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَنَحْوِهٖ فَمَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نَّبْلُغَ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس عادتیں ایسی ہیں کہ ثواب کی اُمید اور اللہ کے وعدے کو سچ جانتے ہوئے جو شخص ان میں سے ایک عادت پر عمل کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا' ان میں سب سے اعلیٰ بکری کا منیحہ ہے۔ (راویٔ حدیث) حسان بن عطیہ نے کہا کہ ہم نے بکری کے عطیے کے علاوہ ان میں سلام اور چھینک کے جواب دینے اور راستے سے ایذاء دینے والی چیزوں کے ہٹانے اور اس کے مثل اور چیزوں کو شمار کیا' تو ہم پندرہ سے زیادہ پر عمل نہ کر سکے۔

(ابوداؤد۔ کتاب الزکوٰۃ)

یہ چالیس عادتیں کون کون سی ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمایا۔ علامہ عینی نے فرمایا: ہوسکتا ہے' اس بناء پر نہیں بیان فرمایا کہ کہیں یہ دوسرے اعمالِ خیر کے چھوڑنے کا سبب نہ بن جائیں۔ علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ ہمارے زمانے کے کچھ حضرات نے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش کی تو تعداد چالیس سے زائد پہنچ گئی۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ یہ رجماً بالغیب اور اٹکل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۵۲- کِتَابُ الشَّهَادَاتِ (ص۳۵۹)

گواہیوں کا بیان

بَابُ شَهَادَةِ الْمُخْتَبِيْ (ص۳۵۹) چھپے ہوئے آدمی کی گواہی

ت ۵۰۰ - وَاَجَازَهُ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ وَكَذٰلِكَ يُفْعَلُ بِالْكَاذِبِ الْفَاجِرِ. حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ نے اسے جائز کہا اور فرمایا: جھوٹے بدکار کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بارہ سال کے تھے۔ ان کے سر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی، کوفہ کی سکونت اختیار کر لی تھی، وہاں کے والی بھی بنائے گئے۔ ۸۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔ (اکمال) یہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں، جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مشرف ہوئے ہیں۔

اس تعلیق کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے، اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جھوٹا ہے یا بدکردار ہے اور اتنا چالاک ہے کہ اس کے خلاف گواہی نہیں مل پاتی تو یہ جائز ہے کہ کوئی شخص چھپ کر اس کی باتیں سنے اور بدکرداری کرتے ہوئے دیکھے اور پھر گواہی دے، اس کی یہ گواہی مقبول ہے۔

ت ۵۰۱ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَعَطَاءٌ وَقَتَادَةُ السَّمْعُ شَهَادَةٌ. اور شعبی، ابن سیرین، عطاء، قتادہ نے کہا کہ سن کر گواہی دینا جائز ہے۔

ہمارے نزدیک تحمل شہادت کے لیے ضروری ہے کہ بات کرنے والے کو دیکھتا ہو اور یہ کہ دونوں ایک مکان میں ہوں، مگر یہ حضرات فرماتے ہیں: یہ ضروری نہیں، صرف سن لینا کافی ہے، اگر بولنے والے کو نہ بھی دیکھیں تو اس کی کہی ہوئی بات کی گواہی دے سکتے ہیں۔

ت ۵۰۲ - وَقَالَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ لَمْ يُشْهِدُوْنِيْ عَلٰى شَيْءٍ وَلٰكِنْ كَذَا وَكَذَا. اور حضرت امام حسن بصری نے فرمایا: (اس صورت میں) یہ کہے کہ انہوں نے مجھ کو کسی چیز پر گواہ نہیں بنایا ہے، ہاں! میں نے ایسے ایسے سنا ہے۔

اس تعلیق کو امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ امام حسن بصری نے فرمایا: اگر کسی نے کسی قوم سے کچھ سنا ہے تو اسے جائز ہے کہ قاضی کے پاس آکر یہ کہے: انہوں نے مجھ کو گواہ نہیں بنایا مگر میں نے ایسے ایسے سنا ہے۔

اس ارشاد میں ''سمع من قوم شیئا'' کا اطلاق اس صورت کو بھی شامل ہے کہ اس قوم کو اس نے نہ بھی دیکھا ہو تو گواہی دے سکتا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری اس باب میں ابن صیاد کی حدیث لائے ہیں۔ اس حدیث کے اس جملے کو اس باب سے مطابقت ہے کہ نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ قبل اس کے کہ ابن صیاد مجھے دیکھے، میں اس کی کچھ بات سن لوں اور حضور اپنے آپ کو کھجور کے پتوں کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کرتے رہے۔ مطابقت یوں ہے کہ اگر مختبی کی گواہی غیر معتبر ہے تو اس طرح سننا بیکار تھا۔

۱۴۶۹- ح: اِمْرَأَةُ رِفَاعَةَ

[حضرت رفاعہ (رضی اللہ عنہ) کی بیوی]

۱۴۶۹- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَآءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَابَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ فَاِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِي اِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَاَبُوْ بَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَهُ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ اَنْ يُّؤْذَنَ لَهُ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَلَا تَسْمَعُ اِلَى هٰذِهٖ مَا تَجْهَرُ بِهٖ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رفاعہ قرظی کی زوجہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: میں رفاعہ کی زوجیت میں تھی کہ اس نے مجھے طلاق دے دی اور قطعی طلاق دے دی، اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے شادی کر لی، مگر میں نے ان کے ساتھ کپڑے کے پھندنے کے مثل پایا، ارشاد فرمایا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ رفاعہ کی طرف لوٹے؟ نہیں! یہاں تک کہ تو اس کے شہد کو اور وہ تیرے شہد کو چکھ نہ لے۔ اور ابوبکر حضور کے پاس بیٹھے تھے اور خالد بن سعید بن عاص دروازے پر کھڑے اندر آنے کی اجازت کے منتظر تھے۔ انہوں نے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ اس کی یہ بات نہیں سن رہے ہیں جو وہ بلند آواز سے نبی ﷺ کے پاس کہہ رہی ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: من اجاز الطلاق الثلث ص ۷۹۲، دوطریقے سے، باب: من قال لامراتہ انت علی حرام ص ۷۹۲، باب: اذا طلقھا ثلاثا ثم تزوجت ص ۸۰۱)

یہ خاتون جن کا یہ قصہ ہے، تمیمہ بنت وہب تھیں۔ ''فَابَتَّ'' سے مراد یہ ہے کہ تین طلاقیں دے دیں۔ ''عسیلة''، ''عسل'' مذکر بھی مستعمل ہے اور مؤنث بھی۔ یہاں اس کی تانیث کا لحاظ کرتے ہوئے تصغیر میں تا زائد فرمائی، اس سے مراد جماع ہے۔ ''عسیلة'' تصغیر سے یہ افادہ فرمایا کہ اس کے لیے نہ انزال شرط ہے نہ پورے قضیب کا دخول، غیبوبت حشفہ کافی ہے۔

اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ حلالہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر ثانی جماع بھی کرے، صرف نکاح حلالہ کے لیے کافی نہیں۔

مطابقت

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کاشانۂ اقدس کے اندر نہیں تھے، باہر دروازے پر تھے۔ گویا ایک طرح ان خاتون سے چھپے ہوئے تھے، اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے وہ کہا اور حضور اقدس ﷺ نے ان پر حضرت خالد بن سعید کو ٹوکا نہیں، تو معلوم ہوا کہ چھپ کر سنی ہوئی بات پر اعتماد جائز اور جب اعتماد جائز تو اس کی شہادت دینی بھی جائز۔

ہمارے نزدیک ضروری ہے کہ گواہ اس مکان کے اندر موجود ہو، جہاں واقعہ ہوا، اگر مکان کے باہر سے کوئی بات سنی تو گواہی دینی

جائز نہیں اور اس واقعے میں شہادت سرے سے ہے ہی نہیں۔

بَابُ الشُّهَدَاءِ الْعُدُوْلِ وَقَوْلِ اللّٰهِ ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق:۲) ﴿وَمِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ (البقرہ:۲۸۲)(ص۳۶۰)

شاہد عادل اور اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: اور اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ بنالو' اور ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو

توضیح باب

گواہ کو گواہی دیتے ہوئے عادل ہونا ضروری ہے' غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں۔ عادل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمان اور شریعت کا پابند ہو' کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو' ایسی حرکات نہ کرتا ہو جو وقار کے خلاف ہوں' مثلاً صرف تہبند اور بنیان پہن کر باہر نکلنا' بازاروں میں کھانا پینا اور نصاب بھی ضروری ہے' یعنی کم از کم دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں صرف عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ ان دونوں اجزاء پر امام بخاری دو آیتوں سے دلیل لائے ہیں' پہلی آیت سورۂ طلاق کی ہے' فرمایا: ''وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ'' (البقرہ:۲۸۲) اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ اس آیت سے دونوں جز صراحۃً ثابت ہیں' دوسری آیت سورۂ بقرہ کی ہے: ''مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ'' (الطلاق:۲) اس کے پہلے فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ. (البقرہ:۲۸۲)

اور اپنے مردوں میں دو کو گواہ بنالو اور اگر دو گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو ان میں سے جو تمہیں پسند ہوں۔

اس آیت کا اگلا حصہ نصاب شہادت پر صراحۃً دلالت کرتا ہے اور ''ممن ترضون'' سے ان کے عادل ہونے کی شرط مستفاد ہوتی ہے۔ ایک دین دار عقلمند کسی ثقہ ہی کو گواہی کے لیے پسند کرے گا' فاسق فاجر کاذب کو گواہی کے لیے کون پسند کرے گا۔

۱۴۷۰- ح: [اِنَّمَا نَاْخُذُ بِمَا ظَهَرَ لَنَا]

ہم اس کو لیں گے جو ہمارے لیے ظاہر ہو

۱۴۷۰- اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ اِنَّ اُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَاِنَّمَا نَاْخُذُكُمُ الْاٰنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْءٌ اللّٰهُ مُحَاسِبُهٗ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ وَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءًا لَمْ نَاْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَاِنْ قَالَ اِنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ.

عبداللہ بن عتبہ نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی کی بناء پر لوگوں کا مواخذہ ہوتا تھا اور وحی منقطع ہوگئی' اب دارومدار تمہارے ظاہری اعمال پر ہے' جس سے بھلائی ظاہر ہوگی' اسے امن دیں گے اور اسے اپنے قریب کریں گے' ہمیں اس کے باطن سے کچھ سروکار نہیں' اللہ اس کے باطن کا اس سے حساب لینے والا ہے اور جس سے بُرائی ظاہر ہوگی اسے نہ امن دیں گے نہ اس کو سچا جانیں گے' اگرچہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔

یعنی وحی کے ذریعہ لوگوں کی اندرونی حالت قطعی یقینی طور پر معلوم ہوجاتی تھی' اب کسی کی باطنی حالت یقینی طور پر نہیں جانی جاسکتی' اس لیے مدار کار ظاہر پر ہے' اگر کوئی شخص اپنے ظاہر کے اعتبار سے عادل ہے تو اسے عادل مانیں گے اور اس کی گواہی قبول کریں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ حقیقت میں کون عادل ہے' کون نہیں؟ اسے معلوم کرنے کے ہم مکلف نہیں اور نہ یہ ہمارے بس میں ہے۔ ظاہر

کے اعتبار سے جو عادل ہے' اسے عادل ہی ماننا ہے۔

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الْأَنْسَابِ وَالرَّضَاعِ الْمُسْتَفِيضِ وَالْمَوْتِ الْقَدِيمِ (ص ۳۶۰)

نسب اور مشہور رضاعت اور قدیم موت کی گواہی

ت ۵۰۳ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ وَالتَّثَبُّتُ فِيهِ.

اور نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے اور اس معاملے میں پوری تحقیق کرنا۔

شہرت پر گواہی

باب کا مفاد یہ ہے کہ نسب اور رضاعت اور قدیم موت پر محض سنی سنائی خبروں پر گواہی درست ہے' جبکہ یہ سب مشہور و معروف ہوں۔ اس تعلیق کو خود امام بخاری نے کتاب النکاح میں اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ثویبہ' ثوبۃ کی تصغیر ہے' یہ شقی ازلی ابولہب کی باندی تھی' ثویبہ نے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا' پھر حضور اقدس ﷺ کو' پھر حضرت ابوسلمہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سابق شوہر کو پلایا۔ کتاب النکاح میں یہ بھی ہے کہ ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا تھا' اس کے بعد ثویبہ نے حضور اقدس ﷺ کو دودھ پلایا' مرنے کے بعد ابولہب کو اس کے بعض اہل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے خواب میں بدترین حالت میں دیکھا' انہوں نے پوچھا: کیا ملا؟ ابولہب نے جواب دیا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد کوئی آرام نہیں ملا' سوائے اس کے کہ ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے اس سے (اس سوراخ کی جانب اشارہ کیا جو انگوٹھے اور بعد والی انگلی کے درمیان تھا) کچھ پینے کو مل جاتا ہے۔

سہیلی کی ''الروض الانف'' میں ہے کہ یہ خواب دیکھنے والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے' اور ابولہب نے یہ کہا تھا کہ ہر دوشنبہ کو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ حضور اقدس ﷺ دوشنبہ کو پیدا ہوئے تھے۔ ثویبہ نے ولادت مبارکہ کی بشارت دی تو انہیں ابولہب نے آزاد کر دیا۔

اس پر علماء نے لکھا کہ ولادتِ پاک کی خوشی منانے پر ابولہب کو جہنم میں انعام ملا تو اگر کوئی مسلمان خوشی منائے تو اسے کیا کیا انعام ملے گا' یہ کون جانے!

ابن مندہ نے ثویبہ کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے عقد کے بعد یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تھیں' حضور اقدس ﷺ ان پر نوازشیں فرماتے تھے' حتیٰ کہ مدینہ طیبہ سے عطیات ارسال فرماتے' خیبر کی فتح کے بعد فوت ہو گئیں۔

مطابقت

حضور اقدس ﷺ نے لوگوں سے سن ہی کر یہ فرمایا کہ ثویبہ نے مجھے اور حمزہ اور ابوسلمہ کو دودھ پلایا ہے' وہ بھی زمانہ جاہلیت کے لوگوں سے سن کر۔

والتثبت فیہ

یہ بھی باب کا جزء ہے' بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اور اسے ثابت کرنا' یہ صحیح نہیں' صحیح ترجمہ یہ ہے: اور اس بارے میں چھان بین تحقیق و جستجو کرنا' اس پر دلیل اس باب کی اخیر حدیث کا یہ جزء ہے کہ فرمایا: ''یا عائشۃ انظرن من اخوانکن فانما الرضاعۃ من المجاعۃ'' اے عائشہ! دیکھو کون تمہارے بھائی ہیں' اس لیے کہ رضاعت بھوک سے ہے۔ اس حدیث میں نظر سے

رؤیت بصری آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں، بلکہ نظر فکری مراد ہے، یعنی تحقیق کر لیا کرو۔

۱۴۷۱- ح: [قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ عَلَيَّ اَفْلَحُ] (ام المومنین) نے فرمایا: افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی (الخ)

۱۴۷۱- عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتِ اسْتَاْذَنَ عَلَيَّ اَفْلَحُ فَلَمْ آذَنْ لَهُ فَقَالَ اَتَحْتَجِبِيْنَ مِنِّيْ وَاَنَا عَمُّكِ فَقُلْتُ وَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ اَرْضَعَتْكِ امْرَاَةُ اَخِيْ بِلَبَنِ اَخِيْ فَقَالَتْ سَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ اَفْلَحُ اِئْذَنِيْ لَهٗ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: افلح نے میرے پاس آنے کے لیے مجھ سے اجازت طلب کی تو میں نے اسے اجازت نہیں دی، اس پر اس نے کہا: آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں، حالانکہ میں آپ کا چچا ہوں؟ میں نے اس سے پوچھا: کیسے؟ اس نے بتایا کہ میرے بھائی کی بیوی نے میرے بھائی کا دودھ آپ کو پلایا ہے، اُم المومنین نے فرمایا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا: افلح نے سچ کہا، اسے اجازت دے دو۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورہ احزاب۔ باب: قوله ان تبدوا شيئا او تخفوه فان الله كان بكل شيء عليما ص ۷۰۷، کتاب النکاح۔ باب: لبن الفحل ص ۷۶۴، باب: ما يحل من الدخول والنظر فی النساء فی الرضاع ص ۷۸۸، کتاب الادب۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم تربت يداك ص ۹۰۹، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب النکاح)

افلح کے وہ بھائی جن کی اہلیہ نے اُم المومنین رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا، ابوالقعیس تھے، جیسا کہ بخاری ہی میں کتاب النکاح اور کتاب الادب کی روایات میں تصریح ہے۔ یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے۔ دوسری روایتوں میں اخیر میں ہے کہ اسی وجہ سے اُم المومنین فرماتی تھیں کہ ولادت سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے، رضاعت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

حضرت اُم المومنین کے ایک اور رضاعی چچا تھے، جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُم المومنین نے اپنے ایک رضاعی چچا کے بارے میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا: اگر فلاں زندہ ہوتا تو میرے پاس آتا، فرمایا: ضرور آتا! رضاعت سے بھی وہ تمام حرمت ثابت ہوتی ہے جو ولادت سے ثابت ہوتی ہے۔

۱۴۷۲- ح: [يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] رضاعت سے وہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے حرام ہو

۱۴۷۲- عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بِنْتِ حَمْزَةَ لَا تَحِلُّ لِيْ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ هِيَ بِنْتُ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی صاحبزادی کے بارے میں فرمایا: یہ میرے لیے حلال نہیں، رضاعت سے وہ حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہے، یہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔

(بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب: وامهاتكم اللاتي ارضعنكم ص ۷۶۴، مسلم، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

کتاب النکاح میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضور حمزہ کی صاحبزادی سے کیوں نہیں شادی فرما لیتے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں الخ۔ یہ عرض کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ مسلم[1] میں انہیں سے مروی

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۶۷۔ کتاب الرضاع۔ باب: ما يحرم من الرضاع ما يحرم من الرحم

ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا بات ہے کہ قریش کی عورتوں کو اختیار فرماتے ہیں اور ہمیں نظر انداز فرماتے ہیں' فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو میں نے عرض کیا: حمزہ کی بیٹی' حضرت حمزہ کی یہ صاحبزادی وہی ہیں جو عمرۃ القضاء کے موقع پر یا عماہ یا عماہ' اے چچا! اے چچا! کہتی ہوئی حاضر ہوئی تھیں' جن کا نام عمارہ یا امامہ تھا' یا کچھ اور۔

۱۴۷۳- ح: [اِنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَّسْتَاْذِنُ فِيْ بَيْتِ حَفْصَةَ]

(اُم المؤمنین نے) ایک شخص کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے کی اجازت طلب کررہا تھا

۱۴۷۳- عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَاَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَّسْتَاْذِنُ فِيْ بَيْتِ حَفْصَةَ قَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ يَّسْتَاْذِنُ فِيْ بَيْتِكَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے کہ انہوں نے ایک شخص کی آواز سنی جو حفصہ سے ان کے گھر میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کوئی شخص ہے جو حضور کے گھر میں جانے کی اجازت مانگ رہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا یہ خیال ہے کہ یہ فلاں ہے' حفصہ کے رضاعی چچا کو بتایا' اب حضرت عائشہ نے اپنے ایک رضاعی چچا کے متعلق عرض کیا: اگر وہ زندہ ہوتا تو میرے پاس آتا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بے شک رضاعت بھی ان لوگوں کو حرام کرتی ہے' جسے ولادت حرام کرتی ہے۔

(بخاری' کتاب الجہاد۔ باب: بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۳۸' ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: وامهاتكم اللاتى ارضعنكم ص ۷۶۴' مسلم' نسائی۔ کتاب النکاح)

بنت حفصہ اور قالت عائشہ کے درمیان فتح الباری اور عمدۃ القاری کے ساتھ جو متن ہے' اس میں "قالت عائشة يا رسول الله اراه فلانا لعم حفصة من الرضاعة" زائد ہے' مگر ہندوستانی مطبوعہ میں نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ نہیں ہونا چاہیے۔ مسلم میں ہندوستانی مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہے۔

ان الرضاعة...... [جو رشتے رضاعت سے حرام نہیں ہوتے]

نسب کی بناء پر جتنے رشتے داروں سے نکاح حرام ہے' رضاعت کی بناء پر بھی ان سب سے نکاح حرام ہے' البتہ ان میں سے یہ چند رشتہ دار مستثنیٰ ہیں۔

(۱) بھائی اور بہن کی ماں۔ یہ نسب میں حرام ہے' اس لیے کہ وہ یا تو اس کی ماں ہوگی یا باپ کی موطوءہ اور یہ دونوں حرام ہیں' مگر رضاع میں حرام نہیں' کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں: رضاعی بھائی بہن کی رضاعی ماں' رضاعی بھائی بہن کی حقیقی ماں' حقیقی بھائی بہن کی رضاعی ماں۔

(۲) بیٹے یا بیٹی کی بہن' یہ نسب میں حرام ہے' کیونکہ وہ یا تو اس کی بیٹی ہوگی یا ربیبہ' مگر رضاعت میں کوئی وجہ حرمت نہیں' اس کی بھی دو صورتیں ہیں: حقیقی بیٹے یا بیٹی کی رضاعی بہن' رضاعی بیٹے یا بیٹی کی حقیقی بہن۔

(۳) بیٹے یا بیٹی کی دادی، یہ بھی نسب میں حرام ہے، اس لیے کہ یہ یا تو ماں ہوگی یا باپ کی موطوءہ، اور رضاعت میں کوئی رشتہ موجب حرمت نہیں۔

(۴) چچا یا پھوپھی کی ماں، یہ نسب میں دادی ہوگی، اس لیے حرام ہے، مگر رضاعت میں حرام نہیں۔

(۵) ماموں یا خالہ کی ماں از روئے نسب حرام ہے، اس لیے کہ یہ اس کی نانی ہوگی، مگر از روئے رضاعت حرام نہیں۔

(۶) بھائی کی بہن، نسباً حرام ہے مگر رضاعاً نہیں۔ اس کی بھی تین صورتیں ہیں: حقیقی بھائی کی رضاعی بہن، رضاعی بھائی کی حقیقی بہن، رضاعی بھائی کی رضاعی بہن، نسبی بھائی کی بہن سے بھی ایک صورت میں نکاح درست ہے، سوتیلے بھائی کی بہن جو دوسرے باپ سے ہو۔

۱۴۷۴- ح: [اَلرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ]

رضاعت بھوک سے ہے

۱۴۷۴- عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ رَجُلٌ قَالَ يَا عَائِشَةُ مَنْ هٰذَا قُلْتُ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ قَالَ يَا عَائِشَةُ اُنْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس ایک مرد تھا، حضور نے دریافت فرمایا: اے عائشہ! یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میرا رضاعی بھائی ہے، فرمایا: اے عائشہ! تحقیق کر لیا کرو، کون تمہارا بھائی ہے، اس لیے کہ رضاعت وہ معتبر ہے جو بھوک دور کرے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: من قال لا رضاع بعد حولین ص ۷۶۴، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

مِنَ الْمَجَاعَةِ...... (مدت رضاعت)

جوع میں ایک لغت ہے، جس کے معنی بھوک کے ہیں، یعنی وہ رضاعت جس کا شرعاً اعتبار ہے، جس کی وجہ سے خصوصی رشتہ اور آپس میں نکاح کی حرمت ثابت ہوتی ہے، وہ ہے جو بچے کی بھوک دور کر سکے، یعنی اتنی عمر میں کہ بچے کی کماحقہٗ غذا ہو سکے، اگرچہ دوسری چیز مثلاً روٹی وغیرہ اسے نہ دی جائے، یعنی بچپن کی حالت میں دودھ پئے، جس کی مقدار دو سال یا اڑھائی سال ہے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا: اڑھائی سال، اور صاحبین نے فرمایا: دو سال۔ صاحبین کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ. (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ ارشاد اس کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلانا چاہے۔

حضرت امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اسی آیت میں فرمایا:

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا. (البقرہ: ۲۳۳)

اس کے بعد اگر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

فا تعقیب کے لیے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دو سال دودھ پلانے کے بعد زوجین کو اختیار ہے کہ باہمی رضامندی سے چاہیں تو دودھ چھڑا سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس کا بھی اختیار ہے کہ نہ چھڑائیں، دودھ پینے دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دو سال پورے ہونے پر بھی رضاعت کی مدت ہے۔ اس کو حضرت امام اعظم نے چھ ماہ مزید رکھا ہے، اس بنیاد پر کہ بچہ یک بیک دودھ نہیں چھوڑتا۔ نیز یہ بچے کے لیے بلکہ دودھ پلانے والی کے لیے بھی بعض بیماریوں کا سبب ہے۔ دودھ رفتہ رفتہ چھڑایا جاتا ہے اور بچے کو غذا کا عادی بنایا جاتا ہے۔ جب وہ اچھی طرح غذا کھانے لگے تو دودھ چھڑانا مناسب ہوتا ہے۔ تجربے سے اس کی مدت چھ ماہ رکھی گئی

ہے، جو اقل مدت حمل ہے۔

نیز صاحبین نے اس آیت سے بھی استدلال فرمایا ہے:

حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا. (الاحقاف:۱۵) بچے کا ماں کے پیٹ میں رہنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔

اقل مدت حمل چھ ماہ ہے، تو دودھ پلانے کی مدت دو سال بچی۔ حضرت امام اعظم کے مؤیدین فرماتے ہیں کہ ثلثون حمل اور فصال کے مجموعے کی مدت نہیں، بلکہ علی سبیل البدلیت ہر ایک کی ہے، یعنی حمل کی مدت بھی تیس مہینے اور دودھ پلانے کی بھی، مگر ہم نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حمل کی اکثر مدت دو سال رکھی کہ فرمایا: بخدا! پیٹ میں کوئی بچہ دو سال سے زائد نہیں رہتا۔ (دار قطنی، بیہقی فی سننھما، فتح الباری۔ ج ۴ص ۱۸۰)

ہمارے نزدیک رضاعت کے لیے دودھ کی مقدار شرط نہیں، تھوڑا سا دودھ بھی حلق کے نیچے اگر گیا خواہ بہ طریق معہود خواہ غیر معہود، مثلاً شیشی کے ذریعہ پلایا یا نلکی وغیرہ کے ذریعہ پہنچایا، خواہ منہ کے ذریعہ ہو خواہ ناک کے، بہر صورت رضاعت ثابت ہوگی۔

دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، دو سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا جائز نہیں اور حرمت نکاح میں اڑھائی سال معتبر ہے، یعنی اڑھائی سال کی عمر میں بچے نے کسی عورت کا دودھ پیا تو اس کی رضائی ماں ہے، رضاعت کے تمام رشتے ثابت ہوں گے، اگرچہ یہ جائز نہیں کہ دو سال کے بعد دودھ پلایا جائے۔

بَابُ شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِيْ

قاذف، چور اور زانی کی گواہی

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ (النور:۳-۴).

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ فرمایا: اور کبھی بھی ان کی گواہی نہ قبول کرو، یہ لوگ فاسق ہیں ۝ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کر لی۔

توضیح باب...... [قاذف سے مراد]

قاذف وہ شخص ہے جس نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی، اور یہاں مراد وہ شخص ہے جس نے کسی مسلمان عاقل بالغ محصن پر زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہ نہیں پیش کیے، جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگائی گئی ہو، اگرچہ بہ اعتبار معنی لغوی اور عرفی، وہ بھی قاذف ہے جو زنا کی تہمت لگائے، اور چار گواہ نہ پیش کر سکے اور کسی وجہ سے حد قذف سے بچ جائے، مگر یہ متنازعہ نہیں۔ یہ اگر توبہ کر لے اور توبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں تو بالاتفاق گواہی مقبول ہے۔ مختلف فیہ وہ ہے جسے حد قذف لگائی گئی ہو۔ ہمارے نزدیک معاملات میں اس کی گواہی کبھی مقبول نہیں، اگرچہ توبہ کر لے، اگرچہ جو تہمت لگائی تھی اس سے رجوع کر لے، اگرچہ نیک اور صالح ہو جائے۔ عبادات میں اس کی گواہی بعد توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے یہاں بعد توبہ اور ظہور صلاح اس کی گواہی معاملات میں بھی مقبول ہے۔ اس سلسلے میں دونوں فریقوں کی دلیل سورۂ نور کی یہ چوتھی آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ

جو لوگ پارسا عورتوں پر (زنا کا) الزام لگائیں پھر چار گواہ چشم دید نہ لائیں تو انھیں اسی کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور یہ لوگ فاسق ہیں ۝ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور: ۴-۵) نیک ہو جائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝

احناف کا استدلال

احناف کہتے ہیں کہ محدود فی القذف کے بارے میں یہ ارشاد ہوا: ''وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا'' (النور: ۴) اس میں شہادۃً نکرہ تحت نفی عموم و استغراق کا افادہ کر رہا ہے یعنی اس کی کوئی بھی گواہی قبول نہ کرو۔ اس کے عموم میں بعد توبہ کی گواہی بھی داخل ہے پھر ابداً یعنی کبھی نہ قبول کرو فرما کر اسے اور واضح اور مؤکد فرما دیا۔ ابداً استغراق زمان کے لیے ہے جو صراحۃً بعد توبہ کو بھی شامل ہے۔

شوافع کا استدلال

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد ''اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا'' (النور: ۵) استثنا ہے جس نے توبہ کرنے والوں کو ''لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا'' (النور: ۴) کے عموم سے خاص کر دیا اس لیے بعد توبہ ان کی گواہی مقبول ہے۔

جواب

احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہوگا جب یہ استثناء متصل ہو اور یہاں استثناء متصل بنتا نہیں کیونکہ مستثنیٰ یعنی ''الذین تابوا'' مستثنیٰ منہ یعنی ''الفسقین'' میں داخل نہیں کیونکہ توبہ کے بعد فاسق نہیں رہے اس لیے کہ توبہ ماقبل کے گناہ ختم کر دیتی ہے اور ان کی شہادت کا نامقبول ہونا تتمہ حد سے ہے۔

اس کی تقریر یہ ہے کہ ''لا تقبلوا'' ''فاجلدوھم'' پر معطوف ہے اور اسی کی طرح جزا دونوں جملہ انشائیہ ہیں اور دونوں کے مخاطب حکام ہیں اور واؤ جمعیت کے لیے آتا ہے تو پوری حد یہ ہوگی کہ اسی کوڑے بھی مارے جائیں اور ہمیشہ ہمیشہ ان کو مردود الشہادۃ بھی کر دیا جائے اور ''ابدا'' پر جملہ سابقہ پورا ہو گیا اور ''واولئك'' سے ایک نیا جملہ شروع ہوا یہ نہ انشاء ہے نہ حکام سے خطاب بلکہ اخبار ہے اور جملہ اسمیہ اس لیے اس کا عطف ''فاجلدوھم'' پر درست نہیں اس بناء پر یہ تتمہ حد نہیں یہ بشمول ''الا الذین تابوا'' جملہ مستانفہ ہے جو ماقبل سے متصل ہے اس لیے ''الا الذین تابوا. لا تقبلوا'' کا مستثنیٰ کسی طرح نہیں بن سکتا لہٰذا یہ حکم اپنے عموم اور استغراق پر باقی ہے۔

اصلحوا

یہ قید اس افادے کے لیے ہے کہ توبہ کے بعد یہ ضروری ہے کہ وہ توبہ پر قائم رہے اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ رہے اور اس پر اتنی مدت گزر جائے کہ پورے طور سے اطمینان ہو جائے کہ یہ اب صالح متدین ہو گیا اس کے لیے سال بھر کی مدت مقرر ہے۔

ت ۵۰۴ - وَجَلَدَ عُمَرُ اَبَا بَكْرَةَ وَشِبْلَ بْنَ مَعْبَدٍ وَنَافِعًا بِقَذْفِ الْمُغِيْرَةِ ثُمَّ اسْتَتَابَهُمْ وَقَالَ مَنْ تَابَ قَبِلْتُ شَهَادَتَهُ.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ اور شبل بن معبد اور نافع کو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے کوڑے مارے پھر توبہ کروائی اور فرمایا: جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول کروں گا۔

یہ ناخوشگوار واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں حضرت مغیرہ کو ام جمیل نامی ایک عورت کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگایا کہ جسے میں نے شبل بن معبد نافع زیاد نے دیکھا ہے۔ یہ چاروں سمیہ کے بطن سے تھے اور سوتیلے بھائی تھے۔ اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی بنا کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ مغیرہ اور ابوبکرہ کو مع دیگر گواہوں کے

میرے پاس بھیج دو۔ اس حادثے کے گواہ حضرت ابوبکرہ کے تین سوتیلے بھائی شبل بن معبد نافع اور زیاد بن ابیہ تھے یہ چاروں سمیہ کے بطن سے تھے۔

جب یہ لوگ مدینہ طیبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت ابوبکرہ شبل اور نافع نے زنا کی گواہی دی مگر زیاد نے صرف یہ کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا ہے اور زور سے سانس لیتے سنا ہے زنا کرتے نہیں دیکھا ہے۔

اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکرہ شبل بن معبد اور نافع کو اسی کوڑے مارے جو حد قذف ہے[1] اور ان سے توبہ کرنے کو کہا۔ شبل اور نافع نے توبہ کر لی مگر حضرت ابوبکرہ نے توبہ نہیں کی۔ (بدایۃ نہایۃ ج۹ ص۵۷)

اس تعلیق کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الام'' میں روایت کیا ہے اس کے بنیادی راوی سعید بن میسب ہیں۔ ان کا مذہب اس کے برخلاف تھا کہ محدود فی القذف کی گواہی مقبول نہیں لحہ فکریہ یہ ہے کہ اگر واقعی یہ روایت حضرت سعید بن میسب کے نزدیک صحیح ہوتی تو پھر انہیں اس کی کیسے جرأت ہوتی کہ حضرت عمر کے ایسے ارشاد کے خلاف فتویٰ دیں جو انہوں نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں فرمایا جس پر تمام حاضرین صحابہ نے سکوت فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ روایت مذکورہ خود حضرت سعید بن میسب کے نزدیک معلول ہے۔

ت۵۰۰ - وَاَجَازَهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُتْبَةَ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَسَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَّطَاؤسٌ وَّمُجَاهِدٌ وَّالشَّعْبِيُّ وَعِكْرِمَةُ وَالزُّهْرِيُّ وَمُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ وَّشُرَيْحٌ وَّمُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ.

اور محدود فی القذف کی گواہی کو عبداللہ بن عتبہ اور عمر بن عبدالعزیز اور سعید بن جبیر اور طاؤس اور مجاہد اور شعبی اور عکرمہ اور زہری اور محارب بن دثار اور شریح اور معاویہ بن قرہ نے جائز رکھا۔

یہ گیارہ افراد ہیں ان میں سے قاضی شریح اور معاویہ بن قرہ سے کوئی روایت ایسی نہیں جس سے بالتصریح یہ ثابت ہو کہ یہ لوگ محدود فی القذف کی بعد توبہ شہادت قبول کرنے کو جائز جانتے تھے۔ اب صرف نو رہ گئے اور یہ سب تابعی ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول یہ ہے کہ اس کی گواہی مقبول نہیں جیسا کہ ابن حزم نے سند جید کے ساتھ ان سے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے مثنی بن صباح اور آدم بن قائد کے بہ طریق عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

لا تجوز شهادة خائن ولا محدود في الاسلام.

جسے اسلام میں حد ماری گئی ہو اور خائن کی گواہی مقبول نہیں۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں بہ طریق عبدالرحمٰن بن سلیمان عن حجاج عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

المسلمون عدول بعضهم علىٰ بعض الا محدودة في قذف.

مسلمان ایک دوسرے پر عادل ہیں سوائے محدود فی القذف کے۔

علاوہ ازیں ان گیارہ افراد میں سے امام مجاہد امام عکرمہ امام شعبی اور قاضی شریح سے یہ بھی مروی ہے کہ قاذف کی گواہی مقبول نہیں۔ مزید برآں امام حسن بصری امام سفیان بن سعید اور امام سعید بن میسب سے بھی یہی مروی ہے۔

علاوہ ازیں گزر چکا کہ حضرت امام اعظم نے فرمایا: ہم تابعین سے اختلاف کرتے ہیں وہ ہم سے کرتے ہیں۔ وہ بھی مرد ہیں

---

[1] مستدرک للحاکم ج۳ ص۴۵۱

ہم بھی مردہیں۔

ت۵۰٦ - وَقَالَ اَبُو الزِّنَادِ الْاَمْرُ عِنْدَنَا بِالْمَدِيْنَةِ اِذَا رَجَعَ الْقَاذِفُ عَنْ قَوْلِهٖ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ قُبِلَتْ شَهَادَتُهٗ. اور ابوالزناد نے کہا: ہمارے نزدیک مدینہ میں یہی ہے کہ قاذف جب اپنے قول سے رجوع کر لے اور اپنے رب سے توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے بہ طریق حصن بن عبدالرحمٰن ان الفاظ میں روایت کیا: میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اسے قذف کی حد ماری جارہی ہے جب وہ سزا پاچکا تو اس نے توبہ کی۔ میں نے ابوالزناد سے پوچھا تو وہ جواب دیا۔

ت۵۰۷ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَقَتَادَةُ اِذَا اَكْذَبَ نَفْسَهٗ جُلِدَ وَقُبِلَتْ شَهَادَتُهٗ. اور امام شعبی اور قتادہ نے کہا: جب اپنے آپ کو جھٹلائے تو اسے کوڑے مارے جائیں اور اس کی گواہی قبول کی جائے۔

امام شعبی کے قول کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا، ابھی گزرا کہ امام شعبی اور قتادہ دونوں سے اس کے برخلاف مروی ہے۔

ت۵۰۸ - وَقَالَ الثَّوْرِيُّ اِذَا جُلِدَ الْعَبْدُ ثُمَّ اُعْتِقَ جَازَتْ شَهَادَتُهٗ وَاِذَا اسْتُقْضِيَ الْمَحْدُوْدُ فَقَضَايَاهُ جَائِزَةٌ. امام ثوری نے فرمایا: جب غلام کو کوڑے مارے جائیں، پھر آزاد کر دیا جائے تو اس کی گواہی درست ہے، اور جب کہ قاضی بنا دیا جائے تو اس کے فیصلے نافذ ہیں۔

امام ثوری سے اس کے برخلاف یہ بھی مروی ہے کہ قاذف توبہ بھی کر لے جب بھی اس کی گواہی مقبول نہیں، جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں ہے:

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ الْقَاذِفِ وَاِنْ تَابَ. اور بعض الناس نے کہا: قاذف کی گواہی جائز نہیں، اگرچہ توبہ کر لے۔

یہاں بعض الناس سے مراد امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ امام بخاری کی عنایت ہے کہ اس قول کو صرف امام اعظم کی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ یہی حبر امت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے اور تابعین میں سے امام حسن بصری، امام سعید بن مسیب، سفیان بن سعید کا قول ہے۔ علاوہ ازیں امام شعبی، عکرمہ، مجاہد، قاضی شریح کا ایک قول بھی یہی ہے۔

نیز حدیث سے ثابت ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر کوئی بات حدیث مرفوع سے ثابت ہو اور وہ حضرت ابن عباس جیسے فقیہ صحابی کا مذہب ہو تو اس پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ آٹھ نو تابعین اس کے خلاف فرماتے ہیں:

ثُمَّ قَالَ لَا يَجُوْزُ نِكَاحٌ بِغَيْرِ شَاهِدَيْنِ فَاِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ مَحْدُوْدَيْنِ جَازَ وَاِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ عَبْدَيْنِ لَمْ يَجُزْ. پھر اس نے کہا کہ کوئی نکاح بغیر دو گواہوں کے درست نہیں، لیکن اگر محدودین کی گواہی میں نکاح کیا تو صحیح ہے اور اگر دو غلاموں کی گواہی میں کیا تو درست نہیں۔

توضیح

یہ حضرت امام اعظم پر تعریض ہے اس پر امام بخاری کو تعجب ہے کہ جب محدود فی القذف کی گواہی ناقابل قبول ہے تو ان کی گواہی میں نکاح کیسے درست ہے؟ اور انہیں حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ دو غلاموں کی گواہی میں نکاح صحیح نہیں مانتے۔

یہ معارضہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت امام بخاری باآں جلالت قدر حضرت امام اعظم کے مدارک علیہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تحمل شہادت اور اداء شہادت دو مختلف درجے ہیں۔ تحمل شہادت کے لیے بالغ، عادل ہونا شرط نہیں، بلکہ اسلام بھی شرط

نہیں۔ صحابہ کرام نے حالت کفر میں بہت سی باتیں دیکھیں اور سنیں اور اسلام لانے کے بعد اسے بیان کیا تو تمام اُمت نے بلکہ خود حضور اقدس ﷺ نے قبول فرمایا۔

اس پر اتفاق ہے کہ فاسق اور بچے کی گواہی مقبول نہیں، مگر ان کا تحمل شہادت درست ہے، یعنی وقوع کے وقت نابالغ تھے یا فاسق تھے، مگر اداء شہادت کے وقت متدین اور بالغ ہیں، تو ان کی شہادت مقبول ہے۔ نکاح کے وقت ادائے شہادت نہیں ہوتا، بلکہ صرف تحمل ہوتا ہے، اس لیے دو محدود کی گواہی میں نکاح درست ہے۔

رہ گیا یہ کہ دو غلاموں کی شہادت میں نکاح صحیح نہیں، اس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ نکاح صحیح ہونے کے لیے ایسے گواہ ضروری ہیں جو قبول و ردّ کا اختیار رکھتے ہوں۔ غلام اس کا اختیار نہیں رکھتا، اس لیے اس کی گواہی سے نکاح درست نہیں۔ تفصیل ہدایہ اور اس کی شروح میں ملاحظہ کریں۔

وَاَجَازَ شَهَادَةَ الْمَحْدُوْدِ وَالْعَبْدِ وَالْاَمَةِ لِرُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ. — اور اس نے محدود اور غلام اور باندی کی گواہی ہلال رمضان کی رؤیت کے لیے جائز رکھی۔

توضیح

امام بخاری کی یہ تعریض اس کی دلیل ہے کہ وہ احناف کے مذہب سے کماحقہٗ واقف نہیں تھے، اور اسی ناواقفی کی بنیاد پر کہیں کہیں تعرضیں کر دیں۔ ہلال رمضان کی رؤیت کے ثبوت کے لیے شہادت شرط نہیں، محض خبر کافی ہے، جیسا کہ مبسوط سے لے کر شامی تک میں بالتصریح مذکور ہے۔ اور دینیات میں غلام اور باندی کی بھی خبر مقبول ہے۔ اسی طرح بعد توبہ محدود فی القذف کی بھی۔

وَكَيْفَ تُعْرَفُ تَوْبَتُهٗ وَقَدْ نَفَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّانِيَ سَنَةً. — اور اس کی توبہ کیسے پہچانی جائے گی اور نبی ﷺ نے زانی کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا تھا۔

توضیح

یہ باب کا تتمہ ہے، قاذف کی توبہ کی کیفیت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے، اکثر سلف نے یہ فرمایا کہ یہ ضروری ہے کہ وہ اقرار کرے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی۔ اور کچھ نے فرمایا کہ صلاح و تقویٰ پر پابندی ایک مدت تک ظاہر ہو جائے، تو یہی توبہ ہے۔ امام بخاری کا بھی رجحان اسی طرف ہے، جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

ت۵۰۹- وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَلَامِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَّصَاحِبَيْهِ حَتّٰى مَضٰى خَمْسُوْنَ لَيْلَةً. — اور نبی ﷺ نے حضرت کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں سے بات چیت کرنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ پچاس راتیں گزر گئیں۔

حضرت کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ واپسی کے بعد ان پر عتاب فرمایا، تمام صحابہ کرام کو حکم دے دیا کہ ان تینوں سے ملنا جلنا، سلام کلام کرنا بند کر دیں۔ پچاس دن کے بعد جب ان کی توبہ قبول ہونے کی بشارت نازل ہوئی تو یہ مقاطعہ ختم ہوا۔ اس واقعہ کی تفصیل کتاب التفسیر میں آئے گی۔

مطابقت

غزوۂ تبوک میں شرکت کا ان تمام صحابہ کرام کو علم تھا، جو سفر اور جہاد کی استطاعت رکھتے تھے۔ یہ تینوں حضرات باوجود استطاعت کے شریک نہ ہوئے، یہ معصیت تھی۔ واپسی پر ان لوگوں سے مؤاخذہ فرمایا تو ان لوگوں نے اقرار کر لیا کہ تخلف ہماری سستی کی وجہ سے

ہوا ہے۔ یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ قاذف نے اپنے آپ کو جھٹلایا۔ دونوں اقرار معصیت میں مشترک ہیں مگر اتنے ہی پر ان کی خطا معاف نہ ہوئی بلکہ ان سے قطع تعلق کا حکم ارشاد ہوا، جو پچاس دن تک رہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف اقرار معصیت توبہ کے لیے کافی نہیں بلکہ صلاح وتقویٰ کے آثار کا ظہور ضروری ہے۔

۱۴۷۵- ح: [اَنَّ امْرَاَةً سَرَقَتْ فِيْ غَزْوَةِ الْفَتْحِ]

فتح مکہ کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی

۱۴۷۵- اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ امْرَاَةً سَرَقَتْ فِيْ غَزْوَةِ الْفَتْحِ فَاُتِيَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَقُطِعَتْ يَدُهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا وَتَزَوَّجَتْ وَكَانَتْ تَاْتِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاَرْفَعُ حَاجَتَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ غزوۂ فتح میں ایک عورت نے چوری کی، اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے، یہی ہوا، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس عورت نے توبہ کی اور اس کی توبہ اچھی رہی اور اس نے شادی کر لی اور اس کے بعد وہ میرے پاس آتی تھی تو میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھی۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب: ص ۴۹۴، کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب: ذکر اسامۃ ص ۵۲۸، دوطریقے سے، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: ص ۶۱۶، کتاب الحدود۔ باب: اقامة الحدود علی الشریف والرضیع۔ باب: كراهية الشفاعة في الحدود ص ۱۰۰۳، باب: توبة السارق ص ۱۰۰۴، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب الحدود، نسائی۔ کتاب القطع)

تکمیل

یہ حدیث مختلف ابواب میں بالفاظ مختلفہ پوری یوں مروی ہے: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے فتح مکہ کے موقع پر چوری کی۔ قریش اس کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے اور یہ سوچا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون بات کرے؟ انہوں نے کہا: سوائے اسامہ بن زید کے اور کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا، یہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔

حضرت اسامہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا، تو فرمایا: حدود الٰہی میں سفارش کرتا ہے؟ اس پر حضرت اسامہ نے عرض کیا: میرے لیے استغفار فرمائیں! پھر حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا اور خطبہ دیا: تم سے پہلے والے بنی اسرائیل اسی وجہ سے ہلاک ہوئے جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹتے، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی (بالفرض) چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ میں کاٹوں گا، پھر اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے اس کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا۔ (الحدیث)

چوری کرنے والی عورت کا نام فاطمہ بنت الاسود بن عبد الاسد، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھتیجی تھی۔ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے گھر سے قالین میں لپٹا ہوا زیور مع قالین کے چرایا تھا۔

قریش کی خواہش تھی کہ یا تو اسے معاف کر دیا جائے یا فدیہ لے لیا جائے۔ فدیے کے لیے چالیس اوقیے کی پیش کش بھی کی، مگر قبول نہیں فرمایا۔ یہ ارشاد کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ کاٹوں گا یہ حد کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ہے، دو طرح سے ایک یہ کہ باپ کو بیٹی سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ دوسرے حضرت سیدہ، سیدۃ نساء العالمین ہیں، حدود میں ان کی بھی کوئی رعایت

نہ ہوگی تو اور کون ہے جس کی رعایت کی جائے۔

امام شافعی کا ایک اَدب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب یہ حدیث بیان فرماتے تو حضرت سیّدہ کا نام نامی نہیں لیتے، بلکہ یوں روایت کرتے: ''فذکر عضوا شریفًا من الامرأۃ الشریفۃِ'' اور معزز خاتون کا نام لیا۔ سبحان اللہ! یہ اسلاف خانوادۂ نبوت کے ساتھ ادب میں کس طرح اوجِ ثریا پر تھے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء. (یہ ساری تفصیلات فتح الباری۔ ج ۷۔ کتاب الحدود سے لی گئی ہیں۔ ۱۲ منہ)

اس میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس عورت کا نام بھی فاطمہ تھا، اس لیے حضرت سیّدہ کا نام نامی لیا۔ حضور اقدس ﷺ کے حکم سے حضرت بلال نے اس عورت کا ہاتھ کاٹا تھا۔ باب کے ساتھ مطابقت ''فحسنت توبتھا'' سے ہے، توبہ کا حُسن یہ ہے کہ وہ قبل گناہ کی حالت پر آجائے، اور قبل معصیت اس کی گواہی قبول تھی تو اقامت حد کے بعد بھی مقبول۔

جب تک معاملہ حاکم تک نہ پہنچے حدود میں شفاعت محمود ہے۔ مدعی اور گواہوں کو سمجھا بجھا کر روکا جائے۔ حدیث میں ہے: ''تعافوا الحدود'' حدود کو درگزر کرنے کی کوشش کرو، مگر جب کہ مجرم موذی ہو، مجاہر بے باک ہو تو بہتر ہے کہ اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ حاکم کے یہاں معاملہ پہنچنے کے بعد حدود میں شفاعت جائز نہیں اور نہ حاکم کو جائز کہ اسے معاف کرے۔

چور خواہ مرد ہو یا عورت بعد ثبوت دونوں پر یکساں حد، ہاتھ کاٹنا ہے، چور حد جاری ہونے کے بعد توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔

۱۴۷۶- ح: [مَنْ زَنٰی وَلَمْ یُحْصِنْ بِجَلْدِ مِائَۃٍ وَّتَغْرِیبِ عَامٍ]

زانی محصن نہ ہو تو (اس کی سزا) سو کوڑے ہیں

۱۴۷۶- عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ اَمَرَ فِیْمَنْ زَنٰی وَلَمْ یُحْصِنْ بِجَلْدِ مِائَۃٍ وَّتَغْرِیبِ عَامٍ۔

(مسلم۔ کتاب الحدود)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے اس شخص کے بارے میں جس نے زنا کیا اور محصن نہیں تھا، سو کوڑے مارنے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔

مطابقت کی تقریر یہ ہے کہ حد گناہوں کے لیے کفارہ ہونے کی وجہ سے بہ منزلہ توبہ ہے، مگر حضور اقدس ﷺ نے محض اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ سال بھر کے لیے جلاوطن کر دیا، تاکہ اصلاحِ حال ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمامیت توبہ کے لیے اصلاحِ حال ضروری ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی روشنی میں غیر محصن زانی کے لیے سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ سال بھر تک جلاوطن کرنا حد کا جز قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک بنص قرآن اس کی سزا صرف سو کوڑے ہیں اور یہ خبر واحد ہے، جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ اور حضور اقدس ﷺ کا اس زانی کو جلاوطن کرنا بہ طور سیاست تھا اور اب یہ منسوخ ہے جیسا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

کفی بالنفی فتنۃ

جلاوطن کرنے کی ممانعت کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ فتنہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جلاوطن کیا تو وہ دار الحرب چلا گیا۔ اس پر قسم کھالی کہ اب کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا، اگر جلاوطن کرنا حد ہوتی تو حضرت علی مرتضی اسے فتنہ نہ فرماتے اور حضرت عمر

سے یہ بعید ہے کہ حد قائم نہ کرنے کی قسم کھائیں۔

بَابٌ لَا يَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ (ص۳۶۱) جب ظلم پر گواہ بنایا جائے تو گواہ نہ بنے

اس باب کے ضمن میں پہلے حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث لائے ہیں، جس میں یہ مذکور ہے کہ ان کے والد نے انہیں کچھ دیا تھا اور اپنی بقیہ اولاد کو نہیں دیا تھا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ حضور اس پر گواہ ہو جائیں، تو فرمایا: ''لَا تُشْهِدْنِي عَلَى جَوْرٍ'' مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ، یا فرمایا: ''لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ'' میں ظلم پر گواہ نہ بنوں گا۔

۱۴۷۷- ح: [خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ] سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ان سے متصل ہیں

۱۴۷۷- سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي أَذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا ہے، پھر اس کے بعد کا ہے۔ حضرت عمران نے کہا: میں نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد دو قرنوں کا ذکر فرمایا یا تین کا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بعد کچھ لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے، امانت دار نہ ہوں گے، گواہی دیں گے حالانکہ وہ گواہ بنائے نہیں گئے ہیں، منت مانیں گے، پوری نہیں کریں گے، ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(بخاری۔ کتاب فضائل الصحابہ۔ باب: اول ص۵۱۵، ج۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: ما يحذر من زهرة الدنيا ص۹۵۱، کتاب الایمان والنذور۔ باب: اثم من لا يفي بالنذر ص۹۹۰، مسلم۔ کتاب الفضائل، نسائی۔ کتاب النذر)

قرن کی تحقیق

''قرنی'' قرن کے لغوی معنی زمانہ ہے، اس سے مراد ایک زمانے کے لوگ جن کی عمریں قریب قریب ہوں، جسے ہماری زمین میں ہم عمر، ہجولی کہتے ہیں۔ برسوں سے اس کی مقدار متعین کرنے میں اہل لغت کے مابین کثیر اختلاف ہے۔ دس سال، بیس سال، تیس سال، چالیس سال، ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال، سو سال، ایک سو بیس سال۔ علامہ عسقلانی نے ستر سال کو اعدل الاقوال قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے:

اعمار امتي ما بين ستين الى سبعين۔ میری اُمت کی عمریں ساٹھ سے لے کر ستر تک ہیں۔

(ترمذی۔ ج۲۔ کتاب الزھد۔ باب: في اعمار هذه الامة ص۵۶، ابن ماجہ۔ کتاب الزھد۔ باب: الامل والاجل ص۳۲۲)

شارحین نے فرمایا کہ قرنی سے مراد صحابہ کرام ہیں اور پہلے ''يلونهم'' سے مراد تابعین اور دوسرے سے تبع تابعین۔ بر بنائے قول مشہور صحابہ کا قرن ۱۲۰ھ یا اس سے کچھ کم و بیش میں حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے وصال پر پورا ہو گیا۔ اس کے بعد ستر اسی سال تک تابعین کا دور رہا، پھر پچاس برس تبع تابعین کا رہا۔ لگ بھگ دو سو بیس ہجری میں تبع تابعین کا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ سب شروع ہو گیا، جو حدیث میں فرمایا۔

اقول هو المستعان: علامہ ابن حجر نے یہی لکھا ہے کہ قرن صحابہ کم و بیش ۱۲۰ھ میں پورا ہو گیا، کیونکہ صحابہ کرام میں سب کے

بعد حضرت ابوالطفیل نے وفات پائی ہے' مگر مجھے ان کے وصال کے بارے میں ۱۲۰ھ کی کوئی روایت نہیں ملی' خود اصابہ میں حضرت علامہ مذکور نے صرف دو قول ذکر فرمائے ہیں: ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ' اگر قول ثانی کو راجح مانا جائے تو قرن صحابہ کا اختتام ۱۱۰ھ میں ہو گیا۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام مطلقاً تمام اُمت سے افضل ہیں اور بعض ایسی احادیث جن سے غیر صحابی کی افضلیت مترشح ہوتی ہے' وہ مؤوّل ہیں' یا تو کوئی خاص جزوی فضیلت مراد ہے یا کسی عمل پر ثواب کی زیادتی مراد ہے' یہ صحابہ کرام کی افضلیت مطلقہ کے معارض نہیں۔ ایمان کے ساتھ حیاتِ ظاہری میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت وہ فضیلت ہے جس کے مماثل اُمت کا کوئی عمل نہیں ہوسکتا' اس لیے کہ فضیلت کی بنیاد قربِ خداوندی اور اس کا حضور و شہود ہے۔ ان میں جتنی زیادتی ہوگی' اسی تناسب سے فضیلت کی زیادتی ہوگی۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت اور صحبت سے جو حضور و شہود حاصل ہوتا ہے' وہ ہزار سالہ عبادت و ریاضت سے بھی نہیں حاصل ہوسکتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہر چیز منور ہوگئی اور جس دن وصال فرمایا' ہر چیز تاریک ہوگئی۔

وَمَا فَرَغنا من دفنه حتى انكرنا قلوبنا. اور ہم دفن سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔

(مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۲۱' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز ص ۱۱۹' ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب المناقب ص ۲۰۲)

ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں "مَا نَفَضْنَا اَيْدِيْنَا" ہے' یعنی ہم نے اپنے ہاتھ سے گرد و غبار جھاڑا بھی نہیں تھا اور ابھی دفن ہی کر رہے تھے کہ اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔ ایک اور حدیث[1] کاتب نبی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ ایک دفعہ رو رہے تھے کہ ان کے قریب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ حضور جنت کا اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے' گویا ہمارے سامنے ہیں اور جب وہاں سے لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں آتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: میرا بھی یہی حال ہے' چلو! رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں۔ دونوں حاضر خدمت ہوئے' حضرت حنظلہ نے سرگزشت سنائی تو ارشاد فرمایا: میری بارگاہ سے اُٹھتے وقت جو تمہاری حالت ہوتی ہے اگر اسی پر ہمیشہ رہو تو مجلسوں' مجمعوں' راستوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرتے' مگر اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہے۔

لَا يَسْتَشْهِدُوْنَ...... (شہادت دینا کب واجب ہے؟)

استشہاد کے ایک معنی ہیں: گواہی دینے کے لیے بلانا' کہنا۔ دوسرا معنی ہے: گواہ بنانا۔ پہلے معنی پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا: ان کو گواہی کے لیے طلب نہ کیا جائے گا اور از خود گواہی دینے پہنچ جائیں گے۔ یہ مشکل احادیث میں سے ہے' اس لیے کہ کبھی گواہی دینی واجب ہوتی ہے اور کبھی مستحب ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ. (البقرہ: ۲۸۳) اور گواہی مت چھپاؤ' جو گواہی چھپائے اس کا دل گنہ گار ہے۔

اس کے برخلاف مسلم[2] میں حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا اخبركم بخير الشهداء الذين يأتون کیا تمہیں سب سے اچھے گواہوں کو نہ بتادوں' یہ وہ ہیں جو

---

[1] ترمذی۔ ج ۲ ص ۷۴۔ ابواب: القيامة [2] مسلم۔ ج ۲ ص ۷۷۔ کتاب الاقضیہ

الشهادة قبل ان يسئلوها. کہنے سے پہلے گواہی دینے آجاتے ہیں۔

علامہ جوزی نے فرمایا کہ پہلی حدیث میں گواہی سے مراد جھوٹی گواہی ہے، اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ فرمایا:

ثُمَّ يفشوا الكذب حتى يشهد الرجُل وَلَا يُسْتَشْهَدُ. اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ آدمی گواہی دے گا، حالانکہ وہ گواہ بنایا نہیں گیا ہے۔

یہ اچھی تطبیق ہے، اس لیے کہ جو موقعہ کے گواہ ہوں گے، مدعی انہیں خود ہی دعویٰ ثابت کرنے کے لیے بلائے گا، بے بلائے جھوٹے گواہ ہی جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ استفعال کو مجرد کے معنی میں لیا جائے، جیسے "استقر"، "قرّ" کے معنی میں۔ اب یہ معنی ہوئے کہ موقع پر موجود نہ تھے، پھر بھی گواہی دیں گے۔ اور دوسرے معنی پر ترجمہ یہ ہوگا: حالانکہ وہ گواہ بنائے نہیں گئے ہیں، جیسے آیت کریمہ میں پہلے "وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ" (البقرہ: ۲۸۳) اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ اب معنی یہ ہوئے کہ بے گواہ بنائے ہوئے گواہی دیں گے۔ حاصل وہی ہوا کہ موقع پر موجود نہ تھے، اور گواہی دیں گے۔ جھوٹی گواہی کی ایک صورت یہ بھی ہے اور یہی معنی ظاہر بھی ہے اور محاورہ قرآن کے مطابق ہونے کی وجہ سے زیادہ قوی بھی۔

يظهر فيهم السمن

یہ کنایہ ہے کثرت مال اور زیادتی تنعم اور ترفہ سے کہ مال و دولت کی بہتات ہوگی۔ عمدہ عمدہ غذائیں خوب کھائیں گے جس کی وجہ سے موٹاپا چھا جائے گا، جس کی وجہ سے اللہ کی یاد اور اللہ کی طرف رغبت اور اس کا خوف کم ہو جائے گا۔ آخرت کے بجائے دنیا میں انہماک ہو جائے گا، جو شرعاً سخت مذموم ہے۔

۱۴۷۸- ح: [خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ]

سب سے اچھے میرے زمانے والے ہیں پھر وہ لوگ جو اس سے متصل ہیں

۱۴۷۸- عَنْ عَبِيْدَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْءُ اَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَيَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَكَانُوْا يَضْرِبُوْنَنَا عَلَى الْيَمِيْنِ وَالْعَهْدِ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سب لوگوں سے بہتر میرے زمانے والے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں، اس کے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جن کی گواہی ان کی قسم پر اور ان کی قسم ان کی گواہی سے آگے بڑھی ہوگی۔ ابراہیم نے کہا کہ لوگ ہم کو قسم اور عہد پر مارتے تھے۔

(بخاری ج کتاب فضائل الصحابہ باب: اول ص ۵۱۵، ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: ما یحذر من زهرة الدنیا ص ۹۵۱، کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا قال اشهد بالله او شهدت بالله ص ۹۸۵، مسلم۔ کتاب الفضائل، ترمذی۔ کتاب المناقب، نسائی۔ کتاب الشروط، ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

تسبق

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی نظر میں شہادت اور عہد کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ بلاضرورت بات بات پر قسم کھائیں گے اور شہادت دیں گے اتنی بے باکی ہوگی کہ کبھی گواہی کا صیغہ پہلے استعمال کریں گے کبھی قسم کا، حالانکہ گواہی کے ساتھ قسم ممنوع ہے، بلکہ وہ گواہی کو بھی بعض علماء کے نزدیک لغو کر دیتی ہے۔

قال ابراهيم

یہ حضرت ابراہیم نخعی ہیں جو حضرت امام اعظم کے شیخ حضرت حماد کے شیخ ہیں۔ بخاری باب فضائل میں یہ زائد ہے: ''ونحن صغار'' ہم بچے تھے تو اشہد باللہ وعلی عہد اللہ کہنے پر ہم کو منع کیا جاتا حتیٰ کہ مارا جاتا' تا کہ یہ تکیہ کلام نہ ہو جائے اور موقع بے موقع زبان پر جاری نہ ہو جایا کرے۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ شَهَادَةِ الزُّوْرِ

جھوٹی گواہی کے بارے میں کیا کہا گیا؟

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ (الفرقان:۷۲) وَكِتْمَانِ الشَّهَادَةِ وَقَوْلُهٗ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌO﴾ (البقرہ:۲۸۳) ﴿تَلْوُوْا﴾ (النساء:۱۳۵) اَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ. (ص ۳۶۲)

اللہ عزوجل کے ارشاد کی وجہ سے: اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے' اور گواہی چھپانے کے بارے کیا کہا گیا: اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا' اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے' اور گواہی دیتے وقت زبانوں کو اینٹھتے (مروڑتے) ہو۔

توضیح باب

باب کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی گواہی کی مذمت میں اور اس پر وعید میں کیا وارد ہے؟ اس سلسلے میں سورۂ فرقان: ۷۲ کی آیت نقل فرمائی' جس میں یہ ہے کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اس آیت میں زُور سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں' ایک یہی جھوٹی گواہی' دوسرے یہ کہ شرک' تیسرے بت' چوتھے گانے کی مجلس' پانچویں جس مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برائی کی جاتی ہو' چھٹے وہ مجلس جس میں گناہ پر عہد و پیمان ہوتا ہو۔ امام بخاری کا مختار یہی ہے کہ اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔ زور کے لغوی معنی ملمع کرنے اور ناحق بات کو اس طرح بنا کر پیش کرنا کہ وہ حق معلوم ہو۔ جھوٹی گواہی نہ دینی' جب قابل مدح ہے تو اسے لازم ہے کہ اس کی ضد یعنی جھوٹی گواہی دینی مذموم ہے۔ ''اَوْ تَلْوُوا'' قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ تَلْوُوْا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا O (النساء:۱۳۵)

اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑو تو اللہ کو تمہارے کرتوتوں کی خبر ہےO

اس کی تفسیر کے لیے امام بخاری نے ''السنتکم'' کا اضافہ کیا' یعنی تم حق بات کے قبول میں جو کلمات کہو وہ زبان اینٹھ کر کہو اور صاف صاف اقرار نہ کرو' یہ مذموم ہے' کیونکہ یہ کتمان حق ہے۔ اسی طرح گواہی چھپانا مذموم ہے کہ یہ بھی کتمان حق ہی ہے۔ یہاں امام بخاری نے ''تلووا'' کے ساتھ ''السنتکم'' کو اس طرح ملا دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ''السنتکم'' بھی آیت کا جز ہے۔ واجب تھا کہ بیچ میں کوئی ایسا کلمہ تحریر فرماتے کہ قرآن و غیر قرآن میں امتیاز رہتا' مثلاً ''یعنی''، ''ای'' وغیرہ۔

۱۴۷۹- ح: [اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ وَغَيْرُهٗ]

بڑے گناہ (یہ ہیں:) شرک وغیرہ

۱۴۷۹- عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: گناہ کبیرہ کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: عقوق الوالدین من الکبائر ص ۸۸۴' کتاب الدیات۔ باب: قول اللّٰہ و من احیاھا ص ۱۰۱۵' مسلم۔ کتاب الایمان' ترمذی۔ کتاب البیوع۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب القضاء۔ کتاب القصاص۔ کتاب التفسیر)

۱۴۸۰- ح: [اَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْاِشْرَاكُ]

سب سے بڑا گناہ شرک ہے

۱۴۸۰- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثًا قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهٗ سَكَتَ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو سب سے بڑا گناہ کبیرہ نہ بتا دوں! تین بار فرمایا' لوگوں نے عرض کیا: ضرور بتائیں! یارسول اللہ! فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی۔ حضور ٹیک لگائے ہوئے تھے' سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی بات سے بچنا' اس کی تکرار پر تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جاتے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: عقوق الوالدین من الکبائر ص ۸۸۴' کتاب الاستیذان۔ باب: من التکابین یدی اصحابہ ص ۹۲۸' دو طریقے سے' کتاب الاستتابۃ المرتدین۔ باب: اوّل ص ۱۰۲۳)

تکمیل

پہلی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کتاب الادب میں یہ زائد ہے:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ قَوْلُ الزُّوْرِ اَوْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ. وَقَالَ شُعْبَةُ اَكْثَرُ ظَنِّیْ اَنَّهٗ قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ.

کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ کبیرہ نہ بتا دوں! فرمایا: جھوٹی بات' یا فرمایا: جھوٹی شہادت۔ شعبہ نے کہا: میرا غالب گمان یہ ہے کہ جھوٹی گواہی فرمایا۔

گناہ کبیرہ کی تعریف اور ان کی تعداد نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲' رقم: ۱۵۹ پر ذکر کی جا چکی ہے۔

عقوق الوالدین

عقوق کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں اور شرعاً نافرمانی کرنے کے ہیں۔ امام نووی نے فرمایا کہ اس سلسلے میں کسی ضابطے پر اب تک میں مطلع نہیں ہو سکا۔ امام ابو محمد بن عبدالسلام نے بھی یہی کہا' مزید یہ بھی کہا کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ ماں باپ کی ہر بات میں فرمانبرداری ضروری نہیں' مثلاً وہ کسی ممنوع شرعی کا حکم دیں تو اطاعت نہیں۔ "لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق" اللہ عزوجل کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔ اس کے باوجود جہاد یا کوئی بھی سفر ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ امام ابوعمرو بن صلاح نے فرمایا: ہر وہ چیز جس سے انہیں ایذاء ہو' عقوق ہے بشرطیکہ وہ واجب نہ ہو۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس مباح کام کا وہ حکم دیں' وہ واجب ہو جاتا ہے' اسے نہ کرنا عقوق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

شَهَادَةُ الزُّوْرِ

جھوٹی گواہی دینے والا جب توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ ہو گیا' اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہمارا اور حضرت امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کے بعد جب صلاح و صدق کے آثار ظاہر ہو جائیں اور یہ یقین ہو جائے کہ اب جھوٹی گواہی نہیں دے گا تو قبول کی جا سکتی ہے۔

بَابُ شَهَادَةِ الْأَعْمٰى وَأَمْرِهٖ وَنِكَاحِهٖ وَإِنْكَاحِهٖ وَمُبَايَعَتِهٖ وَقَبُوْلِهٖ فِي التَّأْذِيْنِ وَغَيْرِهٖ وَمَا يُعْرَفُ بِالْأَصْوَاتِ (ص۳۶۲)

نابینا کی گواہی اور اس کا حکم اور اس کے نکاح اور دوسرے کا نکاح کرنے اور اس کی خرید و فروخت اور اذان وغیرہ میں اس کی بات قبول کرنا اور آوازوں سے کیا پہچانا جاتا ہے؟

ت۵۱۰ - وَأَجَازَ شَهَادَتَهُ الْقَاسِمُ وَالْحَسَنُ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَالزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ.

نابینا کی گواہی کو قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق اور حسن بصری اور ابن سیرین اور زہری اور عطاء نے جائز کہا ہے۔

ت۵۱۱ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ تَجُوْزُ شَهَادَتُهُ إِذَا كَانَ عَاقِلًا.

اور شعبی نے کہا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے جبکہ وہ عاقل ہو۔

ت۵۱۲ - وَقَالَ الْحَكَمُ رُبَّ شَيْءٍ تَجُوْزُ فِيْهِ.

اور حکم نے کہا: بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں جائز ہوگی۔

امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ شعبہ نے حکم بن عتبہ سے نابینا کی گواہی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: بہت سی باتوں میں تخفیف کردی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ کبھی نابینا کی گواہی ایسی باتوں میں جو اس کے لائق ہے، تسامح اور تخفیف کے طور پر قبول کرلی جاتی ہے۔

ت۵۱۳ - وَقَالَ الزُّهْرِيُّ أَرَأَيْتَ ابْنَ عَبَّاسٍ لَوْ شَهِدَ عَلٰى شَهَادَةٍ أَكُنْتَ تَرُدُّهُ.

اور زہری نے کہا: بتاؤ! حضرت ابن عباس اگر کوئی گواہی دیں تو کیا تم اسے رد کردو گے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی چشمانِ مبارک اخیر عمر مبارک میں سفید ہوگئی تھیں۔ اسی بناء پر حضرت امام زہری نے وہ فرمایا۔ نابینا معذوری سے قبل جن باتوں کو دیکھ چکا ہو، اس میں اس کی گواہی مقبول ہے، لیکن اگر معذوری کے وقت کسی واقعے کے وقت موجود تھا تو اس کی گواہی مقبول نہیں۔

ت۵۱۴ - وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَبْعَثُ رَجُلًا إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ أَفْطَرَ وَيَسْأَلُ عَنِ الْفَجْرِ فَإِذَا قِيْلَ طَلَعَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کسی آدمی کو بھیجتے، جب سورج ڈوب جاتا تو افطار کرتے اور فجر کے بارے میں پوچھتے، جب کہا جاتا: فجر طلوع ہوآئی ہے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کسی کو یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجتے کہ سورج ڈوبا یا نہیں۔ جب وہ آکر یہ بتاتا کہ سورج ڈوب گیا، تو وہ افطار کرلیتے، اسی طرح جب کوئی فجر کے طلوع ہونے کی خبر دیتا تو اسے مان لیتے۔ اس میں نہ تو نابینا کی خبر ہے نہ شہادت، بلکہ اس کے برعکس ہے کہ نابینا نے بینا کی خبر قبول کی۔ اسے باب کے اس جزء سے تعلق ہے کہ بولنے والے کو دیکھے بغیر صرف اس کی آواز سن کر عمل کرنا کہاں کہاں جائز ہے۔ حضرت ابن عباس اس شخص کو دیکھتے نہیں تھے، صرف آواز سنتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افطار اور طلوع میں فجر کی آواز سننا کافی ہے، اسے دیکھنا ضروری نہیں۔

ت۵۱۵ - وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ اسْتَأْذَنْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَعَرَفَتْ صَوْتِيْ قَالَتْ سُلَيْمَانُ ادْخُلْ فَإِنَّكَ مَمْلُوْكٌ مَا بَقِيَ عَلَيْكَ شَيْءٌ.

اور سلیمان بن یسار نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاضری کے لیے اذن طلب کیا تو انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ فرمایا: سلیمان ہے؟ اندر آجاؤ، جب تک تم پر کچھ باقی ہے تم مملوک

ہو۔

اس تعلیق پر یہ اشکال ہے کہ سلیمان بن یسار، اُم المؤمنین حضرت میمونہ کے غلام تھے، جنہیں انہوں نے مکاتب بنا دیا تھا، پھر یہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کیسے حاضر ہوئے۔

اس کا جواب سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غلاموں سے پردہ کرنا ضروری نہیں جانتی تھیں، اگرچہ وہ دوسرے کا مملوک ہو۔ امام طحاوی نے سالم سیلان سے روایت کیا کہ انہوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: کیا بات ہے کہ آپ مجھ سے حیا (پردہ) نہیں کرتیں؟ دریافت فرمایا: کیوں؟ عرض کیا: میں نے مکاتبت کر لی ہے، فرمایا: جب تک تم پر کچھ بھی باقی ہے، تم مملوک ہو۔ (شرح معانی الآثار۔ باب: المکاتب متی یعتق ص ۶۵)

ت ۵۱۶ - وَاَجَازَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ شَهَادَةَ امْرَاَةٍ مُنْتَقِبَةٍ.

اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نقاب پوش عورت کی شہادت جائز رکھی۔

اس کے برعکس ابو عبداللہ بن مندہ نے کتاب الصحابہ میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاتون نے نقاب ڈالے ہوئے کلام کیا تو فرمایا: نقاب ہٹا لے، کیونکہ اس قسم کی بات کے وقت بے نقاب رہنا ایمان سے ہے۔

۱۴۸۱ - ح: [لَقَدْ اَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً]

اس نے مجھ کو فلاں آیت یاد دلا دی

۱۴۸۱ - عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا وَزَادَ عَبَّادُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَهَجَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي فَسَمِعَ صَوْتَ عَبَّادٍ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَصَوْتُ عَبَّادٍ هٰذَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تھے) کہ ایک صاحب کی آواز سنی، جو مسجد میں قرآن پڑھ رہے تھے تو فرمایا: اللہ اس پر رحم فرمائے! اس نے مجھے فلاں آیت فلاں فلاں سورت کی یاد دلا دی، جو میرے ذہن سے نکل چکی تھیں۔ عباد بن عبداللہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے یہ زائد کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تہجد پڑھ رہے تھے تو عباد کی آواز سنی، وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، دریافت فرمایا: اے عائشہ! کیا یہ عباد کی آواز ہے! میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اے اللہ! عباد پر رحم فرما!

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: نسیان القرآن ص ۷۵۳، باب: من لم یر باسًا ان یقول سورۃ البقرۃ ص ۷۵۳، کتاب الدعوات۔ باب: قول اللہ تبارک و تعالی وصل علیھم ص ۹۳۸)

یہ حقیقت میں دو قصے ہیں، ہشام والی حدیث کا قصہ، عباد بن عبداللہ کے قصے سے الگ ہے۔ ہشام والی حدیث میں یہ صاحب حضرت عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ مروی ہے کہ عبداللہ بن یزید مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: عبداللہ بن یزید ہیں، تو فرمایا: اللہ اس پر رحم فرمائے! اس نے مجھے فلاں آیت یاد دلا دی، جسے میں بھول گیا تھا۔

یہاں "آیة كذا من سورة كذا و كذا" ہے فلاں آیت فلاں فلاں سورت کی، اور فضائل القرآن میں "آية كذا و كذا من سورة كذا" ہے فلاں فلاں آیت فلاں سورۃ کی ہے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوا کہ نسیان صرف ایک ایسی آیت کا ہوا تھا جو

متعدد سورتوں میں ہے اور دوسری صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ہی سورت کی متعدد آیتوں کا نسیان ہوا تھا۔ اس حدیث کے تحت علامہ بدرالدین عینی نے لکھا:

وفیه جواز النسیان علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیما بلّغه الی الامة.

اس حدیث سے یہ افادہ ہوا کہ نبی ﷺ نے اُمت تک جو پیغام پہنچایا ہے اس میں نسیان ہوا ہے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۳ ص ۲۲۱)

اس موضوع پر تفصیلی بحث میری کتاب ''تحقیقات'' میں ملاحظہ کریں۔

بَابُ شَهَادَةِ الْإِمَاءِ وَالْعَبِيْدِ (ص ۳۶۳)

لونڈیوں اور غلاموں کی گواہی

ت۵۱۷ - وَقَالَ اَنَسٌ شَهَادَةُ الْعَبْدِ جَآئِزَةٌ اِذَا كَانَ عَدْلًا.

غلام کی گواہی جائز ہے جب کہ وہ عادل ہو۔

ت۵۱۸ - وَاَجَازَهٗ شُرَيْحٌ وَّزُرَارَةُ بْنُ اَوْفٰى.

اور اسے قاضی شریح اور زرارہ بن اوفی نے جائز کہا۔

ت۵۱۹ - وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ شَهَادَتُهٗ جَآئِزَةٌ اِلَّا الْعَبْدَ لِسَيِّدِهٖ.

ابن سیرین نے کہا: غلام کی شہادت جائز ہے مگر اپنے آقا کے لیے۔

ت۵۲۰ - وَاَجَازَهُ الْحَسَنُ وَاِبْرَاهِيْمُ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ.

اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے معمولی چیز میں اس کی گواہی جائز رکھی۔

ت۵۲۱ - وَقَالَ شُرَيْحٌ كُلُّكُمْ بَنُو عَبِيْدٍ وَّاِمَآءٍ.

اور شریح نے کہا: تم سب غلاموں اور کنیزوں کی اولاد ہو۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔ عمار ذہبی نے کہا: قاضی شریح کے یہاں ایک غلام نے گواہی دی تو انہوں نے اسے قبول فرمالیا، اس پر عرض کیا گیا کہ یہ غلام ہے، تو فرمایا: ہم سب غلام ہیں، ہماری ماں حواء ہیں۔

امام سعید بن منصور نے قاضی شریح کا یہ جواب نقل فرمایا: ہم سب غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ ہر مرد اللہ عزوجل کا بندہ ہے اور ہر عورت اس کی کنیز۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ غلام اور باندی کی گواہی مقبول نہیں۔ صحابہ میں سے حضرت فاروق اعظم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی مذہب یہی ہے اور بعد کے ائمہ میں سے امام عطاء، امام مکحول، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

بَابُ تَعْدِيْلِ النِّسَآءِ بَعْضِهِنَّ بَعْضًا (ص ۳۶۳)

بعض عورتوں کا بعض کو عادل بتانا

۱۴۸۲ - ح: [اَلْاِفْكُ]

براءت (افک)

۱۴۸۲ - عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ وَعُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالَ لَهَا اَهْلُ الْاِفْكِ مَا قَالُوْا فَبَرَّاَهَا اللّٰهُ مِنْهُ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَكُلُّهُمْ حَدَّثَنِيْ طَآئِفَةً مِّنْ حَدِيْثِهَا وَبَعْضُهُمْ اَوْعٰى مِنْ بَعْضٍ وَّاَثْبَتُ لَهٗ

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی رفیقہ حیات سے مروی ہے، جبکہ اہل افک نے ان کے بارے میں کہا جو کہا تو اللہ عزوجل نے ان کی براءت بیان فرمائی۔ امام زہری نے کہا: اور ان سبھوں نے ام المؤمنین کی حدیث کا کچھ حصہ مجھ سے بیان کیا ہے، اور ان میں سے بعض بعض سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں اور بیان کرنے میں زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ اور میں نے ان میں سے

اقْتِصَاصًا وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمُ الْحَدِيْثَ الَّذِيْ حَدَّثَنِيْ عَنْ عَآئِشَةَ وَبَعْضُ حَدِيْثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا زَعَمُوْا اَنَّ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ اَزْوَاجِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ فَاَقْرَعَ بَيْنَنَا فِيْ غَزَاةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ سَهْمِيْ فَخَرَجْتُ مَعَهٗ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَاَنَا اُحْمَلُ فِيْ هَوْدَجٍ وَّاُنْزَلُ فِيْهِ فَسِرْنَا حَتّٰى اِذَا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَتِهٖ تِلْكَ وَقَفَلَ وَدَنَوْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ اٰذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيْلِ فَقُمْتُ حِيْنَ اٰذَنُوْا بِالرَّحِيْلِ فَمَشَيْتُ حَتّٰى جَاوَزْتُ الْجَيْشَ فَلَمَّا قَضَيْتُ شَاْنِيْ اَقْبَلْتُ اِلَى الرَّحْلِ فَلَمَسْتُ صَدْرِيْ فَاِذَا عِقْدٌ لِّيْ مِنْ جَزْعِ اَظْفَارٍ قَدِ انْقَطَعَ فَرَجَعْتُ فَالْتَمَسْتُ عِقْدِيْ فَحَبَسَنِي ابْتِغَاؤُهٗ فَاَقْبَلَ الَّذِيْنَ يُرَحِّلُوْنَ لِيْ فَاحْتَمَلُوْا هَوْدَجِيْ فَرَحَلُوْهُ عَلٰى بَعِيْرِيَ الَّذِيْ كُنْتُ اَرْكَبُ وَهُمْ يَحْسِبُوْنَ اَنِّيْ فِيْهِ وَكَانَ النِّسَآءُ اِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَّمْ يَثْقُلْنَ وَلَمْ يَغْشَهُنَّ اللَّحْمُ وَاِنَّمَا يَاْكُلْنَ الْعُلْقَةَ مِنَ الطَّعَامِ فَلَمْ يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ حِيْنَ رَفَعُوْهُ ثِقَلَ الْهَوْدَجِ فَاحْتَمَلُوْهُ وَكُنْتُ جَارِيَةً حَدِيْثَةَ السِّنِّ فَبَعَثُوا الْجَمَلَ وَسَارُوْا فَوَجَدْتُّ عِقْدِيْ بَعْدَ مَا اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ فَجِئْتُ مَنْزِلَهُمْ وَلَيْسَ فِيْهِ اَحَدٌ فَاَمَمْتُ مَنْزِلِيَ الَّذِيْ كُنْتُ بِهٖ فَظَنَنْتُ اَنَّهُمْ سَيَفْقِدُوْنَنِيْ فَيَرْجِعُوْنَ اِلَيَّ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسَةٌ غَلَبَتْنِيْ عَيْنَايَ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْجَيْشِ فَاَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِيْ فَرَاٰى سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ فَاَتَانِيْ وَكَانَ يَرَانِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ فَوَطِئَ يَدَهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُوْدُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُعَرِّسِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلَّى الْاِفْكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ ابْنُ

ہر ایک کی بیان کی ہوئی حدیث کو یاد رکھا' جو انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کی ہے اور بعض کی بیان کردہ حدیث دوسرے کی تصدیق کرتی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے بارے میں قرعہ ڈالتے' جن کے نام کا قرعہ نکلتا' انہیں ہم راہ لے جاتے۔ ایک غزوہ کے موقعہ پر قرعہ ڈالا تو میرا نام نکلا' میں حضور کے ساتھ گئی' یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج ہی میں رہتی اور مجھے سوار کرایا جاتا اور سواری سے اتارا جاتا' ہم چلے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے سے فارغ ہو گئے اور لوٹ رہے تھے' جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک رات کوچ کرنے کے لیے اعلان فرمایا' کوچ کے اعلان کے بعد میں اُٹھی اور قضائے حاجت کے لیے لشکر کے باہر چلی گئی۔ رفع حاجت کر کے جب میں واپس ہوئی اور کجاوہ کے قریب پہنچی تو اپنے سینے کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر گر پڑا ہے' جو جزع اظفار کا تھا۔ اس لیے میں لوٹی اور ہار تلاش کرنے لگی' اس کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی۔ اس درمیان وہ لوگ آئے جو میرا ہودج اُٹھانے اور باندھنے پر مامور تھے' تو انلوگوں نے میرا ہودج اُٹھا کر اس اونٹ پر باندھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی۔ ان کا گمان یہ تھا کہ میں ہودج میں ہوں' اس وقت عورتیں دبلی ہلکی تھیں' وہ بھاری بدن نہ تھیں' ان پر گوشت نہیں چڑھا تھا' کیونکہ کھانا تھوڑی مقدار میں کھاتی تھیں' اس لیے ہودج اُٹھانے والوں کو ہودج کے وزن کی کمی کا احساس نہ ہوا اور انہوں نے ہودج اُٹھا لیا اور میں اس وقت نوعمر بچی تھی۔ ان لوگوں نے اونٹ اُٹھایا اور چل دیئے۔ لشکر کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنا ہار پایا' اور میں ان کی قیام گاہ پر آئی تو وہاں کسی کو نہیں پایا' میں بالقصد وہیں آ گئی جہاں ٹھہری تھی۔ میں نے سوچا کہ جب لوگ مجھے ہودج میں نہیں پائیں گے تو یہیں لوٹ کر تلاش کے لیے آئیں گے' میں بیٹھی تھی کہ مجھ پر نیند نے غلبہ کیا اور میں سو گئی' اور صفوان بن معطل سلمی ذکوانی لشکر کے پیچھے تھے' صبح کے وقت میرے قیام کی

سَلُولَ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاشْتَكَيْتُ بِهَا شَهْرًا وَّالنَّاسُ يُفِيضُونَ مِنْ قَوْلِ اَصْحَابِ الْاِفْكِ وَيَرِيبُنِي فِي وَجَعِي اَنِّي لَا اَرٰى مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللُّطْفَ الَّذِي كُنْتُ اَرٰى مِنْهُ حِيْنَ اَمْرَضُ اِنَّمَا يَدْخُلُ فَيُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُوْلُ كَيْفَ تِيكُمْ لَا اَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰى نَقِهْتُ فَخَرَجْتُ اَنَا وَاُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ مُتَبَرَّزُنَا لَا نَخْرُجُ اِلَّا لَيْلًا اِلٰى لَيْلٍ وَّذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تَتَّخِذَ الْكُنُفَ قَرِيبًا مِّنْ بُيُوْتِنَا وَاَمْرُنَا اَمْرُ الْعَرَبِ الْاُوَلِ فِي الْبَرِّيَّةِ اَوْ فِي التَّنَزُّهِ فَاَقْبَلْتُ اَنَا وَاُمُّ مِسْطَحٍ بِنْتُ اَبِي رُهْمٍ نَمْشِي فَعَثَرَتْ فِي مِرْطِهَا فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا بِئْسَ مَا قُلْتِ اَتَسُبِّيْنَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا فَقَالَتْ يَا هَنْتَاهُ اَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالُوْا فَاَخْبَرَتْنِي بِقَوْلِ اَهْلِ الْاِفْكِ فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلٰى مَرَضِي فَلَمَّا رَجَعْتُ اِلٰى بَيْتِي دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تِيكُمْ فَقُلْتُ ائْذَنْ لِيْ اٰتِ اَبَوَيَّ قَالَتْ وَاَنَا حِيْنَئِذٍ اُرِيْدُ اَنْ اَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا فَاَذِنَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُ اَبَوَيَّ فَقُلْتُ لِاُمِّيْ مَا يَتَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّةُ هَوِّنِيْ عَلٰى نَفْسِكِ الشَّاْنَ فَوَاللّٰهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ قَطُّ وَضِيئَةٌ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ اِلَّا اَكْثَرْنَ عَلَيْهَا فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَقَدْ تَحَدَّثَ النَّاسُ بِهٰذَا قَالَتْ فَبِتُّ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتّٰى اَصْبَحْتُ لَا يَرْقَاُ لِيْ دَمْعٌ وَّلَا اَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ ثُمَّ اَصْبَحْتُ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَّاُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ حِيْنَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَشِيْرُهُمَا فِيْ فِرَاقِ اَهْلِهٖ فَاَمَّا اُسَامَةُ فَاَشَارَ عَلَيْهِ بِالَّذِيْ يَعْلَمُ فِيْ نَفْسِهٖ مِنَ الْوُدِّ لَهُمْ قَالَ اُسَامَةُ اَهْلُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا نَعْلَمُ وَاللّٰهِ اِلَّا خَيْرًا وَاَمَّا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يُضَيِّقِ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيْرٌ وَّسَلِ الْجَارِيَةَ

جگہ پہنچے تو ایک سونے والے انسان کو دیکھا‘ وہ میرے قریب آئے‘ انہوں نے حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔ میں ان کے انا للہ پڑھنے سے جاگ گئی‘ انہوں نے اپنا اونٹ بٹھا کر اس کے اگلے پاؤں کو دبائے رکھا‘ یہاں تک کہ میں سوار ہو گئی۔ اب وہ پیدل چلے اور میری سواری کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے‘ یہاں تک کہ ہم لشکر میں اس وقت پہنچے جبکہ وہ لوگ عین ظہر کے وقت منزل پر اتر چکے تھے۔ اس کے بعد جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور افتراء پردازی کرنے والوں کا میر کارروان عبداللہ بن اُبَی ابن سلول تھا۔ ہم مدینہ آئے تو میں ایک مہینے تک علیل رہی اور بہتان طرازوں کی باتیں لوگوں میں پھیلتی رہیں۔ دوران علالت اس بات سے مجھے کچھ شبہ ہوتا کہ ان دنوں میں نبی ﷺ کی جانب سے وہ مہربانی نہیں دیکھتی تھی جو اور علالت کے دنوں میں دیکھا کرتی تھی۔ بس اتنا ہوتا کہ حضور تشریف لاتے اور سلام کرتے‘ پھر دریافت فرماتے: کیسی ہو؟ اور مجھے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں ہوئی‘ بیماری کی وجہ سے میں کمزور ہو گئی۔ میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے میدان میں جانے کے لیے نکلیں‘ ہم صرف رات ہی رات کو نکلتی تھیں۔ گھروں کے قریب بیت الخلاء بنائے جانے سے پہلے ہمارا طریقہ پہلے عرب والوں کا طریقہ تھا کہ میدان میں جاتے تھے۔ میں اور ام مسطح بنت ابورہم نکلیں اور ہم چل رہی تھیں‘ کہ ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑی۔ اس پر اس نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے! میں نے اس سے کہا: تم نے بری بات کہی ہے‘ بدر میں شریک ہونے والے مجاہد کو برا کہتی ہے‘ تو اس نے کہا: اے حضورا! کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو وہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ اب اس نے افتراء پردازوں کی بات مجھے بتائی‘ تو بیماری پر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب میں لوٹ کر گھر آئی اور رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم کیسی ہو؟ میں نے عرض کیا: مجھے اجازت دیں کہ اپنے والدین کے گھر جاؤں‘ میرا مقصد یہ ہے کہ میں اپنے والدین سے اس خبر کی تحقیق کروں‘ تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی‘ اس کے بعد میں اپنے والدین کے گھر چلی گئی‘ میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا: لوگ کیا کہہ

تَصَدَّقُكَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِيْرَةَ فَقَالَ يَا بَرِيْرَةُ هَلْ رَاَيْتِ فِيْهَا شَيْئًا يَّرِيْبُكِ فَقَالَتْ بَرِيْرَةُ لَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنْ رَّاَيْتُ مِنْهَا اَمْرًا اَغْمِصُهٗ عَلَيْهَا قَطُّ اَكْثَرَ مِنْ اَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنِ الْعَجِيْنِ فَيَاْتِي الدَّاجِنُ فَيَاْكُلُهٗ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَّوْمِهٖ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ سَلُوْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّعْذُرُنِيْ مِنْ رَّجُلٍ بَلَغَنِيْ اَذَاهُ فِيْ اَهْلِيْ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا وَّقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَّا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا وَّمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا مَعِيْ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا وَاللّٰهِ اَعْذِرُكَ مِنْهُ اِنْ كَانَ مِنَ الْاَوْسِ ضَرَبْنَا عُنُقَهٗ وَاِنْ كَانَ مِنْ اِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ اَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا فِيْهِ اَمْرَكَ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزْرَجِ وَكَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ رَجُلًا صَالِحًا وَّلٰكِنِ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِيَّةُ فَقَالَ كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰهِ لَا تَقْتُلُهٗ وَلَا تَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ فَقَامَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فَقَالَ كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَنَقْتُلَنَّهٗ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِيْنَ فَثَارَ الْحَيَّانِ الْاَوْسُ وَالْخَزْرَجُ حَتّٰى هَمُّوْا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَلَ فَخَفَّضَهُمْ حَتّٰى سَكَتُوْا وَسَكَتَ وَبَكَيْتُ يَوْمِيْ لَا يَرْقَاُ لِيْ دَمْعٌ وَّلَا اَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ فَاَصْبَحَ عِنْدِيْ اَبَوَايَ وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا حَتّٰى اَظُنُّ اَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ كَبِدِيْ قَالَتْ فَبَيْنَا هُمَا جَالِسَانِ عِنْدِيْ وَاَنَا اَبْكِيْ اِذِ اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَذِنْتُ لَهَا فَجَلَسَتْ تَبْكِيْ مَعِيْ فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ اِذْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِيْ مِنْ يَّوْمِ قِيْلَ لِيْ مَا قِيْلَ قَبْلَهَا وَقَدْ مَكَثَ شَهْرًا لَّا يُوْحٰى اِلَيْهِ فِيْ شَاْنِيْ شَيْءٌ قَالَتْ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ يَا عَائِشَةُ فَاِنَّهٗ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْكِ

رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا: اے بیٹی! اس سے اثر نہ لو' بخدا! جب کوئی عورت خوبصورت ہو اور شوہر اس سے محبت کرتا ہو اور اس کی سوکنیں ہوں تو اس کے بارے میں اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے' میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگ یہ کہتے پھر رہے ہیں۔ اس رات کو صبح تک نہ میرا آنسو تھمتا تھا اور نہ مجھے نیند آتی تھی۔ اس کی صبح کو رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابوطالب اور اسامہ بن زید کو بلایا' جبکہ وحی آنے میں تاخیر ہوگئی۔ ان لوگوں کو اس لیے بلایا تھا کہ اپنی اہل سے جدائی کے بارے میں مشورہ فرمائیں۔ اسامہ چونکہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور کی محبت کو جانتے تھے' اس لیے اس کے مطابق اشارہ کیا اور عرض کیا: وہ آپ کی اہل ہیں' یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! ان کے بارے میں اچھائی کے سوا ہم اور کچھ نہیں جانتے۔ اور حضرت علی بن ابوطالب نے یہ عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ آپ کو تنگی میں ہرگز نہیں ڈالے گا اور عورتیں ان کے سوا بہت ہیں اور حضور کنیز سے دریافت فرمالیں' وہ سچی بات بتادے گی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور دریافت فرمایا: اے بریرہ! کیا تو نے ان میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تجھے شبہے میں ڈالے؟ بریرہ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی ہے جو قابل اعتراض ہو' سوائے اس کے کہ وہ نوعمر ہیں' آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری کھا جاتی ہے۔

اس کے بعد اس دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کے مقابلے میں مدد کے خواستگار ہوئے اور فرمایا: اس شخص کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا؟ میری رفیقۂ حیات کے بارے میں' جس کی اذیت ناک باتیں مجھ تک پہنچی ہیں' اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں جانتا' اور لوگوں نے ایسے شخص کا نام لیا ہے جس کے بارے میں بھی اچھائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور میرے گھر میں جب بھی جاتا میرے ساتھ جاتا۔ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان کے مقابلے میں حضور کی مدد کروں گا' اگر وہ آدمی اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور

كَذَا وَكَذَا فَاِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ وَاِنْ كُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِى اللّٰهَ وَتُوْبِىْ اِلَيْهِ فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهٖ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ قَلَصَ دَمْعِى حَتّٰى مَا اُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً وَّقُلْتُ لِاَبِىْ اَجِبْ عَنِّىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِىْ مَا اَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لِاُمِّىْ اَجِيْبِىْ عَنِّىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا قَالَ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِىْ مَا اَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَاَنَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ لَا اَقْرَاُ كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَقُلْتُ اِنِّىْ وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّكُمْ سَمِعْتُمْ مَّا يَتَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ وَوَقَرَ فِىْ اَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ اِنِّىْ بَرِيْئَةٌ وَّاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنِّىْ لَبَرِيْئَةٌ لَّا تُصَدِّقُوْنِىْ بِذٰلِكَ وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِاَمْرٍ وَّاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنِّىْ بَرِيْئَةٌ لَّتُصَدِّقُنِّىْ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُ لِىْ وَلَكُمْ مَّثَلًا اِلَّا اَبَا يُوْسُفَ اِذْ قَالَ ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ (یوسف:۱۸) ثُمَّ تَحَوَّلْتُ عَلٰى فِرَاشِىْ وَاَنَا اَرْجُوْ اَنْ يُّبَرِّئَنِى اللّٰهُ وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ مَا ظَنَنْتُ اَنْ يُّنْزِلَ فِىْ شَاْنِىْ وَحْيٌ وَّلَاَنَا اَحْقَرُ فِىْ نَفْسِىْ مِنْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِالْقُرْاٰنِ فِىْ اَمْرِىْ وَلٰكِنِّىْ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنْ يَّرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى النَّوْمِ رُؤْيَا تُبَرِّئُنِى اللّٰهُ فَوَاللّٰهِ مَا رَامَ مَجْلِسَهٗ وَلَا خَرَجَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَيْتِ حَتّٰى اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْىُ فَاَخَذَهٗ مَا كَانَ يَاْخُذُهٗ مِنَ الْبُرَحَاءِ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجُمَانِ مِنَ الْعَرَقِ فِىْ يَوْمٍ شَاتٍ فَلَمَّا سُرِّىَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَكَانَ اَوَّلَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا اَنْ قَالَ لِىْ يَا عَائِشَةُ اِحْمَدِى اللّٰهَ فَقَدْ بَرَّاَكِ اللّٰهُ فَقَالَتْ لِىْ اُمِّىْ قُوْمِىْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَا اَقُوْمُ اِلَيْهِ وَلَا اَحْمَدُ

اگر ہمارے بھائیوں خزرج میں سے ہے تو ہمیں حکم دیجئے' ہم آپ کے حکم کے مطابق عمل کریں۔ یہ سن کر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور وہ خزرج کے سردار تھے' اس سے پہلے وہ نیک انسان تھے' اس وقت پاسداری نے انہیں مشتعل کر دیا' انہوں نے کہا: تو نے غلط کہا' بخدا! نہ تو اسے قتل کر سکتا ہے اور نہ اس کی قدرت رکھتا ہے۔ اب حضرت اسید بن حضیر کھڑے ہو گئے اور کہا: تو نے غلط کہا' بخدا! ہم اسے قتل کر دیں گے' تو منافق ہے اور منافقین کی پاسداری میں لڑتا ہے۔ اب اوس وخزرج کے دونوں قبیلے مشتعل ہو گئے اور لڑنے پر تل گئے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما رہے' آپ نیچے تشریف لائے اور حاضرین کو ٹھنڈا کیا' یہاں تک کہ وہ لوگ خاموش ہو گئے اور حضور بھی خاموش ہو گئے۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: اور میں دن بھر روتی نہ میرا آنسو تھمتا تھا اور نہ مجھے نیند آتی تھی' میں اپنے والدین کے یہاں رات بھر اور دن بھر روئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گریہ میرے جگر کو پھاڑ دے گا' میں اپنے والدین کے یہاں بیٹھی رو رہی تھی کہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت طلب کی' میں نے اجازت دے دی۔ وہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئیں اور میرے ساتھ رونے لگیں' ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے' جس دن سے یہ افواہ پھیلی تھی آج تک حضور کبھی میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک مہینے تک میرے بارے میں وحی کا نزول رُکا رہا۔ حضور نے بیٹھنے کے بعد شہادتین پڑھا' پھر فرمایا: اے عائشہ! تیرے بارے میں میرے پاس ایسی ایسی بات پہنچی ہے' اگر تو بری ہے تو بہت جلد اللہ تیری براءت بیان فرمائے گا اور اگر بالفرض تو گناہ سے آلودہ ہے تو اللہ سے استغفار کر اور اس کی طرف رجوع کر' کیونکہ بندہ جب گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' جب رسول اللہ ﷺ اپنی بات پوری فرما چکے تو میرا آنسو تھم گیا' یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوا' میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ میری طرف سے آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں' انہوں نے فرمایا: بخدا! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا عرض

إِلَّا اللهُ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ الْآيَاتِ (النور: ۱۱) فَلَمَّا أَنْزَلَ اللهُ هٰذَا فِي بَرَاءَتِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحِ بْنِ أُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ مَا قَالَ لِعَائِشَةَ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور: ۲۲) فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ بَلٰى وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لِي فَرَجَعَ إِلٰى مِسْطَحٍ الَّذِي كَانَ يُجْرِي عَلَيْهِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ عَنْ أَمْرِي فَقَالَ يَا زَيْنَبُ مَا عَلِمْتِ مَا رَأَيْتِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا خَيْرًا قَالَتْ وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي فَعَصَمَهَا اللهُ بِالْوَرَعِ.

(بخاری کتاب الہبہ۔ باب: هبة المرأة بغير زوجها ص ۳۵۳، کتاب الشہادات۔ باب: اذا عدل رجل احدًا ص ۳۵۹، باب: القرعة في المشكلات ص ۳۷۰، کتاب الجہاد۔ باب: حمل الرجل امرأة في الغزو ص ۴۰۳، کتاب المغازی۔ باب ص ۵۷۳، کتاب المغازی۔ باب: حديث الافك ص ۵۹۳، کتاب التفسیر۔ یوسف۔ باب: قال بل سولت لكم انفسكم امرا ص ۶۷۹، سورۂ نور۔ باب: قوله عزوجل: ان الذين جاء وا بالافك ص ۶۹۶، باب: ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة ص ۶۹۹، کتاب الایمان والنذور باب: قول الرجل لعمر الله ص ۹۸۵، باب: اليمين فيما لا يملك ص ۹۸۸، کتاب الاعتصام۔ باب: قول الله: وامرهم شورى بينهم ص ۱۰۹۶، دوطریقے سے، کتاب التوحید۔ باب: يريدون ان يبدلوا كلام الله ص ۱۱۱۷، باب: قول النبي الماهر بالقرآن مع سفرة الكرام ص ۱۱۲۶، مسلم کتاب التوبہ۔ کتاب فضائل صحابہ۔ کتاب النکاح، نسائی۔ کتاب عشرة النساء، ابن ماجہ۔ کتاب النکاح۔ کتاب الاحکام، دارمی۔ کتاب الجہاد۔ کتاب النکاح، مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۷، وغیرہ)

کروں؟ پھر میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں، انہوں نے بھی وہی کہا: بخدا! میری بھی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں؟ اب میں نے عرض کیا اور میں نوعمر بچی تھی، ابھی بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا، میں نے عرض کیا: میرے علم میں یہ بات آ چکی ہے کہ آپ حضرات نے وہ سب سن لیا ہے، جو لوگ کہتے پھر رہے ہیں اور وہ آپ حضرات کے دل میں بیٹھ چکی ہے اور آپ حضرات نے اسے سچ سمجھ لیا ہے، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے ضرور بلاشبہہ بری ہوں، تو آپ حضرات مجھے سچا نہیں جانیں گے اور اگر میں اس بات کا اعتراف کرلوں، حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ حضرات مجھے سچا مان لیں گے، بخدا! میں اپنی اور آپ حضرات کی مثل یوسف (علیہ السلام) کے والد کے علاوہ اور کوئی نہیں پاتی، جبکہ انہوں نے فرمایا تھا: بس اچھا صبر ہی خوب ہے، ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اپنے بچھونے پر کروٹ بدل لی، اور میں اُمید کرتی تھی کہ اللہ میری براءت بیان فرمائے گا، مگر بخدا! میں یہ گمان نہیں کرتی تھی کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوگی اور میں اپنے آپ کو اس رتبے کا نہیں جانتی تھی کہ میرے بارے میں قرآن کلام فرمائے گا۔ ہاں! مجھے یہ اُمید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب دکھایا جائے گا جس میں اللہ میری براءت بیان فرمائے گا۔ بخدا! حضور اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہیں تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی باہر گیا تھا کہ حضور پر وحی نازل ہونے لگی اور حضور پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری ہوتی تھی کہ سردی کے دنوں میں بھی موتی کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ جب وحی کی کیفیت رسول اللہ ﷺ سے فرو ہوئی تو حضور مسکرا رہے تھے، سب سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ مجھ سے فرمایا: اے عائشہ! اللہ کا شکر کر! بے شک اللہ نے تیری پاک دامنی بیان فرمادی۔ اس پر میری والدہ نے مجھ سے فرمایا: کھڑی ہو! رسول اللہ کی خدمت

میں حاضر ہو۔ میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوں گی اور سوائے اللہ کے اور کسی کا شکر نہیں ادا کروں گی۔ اس وقت اللہ عزوجل نے یہ دس آیتیں نازل فرمائیں: اور یہ بڑا بہتان لانے والے تمہیں میں سے ایک گروہ ہے' بقیہ آیتیں' جب اللہ نے میری براءت میں یہ نازل فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: میں مسطح کو کبھی کچھ نہ دوں گا' کیونکہ اس نے عائشہ کو وہ کہا ہے' اور وہ مسطح بن اُثاثہ کو دیا کرتے تھے رشتہ داری کی بناء پر۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ نازل فرمایا: تم میں جو لوگ مال دار اور فراخ رزق ہیں' وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں اور مہاجرین کو کچھ نہیں دیں گے' پوری آیت ''غفور رحیم تک''۔ اب حضرت ابوبکر نے کہا: ہاں' بخدا! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے اور مسطح کو وہ دینا جاری کر دیا جو پہلے عطا فرماتے تھے' اور رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش سے میرے معاملے میں دریافت فرمایا تھا اور پوچھا تھا: اے زینب! تم کیا جانتی ہو! تم نے کیا دیکھا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں' بخدا! میں اس (عائشہ) میں اچھائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: یہی وہ تھی جو میری برابری کرتی تھی' پرہیزگار ہونے کی وجہ سے اللہ نے انہیں بچالیا۔

فَافهمنِي بعضه احمد

سند میں امام بخاری نے لکھا تھا: ابوالربیع سلیمان بن داؤد نے ہم سے حدیث بیان کی اور اس کے بعض کو احمد نے سمجھایا' اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ابوالربیع کی طرح احمد بھی فلیح سے روایت کرتے ہوں اور امام بخاری نے ابوالربیع اور احمد دونوں سے کیفیت مذکورہ پر روایت کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ احمد' امام بخاری کے ہم سبق ہوں۔ امام بخاری کی طرح احمد نے بھی ابوالربیع سے یہ حدیث سنی ہو۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہی اقرب ہے۔ اگر پہلی صورت ہوتی تو ''قال'' کے بجائے ''قالا'' فرماتے۔

اهل الافك......(افک کے معنی)

افک میں مشہور لغت یہی ہے' ہمزہ کو کسرہ اور فا ساکن' مگر دوسری لغت ہمزہ اور فا کے فتحہ کے ساتھ بھی آئی ہے' اس کے معنی بھاری بہتان اور مطلق بہتان باندھنے کے ہیں' یہ بہتان باندھنے والے چار مرد تھے: رأس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول' حضرت حسان بن ثابت' حضرت مسطح بن اُثاثہ اور عبداللہ ابو احمد اور ایک عورت حمنہ بنت جحش' اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن۔

اس فتنے کا بانی مبانی رأس المنافقین تھا' اسی نے اس کی ابتداء کی اور یہی اسے کرید کرید کر ابھارتا رہتا تھا۔ اور قول مختار یہی ہے

کہ آیت کریمہ "الَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ" سے مراد یہی شقی ازلی ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت حسان مراد ہیں۔

وَکُلُّھُمْ حدثنی

امام زہری نے اس طویل حدیث کے مختلف اجزاء کو چار مشائخ سے لیا ہے: عروہ بن زبیر' سعید بن مسیب' علقمہ بن وقاص لیثی اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ' ان حضرات سے سنے ہوئے اجزاء کو ترتیب کے ساتھ ملا کر اس طرح روایت کیا کہ اس اہم واقعہ کی ساری جزئیات ذہن میں آ جاتی ہیں۔

فی غزوۃ غزاھا......(یہ واقعہ کس غزوہ میں پیش آیا؟)

اس سے مراد غزوۂ بنی مصطلق ہے جسے غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں' جو بر بنائے قول راجح شعبان ۵ ھ میں ہوا تھا۔

(نزہۃ القاری۔ ج ا ص ۶۸۲' رقم: ۲۳۰۵)

من جزع اظفار......(جزع اظفار)

جزع عقیق کی ایک قسم ہے' جس کی سیاہی میں سفید رگوں کی طرح لکیریں ہوتی ہیں' پتھروں میں سب سے سخت ہوتا ہے' روغن زیتون میں پکانے سے اس کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔ مشہور ہے کہ اس کا پہننے والا غم واندوہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر بچے کو پہنا دیا جائے تو اس کی رال بہت بہتی ہے۔ دردِزہ میں مبتلا عورت کے بال پر پھیر دیا جائے تو بچے کی پیدائش میں آسانی ہوگی۔

یمن کے علاقے میں ظفار ایک جگہ کا نام ہے' جہاں یہ عقیق بہ کثرت پیدا ہوتا ہے اور چین سے بھی آتا ہے۔ اکثر کی روایت اظفار ہے' مگر کشمیہنی کی روایت ظفار بغیر الف کے ہے' اور یہی صحیح مسلم میں بھی ہے' علامہ قرطبی نے فرمایا: الف کے ساتھ غلط ہے۔ ظفار' ظا کے فتحہ کے ساتھ ہے' یہ قطام کی طرح مبنی علی الکسر ہے۔ اظفار کی روایت بھی صحیح ہے' اس لیے کہ اظفار ایک قسم کی خوشبودار لکڑی کو بھی کہتے ہیں' ہوسکتا ہے کہ اس لکڑی کے منکے سے ہار بناتے ہوں۔ اس تقدیر پر جزع کے معنی گول دانے کے ہوں گے۔ اس ہار کی قیمت بارہ درہم تھی' یعنی آج کل چاندی کی جو قیمت ہے اس کے اعتبار سے لگ بھگ اڑھائی سو روپے تھی۔ یہ ہار ان کی والدہ نے اس وقت انہیں عطا فرمایا تھا' جب انہیں رخصت کیا تھا۔

فظننتُ

یہ حضرت ام المومنین کی اس نوعمری میں اعلیٰ ذہانت کی دلیل ہے کہ وہیں اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما رہیں' ورنہ اگر گھبرا کر چل دیتیں تو اس کا خطرہ تھا کہ بھٹک جاتیں تو ملنا دشوار ہو جاتا۔ ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔

وکان صفوان بن معطل......(صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ)

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی' قبیلہ بنی سلیم کے فرد تھے۔ خلاف قیاس اس کی طرف انتساب میں سلمی کہا جاتا ہے۔ ان کے آباء و اجداد میں ذکوان نام کے ایک شخص تھے' جن کی طرف نسبت میں ان کو ذکوانی کہا گیا۔

یہ اس خدمت پر مامور تھے کہ لشکر کی روانگی کے بعد منزل کا جائزہ لے لیا کریں کہ اگر کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اسے مالک تک پہنچا دیں۔ سب سے پہلا غزوہ جس میں یہ شریک ہوئے وہ مریسیع ہی تھا' اس کے بعد خندق وغیرہ تمام مشاہد میں شریک ہوئے' بہت بہادر مخیر صحابی تھے اور شاعر بھی تھے۔ آرمینیہ کی جنگ میں ان کا پیر ٹوٹ گیا مگر پھر بھی لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ یہ جنگ ۱۹ ھ میں ہوئی تھی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ چونکہ افک میں ملوث تھے اس لیے انہوں (حضرت صفوان) نے ایک بار حضرت

حسان پر تلوار چلائی' مگر وہ بچ گئے۔ حضرت حسان نے دربارِ رسالت میں شکایت کی تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسان سے فرمایا کہ اپنا حق مجھے بخش دو' انہوں نے نذر کر دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کے عوض حضرت صفوان سے انہیں ایک کھجور کا باغ دلوا دیا۔ حضرت صفوان اس سے قبل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ آگے اُم المؤمنین کا ارشاد آ رہا ہے کہ انہوں نے نزولِ حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا اور بر بنائے قولِ مختار آیت حجاب کے نزول کا سن بھی یہی ۵ ھ ہے[1] اس کا حاصل یہ نکلا کہ آیت حجاب اس واقعہ سے چند مہینے پہلے نازل ہوئی تھی۔

حضرت صفوان کو جب اس افواہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: بخدا! میں نے اب تک کسی عورت سے صحبت نہیں کی ہے' نہ حلال طور پر نہ حرام طور پر۔ ابن اسحٰق نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ حصور تھے' یعنی عورتوں کے لائق نہ تھے۔ خود اُم المؤمنین نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے: سبحان اللہ! میں نے کسی عورت کا ستر نہیں کھولا ہے۔

فَاستَیقظتُ......(حضرت صفوان کا ادب)

حضرت صفوان نے جب اُم المؤمنین کو دیکھا تو انہیں سخت حیرت ہوئی ہوگی' یقیناً ان کے ذہن میں یہ بات گئی ہوگی کہ کوئی عظیم سانحہ ہو گیا ہے' اس لیے بے ساختہ ان کی زبان پر استرجاع جاری ہو گیا ہوگا' یا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آواز دے کر جگانے کے بجائے بلند آواز سے اسے پڑھا' یہ غایت ادب و احترام کی بناء پر تھا۔

مسلم کی روایت میں ہے: اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں نے انہیں دیکھتے ہی چادر سے منہ چھپا لیا' واللہ! انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے سوائے استرجاع کے اور کچھ ان کی زبان سے سنا۔ حضرت صفوان نے اونٹ بٹھا کر اس کے اگلے پاؤں کو اس لیے دبا دیا کہ اُم المؤمنین از خود بغیر کسی سہارے کے اونٹ پر سوار ہو جائیں' یہ ان کی ذہانت اور ان کا ادب تھا۔

فانطلق یقود بی الراحلة

صحاح کی تمام روایتوں میں یہی ہے کہ حضرت صفوان پیدل اونٹ کی مہار تھامے آگے آگے تھے۔ ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ اونٹ پر اُم المؤمنین کے ساتھ بیٹھے تھے' یہ صحیح نہیں۔

اتینا الجیش

یعنی ہم دونوں لشکر میں اس وقت پہنچے' جب ٹھیک دوپہر کے وقت لشکر نے پڑاؤ کر لیا تھا' معرّسین' تعریس سے ہے۔ مسافر کا آرام کے لیے کہیں اُترنا' پڑاؤ ڈالنا' خواہ دن میں خواہ رات میں اور کبھی پچھلی رات میں پڑاؤ ڈالنے کو بھی کہتے ہیں۔ تفسیر میں یونس کی روایت میں موغرین ہے' وغر کے معنی سخت گرمی کے ہیں' چونکہ دوپہر کے وقت جبکہ سورج بیچ آسمان میں ہوتا ہے' گرمی سخت ہوتی ہے' اس لیے اس وقت کو وغرہ کہتے ہیں۔ موغرین' وغرہ کے وقت میں کہیں پہنچنا' نحر الظہیرۃ اسی معنی کی تاکید ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ اُم المؤمنین فرماتی ہیں: ابھی قافلہ ٹھہرا ہی تھا' ابھی میری گمشدگی کا علم بھی کسی کو نہیں ہوا تھا کہ ہم لوگ پہنچ گئے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے سب سے پہلے بہتان کے کلمات نکالے اور پھر تھوڑی دیر میں پورے لشکر میں پھیل گئے۔

اُم مسطح......(ام مسطح رضی اللہ عنہا)

حضرت مسطح بن اُثاثہ کی ماں حضرت صدیق اکبر کی خالہ تھیں' جن کا نام رائطہ تھا۔ حضرت مسطح اور ان کی والدہ سابقین اوّلین

---

[1] نزہۃ القاری۔ ج۱ ص ۳۳۳' رقم: ۱۰۹

مہاجرین میں سے تھیں۔ اثاثہ مسطح کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ ماں اور بیٹے دونوں کی حضرت صدیق اکبر کفالت فرما رہے تھے۔

يا هنتاه

تفسیر کی روایت میں بجائے یا کے ای ہے، جو اصل میں بعید کی ندا کے لیے ہے، مگر کبھی قریب کے لیے بھی آتا ہے، جبکہ کسی طرح اسے بعید تصور کر لیا جائے۔ ”ھنتاہ“ خطاب کے کلمات میں سے ہے، جیسے حضور، قبلہ، آپ، جناب وغیرہ اُردو میں رائج ہیں۔ ایک معنی اس کے ”بَلھٰی“ کے بھی ہیں، یعنی بیوقوف، لاپرواہ۔ مذکر کے خطاب کے لیے ”هنته يا هناه“ آتا ہے۔

أهلك

یہ لام کے ضمے کے ساتھ ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی۔ ضمہ کی صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی ”هي اهلك“ وہ حضور کی اہلیہ ہیں، اس کا سوال ہی نہیں کہ وہ اس گندگی میں ملوث ہوں اور فتحہ کی صورت میں یہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، یعنی ”الزم اهلك“ اپنی اہلیہ کو جدا نہ فرمائیں، وہ پاکدامن ہیں۔

اما علي بن ابي طالب

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی یہ عرض اس بنیاد پر تھی کہ معاملے کی جو صورت اس وقت تھی اس کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلق و اضطراب و پریشانی کے ازالے کی سب سے آسان صورت یہی تھی، جو انہوں نے عرض کی۔ ظاہر ہے کہ بفرضِ محال اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، اُم المؤمنین سے جدائی اختیار فرما لیتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہیں آسکتی تھی۔ یہ حضرت شیر خدا کی ایک رائے تھی، اگرچہ اس کا سنگین پہلو دوسرا بہت خطرناک تھا کہ پھر اُم المؤمنین کی پاک دامنی عصمت مآبی مشتبہ ہو جاتی، یہی نہیں بلکہ اس کے خلاف لوگوں کو یقین ہو جاتا۔ یہ رحمت عالم کی شان کریمی کو گوارہ نہ ہوا کہ جسے اپنے حریم میں جگہ دے چکے ہیں، اسے بھلا کسی جرم کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طعن و تشنیع کا نشانہ بننے کے لیے چھوڑ دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ معاذ اللہ، معاذ اللہ اُم المؤمنین کی عصمت پر کسی قسم کا شبہہ رکھتے تھے، اگر انہیں اس میں ذرا بھی شبہہ ہوتا تو بلا جھجک ظاہر فرما دیتے۔ اس وقت نہ تقیہ کی ضرورت تھی اور نہ حضرت شیر خدا سے اس کی توقع، بلکہ یہ عرض کہ کنیز یعنی بریرہ سے دریافت فرمالیں، وہ حضور کو سچی بات بتا دے گی۔ اس کی دلیل ہے کہ اس وقت بریرہ نے جو کچھ عرض کیا، وہ خود حضرت شیر خدا کی بھی رائے تھی۔

من يعذرني

یعنی جن لوگوں نے یہ افتراء پردازی کر کے مجھے ایذاء پہنچائی ہے، انہیں اگر میں سزا دوں تو کون مجھے حق بجانب سمجھ کر معذور جانے گا، یا یہ معنی کہ اس خصوص میں کون میری مدد کرے گا۔ العذیر کے معنی ناصر کے بھی ہیں۔

فقام سعد بن معاذ

اس پر امام قاضی عیاض وغیرہ نے یہ اشکال پیش کیا کہ اس وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ باحیات نہیں تھے، کیونکہ یہ متفق علیہ ہے کہ ان کا وصال غزوۂ خندق کے بعد بنی قریظہ کے استیصال کے بعد ہو گیا تھا۔ غزوۂ خندق ۴ھ میں ہوا ہے اور غزوۂ مریسیع ۶ھ شعبان میں ہوا ہے، جیسا کہ ابن اسحق نے ذکر کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ غزوۂ مریسیع شعبان ۵ھ میں ہوا ہے اور خندق شوال ۵ھ میں۔

وکان قبل ذٰلک رجلا صالحا...... (انصار کا تنازع)

مسلم میں "قبل ذلك" کے حذف کے ساتھ ہے' یعنی وہ اس سے پہلے منافقین کی حمایت نہیں کرتے تھے' مگر اس وقت قبیلے کی حمایت میں انہیں غصہ آ گیا تھا۔ اور اس غصے کی وجہ غلط فہمی تھی' چونکہ واقعہ افک کا بانی مبانی اور لیڈر ابن ابی ابن سلول راس المنافقین بھی بنی خزرج سے تھا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ حضرت سعد اسی بہانے خزرج سے پرانی عداوت نکالنا چاہتے ہیں۔ اس کی دلیل ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: تم نے یہ بات صرف اس بناء پر کہی ہے کہ تم جانتے ہو کہ یہ بنی خزرج سے ہے اور ابن ابی حاطب کی روایت میں ہے کہ اے ابن معاذ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرنا چاہتا ہے' ہمارے اور تمہارے درمیان جاہلیت میں کینے تھے' وہ اب تک تمہارے سینوں سے نہیں نکلے ہیں۔ (فتح الباری۔ ج ۹ ص ۴۷۳)

انك منافق

تم یہ کام منافق کا کر رہے ہو' کیونکہ منافق کی حمایت میں غصہ ہو رہے ہو۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر دونوں حضرات اوس کی شاخ بنی عبد الاشہل سے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات پر جلال اور غضب میں ان کے منہ سے یہ کلمات نکل گئے۔

اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس فتنے سے انتہائی ملول اور اُلجھن میں تھے' اس وقت ضرورت تھی کہ خاطر اقدس سے گرد ملال دور کی جاتی اور اطاعت و ہمدردی زیادہ سے زیادہ کی جاتی' مگر حضرت سعد بن عبادہ نے غلط فہمی کی بناء پر وہ کہہ دیا' اس پر انہیں جلال آ گیا۔ شورش اور فتنے کے موقع پر اس قسم کی باتیں تعجب انگیز نہیں' خصوصاً اس وقت کہ ابھی یہ لوگ صرف چار سال ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

حتّٰی سکتوا

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مومن' مخلص اور سچے محب رسول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس جوش اور ثوران میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا بجھایا تو وہ ٹھنڈے ہو گئے اور ان کا ایمان صادق اور ان کی بے لوث حب رسول ان کے جوش اور ثوران پر غالب آ گئی۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین!

لا تصدقونی

غالباً ام المومنین چار سال خدمت اقدس میں گزار چکی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ حضور خوب جانتے ہیں کہ یہ افتراء و بہتان اور کذب محض ہے' مگر جب حضور نے وہ فرمایا تو ان کی انا کو ٹھیس لگی اور شان محبوبی کی بناء پر بہ طور ناز و ادا وہ عرض کیا' خطاب اگرچہ حضور سے تھا' مگر مراد عوام تھے' جن کی عادت کی ام المومنین نے کماحقہٗ ترجمانی فرمائی ہے۔

اس وقت وہ عرض کر دیا مگر جب غور فرمایا کہ میں نے کیا کہہ دیا تو بہ طور معذرت ارشاد فرمایا: میں اس وقت نو عمر بچی تھی اور قرآن بہت زیادہ نہیں پڑھا تھا' اس لیے وہ کلمات منہ سے نکل گئے۔

الا ابا یوسف

ام المومنین کی اُلجھن اور کرب کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام نامی ذہن مبارک میں نہیں آیا' تو ابا یوسف عرض کیا۔

یعنی اس صورتِ حال میں بھی صبرِ جمیل کروں گی اور اللہ عزوجل سے استعانت کروں گی۔ مجھے امید ہے کہ جیسے حضرت یعقوب کو ان کا یوسف گم شدہ مل گیا، میری بھی براءت اللہ عزوجل بیان فرمادے گا۔ اور جو اُم المؤمنین کو اُمید تھی، وہ بہ درجۂ اتم پوری ہوئی۔

ثم تحولت

یہ بہ ظاہر اعراض ہے، مگر اس ظاہری اعراض میں کتنی یگانگت، کتنی کشش، کتنی لذت ہے وہ اربابِ محبت ہی جانتے ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اُم المؤمنین کو پورا وثوق تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری پاک دامنی اور براءت پر کامل یقین ہے۔ ورنہ موقع ایسا تھا کہ خوشامد کی جاتی اور انتہائی لجاجت آمیز گفتگو کی جاتی اور ایسی حرکت ہوتی جو ان کی مظہر ہو، مگر سچے محب و محبوب کا رابطہ خوشامد لجاجت سے بالا ہے۔ وہ ایک محبوب خوب جانتا ہے کہ میرے محب کو میری کیا ادا پسند ہے۔

لا اقوم اليه...... (اُم المؤمنین کی ادائے محبوبی)

یہی نہیں اسود کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں نے چھڑا لیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا، یہ سب وہی محبوبانہ ادائیں ہیں۔ اُم المؤمنین کے قلبِ مبارک پر اس کا بہت اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتے ہی اس کی تردید کیوں نہیں فرمائی جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ میں اس سے بری ہوں۔ اس ماحول میں جب اللہ عزوجل نے ان کی براءت نازل فرمائی، تو یہ محبوبانہ شکوہ اپنے کمال پر پہنچ گیا، جس کا یہ ثمرہ ہوا کہ عرض کیا: میں صرف اللہ کی حمد کروں گی، وغیرہ وغیرہ۔

فانزل الله...... (اس موقع پر کتنی آیات نازل ہوئیں؟)

یعنی میری براءت میں سورۂ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (الی) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ (النور: ۱۱ تا ۱۹)

بے شک جو لوگ بھاری بہتان لائے وہ تمہاری ہی ایک جماعت ہے (یہاں تک) اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے○

سورۂ نور کی تفسیر میں "العشر الآیات" ہے، یعنی دس آیتیں مگر یہ دس نہیں نو ہیں، اس کے بعد کی آیت ملالی جائے تو دس ہوں گی۔

لیکن عطاء خراسانی کی روایت میں ہے: "ان الذين جاءُوْا بالافك" سے "واللّٰه غفورٌ رحيم" تک نازل ہوئیں، یہ بارہ آیتیں ہوئیں۔ طبری میں حکم بن عتبہ کی روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل نے پندرہ آیتیں نازل فرمائیں: "الخبيثات للخبيثين" تک مگر یہ پندرہ نہیں سولہ آیتیں ہیں۔ تفسیر ابن ابی حاتم اور حاکم کی اکلیل میں حضرت سعید بن جبیر سے ہے کہ مسلسل اٹھارہ آیتیں نازل فرمائیں۔

اقول وهو المستعان: اس عاجز کی رائے یہ ہے کہ صحیحین کی روایت راجح ہے کہ پہلے دس آیتیں نازل ہوئیں، اس پر واقعات کی ترتیب دلیل ہے۔ آیۂ کریمہ: "وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ" کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قسم کے بعد نازل ہوئی۔ اور یہ بھی طے ہے کہ آیات براءۃ کے نزول کے بعد انہوں نے وہ قسم کھائی تھی۔ زمخشری نے کہا: مختصر اور جامع عبارت کے ساتھ اتنی سخت وعید کسی معصیت میں وارد نہیں، وہ بھی مختلف اسلوب اور متعدد طریقوں کے ساتھ کہ ان میں ہر ایک اپنی جگہ کافی اور وافی ہے حتیٰ کہ بت پرستوں کے بارے میں بھی اتنی سخت وعیدیں اور اتنا تند و تیز لہجہ استعمال نہیں ہوا ہے۔

اقول وهو المستعان: اس کا سبب یہ ہے کہ سارے دین کا دارومدار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس فتنے کے بانی اور سربراہ عبداللہ بن ابی کا منشاء یہ تھا کہ اگر اس میں کامیاب ہوگئے تو پھر لوگوں کو یہ باور کرانا آسان ہوگا کہ جو شخص اپنی سلب سے زیادہ محبوب

بیوی کے اندر پاک دامنی کا جذبہ نہیں پیدا کر سکا اور جس کی شب و روز صحبت اسے ایسی گندگی سے محفوظ نہیں رکھ سکی' وہ اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔

پھر اس بہتان پر یقین کے بعد حضور اقدس ﷺ یقیناً حضرت اُم المؤمنین کو طلاق دے دیتے' جس کا اثر حضرت صدیق اکبر پر پڑتا' وہ کم ظرف یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اس کے نتیجے میں حضرت صدیق اکبرؓ حضور اقدس ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں گے اور مہاجرین کا ایک طبقہ حضور اقدس ﷺ سے الگ ہو جائے گا۔ یوں حضور اقدس ﷺ اپنے ایک بڑے معاون سے محروم ہو جائیں گے اور پھر یہ بھی اسے اُمید رہی ہو گی کہ ہم سے مل جائیں گے۔ یوں اس نے اپنا ڈبل فائدہ سوچا ہو گا' اس لیے اللہ عزوجل نے سخت سے سخت' تیز سے تیز تر اسلوب میں اس کا ردِ بلیغ فرمایا تا کہ آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا سدِ باب ہو جائے۔

کتاب المغازی اور التفسیر میں اس کے بعد یہ زائد ہے:

وطفقت اختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك. قال ابن شهاب فهٰذا الّذی بلغنی من حديث هٰؤلاء الرهط. ثُم قال عروة قالت عائِشة والله ان الرجل الذی قيل له ما قيل ليقول سبحان الله فوالذی نفسی بيده ما كشفت من كنف انثی قط قالت ثُمّ قتل بعد ذٰلك فی سبيل الله.

اور (اُم المؤمنین) حضرت زینب کی بہن حمنہ ان کے لیے لڑتی رہتی اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو کر ہلاک ہو گئی۔ ابن شہاب نے کہا کہ اس گروہ کی جو حدیث مجھے پہنچی ہے' وہ یہ ہے: اس کے بعد عروہ نے روایت کیا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ نے کہا: بخدا! اس شخص نے (صفوان) جس کے بارے میں یہ کہا گیا' یہ کہتا رہا: سبحان اللہ! (یہ کہا جا رہا ہے) اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں نے کبھی کسی عورت کا ستر نہیں کھولا ہے۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: اس کے بعد وہ راہِ خدا میں شہید ہوا۔

ہشام بن عروہ کی حدیث کے اخیر میں ہے:

وكان الذی تكلم به مسطح وحسان بن ثابت والمنافق عبد الله بن ابی وهو الذی يستوشيه وهو الذی تولی كبره هو و حمنة.

اسے مسطح' حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق نے پھیلایا' عبداللہ بن ابی ہی وہ ہے جس نے اس میں سب سے زیادہ حصہ لیا اور حمنہ نے۔

حمنة بنت جحش رضی اللہ عنہا

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ ان دونوں کی والدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ یہ بیعت کرنے والی خواتین میں تھیں۔ جنگ اُحد میں شریک تھیں' پانی پلاتیں' زخمیوں کو اُٹھالاتیں' علاج کرتیں۔ پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ جن سے محمد سجاد اور عمر تولد ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو خیبر کی پیداوار سے تین وسق دیا تھا۔ بہن کی حمایت میں ان سے یہ لغزش ہو گئی اور طبیعت میں جوش تھا' اس لیے حد سے آگے بڑھ گئیں۔

ابوداؤد[1] وغیرہ میں ہے کہ آیاتِ براءت کے نزول کے بعد حضور اقدس ﷺ منبر پر تشریف لائے اور جن لوگوں نے یہ افواہ پھیلائی تھی' ان میں سے حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش پر حدِ قذف جاری فرمائی۔ ان میں

[1] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۲۵۸۔ کتاب الحدود۔ باب: فی حد القاذف

عبداللہ بن ابی کا ذکر نہیں، جبکہ وہی اس کا بانی مبانی تھا۔ غالباً یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ منافق تھا، اس کے ساتھ ایک جتھا تھا۔ نیز قبائلی عصبیت بالکلیہ ختم نہیں ہوئی تھی، اس کا اندیشہ رہا ہو کہ اندرونِ شہر کوئی خلفشار پیدا ہو جائے اور مخالفین کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل جائے کہ لو اب جن لوگوں نے انہیں پناہ دی، انہیں سے لڑنے لگے۔ ویسے امام حاکم کی اکلیل میں ابواویس کی روایت میں جو حسن بن زید اور عبداللہ بن ابوبکر بن حزم وغیرہ سے ہے، اس میں ہے کہ اس پر بھی حد قائم کی گئی۔

یہ واقعہ اگرچہ انتہائی دل خراش ہے اور اس کے اثر سے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انتہائی ذہنی اعصابی اذیت اُٹھانی پڑی، بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی انتہائی اُلجھن اور دماغی تناؤ میں گرفتار کر دیا، مگر اس کی برکتیں بے شمار ہیں۔ سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے سورۂ نور کی تفسیر میں اس حدیث کے سو سے زائد فوائد بیان فرمائے ہیں۔ علامہ بدرالدین محمود عینی نے اس میں مزید اضافے فرمائے۔ اس خادم کے ذہن میں ان دونوں حضرات کے فوائد کے علاوہ مزید فوائد ہیں۔ خصوصیت سے اس واقعہ کے نتیجے میں زنا اور تہمت زنا کی سزاؤں کا نزول وہ برکت ہے کہ قیامت تک کے لیے اَن گنت عورتوں کی عصمت محفوظ ہو گئی اور شترِ بے مہار عوام میں ذرا ذرا سے شبہات پر الزام و اتہام کی عادت ہے اس پر سخت قدغن لگ گیا، مجھے چونکہ اختصار مقصود ہے، اس لیے تفصیل سے درگزر کرتا ہوں۔

ایک فریب کی پردہ دری

منافقین نے تو اسلام پر ضرب کاری لگانے کی نیت سے یہ بہتان باندھا تھا، جس کا بالکلیہ قلع قمع قرآن مجید نے کر دیا۔

مگر آج کل وہابی اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وسیع و اوسع کی تنقیص کے لیے دستاویز بنائے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے تو پریشان کیوں تھے؟ ان معاندین سے خطاب بے کار، لیکن انصاف پسند ناظرین کی خدمت میں چند باتیں معروض ہیں۔ حدیث کے متن پر ایک نظر پھر ڈال لیں:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس سلسلے میں اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش، حضرت اسامہ، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا تو سب نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کو بیان کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا، جو بہ منزلہ تقریر ہے، یعنی اس قول کی تصدیق ہے اور تصدیق اسی وقت ہوگی جبکہ اس کے سچ ہونے پر یقین ہو اور یہ تین اقوال کی تصدیق ہے، اس لیے بہ ظاہر یہ ایک تصدیق حقیقت میں تین تصدیقیں ہیں۔

(۲) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر پر تشریف لے جا کر علانیہ یہ فرمانا:

من يعذرني من رجل بلغني اذاه في اهلي. اس شخص کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت ناک باتیں مجھ تک پہنچی ہیں۔

یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا یقین تھا کہ اُم المومنین پاک دامن ہیں اور یہ بہتان عظیم ہے، کیونکہ اگر اس میں شک ہوتا تو بہتان طرازوں کے مقابلے میں صحابہ سے یہ نہ فرماتے: اس بارے میں میری کون مدد کرے گا؟

(۳) پھر فرمایا:

والله ما علمت على اهلي الا خيرا. اللہ کی قسم! مجھے اپنی اہلیہ کے بارے میں اچھائی کے سوا اور کچھ علم نہیں۔

بر سرِ منبر قسم کھا کر صفائی کے باوجود یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں شک میں تھے، اس ارشاد کو جھٹلانا ہے۔

(۴) پھر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

وقد ذكروا رجلا ما علمت عليه الا خيرا. اور ایسے شخص کا ان لوگوں نے اس سلسلے میں نام لیا ہے' جس کے بارے میں خیر کے سوا مجھے اور کچھ علم نہیں۔

یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا یقین کامل تھا کہ یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے اور افتراء ہے۔

وجہ اضطراب

رہ گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس واقعہ سے اضطراب' یہ بتقاضائے بشریت تھا۔ کسی بھی شریف انسان کی اہلیہ پر اور وہ بھی سب سے زیادہ عزیز اہلیہ پر کوئی بہتان باندھے اور علانیہ اس کا پروپیگنڈہ کرے تو یہ فطری بات ہے کہ وہ پریشان اور بے چین ہوگا' اگرچہ اسے یقین ہو کہ سراسر بے بنیاد بات ہے' خالص افتراء ہے۔

رہ گیا حضرت بریرہ وغیرہ سے دریافت فرمانا' یہ لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ دوسروں کو مطمئن کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے کہ مجوث عنہ کے قریب جو لوگ رہتے ہوں' خصوصاً قریب رہنے والے' جب اس کے بارے میں صفائی دیں گے تو اسے ہر دیانت دار اور انصاف پسند قبول کر لے گا۔

رہ گیا خود اُم المؤمنین سے جو فرمایا: اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھ تک ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں' الخ...... یہ بھی اس اعلان کے بعد کہ مجھے اپنی اہلیہ کے بارے میں خیر کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں' اس کی دلیل نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلے میں کوئی شک تھا' بلکہ یہ اس بناء پر تھا کہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ خود منبر پر آ کر صفائی دے رہے ہیں' مخالفین کے مقابلے پر مدد کے لیے بلا رہے ہیں اور جس پر الزام لگا ہے' اس سے پوچھا تک نہیں۔ یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ جس پر بھی کوئی الزام لگایا جائے' اس سے سوال کیا جائے۔ یہ ضابطے کی خانہ پری تھی تا کہ ایک نظیر قائم ہو جائے۔

اس واقعہ میں حضرت صدیق اکبر اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے اعلیٰ فضائل کے متعدد پہلو ہیں:

(۱) یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک میں ان دونوں کی عظیم وقعت کی بین دلیل ہے۔ ایک سیدھی سادی بات ہے کہ کسی شخص پر یہ واجب نہیں کہ کسی بھی عورت کو اپنی زوجیت میں رکھے' اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس فتنے کا آسان حل یہ تھا کہ علیحدگی اختیار فرما لیتے' مگر یہ حضرت صدیق اکبر اور خود اُم المؤمنین کے لیے کتنا بڑا سانحہ ہوتا وہ ظاہر ہے' ان دونوں پر کیا گزرتی' بتانے کی بات نہیں' مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی دلداری بلکہ دلنوازی کے لیے اس آسان حل پر عمل نہیں فرمایا' بلکہ ابتداءً اس فتنے کو فرو کرنے کے لیے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ اور پھر ایک مہینے تک وحی ربانی کا انتظار فرمایا' یہ صرف اس لیے تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کا دل شکستہ ہونا پسند نہیں تھا۔

(۲) حضرت صدیق اکبر کے ساتھ مہاجرین کی کثیر تعداد تھی۔ اور انصار کرام ان کا بے حد احترام کرتے تھے' وہ چاہتے تو جو لوگ اس واقعے میں ملوث تھے' طاقت کے ذریعہ ان کا منہ بند کر سکتے تھے' مگر وہ ایک دم خاموش رہے۔ صرف ایک بار فرمایا تو یہ فرمایا: بخدا! جاہلیت میں ہمارے بارے میں ایسی بات کبھی کسی نے نہیں کی' پھر اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اسلام سے عزت دی' یہ کیسے کہا جا رہا ہے۔ (فتح الباری۔ ج۹ص۴۸۰)

مگر ظاہر ہے کہ وہ اگر کوئی سخت اقدام کرتے تو مسلمانوں میں لڑائی کا اندیشہ تو یہ تھا' جس سے اسلام کی اشاعت میں خلل پڑتا۔ اس لیے زہر کا گھونٹ پیتے رہے اور خاموش رہے۔ اسلام کی بہبودی کی خاطر اتنے عظیم حادثے کے وقت راضی برضائے الٰہی رہنا

صدیق اکبر ہی کی شان تھی۔ یہ ان کی اسلام کے ساتھ خیر خواہی' تدبر' دور اندیشی' تحمل' استقامت اور توکل علی اللہ اور رضا بالقضاء کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کی برہان قاطع ہے۔

(۳) حضرت مسطح بن اثاثہ نے اس میں کھل کر بھرپور حصہ لیا تھا' حتیٰ کہ خود اُم المؤمنین سے مروی بعض طرق میں ہے کہ ''الَّذی تولی کبرہ'' جس نے اس میں زیادہ حصہ لیا' میں یہ بھی داخل تھے' اس لیے انہوں نے قسم کھالی: اب مسطح کو کچھ نہیں دوں گا' مگر جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (النور:۲۲)

اور جو لوگ مال دار فراخ رزق ہیں' وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔

تو فوراً سارا غیظ و جلال ختم ہو گیا اور حکم ربانی کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ اپنی لخت جگر نور نظر' سرور قلب و جگر کے خلاف' وہ بھی کون جو محبوبہ محبوب رب العٰلمین ہو' ایسی گندگی اور وہ بے بنیاد اچھالنے والے پر بہ حکم خداوندی دوبارہ داد و دہش کرنی' اس کی دلیل ہے کہ وہ ہر وقت ہر آن ہر لحظہ رضائے الٰہی کے طالب تھے۔ اور وہ بلاشبہ اس آیت کریمہ کے سب سے اعلیٰ مصداق تھے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى O الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى O (الیل:۱۷۔۱۸)

اور وہ جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے O اور مال اس لیے خرچ کرتا ہے تاکہ پاکیزہ رہے O

(۴) حضرت اُم المؤمنین کی براءت میں دس آیات نازل ہوئیں' بارگاہِ خداوندی میں ان کا کتنا اعزاز تھا' وہ اس سے ظاہر ہے اور پھر ان آیات کے سیاق میں قہر و جلال کی کوندتی ہوئی بجلیاں اس کی دلیل ہیں کہ جبار و قہار مولیٰ عزوجل اُم المؤمنین کے مخالفین سے اعلانِ جنگ فرما رہا ہے۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ اُم المؤمنین بارگاہِ قدس کے محبوبوں کی اولین صف میں ہیں۔

اس حدیث میں اُم المؤمنین کی ذہانت و فطانت' اصابت رائے' فصاحت و بلاغت' زورِ بیان' حسن بیان اور واقعات کے اسباب و علل کا اظہار جس خوبی سے ہے' وہ بیان سے باہر ہے۔ اسے دقیق نظر اور اہل معرفت ہی محسوس کر سکتے ہیں' جن میں بعض کی طرف میں نے اثناء شرح میں اشارے کر دیے ہیں۔

مطابقت باب

باب یہ تھا کہ عورت' عورت کا عادل ہونا بیان کرے۔ اُم المؤمنین حضرت زینب اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہما نے حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ کی صفائی دی' یہی تعدیل ہے۔

بَابٌ إِذَا زَكّٰى رَجُلٌ رَجُلًا كَفَاهُ (ص۳۶۶)

جب ایک مرد کسی مرد کی پاکیزگی بیان کرے تو کافی ہے

ت ۵۲۲- وَقَالَ أَبُوْ جَمِيْلَةَ وَجَدْتُ مَنْبُوْذًا فَلَمَّا رَآنِيْ عُمَرُ قَالَ عَسَى الْغُوَيْرُ أَبْؤُسًا كَأَنَّهٗ يَتَّهِمُنِيْ قَالَ عَرِيْفِيْ إِنَّهٗ رَجُلٌ صَالِحٌ قَالَ كَذَالِكَ اذْهَبْ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهٗ

اور ابو جمیلہ نے کہا: میں نے پھینکا ہوا بچہ پایا' جب حضرت عمر نے مجھے دیکھا تو فرمایا: کہیں چھوٹا سا غار مصیبت نہ ہو' گویا وہ مجھے متہم فرماتے تھے' اس پر میرے عریف نے کہا کہ صالح مرد ہے' فرمایا: ایسا ہے تو لے جاؤ اور اس کا نفقہ ہمارے ذمے ہے۔

ابو جمیلہ کا نام سنین یا میسرہ ہے' یہ صحابی ہیں' فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

فلمّا رآنی

ابو جمیلہ اس بچے کو اُٹھا کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لائے' تا کہ آپ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر فرما دیں۔ اس بچے کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کبھی غویر مصیبت بن جاتا ہے' یعنی معمولی بات بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے۔

عسى الغُوير

غویر' غار کی تصغیر ہے' یہ ایک مثل ہے' جو اہل مدینہ بہت بولتے ہیں' یہ ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جب کوئی ایسا کام کرے جس کا انجام معلوم نہ ہو۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ کسی غار میں رات بسر کرنے کے لیے گئے اور ان کے دشمنوں نے وہیں انہیں ختم کر دیا۔

كانه يتهمني

حضرت فاروق اعظم کو یہ شبہہ ہوا کہ کہیں یہ بچہ انہیں کا نہ ہو۔ وظیفہ حاصل کرنے کے لیے یہ بتا رہے ہیں کہ پڑا ہوا ملا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے انہوں نے کسی عورت سے زنا کیا ہو' اس کا بچہ ہو اور یہ اس بناء پر تھا کہ حکام کو لازم ہے کہ جو معاملہ ان کے یہاں پیش ہو' اس کے ہر پہلو کو ذہن میں رکھ کر فیصلہ کریں' اسی لیے خود فرمایا: ''ان من الحزم لسوء الظن'' بدگمانی بھی ہوشیاری ہے۔ بدگمانی وہ ممنوع ہے کہ محض گمان پر کسی کو مجرم یقین کرے' اس پر سزا دے' اسے پھیلائے۔

قال عريفي

بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ' عریفی بھی کیا ہے' جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ کسی کا نام ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں' اس کے معنی نگران کے ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آبادیوں کو چند حصوں پر بانٹ دیا تھا اور ہر حصے پر ایک نگران مقرر کر دیا تھا' جو اپنے اپنے حلقے کے باشندوں پر کڑی نظر رکھتا اور ان کے تمام احوال کی معلومات بھی۔

اقول وهو المستعان: عریف کا لفظ عہد رسالت میں بھی ملتا ہے۔ حدیث گزر چکی کہ ہوازن اور ثقیف کا وفد جب اپنے اموال و اولاد کی واپسی کے لیے جعرانہ میں حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کرام سے فرمایا کہ ان کے اہل و عیال واپس کر دو' اور انصار کرام نے رضا مندی ظاہر کی تو فرمایا: ''حتى يرفع الينا عُرفائكم'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ نظام عہد رسالت میں رائج تھا۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اسے از سر نو مرتب فرمایا ہو۔

اذهب

بیہقی میں امام مالک کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: جا! یہ آزاد ہے اور اس کی وِلاء تیرے لیے ہے اور ہمارے ذمے اس کا نفقہ ہے۔

١٤٨٣- ح: [اَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ]

ایک شخص نے ایک شخص کی حضور کے سامنے تعریف کی

١٤٨٣- عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِىْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّادِحًا اَخَاهُ لَا

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ایک شخص کی تعریف کی تو حضور نے فرمایا: تجھ پر افسوس! تو نے اپنے دوست کی گردن کاٹ لی' تو نے اپنے دوست کی گردن کاٹ لی' کئی بار فرمایا' پھر فرمایا: اگر یہ ضروری ہو کہ اپنے بھائی کی

مَحَالَۃَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَّاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ وَلَا اُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا اَحْسِبُہٗ کَذَا وَ کَذَا اِنْ کَانَ یَعْلَمُ ذٰلِکَ مِنْہُ۔

تعریف کرو تو یہ کہو: میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے' میں اللہ کے سوا کسی کو بے عیب نہیں جانتا' میں اسے ایسا ایسا گمان کرتا ہوں' اگر یہ جانتا ہو کہ وہ ایسا ہی ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما یکرہ من التمادح ص ۸۹۵' باب: ما جاء فی قول الرجل ویلک ص ۹۱۰' مسلم۔ آخر کتاب' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کتاب الادب)

اثنی رجل

اس کا احتمال ہے کہ تعریف کرنے والے محجن بن ادرع سلمی ہوں' جیسا کہ طبرانی اور امام احمد' امام اسحٰق کی حدیث سے ظاہر ہے۔ اسی طرح امام اسحٰق کی حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جن کی تعریف کی تھی' وہ عبداللہ ذوالبجادین تھے۔ تعریف میں یہ کہا تھا کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ان سے افضل کوئی نہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ نماز میں۔ اس تعریف میں غلو تھا' اس لیے اس سے منع فرمایا اور کسی کی تعریف کی ممانعت کا محمل یہی ہے کہ اس میں غلو اور افراط نہ ہو' یا وہ شخص ایسا نہ ہو کہ تعریف سن کر عجب اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے۔ ورنہ احادیث کا باب فضائل دیکھئے' خود حضور اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ کے ان کے منہ پر اعلیٰ سے اعلیٰ فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں۔ اسی کی متابعت میں سلف سے لے کر خلف تک یہ سنت متوارثہ ہے کہ اہل کمال افراد کی وہ خوبیاں بیان کرتے چلے آئے ہیں' جو ان میں واقعی ہوتی ہیں۔

مطابقت باب

مطابقت باب کی تقریر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مدح میں غلو اور اطناب سے منع فرمایا' اور واقعی مدح کی اجازت دی اور تزکیہ بھی ایک طرح کی مدح ہے' اس لیے جیسے ایک شخص کی مدح معتبر' تزکیہ بھی معتبر۔

بَابُ مَا یُکْرَہُ مِنَ الْاِطْنَابِ فِی الْمَدْحِ وَلْیَقُلْ مَا یَعْلَمُ (ص ۳۶۶)

مدح میں زیادتی ناپسندیدہ ہے وہی کہے جو جانتا ہے

۱۴۸۴- عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یُثْنِیْ عَلٰی رَجُلٍ وَّیُطْرِیْہِ فِیْ مَدْحِہٖ فَقَالَ اَہْلَکْتُمْ اَوْ قَطَعْتُمْ ظَہْرَ الرَّجُلِ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ ایک شخص کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف میں حد سے آگے بڑھ رہا ہے' تو فرمایا کہ تم نے اس کو ہلاک کر دیا یا اس کی پیٹھ توڑ دی۔

ان احادیث سے جلسوں کے پوسٹر مرتب کرنے والوں اور اناؤنسری کرنے والوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ان لوگوں نے علمائے کرام کے سارے اہم خطابات کو بازاری بنا رکھا ہے' جو بھی چرب زبان مقرر ہوا تو اسے علامہ' مفتی' مجاہد وغیرہ خطابات سے بلاخطر نوازتے ہیں' جس کے نتیجے میں یہ بے پڑھے لکھے قصاص (واعظین) واقعی اپنے کو اتنا بڑا سمجھنے لگتے ہیں کہ ان اکابر ملت کو جو آج اساطین ملت ہیں' خاطر میں نہیں لاتے۔ تقریروں میں بے محابا ضلالات بلکہ کفریات بکتے ہیں اور اگر کوئی ذمہ دار ٹوکے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان

بَابُ بُلُوْغِ الصِّبْیَانِ وَشَہَادَتِہِمْ (ص ۳۶۶)

بچوں کے بالغ ہونے اور ان کی گواہی

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا﴾ (النور:۵۹)

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان ہے: جب بچے بالغ ہو جائیں تو اجازت طلب کریں۔

توضیح باب

اس باب میں دو جز ہیں: بچے کب بالغ ہوں گے' اور نابالغ بچوں کی گواہی مقبول ہے یا نہیں؟ بلوغ کی اقل مدت لڑکیوں کے لیے نو سال ہے اور لڑکوں کے لیے بارہ سال۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نو سال کی لڑکی اور بارہ سال کا لڑکا' اگر اپنے کو بالغ کہے تو اسے مان لیا جائے گا' اس سے کم عمر بچے اپنے کو بالغ بتائیں تو مانا نہیں جائے گا۔ بلوغ کی علامت لڑکیوں میں حیض یا حمل ہے' اور لڑکوں میں انزال خواہ خواب میں ہو' خواہ بیداری میں' بلوغ کی اکثر مدت پندرہ سال ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

نابالغوں کی گواہی مقبول نہیں۔ ہاں اگر کوئی بات نابالغی کی حالت میں دیکھی یا سنی تھی' اس کی بالغ ہونے کے بعد گواہی دیتا ہے تو مقبول ہے۔

و اذا بلغ الاطفال

اس آیت سے ثابت ہوا کہ احکامِ تکلیفیہ بالغ ہونے کے بعد متعلق ہوتے ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ بلوغ کی حد مقرر کی جائے۔

ت۵۲۳ - وَقَالَ مُغِيْرَةُ احْتَلَمْتُ وَاَنَا ابْنُ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً.

اور مغیرہ نے کہا: مجھے بارہ سال کی عمر میں احتلام ہو گیا تھا۔

یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ صحابی نہیں' بلکہ یہ مغیرہ بن قسم ضبی کوفی ہیں' نابینا تھے' اس لیے فقیہ اعمیٰ سے مشہور تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی کے تلامذہ میں تھے' حضرت امام اعظم سے بھی تلمذ حاصل ہے۔ ۱۳۳ھ میں وصال فرمایا' حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی مروی ہے کہ وہ بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو گئے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ان سے صرف بارہ سال چھوٹے تھے۔

وَبُلُوْغُ النِّسَآءِ فِي الْحَيْضِ لِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَاللّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾. (الطلاق:۴)

اور عورتوں کا بالغ ہونا حیض سے ہے' اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے: اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی ہو' اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض نہیں آیا اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

توضیح

یہ بھی باب کے عنوان کا جز ہے' اس آیت سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ حیض عورتوں کے بالغ ہونے کی علامت ہے' یہ اس خادم کی سمجھ میں نہیں آیا۔ شارحین نے کوشش کی ہے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اخیر میں کہنا پڑا کہ اس پر اجماع ہے کہ حیض عورتوں کے بلوغ کی علامت ہے۔ اس آیت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ بالغ عورتوں کی عدت حیض یا طہر ہے۔ یہ سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" سے ثابت ہے۔ رہ گئیں نابالغہ اور وہ جو سن ایاس کو پہنچ گئیں' ان کی عدت تین مہینے ہے۔

اقول وهو المستعان: مطابقت کی تقریر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "واللائی لم یحضن" سے مراد نابالغ لڑکیاں ہیں۔

لم یحضن

"لم یحضن" سے نابالغہ مراد لینا اسی وقت صحیح ہوگا کہ حیض کو بلوغت کی علامت مانیں' اس طرح لزوماً ثابت ہوا کہ عورتوں کا بلوغ حیض سے ہے۔

ت ۵۲۴ - وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ اَدْرَكْتُ جَارَةً لَنَا جَدَّةً بِنْتَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ سَنَةً.

اور حسن بن صالح نے کہا: میں نے اپنی پڑوسن کو پایا کہ وہ اکیس سال کی عمر میں نانی تھی۔

اس کی صورت یہ ہوئی کہ نو سال کی عمر میں بالغہ ہوئی' دس سال کی عمر میں اس کو ایک بچی پیدا ہوئی اور وہ بھی اسی کی طرح نو سال میں بالغہ ہوئی اور دس سال کی عمر میں ماں بن گئی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک ایسی نانی کو یمن میں دیکھا تھا۔ اکیس سال ہی نہیں' انیس سال چھ دن میں بھی یہ ممکن ہے' ایک عورت کو نو سال پورے ہونے پر تین دن حیض آیا۔ نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا یا حالت حیض میں ہوا۔ پاک ہوتے ہی شوہر نے وطی کی' جس سے حمل رہ گیا' چھ مہینے پر بچی پیدا ہوئی' اس بچی کا بھی یہی قصہ ہوا۔ انیس سال چھ دن میں پہلی عورت نانی ہوگئی۔

ح-۱۴۸۵: حضرت ابن عمر جنگ احد میں نہیں لیے گئے' حالانکہ وہ چودہ سال کے تھے

۱۴۸۵ - ثَنِیْ نَافِعٌ ثَنِیْ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَضَہٗ یَوْمَ اُحُدٍ وَھُوَ ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ سَنَۃً فَلَمْ یُجِزْنِیْ ثُمَّ عَرَضَنِیْ یَوْمَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَۃَ سَنَۃً فَاَجَازَنِیْ قَالَ نَافِعٌ فَقَدِمْتُ عَلٰی عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ وَھُوَ خَلِیْفَۃٌ فَحَدَّثْتُہٗ ھٰذَا الْحَدِیْثَ فَقَالَ اِنَّ ھٰذَا لَحَدٌّ بَیْنَ الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ وَکَتَبَ اِلٰی عُمَّالِہٖ اَنْ یَّفْرِضُوْا لِمَنْ بَلَغَ خَمْسَ عَشْرَۃَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ میں جنگ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا' اس وقت میری عمر چودہ سال تھی تو آپ نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی' پھر جنگ خندق کے موقع پر جب کہ میں پندرہ سال کا تھا' پیش ہوا تو آپ نے اجازت دے دی۔ نافع نے کہا: میں جب عمر بن عبدالعزیز کے یہاں گیا جب کہ وہ خلیفہ تھے اور یہ حدیث بیان کی تو فرمایا: یہ چھوٹے اور بڑے کے مابین حد ہے' اور اپنے ماتحت حاکموں کو لکھا کہ جو پندرہ سال کا ہو جائے اس کا وظیفہ مقرر کردو۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الخندق ص ۵۸۸' مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الامارۃ' ترمذی۔ کتاب الجہاد۔ باب: فی حد بلوغ الرجل ص ۲۰۳' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الحدود' ابن ماجہ۔ کتاب الحدود)

غزوۂ اُحد شوال ۳ھ میں ہوا ہے یہ متفق علیہ ہے۔ غزوۂ خندق کس سن میں ہوا؟ اس میں دو قول ہیں۔ شوال ۴ھ یا ۵ھ میں۔ امام واقدی اور ابن سعد نے کہا: ذوقعدہ میں ہوا تھا[1] یہ بھی طے ہے کہ غزوۂ خندق' اُحد کے دو سال بعد ہوا ہے' اس لیے کہ تمام ارباب سیر نے بیان کیا کہ ابوسفیان نے اُحد سے لوٹتے وقت کہا تھا: "موعد کم العام المقبل ببدر" سال آئندہ بدر میں تم سے ملاقات کا وعدہ ہے[2] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سال آئندہ تشریف لے گئے' مگر ابوسفیان عُسفان کے قریب تک آکر خشک سالی کا بہانہ کر کے چلے گئے اور یہی صحیح ہے کہ غزوۂ خندق شوال ۵ھ میں ہوا ہے۔

---

[1] زرقانی علی المواہب۔ ج ۲ ص ۱۰۳

[2] فتح الباری۔ ج ۷ ص ۳۹۳

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس اختلاف کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کچھ اسلاف سن ہجری کی ابتداء اس محرم سے کرتے ہیں' جو ہجرت کے بعد ہے۔ ربیع الاوّل سے لے کر ذوالحجہ تک کو کالعدم کر دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر بدر پہلے سال اور اُحد دوسرے سال اور خندق چوتھے سال ہوا۔ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں اسی پر بنیاد رکھی ہے' مگر یہ حساب درست نہیں۔ جمہور کا طریقہ یہی ہے کہ جس سال میں ہجرت ہوئی' اسی کو پہلا سال مانتے ہیں' اس حساب سے بدر دوسرے سال' اُحد تیسرے سال اور خندق پانچویں سال میں ہوا۔

یوم اُحد

اس سے مراد یہ ہے کہ اُحد کے موقع پر چودھواں سال شروع ہو چکا تھا' مثلاً چودھویں کا ایک دن' دو دن یا ہفتہ دو ہفتہ گزر چکے تھے۔ دو سال کے بعد جب خندق کا معرکہ درپیش ہوا تو پندرہ سال پورے ہو چکے تھے' بلکہ کچھ دن گزر چکے تھے۔ عمر بتانے میں اس طرح کی عادت شائع ذائع ہے۔

هٰذا لحدٌّ

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو پندرہ سال کا ہو جائے' اس پر بالغ کے احکام جاری ہوں گے' اگرچہ دوسری علامات نہ پائی جائیں' وہ عبادات کا مکلف ہوگا۔ مالِ غنیمت کا مستحق ہوگا' اس پر حد جاری ہوگی' حربی ہوگا تو قتل کیا جائے گا۔

ان یفرضوا

یعنی مجاہدین کی فہرست میں اس کا نام لکھا جائے اور اسے وہ وظیفہ دیا جائے جو مجاہدین کے لیے مقرر ہے۔ مسلم[1] میں ہے: جو اس سے کم عمر کا ہو اسے عیال میں رکھا جائے۔ مجاہدین اور غیر مجاہدین کے وظیفے میں فرق تھا' اس لیے یہ فرمایا۔

بَابُ اَلْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ فِي الْاَمْوَالِ وَالْحُدُوْدِ (ص۳٦٦)

اموال اور حدود سب میں یمین مدعیٰ علیہ پر ہے

توضیح باب

یہ باب دو حکموں پر مشتمل ہے' اوّل یہ کہ یمین مدعیٰ علیہ پر ہے' مدعی پر نہیں۔ مدعی پر یمین کی دو صورتیں ہیں' اوّل یہ کہ مدعی جب بینہ قائم کرے اور حاکم کو کچھ شبہ ہو تو مدعی سے یہ قسم لے کہ گواہوں نے حق گواہی دی ہے' اسے یمین استظہار کہتے ہیں' اسلاف میں بہت سے لوگوں کا یہ مذہب تھا' جیسے قاضی شریح' ابراہیم نخعی' امام اوزاعی وغیرہ۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن حر سے یہ حلف لیا تھا۔ ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ یمین استظہار واجب نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مدعی نے صرف ایک گواہ پیش کیا تو مدعی پر یمین ہے' جیسا کہ امام مالک کا مذہب ہے' مگر جمہور کے نزدیک نہیں۔

ان دونوں مسئلوں میں جمہور کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا حضرت اشعث بن قیس سے یہ ارشاد ہے:

شاهداك او يمينه. دو ہی صورتیں ہیں یا تو تمہارے دو گواہ ہوں یا اس کی یمین۔

نیز اللہ عزوجل کا یہ ارشاد بھی اس کی دلیل ہے کہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۱۳۱۔ کتاب الامارة۔ باب: سن البلوغ

شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً. (النور:۴) لائیں تو انہیں اسّی کوڑے مارو۔

اس ارشاد میں بہ قدرِ نصاب گواہ پیش نہ کرنے پر حد قذف کا حکم دیا' اگر مدعی پر قسم ہوئی۔ خواہ یمین استظہار یا گواہ بہ قدرِ نصاب نہ ہونے کی صورت میں تو اس ارشاد میں یہ تفصیل ضروری تھی کہ چار گواہ پیش کرنے کے بعد اگر حاکم کو شک ہو تو مدعی سے بینہ کے حق ہونے پر قسم لے اور اگر گواہ نصاب سے کم ہوں تو مدعی سے حلف لے۔ اگر حلف سے انکار کرے تو اسے سزا دو۔

اقول وهو المستعان: اسی آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حدود میں مدعیٰ علیہ پر قسم نہیں' ورنہ اس میں یہ اضافہ ہوتا کہ اگر چار گواہ نہ پیش کر سکیں اور ملزمہ اپنی براءت پر قسم کھالے تو سزا دو۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ یمین مدعیٰ علیہ پر ہے اور دعوے تین قسم کے ہیں: اموال' حدود' معاملات۔ عموم اس کا مقتضی ہے کہ ہر قسم کے دعوؤں میں مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ پر حلف ہو' مگر ہمارے نزدیک حدود میں حلف نہیں اور معاملات نکاح' طلاق وغیرہ میں تفصیل ہے' البتہ اموال میں ہے۔ تفصیلی بحث کتاب الحدود میں آئے گی۔

۱۴۸۶- ح: [مُكَالَمَةٌ عَنِ الشَّاهِدِ وَالْمُدَّعِيْ]

گواہ اور مدعی کے سلسلہ میں مکالمہ

۱۴۸۶- وَقَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ كَلَّمَنِيْ أَبُو الزِّنَادِ فِيْ شَهَادَةِ الشَّاهِدِ وَيَمِيْنِ الْمُدَّعِيْ فَقُلْتُ قَالَ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى﴾ (البقرة:۲۸۲) قُلْتُ إِذَا كَانَ يُكْتَفٰى بِشَهَادَةِ شَاهِدٍ وَّيَمِيْنِ الْمُدَّعِيْ فَمَا يَحْتَاجُ أَنْ تُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى مَا كَانَ يَصْنَعُ بِذِكْرِ هٰذِهِ الْأُخْرٰى.

ابن شبرمہ نے کہا: ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کی یمین کے بارے میں ابو الزناد نے مجھ سے گفتگو کی' میں نے کہا: اللہ عزوجل نے فرمایا: اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لو' اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو' ایسے لوگوں کو جنہیں تم پسند کرتے ہو' دو عورتوں کو اس لیے گواہ بناؤ کہ ایک بھولے تو دوسری اسے یاد دلائے۔ میں نے کہا: اگر ایک گواہ اور مدعی کی یمین کافی ہوتی تو ایک کی دوسری کو یاد دلانے کی کیا حاجت تھی؟ اس دوسری کے یاد دلانے کو کیا کیا جاتا۔

اکثر نسخوں میں "وقال قتیبة" ہے' اس سے بہ ظاہر متبادر ہوتا ہے کہ یہ تعلیق ہے' مگر شارح بخاری قطب الدین حلبی کے نسخے میں "حدثنا" ہے' اس خادم کی سمجھ میں یہی آتا ہے کہ یہ تعلیق نہیں' کیونکہ قتیبہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں' اسی صحیح میں ان سے کثیر روایتیں ہیں۔

ابن شبرمہ

ان کا نام عبد اللہ ہے' یہ شبرمہ بن طفیل بن حسان ضبی کے بیٹے ہیں' یہ تابعی کوفہ اور منصورہ کے قاضی اور فقیہ تھے' پاک دامن' عاقل' شاعر' خوش خلق اور حدیث میں ثقہ ہیں۔ امام بخاری صحیح میں ان کی بہت سی حدیثیں بہ طور شاہد لائے ہیں۔ اور ادب المفرد میں ان سے روایت بھی کی ہے' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے' ۱۴۴ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

ابو الزناد

ان کا نام عبد اللہ بن ذکوان ہے' قریشی مدنی تابعی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' مدینہ طیبہ کے قاضی تھے'

۱۳۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔

ابوالزناد قاضی مدینہ طیبہ کا اہل مدینہ کے مثل یہ مذہب تھا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا درست ہے اور ابن شبرمہ قاضی کوفہ کا اہل کوفہ کی طرح یہ مذہب تھا کہ اس پر فیصلہ جائز نہیں۔

ان کا استدلال آیت مذکورہ سے ہے' وہ اس طرح کہ اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم معتبر ہوتی تو ایک مرد گواہ کافی تھا' اس کی کوئی حاجت نہ تھی کہ دو عورتیں بھی رہیں' جس میں یہ جھنجھٹ ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔

ابن شبرمہ کے اس استدلال کے علاوہ اس آیت سے استدلال کی ایک تقریر یہ بھی ہے کہ اس آیت نے ثبوت کی صرف دو صورتوں میں تحدید کر دی' دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں' اس لیے ثبوت کی تیسری صورت کی ایک گواہ اور مدعی کی قسم کتاب اللہ پر زیادتی ہوئی اور یہ قیاس یا خبر واحد سے جائز نہیں۔ اس سلسلے میں جتنی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں' سب ضعیف ہیں۔ اس لائق نہیں کہ ان سے کتاب اللہ پر زیادتی ہو سکے۔ اس موقعہ کی علامہ ابن حجر اور علامہ عینی کی ابحاث قابل دید ہیں۔

علاوہ ازیں اس بارے میں احادیث بھی ہیں' مثلاً ''الیمین علی المدعٰی علیہ'' یہ ترکیب حصر کا افادہ کرتی ہے اور حدیث ''البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر'' یہ ترکیب بھی مفید حصر ہے جس سے ثابت ہے کہ مدعی کے ذمے صرف بینہ ہے اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔

اشعث بن قیس کی حدیث ''شاھداك او یمینہ'' میں خاص بات یہ ہے کہ اشعث بن قیس ۱۰ھ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض محققین نے فرمایا کہ وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم معتبر ہے' منسوخ ہیں۔

بَابٌ اِذَا ادَّعٰى اَوْ قَذَفَ فَلَهٗ اَنْ يَّلْتَمِسَ الْبَيِّنَةَ وَيَنْطَلِقَ لِطَلَبِ الْبَيِّنَةِ (ص۳۶۷)

جب دعویٰ کرے یا کسی پر زنا کا الزام لگائے تو اسے چاہیے کہ بینہ تلاش کرے اور جائے بینہ طلب کرے

۱۴۸۷- ثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ اِمْرَاَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّنَةُ اَوْ حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا رَاٰى اَحَدُنَا عَلٰى اِمْرَاَتِهٖ رَجُلًا يَّنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ الْبَيِّنَةَ وَاِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَذَكَرَ حَدِيْثَ اللِّعَانِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کا الزام لگایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بینہ لاؤ ورنہ تیری پیٹھ پر حد لگے گی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب کوئی اپنی عورت کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو وہ بینہ تلاش کرنے جائے گا' حضور یہی فرماتے رہے کہ بینہ لاؤ ورنہ تیری پیٹھ پر حد ہے' پھر لعان کی حدیث ذکر کی۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ نور۔ باب: قولہ ویدرء عنھا العذاب ص۶۹۵' کتاب الطلاق۔ باب: یبدء الرجل بالتلاعن ص۷۹۵' ابوداؤد۔ کتاب الطلاق' ترمذی۔ کتاب الطلاق والتفسیر)

حدیث میں خاص اپنی بیوی پر الزام لگانے کا تذکرہ ہے اور باب عام ہے' خواہ بیوی کو الزام لگائے خواہ اور کسی کو۔ علاوہ ازیں زوجہ کو الزام لگانے میں حد نہیں' لعان ہے' اس لیے بینہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ علاوہ ازیں بینہ تلاش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے پوچھے: کیا تم میں سے کسی نے یہ دیکھا ہے' یہ انتہائی معیوب بات ہے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ لعان کے شروع ہونے سے پہلے کا ہے' اس وقت بیوی اور اجنبی پر الزام کا ایک ہی حکم تھا' جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بینہ لا! ورنہ تیری پیٹھ پر حد ہے۔ اور امام بخاری نے حدیث کے کلمات کی مناسبت سے باب کا عنوان قائم کر دیا۔ ان کی مراد یہ ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ کسی پر بلا ثبوت الزام لگائے۔ جب لگائے گا تو ثبوت کے بعد لگائے گا۔ اب اگر دعویٰ کر دیا تو جو موقع کے واقعی گواہ ہیں' انہیں ڈھونڈ کر لائے اور حاکم کے سامنے پیش کرے۔

بَابٌ يَحْلِفُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ حَيْثُمَا وَجَبَتْ عَلَيْهِ الْيَمِيْنُ وَلَا يُصْرَفُ مِنْ مَّوْضِعٍ اِلٰى غَيْرِهٖ (ص ۳۶۷)

مدعیٰ علیہ پر جہاں قسم واجب ہو' وہیں قسم لی جائے' دوسری جگہ نہ پھیری جائے

توضیح باب

ہمارا اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ سے مجلس قضاء ہی میں حلف لیا جائے گا۔ قسم میں تغلیظ پیدا کرنے کے لیے کسی متبرک مقام پر لے جانا واجب نہیں ہے' مگر جمہور اس کے قائل ہیں۔ یہ تغلیظ مکہ مکرمہ میں رکن و مقام کے درمیان ہے اور مدینہ طیبہ میں منبر اقدس کے قریب اور دوسرے شہروں میں جامع مسجد میں' یہ لوگ بھی تھوڑے مال میں نہیں کہتے بلکہ دم یا مال کثیر میں۔ مالِ کثیر کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ ربع دینار سے کم پر اجازت نہیں۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ اس کی مقدار بیس دینار ہے۔ منبر اقدس کے پاس جھوٹی قسم کھانے پر وعیدیں آئی ہیں' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائے گا' اگرچہ گیلی مسواک پر' وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے گا۔[1] نیز حضرت ابوامامہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص میرے اس منبر کے پاس اس لیے جھوٹی قسم کھائے کہ کسی مسلمان کا مال لے لے تو اس پر فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

ت ۵۲۵- وَقَضٰى مَرْوَانُ بِالْيَمِيْنِ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اَحْلِفُ لَهٗ مَكَانِيْ فَجَعَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَّحْلِفُ وَاَبٰى اَنْ يَّحْلِفَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَجَعَلَ مَرْوَانُ يَعْجَبُ مِنْهُ۔ (ابوداؤد۔ کتاب القضا' نسائی۔ ایضا)

اور مروان نے یہ حکم دیا کہ زید بن ثابت منبر پر قسم کھائیں۔ انہوں نے کہا: میں جہاں ہوں وہیں قسم کھاؤں گا' حضرت زید بن ثابت قسم کھاتے تھے' مگر منبر پر قسم کھانے سے انکار فرما دیا' اس پر مروان تعجب کرتا رہا۔

اس تعلیق کو حضرت امام مالک نے موطا[2] میں روایت کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابت اور عبداللہ بن مطیع ایک مکان کا معاملہ لے کر مروان کے یہاں گئے۔ یہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ عبداللہ بن مطیع کے پاس بینہ نہ تھا' اس لیے مروان نے حضرت زید بن ثابت سے کہا کہ منبر اقدس پر قسم کھاؤ۔ حضرت زید نے فرمایا: بس جہاں ہوں وہیں قسم کھاؤں گا۔ اس پر مروان نے کہا: واللہ! قسم مقاطع الحقوق کے پاس ہی ہو گی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے منبر اقدس پر قسم کھانے سے انکار فرما دیا اور یہ قسم کھاتے رہے کہ ان کا حق حق ہے' اس پر مروان کو تعجب ہوتا رہا۔

1۔ موطا امام مالک۔ ص ۳۰۳۔ کتاب الاقضیہ۔ باب: الحنث علی منبر النبی ﷺ' ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۰۷۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: فی تعظیم الیمین عند منبر النبی ﷺ' ابن ماجہ۔ ص ۱۶۹۔ کتاب الاحکام۔ باب: الیمین عند مقاطع الحقوق

2۔ موطا امام مالک۔ ص ۳۰۳۔ کتاب الاقضیہ۔ باب: الیمین علی المنبر

احناف کی دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا عمل ہے اور اس سلسلے میں وارد نصوص کا اطلاق اور عموم۔ اس خصوص میں امام بخاری کا بھی مسلک احناف کے مطابق ہے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "شاھداك او یمینہ" کے اطلاق سے استدلال فرمایا' اس طرح کہ اس میں کسی جگہ کی تخصیص یا نفی نہیں' لہٰذا جہاں مجلس قضاء ہو' وہاں قسم کافی ہے۔

بَابٌ اِذَا تَسَارَعَ قَوْمٌ فِي الْيَمِيْنِ (ص ۳۶۷)
جب کوئی قوم حلف کھانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہے

۱۴۸۸- عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمِ الْيَمِيْنَ فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ يُّسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِيْنِ اَيُّهُمْ يَحْلِفُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں پر قسم پیش فرمائی تو ان میں سے ہر ایک نے جلدی کرنی چاہی' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے درمیان اس بات پر قرعہ ڈالا جائے کہ کون قسم کھائے گا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: من قضا ولعن عند منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۶۲)

یہ حدیث مشکل ترین احادیث میں سے ہے' اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ دو فریقوں نے کسی ایسی چیز پر دعویٰ کیا جس پر ان دونوں میں سے کسی کا قبضہ نہیں۔ اس حدیث میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعیین مشکل ہے اور بینہ بھی کسی کے پاس نہیں تو قاضی دونوں پر قسم پیش کرے گا اور کون قسم کھائے گا' اس کا فیصلہ بہ ذریعہ قرعہ کرے گا' جس فریق کے نام قرعہ نکلے' اس کے حلف پر فیصلہ کر دے گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہو گا کہ اس چیز پر دونوں کا قبضہ ہو۔

بَابُ مَنْ اَمَرَ بِاِنْجَازِ الْوَعْدِ (ص ۳۶۸)
جس نے وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا

توضیح باب

قریب قریب اس پر اجماع ہے کہ وعدہ پورا کرنا واجب نہیں' البتہ مکارمِ اخلاق سے ہے اور مستحب اور مستحسن ضرور ہے۔ جبکہ کسی ممنوع شی کا نہ ہو' ورنہ ممانعت کی حیثیت کے مطابق مکروہ یا حرام ہو گا۔ غالباً امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا واجب ہے' کیونکہ انہوں نے اس کی مؤید تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں۔

ت ۵۲۶- وَفَعَلَهُ الْحَسَنُ وَذَكَرَ اِسْمَاعِيْلَ ﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ (مريم: ۵۴).

اور اسے امام حسن بصری نے کیا' اور اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وہ وعدے کے سچے تھے۔

وفعله الحسن

"وفعلهٗ الحسن" میں دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ فِعل مصدر ہو اور "الحسن" صفت مشبہ کا صیغہ یعنی وعدہ پورا کرنا اچھا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فَعل ماضی اور الحسن سے امام حسن بصری مراد ہوں' یعنی امام حسن بصری نے یہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ وعدہ پورا کیا کرتے تھے۔

اسی طرح "وذکر اسماعیل" میں بھی دو احتمال ہیں' اوّل یہ کہ "ذکر" مصدر ہے اب معنی یہ ہوا' اسمٰعیل کا یہ تذکرہ۔ دوسرے یہ کہ یہ فعل ماضی ہو' جس کا فاعل اللہ عزّ وجل ہو۔ اب معنی یہ ہوئے: اللہ نے اسمٰعیل کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ایفاء وعدہ کے بارے میں۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں بہ طریق شعبی یہ روایت کی ہے کہ یہ ایک شخص کے ساتھ

ایک بستی میں تشریف لے گئے' اس کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ میں تمہارا انتظار کروں گا' سال بھر تک اس کا انتظار کرتے رہے' حتیٰ کہ بہ طریق ابن شوذب روایت ہے کہ وہیں مکان بنالیا۔

ت۵۲۷ - وَقَضٰی ابْنُ الْاَشْوَعِ بِالْوَعْدِ وَذَكَرَ ذٰلِكَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ.

اور ابن اشوع نے وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا اور اسے ذکر کیا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ابن اشوع کا نام سعید بن عمرو بن اشوع ہمدانی ہے۔ یہ خالد قسری کی امارت کے زمانے میں کوفہ کے قاضی تھے۔ انہیں ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ مشہور ہیں' لوگ انہیں جانتے ہیں۔

امام اسحاق بن راھویہ کی تفسیر میں ہے کہ ابن اشوع نے ذکر کیا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَرَاَيْتُ اِسْحَاقَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ يَحْتَجُّ بِحَدِيْثِ بْنِ اَشْوَعَ.

اور ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: پس میں نے اسحق بن ابراہیم (بن راھویہ) کو دیکھا کہ وہ ابن اشوع کی حدیث کو حجت جانتے تھے۔

اس سے مراد یہی مذکورہ بالا حدیث ہے۔

۱۴۸۹- ح: [اَىَّ الْاَجَلَيْنِ قَضٰى مُوْسٰى]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری فرمائی؟

۱۴۸۹- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَاَلَنِىْ يَهُوْدِىٌّ مِّنْ اَهْلِ الْحِيْرَةِ اَىَّ الْاَجَلَيْنِ قَضٰى مُوْسٰى قُلْتُ لَا اَدْرِىْ حَتّٰى اَقْدَمَ عَلٰى حِبْرِ الْعَرَبِ فَاَسْاَلَهٗ فَقَدِمْتُ فَسَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ قَضٰى اَكْثَرَهُمَا وَاَطْيَبَهُمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا قَالَ فَعَلَ.

سعید بن جبیر شہید نے فرمایا کہ مجھ سے حیرہ کے ایک یہودی نے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری فرمائی؟ تو میں نے کہا: میں نہیں جانتا! عرب کے حبر کے پاس جاؤں گا تو ان سے پوچھوں گا۔ میں نے حضرت ابن عباس کی خدمت مین حاضری دی (اور پوچھا) تو فرمایا: ان دونوں میں جو بڑی اور عمدہ تھی' اللہ کے رسول جو فرماتے ہیں' کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا لقب حبر عرب' جبریل امین نے رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یہاں تشریف لے گئے تو حضرت شعیب نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے نکاح کردوں' اس مہر پر کہ تم آٹھ سال میرے یہاں کام کرو اور دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری طرف سے ہوگی۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان قرارداد ہو چکی' میں ان دونوں میں سے جو بھی میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ (القصص: ۲۷-۲۸)

علامہ جوزی نے کہا ہے کہ حضرت شعیب کی خواہش یہی تھی کہ وہ دس سال رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی خواہش کے مطابق یہی کیا۔[۱] "اطیبھا" سے مراد یہ ہے کہ جو حضرت شعیب کو زیادہ پسند تھی۔ اس پسندیدگی میں اس کو بھی دخل تھا کہ اس طرح ان کی صاحبزادی مزید دو سال ان کے پاس رہتیں۔

بَابٌ لَا يُسْاَلُ اَهْلُ الشِّرْكِ

مشرکین سے شہادت وغیرہ کے بارے

۱ فتح الباری' ج ۵' ص ۲۹۱

عَنِ الشَّهَادَةِ وَغَيْرِهَا (ص۳۶۹)

میں پوچھا نہیں جائے گا

توضیح باب

مطلب یہ ہے کہ ان کی گواہی مطلقاً قبول نہیں' اس بارے میں سلف کے کئی قول ہیں' جمہور کا قول یہ ہے کہ کفار کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں' نہ مسلمانوں کے حق میں مقبول نہ خود ان کے حق میں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز' امام شعبی' نافع' حماد' وکیع کا قول یہ ہے کہ ان کی شہادت ان کے ہم مذہب کے حق میں مقبول ہے' مسلمانوں کے حق میں مقبول نہیں۔

ت۵۲۸ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ اَهْلِ الْمِلَلِ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ﴾ (المائدہ:۱۴).

امام شعبی نے کہا: اختلاف مذہب کی صورت میں ایک کی گواہی دوسرے کے خلاف مقبول نہیں' اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے: ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام سعید بن منصور نے روایت کیا ہے' امام شعبی سے اس بارے میں دو متضاد روایتیں آئی ہیں۔

امام عبدالرزاق نے یہ روایت کیا ہے کہ امام شعبی نے کہا کہ یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی یہودی کے خلاف درست ہے۔

امام ابوبکر نے بہ طریق اشعث جو روایت کی' اس میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں دوسرے مذہب والوں کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف درست ہے۔

۱۴۹۰- ح: [كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ اَهْلَ الْكِتَابِ]

تم اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو؟

۱۴۹۰ - عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ اَهْلَ الْكِتَابِ وَكِتَابُكُمُ الَّذِيْ اُنْزِلَ عَلٰى نَبِيِّهٖ اَحْدَثُ الْاَخْبَارِ بِاللّٰهِ تَقْرَءُوْنَهٗ لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللّٰهُ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ وَغَيَّرُوْا بِاَيْدِيْهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوْا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴿لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (البقرہ:۷۹) اَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَّا جَآءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مُّسَاءَلَتِهِمْ وَلَا وَاللّٰهِ مَا رَاَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا قَطُّ يَسْاَلُكُمْ عَنِ الَّذِيْ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو' حالانکہ تمہاری وہ کتاب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے' اللہ کی طرف سے آنے والی خبروں میں سب سے نئی ہے' جس کو تم پڑھتے ہو اور اس میں کوئی آمیزش نہیں' اور تم سے اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل دیا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اس میں تغیر کر دیا ہے' پھر کہا کہ اللہ کی طرف سے ہے' تاکہ اس کے عوض معمولی قیمت وصول کریں' جو علم تمہارے پاس آیا' کیا وہ تم کو اہل کتاب سے پوچھنے کو منع نہیں کرتا' بخدا! ہم نے ان میں سے کسی شخص کو کبھی نہیں دیکھا کہ تم پر جو نازل ہوا ہے اس کو تم سے پوچھیں۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: لا تسئلوا اهل الكتاب ص ۱۰۹۴' کتاب التوحید۔ باب: قول الله تعالىٰ: كل يوم هو فى شان ص ۱۱۲۳)

احدث الاخبار

"الاخبار" میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ مصدر ہو' اب معنی یہ ہوں گے کہ خبر دینے میں نئی ہے اور بہ نسبت اور کتابوں کے اسے

نزول کے اعتبار سے نئی فرمایا' ورنہ قرآن مجید اللہ عزوجل کا کلام ہے جو قدیم غیر مسبوق بالعدم ہے۔

مطابقت باب

اس حدیث سے باب کا ثبوت دو طریقے سے ہے۔ ایک اس طرح کہ جب اہل کتاب کی خبر معتبر نہیں تو شہادت بہ درجہ اولیٰ معتبر نہیں' کیونکہ یہ بہ نسبت خبر کے زیادہ وقیع ہے۔ دوسرے اس طرح کہ جب ان لوگوں نے چند ٹکوں کی خاطر کتاب اللہ کو بدل دیا تو ان کا کیا بھروسہ کہ کسی لالچ میں آ کر جھوٹی گواہی نہ دے دیں۔

بَابُ الْقُرْعَةِ فِي الْمُشْكِلَاتِ - مشکلات میں قرعہ

وَقَوْلِهٖ ﴿إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ (آل عمران:٤٤)(ص٣٦٩).

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: اور یاد کرو جب وہ اپنے قلموں کو ڈالتے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا۔

ت٥٢٩ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اقْتَرَعُوْا فَجَرَتِ الْأَقْلَامُ مَعَ الْجِرْيَةِ وَعَالَ قَلَمُ زَكَرِيَّاءَ الْجِرْيَةَ فَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّاءُ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان لوگوں نے قرعہ اندازی کی تو سب قلم بہاؤ کے ساتھ بہہ گئے اور زکریا کا قلم بہاؤ کے اوپر ہو گیا' اس لیے انہوں نے مریم کو اپنی پرورش میں لے لیا۔

"وقوله. القرعة" پر معطوف ہے اور باب کا جز ہے۔

عمران کی بیوی حنہ بنت فاقوذا کے بچے نہیں ہوتے تھے' انہوں نے ایک دن دیکھا کہ ایک چڑیا اپنے بچے کو دانا کھلا رہی ہے' تو ان کے دل میں اولاد کی شدید آرزو پیدا ہوئی اور اللہ سے دعا مانگی' ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ اُمید سے ہو گئیں۔ جب حمل کا یقین ہو گیا تو یہ منت مانی کہ جو بچہ پیدا ہو گا' اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے دے دوں گی۔ اللہ کی مرضی کہ بچی پیدا ہوئی' جن کا نام مریم رکھا گیا۔ پیدائش کے بعد بچی کو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے آئیں اور اس کے خدام کے حوالے کر دیا۔

حضرت مریم کے والد ماجد عمران توریت کے زبردست عالم اور بیت المقدس کے امام تھے' اس لیے سارے خدام کی تمنا یہ تھی کہ ہم مریم کی پرورش کریں۔ کوئی دست بردار ہونے کے لیے راضی نہ تھا' حالانکہ حضرت زکریا ان کے سردار تھے اور انہوں نے اس پر اپنا استحقاق یوں بیان فرمایا کہ مریم کی خالہ میری زوجیت میں ہے' اس پر بھی کوئی راضی نہ ہوا' اس لیے یہ طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے' یہ لوگ ان قلموں کو لے کر دریائے اُردن کے کنارے گئے' جن سے توریت لکھتے تھے۔ سب نے اپنے اپنے قلم دریا میں ڈالے' حضرت زکریا علیہ السلام کے علاوہ سب کے قلم دریا میں بہہ گئے مگر حضرت زکریا کا قلم پانی کے اوپر رہا اور رُکا رہا۔ اور یہی طے تھا کہ جس کا قلم پانی میں بہے نہیں اور پر رُکا رہے' وہی مریم کی پرورش کرے گا۔ اس قرارداد کے مطابق حضرت زکریا نے حضرت مریم کو اپنی پرورش میں لے لیا۔

وَقَوْلِهٖ ﴿فَسَاهَمَ﴾ أَقْرَعَ ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ﴾ (الصافات:١٤١) مِنَ الْمَسْهُوْمِيْنَ.

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: "اس نے کشتی والوں کے ساتھ قرعہ ڈالا تو اسی کا نام دھکیلے جانے والوں میں نکلا"۔

توضیح..... (حضرت یونس علیہ السلام)

یہ بھی "القرعة" پر عطف ہے اور باب کا جز ہے۔ یہ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں ہے' یہ اہل نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ موصل کے نواح میں دجلہ کے کنارے ایک بستی تھی۔ ان کی قوم نے ان پر جب ایمان لانے سے انکار کیا تو انہوں نے

ان کی ہلاکت کی دعا کی اور فرمایا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا' اور انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب اہل نینویٰ نے دھواں اور دوسری عذاب کی علامتیں دیکھیں تو ڈر گئے اور ان پر ایمان لائے اور سچے دل سے ایمان لائے اور توبہ کی۔ لوگوں کے حقوق واپس کر دیئے یہاں تک کہ عمارتوں میں لگے پتھر بھی واپس کر دیئے۔ حضرت یونس کی تلاش میں نکلے مگر وہ نہیں ملے' اللہ نے ان پر سے عذاب اُٹھالیا۔

حضرت یونس علیہ السلام ایک کشتی میں سوار ہوئے' کشتی کچھ دور چل کر بیچ دریا میں رک گئی۔ بہ ظاہر اس کا کوئی سبب نہ تھا' ملاحوں نے کہا کہ کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ جب تک اسے دریا میں نہیں ڈالا جائے گا' کشتی چلے گی نہیں' مگر کسی نے نہ اقرار کیا اور نہ کسی ایسے غلام کو بتایا' اس لیے قرعہ ڈالا گیا' چھ بار قرعہ پڑا' ہر بار حضرت یونس ہی کا نام نکلا' مجبوراً انہیں کو دریا میں ڈال دیا گیا۔

ایک مچھلی کو حکم ہوا' اس نے نگل لیا اور مچھلی کو یہ بھی حکم ہوا کہ ان کو نہ ہضم کرنا نہ ہڈی توڑنا' پھر بہ حکم الٰہی مچھلی نے انہیں خشکی پر اُگل دیا' مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے؟ اس میں ایک دن سے لے کر چالیس دن تک کا قول ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات جستہ جستہ قرآن مجید میں متعدد جگہ مذکور ہیں۔ ان دونوں واقعات کے تذکرے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اگلی شریعت میں قرعہ اندازی مشروع تھی' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اگلی شریعتوں کے احکام اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائیں اور انکار نہ کریں تو وہ ہماری بھی شریعت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۳- کِتَابُ الصُّلْحِ

صلح کا بیان

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ (ص ۳۷۰)

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ (النساء:۱۱۴) وَخُرُوْجِ الْاِمَامِ اِلَى الْمَوَاضِعِ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ بِاَصْحَابِهٖ.

لوگوں کے درمیان صلح کرانا

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ان کی بہت سی سرگوشیوں میں بھلائی نہیں سوائے اس کے جو صدقہ کا حکم کرے یا اچھے کام کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا' اور امام کا اپنے اصحاب کے ساتھ اختلاف کی جگہوں پر جانا' تا کہ لوگوں کے مابین صلح کرائے۔

۱۴۹۱- ح: [اِنْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ]

نبی ﷺ کا عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جانا

۱۴۹۱- سَمِعْتُ اَبِيْ اَنَّ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قِيْلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَتَيْتَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اُبَيٍّ فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ حِمَارًا فَانْطَلَقَ الْمُسْلِمُوْنَ يَمْشُوْنَ مَعَهٗ وَهِيَ اَرْضٌ سَبِخَةٌ فَلَمَّا اَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِلَيْكَ عَنِّيْ وَاللّٰهِ لَقَدْ اٰذَانِيْ نَتْنُ حِمَارِكَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْهُمْ وَاللّٰهِ لَحِمَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْيَبُ رِيْحًا مِّنْكَ فَغَضِبَ لِعَبْدِاللّٰهِ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَشَتَمَا فَغَضِبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَصْحَابُهٗ فَكَانَ بَيْنَهُمَا ضَرْبٌ بِالْجَرِيْدِ وَالْاَيْدِيْ وَالنِّعَالِ فَبَلَغَنَا اَنَّهَا نَزَلَتْ ﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات:۹).

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلتے تو اچھا ہوتا' تو نبی ﷺ اس کے یہاں تشریف لے گئے اور گدھے پر سوار ہوئے' مسلمان پیدل حضور کے ساتھ چلے اور وہ شور زمین تھی' جب نبی ﷺ اس کے یہاں پہنچے تو اس نے کہا: ہم سے دور رہ! واللہ! تیرے گدھے کی بو نے مجھے ایذاء پہنچائی۔ انہیں میں سے ایک انصاری نے کہا: واللہ! رسول اللہ ﷺ جس گدھے پر سوار ہیں' اس کی خوشبو تیری بو سے بہ درجہا اچھی ہے۔ اس پر اس کے برادری کے ایک شخص کو غصہ آ گیا' دونوں گالی گلوچ کرنے لگے' جس کے نتیجے میں ہر ایک کے ساتھی غضب ناک ہو گئے اور ان کے درمیان کھجور کی شاخوں' ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ ہوئی' ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی: اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں

لڑیں تو ان میں صلح کرادو۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ هٰذَا مَا انْتَخَبْتُ مِنْ مُّسَدَّدٍ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ وَيُحَدِّثَ. (مسلم۔ کتاب المغازی)

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: یہ وہ ہے جو میں نے مسدد سے منتخب کیا ہے' قبل اس کے کہ وہ بیٹھیں اور حدیث بیان کریں۔

فقال رجل من الانصار

کتاب الاستیذان[1] میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے' اگرچہ دونوں کے سیاق میں اختلاف ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے جارہے تھے۔

علامہ ابن حجر نے یہ تطبیق دی کہ ہوسکتا ہے کہ عرض مذکور کے بعد یہ خیال فرمایا ہو کہ چلو! سعد ابن عبادہ کی عیادت بھی کرتے آئیں اور عبداللہ بن ابی کو اسلام کی دعوت بھی دے دیں' دونوں ایک ہی قبیلے خزرج کے فرد تھے۔

و كان بينهما

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا' یہاں تک کہ خاموش ہو گئے۔

فبلغنا

اس کے قائل حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں' جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے' جو بہ طریق مقدسی ہے: ''قال انس فانبئت انها نزلت فيهم'' حضرت اسامہ کی حدیث میں یہ نہیں۔

اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر (حوالۂ مذکور) سے پہلے کا ہے' جبکہ ابن ابی ابن سلول نے اظہار اسلام بھی نہیں کیا تھا' جو اس حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے اور یہ آیۂ کریمہ سورۂ حجرات کی ہے' جو بہت بعد میں سنۃ الوفود ۹ھ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا علامہ ابن حجر نے یہ جواب دیا کہ ہوسکتا ہے اتنا حصہ ان دونوں موقعوں پر نازل ہوا ہو اور ابن ابی ابن سلول اور اس کے ہمراہیوں پر مؤمنین کا اطلاق تغلیباً ہوا ہو۔

بَابٌ لَّيْسَ الْكَاذِبُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ (ص ۳۷۱)

وہ جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے

۱۴۹۲ - اَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اُمَّهٗ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عُقْبَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِيْ خَيْرًا اَوْ يَقُوْلُ خَيْرًا.

(مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الادب' ترمذی۔ کتاب البر' نسائی۔ کتاب السیر)

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا ہے' آپ فرماتے تھے: وہ جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور اچھی بات بتائے یا اچھی بات کہے۔

ينمي

نمی ینمی' یہ ضرب یضرب سے جب آتا ہے تو اس کے معنی بہ نیت اصلاح کسی سے بات کہنے کے ہیں' جسے چغلی کہتے ہیں۔

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۹۲۴۔ کتاب الاستیذان۔ باب: التسليم فی مجلس فيه اخلاط

ذو معنی کلام جھوٹ سے مستغنی کرنے والا ہے

اس حدیث سے اقتضاءً یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو فریقوں میں صلح کرانے کے لیے خلاف واقعہ ایسی بات کہنے کی اجازت ہے' جس سے صلح میں مدد ملے' مگر بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ کسی حال میں جائز نہیں۔ اس سے مراد توریہ ہے' یعنی ایسی ذومعنی بات کہنی جس میں سچ کا بھی پہلو ہو' لیکن تحقیق یہ ہے کہ جنگ اور زوجین میں میل جول کرانے اور دو فریقوں میں صلح کرانے نیز اپنی یا کسی مسلمان کی جان' مال' عزت آبرو بچانے کے لیے خلاف واقعہ بات کہنی جائز بلکہ مستحب ہے' حتیٰ کہ بعض صورتوں میں واجب' مگر اس وقت جبکہ توریہ سے بھی کام نہ چلے اور خلاف واقعہ بات کہے بغیر چارۂ کار نہ ہو[1] اور اگر توریہ سے کام چل جائے تو خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت نہیں۔ حدیث میں ہے:

المعاریض مندوحة عن الكذب. تعریضات جھوٹ سے مستغنی کرنے والی ہیں۔

(فتح الباری۔ ج۱۰ص ۵۹۴)

بَابٌ اِذَا اصْطَلَحُوْا عَلٰى صُلْحِ جَوْرٍ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ (ص۳۷۱)

جب غیر مشروع بات پر صلح کرلیں تو وہ واجب الرّد ہے

۱۴۹۳- عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اس دین میں اگر کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں سے نہ ہو' وہ مردود ہے۔

اس حدیث میں امام بخاری کے شیخ 'یعقوب' ہیں۔ امام بخاری نے یہاں بھی اور مغازی ''باب فضل من شهد بدرا'' کے بعد والے بلاعنوان باب کے تحت نسبت کے بغیر ذکر کیا ہے اور یعقوب نام کے اس درجے میں چار افراد ہیں: یعقوب بن ابراہیم ورقی' یعقوب بن ابراہیم بن سعد' یعقوب بن حمید بن کاسب' یعقوب بن محمد بن زہری۔

اس حدیث میں مراد کون یعقوب ہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے' مگر خود بخاری ہی کے ابوذر کے نسخے میں مغازی کی روایت میں یعقوب بن ابراہیم ورقی ہے۔ علامہ ابن حجر کا خیال ہے کہ یہ اس بناء پر ہے کہ بخاری کتاب الطہارۃ میں ایک جگہ یعقوب بن ابراہیم عن اسمٰعیل بن علیہ ہے۔ علامہ ابن حجر نے اسی کو راجح کہا[2] اس لیے کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ کہیں اگر کوئی راوی غیر منسوب ہے' مگر دوسری جگہ منسوب ہے تو وہی مراد ہوتا ہے۔ ''فيه ما فيه ولسنا بصدد طول البحث''۔

تکمیل

مسلم[3] میں ہے کہ سعد بن ابراہیم نے کہا کہ میں نے قاسم بن محمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس کے پاس بہت سے مکانات تھے' اس نے ہر مکان کے ثلث کی وصیت کی۔ قاسم نے فرمایا: یہ سب ایک مکان میں جمع کردیا جائے' مگر مسلم کا متن یہ ہے:

''من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو ردّ'' جو ایسا عمل کرے جس پر ہمارا دین نہیں' وہ مردود ہے۔

ابوالحسین بن خالد کی کتاب السنہ میں قصہ یوں مذکور ہے: سعد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ فضل بن عباس بن عتبہ بن ابولہب نے ایک وصیت کی' کچھ صدقہ' کچھ میراث اور خلط ملط کردیا اور میں قاضی تھا' میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسے فیصلہ

[1] ردالمحتار۔ ج۵ص ۲۷۴ [2] فتح الباری۔ ج۵ص ۳۰۲ [3] مسلم۔ ج۲ص ۷۷۔ کتاب الاقضیہ۔ باب: نقض الامور الباطلة

کروں، تو میں نے قاسم بن محمد کے پہلو میں نماز پڑھی اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ تہائی میں وصیت نافذ کر دے اور بقیہ میراث میں لوٹا دے، اس لیے کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی۔ الحدیث (فتح الباری۔ ج۵ ص ۳۰۲)

یہ سعد بن ابراہیم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پوتے ہیں، ان کے صاحبزادے کا بھی نام ابراہیم تھا، جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ مسلم کی روایت اور اس میں تعارض نہیں۔ اس روایت میں وصیت کو مبہم رکھا اور مسلم میں تفصیل ہے، البتہ حضرت قاسم کے جوابات میں تعارض ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق جواب کا حاصل یہ نکلا کہ ہر مکان کے ثلث دینے کے بجائے ہر مکان کے ثلث کی جو مقدار ہوتی ہے، اسے اکٹھا ایک مکان میں دے دے۔ غالباً یہ اس بناء پر تھا کہ موصی لہم اور وارثین نے خود یہ تجویز رکھی ہو، خواہ اس بناء پر کہ مکانوں کا ثلث موصیٰ لہم کے لیے بیکار رہا ہو یا کسی اور وجہ سے۔

اور دوسری روایت میں جواب کا حاصل یہ ہے کہ کل ترکے کی تہائی وصیت میں دے دے بقیہ وارثین کو۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ غالباً حضرت قاسم نے پہلے ہی جواب دیا تھا، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ترکے میں صرف یہی مکانات رہے ہوں، تو انہوں نے ایک نباض فقیہ کا جواب دیا کہ کل ترکے کو دیکھ لو اور اس کی تہائی میں وصیت نافذ کر دو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد بتایا گیا ہو کہ ترکے میں صرف یہی مکانات ہیں، تو دوسرا جواب ارشاد فرمایا، روایتوں میں اختصار کی عادت سب کو معلوم ہے۔

''ما لیس منه'' سے کیا مراد ہے؟

میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کے مانعین ان چیزوں کے حرام و بدعت سیئہ ہونے پر اس حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی خطائے فاحش ہے، اس لیے کہ ''ما لیس منه'' سے مراد وہ نوایجاد چیزیں ہیں جو قرآن، حدیث، اجماع کے مخالف ہیں، یا اس کی کتاب و سنت سے کوئی اصل ظاہر یا خفی ملفوظ یا مستنبط ہو۔ حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

ما احدث مما یخالف الکتاب او السنة او الاثر او الاجماع فهو ضلالة وما احدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذٰلك فلیس بمذموم.

کتاب اللہ یا سنت یا اثر یا اجماع کے مخالف جو چیز ایجاد کی جائے، تو وہ گمراہی ہے اور جو چیز ان میں سے کسی کے مخالف نہیں، اس کا ایجاد کرنا مذموم نہیں۔

نیز اسی میں ہے:

والمعنی ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر او خفی ملفوظ او مستنبط فهو مردودٌ علیه.

اس کے معنی یہ ہیں: جس نے اسلام میں ایسی رائے ایجاد کی جس کی کتاب و سنت سے کوئی ظاہر یا خفی ملفوظ یا مستنبط سند نہ ہو، وہ اس پر رد کر دی جائے گی۔

اچھی چیز کا ایجاد کرنا اچھا ہے

بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ اچھی چیز کا ایجاد کرنا بھی باعث ثواب ہے اور اس پر عمل کرنا بھی۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شییء ومن سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، اسے اس کا ثواب ہے اور اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب ہے بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کمی کی جائے۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالا، اس پر اس کا گناہ ہے اور اس کے

اوزارھم شیئ۔ | بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں' سب کے برابر گناہ ہے' بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہ میں کمی کی جائے۔

(مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۵۷' ۴۵۷' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الزکوۃ۔ ج ۲۔ کتاب العلم ص ۳۴۱' نسائی۔ کتاب الزکوۃ ص ۳۵۶' مشکوۃ ص ۳۳)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گزرا کہ حسنہ اور سیئہ محمود و مذموم کی بنیاد یہ ہے کہ جو چیزیں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اثر یا اجماع کے مخالف ہوں' وہ مذموم ہیں سیئہ ہیں اور جو ان میں سے کسی کے مخالف نہیں' وہ مذموم نہیں۔

اس لیے جو لوگ میلاد' فاتحہ' عرس کو بدعت سیئہ اور حرام کہتے ہیں' یہ ان کے ذمہ ہے کہ بتائیں! یہ چیزیں کس آیت یا کس حدیث یا کس اثر یا اجماع کے مخالف ہیں اور اگر یہ نہیں ثابت کر سکتے اور ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز ہرگز نہیں ثابت کر سکتے تو ان کا ان چیزوں کو حرام اور بدعت سیئہ کہنا شریعت پر افتراء اور اپنے جی سے نئی شریعت گڑھنا ہے۔ تفصیل کے لیے ''اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد' اذاقۃ الآثام لمعانی المولد والقیام' انوار ساطعہ اور اثبات ایصال ثواب کا مطالعہ کریں۔

بَابٌ كَيْفَ يُكْتَبُ هٰذَا مَا صَالَحَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَّفُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَّاِنْ لَّمْ يَنْسُبْهُ اِلٰى قَبِيْلَتِهٖ اَوْ نَسَبِهٖ (ص ۳۷۱)

صلح نامہ کیسے لکھا جائے؟ یہ صلح نامہ فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کے مابین ہے' اگرچہ قبیلے اور نسب کا ذکر نہ ہو

۱۴۹۴- ح: [اَلصُّلْحُ الْحُدَيْبِيَّةُ]

صلح حدیبیہ

۱۴۹۴- عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ فَاَبٰى اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يَّدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتّٰى قَاضَاهُمْ عَلٰى اَنْ يُّقِيْمَ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوْا هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا لَا نُقِرُّ بِهَا فَلَوْ نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ لٰكِنْ اَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابَ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِسِلَاحٍ اِلَّا فِي الْقِرَابِ وَاَنْ لَّا يَخْرُجَ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّتَّبِعَهٗ وَاَنْ لَّا يَمْنَعَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِهٖ اَرَادَ اَنْ يُّقِيْمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ اَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوْا قُلْ لِصَاحِبِكَ اُخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْاَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذوقعدہ میں عمرہ کرنے چلے' اہل مکہ نے یہ پسند نہیں کیا کہ حضور کو مکہ کے اندر جانے دیں' یہاں تک کہ اس پر صلح ہوئی کہ تین دن مکہ میں ٹھہریں گے' جب دستاویز لکھی گئی تو اس میں یہ لکھا گیا: یہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے' اہل مکہ نے اس پر یہ کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کریں گے' اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو روکتے نہ' ہاں! آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ فرمایا: میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں' پھر حضرت علی سے فرمایا: رسول اللہ مٹا دے! انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اسے کبھی نہیں مٹاؤں گا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دستاویز لے لی اور لکھا: یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے کہ مکہ میں تشریف لائیں گے تو کھلا ہتھیار ساتھ نہ رکھیں گے' اگر ہوگا تو میان میں اور اگر مکہ والوں میں سے کوئی ان کے ساتھ جانا چاہے تو اسے نہیں لے جائیں گے اور اگر ان کے اصحاب میں سے کوئی مکہ رہنا چاہے تو اسے منع نہیں کریں گے۔ جب حضور مکہ تشریف لے گئے اور میعاد

فَتَبِعَتْهُمْ ابْنَةُ حَمْزَةَ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَاَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ دُوْنَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا فَاخْتَصَمَ فِيْهَا عَلِيٌّ وَّزَيْدٌ وَّجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ اَنَا اَحَقُّ بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي وَقَالَ جَعْفَرُ ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي وَقَالَ زَيْدٌ بِنْتُ اَخِي فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّي وَاَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ اَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي وَقَالَ لِزَيْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا.

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: المصالحة علی ثلاثة ایام ص ۴۵۲، کتاب المغازی۔ باب: عمرة القضاء ص ۵۱۰، مسلم۔ کتاب المغازی، ابوداود۔ کتاب الحج، ترمذی)

پوری ہونے کے قریب ہوئی تو اہل مکہ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا: اپنے صاحب سے کہو: یہاں سے تشریف لے جائیں' میعاد پوری ہو چکی۔ نبی ﷺ واپس ہوئے' اس وقت حضرت حمزہ کی بیٹی اے چچا! اے چچا! پکارتی ہوئی پیچھے لگ گئی' اسے حضرت علی نے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا' اور حضرت فاطمہ سے کہا: لو! یہ تمہارے چچا کی بچی ہے۔ حضرت سیّدہ نے اسے گود میں لے لیا۔ اس کے بارے میں حضرت علی' زید اور جعفر نے اپنا اپنا دعویٰ پیش کیا۔ حضرت علی نے کہا: میں اس کا زیادہ حقدار ہوں یہ میرے چچا کی بچی ہے اور حضرت جعفر نے کہا: یہ میرے چچا کی بچی ہے اور اس کی خالہ میری زوجیت میں ہے' اور حضرت زید نے کہا: میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ نبی ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور فرمایا: خالہ بہ منزلہ ماں ہے' اور حضرت علی سے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ اور حضرت جعفر سے فرمایا: تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو' اور حضرت زید سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔

صلح حدیبیہ کا پورا قصہ کتاب الشروط میں آئے گا' ذوالقعدہ ۶ھ میں پہلی تاریخ کو دوشنبہ کے دن حضور اقدس ﷺ مدینہ سے عمرے کے ارادے سے مکہ معظمہ چلے' ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ قربانی کے جانوروں کو قلادہ ڈالا اور اشعار کیا۔ اہل مکہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے طے کر لیا کہ کسی قیمت پر حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کو مکہ آنے نہیں دیں گے۔ جب حضور اقدس ﷺ ثنیۃ المرار پہنچے جو مکہ معظمہ سے پہلے ایک منزل کی دوری پر ہے' تو حضور اقدس ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے ہر چند اُٹھانا چاہا لیکن اونٹنی نہ اُٹھی' کچھ لوگوں نے کہا کہ قصوا تھک گئی' یہ سن کر حضور نے فرمایا: یہ تھکی نہیں ہے اور نہ اس کی عادت ہے' مگر اسے (ابرہہ کے) ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک دیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! قریش جو بھی ایسی بات پیش کریں گے جس میں حرم کی تعظیم ہو گی' میں قبول کر لوں گا۔

اس کے بعد لوگوں نے قصوا کو آواز دی تو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے حدیبیہ کے انتہائی سرے پر حرم کے قریب آ کر پڑاؤ ڈالا اور یہیں وہ تاریخی صلح ہوئی جس کی ہر دفعہ مسلمانوں کے لیے مغلوبانہ تھی' مگر اللہ عزوجل نے اسے فتح مبین کہا۔ بعد کے واقعات نے دنیا کو دکھا دیا کہ واقعی وہ فتح مبین تھی۔ ارباب سیر نے لکھا کہ اس مدت میں اتنے زیادہ لوگ مسلمان ہوئے کہ اسلام کے گزشتہ انیس سالوں میں نہ ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید سیف اللہ فاتح شام' حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر' انہیں ایام میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

صلح نامہ کی کتابت کے بعد تین دن تک حضور اقدس ﷺ نے وہاں قیام فرمایا' قربانی کے جانور ذبح کیے اور احرام کھولا۔

فکتب

حضور اقدس ﷺ اُمّی تھے' دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ اس لیے شارحین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے' حضور نے حضرت علی کو لکھنے کا حکم دیا اور ان سے لکھوایا' مگر بہت سے محققین نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اتنا جملہ خود تحریر فرمایا تھا اور یہ بہ طور اعجاز تھا۔

فتبعتهم

اسد اللہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ان صاحبزادی کا نام عمارہ یا اُمامہ تھا۔ ان کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت عمیس تھا' انہوں نے اے میرے چچا! اے میرے چچا! پکارا۔ یہ یا تو اہل عرب کی عادت کے مطابق تھا کہ اپنے سے بڑے کو چچا کہتے تھے' یا اس بناء پر کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضور اقدس ﷺ دونوں نے ابولہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا' یا انہوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارا تھا' جن کے اور حضرت حمزہ کے مابین حضور اقدس ﷺ نے مواخاۃ قائم کی تھی' حضرت جعفر بن ابو طالب کی زوجیت میں ان کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔

انت اخونا ومولانا

اخوت سے مراد دینی اخوت ہے' اور یہ از راہِ خرد نوازی فرمایا' اس لیے سند نہیں' مولیٰ کے معنی آزاد کردہ غلام کے ہیں اور محبوب کے بھی۔ یہ سن کر حضرت زید خوشی میں رقص کرنے لگے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۳ ص ۲۷۷)

مطابقت باب

باب کا حال یہ تھا کہ صلح کی دستاویز میں فریقین کے قبیلے اور نسب نامے کو تحریر کرنا ضروری نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ فریقین کے نام اس طرح لکھے جائیں کہ اشتباہ باقی نہ رہے۔ نام نامی کے ساتھ رسول اللہ' لکھنے سے اشتباہ بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے' اس لیے پہلے یہی تحریر کرایا' حتیٰ کہ والد ماجد کا نام نامی بھی نہیں لکھوایا' مگر جب ان جاہل معاندین کو اعتراض ہوا تو ابن عبد اللہ لکھوایا' چونکہ محض اتنے ہی سے اشتباہ ختم ہو جاتا ہے' اس لیے نہ قبیلہ لکھوایا نہ نسب نامہ' لیکن اگر کسی کا مشہور وصف نہ ہو اور محض باپ کے نام سے پورا امتیاز نہ ہوتا ہو تو دادا' پردادا جتنے سے امتیاز کلی حاصل ہو' لکھوانا ضروری ہے۔ ہمارے زمانہ میں سکونت بقید محلّہ لکھتے ہیں' یہ بھی امتیاز کے لیے ہے۔

سُہیلی نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کی دو کاپیاں کی گئی تھیں' ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی اور دوسری سہیل کو دی گئی جو اہل مکہ کا نمائندہ تھا۔ اس پر بحیثیت گواہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ کے دستخط تھے اور اہل مکہ کی جانب سے مکرز بن حفص اور حویطب بن عبد العزیٰ کے دستخط تھے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۱۳ ص ۲۷۷)

بَابُ الصُّلْحِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ (ص ۳۷۲)

مشرکین کے ساتھ صلح

۱۴۹۵- عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ عَلٰى أَنَّ مَنْ أَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ رَدَّهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ أَتَاهُمْ مِنَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے مشرکین سے یوم حدیبیہ تین شرطوں پر صلح کی' (اوّل) اگر مشرکین میں سے کوئی حضور کی خدمت میں آئے گا تو اسے واپس کر دیں گے' (دوم) مسلمانوں میں سے جو مشرکین کے پاس آئے تو وہ واپس

الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَرُدُّوهُ وَعَلٰى اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَّيُقِيمَ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَّلَا يَدْخُلَهَا اِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ السَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهٖ فَجَآءَ اَبُوْ جَنْدَلٍ يَّحْجُلُ فِيْ قُيُوْدِهٖ فَرَدَّهٗ اِلَيْهِمْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ لَمْ يَذْكُرْ مُؤَمَّلٌ عَنْ سُفْيَانَ اَبَا جَنْدَلٍ وَّقَالَ اِلَّا بِجُلُبِّ السِّلَاحِ.

نہیں کریں گے' (سوم) مکہ میں سال آئندہ آئیں گے اور صرف تین دن ٹھہریں گے اور مکہ میں ہتھیار تلوار کمان کے تھیلے کے ساتھ آئیں گے' اور ابوجندل اپنی بیڑیوں میں دونوں پاؤں سے کودتے ہوئے آئے تو انہیں واپس کر دیا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: مؤمل نے سفیان سے جو روایت کی ہے' اس میں ابوجندل کا ذکر نہیں اور انہوں نے بجلب السلاح کہا ہے۔

جُلُبَّان

''جُلُبٌّ'' ایک قسم کا تھیلا' جسے مسافر اپنے ساتھ رکھتا تھا اور جس میں ہتھیار اور ضروری سامان رکھتا تھا۔ ''قِرَاب'' تلوار کی نیام۔

صلح حدیبیہ کی تمام احادیث پر غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شرط کی اس دفعہ کی تشریح یہ تھی کہ ہتھیاروں میں صرف تلوار لے کر آئیں گے' اور تلوار بھی نیام میں ہوگی' جو تھیلے میں رکھی ہوگی چھپی ہوئی' نظر نہ آئے گی۔

یَحْجُلُ

''یَحْجُلُ'' چکور کی طرح چلنا۔ ''حَجِلٌ'' کے معنی چکور کے ہیں' بیڑی پہنے ہوئے دونوں پاؤں ایک ساتھ اُٹھا کر کودنا' یہی معنی یہاں مراد ہیں۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ

یہ سہیل بن عمرو کے فرزند تھے' جو قریش کے نمائندے تھے اور جس نے صلح کرائی' یہ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے' اس لیے ان کے والد نے ان کو قید کر کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی۔ موقع پا کر کسی طرح حدیبیہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' اس وقت تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ سہیل نے انہیں دیکھا تو ان کا گریبان پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا اور وہ مسلمانوں سے فریاد کرنے لگے' بالآخر ان کو واپس کر دیا گیا۔

اصابہ میں ہے کہ یہ سابقین اوّلین میں سے ہیں' غزوۂ بدر میں مشرکین کے ساتھ آئے تھے' مگر لشکر اسلام میں چلے آئے اور قید ہو گئے' قریش انہیں مکہ لے گئے اور جتنی ہو سکتی تھی' اذیتیں دیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کے والد نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور انہیں کو بھیج کر اپنے لیے امان طلب کی' پھر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت ابوجندل جنگ یمامہ میں بھی شریک ہوئے' اس وقت ان کی عمر اڑتیس سال تھی۔

ان کے والد سہیل بن عمرو وہ ہیں جو مکہ کے رؤسا میں سے تھے۔ بہت فصیح بلیغ' شعلہ نوا خطیب تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو اُبھارتے رہتے تھے۔ ان کی بھی ہلاکت کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت میں دعا کی تھی۔

جنگ بدر میں گرفتار ہو گئے تھے' حضرت عمر نے عرض کیا: اجازت دیں کہ اس کے اگلے دانت نکال دوں کہ پھر ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکا نہ سکے! فرمایا: رہنے دو! ایک دن یہ تم کو خوش کرے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مکہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور شورش پھیلنے کا اندیشہ تھا' تو انہوں نے مکہ میں خطبہ دیا اور وہی کلمات کہے جو مدینہ میں حضرت صدیق اکبر نے تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمائے تھے:

جو محمد کی پرستش کرتا تھا تو وہ سن لے! وہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جو اللہ کی پرستش کرتا تھا' وہ سن لے! اللہ حی لا یموت ہے۔
اور لوگوں کو اختلاف اور فساد سے روکا' جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس طرح وہ غیب کی خبر سچی ہوئی جو حضور اقدس ﷺ نے دی تھی۔

اخیر عمر میں شام جہاد کے لیے گئے اور وہیں طاعون عمواس میں واصل بحق ہو گئے۔

ان کے اوپر کا ہونٹ کٹا تھا' جسے ''اعلم'' کہتے ہیں' اگر ان کے اگلے دانت نکال دیئے جاتے تو پھر بول نہ پاتے۔

۱۴۹۶- عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَاْسَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَقَاضَاهُمْ عَلٰى اَنْ يَّعْتَمِرَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ وَلَا يَحْمِلُ سِلَاحًا عَلَيْهِمْ اِلَّا سُيُوْفًا وَّلَا يُقِيْمَ بِهَا اِلَّا مَا اَحَبُّوْا فَاعْتَمَرَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَدَخَلَهَا كَمَا كَانَ صَالَحَهُمْ فَلَمَّا اَقَامَ بِهَا ثَلَاثًا اَمَرُوْهُ اَنْ يَّخْرُجَ فَخَرَجَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے چلے تو قریش کے کفار' حضور اور بیت اللہ کے مابین حائل ہو گئے' حضور نے حدیبیہ ہی میں قربانی کر لی اور سر مونڈ لیا اور ان سے اس شرط پر صلح کی کہ سال آئندہ عمرہ کریں گے اور تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے اور اتنا ہی ٹھہریں گے جتنا قریش چاہیں گے۔ حضور اقدس ﷺ نے سال آئندہ عمرہ فرمایا' اور صلح کے مطابق مکہ تشریف لے گئے' جب تین دن قیام فرما لیا تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ چلے جائیں تو آپ واپس ہو گئے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: عمرۃ القضاء ص ۶۱۰)

۱۴۹۷- ح: [اِنْطَلَقَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ اِلٰى خَيْبَرَ]

عبداللہ بن سہل خیبر گئے

۱۴۹۷- عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنْطَلَقَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ وَّمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ بْنِ زَيْدٍ اِلٰى خَيْبَرَ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ.

سہل بن ابوحثمہ نے کہا: عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود بن زید خیبر گئے' ان دنوں خیبر والوں سے صلح تھی۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: الموادعة والمصالحة مع المشركين ص ۴۵۰' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: اكرام الكبير ص ۹۰۷' کتاب الدیات۔ باب: القسامة ص ۱۰۱۹' کتاب الاحکام۔ باب: کتاب الحاکم الی عماله ص ۱۰۶۷' مسلم۔ کتاب الحدود' ابوداود۔ کتاب الدیات' ترمذی۔ کتاب الدیات' نسائی۔ کتاب القضاء والقسامۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الدیات)

دوسرے ابواب میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ انصار کرام جن میں عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود بھی تھے' تلاش معاش کے لیے خیبر گئے۔ عبداللہ تنہا کھجوروں کے باغ میں چلے گئے' انہیں کسی نے قتل کر کے ایک گڑھے میں پھینک دیا' اس کی اطلاع جب محیصہ کو ہوئی تو جا کر دیکھا کہ وہ خون میں لتھڑے ہوئے مردہ پڑے ہیں' محیصہ یہود کے پاس آئے اور پوچھا' انہوں نے کہا: بخدا! تم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے مدینہ واپس ہو کر اپنے قبیلے والوں کو بتایا' تو محیصہ اور ان کے بھائی حویصہ اور عبدالرحمن بن سہل' حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ محیصہ نے بات کرنی چاہی تو فرمایا: بڑا بڑا' یعنی بڑا بھائی بات کرے۔ ان کے بھائی حویصہ ان سے بڑے تھے اس پر حویصہ نے ماجرا سنایا' پھر محیصہ نے بات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود یا تو دیت دیں یا لڑائی کا اعلان قبول کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو لکھا' انہوں نے جواب میں کہا: ہم نے انہیں قتل نہیں کیا ہے' اب رسول اللہ

ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا: قسم کھالو تو تم دیت کے مستحق ہو گے۔ ان لوگوں نے عرض کیا: ہم نے جب دیکھا نہیں تو قسم نہیں کھائیں گے۔ فرمایا: تو اب یہود قسم کھائیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں نے عرض کیا: وہ مسلمان نہیں، جھوٹی قسم کھالیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے انہیں سو اونٹنیاں دیت کی ادا فرمادیں، یہ گھر لائی گئیں۔ سہل نے کہا: ان میں سے ایک اونٹنی نے مجھے پاؤں سے کچل دیا۔

وھی یومئذ صلح

خیبر کو حضور اقدس ﷺ نے بزورِ شمشیر فتح فرمایا تھا، مگر از راہِ کرام انہیں وہیں رہنے دیا اور اراضی بھی انہیں کو دے دیں کہ اس میں کام کریں اور پیداوار میں نصف ہمیں دیا کریں۔ اسی کو راوی نے صلح سے تعبیر کیا ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ (ص ۳۷۲)

وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ ﴿فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات: ۹).

نبی ﷺ کا حضرت حسن بن علی کے بارے میں یہ ارشاد: میرا یہ بیٹا سیّد ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا

اور اللہ عزوجل کا یہ ارشاد: ان کے درمیان صلح کرادو۔

۱۴۹۸- ح: [اِسْتَقْبَلَ الْاِمَامُ الْحَسَنُ بِكَتَائِبَ اَمْثَالِ الْجِبَالِ]

حضرت امام حسن پہاڑوں کے مثل لشکر لے کر سامنے آئے

۱۴۹۸- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ اسْتَقْبَلَ وَاللّٰهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعَاوِيَةَ بِكَتَائِبَ اَمْثَالِ الْجِبَالِ فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ اِنِّي لَاَرٰى كَتَائِبَ لَا تُوَلِّي حَتّٰى تَقْتُلَ اَقْرَانَهَا فَقَالَ لَهٗ مُعَاوِيَةُ وَكَانَ وَاللّٰهِ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ اَيْ عَمْرُو اِنْ قَتَلَ هٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ مَنْ لِّي بِاُمُوْرِ النَّاسِ مَنْ لِّي بِنِسَائِهِمْ مَنْ لِّي بِضَيْعَتِهِمْ فَبَعَثَ اِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِّنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرٍ فَقَالَ اذْهَبَا اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فَاعْرِضَا عَلَيْهِ وَقُوْلَا لَهٗ وَاطْلُبَا اِلَيْهِ فَاَتَيَاهُ فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا وَقَالَا لَهٗ وَطَلَبَا اِلَيْهِ فَقَالَ لَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ اِنَّا بَنُوْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَدْ اَصَبْنَا مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَدْ عَاثَتْ فِيْ دِمَائِهَا قَالَا فَاِنَّهٗ يَعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا وَيَطْلُبُ

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! حضرت حسن بن علی حضرت معاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کے مثل لشکر لے کر آئے، تو حضرت عمرو بن عاص نے کہا: میں ایسے لشکر کو دیکھ رہا ہوں کہ جب تک اپنے تمام مقابل کو قتل نہیں کر لے گا، جائے گا نہیں۔ اس پر حضرت معاویہ نے کہا، اور اللہ کی قسم! اور یہ دونوں میں بہتر تھے: اے عمرو! اگر ان لوگوں نے ان لوگوں کو اور ان لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے میرے پاس کون ہوگا؟ میرے پاس عورتوں کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہوگا؟ زمینوں کے لیے میرے پاس کون ہوگا؟ انہوں نے قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے دو شخص عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو حضرت حسن مجتبیٰ کے پاس بھیجا، ان سے کہا: اس شخص کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے صلح پیش کرو اور ان سے بات کرو اور اسے صلح کی طرف بلاؤ۔ یہ دونوں حضرت حسن مجتبیٰ کی خدمت میں آئے اور ان

إِلَيْكَ وَيَسْأَلُكَ قَالَ فَمَنْ لِّيْ بِهٰذَا قَالَا نَحْنُ لَكَ بِهٖ فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالَا نَحْنُ لَكَ بِهٖ فَصَالَحَهٗ قَالَ الْحَسَنُ وَلَقَدْ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرَةَ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَيْهِ اُخْرٰى فَيَقُوْلُ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

کے پاس گئے اور ان سے بات کی اور صلح کی فرمائش کی۔ اس پر حضرت حسن مجتبیٰ نے کہا: ہم بنو عبدالمطلب ہیں' ہم نے یہ مال پایا ہے اور یہ قوم اپنے خون میں لتھڑی ہوئی ہے۔ ان دونوں نے کہا: وہ (معاویہ) آپ کی خدمت میں اتنا اتنا پیش کرتے ہیں اور صلح کے طالب ہیں' صلح کا سوال کرتے ہیں۔ فرمایا: اس کا میرے لیے کون ضامن ہے؟ دونوں نے عرض کیا: ہم ضامن ہیں۔ امام حسن مجتبیٰ جو بھی سوال کرتے' سب کے جواب میں یہ دونوں یہی کہتے: اس کے ذمہ دار ہم ہیں' پس امام حسن نے صلح کر لی اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا' وہ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اور حضرت حسن بن علی حضور کے پہلو میں تھے' حضور کبھی مجمع کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف' اور فرماتے: میرا یہ بیٹا سیّد ہے' اللہ عزوجل اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

(علامات النبوۃ ص ۵۱۲' مناقب الحسن والحسین ص ۵۳۰' ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی ص ۱۰۵۳' ابوداؤد۔ کتاب السنۃ' ترمذی۔ کتاب المناقب' نسائی۔ کتاب الصلوۃ۔ کتاب المناقب عمل الیوم واللیلۃ)

کتاب الفتن میں ابتداء میں یہ زائد ہے: سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے اسرائیل ابوموسیٰ سے کوفہ میں ملاقات کی اور وہ ابن شبرمہ کے پاس آئے تھے' انہوں نے ابن شبرمہ سے کہا: مجھے عیسیٰ کے پاس لے چلو تاکہ میں اسے نصیحت کروں' مگر ابن شبرمہ کو خوف ہوا اور وہ عیسیٰ کے پاس نہیں گئے۔ اب اسرائیل ابوموسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن العاص سے کہا: مسلمانوں کے بچوں کے لیے کون ہوگا؟ تو حضرت عمرو بن العاص نے کہا: میں! اور یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر نے امیر معاویہ سے خود کہا تھا کہ ہم جاتے ہیں اور صلح کی بات چیت کرتے ہیں۔

اسرائیل ابوموسیٰ

ان کا نام اسرائیل ہے' اور والد کا نام موسیٰ' والد کے نام پر ان کی کنیت ہے۔ یہ ہندوستان تجارت کے لیے آیا کرتے تھے اور یہیں اقامت پذیر ہو گئے۔

ابن شبرمہ

ان کا نام عبداللہ ہے' یہ ابوجعفر مہدی کے عہد میں کوفہ کے قاضی تھے' بہت متقی فقیہ تھے' ۱۴۴ھ میں فوت ہوئے۔

عیسیٰ

یہ مہدی بادشاہ کا بھائی تھا' اور کوفہ کا والی۔ بہت سخت گیر اور ظالم تھے' اس لیے ابوموسیٰ نے اسے نصیحت کرنی چاہیے' مگر ابن شبرمہ نے مناسب نہیں جانا' اس لیے ملاقات نہیں کرائی۔

واقعہ

دومۃ الجندل میں واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کوفہ واپس تشریف لائے اور اہل شام سے فیصلہ کن جنگ کی تیاری فرمانے لگے، مگر خوارج کے فتنے کے استیصال میں مشغول ہو گئے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد پھر اہل شام کی بغاوت کچلنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں، یہاں تک کہ چالیس ہزار جانبازوں نے ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی، مگر اسی اثناء میں شہید کر دیئے گئے۔

پھر کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر علانیہ خلافت کی بیعت عامہ ہوئی۔ اس کی اطلاع جب شام پہنچی تو حضرت معاویہ پوری تیاری کے ساتھ کوفہ کی جانب بڑھے۔ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ مدائن پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے، چالیس ہزار جوانمردوں کا لشکر جرار ہم راہ تھا، مگر اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیشین گوئی کے مطابق اپنے حق سے عارضی طور پر دست بردار ہو کر ربیع الاول ۴۱ھ میں بشرائط حضرت معاویہ سے صلح کر لی۔

صلح کی دفعات میں سب سے اہم دفعہ یہ تھی کہ حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد خلافت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ آئے گی، مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیازی کہ حضرت معاویہ کی حیات ہی میں شہید کر دیئے گئے۔

اس صلح پر پوری دنیائے اسلام باغ باغ ہو گئی اور اس سال کا نام سنۃ الجماعۃ رکھا گیا۔

بکتائب

''کتیبہ'' کی جمع ہے، بہ معنی لشکر۔ لشکر کو کتیبہ اس لیے کہتے ہیں کہ سب فوجیوں کے نام ایک دفتر میں لکھے ہوتے ہیں۔

امثال الجبال کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ کی طرح اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس کا اخیر سرا نظر نہیں آتا تھا، جیسے پہاڑ دیکھو تو سامنے کا حصہ دکھائی دے گا، مگر اخیر سرا نظر نہیں آئے گا۔

خیر الرجلین

حضرت معاویہ کو خیر الرجلین اس لیے کہا کہ حضرت عمرو بن عاص اب بھی جنگ کے حق میں تھے، جب حضرت معاویہ نے یہ کہا: مسلمانوں کے بچوں کا کون ہو گا؟ تو انہوں نے کہا: میں!

من المسلمین

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہزار اختلاف اور صفین جیسی خون ریز ہلاکت خیز جنگ کے باوجود جس میں پینتالیس ہزار مسلمان مارے گئے تھے اور اب بھی حضرت معاویہ اسی قسم بلکہ اس سے سخت جنگ کے لیے آمادہ تھے، اور ان کے ساتھی مسلمان ہی تھے، منافق یا کافر نہیں ہو گئے۔

اس حدیث سے قطع نظر خود امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کہ انہوں نے قوت ہوتے ہوئے بلا جبر و اکراہ صرف مسلمانوں کو خون خرابہ سے بچانے کے لیے خلافت حضرت معاویہ کے سپرد فرما دی، یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہ سچے مومن تھے، اگر معاذ اللہ وہ منافق ہوتے تو امام حسن مجتبیٰ کبھی بھی اتنی آسانی سے انہیں خلافت سپرد نہ فرماتے۔

بَابٌ هَلْ يُشِيرُ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ (ص ۳۷۳) کیا امام صلح کا اشارہ کر سکتا ہے؟

۱۴۹۹- ح: [أَيْنَ الْمُتَأَلِّي عَلَى اللّٰهِ لَا کہاں ہے وہ یہ قسم کھانے والا

يَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ] کہ نیک کام نہیں کرے گا؟

١٤٩٩- عَنْ اَبِی الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اُمَّهُ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَتْ سَمِعْتُ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُوْلُ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ خُصُوْمٍ بِالْبَابِ عَالِيَةً اَصْوَاتُهُمَا وَاِذَا اَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْاٰخَرَ وَيَسْتَرْفِقُهُ فِیْ شَیْءٍ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَفْعَلُ خَرَجَ عَلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيْنَ الْمُتَاَلِّیْ عَلَى اللّٰهِ لَا يَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَهُ اَیُّ ذٰلِكَ اَحَبَّ. (مسلم-کتاب الشرکۃ)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آوازیں سنی جو آوازیں بلند کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کم کرنے کو کہہ رہا ہے اور کسی معاملے میں نرمی طلب کر رہا ہے۔ اور دوسرا کہہ رہا ہے کہ واللہ! میں ایسا نہیں کروں گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: کہاں ہے وہ جو اللہ کی قسم کھا رہا ہے کہ اچھا کام نہیں کروں گا؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں' اس کے لیے وہ ہے جو پسند کرے۔

اس حدیث کے راوی محمد بن عبدالرحمٰن کی کنیت ابوالرجال ہے' کیونکہ ان کے دس لڑکے ہوئے اور سب جوان ہوئے۔

خصوم

"خصم" کی جمع ہے اور یہ جمع اس اعتبار سے ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اقل جمع دو ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ اچھا کام نہیں کرے گا' یہ صلح کی طرف اشارہ ہے۔

فَلَهُ اَیُّ ذٰلِكَ اَحَبَّ

مقروض کا مطالبہ تھا کہ یا تو کچھ کم کر دو یا نرمی کر دو' یا کچھ اور مہلت دو۔ صاحب حق نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے مطابق مقروض کو اختیار دے دیا' یہ ان دو باتوں میں جو پسند کرے اسے منظور کرتا ہوں۔

بَابُ فَضْلِ الْاِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَالْعَدْلِ بَيْنَهُمْ (ص ۳۷۳)

لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور لوگوں کے ساتھ انصاف کی فضیلت

١٥٠٠- عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزانہ سورج نکلتے ہی انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے اور لوگوں کے مابین انصاف کرنا بھی صدقہ ہے۔

(بخاری-کتاب الجہاد-باب: فضل من حمل متاع غيره فى السفر ص ۴۰۴' باب: من اخذ بالركاب ونحوه ص ۴۱۹' مسلم-کتاب الزکوۃ)

تکمیل

کتاب الجہاد کی روایتوں میں یہ زائد ہے: جانور پر سوار ہونے میں کسی کی مدد کرنی اور سوار کرا دینا یا سامان اُٹھا کر سوار کو دینا صدقہ ہے اور اچھی بات صدقہ ہے اور نماز کے لیے جتنے قدم چلے' ہر قدم صدقہ ہے' راستہ بتانا صدقہ ہے اور راستے سے ایذاء دینے والی چیز ہٹانا صدقہ ہے۔

سلامٰی......(ہر جوڑ پر صدقہ ہے)

ہڈیوں کے جوڑ کو" سلامٰی " کہتے ہیں اور یہ تین سو ساٹھ جوڑ ہیں[1] یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے' بدن کے جوڑ اللہ عزوجل کی عظیم نعمت اور حیرانگیز صنعت ہے۔ انہیں جوڑوں کی وجہ سے جاندار چلتا پھرتا ہے' ہلتا جلتا ہے۔ اور ہر نعمت پر شکر واجب' خصوصاً بڑی نعمتوں پر اس لیے فرمایا کہ ہر جوڑ پر صدقہ ہے' ہونا تو چاہیے تھا واجب مگر یہ اس ارحم الراحمین کا کرم ہے کہ واجب نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں صدقہ سے مراد کار خیر اور کار ثواب ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی حد اعجاز تک پہنچی ہوئی بلاغت کا نمونہ یہ حدیث بھی ہے۔ پہلے فرمایا کہ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے' مگر انسان اپنی ضروریات میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس کی استطاعت نہیں رکھتا' تو فرمایا: یہ بھی صدقہ ہے' یہ بھی صدقہ ہے۔ یہ کام انتہائی آسان ہے اور معمولی' ہر شخص بہ آسانی کرسکتا ہے۔ نیت بخیر ہو تو سبب کار ثواب ہے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے: اپنی زوجہ کے ساتھ ہم بستری بھی صدقہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کوئی اپنی خواہش پوری کرے تو اسے ثواب ہوگا؟ تو حضور نے فرمایا: بتاؤ! اگر حرام کاری کرے تو گناہ ہے اور اسی طرح جب حلال طریقہ اختیار کرے تو ثواب ہے۔ (ایضاً)

۞۞۞۞۞

[1] مسلم۔ ص ۳۲۵۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٥٤- كِتَابُ الشُّرُوْطِ (ص ۳۷۴)

شرطوں کا بیان

بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ الشُّرُوْطِ فِي الْاِسْلَامِ وَالْاَحْكَامِ وَالْمُبَايَعَةِ (ص ۳۷۴)

اسلام میں کون کون سی شرطیں جائز ہیں؟ اور احکام ومبایعت کا بیان

١٥٠١- اَخْبَرَنِىْ عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُخْبِرَانِ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا كَاتَبَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو يَوْمَئِذٍ كَانَ فِيْمَا اشْتَرَطَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ لَا يَاْتِيْكَ مِنَّا اَحَدٌ وَّاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَّهٗ اِلَيْنَا وَخَلَّيْتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ فَكَرِهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ذٰلِكَ وَامْتَعَضُوْا مِنْهُ وَاَبٰى سُهَيْلٌ اِلَّا ذٰلِكَ فَكَاتَبَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ذٰلِكَ فَرَدَّ يَوْمَئِذٍ اَبَا جَنْدَلٍ اِلٰى اَبِيْهِ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَاْتِهٖ اَحَدٌ مِّنَ الرِّجَالِ اِلَّا رَدَّهٗ فِيْ تِلْكَ الْمُدَّةِ وَاِنْ كَانَ مُسْلِمًا وَّجَآءَتِ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ وَّكَانَتْ اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ عُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ مِمَّنْ خَرَجَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ وَّهِيَ عَاتِقٌ فَجَآءَ اَهْلُهَا يَسْاَلُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْجِعَهَا اِلَيْهِمْ فَلَمْ يَرْجِعْهَا اِلَيْهِمْ لِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهِنَّ ﴿اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ (الممتحنہ: ۱۰) اَلْاٰيَةَ

مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے خبر دی، کہا: جب اس دن سہیل بن عمرو نے لکھوایا، سہیل بن عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ شرط بھی رکھی کہ اگر ہم میں سے کوئی آپ کے پاس جائے، اگرچہ آپ کے دین پر ہو، اسے آپ ہماری طرف ضرور لوٹا دیں اور ہمارے اور اس کے بیچ سے ہٹ جائیں۔ مسلمانوں نے اس شرط کو ناپسند کیا اور غضب ناک ہو گئے اور سہیل نہیں مانا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو لکھوایا اور اس دن ابوجندل کو ان کے والد سہیل بن عمرو کو واپس دے دیا۔ اور اس مدت میں مردوں میں سے جو بھی حضور کے پاس آیا، اسے واپس کر دیا، اگرچہ مسلمان رہا ہو، اور مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور عقبہ بن ابومعیط کی بیٹی اُم کلثوم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس دن حاضر ہونے والی عورتوں میں تھی، وہ دوشیزہ تھیں، اس کے لوگ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کے پاس لوٹا دیں، تو حضور نے اسے نہیں لوٹایا کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی تھی: جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اپنا گھر چھوڑ کر کفرستان سے آئیں تو ان کا امتحان کر لو، اللہ ان کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے، امتحان سے اگر وہ تمہیں مؤمنہ معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس مت دو۔

قَالَ عُرْوَةُ فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِذَا جَآئَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ اِلٰى غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الممتحنہ: ١٠-١٢) قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ اَقَرَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا يُكَلِّمُهَا بِهٖ وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهٗ يَدَ امْرَاَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ وَمَا بَايَعَهُنَّ اِلَّا بِقَوْلِهٖ.

عروہ نے کہا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کے مطابق ان کا امتحان لیا کرتے تھے: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اپنا گھر چھوڑ کر کفرستان سے آئیں ''غفور رحیم'' تک۔ عروہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ جو عورت اس شرط کا اقرار کرتی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے: تجھ سے میں نے بیعت کی' کچھ کلمات اور فرماتے' واللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک نے بیعت کرتے وقت کسی عورت کا ہاتھ کبھی نہیں چھوا' عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے۔

(بخاری۔ج ٢۔باب: غزوة الحديبية ص٦٠١' کتاب التفسیر۔سورۃ الممتحنہ۔باب: اذا جاء كم المؤمنت مهجرات ص٧٢٦' الطلاق۔ باب: اذا اسلمت المشركة ص٧٩٦' کتاب الاحکام۔باب: بيعة النساء ص١٠٧١)

وامتعضوا

اس کا مادہ معض ہے' جس کے معنی غضب ناک ہونا' شاق ہونا' گراں گزرنا ہے۔

شرائط کی یہ دفعہ کہ مکہ والوں میں سے کوئی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو واپس کرنا ہوگا' صرف مردوں کے لیے تھی' عورتیں اس سے مستثنیٰ تھیں۔ اسی وجہ سے اُم کلثوم اور دوسری ہجرت کرنے والی عورتوں کو واپس نہیں فرمایا۔ سورۂ ممتحنہ کی وہ آیتیں جن کا تذکرہ اس حدیث میں ہے' یہ ہیں:

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنا گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان لو' اللہ ان کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے' امتحان کے بعد تمہیں ایمان والی معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس نہ کرو' نہ یہ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال' اور ان کے کافر شوہروں کو وہ دے دو جو ان کا خرچ ہوا ہو' اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کر لو' جب ان کے مہر انہیں دو اور کافر عورتوں کے نکاح پر جمے نہ رہو' اور جو تمہارا خرچ ہوا ہو' ان سے مانگ لو' جو کافروں کا خرچ ہوا ہو وہ مانگ لیں' یہ اللہ کا حکم ہے وہ تم میں فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے O اور اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی طرف نکل جائیں' پھر تم کافروں کو سزا دو تو جن کی عورتیں جاتی رہی تھیں' غنیمت میں سے اتنا انہیں دے دو' جو ان کا خرچ ہوا تھا اور اللہ سے ڈرو جس پر تمہارا ایمان ہے O جب مسلمان عورتیں اس پر بیعت کرنے حاضر ہوں کہ اللہ کا کچھ شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی' جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو' بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے O

اب تک مسلمان اور مشرک کے مابین نکاح کی اجازت تھی' اس آیت نے اسے ختم کر دیا۔ اب کسی مسلمان مرد کا مشرکہ سے یا مشرک مرد کا کسی مؤمنہ سے نکاح حلال نہیں رہا' بلکہ اگر پہلے سے زوجیت میں ہی رہی ہوں تو علیحدگی واجب ہے۔ اس کے بعد صحابہ نے اپنی تمام مشرکہ عورتوں کو علیحدہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیبیاں مشرکہ مکہ میں تھیں' انہوں نے دونوں کو طلاق دے دی' ایک قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ' اس سے حضرت معاویہ نے شادی کر لی' یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ دوسری اُم کلثوم بنت عمرو خزاعیہ حضرت عبداللہ بن عمر کی والدہ' اس سے ابوجہم بن حذافہ نے شادی کر لی' یہ بھی اس وقت مشرک تھے۔

توضیح

امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ بائع بیچنے کے بعد یہ شرط کر سکتا ہے کہ مبیع پر فلاں جگہ تک سوار ہو کر جاؤں گا' یہ جائز ہے۔ ہمارے نزدیک ایسی شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے' کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔ پوری بحث بہ قدرِ ضرورت کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری نے اس کے ثبوت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کی ہے' جس میں یہ ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر وہ ایک کمزور سست رفتار اونٹ پر سوار تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس اونٹ کو ڈانٹا اور ایک چھڑی اور پائے اقدس سے مارا تو وہ اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ سب سے آگے نکل نکل جاتا تھا' پھر حضور اقدس ﷺ نے اسے خرید لیا' حضرت جابر نے یہ شرط کر دی کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر حضور اقدس ﷺ نے قیمت مع شیء زائد ادا فرما دی اور پھر اونٹ بھی انہیں عطا فرما دیا۔

اس حدیث کے الفاظ بہت مختلف ہیں' یہاں امام بخاری اس کے مختلف طرق کے مختلف الفاظ ذکر فرما رہے ہیں۔

بَابٌ اِذَا اشْتَرَطَ الْبَائِعُ ظَهْرَ الدَّابَّةِ اِلٰى مَكَانٍ مُسَمًّى جَازَ (ص٣٧٥)

جب بائع معین جگہ تک سوار ہونے کی شرط کرے تو جائز ہے

ت٥٣٠- قَالَ شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَفْقَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ.

شعبہ نے عن المغیرہ عن عامر عن جابر رضی اللہ عنہ جو روایت کی ہے' اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی پیٹھ پر مدینہ تک سوار ہونے کی اجازت دی۔

ت٥٣١- وَقَالَ عَطَاءٌ وَّغَيْرُهُ وَلَكَ ظَهْرُهُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ.

اور عطاء وغیرہ نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مدینہ تک کے لیے اس کی پیٹھ تیرے لیے ہے۔

ت٥٣٢- وَقَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ شَرَطَ ظَهْرَهُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ.

ابن منکدر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے' وہ یہ ہے کہ حضرت جابر نے یہ شرط کر دی کہ مدینہ تک اس کی پیٹھ میرے لیے رہے گی۔

ت٥٣٣- وَقَالَ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ جَابِرٍ وَّلَكَ ظَهْرُهُ حَتّٰى تَرْجِعَ.

اور زید بن اسلم نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اور تیرے لیے اس کی پیٹھ ہے جب تک تو لوٹے۔

ت٥٣٤- وَقَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَفْقَرْنَاكَ ظَهْرَهُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ.

اور ابو الزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی کہ حضور نے فرمایا: ہم نے تمہیں مدینہ تک اس کی پیٹھ پر سوار ہونے کی اجازت دی۔

ت٥٣٥- وَقَالَ الْاَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ تَبَلَّغْ عَلَيْهِ اِلٰى اَهْلِكَ.

اور اعمش نے بہ طریق سالم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی' اس میں یہ ہے کہ فرمایا: اس پر اپنے اہل تک پہنچ جا۔

ت٥٣٦- وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ وَابْنُ اِسْحَاقَ عَنْ وَهْبٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اشْتَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور عبید اللہ اور ابن اسحاق نے وہب عن جابر رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کی کہ نبی ﷺ نے اسے ایک اوقیہ میں خریدا تھا۔

وَسَلَّمَ بِوَقِيَّةٍ.

ت٥٣٧ - وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَّغَيْرِهٖ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخَذْتُهٗ بِاَرْبَعَةِ دَنَانِيرَ وَهٰذَا يَكُونُ اَوْقِيَّةً عَلٰى حِسَابِ الدِّينَارِ بِعَشَرَةٍ. وَلَمْ يُبَيِّنِ الثَّمَنَ مُغِيرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ وَّابْنُ الْمُنْكَدِرِ وَاَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ.

اور ابن جریج نے عطاء وغیرہ سے حضرت جابر سے روایت کی: میں نے اس کو چار دینار میں لیا اور یہ چار دینار ایک اوقیہ اس حساب سے کہ دینار' دس درہم کا ہوتا تھا۔ مغیرہ نے جو شعبی سے روایت کیا ہے' عن جابر اس میں اور ابن المنکدر اور ابو الزبیر نے از جابر قیمت کا نہیں ذکر کیا۔

ت٥٣٨ - وَقَالَ الْاَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَوْقِيَّةُ ذَهَبٍ.

اور اعمش نے بہ طریق سالم جو روایت حضرت جابر سے بیان کی' اس میں یہ ہے کہ ایک اوقیہ سونے کے عوض خریدا۔

ت٥٣٩ - وَقَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ.

اور ابو اسحٰق نے بہ طریق سالم' حضرت جابر سے یہ روایت کی کہ دو سو درہم کے عوض خریدا۔

اس سے پہلی والی تعلیق میں یہ ہے کہ ایک اوقیہ میں خریدا تھا' اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اور اس تعلیق میں ہے کہ چار دینار میں۔ دونوں میں امام بخاری نے یہ تطبیق دی ہے کہ یہ اس تقدیر پر ہے کہ ایک دینار دس درہم کا ہو۔

تنبیہ

ان مختلف روایتوں میں تطبیق اور صورتِ حال کیا تھی؟ سب کتاب البیوع میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

ت٥٤٠ - وَقَالَ دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اشْتَرَاهُ بِطَرِيقِ تَبُوكَ اَحْسِبُهٗ قَالَ بِاَرْبَعِ اَوَاقٍ.

اور داؤد بن قیس نے عبیداللہ بن مقسم سے انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے اسے تبوک کے راستے میں خریدا تھا' میں گمان کرتا ہوں کہ کہا: چار اوقیہ کے عوض۔

ت٥٤١ - وَقَالَ اَبُوْ نَضْرَةَ عَنْ جَابِرٍ اشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا.

اور ابو نضرہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ بیس دینار میں خریدا تھا۔

وَقَوْلُ الشَّعْبِيِّ بِوَقِيَّةٍ اَكْثَرُ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْاِشْتِرَاطُ اَكْثَرُ وَاَصَحُّ عِنْدِي.

اور شعبی کا قول ہے کہ ایک اوقیہ میں خریدنا اکثر روایت ہے۔ (امام بخاری نے کہا:) شرط کرنا اکثر کی روایت ہے اور میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمَهْرِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ (ص٣٧٦)

نکاح کے عقد کے وقت مہر میں شروط کا بیان

ت٥٤٢ - وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ مَقَاطِعَ الْحُقُوقِ عِنْدَ الشُّرُوطِ وَلَكَ مَا اشْتَرَطْتَ.

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حقوق شرائط کے مطابق ہیں' تجھے وہ حق حاصل ہے جس کی تو نے شرط کی ہے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اختصار کے ساتھ اور امام سعید بن منصور نے تفصیل کے ساتھ تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن غنم کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس طرح تھا کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے کو چھو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور

کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے اس عورت سے شادی کی ہے اور اس کی یہ شرط منظور کر لی ہے کہ اسی کے گھر رہوں گا۔ اور اب میں نے طے کر لیا ہے کہ فلاں اور فلاں جگہ منتقل ہو جاؤں۔ فرمایا: اسے اپنی شرط کی پابندی کا حق ہے۔ اب اس شخص نے کہا: مرد ہلاک ہو گیا' اب تو جو عورت چاہے گی' طلاق لے لے گی' اگرچہ شوہر نہ چاہے۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق حقوق وصول کر سکتے ہیں۔

١٥٠٢- ح: [اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ]

تمام شرطوں سے زیادہ پورا کرنے کی مستحق مہر ہے

١٥٠٢- عَنْ اَبِى الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام شرطوں سے زیادہ پوری کی جانے کے لائق وہ ہیں' جن سے تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: الشروط فی النکاح ص ٧٧٤' الخمسة فی النکاح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط کر لی جو مقتضائے عقد نہ ہو تو بھی اس کی پابندی لازم ہے' لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شرائط مقتضائے عقد نہ ہوں' ان کی پابندی ضروری نہیں۔ اس قسم کے سوال کے جواب میں فرمایا: اللہ نے اس کی شرط کے پہلے شرط کر دی ہے' اور یہ حقیقت میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ماخوذ ہے۔ ارشاد فرمایا: جو ایسی شرط کرے جو کتاب اللہ میں نہیں! وہ باطل ہے' اگرچہ سو شرط کرے[1] اس حدیث میں "بما استحللتم به الفروج" کی تاویل مہر ہے۔

بَابُ الشُّرُوْطِ فِى الْجِهَادِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ اَهْلِ الْحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوْطِ مَعَ النَّاسِ بِالْقَوْلِ (ص ٣٧٧)

جہاد میں شرطوں اور اہل حرب کے ساتھ صلح کرنے اور زبانی بات چیت کر کے لوگوں کے ساتھ شروط کا لکھوانا

١٥٠٣- ح: [تَفْصِيْلُ الْحُدَيْبِيَةِ]

واقعہ حدیبیہ کی تفصیل

١٥٠٣- اَخْبَرَنِىْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَرْوَانَ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَدِيْثَ صَاحِبِهٖ قَالَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ بِالْغَمِيْمِ فِىْ خَيْلٍ لِقُرَيْشٍ طَلِيْعَةٌ فَخُذُوْا ذَاتَ الْيَمِيْنِ فَوَاللّٰهِ مَا شَعَرَ بِهِمْ خَالِدٌ حَتّٰى اِذَا هُمْ بِقَتَرَةِ الْجَيْشِ فَانْطَلَقَ يَرْكُضُ نَذِيْرًا لِقُرَيْشٍ وَّسَارَ النَّبِىُّ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان سے روایت ہے' ان میں سے ہر ایک کی حدیث دوسرے کی حدیث کی تصدیق کرتی ہے' دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ سے چلے' ابھی راستے میں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد بن ولید قریش کے سواروں کے ساتھ غمیم میں مقدمۃ الجیش بن کر آ رہے ہیں' تم لوگ داہنی طرف مڑ کر چلو' بخدا! خالد بن ولید کو ان حضرات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ اچانک اس نے لشکر کے گرد کو دیکھا تو سواری دوڑاتے ہوئے قریش کو بتانے کے لیے چلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلتے

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ٣٧٧۔ باب: الشروط فی الولاء

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالثَّنِيَّةِ الَّتِي يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ فَقَالَ النَّاسُ حَلْ حَلْ فَأَلَحَّتْ فَقَالُوْا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَسْأَلُوْنِيْ خُطَّةً يُّعَظِّمُوْنَ فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا ثُمَّ زَجَرَهَا فَوَثَبَتْ قَالَ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَمَدٍ قَلِيْلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلَبِّثْهُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوْهُ وَشُكِيَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِهٖ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ جَآءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخُزَاعِيُّ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِهٖ مِنْ خُزَاعَةَ وَكَانُوْا عَيْبَةَ نُصْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ تِهَامَةَ فَقَالَ إِنِّيْ تَرَكْتُ كَعْبَ بْنَ لُؤَيٍّ وَّعَامِرَ بْنَ لُؤَيٍّ نَزَلُوْا أَعْدَادَ مِيَاهِ الْحُدَيْبِيَةِ وَمَعَهُمُ الْعُوْذُ الْمَطَافِيْلُ وَهُمْ مُقَاتِلُوْكَ وَصَادُّوْكَ عَنِ الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا لَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِيْنَ وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ وَأَضَرَّتْ بِهِمْ فَإِنْ شَاءُوْا مَادَدْتُّهُمْ مُدَّةً وَّيُخَلُّوْا بَيْنِيْ وَبَيْنَ النَّاسِ فَإِنْ أَظْهَرْ فَإِنْ شَاءُوْا أَنْ يَّدْخُلُوْا فِيْمَا دَخَلَ فِيْهِ النَّاسُ فَعَلُوْا وَإِلَّا فَقَدْ جَمُّوْا وَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلٰى أَمْرِيْ هٰذَا حَتّٰى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِيْ وَلَيُنْفِذَنَّ اللّٰهُ أَمْرَهُ فَقَالَ بُدَيْلٌ سَأُبَلِّغُهُمْ مَا تَقُوْلُ قَالَ فَانْطَلَقَ حَتّٰى أَتٰى قُرَيْشًا قَالَ إِنَّا قَدْ جِئْنَاكُمْ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ وَسَمِعْنَاهُ يَقُوْلُ قَوْلًا فَإِنْ شِئْتُمْ أَنْ نَعْرِضَهُ عَلَيْكُمْ فَعَلْنَا فَقَالَ سُفَهَاؤُهُمْ لَا حَاجَةَ لَنَا أَنْ تُخْبِرَنَا عَنْهُ بِشَيْءٍ وَّقَالَ ذَوُو الرَّأْيِ مِنْهُمْ هَاتِ مَا سَمِعْتَهُ يَقُوْلُ

رہے۔ جب اس گھاٹی پر پہنچے جس سے ان پر اترتے ہیں تو حضور کی سواری بیٹھ گئی' لوگوں نے حَل حَل کہا' مگر وہ زمین سے چپک گئی۔ اب لوگوں نے کہا: قصواء تھک گئی' قصواء تھک گئی۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: قصواء تھکی نہیں اور نہ یہ اس کی عادت ہے' مگر اسے ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک لیا ہے' پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! وہ لوگ کسی ایسی بات کا مجھ سے سوال کریں گے جس میں اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم ہوگی تو انہیں ضرور دوں گا۔ اس کے بعد سواری کو ڈانٹا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب حضور رستہ سے کترا کر چلے' یہاں تک کہ حدیبیہ کے انتہائی سرے پر ایک کم پانی والے گڑھے پر اترے' جس سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی لیتے تھے' تھوڑی دیر میں اس کا کل پانی نکال لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی تو حضور نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ لوگ اسے اس گڑھے میں گاڑ دیں' بخدا! وہ گڑھا پانی سے اُبلنے لگا' یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔ اللہ کی قسم! یہ حضرات اسی حال پر تھے کہ بدیل بن ورقا خزاعی خزاعہ کے کچھ افراد کے ساتھ حاضر ہوا' اور یہ لوگ تہامہ والوں میں رسول اللہ ﷺ کے رازدار اور خیر خواہ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو حدیبیہ کے گہرے کنوؤں کے پاس موجود چھوڑ آیا ہوں اور ان کے ساتھ بچوں والی اونٹنیاں ہیں۔ وہ آپ سے لڑنے اور آپ کو بیت اللہ سے رُوکنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں' قریش کو لڑائی نے کمزور کر دیا ہے اور انہیں نقصان پہنچایا ہے' اگر وہ چاہیں تو میں ان سے ایک مدت تک کے لیے صلح کر لوں اور وہ میرے اور عام عرب کے درمیان سے ہٹ جائیں' پس اگر میں غالب آ جاؤں تو اگر چاہیں گے تو جس دین میں سب لوگ داخل ہو گئے وہ بھی داخل ہو جائیں گے اور اگر نہ چاہیں تو اپنی ضد پر اَڑے رہیں اور اگر وہ لوگ اسے نہیں چاہیں گے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں ان سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے اور

قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا فَحَدَّثَهُمْ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَىْ قَوْمِ اَلَسْتُمْ بِالْوَالِدِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَوَلَسْتُ بِالْوَلَدِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَهَلْ تَتَّهِمُوْنِىْ قَالُوْا لَا قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اسْتَنْفَرْتُ اَهْلَ عُكَاظَ فَلَمَّا بَلَّحُوْا عَلَىَّ جِئْتُكُمْ بِاَهْلِىْ وَوَلَدِىْ وَمَنْ اَطَاعَنِىْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ هٰذَا قَدْ عَرَضَ لَكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ اِقْبَلُوْهَا وَدَعُوْنِىْ اٰتِهِ قَالُوْا ائْتِهِ فَاَتَاهُ فَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّنْ قَوْلِهٖ لِبُدَيْلٍ فَقَالَ عُرْوَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ اَىْ مُحَمَّدُ اَرَاَيْتَ اِنِ اسْتَاْصَلْتَ اَمْرَ قَوْمِكَ هَلْ سَمِعْتَ بِاَحَدٍ مِّنَ الْعَرَبِ اجْتَاحَ اَصْلَهٗ قَبْلَكَ وَاِنْ تَكُنِ الْاُخْرٰى فَاِنِّىْ وَاللّٰهِ لَاَرٰى وُجُوْهًا وَّاِنِّىْ لَاَرٰى اَشْوَابًا مِّنَ النَّاسِ خَلِيْقًا اَنْ يَّفِرُّوْا وَيَدَعُوْكَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ اَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَنَدَعُهٗ فَقَالَ مَنْ ذَا قَالُوْا اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ اَمَا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْلَا يَدٌ كَانَتْ لَكَ عِنْدِىْ لَمْ اَجْزِكَ بِهَا لَاَجَبْتُكَ قَالَ وَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُلَّمَا تَكَلَّمَ اَخَذَ بِلِحْيَتِهٖ وَالْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَائِمٌ عَلٰى رَاْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ السَّيْفُ وَعَلَيْهِ الْمِغْفَرُ فَكُلَّمَا اَهْوٰى عُرْوَةُ بِيَدِهٖ اِلٰى لِحْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ يَدَهٗ بِنَعْلِ السَّيْفِ وَقَالَ لَهٗ اَخِّرْ يَدَكَ عَنْ لِحْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ عُرْوَةُ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قَالُوْا الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَقَالَ اَىْ غُدَرُ اَلَسْتُ اَسْعٰى فِىْ غَدْرَتِكَ وَكَانَ الْمُغِيْرَةُ صَحِبَ قَوْمًا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَقَتَلَهُمْ وَاَخَذَ اَمْوَالَهُمْ ثُمَّ جَاءَ فَاَسْلَمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا الْاِسْلَامَ فَاَقْبَلُ وَاَمَّا الْمَالَ فَلَسْتُ مِنْهُ فِىْ شَىْءٍ ثُمَّ اِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَيْنَيْهِ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا تَنَخَّمَ

اللہ یقیناً اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا۔ بدیل نے کہا: آپ جو فرماتے ہیں وہ ان تک پہنچا دوں گا' وہ وہاں سے قریش کے پاس آیا اور کہا: ہم تمہارے نزدیک ان کی بارگاہ سے آئے ہیں اور انہوں نے کچھ فرمایا ہے جس کو ہم نے سنا ہے۔ اگر تم چاہو تو تمہارے سامنے پیش کریں۔ ان کے بیوقوفوں نے کہا: ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں کہ تو ان کی کوئی بات ہم کو بتائے۔ اور ان کے سمجھداروں نے کہا: جو سنا ہے' بتاؤ! بدیل نے کہا: وہ ایسا ایسا فرماتے ہیں' اور رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا' اس کو بیان کر دیا۔ یہ سب سن کر عروہ بن مسعود نے کہا: اے میری قوم! کیا میں تمہارا باپ نہیں! انہوں نے کہا: ہاں! ہمارا باپ ہے' اس نے کہا: کیا تم بیٹے نہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ہیں' اس نے کہا: کیا میرے بارے میں تمہیں کوئی بدگمانی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! اس نے کہا: تم نہیں جانتے کہ میں نے اہل عکاظ کو یہاں آنے کے لیے بلایا' جب انہوں نے انکار کر دیا تو میں اپنے اہل کو' اپنی اولاد کو اور اپنے متبعین کو لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور لوگوں نے کہا: صحیح ہے۔ اس نے کہا: انہوں نے (نبی ﷺ) نے اچھی بات کہی ہے' اسے قبول کر لو اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔ انہوں نے کہا: جاؤ! اس کے بعد وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ سے بات کرنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس سے اسی قسم کی بات فرمائی جیسی بدیل سے فرمائی تھی' اس پر عروہ نے کہا: اے محمد! بتاؤ اگر تم نے اپنی قوم کو ختم کر دیا تو کیا تم نے کسی عرب کو سنا ہے کہ تم سے پہلے اس نے اپنی قوم کو ختم کر دیا ہے اور اگر معاملہ برعکس ہوا تو بخدا! بلاشبہ میں ایسے ایسے بھانت بھانت کے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے اس سے فرمایا: لات کی شرمگاہ چوس! کیا ہم انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ اس نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا: ابوبکر' اس نے کہا: سنو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تمہارا احسان میرے اوپر نہ ہوتا جس کا بدلہ میں ابھی چکا نہ سکا ہوں تو تمہیں جواب دیتا' اور وہ نبی ﷺ سے بات کیے جاتا اور جب آپ سے بات کرتا تو آپ کی ریش مبارک پکڑ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهٗ وَجِلْدَهٗ وَاِذَا اَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ وَمَا يُحِدُّوْنَ اِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَّهٗ فَرَجَعَ عُرْوَةُ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَيْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُّ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللّٰهِ اِنْ رَّاَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهٗ اَصْحَابُهٗ مَا يُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا وَّاللّٰهِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهٗ وَجِلْدَهٗ وَاِذَا اَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ وَمَا يُحِدُّوْنَ اِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَّهٗ وَاِنَّهٗ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوْهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ كِنَانَةَ دَعُوْنِيْ اٰتِيْهِ فَقَالُوا ائْتِهٖ فَلَمَّا اَشْرَفَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا فُلَانٌ وَّهُوَ مِنْ قَوْمٍ يُعَظِّمُوْنَ الْبُدْنَ فَابْعَثُوْهَا لَهٗ فَبُعِثَتْ لَهٗ وَاسْتَقْبَلَهُ النَّاسُ يُلَبُّوْنَ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا يَنْبَغِيْ لِهٰؤُلَاءِ اَنْ يُّصَدُّوْا عَنِ الْبَيْتِ فَلَمَّا رَجَعَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ قَالَ رَاَيْتُ الْبُدْنَ قَدْ قُلِّدَتْ وَاُشْعِرَتْ فَمَا اَرٰى اَنْ يُّصَدُّوْا عَنِ الْبَيْتِ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ يُقَالُ لَهٗ مِكْرَزُ بْنُ حَفْصٍ فَقَالَ دَعُوْنِيْ اٰتِيْهِ فَقَالُوا ائْتِهٖ فَلَمَّا اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مِكْرَزٌ وَّهُوَ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَمَا هُوَ يُكَلِّمُهٗ اِذْ جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ مَعْمَرٌ فَاَخْبَرَنِيْ اَيُّوْبُ عَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّهٗ لَمَّا جَاءَ سُهَيْلٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ قَالَ مَعْمَرٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْ حَدِيْثِهٖ فَجَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ هَاتِ اكْتُبْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابًا فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

لیتا۔ اور مغیرہ بن شعبہ خود لگائے ہوئے نبی ﷺ کے پیچھے سر اقدس کے پاس کھڑے تھے ان کے ساتھ تلوار تھی۔ جب عروہ اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی ریش کی طرف بڑھاتا تو یہ تلوار کی نیام کی نعل اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ دور رکھ۔ یہ سن کر عروہ نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: مغیرہ بن شعبہ، تو اس نے کہا: اے غدار! کیا تیری دغابازی کے معاملے میں کوشش نہیں کر رہا ہوں، حالت کفر میں مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے تو انہیں مار ڈالا اور ان کے مال لے لیے پھر مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام قبول کرتا ہوں، رہ گیا مال تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں، پھر عروہ، نبی ﷺ کے صحابہ کو کنکھیوں سے دیکھنے لگا، بخدا! جب بھی رسول اللہ ﷺ ناک صاف کرتے تو رطوبت ان میں سے کسی کے ہاتھ میں پڑتی، وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر ملتا اور جب حضور انہیں کسی کام کا حکم دیتے تو اسے بجا لانے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے اور جب وضو فرماتے تو غسالے پر لڑ پڑتے اور جب کچھ فرماتے تو اپنی آوازیں پست کر دیتے اور ان کی عظمت شان کی وجہ سے انہیں نظر بھر کر دیکھ نہیں پاتے۔ اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹا اور کہا: اے قوم! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں اور میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں، اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنی محمد (ﷺ) کے اصحاب ان کی کرتے ہیں، واللہ! اگر وہ ناک صاف کرتے ہیں تو اس کی رطوبت ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آتی ہے تو وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور وہ جب کسی کو کچھ کرنے کا حکم دیتے ہیں تو لوگ دوڑ پڑتے ہیں اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے پانی کے لیے لڑ پڑتے ہیں اور جب بولتے ہیں تو سب لوگ چپ ہو جاتے ہیں اور ان کی عظمت کی بنا پر ان سے آنکھیں چار نہیں کر پاتے، اور انہوں نے ایک سلجھی ہوئی بات رکھی ہے، اسے قبول کر لو! اس کے بعد بنی کنانہ کے ایک شخص نے کہا: مجھے ان کے پاس جانے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَاتِبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَقَالَ سُهَيْلٌ اَمَّا الرَّحْمٰنُ فَوَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ مَا هُوَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ كَمَا كُنْتَ تَكْتُبُ فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ وَاللّٰهِ لَا نَكْتُبُهَا اِلَّا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ثُمَّ قَالَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَّاللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَذٰلِكَ لِقَوْلِهٖ لَا يَسْاَلُوْنِيْ خُطَّةً يُّعَظِّمُوْنَ فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ اِلَّا اَعْطَيْتُهُمْ اِيَّاهَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْ تُخَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوْفَ بِهٖ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَّاللّٰهِ لَا تَتَحَدَّثُ الْعَرَبُ اَنَّا اُخِذْنَا ضُغْطَةً وَّلٰكِنْ ذٰلِكَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَكَتَبَ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَّعَلٰى اَنَّهٗ لَا يَاْتِيْكَ مِنَّا رَجُلٌ وَّاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَّهٗ اِلَيْنَا قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ كَيْفَ يُرَدُّ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ جَآءَ مُسْلِمًا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ دَخَلَ اَبُوْ جَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو يَرْسُفُ فِيْ قُيُوْدِهٖ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ اَسْفَلِ مَكَّةَ حَتّٰى رَمٰى بِنَفْسِهٖ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ سُهَيْلٌ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ اَوَّلُ مَا اُقَاضِيْكَ عَلَيْهِ اَنْ تَرُدَّهٗ اِلَيَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ قَالَ فَوَاللّٰهِ اِذًا لَّا اُصَالِحُكَ عَلٰى شَيْءٍ اَبَدًا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجِزْهُ لِيْ فَقَالَ مَا اَنَا بِمُجِيْزٍ ذٰلِكَ قَالَ بَلٰى فَافْعَلْ قَالَ مَا اَنَا بِفَاعِلٍ قَالَ مِكْرَزٌ بَلْ قَدْ اَجَزْنَاهُ لَكَ قَالَ اَبُوْ جَنْدَلٍ اَيْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اُرَدُّ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ جِئْتُ مُسْلِمًا اَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ لَقِيْتُ

دو! لوگوں نے کہا: جاؤ! جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے سامنے آتا ہوا دکھائی دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں ہے اور یہ فلاں قوم کا ہے' جو قربانی کے جانور کو بہت مانتے ہیں' قربانی کے جانوروں کو اُٹھا دو' قربانی کے جانور اُٹھا دیئے گئے اور لوگ تلبیہ کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا اچھی بات نہیں۔ وہ لوٹا' جب اپنی قوم میں آیا تو اس نے کہا: میں نے قربانی کے جانوروں کو دیکھا ہے' میں انہیں ہار پہنا دیئے گئے ہیں' ان کا اشعار کیا ہوا ہے' انہیں بیت اللہ سے روکنے کو درست نہیں جانتا' اب انہیں میں سے ایک مکرز بن حفص نامی نے کہا: مجھے وہاں جانے دو! لوگوں نے کہا: جاؤ! جب وہ ان کے سامنے آیا' تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ مکرز ہے' یہ اچھا آدمی نہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے لگا' اثناء گفتگو ہی میں سہیل بن عمرو آیا۔ معمر نے کہا: مجھے ایوب نے از عکرمہ نے خبر دی: جب سہیل بن عمرو آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ معمر نے کہا کہ زہری نے اپنی حدیث میں یہ کہا: سہیل بن عمرو آئے اور کہا: آؤ! آپس میں ایک عہد نامہ لکھ لیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاتب کو بلایا' فرمایا: لکھو! ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''۔ اس پر سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! ہم رحمٰن کو نہیں جانتے' یہ کیا ہے؟ لیکن لکھو! ''بـاسـمك الـلّٰـهـم'' جیسا کہ آپ لکھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا: بخدا! ہم ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے سوا اور کچھ نہیں لکھیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: لکھو ''باسمک اللّٰھم'' پھر فرمایا: یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد رسول اللہ نے کیا تو سہیل نے کہا: بخدا! اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے لڑتے' ہاں! لکھو: محمد بن عبد اللہ۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بخدا! میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں اور اگر تم لوگ مجھے جھٹلاتے ہو تو لکھو! محمد بن عبد اللہ۔ زہری نے کہا: اور یہ اس وجہ سے فرمایا کہ پہلے آپ ارشاد فرما چکے تھے: یہ لوگ مجھ سے جو بھی ایسی بات مانگیں گے جس میں اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم ہو تو میں انہیں دوں گا۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا: اس شرط پر کہ ہمارے اور بیت اللہ کے

وَكَانَ قَدْ عُذِّبَ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي اللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاَتَيْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَلَسْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ حَقًّا قَالَ بَلٰى قُلْتُ اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا اِذًا قَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَسْتُ اَعْصِيْهِ وَهُوَ نَاصِرِيْ قُلْتُ اَوَلَيْسَ كُنْتَ تُحَدِّثُنَا اَنَّا سَنَاْتِي الْبَيْتَ فَنَطُوْفُ بِهٖ قَالَ بَلٰى فَاَخْبَرْتُكَ اَنَّا نَاْتِيْهِ الْعَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّكَ اٰتِيْهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهٖ قَالَ فَاَتَيْتُ اَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ يَا اَبَا بَكْرٍ اَلَيْسَ هٰذَا نَبِيَّ اللّٰهِ حَقًّا قَالَ بَلٰى قُلْتُ اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا اِذًا قَالَ اَيُّهَا الرَّجُلُ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَيْسَ يَعْصِيْ رَبَّهٗ وَهُوَ نَاصِرُهٗ فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهٖ فَوَاللّٰهِ اِنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قُلْتُ اَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا اَنَّا سَنَاْتِي الْبَيْتَ وَنَطُوْفُ بِهٖ قَالَ بَلٰى اَفَاَخْبَرَكَ اَنَّكَ تَاْتِيْهِ الْعَامَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّكَ اٰتِيْهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهٖ قَالَ الزُّهْرِيُّ قَالَ عُمَرُ فَعَمِلْتُ لِذٰلِكَ اَعْمَالًا قَالَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا قَامَ مِنْهُمْ رَجُلٌ حَتّٰى قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا لَمْ يَقُمْ مِنْهُمْ اَحَدٌ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَذَكَرَ لَهَا مَا لَقِيَ مِنَ النَّاسِ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَتُحِبُّ ذٰلِكَ اُخْرُجْ ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ اَحَدًا مِّنْهُمْ كَلِمَةً حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَكَ وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ اَحَدًا مِّنْهُمْ حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ نَحَرَ بُدْنَهٗ وَدَعَا حَالِقَهٗ فَحَلَقَهٗ فَلَمَّا رَاَوْا ذٰلِكَ قَامُوْا فَنَحَرُوْا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًا حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا ثُمَّ جَاءَهٗ نِسْوَةٌ مُّؤْمِنَاتٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ حَتّٰى بَلَغَ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (الممتحنة: ١٠) فَطَلَّقَ عُمَرُ يَوْمَئِذٍ

درمیان سے ہٹ جاؤ تا کہ ہم اس کا طواف کر لیں' تو سہیل نے کہا کہ بخدا! اس صورت میں عرب یہ کہیں گے کہ ہم مجبور کر دیئے گئے' ہاں! یہ آئندہ سال ہو سکے گا تو یہی لکھا۔ اب سہیل نے کہا: اور اس شرط پر کہ ہم سے کوئی بھی آپ کے پاس جائے' اگرچہ آپ کے دین پر ہو تو آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے۔ اس پر مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! وہ مشرکین کی طرف کیسے لوٹایا جائے گا' حالانکہ وہ مسلمان ہو کر آیا ہے' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ابوجندل بن سہیل بن عمرو اپنی بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے آئے اور وہ مکہ کے زیریں حصہ سے نکلے تھے' آ کر انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ اس پر سہیل نے کہا: اے محمد (ﷺ)! یہ ہمارے صلح نامہ کی پہلی بات ہے' اسے میری طرف لوٹایئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ابھی صلح نامہ پورا نہیں لکھا گیا ہے' اس نے کہا: اللہ کی قسم! اب ہم آپ سے کسی بات پر ہرگز صلح نہیں کریں گے' تو نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا! اس کے لیے مجھے اجازت دے دو۔ انہوں نے کہا: میں آپ کو اجازت نہیں دوں گا' فرمایا: ایسا کر دو! انہوں نے کہا: میں نہیں کروں گا' مکرز نے کہا: ہم نے آپ کو اجازت دی۔ ابوجندل نے کہا: اے مسلمانو! میں مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں' حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں' کیا نہیں دیکھتے ہو کہ میں نے کتنی مصیبت اٹھائی ہے اور وہ اللہ کی راہ میں بہت زیادہ ستائے گئے تھے۔ حضرت عمر ابن خطاب نے کہا: میں اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ فرمایا: ضرور ہوں' میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا: ہاں ہیں' میں نے عرض کیا: پھر ہم دین کے معاملہ میں کیوں ڈریں' فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کروں گا' وہ میرا مددگار ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں بیان فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے' فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم کو یہ بتایا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ میں نے عرض کیا' نہیں! فرمایا: تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر نے کہا

اِمْرَاَتَيْنِ كَانَتَا لَهُ فِي الشِّرْكِ فَتَزَوَّجَ اِحْدَاهُمَا مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ وَالْاُخْرٰى صَفْوَانُ بْنُ اُمَيَّةَ ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَجَائَهُ اَبُوْ بَصِيْرٍ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ وَّهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ طَلَبِهٖ رَجُلَيْنِ فَقَالُوا الْعَهْدَ الَّذِيْ جَعَلْتَ لَنَا فَدَفَعَهٗ اِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَا بِهٖ حَتّٰى بَلَغَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَنَزَلُوْا يَاْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَّهُمْ فَقَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ لِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا يَا فُلَانُ جَيِّدًا فَاسْتَلَّهُ الْاٰخَرُ فَقَالَ اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَجَيِّدٌ لَّقَدْ جَرَّبْتُ بِهٖ ثُمَّ جَرَّبْتُ فَقَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاَمْكَنَهٗ مِنْهُ فَضَرَبَهٗ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْاٰخَرُ حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُوْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ رَاٰهُ لَقَدْ رَاٰى هٰذَا ذُعْرًا فَلَمَّا انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُتِلَ وَاللّٰهِ صَاحِبِيْ وَاِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَاءَ اَبُوْ بَصِيْرٍ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ وَاللّٰهِ اَوْفَى اللّٰهُ ذِمَّتَكَ قَدْ رَدَدْتَنِيْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ اَنْجَانِي اللّٰهُ مِنْهُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهٗ سَيَرُدُّهٗ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سِيْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَيَنْفَلِتُ مِنْهُمْ اَبُوْ جَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَا يَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهُ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ﴾ (الفتح:٢٤) حَتّٰى بَلَغَ ﴿الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ (الفتح:٢٦) وَكَانَتْ حَمِيَّتُهُمْ اَنَّهُمْ لَمْ يُقِرُّوْا

کہ اس کے بعد میں ابوبکر کے پاس آیا اور میں نے کہا: اے ابوبکر! کیا یہ اللہ کے نبی برحق نہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے عرض کیا: پھر ہم دین کے معاملہ میں کیوں دب کر رہیں' انہوں نے فرمایا: اے شخص! وہ اللہ کے رسول ہیں' وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے' وہ ان کا مددگار ہے' تم ان کی اطاعت کرو' بخدا! وہ حق پر ہیں۔ میں نے کہا: کیا انہوں نے ہم سے نہیں بیان فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ فرمایا: ضرور بیان فرمایا تھا' کیا یہ خبر دی تھی کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا: تو تم بیت اللہ ضرور جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں نے اس کے کفارہ میں بہت سے نیک عمل کیے۔ راوی نے کہا: جب صلح نامہ لکھنے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اُٹھو! اونٹوں کو نحر کرو' پھر اپنے سروں کو مونڈاؤ۔ راوی نے کہا: بخدا! ان میں سے ایک شخص بھی نہیں کھڑا ہوا' یہاں تک کہ حضور نے یہ تین بار فرمایا' جب ان میں سے کوئی نہیں کھڑا ہوا تو حضور اقدس ﷺ حضرت اُم سلمہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے اس کا تذکرہ کیا' حضرت اُم سلمہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں' باہر تشریف لے جایئے اور کسی سے کچھ نہ فرمایئے' اپنے اونٹ کو نحر کیجئے اور اپنے سر مونڈنے والے کو بلا کر سر مونڈا لیجئے۔ حضور اقدس ﷺ باہر تشریف لے گئے اور کسی سے کچھ نہیں فرمایا' یہاں تک کہ وہ سب کر لیا' اپنے اونٹ کو نحر فرمایا اور سر مونڈنے والے کو بلا کر سر مونڈا لیا' جب لوگوں نے اسے دیکھا تو اُٹھے' اپنے اونٹوں کو نحر کیا اور بعض بعض کے سر کو مونڈنے لگا' اتنی بھیڑ ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگوں کو مار ڈالیں گے' پھر آپ کے پاس کچھ مسلمان عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں۔ "بعصم الکوافر" (الممتحنۃ:۱۰) تک۔ حضرت عمر نے اس دن اپنی ان دو عورتوں کو طلاق دے دی' جن سے انہوں

اَنَّهُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَلَمْ يُقِرُّوا بِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَحَالُوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْبَيْتِ.

نے زمانہ شرک میں نکاح کیا تھا۔ ایک سے معاویہ بن سفیان نے اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے شادی کر لی۔ اس کے بعد نبی ﷺ مدینہ لوٹ آئے قریش کے ایک صاحب ابوبصیر مسلمان ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے قریش نے ان کو طلب کرنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا' انہوں نے کہا: اس عہد کو یاد کرو جو آپ نے ہم سے کیا ہے۔ حضور نے ابوبصیر کو ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کر دیا' وہ دونوں انہیں لے کر مدینہ سے باہر ہوئے' جب ذوالحلیفہ پر پہنچے تو اترے اور کھجوریں کھانے لگے' ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے کہا: اے فلاں! واللہ! تمہاری تلوار کو میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت اچھی ہے' اس نے تلوار کو میان سے کھینچ لیا اور کہا: ہاں' بخدا! یہ اچھی ہے' میں نے بار بار اس کا تجربہ کیا ہے۔ ابوبصیر نے کہا: لاؤ دیکھوں! تو اس نے تلوار انہیں دے دی' انہوں نے اسے ایسا مارا کہ ٹھنڈا ہو گیا' دوسرا بھاگا یہاں تک کہ وہ مدینہ آیا' دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ اسے جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: اس نے ضرور کوئی گھبرانے والی بات دیکھی ہے' جب وہ نبی ﷺ کے قریب پہنچا تو کہا: بخدا! میرا ساتھی مار ڈالا گیا اور میں بھی مار ڈالا جاؤں گا' اتنے میں ابوبصیر بھی آ گئے اور عرض کیا: یا نبی اللہ! بخدا! اللہ نے آپ کے عہد کو پورا فرما دیا' آپ نے مجھے ان کی جانب لوٹا دیا تھا' پھر اللہ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کے لیے خرابی ہو' اگر اس کو کوئی مل جائے تو لڑائی کا بھڑکانے والا ہے' جب انہوں نے یہ سنا تو سمجھ گئے' حضور اقدس ﷺ مشرکین کی طرف لوٹائیں گے تو وہاں سے چل دیئے اور سمندر کے ساحل پر آ کر مقیم ہو گئے۔ راوی نے کہا: مشرکین سے بھاگ کر ابوجندل بھی آ گئے اور ابوبصیر کے ساتھ مل گئے' اب یہ ہو گیا کہ قریش میں جو بھی مسلمان ہوتا' وہ آ کر ابوبصیر کے ساتھ مل جاتا یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی' بخدا! شام کی طرف جانے والے قریش کے کسی بھی قافلہ کو سنتے تو اس کے آڑے آتے' انہیں مار ڈالتے اور ان کے مال لے لیتے' اب قریش نے نبی ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجا' اللہ اور رشتہ کا واسطہ دیا کہ آپ

جو بھی ان کے پاس آئے' اسے امن ہے' تو نبی ﷺ نے ان کے پاس یہ کہلا دیا' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ''اللہ وہی ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا' حمیۃ الجاہلیۃ تک' (الفتح: ۲۴) ان کا تعصب یہ تھا کہ انہوں نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اقرار نہیں کیا' ان کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے۔

وَقَالَ عُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ عُرْوَةُ فَاَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ وَبَلَغَنَا اَنَّهُ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ اَنْ يَرُدُّوْا اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا اَنْفَقُوْا عَلٰى مَنْ هَاجَرَ مِنْ اَزْوَاجِهِمْ وَحَكَمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ لَّا يُمَسِّكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ اَنَّ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَاَتَيْنِ قَرِيْبَةَ بِنْتَ اَبِيْ اُمَيَّةَ وَبِنْتَ جَرْوَلِ الْخُزَاعِيِّ فَتَزَوَّجَ قَرِيْبَةَ مُعَاوِيَةُ وَتَزَوَّجَ الْاُخْرٰى اَبُوْ جَهْمٍ فَلَمَّا اَبَى الْكُفَّارُ اَنْ يُّقِرُّوْا بِاَدَاءِ مَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ (الممتحنۃ: ۱۱) وَالْعَقْبُ مَا يُؤَدِّي الْمُسْلِمُوْنَ اِلٰى مَنْ هَاجَرَتْ امْرَاَتُهُ مِنَ الْكُفَّارِ فَاَمَرَ اَنْ يُّعْطٰى مَنْ ذَهَبَ لَهُ زَوْجٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اَنْفَقَ مِنْ صَدَاقِ نِسَآءِ الْكُفَّارِ اللَّاتِيْ هَاجَرْنَ وَمَا نَعْلَمُ اَنَّ اَحَدًا مِّنَ الْمُهَاجِرَاتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ اِيْمَانِهَا وَبَلَغَنَا اَنَّ اَبَا بَصِيْرِ بْنَ اَسِيْدٍ الثَّقَفِيَّ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا مُّهَاجِرًا فِي الْمُدَّةِ فَكَتَبَ الْاَخْنَسُ بْنُ شَرِيْقٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهُ اَبَا بَصِيْرٍ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ.

عقیل نے زہری سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ عروہ نے مجھ سے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ان کا امتحان لیتے اور ہمیں خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا کہ مشرکین کی جانب وہ لوٹا دیا جائے جو انہوں نے ان عورتوں پہ خرچ کیا ہے جو ہجرت کر کے آئی ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کافرہ عورتوں کو اپنی زوجیت میں مت رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی دو عورتوں قریبہ بنت ابی امیہ اور بنت جرول خزاعی کو طلاق دے دی' قریبہ سے معاویہ نے اور دوسری سے ابوجہم نے نکاح کر لیا۔ جب کفار نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ مسلمانوں نے جو کچھ ان کی بیویوں پر خرچ کیا ہے' اسے ادا کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ''اور اگر تمہاری کچھ عورتیں کافروں کی طرف چلی جاویں' پھر تم ان کو سزا دو'' اور عقب سے مراد وہ مال ہے جو مسلمان ان عورتوں کو دیتا جو کفار میں سے ہجرت کر کے آتیں' حکم یہ دیا کہ مسلمانوں میں سے ہجرت کرنے والی کافر عورتوں کو مہر سے جو اس نے خرچ کیا اور اسے نہیں ملا تو اسے دیا جائے اور ہم نہیں جانتے ہیں کہ مہاجر عورتوں میں سے کوئی ایمان لانے کے بعد مرتد ہوئی ہو۔ اور ہمیں یہ خبر پہنچی کہ ابوبصیر بن اسید ثقفی مؤمن ہو کر ہجرت کر کے صلح کے ایام میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو اخنس بن شریک نے نبی ﷺ کو لکھا' حضور سے ابوبصیر کو وہ مانگ رہا ہے' اس کے بعد پوری حدیث ذکر کی۔

لغات

بالغمیم' غین کو فتح' میم کو کسرہ۔ غین کے ضمہ اور میم کے فتح تصغیر کے وزن پر بھی' بعض لوگوں نے کہا ہے' مگر امام قاضی

عیاض نے اس پر رد فرمایا ہے۔ اس کو قراء الغمیم بھی کہتے ہیں' مکہ معظمہ سے دو منزل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ ''طلیعۃ'' مقدمہ الجیش۔ لشکر کا وہ حصہ جو آگے اس لیے بھیج دیا جاتا ہے کہ دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور لشکر کے لیے مناسب جگہ تجویز کرے۔ ''بقترۃ الجیش'' ''قترۃ کے معنی: کالاغبار۔

''فالحت'' الحاح اس کا مصدر ہے' جگہ پکڑنا' چپک جانا۔ ''حلات'' مہموز لام فتح یفتح سے آتا ہے' جگہ سے نہ ٹلنا' اڑ جانا۔

''القصواء'' قاف کے فتحہ کے ساتھ' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی اونٹنی' یہ وہی اونٹنی ہے جسے ہجرت کے موقع پر آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا' قصواء کا مادہ قصو ہے۔ اس کے معنی کان کے کنارے کے کٹنے کے ہیں۔ اس کا کان خلقی طور پر ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا کنارہ کٹا ہوا ہے۔ ''خُطَّۃٌ'' اس کے معنی خصلت کے ہیں' یہاں تجویز مراد ہے۔ ''ثَمَدٌ'' وہ گڑھا جس میں تھوڑا سا پانی ہو۔ ''یتبرضه. تبرض'' ''تھوڑا تھوڑا لینا' اس کا مادہ برض ہے' تھوڑی بخشش۔

ثم امرهم ان يجعلوه فيه

یہ مبارک تیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے ہانکنے والے حضرت ناجیہ ابن جندب رضی اللہ عنہ لے کر اس گڑھے میں اُترے تھے اور گاڑا تھا۔

بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ

بنی خزاعہ کے سردار اور دہاۃ عرب میں سے تھے' یہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے' مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ بچی ہمدردی رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر مرالظہر ان میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بعد حنین' طائف' تبوک بھی غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔

[لغات]

''عیبۃ'' کے معنی وہ تھیلا جس میں کپڑا رکھا جاتا ہے' یہاں مراد راز دار اور ہمدرد ہے۔ ''نصحٌ'' مصدر ہے' اس کے معنی بھی سچے ہمدرد کے ہیں۔ ''تھامہ'' اس کے لغوی معنی نشیبی زمین کے ہیں' اس سے مراد مکہ معظمہ اور اس کے اردگرد کی آبادیاں ہیں۔ نجد سے جانب غرب جو نشیبی حصہ ہے' اسے تہامہ کہتے ہیں' اس کی حد مدینہ طیبہ کی جانب عرج سے شروع ہو کر یمن تک چلی جاتی ہے۔ کعب بن لوی و عامر بن لوی' چونکہ مکہ معظمہ اور آس پاس کے تمام قبائل انہیں دونوں کی شاخیں تھیں' اس لیے ان کا نام لیا۔ مراد یہ تھی کہ مکہ اور آس پاس کی تمام آبادیوں کے باشندے۔ ''اعداد میاہ حدیبیۃ'' اعداد' عدد کی جمع ہے' وہ پانی جو کبھی ختم نہ ہو۔ ''العوذ'' عائذ کی جمع ہے' وہ اونٹنی جو اپنے بچے کے ساتھ ہو۔ ''المطافیل'' ''مُطْفِلٌ'' کی جمع ہے' بچے والی' خواہ انسان ہو خواہ جانور۔ مراد یہ ہے کہ پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے ہیں۔ ''نَهِكَتْهُمْ'' ''نَهِكَ'' دبلا کر دیا' لاغر کر دیا' کمزور کر دیا' کس بل نکال دیا۔ ''جَمُّوْا'' جَمَّ یَجِمُّ'' آرام پا گیا'' تنفرد'' یہ فرد سے باب انفعال کا مضارع ہے۔ اس کا مصدر انفراد ہے۔ ''سالفتی'' سالفۃ کے معنی گردن کا اگلا حصہ' یہاں گردن کے معنی میں ہے' یہاں تک کہ میری گردن جدا ہو جائے' یعنی میں مار ڈالا جاؤں۔

عروہ بن مسعود بن معتب ثقفی' یہ اس وقت کفر کی حالت پر تھے' بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اپنی قوم میں جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی جس پر ان کی قوم نے ان کو شہید کر دیا۔ اس کی اطلاع جب بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو فرمایا کہ یہ صاحب یٰسین کے مثل ہیں' یعنی جن کا واقعہ سورۂ یٰس میں مذکور ہے۔

عکاظ

مکہ معظمہ کے قریب مشہور جگہ تھی، جہاں سال بسال بازار لگتا تھا، جس کی تفصیل نزہۃ القاری، ج ۳ ص ۱۸۴۔۱۸۵، رقم: ۱۰۴۰ میں گزر چکی ہے۔ ''بلحوا عني'' یعنی انہوں نے انکار کر دیا، اس کا مادہ بلح ہے، جس کے معنی انکار کرنے کے ہیں۔ ''اشوابا'' شوب کی جمع ہے، نوع، قسم، یعنی مختلف قسم کے لوگ۔ ''بظر اللات'' بظر، عرب کا دستور تھا کہ وہ عورتوں کا بھی ختنہ کرتے تھے، ختنے کے بعد ختنے کی جگہ جو حصہ رہ جاتا تھا اسے بظر کہتے تھے۔ لات مشہور بت جسے ثقیف پوجتے تھے۔ یہ جملہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بلاغت کا عدیم النظیر نمونہ ہے، جس کی مثال اس صنف میں نہیں۔ ''لو لا يد كانت لك عندي'' یہ احسان یہ تھا کہ عروہ نے کچھ خون بہا اپنے ذمے لے لیا تھا، اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے دس اونٹ دیئے تھے۔

ای غُدَرُ...... (عروہ بن مسعود ثقفی)

''غُمَرُ'' کے وزن پر غادر سے مبالغہ کے لیے معدول ہے، اس کے معنی بہت بڑا عہد شکن۔ عروہ بن مسعود حضرت مغیرہ کے چچا تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ عروہ آئے ہیں تو ہتھیار لگا کر خود میں منہ چھپا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ رؤساء عرب کی عادت تھی کہ وہ جب کسی سے بات کرتے اور اس کی شفقت، مہربانی کی اُمید کرتے تو اسے نرم کرنے کے لیے بات کرتے وقت اس کی ڈاڑھی پکڑ لیا کرتے تھے، یہی عروہ بھی کر رہے تھے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی

حضرت مغیرہ سے یہ برداشت نہ ہو سکا، وہ ہاتھ میں نیام میں رکھی ہوئی تلوار لیے ہوئے تھے۔ وہ نیام کی نوک اس کے ہاتھ پر مارتے کہ ریش مبارک تک ہاتھ نہ لے جا۔ بالآخر انہوں نے اسے تنبیہ فرما دی: ہاتھ دور رکھ! اگر اب بڑھا تو سلامت واپس نہیں جائے گا۔ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہے۔ اس نے حضرت مغیرہ سے کہا: اے بہت بڑے غدار! کیا تیری غداری کے سلسلے میں، میں معاملہ سلجھانے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں، اسے حیرت تھی کہ یہ بھتیجا ہے اور میں اس کے ایسے سنگین معاملے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں، پھر بھی اس نے مجھے اتنا سخت جملہ کہہ دیا۔

قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت مغیرہ ثقیف کی شاخ بنی مالک کے تیرہ افراد کے ساتھ شہنشاہ مصر مقوقس سے ملنے گئے، مقوقس نے سب کو انعام و اکرام دے کر واپس کیا اور حضرت مغیرہ کو کچھ کم دیا، اس کا حضرت مغیرہ کو احساس ہوا، راستے میں کہیں ایک رات سب کے سب شراب پی کر غافل ہو کر سو گئے، انہوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا اور سب مال لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اس کی وجہ سے ثقیف میں شورش پیدا ہو گئی۔ عروہ ابن مسعود نے بڑی جدوجہد کر کے دیت پر معاملہ رفع دفع کر دیا تھا اور ان تیرہ مقتولین کی دیت اپنے پاس سے دی۔

اما المال..... (حربی کفار کے اموال کا حکم)

جب حضرت مغیرہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا: تمہارے جو بنی مالک کے افراد تھے، وہ کیا ہوئے؟ انہوں نے بتایا کہ ان سب کو میں نے قتل کر دیا ہے اور ان کے مال لے کر آیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے خمس لے لیں یا جو مناسب خیال فرمائیں، کریں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام لانا قبول ہے اور مال سے مجھے غرض نہیں۔

حربی کفار کا مال اگر مسلمان چھین لے تو اس کے لیے حلال ہے، مگر جب کوئی معاہدہ ہو جائے تو اس کی پابندی لازم ہے۔ اس کی

خلاف ورزی غدر اور حرام ہے۔ جب چند آدمی ایک ساتھ سفر کر رہے ہوں تو یہ عرف اور تعامل ہے کہ ان کے مابین یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی جان و مال سے تعرض نہ کریں گے' بلکہ حفاظت کریں گے۔ حضرت مغیرہ نے اس کی خلاف ورزی کی جو جائز نہیں' چونکہ انہوں نے یہ مال بہ طورِ غدر عہد شکنی لیا تھا' اس لیے حضور اقدس ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔

اقول هو المستعان: حضرت مغیرہ نے یہ سب حالت کفر میں کیا تھا' اس لیے ان کے اس فعل کو اسلامی قوانین کی حدود میں لانے کی کوشش کی کوئی ضرورت نہیں' اگر یہ مال حرام تھا تو حضور اقدس ﷺ یہ کرتے کہ اسے ان کے وارثین کو واپس فرماتے' حضرت مغیرہ کے پاس نہ رہنے دیتے۔ حق یہ ہے کہ یہ اموال حضرت مغیرہ نے حالت کفر میں دار الحرب میں حاصل کیے تھے' یہ ان کی مِلک اور ان کے لیے حلال وطیب تھے اور چونکہ انہوں نے حالتِ اسلام میں جہاد کر کے نہیں حاصل کیا تھا' اس لیے خمس نہیں لیا۔

فقال رجل من بني كنانة

ان کا نام حلیس بن علقمہ حارثی تھا' یہ احابیش کا سردار تھا۔ جنگ اُحد کے موقعہ پر احابیش کی قیادت اسی کے ہاتھ میں تھی' اس نے مسلمانوں کے قریب آ کر جب قربانی کے اونٹوں کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ ان کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور تلبیہ کی آواز سنی تو بلند آواز سے چیخا: ربِ کعبہ کی قسم! قریش ہلاک ہو گئے' یہ لوگ تو عمرے کے لیے آئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ہاں! اے بنی کنانہ کے بھائی! جاؤ! قریش کو بتا دو۔

یہ واپس جا کر قریش پر خفا ہوا اور کہا: اے قریش! ہم نے اس پر تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا جو بیت اللہ کی تعظیم کے لیے آئے' اسے روکا جائے۔ قریش نے کہا: تم جاؤ! ہم وہی کریں گے جو ہمیں پسند ہے۔

رجل فاجر

مکرز بن حفص بن اخیف' یہ بنی عامر بن لوی کا فرد تھا۔ یہ پورے عرب میں بدعہدی' فتنہ انگیزی میں مشہور تھا۔ اور اس کی شرارت کے بہت سے قصے مشہور تھے۔

قریش نے کبھی بنی کنانہ کے کسی آدمی کو مار ڈالا تھا' اس کے بدلے میں بنی کنانہ نے مکرز کے ایک بھائی کو قتل کر دیا' اس پر آپس میں گفت وشنید کے بعد صلح ہو گئی۔ اس صلح کے بعد مکرز نے بنی کنانہ کے ایک شخص کو مار ڈالا' جس سے قریش اور کنانہ میں پھر تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔

خود حدیبیہ کے موقع پر پچاس افراد کو لے کر شب خون مارنے کے ارادے سے آیا تھا' مگر حضرت محمد بن مسلمہ پہرے پر تھے' انہوں نے سب کو گرفتار کر لیا' مکرز کسی طرح بچ نکلا۔

اگرچہ صلح کی بات کے درمیان اس نے شرافت ہی کا ثبوت دیا اور کوئی شر انگیز بات نہ کی اور نہ حرکت' بلکہ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں اس بات کی تائید کی کہ انہیں مسلمانوں میں چھوڑ دیا جائے۔

ضُغْطَة

دبانا' مغلوب کر لینا' نچوڑ لینا' یہاں پہلا معنی مراد ہے' یعنی عرب یہ کہیں گے کہ قریش دب گئے' مغلوب ہو گئے۔

يرسف في قيوده

"رَسفًا رَسيفًا" اس طرح چلنا جیسے وہ چلتا ہو جس کے پاؤں بندھے ہوں۔ یعنی دونوں پاؤں بیک وقت اٹھا کر کودتے ہوئے آئے' جیسا کہ کتاب الصلح میں گزرا۔

فدعا النبی ﷺ الکاتب...... (صلح حدیبیہ کی دفعات)

یہ کاتب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے' اس روایت میں صرف دو شرطیں مذکور ہیں' مگر کتب حدیث و سیر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائط صلح مندرجہ ذیل تھیں:

(۱) مسلمان اس سال عمرہ نہ کریں' واپس جائیں۔

(۲) آئندہ سال آ کر عمرہ کریں اور مکہ میں صرف تین دن رہیں۔

(۳) سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں اور تلوار بھی نیام میں رہے اور نیام جلبان تھیلے وغیرہ میں۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان ہیں' وہ اگر مسلمانوں کے ساتھ جانا چاہیں تو انہیں نہ لے جائیں اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

(۵) مکہ کے باشندوں میں خواہ کافر ہو خواہ مسلمان' اگر مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیں' لیکن اگر مدینہ کا کوئی شخص مکہ آ جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) عرب کے قبائل آزاد رہیں گے' وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں۔

(۷) دس سال تک فریقین آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔

صلح کی شرائط سراسر یک طرفہ تھیں' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دب کر مغلوبانہ صلح کی تھی' مگر ایسا نہیں' بلکہ حضور اقدس ﷺ کا مقصود صلح تھا اور کچھ مدت کے لیے لڑائی جھگڑے کو بند کرنا' جس کے فوائد معلوم تھے کہ جب آپس کا تناؤ ختم ہوگا' لوگ ملیں جلیں گے' اس طرح اسلام کی خوبیاں جاننے کا موقع ملے گا اور لوگ اسلام سے متعارف ہوں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسلام کی اشاعت تیز سے تیز تر ہوگی' اور یہی ہوا کہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اتنے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے کہ اسلام کی انیس سالہ تاریخ میں نہیں ہوئے تھے' اسی لیے قرآن مجید نے اس صلح کو فتح مبین فرمایا۔

فقال ابو جندل

حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوجندل سے فرمایا: اے ابوجندل! صبر کر اور ثواب کی اُمید رکھ! ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تیرے لیے کوئی سبیل خلاصی کی نکالے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر کود کر ابوجندل کے پاس گئے اور اس کے پہلو میں چلنے لگے اور ان سے کہا: یہ مشرک ہیں' ان کا خون کتے کے برابر ہے اور تلوار کا قبضہ ان کے قریب کیا۔ حضرت عمر فرماتے تھے کہ مجھے امید تھی کہ تلوار لے کر اپنے والد کو مار ڈالے' مگر وہ والد کے ساتھ ایسا نہ کر سکے اور اسی اثناء میں صلح مکمل ہو گئی۔

فاستمسك بغرزه

''غرز'' اونٹ کا پالان' زمین میں گاڑی ہوئی لکڑی' لفظی ترجمہ یہ ہے: ان کے پالان کو پکڑ لے' ان کی کھونٹی کو پکڑ لے' لیکن یہ کنایہ ہے بلاچون وچرا بات ماننے اور اطاعت کرنے سے' بولتے ہیں: ''الزم غرز فلان'' اس کی تابعداری کر۔

سیف البحر...... (حضرت ابوبصیر کا قصہ)

سیف کے معنی کنارہ' یعنی حضرت ابوبصیر سمندر کے کنارے چلے گئے' اس جگہ کا نام عیص تھا' یہ جگہ شام آنے جانے کا راستہ تھی' قریش کے قافلے شام اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔ حضرت ابوجندل بھی ستر مسلمان سواروں کے ساتھ وہیں آ گئے' مکہ معظمہ کے ستم رسیدہ مسلمان یہیں آ کر جمع ہونے لگے' یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی اور قریش کے قافلوں پر دھاوا بولنے لگے' جس

سے عاجز آ کر ابوسفیان نے حضور اقدس ﷺ کو لکھا کہ ہم اس شرط سے باز آئے' ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لیں۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبصیر کو لکھا کہ تم وہاں کے تمام مسلمانوں کو لے کر مدینہ طیبہ آ جاؤ۔ جب یہ مفاوضہ عالیہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ حالتِ نزع میں تھے' والا نامہ پڑھ کر سنایا گیا اور وہ راہی ملک بقا ہو گئے۔ اور حضرت ابوجندل نے ان کو وہیں دفن کر دیا اور ان کے مزار کے قریب مسجد بنا دی۔

فانزل اللّٰہ

اس سے بہ ظاہر یہ متبادر ہے کہ آیہ کریمہ ''وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَكُمْ'' حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر نازل ہوئی ہے' مگر ایسا نہیں۔ اس کے شانِ نزول میں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مسلمان حدیبیہ میں مقیم تھے اَسّی جوان جبل تنعیم سے اتر کر حملہ کی نیت سے آئے' جنہیں مسلمانوں نے گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا اور رہا کر دیا۔ (مسلم۔ ج ٢۔ باب: غزوہ ذی قرد ص ١١٤' کتاب الجہاد۔ باب: قول اللہ تعالیٰ: ھو الذی کف ایدیھم ص ١١٦)

اسی کے قریب قریب حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ کے زمانے میں اس درخت کے نیچے تھے جس کا قرآن میں تذکرہ ہے کہ تیس ہتھیار بند جوان ہم پر حملے کے ارادے سے آئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان پر دعا کی جس سے وہ اندھے ہو گئے' ہم نے بڑھ کر ان کو پکڑ لیا۔ حضور نے ان سے دریافت فرمایا: بتاؤ! کیا تم لوگوں نے کسی سے معاہدہ کیا ہے؟ یا کسی نے تم کو امان دی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں! اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: (مسند امام احمد۔ ج ٤ ص ٨٤)

اس وقت سورۂ فتح کی یہ تین آیات نازل ہوئیں:

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں تمہارے ہاتھوں کو ان سے اور ان کے ہاتھوں کو تم سے روکا' اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا' اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے ○ وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا' اس حالت میں کہ قربانی کے جانور اپنی جگہ پہنچنے سے رکے ہوئے تھے' اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم ایسے مسلمان مردوں اور عورتوں کو روند ڈالتے جنہیں تم نہیں جانتے' جس کی وجہ سے تم پر انجانے میں کوئی ناگوار حادثہ نازل ہو جاتا' (تو ہم لڑائی کی اجازت دے دیتے) یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل فرمائے' اگر وہ جدا ہو جاتے تو ان میں جو کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب دیتے ○ جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں زمانہ جاہلیت کی ہٹ رکھی تو اللہ نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور مومنین پر اُتارا اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر انعام فرمایا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اہل تھے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے ○

وَالْعَقِبُ...... (عقب کا معنی)

عین فتحہ' قاف سکون یا کسرہ کے ساتھ باری کے معنی میں۔ یہ امام زہری کی ''عَاقَبْتُمْ'' کی تفسیر ہے' اب ''عاقبتم'' کا ترجمہ یہ ہوگا: اور تمہاری باری آئے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر تمہاری عورتیں بھاگ کر کفار میں چلی جائیں اور کافر ان سے نکاح کر لیں اور تمہیں تمہارا وہ روپیہ نہ دیں جو تم نے ان عورتوں کو مہر میں دیا تھا تو جب تمہاری باری کفار کو دینے کی آئے' مثلاً کسی کافر کی کوئی زوجہ ہجرت کر کے تمہارے پاس آ جائے اور تم اس سے نکاح کر لو' تو پہلے والے کافر شوہر کو اس کا دیا ہوا مہر کا روپیہ اس کافر کو مت دو بلکہ اس مسلمان کو دو جس کی بیوی بھاگ کر کافروں میں چلی گئی اور اگر کچھ فاضل ہو تو جتنا فاضل ہو وہ اس کافر کو دے دو۔

لیکن راجح جمہور کی تفسیر ہے کہ ''عَاقَبْتُمْ'' سے مراد جنگ ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا: اگر تم انہیں لڑاؤ' یعنی ان سے جنگ کرو' تو مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو ان کا وہ خرچ کیا ہوا پیسہ دے دو' جن کی عورتیں کافروں کی طرف بھاگ گئی ہیں۔

وما نعلم

یہ امام زہری اپنے علم کی بات کر رہے ہیں' ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ بھاگ گئی تھیں' ان میں ایک اُم الحکم بنت ابوسفیان بھی تھی' جو عیاض بن شداد کے نکاح میں تھی۔ بھاگ کر ثقیف کے ایک شخص کے ساتھ شادی کر لی' مگر جب ثقیف مسلمان ہوئے تو یہ بھی مسلمان ہو گئی۔

بَابُ الْمُكَاتَبِ وَمَا لَا يَحِلُّ مِنَ الشُّرُوْطِ الَّتِيْ تُخَالِفُ كِتَابَ اللّٰهِ (ص۳۸۱)

مکاتب کا بیان اور کتاب اللہ کے خلاف جو شرطیں ہوں وہ جائز نہیں

ت٥٤٣ - وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي الْمُكَاتَبِ شُرُوْطُهُمْ بَيْنَهُمْ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے مکاتب کے بارے میں فرمایا: ان کے مابین جو شرطیں طے ہو جائیں' ان کی پابندی ضروری ہے۔

اس تعلیق کو سفیان ثوری نے کتاب الفرائض میں روایت کیا ہے۔

ت٥٤٤ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَوْ عُمَرُ كُلُّ شَرْطٍ خَالَفَ كِتَابَ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَيُقَالُ عَنْ كِلَيْهِمَا عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

حضرت ابن عمر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شرط کتاب اللہ کے مخالف ہو' وہ باطل ہے' اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے۔

یہ مضمون حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ماخوذ ہے' جیسا کہ گزر چکا۔

بَابُ مَّا يَجُوْزُ مِنَ الْاِشْتِرَاطِ وَالثُّنْيَا فِي الْاِقْرَارِ وَالشُّرُوْطِ الَّتِيْ يَتَعَارَفُهَا النَّاسُ بَيْنَهُمْ وَاِذَا قَالَ مِائَةٌ اِلَّا وَاحِدَةً اَوْ ثِنْتَيْنِ

اقرار میں کون سی شرط اور کون سا استثناء جائز ہے اور وہ شرطیں جو لوگوں میں متعارف ہیں اور جب کہا: سو' مگر ایک یا دو

ت٥٤٥ - وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِكَرِيِّهٖ اَرْحِلْ رِكَابَكَ فَاِنْ لَّمْ اَرْحَلْ مَعَكَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا فَلَكَ مِائَةُ دِرْهَمٍ فَلَمْ يَخْرُجْ فَقَالَ شُرَيْحٌ مَنْ شَرَطَ عَلٰى نَفْسِهٖ طَائِعًا غَيْرَ مُكْرَهٍ فَهُوَ عَلَيْهِ.

اور ابن سیرین نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تم اپنی سواری پر بیٹھ جاؤ! اگر میں تیرے ساتھ فلاں اور فلاں دن نہ چلوں تو تیرے لیے سو درہم' اور وہ نکلا نہیں۔ اس پر قاضی شریح نے کہا: جو شخص برضا و رغبت بلا جبر و اکراہ اپنے خلاف شرط کرے تو وہ اس پر لازم ہے۔

اس تعلیق کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے' قاضی شریح کے فیصلے کا مطلب یہ ہے: اسے سو درہم دینے لازم ہیں' مگر ان کے برخلاف پوری اُمت کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں' یہ ایک وعدہ ہے۔

ت٥٤٦ - وَقَالَ اَيُّوْبُ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ اَنَّ رَجُلًا بَاعَ طَعَامًا وَقَالَ اِنْ لَّمْ اٰتِكَ الْاَرْبِعَاءَ فَلَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بَيْعٌ فَلَمْ يَجِئْ فَقَالَ شُرَيْحٌ لِلْمُشْتَرِيْ اَنْتَ اَخْلَفْتَ

ابن سیرین ہی نے کہا کہ ایک شخص نے غلہ خریدا اور کہا: اگر میں چہارشنبہ کو نہ آؤں تو میرے تیرے درمیان بیع نہیں' اور وہ آیا نہیں۔ قاضی شریح نے خریدار سے کہا: تو نے وعدہ خلافی کی اور اس

فَقَضٰى عَلَيْهِ. کے خلاف فیصلہ کر دیا۔

اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے روایت کیا ہے اور ہمارا اور امام احمد' امام اسحاق کا مذہب یہی ہے۔

حضرت امام شافعی وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل۔

١٥٠٤- ح: [اِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا] اللہ عزوجل کے ننانوے اسماء ہیں

١٥٠٤- عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَّنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے ننانوے نام ہیں' ایک کم سو' جس نے انہیں یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الدعوات۔ باب: للّٰه مائة اسم غير واحد ص ٩٤٩' کتاب التوحید۔ باب: ان للّٰه مائة اسم الا واحدة ص ١٠٩٩' مسلم۔ کتاب الذکر' ترمذی۔ کتاب الدعوات' نسائی۔ کتاب النعوت' ابن ماجہ۔ کتاب الدعاء)

اسمائے حسنیٰ کی تفسیر

ترمذی[1] میں ان اسماء کی تفصیل یہ ہے:

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِی الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِی الْمُمِيْتُ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِی الْمُتَعَالِی الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِی الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِیْ الْبَدِيْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ"۔

ابن ماجہ[2] میں ہے کہ اللہ عزوجل کے ننانوے اسماء ہیں' ایک کم سو۔ بے شک وہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے جو انہیں یاد کرے جنت میں داخل ہوگا۔

بخاری اور ترمذی میں "احصاها" ہے ابن ماجہ میں "حفظها" ہے۔ "اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْمَلِكُ الْحَقُّ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْعَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْبَارُّ الْمُتَعَالِ الْجَلِيْلُ الْجَمِيْلُ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ الْقَادِرُ الْقَاهِرُ الْعَلِیُّ الْحَكِيْمُ الْقَرِيْبُ الْمُجِيْبُ الْغَنِیُّ الْوَهَّابُ الْوَدُوْدُ الشَّكُوْرُ الْمَاجِدُ الْوَاجِدُ الْوَالِی الرَّاشِدُ الْعَفُوُّ الْغَفُوْرُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ التَّوَّابُ الرَّبُّ الْمَجِيْدُ الْوَلِیُّ الشَّهِيْدُ الْمُبِيْنُ الْبُرْهَانُ الرَّؤُوْفُ الرَّحِيْمُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْبَاعِثُ الْوَارِثُ الْقَوِیُّ الشَّدِيْدُ الضَّارُّ

[1] ترمذی۔ ج ٢ ص ١٨٩۔ باب: جامع الدعوات [2] ابن ماجہ۔ ص ٢٨٣۔ کتاب الدعوات

النَّافِعُ الْبَاقِيْ الْوَاقِيْ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ الْمُقْسِطُ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ الْقَائِمُ الدَّائِمُ الْحَافِظُ الْوَكِيْلُ الْفَاطِرُ السَّامِعُ الْمُعْطِيْ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ الْمَانِعُ الْجَامِعُ الْهَادِيْ الْكَافِيْ الْاَبَدُ الْعَالِمُ الصَّادِقُ النُّوْرُ الْمُنِيْرُ التَّامُّ الْقَدِيْمُ الْوِتْرُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ'' زبیر نے کہا: بہت سے اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ شروع کرے تو یہ پڑھے:

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى''۔

ترمذی میں کچھ اسماء زائد ہیں جو ابن ماجہ میں نہیں' اسی طرح ابن ماجہ میں کچھ اسماء زائد ہیں جو ترمذی میں نہیں۔ علاوہ ازیں اور دوسری احادیث میں بھی اس کی تفصیل مذکور ہے' ان میں بھی یہی حال ہے' اس لیے ان روایات پر اعتماد کر کے ان ننانوے اسماء کی تعیین کرنا صحیح نہیں۔

علامہ ابن حجر نے بہت طویل تحقیقاتی بحث کرنے کے بعد اپنے طور پر ان اسماء کی جو تفصیل لکھی ہے' وہ یہ ہے:

''اَللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ التَّوَّابُ الْوَهَّابُ الْخَلَّاقُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْمُحِيْطُ الْقَدِيْرُ الْمَوْلٰى النَّصِيْرُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْقَرِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَكِيْلُ الْحَسِيْبُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْوَارِثُ الشَّهِيْدُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْغَنِيُّ الْمَالِكُ الشَّدِيْدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْقَاهِرُ الْكَافِيْ الشَّاكِرُ الْمُسْتَعَانُ الْفَاطِرُ الْبَدِيْعُ الْغَافِرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْكَفِيْلُ الْغَالِبُ الْحَكَمُ الْعَالِمُ الرَّفِيْعُ الْحَافِظُ الْمُنْتَقِمُ الْقَائِمُ الْمُحْيِيْ الْجَامِعُ الْمَلِيْكُ الْمُتَعَالِيْ النُّوْرُ الْهَادِيْ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ الْاَكْرَمُ الْاَعْلٰى الْبَرُّ الْحَفِيُّ الرَّبُّ الْاِلٰهُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ''۔

لیکن یہ بھی حضرت علامہ کا اپنا استخراج ہے' اس لیے یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث میں وارد ننانوے اسماء سے یہی مراد ہیں' صحیح یہ ہے کہ جیسے شب قدر' اور جمعہ کے دن کی ساعتِ اجابت اور صلوٰۃ وسطٰی کو مخفی رکھا گیا ہے' ویسے ہی ان ننانوے اسماء حسنٰی کو بھی غیر متناہی اسماء میں مضمر رکھا گیا ہے' تاکہ ذاکر ان ننانوے پر اکتفا کر کے بقیہ کا ذکر چھوڑ نہ بیٹھے' بلکہ جتنے اسے معلوم ہیں' سب کا ورد رکھے۔ خود فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى. (بنی اسرائیل: ۱۱۰) فرما دو! اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو' جس نام سے بھی پکارو اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔

جس روایت میں اسماء حسنٰی کی تفصیل ہے' اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نہیں لیا۔ اس کی وجہ امام حاکم نے یہ بتائی کہ شعیب کے تلامذہ میں سے صرف ولید بن مسلم ہی نے روایت کیا ہے۔ اس پر علامہ عسقلانی اور علامہ عینی نے فرمایا کہ اس سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا' اس لیے کہ ولید بن مسلم شعیب کے دوسرے تلامذہ سے احفظ و اعلم و اجل ہیں۔

اسی طرح ولید سے صرف صفوان ہی نے نہیں روایت کیا ہے' بلکہ بیہقی نے بہ طریق موسیٰ بن ایوب اور دارمی نے بہ طریق ہشام بن عمار بھی روایت کیا ہے۔

ہوسکتا ہے امام بخاری یا مسلم نے یہ روایت اس بناء پر نہ لی ہو کہ اسماء مبارکہ کی تعیین میں شدید اضطراب واختلاف ہے' نیز اس کا بھی قوی امکان ہے کہ یہ مرفوع نہ ہو' کسی راوی نے ازخود تتبع کر کے بیان کردیا ہو' جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے۔

(فتح الباری۔ ج ۱۱ ص ۲۱۵)

علماء کو اس میں تردد ہے کہ یہ ننانوے کی تخصیص کس بنیاد پر ہے؟ ظاہر ہے کہ تحدید مراد نہیں' اس لیے کہ اللہ عزوجل کے اسماء غیر متناہی ہیں۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ یہ قرآن مجید میں وارد ہیں' تو سوال یہ ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ یہ اسماء قرآن مجید میں بہ صورتِ اسم وارد ہیں' تو یہ اس لیے درست نہیں کہ ایسے اسماء کی تعداد صرف اڑسٹھ ہے[1] اور اگر یہ مراد ہے جو قرآن مجید سے ماخوذ ہیں خواہ وہ صراحۃً ہوں' خواہ کلمات سے' بہ صورتِ اشتقاق لیے گئے ہوں' یا اضافت کے ساتھ ہوں تو ان کی تعداد ننانوے سے زائد ہے' اور احادیث میں وارد کا اضافہ کرلیا جائے تو یہ تعداد اور بڑھ جائے گی۔

الا واحدۃ...... (اوپر والا کہنے والے کا حکم)

''الا واحدۃ'' اوپر والا کی تانیث بتاویل صفت یا کلمہ ہے۔ کتاب التوحید کی روایت میں واحد مذکر ہے اور یہی ظاہر ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ توقیفیہ ہیں' یعنی کتاب وسنت میں جو وارد ہیں' یا جن کے اطلاق پر اجماع ہے' صرف انہیں اسماء کے ساتھ اللہ عزوجل کو یاد کرنا چاہیے' ان کے علاوہ دوسرے اسماء کا اطلاق درست نہیں' مثلاً جواد کا اطلاق حدیث میں آیا ہے' اس لیے جواد کا اطلاق درست ہے' مگر سخی وارد نہیں' اس لیے اس کا اطلاق ممنوع ہے۔ شہید بصیر وارد ہے' اس لیے اس کا اطلاق درست ہے' حاضر ناظر وارد نہیں اس لیے اس کا اطلاق درست نہیں۔

اقول وھو المستعان: یہ توقیف صرف عربی زبان کے ساتھ خاص ہے' دوسری زبانوں کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اسماء مسلمانوں کے عوام وخواص خصوصاً علماء فقہاء میں رائج ہیں' ان کا اطلاق درست ہے' جیسے یزداں' ایزد' خدا وغیرہ۔ ہنود کے یہاں جو اسماء ان کے معبودانِ باطلہ کے لیے' دیوی دیوتاؤں کے لیے بولے جاتے ہیں' ان سے سخت احتراز لازم ہے۔ ان میں سے بعض کفر صریح ہیں' مثلاً بھگوان' رام' اگر ان کے بعض کے معنی درست بھی ہوں تو اگر کوئی بجائے اللہ اور اللہ کے ایشور' ہری بولے تو اس کے ہندو ہونے کا شبہہ ہوگا' اس لیے اس سے ضرور بالضرور بچنا لازم ہے۔ اسی طرح جن کلمات کے معنی کئی ہوں' بعض درست بعض باطل اور شرع میں وارد نہ ہوں' ان کا اطلاق بھی ممنوع ہے۔ شامی میں ہے: ''مجرد ایھام المعنی المحال کاف للمنع'' معنی محال کا ایہام ہی منع کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح جن کلمات کے معنی معلوم نہیں' ان کے بھی اطلاق سے بچنا لازم ہے۔ آج کل ہندوؤں سے سیکھ کر مسلمانوں میں یہ رائج ہوگیا ہے۔ بولتے ہیں: اوپر والا جانے! نیلی چھتری والا جانے! اس سے بھی احتراز لازم ہے' عالمگیری[2] میں ہے:

ولو قال اللہ تعالٰی فی السماء فان قصد به حکایة ما جاء فیه ظاهر الاخبار لا یکفرو ان اراد به المکان یکفرو ان لم تکن له نیة یکفر عنه الاکثر وهو الاصح وعلیه الفتوٰی.

اگر یہ کہا: اللہ آسمان میں ہے' تو اگر اس کی مراد ظاہر آیات و احادیث میں جو آیا ہے' اس کی حکایت ہے تو کافر نہیں اور اگر اس کی مراد مکان ہے تو کافر ہے اور اگر کچھ مراد نہیں تو اکثر کے نزدیک کافر ہے اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اور اغلب یہی ہے کہ مذکورہ بالا جملوں سے عوام کی مراد یہی ہوتی ہے کہ جو آسمان میں ہے یا اوپر ہے' پھر اس کی ضرورت ہی کیا

---

۱ فتح الباری۔ ج ۱۱ ص ۱۷

۲ فتاویٰ عالمگیری۔ ج ۲ ص ۲۰۹۔ کتاب السیر۔ الباب: ۹۔ نول کشور

ہے۔ اللہ عزوجل اللہ تعالیٰ کہنے سے کون منع کرتا ہے' پھر کوئی ضرورت نہیں کہ ان متبرک اسماء کو چھوڑ کر ایسے کلمات سے اس کا مبارک نام لیا جائے جو کفر ہو یا موہم کفر۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ. (الاعراف:۱۸۰)

اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں' اس کو انہیں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں' انہیں چھوڑ دو۔

اسم اعظم

یہ ننانوے اسماء اسماء صفات ہیں۔ اسم ذات' اللہ ہے' انہیں اسماء میں اسم اعظم بھی ہے' وہ کون سا اسم مبارک ہے یہ مخفی ہے۔ علاوہ ازیں کچھ علماء کے اقوال یہ بھی ہیں کہ اسم اعظم ان کے سوا دوسرے دعائیہ کلمات ہیں' جیسے دعاء یونس۔ بعض حضرات نے کلمہ ھو کو اسم اعظم کہا ہے' فتح الباری میں چودہ اقوال ذکر فرمائے ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے کہا: ہر شخص کا اسم اعظم اسماء حسنیٰ میں وہ ایک یا چند اسماء ہیں' جو اس کے نام کے اعداد کے مطابق ہے۔

فمن احصاها

کتاب الدعوات کی روایت ''فمن حفظها'' ہے' اسی لیے میں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: جس نے انہیں یاد کر لیا' اور اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ اسماء حسنیٰ کے محض یاد کرنے پر جنت عطا ہو جائے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جس نے انہیں یاد کیا اور یہ اسماء جن صفات پر دلالت کرتے ہیں' ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی پوری کوشش کرے' بشرطیکہ مخلوق کے لیے اس کا حصول شرعاً عقلاً محال نہ ہو' جیسے رحیم' کریم' غفور' عفو' معطی وغیرہ۔

بَابُ الشُّرُوْطِ فِي الْوَقْفِ

وقف میں شروط کا بیان

١٥٠٥- ح: [لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَ اَنْ يَّاكُلَ مِنْ مَالِ الْيَتِيْمِ بِالْمَعْرُوْفِ]

ولی یتیم کے مال سے عرف کے مطابق کھائے تو کوئی گناہ نہیں

١٥٠٥- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاْمِرُهُ فِيْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُ بِهٖ قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا قَالَ فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَآءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خیبر میں ایک زمین حاصل کی ہے۔ اس سے عمدہ مال میں نے کبھی نہیں حاصل کیا تھا۔ اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: اگر چاہو تو اس کے اصل کو باقی رکھو اور (اس کی آمدنی) صدقہ کر دو۔ حضرت عمر نے اسے صدقہ کر دیا' اس شرط پر کہ نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے' نہ میراث بنائی جائے اور اسے فقیروں' رشتہ داروں' غلاموں' فی سبیل اللہ اور مسافروں اور

وَيُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ سِيرِيْنَ فَقَالَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَّالًا. مہمانوں کے حق میں صدقہ کر دیا اور یہ کہ جو اس کا متولی ہو وہ بہ طریق معروف اس میں سے خود کھائے اور کھلائے' البتہ مال جمع نہ کرے۔

(بخاری۔ کتاب الوصایا۔ باب: الوقف و کیف یکتب ص ۳۸۸' باب: الوقف للفقیر و الغنی و الضیف ص ۳۸۹' باب: قول اللّٰہ عزوجل: واتوا الیتامٰی ص ۳۸۷' مسلم۔ کتاب الوصایا' نسائی۔ کتاب الاحباس)

اصاب ارضا

اس زمین کا نام ثمغ تھا' جیسا کہ خود بخاری[1] میں ہے' انہوں نے اسے بنی حارثہ کے ایک یہودی سے خریدا تھا۔

یعنی اسے وقف کر دو کہ اصل باغ باقی رہے اور اس کی پیداوار سے موقوف علیہم نفع حاصل کریں' جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے: "احبس اصلها وسبّل ثمرتها" اس کے اصل کو روکو اور پھل راہِ خدا میں کر دو۔ اس وقف کا پہلا متولی اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بنایا تھا' ان کے بعد کے لیے یہ وصیت کی تھی کہ آلِ عمر میں جو اصحاب رائے ہوں' وہ متولی ہوں گے۔

ان یاکل

یعنی عرف کے مطابق اپنے کام اور وقف کے تحمل کا لحاظ کر کے اس میں سے کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے' مثلاً اپنے اہل و عیال کو جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہو۔

غیر متاثل

اس حدیث کے راوی ابن عون نے کہا: میں نے یہ حدیث ابن سیرین کو سنائی تو انہوں نے بتایا کہ غیر متمول کے بجائے "غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَّالًا" ہے' یعنی مال جمع کرنے والا نہ ہو۔ متاثل کا مادہ اثل ہے' اس کا معنی جڑ پکڑنے کے ہیں۔ تاثل کے معنی جڑ پکڑنے کے' اکٹھا کرنے' کما کر مال بڑھانے کے ہیں۔

[1] بخاری۔ ص ۳۸۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۵- کِتَابُ الْوَصَایَا (ص ۳۸۲)

وصیتوں کا بیان

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ﴾ اِلٰى ﴿جَنَفًا﴾ (البقرہ: ۱۸۰-۱۸۲) جَنَفًا مَيْلًا ﴿مُتَجَانِفٌ﴾ (المائدہ: ۳) مَائِلٌ.

اور اللہ عزوجل نے فرمایا: تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ (وغیرہ) کے لیے وصیت کر جائے' سے ''جنفا'' تک۔ ''جنفا'' کا معنی: جھکنے کے ہیں اور ''متجانف'' کے معنی بھی: جھکنے والے کے۔

توضیح

اس کے بعد آیت کا حصہ یہ ہے: قریب کے رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق' یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے○ سننے سنانے کے بعد جو وصیت کو بدل دے تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہے' بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے○ پھر جسے یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے کچھ ناانصافی یا گناہ کیا ہے تو اس نے ان کے درمیان صلح کرادی تو اس پر کچھ گناہ نہیں' بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے○

وصیت

اس کے اصل معنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں' شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اپنے متروک مال کا اپنے مرنے کے بعد مالک بنانا۔ عرف میں وصیت اس فعل کو بھی کہتے ہیں اور اس مال کو بھی جس کے بارے میں وصیت کی ہے اور کبھی اچھے کام کرنے کا حکم اور بُرے کام سے روکنے کے بھی معنی میں آتا ہے۔ زیادہ رغبت دلانے' اُبھارنے اور زجر و توبیخ ظاہر کرنے کے لیے بھی۔

۱۵۰۶- ح: [وَصِيَّةُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ] وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو

۱۵۰۶- عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس وصیت کے لائق مال ہو اور وہ دو راتیں گزار دے مگر یہ کہ اس کے پاس لکھی ہوئی وصیت موجود ہو۔

(مسلم۔کتاب الوصیت' ابوداؤد۔ کتاب الوصایا' ترمذی۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الجنائز' نسائی' ابن ماجہ' دارمی' موطا امام مالک۔ کتاب الوصایا' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۵۰' وغیرہ)

یبیت لیلتین

ابوعوانہ اور بیہقی کی روایت میں بہ طریق حماد بن زید' ایوب سے جو روایت ہے' اس میں ''یبیت لیلة. او لیلتین'' ہے[۱] مسلم اور نسائی کی روایت میں بہ طریق زہری عن سالم عن ابیہ ''یبیت ثلث لیال'' ہے۔ ان سب روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ لیلتین یا لیلۃ یا ثلث لیال کا ذکر تحدید کے لیے نہیں۔ اس سے مراد تھوڑا سا زمانہ ہے' مراد یہ ہے کہ اس میں ذرا بھی تاخیر مناسب نہیں۔

اس حدیث اور باب کے تحت مذکورہ آیہ کریمہ کے ظاہر سے کچھ حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ وصیت کرنا واجب ہے' اگرچہ تھوڑی ہی چیز کے بارے میں ہو' مگر ان کے علاوہ پوری اُمت کا قریب قریب اس پر اجماع ہے کہ وصیت کرنا واجب نہیں۔ یہ آیہ کریمہ آیاتِ ارث سے منسوخ ہے اور اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ حق کے لغوی معنی شیٔ ثابت کے ہیں' جس کا اطلاق مستحب اور مباح پر بھی ہوتا ہے۔

۱۵۰۷- ح: [مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑا

۱۵۰۷- عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ خَتَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخِي جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اُم المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث کے بھائی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم چھوڑا نہ دینار اور نہ غلام اور نہ باندی اور نہ کچھ اور صرف اپنا سفید خچر اور اپنا ہتھیار اور زمین چھوڑی' جسے صدقہ کر دیا تھا۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: بغلة النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیضاء ص ۴۰۲' باب: من لم یر کسر السلاح عند الموت ص ۴۰۸' باب: نفقة نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته ص ۴۳۷' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته ص ۶۴۱' ترمذی۔ کتاب الشمائل' نسائی۔ کتاب الاحباس)

ابن عربی اور ابن فارس اور اصمعی کا قول یہ ہے کہ بیوی کے بھائی اور باپ وغیرہ کو ختن کہتے ہیں' لیکن عام اہل لغت صرف داماد کو ختن کہتے ہیں۔ یہاں حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختن پہلے قول کی بنیاد پر کہا گیا ہے۔

اخو جویریة

یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' یعنی ''هو اخو جویریة'' دوسری روایت ''اخی جویریه'' کی ہے' یہ ختن پر معطوف ہے۔

مسلم اور ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بہ طریق مسروق' حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار چھوڑا اور نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کچھ وصیت فرمائی۔

کتاب مغازی کی ایک روایت میں ہے: یہ زمین جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ یعنی وقف فرما دیا تھا' یہ خیبر میں تھی' یہ سفید

[۱] فتح الباری۔ ج ۵ ص ۳۶۲

خچر وہی تھا جو آپ کو شاہ مصر مقوقس نے تحفۃً پیش کیا تھا' جس کا نام دُلدُل تھا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کے بعد بھی زندہ رہا اور حضرت علی کے پاس رہا اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک رہا۔

ابن تین نے کہا: یہ زمین فدک تھی' رہ گئی خیبر کی زمین تو اسے بہت پہلے ہی حضور اقدس ﷺ نے تقسیم فرما دیا تھا۔ اس پر قرینہ مغازی کی روایت ہے: "جعلها لابن السبيل صدقة" اس زمین کو مسافروں کے لیے وقف فرما دیا تھا۔ فیہ ما فیہ۔

١٥٠٨- ح: [هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى]

کیا نبی ﷺ نے (خلافت کے لیے) وصیت کی تھی؟

١٥٠٨- حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى فَقَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ اَوْ اُمِرُوْا بِالْوَصِيَّةِ قَالَ اَوْصٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ.

طلحہ بن مصرف نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے وصیت فرمائی تھی؟ فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا: پھر لوگوں پر وصیت کرنا کیسے فرض کیا گیا یا لوگوں کو وصیت کا حکم دیا گیا؟ فرمایا: حضور اقدس ﷺ نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی ﷺ ووفاته ص ۶۴۱' کتاب فضائل القرآن۔ باب: الوصاة بكتاب الله ص ۷۵۱' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الوصایا)

١٥٠٩- ح: [ذَكَرُوْا عِنْدَ عَآئِشَةَ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ وَصِيًّا]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس (لوگوں) نے ذکر کیا کہ حضرت علی وصی تھے

١٥٠٩- عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ ذَكَرُوْا عِنْدَ عَآئِشَةَ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ وَصِيًّا فَقَالَتْ مَتٰى اَوْصٰى اِلَيْهِ وَقَدْ كُنْتُ مُسْنِدَتَهُ اِلٰى صَدْرِيْ اَوْ قَالَتْ حَجْرِيْ فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدِ انْخَنَثَ فِيْ حَجْرِيْ فَمَا شَعَرْتُ اَنَّهُ قَدْ مَاتَ فَمَتٰى اَوْصٰى اِلَيْهِ.

اسود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں لوگوں نے ذکر کیا کہ حضرت علی وصی تھے' تو اُم المومنین نے کہا: کب ان کے بارے میں وصیت کی؟ میں حضور کو اپنے سینے سے سہارا دیئے ہوئے تھی' یا یہ فرمایا کہ اپنی گود میں لیے ہوئے تھی' حضور نے پانی کا طشت طلب فرمایا اور میری گود ہی میں حضور ڈھلک گئے' مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ واصل بحق ہو گئے' پس کب ان کے بارے میں وصیت کی؟

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی ﷺ ص ۶۴۱' مسلم۔ کتاب الوصایا' ترمذی۔ کتاب الشمائل۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب الوصایا' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۳۲)

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ شیعوں نے اس مضمون کی حدیثیں گڑھ لی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی کو اپنا وصی بنایا ہے' یعنی اس بات کی وصیت کی ہے کہ یہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ شیعوں کی اس من گھڑت روایت کا صحابہ کرام نے بھرپور رد فرمایا بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تردید فرمائی۔ جلد اوّل میں یہ حدیث (رقم: ۸۳) گزر چکی۔ ابو جحیفہ نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی مکتوب ہے؟ فرمایا: کتاب اللہ کے سوا کچھ نہیں' یا وہ جو اس صحیفے میں ہے' انہوں نے پوچھا:

اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کے چھڑانے کے احکام علاوہ یہ کہ کافر کے عوض مسلمان نہیں قتل کیا جائے گا۔ نیز عمدۃ القاری میں ہے کہ حضرت علی سے عرض کیا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے کوئی عہد فرمایا ہے جو دوسروں سے نہیں فرمایا ہے؟ فرمایا: نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ پیدا کیا اور بچہ کی تخلیق کی! ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ اور اس صحیفے کے کچھ نہیں۔ شیعوں کے اس وہم کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے وصال کے دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عام کے لیے تمام اہل مدینہ کو بلایا گیا تو حضرت علی موجود نہ تھے۔ جب ان کو مجمع عام میں بلا کر دریافت کیا گیا تو یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ حق میرا ہے' حضور اقدس ﷺ نے میرے بارے میں وصیت فرمائی ہے' بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ ہم کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے مشورے میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا اور ہم ابوبکر کو سب سے زیادہ اس کا حق دار جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی حیات ہی میں نماز پڑھانے کا حکم دیا' بلکہ ایک موقع پر یہ فرمایا: اگر میرے لیے عہد ہوتا تو میں ابوبکر سے قتال کرتا۔ اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جسے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا' ہم نے اسے اپنی دنیا کے لیے پسند کر لیا۔[1] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اطلاع جب مکہ معظمہ پہنچی تو حضرت ابوسفیان حضرت علی کے پاس آئے اور کہا: خلافت بنی تیم میں کیسے چلی گئی' جو قریش میں سب سے کمزور اور تعداد میں سب سے کم ہیں' تم کہو تو سواروں اور پیادوں سے مدینہ بھر دوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم نے اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں کی' اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا' ہم نے ابوبکر کو اس کا اہل پایا۔[2] اگر واقعی حضرت علی کو حضور اقدس ﷺ نے وصی بنایا ہوتا تو ان کے لیے یہ کب جائز تھا کہ اس موقع پر خاموش رہتے' خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ حضرت ابوسفیان نے وہ پیش کش کی تھی' اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس موقع پر خاموشی ایک بہت بڑا جرم بنتی ہے' جس کا کوئی مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

فقال لا

طلحہ بن مصرف کے سوال کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے اس جواب کی دو توجیہیں کی گئی ہیں: (۱) یہ کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مال کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی' کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے پاس وفات کے وقت کچھ مال نہ تھا اور خچر' ہتھیار وغیرہ جو تھے' ان کے بارے میں فرمایا تھا: "ما ترکناہ صدقۃ" وصال کے وقت ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ مال کے علاوہ دوسری بہت سی وصیتیں فرمائیں' مثلاً ارشاد فرمایا کہ میرے بعد وفود کو ویسے ہی انعام و اکرام دینا جیسے میں دیا کرتا تھا اور فرمایا: یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا۔ حجاز میں دو دین نہیں رہیں گے۔ اور فرمایا: "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" وغیرہ وغیرہ۔ اب اس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے مال کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی' ہاں! کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی' جیسا کہ ایک حدیث میں صراحۃً ارشاد فرمایا:

ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی.

میں نے تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑی ہیں' اگر ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے' کتاب اللہ اور اپنی سنت۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ طلحہ بن مصرف کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ کیا خلافت کے بارے میں حضرت علی کے لیے کوئی وصیت فرمائی تھی؟ جس کے جواب میں فرمایا کہ نہیں! مگر یہ توجیہ حدیث کے بعد والے جملے کے مناسب نہیں' جیسا کہ ظاہر ہے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن عساکر فصل مہذا من اخبار علی

[2] تاریخ الخلفاء فصل فی الاحادیث والآیات المشیر والی خلافۃ

متی اوصی الیہ

اُم المؤمنین کے اس ارشاد پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حضرت اُم المؤمنین کے ارشاد کا حاصل یہ ہو کہ وصال کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصیت ہی نہ فرمائی ہو۔ اس کا امکان ہے کہ اس سے پہلے وصیت کی ہو جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ تذکرہ کرنے والوں نے یہ کہا ہو کہ وصال کے وقت حضرت علی کو وصی بنایا تھا' اسی لیے تذکرہ کرنے والے یہ سن کر خاموش ہو گئے' اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ اخیر لمحے کی بات فرما رہی ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ اس سے پہلے وصیت نہ فرمائی ہو۔ تذکرہ کرنے والوں کا اس جواب کو سن کر خاموش ہو جانا' اس کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ عین وصال کے وقت میں حضرت علی کو وصی بنایا تھا۔

اقول وھو المستعان: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت صدیق اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ اصرار تمام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا' یہ حقیقت میں ان کی خلافت کے لیے ایک اشارہ تھا' جیسا کہ ہم نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۲۸۶۔۲۸۷ میں ثابت کر آئے ہیں' اس لیے مرض وصال کے اخیر لحات سے پہلے حضرت علی کو وصی بنانے کا دعویٰ کوئی بھی عاقل سن نہیں سکتا ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اخیر لحات سے پہلے حضرت علی کو وصی بنایا تھا تو انہیں نماز کے لیے امام کیوں نہیں بنایا؟ اس لیے اس افتراء کی گنجائش یہی تھی کہ اگرچہ شدت علالت میں چند دن پہلے حضرت صدیق اکبر کو امام بنا دیا تھا' مگر اخیر لحات میں حضرت علی کو وصی بنا دیا' اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ ان افتراء پردازوں کا دعویٰ یہی تھا کہ اخیر لحات میں حضرت علی کو وصی بنایا' جس کی اُم المؤمنین نے تردید فرمائی۔

والعلم بالحق عند ربی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ (ص ۳۸۳) تہائی کی وصیت کا بیان

ت۵۴۷ - وَقَالَ الْحَسَنُ لَا يَجُوزُ لِلذِّمِّيِّ وَصِيَّةٌ إِلَّا الثُّلُثَ.

امام حسن بصری نے فرمایا کہ ذمی کو بھی تہائی سے زائد وصیت کرنا جائز نہیں۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ذمی اگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے تو مطلقاً جائز نہیں' لیکن مسلمان اگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو جائز ہے' اور اگر وارث ہوں اور وہ سب عاقل و بالغ ہوں اور موصی کے مرنے کے بعد اسے نافذ کر دیں تو جائز ہے' اور اگر رد کر دیں تو باطل ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ مسلمان کی بھی وصیت صرف تہائی میں نافذ ہے اور اگر موصی کا وارث نہ ہو تو دو ثلث بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

ت۵۴۸ - قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحْكُمَ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المائدۃ:۴۹).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ان کے مابین اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس کے اس قول کے ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصود حضرت امام حسن بصری کے قول کی تائید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ تہائی مال سے زائد کی وصیت کرے' جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً ارشاد فرمایا' جو حقیقت میں وحی غیر متلو ہونے کی وجہ سے "ما انزل اللّٰہ" میں داخل ہے تو اسی کے مطابق ذمیوں کی بھی وصیت تہائی سے زائد درست نہیں۔ یہ واضح ہو کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب یہی ہے کہ تہائی سے زائد کی وصیت مسلمان کے لیے مطلقاً جائز

نہیں۔

۱۵۱۰- ح: [لَوْ غَضَّ النَّاسُ إِلَى الرُّبُعِ]

۱۵۱۰- عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَوْ غَضَّ النَّاسُ إِلَى الرُّبُعِ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيْرٌ اَوْ كَثِيْرٌ.

کاش! لوگ چوتھائی تک وصیت کریں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کاش! لوگ چوتھائی تک وصیت کرتے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی تک کی اجازت دے دی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا ہے: تہائی کبیر ہے یا کثیر ہے۔

(مسلم۔ کتاب فرائض' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الوصایا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تہائی تک وصیت کرنے کی اجازت ہے' مگر بہتر یہ ہے کہ ربع تک وصیت کی جائے' پوری تہائی نہ کی جائے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی تک وصیت کرنے کی اجازت دی مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ تہائی زیادہ ہے۔

اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ تہائی تک وصیت جائز ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی وصیت کرنا بہتر ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ خمس تک' کچھ لوگوں نے کہا: سدس تک' کچھ لوگوں نے کہا: ربع تک۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خمس کی وصیت فرمائی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ غنیمت میں سے خمس پر راضی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ربع تک وصیت کو پسند فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ خمس کی وصیت کرنا ربع سے زیادہ مجھے پسند ہے۔ اور ربع کی وصیت کرنا ثلث سے زیادہ پسند ہے۔ امام ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کسی وارث کے حصہ کے برابر وصیت کی جائے۔ کچھ لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ جس کے وارث ہوں' اور اس کے پاس مال تھوڑا ہو تو وہ وصیت نہ کرے۔

بَابٌ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (ص ۳۸۳)

۱۵۱۱- عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلْاَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ وَجَعَلَ لِلْمَرْاَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ.

وارث کے لیے وصیت نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا) کل مال لڑکے کے لیے ہے اور ماں باپ کے لیے وصیت کا حکم تھا' اللہ نے اس میں سے جتنا چاہا منسوخ فرمادیا اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر کیا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے سدس کیا اور عورت کے لیے ثمن اور ربع کیا اور شوہر کے لیے نصف اور ربع۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر ص ۶۵۸' کتاب الفرائض۔ باب: میراث الزوج من الولد وغیرہ ص ۹۹۸)

مطابقت

حضرت ابن عباس کے اس ارشاد سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ابتداء اسلام میں والدین کے لیے وصیت کرنا واجب تھا' پھر اسے منسوخ کر کے ان کا حصہ مقرر کر کے وارث بنا دیا گیا۔ اس سے لزوماً یہ بات ثابت ہوئی کہ وصیت اور وراثت دونوں جمع نہیں کی جا سکتیں اور جب والدین کے لیے جمع نہیں کی جا سکتیں تو دوسرے وارثین کے لیے بہ درجہ اولیٰ جمع کرنا جائز نہ ہوگا' اور یہی معنی ہے اس قول کا کہ وارث کے لیے وصیت نہیں۔ اس خصوص میں صحیح احادیث بھی وارد ہیں مگر یا تو امام بخاری تک یہ احادیث نہیں پہنچیں یا ان

کی شرط پر نہیں تھیں‘ اس لیے ذکر نہیں کیں۔ امام ابوداؤد[1] نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا تو وارث کے لیے وصیت نہیں۔ نیز امام ترمذی[2] نے بھی اسے روایت فرمایا‘ اس اضافہ کے ساتھ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا۔

علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت عمرو بن خارجہ‘ حضرت جابر‘ حضرت ابن عباس‘ حضرت انس بن مالک‘ حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ امام دارقطنی نے ان الفاظ میں روایت کیا کہ فرمایا: ”لا یجوز الوصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ“ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ ورثا چاہیں۔ اسی پر ہمارا عمل ہے کہ وارث کے لیے وصیت صحیح نہیں‘ لیکن اگر وارثین عاقل و بالغ ہوں اور موصی کی وفات کے بعد اس کی وصیت کو نافذ کر دیں تو صحیح ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں‘ سارے وارثین عاقل و بالغ ہوں اور سب نافذ کریں‘ دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ نافذ کریں‘ کچھ منظور نہ کریں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سارے ورثہ عاقل و بالغ نہیں‘ کچھ مجنون یا نابالغ ہوں۔ پہلی صورت میں پوری وصیت نافذ ہے‘ دوسری اور تیسری صورت میں جن عاقل و بالغ وارثین نے نافذ کر دیا ان کے حصہ کے مطابق نافذ ہے اور جن لوگوں نے نافذ نہیں کیا‘ یا جو نابالغ یا مجنون ہیں‘ ان کے حصہ میں نافذ نہ ہوگی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱۴ ص ۳۸)

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء: ۱۱) (ص ۳۸۴)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: وصیت یا دین کے بعد

توضیح باب

سورۂ نساء میں میراث کے احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ”مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٍ“ (النساء:۱۱) جس کا حاصل یہ ہے کہ متوفی اگر کوئی ایسی وصیت کر گیا ہے جو شرعاً صحیح ہو یا متوفی پر قرض ہو تو یہ دونوں چیزیں تقسیم میراث پر مقدم ہیں۔ ترتیب یہ ہے کہ متوفی کے مال میں سب سے پہلے بہ طریق مسنون تجہیز و تکفین‘ اس کے بعد اگر اس کے اوپر قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے گا‘ پھر تہائی مال تک وصیت نافذ کی جائے گی۔ اس کے بعد جو کچھ بچے گا‘ وہ وارثین پر بہ قدر حصہ رسدی تقسیم ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک صورت یہ پیش آ سکتی ہے کہ متوفی نے مرضِ وصال میں وارث کے لیے دین کا اقرار کیا یا کسی اجنبی کے لیے اقرار کیا تو اس کا یہ اقرار صحیح ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک وارث کے لیے دین کا اقرار درست نہیں۔ حضرت امام شافعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ صحیح ہے‘ اور غالباً امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی کے لیے انہوں نے یہ باب قائم فرمایا ہے‘ امام شافعی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ وارث کے لیے وصیت نہیں‘ وارث کے لیے وصیت کا ہونا ساقط ہو گیا اور وارث کے لیے دین کا اقرار بحالہ باقی رہا‘ اس لیے متوفی کا مرض الموت میں وارث کے دین کا اقرار کرنا دیگر دیون کے مثل ہے۔ اس پر ہماری گزارش یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: ”لا وصیۃ لوارث“ اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا: ”ولا اقرار لہ بدین“ اس لیے مرض الموت میں وارث کے لیے دین کا اقرار ساقط ہے۔ امام دارقطنی نے روایت کی[3] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لا وصیۃ لوارث ولا اقرار لہ بدین“ وارث کے لیے وصیت نہیں اور نہ دین کا اقرار۔

ت ۵۴۹- وَيُذْكَرُ اَنَّ شُرَيْحًا وَّعُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اور ذکر کیا جاتا ہے کہ شریح‘ عمر بن عبدالعزیز اور طاؤس اور

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۸۔ کتاب الوصایا۔ باب: الوصیۃ للوارث

[2] ترمذی۔ ج ۲ ص ۳۲۔ کتاب الوصایا۔ باب: ما جاء لا وصیۃ لوارث [3] عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۳۸

وَطَاؤسًا وَّعَطَاءً وَّابْنَ اُذَيْنَةَ اَجَازُوْا اِقْرَارَ الْمَرِيْضِ بِدَيْنٍ. عطاء اور ابن اذینہ نے مریض کے دین کے اقرار کو جائز رکھا۔

حضرت امام بخاری نے ان حضرات کے اثر کو ''یذکر'' مضارع مجہول کے ساتھ ذکر کیا' جو صیغہ تمریض ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی اسناد میں ضعف ہے۔ حضرت امام بخاری پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کی تائید میں تابعین کے ان اقوال کو ذکر فرمایا' جن کا ضعف خود انہیں تسلیم ہے۔

ت ۵۵۰ - وَقَالَ الْحَسَنُ اَحَقُّ مَا تَصَدَّقَ بِهِ الرَّجُلُ اٰخِرَ يَوْمٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاَوَّلَ يَوْمٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ. امام حسن بصری نے فرمایا: کسی کی وہ بات سب سے زیادہ سچی مانی جانے کی مستحق ہے جو اس نے دنیا کے آخر دن اور آخرت کے پہلے دن کہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مرنے کے وقت آدمی پر اللہ کا خوف غالب رہتا ہے' آخرت کی طرف اس کا دھیان لگا رہتا ہے' اس وقت بہت مستبعد ہے کہ وہ جھوٹا اقرار کرلے۔ اس لیے اگر اس حالت میں کسی نے وارث کے لیے دین کا اقرار کیا تو اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ جب خود حضور اقدس ﷺ نے وارث کے لیے دین کے اقرار کو ساقط فرما دیا تو اس کے برخلاف کسی کا قیاس حجت نہیں۔

ت ۵۵۱ - وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَالْحَكَمُ اِذَا اَبْرَاَ الْوَارِثُ مِنَ الدَّيْنِ بَرِئَ. ابراہیم نخعی اور حکم نے کہا: جب وارث کو دین سے بری بتائے تو وہ بری ہو گیا۔

ت ۵۵۲ - وَاَوْصٰى رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ اَنْ لَّا تُكْشَفَ امْرَاَتُهُ الْفَزَارِيَّةُ عَمَّا اُغْلِقَ عَلَيْهِ بَابُهَا. رافع بن خدیج نے کہا کہ ان کی فزاریہ عورت اپنے گھر میں جو بند کرلے' اسے نہ لیا جائے۔

اس اثر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک شوہر بتصریح یہ نہ کہہ دے کہ میری بیوی کے گھر میں فلاں فلاں مال میرا ہے' بیوی جن اموال کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میری ملک ہے تو عورت کا قول مان لیا جائے گا۔

ت ۵۵۳ - وَقَالَ الْحَسَنُ اِذَا قَالَ لِمَمْلُوْكِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ كُنْتُ اَعْتَقْتُكَ جَازَ. امام حسن بصری نے فرمایا: اگر کوئی مرتے وقت اپنے مملوک سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا تو جائز ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مملوک بہرحال آزاد مانا جائے گا' خواہ یہ اس کا تہائی مال ہو یا اس سے زائد ہو یا کل ہو' لیکن دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ غلام اس کے ترکہ کی تہائی یا اس سے کم ہو تو درست ہے' آزاد ہو جائے گا' ورنہ بہ قدر تہائی آزاد ہوگا اور بقیہ میں وہ سعایت کرے گا' یعنی وہ کما کر بقیہ حصہ کی قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔

ت ۵۵٤ - وَقَالَ الشَّعْبِيُّ اِذَا قَالَتِ الْمَرْاَةُ عِنْدَ مَوْتِهَا اِنَّ زَوْجِيْ قَضَانِيْ وَقَبَضْتُ مِنْهُ جَازَ. اور امام شعبی نے فرمایا: جب کسی عورت نے اپنی موت کے وقت یہ کہا: میرے شوہر نے ادا کر دیا ہے اور میں لے چکی ہوں تو جائز ہے۔

ان سب تعلیقات کے ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ان اجلہ تابعین نے مریض کے اقرار کو تسلیم کر لیا ہے' جو اگرچہ اپنی نوعیت میں مختلف ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اگر کوئی مریض مرض وفات میں یہ اقرار کرلے کہ فلاں فلاں وارث کا مجھ پر اتنا دین ہے تو اسے تسلیم نہ کیا جائے' اس کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ چونکہ خود حضور اقدس ﷺ نے وارث کے لیے اقرار کو ساقط

فرمادیا ہے تو اس کے مقابلے میں کسی کے قیاس کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ بِسُوْءِ الظَّنِّ بِهِ لِلْوَرَثَةِ ثُمَّ اسْتَحْسَنَ فَقَالَ يَجُوزُ إِقْرَارُهُ لِلْوَدِيعَةِ وَالْبِضَاعَةِ وَالْمُضَارَبَةِ.

اور بعض الناس نے کہا: وارث کے لیے مریض کا اقرار جائز نہیں' جہاں بدگمانی کا اندیشہ ہے' پھر اسے اچھا جانتے ہوئے کہا: مریض ودیعت بضاعت' اور مضاربت کا اقرار کرے تو درست ہے۔

توضیح

عام شراح کا رجحان یہ ہے کہ بعض الناس سے امام بخاری کی مراد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں' لیکن یہ یقینی نہیں' اس لیے کہ وارث کے لیے دین کا اقرار مرض الموت میں صحیح نہیں' یہ صرف حضرت امام اعظم کا مذہب نہیں بلکہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے اور شوافع میں سے رُویانی کا بھی یہی مختار ہے۔ نیز امام ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔ علاوہ ازیں قاضی شریح اور حسن ابن صالح کا بھی یہی مذہب ہے' البتہ یہ لوگ اس کا استثناء کرتے ہیں کہ بیوی کے لیے مہر کا اقرار درست ہے' نیز امام قاسم و سالم' ثوری بھی وارث کے لیے مریض کے اقرار کو درست نہیں قرار دیتے' بلکہ ابن منذر کا گمان یہ ہے کہ حضرت امام شافعی نے بھی انہیں کے مذہب کی طرف رجوع فرمالیا۔ جب اتنے حضرات کا بھی یہی مذہب ہے تو بعض الناس سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو متعین کرنا درست نہیں۔ رہ گیا امام بخاری کا اس مذہب پر تعریض کرنا یہ ان کی خطائے اجتہادی ہے۔ اوّلاً صحیح حدیث گزر چکی کہ وارث کے لیے دین کا اقرار درست نہیں۔ نیز اس میں بقیہ ورثہ کو ضرر پہنچانا ہے' جس بنیاد پر وارث کے لیے وصیت باطل ہے' اسی بنیاد پر وارث کے لیے دین کا اقرار بھی صحیح نہیں۔

حضرت امام بخاری نے احناف کی دلیل سے قطع نظر کرتے ہوئے یا اس سے لاعلمی کی بنیاد پر اپنی طرف سے احناف کی خود دلیل پیش فرمائی ہے کہ احناف نے یہ قول اس بناء پر کیا ہے کہ انہیں اس کا شبہہ ہے کہ مقر نے بعض وارثین کو زیادہ دینا چاہا ہے' حالانکہ بدگمانی جائز نہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث'' بدگمانی سے بچو' اس لیے بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ تعجب ہے اس کے باوجود امام بخاری بدگمانی فرما رہے ہیں۔ گزر چکا کہ ہماری دلیل حدیث ہے' نیز ممنوع ظن فاسد ہے اور یہاں ظن فاسد نہیں بلکہ ناشی عن دلیل ہے' جیسا کہ غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔ امام بخاری نے اپنے مدعا پر دوسری دلیل یہ دی ہے کہ مسلمان کا مال حلال نہیں' اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی نشانی یہ ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔ استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب کسی پر قرض ہو تو اس کو ادا نہ کرنا خیانت ہے اور خیانت حرام ہے۔ مریض اب تک قرض ادا نہیں کر سکا تو اس پر واجب ہے کہ اس کا اقرار کرے اور جب اقرار کرنا واجب ہے تو اسے تسلیم کرنا بھی واجب' ورنہ اقرار کے وجوب کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ اس کے بالمقابل جب نص صریح ہے تو اس کا ساقط ہونا واضح ہے' پھر یہ کہ اقرار وہیں قابل تسلیم ہوگا' جہاں مظنہ تہمت نہ ہو۔ دوسرے کی حق تلفی یا ایذاء رسانی نہ ہو' اور مریض کے اقرار میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اس لیے مریض کا اقرار مشتبہ ہوا۔ امام بخاری کی تیسری دلیل یہ ہے:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا. (النساء:۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں ان کے سپرد کرو۔

امام بخاری یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جب امانت کا اقرار کرنا واجب ہے اور اس میں وارث اور غیر وارث کی تخصیص نہیں تو ایک

شخص جب یہ کہتا ہے فلاں کا قرض میرے اوپر ہے تو اسے تسلیم کرنا واجب ہے اس کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ وارث کے لیے مریض کے اقرار میں یہی شبہہ ہے کہ اس کے ذمہ قرض ہے یا نہیں؟ اس لیے آیت سے استدلال درست نہیں۔ اس میں بقیہ وارثین کا ضرر واضح ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا: "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ"۔

بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء:۱۲) (ص ۳۸۴)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کہ فرمایا: (میت کی) وصیت یا دین کے بعد

توضیح باب...... (امام بخاری کی تعریضات کے محققانہ جوابات)

اس آیت کریمہ میں یہ تفصیل مذکور نہیں کہ وصیت اور دین میں کون مقدم ہے اس کو واضح کرنے کے لیے حضرت امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا اور آثار سے قیاس سے یہ ثابت فرمایا کہ دین وصیت پر مقدم ہے۔

ت ۵۵۵ - وَيُذْكَرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ.

ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے وصیت سے پہلے دین ادا کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے مگر اس میں ضعف ہے اس لیے کہ اس کے ایک راوی حارث بن عبد اللہ الاعور کو کذاب کہا گیا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے اس کو صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے امام بخاری کا اس حدیث ضعیف سے احتجاج اس بناء پر ہے کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے اور مقدمہ میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف درجہ حسن تک پہنچ کر لائق احتجاج ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے اس پر اپنے چند قیاس پیش فرمائے ہیں۔

پہلا قیاس اس آیت کریمہ سے پیش کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (النساء:۵۸).

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جن کی امانتیں ہیں ان تک پہنچا دو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی امانت ادا کرنے کے حکم میں ہے جو واجب ہے اور وصیت کرنا نفل اور ظاہر ہے کہ واجب پر عمل کرنا بہ نسبت نفل کے مقدم ہے۔

دوسرا استدلال اس حدیث سے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

لَا صَدَقَةَ اِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى.

صدقہ اسی وقت ہے جب آدمی مال دار ہو۔

اور ظاہر ہے کہ جب اس کا ترکہ دین میں پھنسا ہو تو وہ مال دار نہیں اور وصیت کرنا ایک طرح کا صدقہ ہے اس لیے دین سے اگر کچھ مال بچے گا تو اسی میں وصیت جاری ہوگی۔

تیسرا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد سے فرمایا:

لَا يُوْصِي الْعَبْدُ اِلَّا بِاِذْنِ اَهْلِهٖ.

غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر وصیت نہ کرے۔

اس ارشاد سے باب پر احتجاج کس طرح ہے یہ اب تک معرض خفا میں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ غلام کا کسب

اس کی مِلک نہیں، اس کے آقا کی مِلک ہے، اس لیے آقا کی اجازت کے بغیر اس کی وصیت باطل ہے، اسی طرح جب ترکہ دین میں پھنسا ہو تو حکماً بہ قدرِ دین چونکہ مورث کی مِلک نہیں، اس لیے اس میں وصیت نافذ نہ ہوگی۔

چوتھا استدلال حضور اقدس ﷺ کے اس قول سے فرمایا:

اَلْعَبْدُ رَاعٍ فِیْ مَالِ سَیِّدِہٖ. بندہ اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے۔

اس حدیث کو باب سے کیا مناسب ہے، یہ اب تک ظاہر نہیں ہو سکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

باب کی تائید میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی وہ مفصل حدیث ذکر کی ہے، جس میں انہوں نے حضور سے عرض کیا تھا:

''وَاللّٰہِ لَا اَرْزَأُ بَعْدَکَ شَیْئًا حَتّٰی اُفَارِقَ الدُّنْیَا'' آپ کے بعد میں کسی سے کچھ نہیں لوں گا، یہاں تک کہ دنیا چھوڑ دوں۔

مطابقت باب

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی. یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے۔

وصیت صدقہ کے مثل ہے، موصیٰ لہ لینے والے کی جگہ ہے اور قرض خواہ اپنا حق لیتا ہے، اس لیے والید السفلی میں داخل نہیں، اس لیے اداء دین کو صدقہ کے مقابلہ میں ترجیح ہوئی اور باب کا مضمون یہی تھا کہ دین وصیت پر مقدم ہے۔ دوسری مناسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ہے، انہوں نے یہ فرمایا: میں حکیم بن حزام پر ان کا وہ حق پیش کرتا ہوں جو بیت المال سے ان کا ہے، مگر وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔

حضرت عمر نے بیت المال سے ان کا جو حصہ ہوتا تھا، اسے دینے کی پوری کوشش کی اور اسے ان کا حق قرار دیا، جیسے دین قرض خواہ کا حق ہوتا ہے تو جو یک گونہ دین کے مشابہ تھا اس کا یہ حال ہے تو جو واقعی دین ہوگا بہ درجہ اولیٰ اس کی تقدیم تمام تبرعات پر واجب ہوگی اور وصیت بھی تبرعات میں سے ہے۔

بَابٌ هَلْ يَدْخُلُ النِّسَاءُ وَالْوَلَدُ فِي الْأَقَارِبِ (ص ۳۸۵)

کیا عورتیں اور بچے اقارب میں داخل ہیں

۱۵۱۲- ح: [يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ خَيْرًا]

اے گروہ قریش! اپنے لیے نیکی خرید لو

۱۵۱۲- اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء:۲۱۴) قَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اَوْ کَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا بَنِیْ عَبْدِمَنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے ''وانذر عشیرتک الاقربین'' نازل فرمایا'' اور اپنے قریب ترین رشتہ دار کو ڈراؤ'' تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش یا اس کے ہم معنی کوئی کلمہ فرمایا، اپنی جانوں کو جہنم سے بچاؤ! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کام نہیں آ سکتا، اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے مقابلے میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکتا،

عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّيَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا.

اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا' اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ)! تم میرے مال میں سے جو چاہو مانگو' میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ مطابقت کی تقریر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے پہلے عام خطاب فرمایا' پھر بعض بطون کی تخصیص فرمائی' پھر خصوصیت سے حضرت عباس کو مخاطب فرمایا' پھر اخیر میں حضرت صفیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب فرمایا' اس سے یہ ثابت ہوا کہ عورتیں بھی اقارب میں داخل ہیں' اگر کسی نے اقارب کے لیے وصیت کی یا وقف کیا تو اس میں عورتیں داخل ہیں یا نہیں' اور مردوں میں کون کون رشتہ دار داخل ہیں' اس سلسلے میں فقہاء کے مابین شدید اختلاف ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

توضیح

امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وقف صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وقف کا مصرف بھی بیان کیا جائے۔ موقوف لھم کے ذکر کے بغیر بھی وقف صحیح ہے۔ ہاں اسے یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ اس کے بعد اس کے مصارف کی تعیین کر دے۔ عمدۃ القاری میں ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کسی نے یہ کہا کہ میری یہ زمین صدقہ ہے اور اس پر کچھ زیادہ نہیں کیا' یعنی یہ نہیں بتایا کہ کس کے لیے صدقہ ہے تو اسے یہ حق باقی رہتا ہے کہ چاہے تو اسے فقراء و مساکین پر وقف کر دے یا چاہے تو اسے بیچ دے اور اس کی قیمت مساکین پر وقف کر دے' یعنی ان کے نزدیک جب تک موقوف لھم کی تعیین واقف کی جانب سے نہ ہو' تو وقف تام نہیں۔ اور اگر اسی حال میں مر گیا اور تعیین نہیں کی تو وہ میراث ہوگی' بہ قدر حصہ رسدی تقسیم ہوگی۔

بَابٌ اِذَا قَالَ اَرْضِيْ اَوْ بُسْتَانِيْ صَدَقَةٌ لِلّٰهِ عَنْ اُمِّيْ فَهُوَ جَائِزٌ وَاِنْ لَّمْ يُبَيِّنْ لِمَنْ ذٰلِكَ (ص ۳۸۶)

جب کہا: میری زمین یا میرا باغ میری ماں کی طرف سے اللہ کے لیے صدقہ ہے تو یہ جائز ہے' اگرچہ یہ بیان نہ کرے کہ کس کے لیے ہے؟

۱۵۱۳ - اَنْبَاَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئیں اور وہ موجود نہیں تھے' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! میری ماں کی وفات ہو گئی اور میں موجود نہیں تھا' اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو انہیں نفع پہنچے گا یا نہیں؟ فرمایا: ہاں! پہنچے گا' انہوں نے کہا: میں حضور کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا مخراف نامی باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔

(بخاری- باب: شهادة الوقف والصدقة والوصية ص ۳۸۷' باب: اذا وقف ارضا ولم يبين الحدود وهو جائز ص ۳۸۸)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بنی خزرج کے سردار تھے اور عقبہ کی بیعت کرنے والوں اور بارہ نقباء میں یہ بھی تھے۔ ان کی ماں کا نام عمرہ بنت مسعود یا سعد بن قیس بن عمرو تھا' یہ بھی انصاریہ خزرجیہ ہیں' یہ مشرف بہ اسلام بھی ہوئی ہیں اور بیعت سے بھی مشرف ہیں۔ ۵ھ میں ان کا وصال ہوا تھا' اس وقت حضور اقدس ﷺ غزوہ دومۃ الجندل میں تھے اور حضرت سعد بھی وہیں تھے۔ واپسی پر حضور

اقدس ﷺ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ حائط اس باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد چہار دیواری ہو۔ مخراف اس باغ کا نام تھا' ویسے مخراف کے لغوی معنی کھجوروں کے باغ کے بھی ہیں' نیز اس ٹوکری کو بھی کہتے ہیں جس میں پھل توڑ کر جمع کیا جائے' نیز کھجوروں کو بھی کہتے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے' اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ یہ اور اس مضمون کی متعدد احادیث' آیت کریمہ ''وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' (النجم:۳۹) انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا' کی مخصص ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث کے لیے اثباتِ ایصالِ ثواب کا مطالعہ کریں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾ (النساء:۸) (ص۳۸۶)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دو

توضیح باب

ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ کسی کی وفات کے بعد جب اس کا ترکہ تقسیم کیا جائے تو اس وقت ان رشتہ داروں کو بھی کچھ دیا جائے جو وارث نہ ہوں۔ اسی طرح یتیموں اور مسکینوں کو بھی دیا جائے' یہ حکم واجب تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب تھا' پھر مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں۔ امام مجاہد' امام شعبی' امام حسن بصری اور امام ابن سیرین وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ یہ منسوخ نہیں' یہ محکم ہے۔ اور اب بھی یہ حکم واجب ہے اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

مفسرین کے ایک گروہ جیسے حضرت سعید بن مسیب وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔

۱۵۱۴- ح: [اِنَّ نَاسًا يَّزْعُمُوْنَ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نُسِخَتْ]

کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے

۱۵۱۴- عَنْ اَبِىْ بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ نَاسًا يَّزْعُمُوْنَ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نُسِخَتْ وَلَا وَاللّٰهِ مَا نُسِخَتْ وَلٰكِنَّهَا مِمَّا تَهَاوَنَ النَّاسُ هُمَا وَالِيَانِ وَالٍ يَّرِثُ وَذَاكَ الَّذِىْ يَرْزُقُ وَوَالٍ لَا يَرِثُ وَقَالَ فَذَاكَ الَّذِىْ يَقُوْلُ بِالْمَعْرُوْفِ يَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ اَنْ اُعْطِيَكَ

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ النساء۔ باب: قوله واذا حضر القسمة اولوا القربى ص۶۵۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بعض لوگ (سورۂ نساء کی آٹھویں آیت) ''واذا حضر القسمة اولوا القربٰی'' کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا حکم منسوخ ہے' حالانکہ اللہ کی قسم! منسوخ نہیں' لیکن لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں سستی کی' بات یہ ہے کہ رشتہ دار دو قسم کے ہیں' ایک وہ جو وارث ہو اور یہی وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ کچھ دیں اور ایک وہ ہے جو وارث نہیں اس کے بارے میں فرمایا گیا: معقول بات کہہ دے' یہ کہہ دے کہ مجھے اختیار نہیں کہ تمہیں کچھ دوں۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے جو انہوں نے اس آیت کریمہ کے بارے میں سمجھا تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے کہ اگر میراث تقسیم کرتے وقت کچھ غیر وارث رشتہ دار یا یتیم اور نادار آ جائیں تو ترکہ میں سے ان کو کچھ دے دیا

جائے۔ اور "فارزقوهم" کا خطاب عاقل بالغ وارثین سے ہے اور "قولوا لهم قولا معروفا" ان رشتہ داروں سے ہے جو وارث نہیں۔

جو لوگ اسے منسوخ مانتے ہیں' ان کی بناء پر جب یہ حکم نافذ تھا۔ اس وقت یہ دونوں خطاب وارثین سے تھے۔ یہ لوگ غیر وارث رشتہ داروں' یتیموں اور ناداروں کو کچھ دے دیں۔ اور ان سے بہ طور معذرت یہ کہہ دیں کہ کمی کا خیال نہ کرنا' اللہ نے جو ہمیں توفیق دی' ہم نے تم کو دیا۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِمَنْ تُوُفِّيَ فَجْاَةً اَنْ يَّتَصَدَّقُوْا عَنْهُ وَقَضَاءِ النُّذُوْرِ عَنِ الْمَيِّتِ (ص٣٨٦)

جو اچانک فوت ہو جائے اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے اور میت کی طرف سے منت پوری کرنا بھی مستحب ہے

١٥١٥- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِهِ عَنْهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: میری ماں وفات پا گئی ہیں اور ان پر نذر ہے' فرمایا: ان کی طرف سے ادا کر دے۔

(بخاری۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: من مات وعليه نذر ص٩٩١' کتاب الحیل۔ باب: في الزكوة وان لا يفرق بين مجتمع ص١٠٢٨' مسلم۔ کتاب النذور' نسائی۔ کتاب النذر)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی منت کیا تھی؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے کچھ صدقہ کرنے کی منت مانی تھی۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ اَلْآيَة. (النساء:٦) (ص٣٨٧)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی تفسیر کہ فرمایا: جب یتیم نکاح کی حد کو پہنچ جائیں تو ان کو جانچ لو

١٥١٦- ح: [مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ عَنْ اَكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ]

جو مال دار ہو وہ یتیم کا مال کھانے سے بچے

١٥١٦- عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء:٦) قَالَتْ اُنْزِلَتْ فِيْ وَالِي الْيَتِيْمِ اَنْ يُّصِيْبَ مِنْ مَّالِهٖ اِذَا كَانَ مُحْتَاجًا بِقَدْرِ مَالِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اور جو مال دار ہو وہ بچے اور جو محتاج ہو وہ عرف کے مطابق کھائے' (النساء:٦) یتیم کے والی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اگر وہ محتاج ہے تو وہ بہ قدرِ ضرورت وعمل یتیم کے مال میں سے عرف کے مطابق لے سکتا ہے۔

جو شخص محتاج ہے اور یتیم کا ولی ہے' وہ اپنے آپ کو جب یتیم کی جائیداد' کاروبار کی دیکھ بھال میں مصروف رکھے ہوئے ہے تو اسے اپنے لیے کمانے کا موقع نہیں ملے گا' تو اگر اسے یتیم کے مال سے کچھ لینے کی اجازت نہ دی جائے تو وہ گزر بسر کیسے کرے گا؟ اس

لیے اسے اجازت ہے کہ اس کے کام کی جو اُجرت بازار کے بھاؤ سے ہو اتنی یتیم کے مال سے لے سکتا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۝﴾ (النساء:۱۰) (ص۳۸۷)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی تفسیر: جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ بہت جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے O

۱۵۱۷- ح: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ]

سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو

۱۵۱۷- عَنْ اَبِی الْغَیْثِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک اور جادو اور اس جان کو بغیر حق کے قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ نے حرام فرمایا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں پر زنا کا الزام لگانا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الطب۔ باب: الشرك والسحر من الموبقات ص ۸۵۸' نسائی۔ کتاب الوصایا' المحاربین۔ باب: رمی المحصنات ص ۱۰۱۳' مسلم۔ کتاب الایمان' ابوداؤد۔ کتاب القضایا)

سبع موبقات سے مراد گناہ کبائر ہیں۔ اس حدیث میں سات مذکور ہیں لیکن ہم پہلے مکمل بحث کر آئے ہیں کہ سات میں حصر نہیں' مفہوم عدد معتبر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ستر ہیں' انہیں کا ایک قول یہ ہے کہ سات سو ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جادو کی ایک حقیقت ہے۔ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں' لیکن اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو حق ہے۔ حضرت امام رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ جادوگر ہوا میں اُڑے۔ انسان کو حیوان سے اور حیوان کو انسان سے بدل دے' البتہ یہ اعتقاد ضروری ہے کہ حقیقت میں مؤثر اللہ عزوجل ہی ہے۔ اس نے بعض کلمات میں اس قسم کی تاثیر رکھی ہے' جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.

جادوگر کسی کو جادو سے ضرر نہیں پہنچاتے مگر اللہ کے اذن سے۔ (البقرۃ:۱۰۲)

نیز یہیں اس سے پہلے نص صریح ہے:

یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ.

جادوگر جادو کے ذریعے مرد و عورت کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔

جادو کے فن کا علم حاصل کرنا فی نفسہٖ جائز ہے یعنی یہ جاننا کہ فلاں منتر یہ ہے اور اس کا اثر یہ ہے' البتہ کسی پر جادو کرنا ممنوع ہے بلکہ اگر اس میں شیطان وغیرہ سے استعانت ہو یا اس کے لیے پوجا کرنی پڑے تو کفر ہے' اسی بناء پر بہت سے علماء نے فرمایا کہ ساحر کو

قتل کیا جائے حتی کہ یہ بھی فرمایا کہ ساحر کی توبہ قبول نہیں یعنی حاکم بہرحال اسے سزا دے گا۔

بَابٌ [البقرہ:۲۲۰ اور طٰہٰ:۱۱۱ کی تفاسیر]

قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلّ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَّاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌO﴾ (البقرہ:۲۲۰) لَاَعْنَتَكُمْ لَاَحْرَجَكُمْ وَضَيَّقَ ﴿وَعَنَتْ﴾ (طٰہٰ:۱۱۱) خَضَعَتْ. (ص ۳۸۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں، تم فرماؤ: ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہےO ''لاعنتکم'' کے معنی ہیں: تم کو حرج میں ڈالتا، تم پر تنگی کرتا اور ''عنت'' کے معنی ہیں جھک گئے

''عَنَتْ'' کا ذکر یہاں پر بے محل ہے، اس لیے آیہ کریمہ میں ''لَاَعْنَتَكُمْ'' کا مادہ ''عَنَتْ'' ہے یعنی تا لام کلمہ ہے اور ''عَنَتْ'' کی تا اصلی نہیں بلکہ یہ تاء تانیث ہے، اس میں لام کلمہ واؤ محذوف ہے، اس کا مادہ ''عَنْوٌ'' ہے، لیکن غالباً لفظی مناسبت کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ذکر فرما دیا۔

۱۵۱۸- ح: [مَا رَدَّ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى اَحَدٍ وَّصِيَّةً]

حضرت ابن عمر نے کسی کی وصیت کو رد نہیں فرمایا

۱۵۱۸- وَقَالَ لَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ قَالَ مَا رَدَّ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى اَحَدٍ وَّصِيَّةً.

نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کی وصیت کو رد نہیں فرمایا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو ''قال لنا'' سے بیان فرمایا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بہ طور مذاکرہ سنی ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کسی یتیم وغیرہ کا نگران بنانے کی وصیت کرتا تو وہ اسے قبول فرما لیتے، نامنظور نہ کرتے، اس لیے کہ اس میں اجر عظیم ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انا و کافل الیتیم کھاتین'' میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں۔

ت۵۵۶- وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيْهِ فِيْ مَالِ الْيَتِيْمِ اَنْ يَّجْتَمِعَ اِلَيْهِ نُصَحَاؤُهٗ وَاَوْلِيَاؤُهٗ فَيَنْظُرُوْا الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ لَّهٗ.

ابن سیرین کو یتیم کے مال میں سب سے زیادہ پسندیدہ صورت یہ تھی کہ اس کے خیر خواہ اور اولیاء اکٹھے ہوں اور غور کریں کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔

ت۵۵۷- وَكَانَ طَاؤُسٌ اِذَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْيَتَامٰى قَرَاَ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ (البقرہ:۲۲۰).

اور امام طاؤس سے جب یتیم کے معاملہ میں سوال کیا جاتا تو یہ آیت تلاوت فرماتے: ''اور اللہ خوب جانتا ہے کون بگاڑنے والا اور کون بنانے والا ہے''۔

ت۵۵۸- وَقَالَ عَطَاءٌ فِيْ يَتَامَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ يُنْفِقُ الْوَلِيُّ عَلٰى كُلِّ اِنْسَانٍ بِقَدْرِهٖ مِنْ حِصَّتِهٖ.

اور امام عطاء نے فرمایا: یتیم چھوٹا ہو یا بڑا، ولی سب پر اس کے حصہ کی مقدار خرچ کرے گا۔

بَابُ اسْتِخْدَامِ الْيَتِيمِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ إِذَا كَانَ لَهُ صَلَاحًا وَنَظَرِ الْأُمِّ وَزَوْجِهَا لِلْيَتِيمِ (ص۳۸۸)

یتیم سے سفر وحضر میں خدمت لینا جبکہ اس کے لیے بہتر ہو اور یتیم کی ماں اور اس کے شوہر کا اس پر نظر رکھنا

۱۵۱۹- ح: [إِنَّ أَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ فَلْيَخْدِمْكَ]

بے شک (حضرت) انس سمجھ دار بچہ ہے یہ آپ کی خدمت کرے گا

۱۵۱۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ لَيْسَ لَهُ خَادِمٌ فَأَخَذَ أَبُو طَلْحَةَ بِيَدِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ فَلْيَخْدِمْكَ فَخَدَمْتُهُ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ مَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَ هٰكَذَا وَلَا لِشَيْءٍ لَمْ أَصْنَعْهُ لِمَ لَمْ تَصْنَعْ هٰذَا هٰكَذَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو حضور کا کوئی خادم نہیں تھا' حضرت ابوطلحہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! انس ہوشیار بچہ ہے' آپ کی خدمت کرے گا۔ میں نے حضور کی خدمت سفر حضر میں کی' میں نے اگر کچھ کیا تو حضور نے کبھی یہ نہیں فرمایا: تو نے ایسے کیوں کیا' اور اگر میں نے کوئی کام نہیں کیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ ایسے کیوں نہیں کیا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الدیات۔ باب: من استعار عبدا او صبیا ص۱۰۲۱' مسلم۔ کتاب الفضائل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال کی عمر میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر مبارک بیس سال کی تھی' ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں وصال فرمایا۔

بصرہ کے صحابہ کرام میں سب سے آخر میں فوت ہوئے' اخیر عمر مبارک میں روزہ نہیں رکھ سکتے تھے' فدیہ دیتے تھے۔ یہ بھی ان صحابہ کرام میں سے ہیں' جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مشرف ہوئے' بلکہ ان سے روایت بھی کی۔

بَابُ وَقْفِ الدَّوَابِّ وَالْكُرَاعِ وَالْعُرُوضِ وَالصَّامِتِ (ص۳۸۹)

چوپائے اور گھوڑے اور سامان اور نقد کا وقف کرنا

ت۵۵۹- وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ جَعَلَ أَلْفَ دِينَارٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَدَفَعَهَا إِلَى غُلَامٍ لَهُ تَاجِرٍ يَتَّجِرُ بِهَا وَجَعَلَ رِبْحَهُ صَدَقَةً لِلْمَسَاكِينِ وَالْأَقْرَبِينَ هَلْ لِلرَّجُلِ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ رِبْحِ تِلْكَ الْأَلْفِ شَيْئًا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جَعَلَ رِبْحَهَا صَدَقَةً لِلْمَسَاكِينِ قَالَ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا.

اور امام زہری نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے ہزار دینار اللہ کی راہ میں کر دیا اور کسی اپنے تاجر غلام کو دیا کہ وہ اس سے تجارت کرے اور اس کے نفع کو مساکین اور اقربین کے لیے صدقہ کر دیا۔ کیا اس شخص کو یہ جائز ہے کہ اس ہزار کے نفع میں سے کچھ کھائے اور اگر اس کے نفع کو مساکین کے لیے صدقہ نہ کیا ہو تو؟ فرمایا: اس میں اسے کھانا جائز نہیں۔

بَابُ نَفَقَةِ الْقَيِّمِ لِلْوَقْفِ (ص۳۸۹)

وقف کے منتظم کا خرچ

۱۵۲۰- ح: [لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا]

میرے وارث درہم و دینار کو تقسیم نہ کریں

۱۵۲۰ - عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَقْتَسِمُ وَرَثَتِیْ دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا مَّا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِیْ وَمَؤُنَةِ عَامِلِیْ فَهُوَ صَدَقَةٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے وارث دینار اور درہم نہیں تقسیم کریں گے' میرا ترکہ میری بیویوں کے خرچ اور عامل کی اُجرت کے بعد جو بچے' وہ صدقہ ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: اداء الخمس من الدین ص ۴۳۷' کتاب الفرائض۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا ص ۹۹۶' مسلم۔ کتاب المغازی' ابوداؤد۔ کتاب الخراج)

لا یقتسم

یہ صیغۂ خبر ہے اور اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ درہم و دینار چھوڑوں گا' نہ اسے میرے وارث تقسیم کریں گے۔ رہ گئیں وہ زمینیں جو اللہ عزوجل نے میرے لیے خاص کر دی تھیں' مثلاً بنونضیر کی زمین اور فدک اور خیبر کا حصہ' ان کی آمدنی سے میری ازواجِ مطہرات کو خرچ دیا جائے گا اور جو اس کا عامل ہو' اس کی محنت کی مقدار اسے دیا جائے گا اور اس سے جو بچے وہ صدقہ ہے' ان میں میراث جاری نہ ہوگی۔

چونکہ حضور اقدس ﷺ حقیقی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں' اس لیے آپ کی ازواجِ مطہرات نفقہ پانے کی مستحق ہیں۔ اس حدیث میں عامل سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں شراح کے دو قول ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد خلیفہ ہے' یعنی میرے بعد جو خلیفہ ہو' وہ اس میں سے اپنا خرچ لے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو ان زمینوں کی دیکھ بھال کرے۔

بَابٌ اِذَا وَقَفَ اَرْضًا اَوْ بِئْرًا اَوِ اشْتَرَطَ لِنَفْسِهٖ مِثْلَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ (ص ۳۸۹)

جب کوئی زمین یا کنواں وقف کیا یا اپنے لیے مسلمانوں کے مثل ڈول کی شرط کر لی

ت ۵۶۰ - وَاَوْقَفَ اَنَسٌ دَارًا فَكَانَ اِذَا قَدِمَهَا نَزَلَهَا.

حضرت انس نے ایک مکان وقف کیا اور جب وہاں آتے تو اس میں ٹھہرتے۔

اس تعلیق کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے' یہ گھر مدینہ طیبہ میں تھا' جب آپ حج کے لیے مدینہ طیبہ سے گزرتے تو اس میں ٹھہرتے۔

ت ۵۶۱ - وَتَصَدَّقَ الزُّبَیْرُ بِدُوْرِهٖ وَقَالَ لِلْمَرْدُوْدَةِ مِنْ بَنَاتِهٖ اَنْ تَسْكُنَ غَیْرَ مُضِرَّةٍ وَّلَا مُضَرٍّ بِهَا فَاِنِ اسْتَغْنَتْ بِزَوْجٍ فَلَیْسَ لَهَا حَقٌّ.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھروں کو وقف کر دیا اور اپنی مطلقہ صاحبزادی کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس میں رہے مگر نقصان نہ پہنچائے اور خود تکلیف نہ اُٹھائے اور اگر کسی سے شادی کرنے کی وجہ سے اس سے مستغنی ہو جائے تو اس کو اس مکان میں رہنے کا حق نہیں۔

اس تعلیق کو امام دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ اسے اپنے صاحبزادوں پر وقف فرمایا تھا۔

ت ۵۶۲ - وَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ نَصِیْبَهٗ مِنْ دَارِ عُمَرَ سُكْنٰی لِذَوِی الْحَاجَةِ مِنْ اٰلِ عَبْدِ اللّٰهِ.

اور حضرت ابن عمر نے اپنے حصہ کو جو حضرت عمر کے گھر سے ان کا تھا' آلِ عبداللہ کے ضرورت مندوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

ت ۵۶۳ - عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عُثْمَانَ رَضِیَ

ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا

اللّٰهُ عَنْهُ حَيْثُ حُوصِرَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَلَا اَنْشُدُ اِلَّا اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَفَرَ رُوْمَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَحَفَرْتُهَا اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ قَالَ مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَجَهَّزْتُهُمْ قَالَ فَصَدَّقُوْهُ بِمَا قَالَ.

محاصرہ کیا گیا تھا تو آپ بالاخانہ پر تشریف لائے اور فرمایا: میں تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور صرف نبی ﷺ کے صحابہ کرام کا واسطہ دیتا ہوں' کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بئر رومہ کو کھودے اس کے لیے جنت ہے تو میں نے اس کو کھودا' کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ حضور نے فرمایا: جو جیش عسرت کا سامان کرے تو اس کے لیے جنت ہے تو میں نے اس کا سامان کیا۔ ابوعبدالرحمٰن نے کہا: لوگوں نے ان کے ارشاد کی تصدیق کی۔

اس تعلیق کو دار قطنی اور اسماعیلی وغیرہ نے روایت کیا ہے" فحفرتها "۔ یہ بعض راویوں کا وہم ہے' صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ کو خریدا تھا' کھدوایا نہیں تھا' اسے بیس ہزار یا پچیس ہزار میں خریدا تھا۔ ترمذی اور مسند امام احمد میں ہے کہ جیش عسرت کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار لا کر خدمت اقدس میں پیش فرمائے۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج کے بعد عثمان کچھ بھی نہ کرے تو کوئی حرج نہیں' ایک ہزار دینار تقریباً چار کلوگرام سونا ہوا۔

بغوی نے معجم الصحابہ میں روایت کیا کہ رومہ بنی غفار کا ایک چشمہ تھا' جس کا مالک ایک مشک پانی ایک مد کے عوض بیچتا تھا۔ اس سے نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تو جنت کے چشمہ کے عوض اسے بیچے گا؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے اور میرے عیال کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی' انہوں نے اسے پینتیس ہزار میں خرید لیا' پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا مجھے اس کے عوض وہ عطاء فرمائیں گے جو اسے عطاء فرما رہے تھے؟ فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

اگر بئر رومہ پہلے چشمہ تھا تو یہ ممکن ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے کھدوا کر کنواں بنوا دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے چھوٹا کنواں رہا ہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خریدنے کے بعد اسے اور وسیع کر دیا ہو اور اس کی منڈیر وغیرہ بنوا دی ہو' اس لیے کسی راوی نے" فحفرتها "سے تعبیر کر دیا ہو۔

فصدقوہ

نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ تصدیق کرنے والے حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔

مطابقت

اس تعلیق کو باب کے اس جز سے صراحۃً مطابقت ہے کہ جس نے کنواں وقف کیا' مگر اخیر کے جز سے اس تعلیق کے کسی لفظ کو مطابقت نہیں' لیکن ترمذی میں جو روایت ہے' اس میں یہ زائد ہے کہ بئر رومہ کون خریدتا ہے اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ کر دیتا ہے۔ اور امام بخاری کی عادت کریمہ معلوم ہے کہ وہ کبھی کبھی باب کے ضمن میں روایت کے جو الفاظ ذکر کرتے ہیں' اس سے باب کو مطابقت نہیں ہوتی' لیکن یہی حدیث کسی اور طریقے سے کہیں اور مروی ہوتی ہے' اس باب کے مناسب مضمون ہوتا ہے' یہی قصہ یہاں بھی ہے۔

بَابٌ [المائدہ: ۱۰۶-۱۰۸ کی تفسیر]

قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: اے ایمان والو! جب تمہاری

بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِلَى قَوْلِهِ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ○ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ○ ذٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَنْ يَّأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَآ أَوْ يَخَافُوٓا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ○﴾ (المائدۃ:۱۰۶-۱۰۸).

موت کا وقت آ جائے تو وصیت کے وقت تمہاری گواہی کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے یعنی مسلمان دو عادل گواہ ہوں اور اگر سفر کی حالت میں موت آئے (اور مسلمان گواہ نہ ملیں) تو دو تمہارے غیروں کے ہوں، اور اگر ان گواہوں کے بارے میں تم کو کچھ شک ہو تو انہیں روکو اور نماز (عصر) کے بعد کھڑا کرو وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم گواہی کے عوض کچھ مال نہیں لیں گے، اگرچہ ہمارا رشتہ دار ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے اور اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے○ پھر اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے جھوٹ بول کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو جن لوگوں کا حق انہوں نے مارنا چاہا تھا، ان میں سے دوسرے گواہ کھڑے ہوں جو میت کے قریبی رشتہ دار ہوں، اب یہ لوگ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان لوگوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ظالم ہیں○ یہ طریقہ اس کے قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح گواہی دیں یا اس بات سے خوف کریں کہ ہماری قسمیں ان لوگوں کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں، اور اللہ سے ڈرو اور سنو! (مانو) اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے○

۱۵۲۱- ح: [خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي سَهْمٍ مَّعَ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ]

بنی سہم کا ایک شخص تمیم داری کے ساتھ باہر گیا

۱۵۲۱- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي سَهْمٍ مَّعَ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ وَعَدِيِّ بْنِ بَدَّاءَ فَمَاتَ السَّهْمِيُّ بِأَرْضٍ لَّيْسَ بِهَا مُسْلِمٌ فَلَمَّا قَدِمَا بِتَرِكَتِهِ فَقَدُوا جَامًا مِّنْ فِضَّةٍ مُّخَوَّصًا مِّنْ ذَهَبٍ فَأَحْلَفَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وَجَدُوا الْجَامَ بِمَكَّةَ فَقَالُوا ابْتَعْنَاهُ مِنْ تَمِيمٍ وَّعَدِيٍّ فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ أَوْلِيَائِهِ فَحَلَفَا لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَأَنَّ الْجَامَ لِصَاحِبِهِمْ قَالَ وَفِيهِمْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ﴾ (المائدۃ:۱۰۶) إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ.

(ابوداؤد-کتاب القضایا، ترمذی-کتاب التفسیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بنی سہم کے ایک صاحب تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ باہر گئے، سہمی ایسی جگہ مر گئے جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب وہ دونوں ان کا ترکہ لے کر آئے تو اس میں چاندی کا ایک زرنگار جام نہیں ملا۔ تمیم اور عدی سے رسول اللہ ﷺ نے حلف لیا، اس کے بعد اس جام کو لوگوں نے مکہ میں پایا، جس کے پاس ملا انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کو تمیم اور عدی سے خریدا تھا۔ متوفی کے اولیاء میں سے دو صاحبان کھڑے ہوئے اور یہ قسم کھائی کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کے بہ نسبت زیادہ صحیح ہے اور یہ جام اس سہمی کا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یعنی جو باب میں مذکور ہے۔

خازن ومدارک وغیرہ میں یہ واقعہ مفصل یوں مذکور ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے موالی میں سے بُدیل نامی ایک صاحب دو نصرانیوں عدی بن بداء اور تمیم داری کے ساتھ ملک شام تجارت کے لیے گئے' وہاں جاتے ہی بیمار پڑ گئے۔ انہوں نے اپنے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور ہمراہیوں کو بتایا نہیں۔ جب مرض بہت سخت ہو گیا اور امید زیست باقی نہ رہی تو بدیل نے تمیم اور عدی کو بلا کر تمام سامان ان کے سپرد کر دیا۔ اور یہ وصیت کی کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ سب سامان ان کے اہل کو دے دیں۔ اس کے بعد بدیل کی وفات ہو گئی۔ ان دونوں نے ان کی وفات کے بعد ان کا سامان دیکھا تو اس میں ایک چاندی کا جام تھا جس پر سونے کا کام بنا ہوا تھا' یہ تین سو مثقال چاندی کا تھا۔ بدیل یہ جام بادشاہ کو نذر کرنے کے لیے لے گئے تھے۔ تمیم اور عدی نے اس جام کو غائب کر دیا اور جب مدینہ آئے تو بدیل کا سامان ان کے گھر والوں کو سپرد کر دیا۔ گھر والوں نے سامان کھولا تو اس میں فہرست ملی' جب سامان کو اس سے ملایا تو اس میں جام نہیں ملا۔ اب وہ لوگ تمیم اور عدی کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا بُدیل نے کچھ سامان بیچا بھی تھا؟ ان دونوں نے بتایا کہ نہیں! پھر ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا بدیل عرصہ تک بیمار رہے اور اپنے علاج میں کچھ خرچ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں! وہ تو شام پہنچتے ہی بیمار پڑے اور بہت جلد مر گئے۔ اس پر ان لوگوں نے ان دونوں سے کہا: سامان میں ایک فہرست ملی ہے' اس کے مطابق تین سو مثقال چاندی کا ایک جام زرنگار غائب ہے۔ اس پر تمیم اور عدی نے کہا: ہمیں نہیں معلوم! بدیل نے جتنا سامان دیا تھا وہ سب ہم نے تمہارے سپرد کر دیا' جام کا حال ہمیں نہیں معلوم۔ یہ مقدمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا' تمیم اور عدی اپنے انکار پر جمے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد تمیم اور عدی سے منبر کے پاس قسم لی۔ ان دونوں نے قسمیں کھالیں کہ ہم اس جام کو نہیں جانتے' پھر وہ جام مکہ معظمہ میں ایک شخص کے پاس ملا' اس نے یہ بتایا کہ میں نے یہ جام تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ اس کے بعد بدیل کے اولیاء میں سے دو شخصوں نے کھڑے ہو کر یہ قسم کھائی کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے احق ہے۔

فائدہ

نہ تو مدعی پر قسم ہے اور نہ گواہ سے قسم لی جاتی ہے' بہ ظاہر یہاں بدیل کے اولیاء مدعی ہیں یا کم از کم گواہ' اس لیے ان سے جو قسم لی گئی اس کو شرعاً معتبر نہیں ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ بدیل کے اولیاء صورۃً مدعی تھے' لیکن حقیقۃً مدعیٰ علیہ' اس لیے ان سے قسم لی گئی۔

آیہ کریمہ میں ''اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ'' (المائدہ:۱۰۶) سے مراد غیر مذہب والے مثلاً یہودی یا نصرانی ہیں۔ صحیح او رراجح یہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں اور یہاں دو نصرانیوں کی گواہی قبول کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کچھ مفسرین فرماتے ہیں کہ ''من غیرکم'' سے مراد کافر نہیں بلکہ اپنے قبیلے کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ ہیں۔

اور حدیث میں تمیم اور عدی کا بیان شہادت نہیں بلکہ دعوے سے انکار ہے۔ بدیل کے ورثہ نے ان دونوں پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان دونوں نے جام غائب کر دیا ہے۔ اس کا ان لوگوں نے انکار کر دیا' اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قسم لی' یہ مدعیٰ علیہ سے دعویٰ سے انکار پر قسم لینا ہے' شہادت نہیں۔

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فرید بک سٹال
۳۸۔ اردو بازار لاہور
E-mail:info@faridbookstall.com
Web Site: www.faridbookstall.com